

من جملہ اجلہ خلفاء مجازین بیعت

اشرف العلماء الراسخين ، امام المحققين ، قطب الارشاد والتكوين
مجدد الملت والدين ، حكيم الامت باليقين ، شيخ المشايخ والکاملين

حضرت مولانا شاہ محمد اشرف علی عثمانوی قدس سرہ

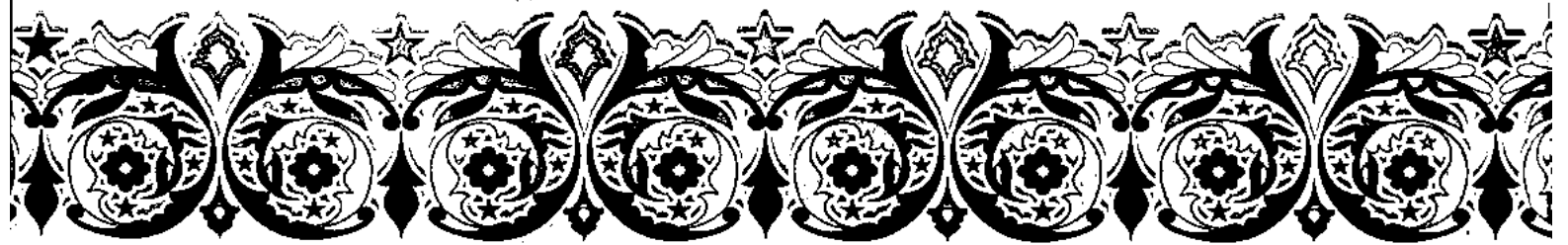
یعنی

جامع الفضائل والکمالات ، خیر المشايخ والکاملين ، شمس العارفين

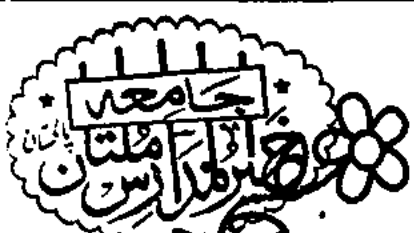
استاذ العلماء حضرت مولانا خیر محمد جالندھری نور اللہ مرقدہ

کی ”سوانح حیات“

حیات السوانح



مولانا آفتاب احمد
کے حیات صاحب السوانح



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَلَتَكُنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ •

مِنْ جُمْلَةِ أَجَلِّهِ خُلَفَاءِ مَجَازِينَ بَعِثَ

اشرف العلماء الراسخين، امام المحققين، قطب الارشاد والتكوين
مجدد الملت والدين، حكيم الامت باليقين، شيخ المشائخ والكاملين

حضرت مولانا شاہ محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہ
یعنی

جامع الفضائل والکمالات، خیر المشائخ والکاملین، شمس العارفين

اُستاذ العلماء حضرت مولانا خیر محمد جالندھری نور اللہ مرقدہ

کی ”سوانح حیات“

خیر السوانح

نالیف

احقر آفتاب احمد علی حویہ (ایم. اے، انگلش)





یکے از متوسلین صاحب السوانح

سابق مدرس دارالعلوم الاسلامیہ، اشرف آباد، ٹنڈوالڈیاریہ، ضلع حیدرآباد، سندھ، حال مقیم مدینہ منورہ

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

نام کتاب	:	خیر السوانح
سوانح حیات	:	استاذ العلماء حضرت مولانا خیر محمد جالندھری نور اللہ مرقدہ
مؤلف	:	مولانا آفتاب احمد زید مجدہم
زیر نگرانی	:	مولانا محمد حنیف جالندھری، مہتمم جامعہ خیر المدارس ملتان
باہتمام	:	حاجی ذیشان الہی
طباعت اول	:	رمضان المبارک ۱۴۲۷ھ / اکتوبر 2006ء
کمپوزیشن	:	حافظ محمد نعمان حامد (شعبہ کمپیوٹر جامعہ خیر المدارس ملتان)
تعداد	:	1100
ناشر	:	ادارہ خیر المعارف، گلشن انوار، پرانا شجاع آباد روڈ ملتان
قیمت	:	

دہننے کے پتے

- ادارہ خیر المعارف ”گلشن انوار“ نزد جامعہ موسویہ، پرانا شجاع آباد روڈ ملتان 
- دفتر ماہنامہ ”الخیر“ جامعہ خیر المدارس، اورنگ زیب روڈ ملتان 
- مکتبہ امدادیہ ٹی بی ہسپتال روڈ ملتان 
- ادارہ تالیفات اشرفیہ، نزد چوک فوارہ ملتان 

فہرست

صفحہ نمبر	مضمون
۵۱	مقدمہ (از مؤلف)
۵۱	ضرورت و اہمیت سوانح
۵۱	حضرت الحاج مولوی نصرت علی صدیقیؒ کی تجویز اور تاکید
۵۲	مخدومی حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحبؒ کا بار بار استفسار
۵۲	احساس ضرورت و اہمیت
۵۳	تالیف و تکمیل ”خیر السوانح“ کے لئے بزرگان دین کا بار بار تقاضا اور قیمتی ہدایات و مشورے
۵۳	مخدومی حضرت مولانا محمد شریف جالندھریؒ کا بار بار تقاضا
۵۳	حضرت الحاج مولوی نصرت علی صدیقیؒ کی مخلصانہ تشبیہ
۵۳	حضرت ڈاکٹر سید محمد عبدالواحد صاحب دامت برکاتہم کی تاکید
۵۳	مخدومنا حضرت مفتی محمد شفیعؒ کی انمول ہدایات اور مفید ترین مشورہ
۵۳	تقلید و اجتہاد
۵۳	مخدومنا حضرت مولانا فقیر محمد رحمۃ اللہ علیہ کا نہایت کارآمد مشورہ
۵۳	نئے سرے سے کام کا آغاز
۵۵	تالیف ”خیر السوانح“ کے لئے ابتدائی تحریک
۵۵	اجازت تالیف از صاحب سوانح
۵۵	مولانا عبدالسلام صاحبؒ کی احقر سے تالیف سوانح کی طلب اور تفویض تالیف سوانح
۵۶	ماخذ ”خیر السوانح“ و تعاون علی التالیف
۵۶	ماخذ اول ”نقش حیات خیر محمد“
۵۶	ترکیہ و تعلیم وغیرہ کے سلسلہ میں متوقع فائدہ

۵۶	ماخذ ثانی..... مشاہدہ و مکاتبت
۵۶	ماخذ ثالث..... محترمی ماسٹر محمد اقبال قریشی صاحب کی تالیف
۵۷	ماخذ رابع
۵۷	موجودہ مہتمم مولانا محمد حنیف جالندھری زید مجدہم کا تعاون
۵۷	حضرت سید قمر الدین احمد دامت برکاتہم کا اہم تعاون
۵۷	حضرت مولانا حافظ منظور احمد صاحب کا تعاون
۵۸	ماخذ خامس..... مشتمل بر نہایت اہم ماخذ اور خصوصی تعاون
۵۸	مخدومی حضرت مولانا محمد شریف جالندھری رحمہ اللہ تعالیٰ کا خصوصی تعاون
۵۸	حضرت مولانا حافظ عبدالحق جالندھری رحمہ اللہ کا خصوصی تعاون
۵۸	دیگر متعدد بزرگان دین کا تعاون
۵۹	استاذی المعظم حضرت علامہ مولانا ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ کا مقالہ
۵۹	مخدومنا حضرت حاجی محمد شریف رحمہ اللہ (خلیفہ مجدد تھانوی) کا تعاون اور ان کی کتاب سے استفادہ
۵۹	استاذی المحترم حضرت مولانا مفتی محمد وجیہ صاحب مدظلہ العالی کا تعاون
۶۰	مؤلف ”رحمت کائنات“ حضرت مولانا سید قاضی محمد زاہد الحسینی مدظلہ کا تعاون
۶۰	حضرت صوفی اقبال رحمہ اللہ (خلیفہ حضرت شیخ الحدیث) کا تعاون
۶۰	سیدی مسیح الامت حضرت مولانا شاہ محمد مسیح اللہ نور اللہ مرقدہ کی انمول دُعا اور حوصلہ افزائی
۶۰	حضرت مولانا حافظ محمد عبد الوحید شہید حرم کی حوصلہ افزائی
۶۱	حضرت مولانا عبد العزیز مدظلہ اور مولانا عبد الشکور زید مجدہ کا تعاون
۶۱	دیگر حضرات کا تعاون اور اعتراف احسان
۶۱	مختصر تاریخ تالیف ”خیر السوانح“
۶۳	ایک اور گزارش
۶۳	خاتمہ
۶۳	سیدی حضرت والا کے ارشادات بردرخواست اجازت برائے ترتیب ”سوانح حضرت والا“

۶۴	نقل تمہید خودنوشت سوانح حضرت والی
۶۵	ارشادات و دُعای سیدی سح الامت حضرت مولانا شاہ محمد سح اللہ نور اللہ مرقدہ
۶۵	مکتوب گرامی اُستادِ المعظم مخدومی محترم حضرت علامہ مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ
۶۶	گرامی نامہ مفتی اعظم پاکستان مخدومنا حضرت مولانا مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ
۶۶	گرامی نامہ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ (ندوۃ العلماء لکھنؤ)
۶۷	پیش لفظ (از حضرت مولانا محمد شریف جالندھری)
۷۰	سیدی و مولائی حضرت مولانا خیر محمد صاحب نور اللہ مرقدہ کی اتباع سنت والی حیاتِ طیبہ کی تین نمایاں خصوصیات
۷۳	خلاصۃ السلوک اور عطر تصوف
۷۳	حاصل تصوف
۷۳	رسالہ ”ایم فی اسم“ در طریق سلوک
۷۴	رسالہ ”الظم فی اسم“ در ماہیت اصلاح
۷۴	تعارف حقیقت و ضرورت تصوف
۷۴	عرض مؤلف
۷۵	تصوف
۷۵	حقیقت تصوف
۷۵	ضرورت تصوف
۷۵	تصوف اور قرآن
۷۷	اقوال صوفیاء
۷۷	شریعت و طریقت کی اصطلاحات الگ الگ بعد میں ضرورت مقرر کی گئیں
۷۸	شریعت، طریقت، حقیقت و معرفت
۷۸	بیعت
۷۹	اسماء گرامی حضرات سلاسل اربعہ

۸۰	باب اول اسم گرامی و تاریخی نام نامی
۸۲	باب دوم نسب شریف اور خاندانی حالات
۸۳	”راعین“ قوم اور لفظ کی تحقیق
۸۴	”راعین“ کی آمد
۸۴	راعین میں سے بعض کا سید، بعض کا فاروقی اور دیگر شیوخ سے ہونا
۸۵	سرکاری رپورٹ
۸۵	راعین میں عربی آثار
۸۵	قوم راعین کا دینی فیضان
۸۷	تذکرہ والد محترم میاں الہی بخش صاحب مرحوم
۸۷	تذکرہ والدہ صاحبہ مرحومہ
۸۸	تذکرہ ماموں صاحب مرحوم
۸۹	الہی بخش کی اولاد
۹۰	تذکرہ برادر عزیز مولوی حافظ غلام محمد صاحب مرحوم
۹۱	برادر مرحوم کا نکاح
۹۲	برادر مرحوم کا زمانہ تدریس
۹۲	برادر مرحوم کا اخلاص
۹۳	برادر مرحوم کی وفات
۹۳	علماء کرام بغرض جنازہ و تعزیت
۹۴	عمر
۹۴	تذکرہ اولاد برادر عزیز
۹۵	باب سوم ... ولادت باسعادت وطن اور طفولیت
۹۵	طفولیت
۹۶	آبائی وطن سابق

۹۷	باب چہارم ابتدائی تعلیم
۹۷	ابتدائی قرآن مجید ناظرہ
۹۷	مراجعت وطن
۹۸	باب پنجم زمانہ تحصیل علوم یعنی تحصیل علوم و تذکرہ اساتذہ کرام اور واقعات
۹۹	داخلہ مدرسہ رشیدیہ نکودر (سال اول ۲۳-۱۳۲۳ھ)
۹۹	حضرت مولانا محمد عبداللہ صاحب چند یانوی
۱۰۰	مدرسہ عربی رائے پور گوجران (سال دوم تا پنجم ۲۳ تا ۲۸ھ ۱۳۲۸ھ)
۱۰۰	استاذی حضرت مولانا فضل احمد صاحب
۱۰۱	استاذی حضرت مولانا حافظ فقیر اللہ صاحب رائے پوری
۱۰۳	نقشہ تحصیل علوم مدرسہ رائے پور گوجران
۱۰۵	شرکت جلسہ ۲۷ سالہ دارالعلوم دیوبند زیارت بزرگان حضرت حکیم الامت کی اول بار زیارت و سماعت و عظ
۱۰۶	تحصیل بعض علوم بمقام گنچہ ۱۳۲۸ھ
۱۰۶	استادی حضرت مولانا سلطان احمد صاحب گجراتی
۱۰۶	مدرسہ شیع العلوم گلڈونگی (۱۳۲۸ھ تا ۱۳۳۱ھ)
۱۰۷	استاذی حضرت مولانا غلام نبی صاحب
۱۰۷	استاذی حضرت مولانا کریم بخش صاحب
۱۰۷	استاذی حضرت مولانا محی الدین صاحب
۱۰۷	استاذی جناب مولانا محمد یحییٰ صاحب بہاری
۱۰۸	استاذی مولانا حسن نواز صاحب انبالوی
۱۰۸	سفر میرٹھ اور زیارت اکابر و سماع مواعظ حضرت حکیم الامت وغیرہ
۱۰۸	سفر وہلی و مشاہدہ تاج پوشی جارج پنجم
۱۰۸	زیارت مزارات مقدسہ
۱۰۹	رحلت ماموں شاہ محمد صاحب

۱۰۹	مراجعت وطن
۱۰۹	چند روزہ قیام دیوبند و استفادہ از بعض اکابر اساتذہ دارالعلوم
۱۱۰	تدریس بزمانہ طالب علمی
۱۱۰	مدرسہ رائے پور گوجراں
۱۱۰	گنج ضلع گجرات
۱۱۰	سرگھاؤ پنچی، دہلی اور میرٹھ بسلسلہ علائق استاذ اور استفادہ علمی (۱۳۳۱ھ)
۱۱۱	مدرسہ اشاعت علوم بریلی (۱۳۳۲ھ)
۱۱۱	استاذی المعظم حضرت مولانا محمد یسین صاحب
۱۱۱	استاذی جناب مولانا سلطان احمد صاحب بریلوی
۱۱۲	استاذی جناب مولانا عبدالرحمن صاحب
۱۱۲	استاذی حضرت مولانا سلطان احمد صاحب پشاور
۱۱۲	نقشہ تحصیل و تکمیل علوم مدرسہ اشاعت علوم بریلی
۱۱۲	باقاعدہ تدریس بزمانہ طالب علمی..... مدرسہ اشاعت علوم بریلی
۱۱۳	دستار بندی اور اسناد از حضرات اساتذہ کرام
۱۱۳	باب ششم تعلیم و تدریس حضرت والا کی تعلیمی و تدریسی خصوصیات
۱۱۳	طریقہ تعلیم
۱۱۵	انداز تدریس
۱۱۵	حسن تعلیم و تقریر
۱۱۶	حضرت والا کے درس میں احقر مؤلف کی حاضری
۱۱۶	مشاہدہ مہارت تعلیم حضرت والا اور شرف تلمذ احقر مؤلف
۱۱۷	دینی کتب سے محبت اور ان کا ادب
۱۱۷	رمضان المبارک میں حضرت والا کی تدریس کتب جن میں چند سال احقر مؤلف کو شرف تلمذ حاصل ہوا
۱۱۸	اصول تعلیم و تعلم اور متعلقات اصول کی بابت حضرت والا کے معمولات و ملفوظات اور ہدایات

۱۱۹	اساتذہ کے لئے سنہری اصول
۱۱۹	درجہ قرآن مجید کے اساتذہ کے لئے چند کارآمد ہدایات
۱۲۰	خبر الافادۃ فی المطالعة والتکرار والاعادة (طلباء کے لئے تعلیمی ہدایات)
۱۲۰	طلباء کی اصلاح اور تزکیہ نفس مع تعلیم
۱۲۰	ناغہ سے احتراز..... جب حدیث نبوی شریف اور عشق رسول ﷺ
۱۲۰	حدیث سے محبت
۱۲۱	سبق کے ناغہ کا ضرر
۱۲۱	استاد کا ادب
۱۲۲	تعلیم میں سیاسیات سے یکسوئی
۱۲۲	ہم بھی یکہ والے ہیں
۱۲۲	دین کے قلعے
۱۲۲	درہ جبل احد کے تیر انداز
۱۲۲	ایک نازک مرحلہ
۱۲۵	حسن انتظام سے متعلق ایک واقعہ
۱۲۵	دورانِ تعلیم دیگر مشاغل دیدیہ سے یکسوئی
۱۲۷	نصائح حضرت مسیح الامت نور اللہ مرقدہ
۱۲۷	استاد کے لئے یہ چیزیں ضروری ہیں
۱۲۷	اشرف التتمیر فی اصول التعلم والتعلیم (مع المتعلقات)
۱۲۷	حضرت حکیم الامت کے معمولات تدریس
۱۲۸	حضرت حکیم الامت کا طرزِ تعلیم..... ماہرینِ تعلیم اور اساتذہ کے لئے اصولِ اصول تدریس
۱۲۹	طلباء کے لئے ہفتہ وار مشقِ تقریر کے بارے میں حضرت حکیم الامت کا ارشاد
۱۳۰	استعدادِ علمی کے لئے طلباء کو حضرت تھانویؒ کی ہدایات
۱۳۰	واقعات از ابتداء زمانہ تدریس

۱۳۱	چندوی میں رمضان المبارک اور تراویح
۱۳۱	سائیس پھول شاہ مجذوب کے یہاں دعوت
۱۳۱	تجویز مدرسہ احیاء الاسلام منڈی صادق گنج
۱۳۱	مدرسی منڈی صادق گنج
۱۳۲	مدرسی مدرسہ عربیہ رائے پور گوجراں
۱۳۲	تعمیر مکان
۱۳۲	دوبارہ مدرسہ احیاء الاسلام منڈی صادق گنج
۱۳۳	تاسازی طبع اور علاج
۱۳۳	اصلاح معالج احسان کا بدلہ احسان
۱۳۳	نظامت تعلیم مدرسہ فیض محمدی جالندھر شہر
۱۳۳	رائے پوری حضرات کا حضرت والا کو نظامت تعلیم کے لئے مجبور کرنا
۱۳۴	خیر الختامرہ بالاسناد عن السادات البردة الکرام (اجازت سند حدیث و تعلیم تفسیر حدیث و فقہ)
۱۳۶	باب ہفتم تاسیس مدرسہ عربیہ خیر المدارس
۱۳۶	افتتاح مدرسہ خیر المدارس
۱۳۶	مدرسہ عربی خیر المدارس جالندھر
۱۳۷	حضرت مولانا محمد علی جالندھری کا استعفاء از خدمات مدرسہ بوجہ شمولیت سیاسیات
۱۳۷	حضرت والا کا حضرت حکیم الامت کے ارشاد پر تازیت عمل
۱۳۸	مدرسہ کی سرپرستی
۱۳۸	حضرت والا کا کمال تعلیم و تدریس اور شان انتظام
۱۳۹	مدرسہ خیر المدارس جالندھر میں بزرگان دین کا ورود مسعود
۱۴۱	مدرسہ خیر المدارس جالندھر میں حضرت حکیم الامت تھانوی کی تشریف آوری
۱۴۴	تاثرات حضرت مجذوب صاحب بابت خیر المدارس

۱۳۶	باب ہشتم رکنیت مجلس شوریٰ دارالعلوم دیوبند
۱۳۶	انقل کرامی نامہ حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب (مہتمم دارالعلوم دیوبند)
۱۳۶	دارالعلوم دیوبند میں دارالافتاء یا تدریسی خدمت کے لئے تشریف آوری کی پیشکش
۱۳۷	پیشکش رکنیت دارالعلوم دیوبند
۱۳۸	استغفی از رکنیت مجلس شوریٰ دارالعلوم دیوبند
۱۳۹	باب نہم ہجرت پاکستان اور خیر المدارس ملتان
۱۳۹	فسادات مشرقی پنجاب
۱۵۰	اقامت نکودرکمپ
۱۵۰	تولد پوتی
۱۵۰	لاہور
۱۵۱	ملتان
۱۵۱	اجراء مدرسہ خیر المدارس ملتان
۱۵۱	تمتہ ہجرت
۱۵۱	بستی نو
۱۵۱	گیان تھلہ و باولی
۱۵۲	نشأۃ ثانیہ خیر المدارس ملتان
۱۵۲	تاریخ نشأۃ ثانیہ
۱۵۳	نظم (۱)
۱۵۳	نظم (۲) تعارف خیر المدارس، ملتان
۱۵۵	بحیثیت ماہر تعلیم اور جامع منقول و معقول
۱۵۵	حضرت والا کی رائے گرامی بابت درس نظامی
۱۵۵	خدا تعالیٰ کا فضل و انعام حضرت والا کا حسن تدبیر، حسن انتظام اور حسن اہتمام بزبان علماء کرام
۱۵۵	باکمال منتظم

۱۵۶	انتظامی شان
۱۵۶	مدرسہ کا مہتمم بننا
۱۵۷	حضرت والا کا تعلیم میں درجہ اخلاص اور طلباء و مدارس دیدیہ کی خیر خواہی
۱۵۷	تعلیم میں اخلاص اور طلباء کے فائدہ کی مقصودیت
۱۵۷	دینی مدارس کی خیر خواہی
۱۵۸	اہل مدارس کی سیاست سے یکسوئی
۱۵۹	عمارت خیر المدارس ملتان
۱۵۹	جامع مسجد خیر المدارس، ملتان (خیر المساجد)
۱۶۰	دارالحدیث اشرفیہ
۱۶۱	دارالحدیث بابرکات
۱۶۱	خیر المدارس ملتان کے بارے میں بزرگان ملت کی آراء
۱۶۱	شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ
۱۶۱	مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی نور اللہ مرقدہ
۱۶۲	حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ
۱۶۲	شیخ شریعت و طریقت حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب امرتسری رحمۃ اللہ علیہ
۱۶۲	مورخ اسلام حضرت مولانا سید سلیمان ندویؒ
۱۶۲	ماہر علوم جدیدہ حضرت مولانا عبدالباری صاحب ندویؒ
۱۶۳	شیخ الحدیث و التفسیر حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلویؒ
۱۶۳	فاضل ادیب حضرت مولانا محمد ناظم ندوی، سابق شیخ الجامعہ عباسیہ بہاولپور
۱۶۳	فاضل یگانہ حضرت علامہ مولانا سعید مبارک الصوری (مسقط)
۱۶۳	حضرت علامہ الجلیل الشیخ امجد الزہادی (از مشاہیر علماء عراق)
۱۶۳	خطیب ملت حضرت مولانا احتشام الحق صاحب تھانویؒ
۱۶۴	شیخ الاسلام حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانیؒ

۱۶۳	جناب ڈاکٹر محمد فام صاحب (معتد شعبہ عربی جامعہ ازہر مصر)
۱۶۳	ممتاز مصری عالم فضیلۃ الشیخ حسن حبشی حفظہ اللہ تعالیٰ
۱۶۳	عالم عرب کے ممتاز (حنفی) عالم فضیلۃ الشیخ العلامة عبدالفتاح ابوعدہ تلمیذ امام کوثریؒ
۱۶۳	زبدۃ المحققین حضرت مولانا عبدالحق صاحب "مہتمم مدرسہ حقانیہ اکوڑہ خٹک
۱۶۵	مجاہد ملت حضرت مولانا سید محمد یوسف صاحب بنوریؒ
۱۶۵	حضرت مولانا محمد صادق صاحب "سابق ناظم امور مذہبیہ بہاولپور
۱۶۵	صوفی کامل حضرت محمد ابراہیم صاحب سلیم پوری و حضرت مولانا عبدالعزیز صاحب رائے پوریؒ
۱۶۵	کفر کا سیلاب اور دین اسلام کے مضبوط قلعے
۱۶۵	مدارس دینیہ
۱۶۸	تعلیم النساء
۱۷۰	سنگ بنیاد مدرسہ تعلیم النساء
۱۷۱	مدرسہ تعلیم النساء
۱۷۲	مدرسہ خیر المدارس کے سالانہ تبلیغی اجتماعات
۱۷۳	مزید بابت سالانہ جلسات خیر المدارس
۱۷۵	حضرت مولانا سید سلیمان کے بیان اور جلسہ خیر المدارس کے دوران بارانِ رحمت
۱۷۵	حضرت مولانا مدنیؒ کو جلسہ کے لئے دعوت بحیثیت شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند، نہ کہ بحیثیت صدر جمعیتہ العلماء ہند
۱۷۵	شرکت جلسہ سے حضرت مولانا مدنیؒ کا عذر اور اس کا ازالہ بحجواب حضرت والاؒ
۱۷۶	دو ملفوظات حضرت والاؒ بر موقع جلسہ
۱۷۶	ملفوظ (۶) انتخاب صدر جلسہ میں ترک تکلف اور رسم مغرب سے اجتناب
۱۷۶	ملفوظ (۷) ہمارا مدرسہ پرانے طریق پر چل رہا ہے..... حضرت والاؒ کا ارشاد
۱۷۷	اصلاحِ امت کے لئے فریضہ اصلاح و تزکیہ اور تعلیم و تبلیغ یا صرف حکومت کی اصلاح... زیادہ اہم اور ضروری کیا ہے؟ ایک غلط فہمی کا ازالہ اور اس کی اصلاح
۱۷۸	مدرسہ عربی خیر المدارس کے سرپرست حضرات

۱۷۸	مدرسہ خیر المدارس کے مہتمم حضرات
۱۷۹	حضرت مولانا حافظ قاری محمد حنیف صاحب جالندھری زاد مجدد
۱۷۹	خطابت اور تدریس
۱۷۹	انتخاب مہتمم
۱۸۰	شورئی کا اجلاس
۱۸۱	اسماء گرامی ارکان و عہدہ داران مجلس شورئی مدرسہ خیر المدارس، ملتان شہر (سابقہ در ۱۹۵۶ء)
۱۸۲	مدرسہ کا نظم و نسق کی سپردگی
۱۸۲	خیر المدارس کی موجودہ مجلس شورئی
۱۸۳	خیر المدارس کے صدر المدرسین حضرات
۱۸۳	دارالافتاء خیر المدارس
۱۸۳	خیر المدارس کے سابق خیر الا ساتھ
۱۸۷	خیر المدارس کے موجودہ اساتذہ کرام
۱۸۷	مراسلت حضرت والامع شیخ الاسلام حضرت علامہ مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ
۱۸۸	(۱) (مکتوب ۷۷ ص ۲۲۸) مکتوب علامہ عثمانی بنام حضرت والامع (بابت سفارش داخلہ طالب علم)
۱۸۸	(۲) (مکتوب ۷۷ ص ۲۳۶) مکتوب حضرت والامع بنام علامہ عثمانی (بابت تجویز مجلس شورئی برائے سرپرستی خیر المدارس)
۱۸۸	(۳) (مکتوب ۸۱ ص ۲۳۷) مکتوب علامہ عثمانی بنام حضرت والامع (بابت قبولیت سرپرستی خیر المدارس)
۱۸۸	(۴) (مکتوب ۷۵ ص ۲۳۹) مکتوب بہدایت علامہ عثمانی (بقلم مولانا محمد یحییٰ صاحب)
۱۸۹	(۵) (ص ۲۵۷) مکتوب مولانا محمد یحییٰ صاحب بنام حضرت والامع (بابت وفات علامہ عثمانی)
۱۸۹	بعض مکتوبات حضرت والامع بنام بعض اکابر علماء کرام
۱۹۳	وفاق المدارس العربیہ پاکستان
۱۹۳	بانی وفاق المدارس
۱۹۳	وفاق المدارس سے حضرت مولانا خیر محمد صاحب کا تعلق
۱۹۵	اول صدر وفاق المدارس العربیہ پاکستان

۱۹۵	ماضی کے خیر الظہ (چند چند در شعر و بند)
۱۹۶	آج کا خیر المدارس اور احقر مؤلف کی اپنے برادران خیر المدارس کی خدمت میں گزارش
۱۹۸	ملفوظات و مواعظ حکیم الامت کے بارے میں خود حضرت والا اور بعض دیگر صاحب سلسلہ اکابر کے ارشادات
۱۹۹	مخدومنا حضرت مولانا فقیر محمد صاحب خلیفہ مجاز بیعت حضرت تھانوی کا ارشاد
۱۹۹	حضرت والا کے مکاتیب اصلاحیہ میں مطالعہ مواعظ و ملفوظات کی تاکید
۱۹۹	مخدومنا حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب (مفتی اعظم پاکستان) کی تائید و تاکید
۲۰۰	مخدومنا حضرت مولانا سید سلیمان ندوی کی کتاب سے اقتباس بابت ملفوظات
۲۰۰	مدرسہ مثالیہ عربیہ خیر المدارس
۲۰۱	سالانہ روئیداد (مدرسہ خیر المدارس)
۲۰۲	ارشاد گرامی قطب الالیاء حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ
۲۰۳	مدرسہ خیر المدارس کی تاریخ
۲۰۳	خیر المدارس کی مرکزیت
۲۰۳	مدرسہ کامسک و مشرب
۲۰۳	نصب العین یعنی اغراض و مقاصد
۲۰۴	نظم و نسق
۲۰۴	آئین متعلقہ رخصت ملازمین
۲۰۴	ملازمین کی علیحدگی
۲۰۵	آئین متعلقہ طلباء
۲۰۵	داخلہ طلباء
۲۰۶	اوقات مدرسہ ہذا
۲۰۶	امتحانات
۲۰۷	نتیجہ امتحان سالانہ شعبان ۱۳۷۶ھ
۲۰۷	مولانا محمد امین صاحب ممتحن درجہ عربی

۲۰۷	مولانا عبدالقدیر صاحب . ممتحن درجہ عربی
۲۰۷	مولانا عبداللہ صاحب . ممتحن درجہ قرآن
۲۰۸	مولانا قاری فتح محمد صاحب پانی پتی . ممتحن درجہ تجوید و قرأت
۲۰۸	مدرسہ کاچندہ
۲۰۸	مدرسہ کوخود کفیل بنائیے
۲۰۹	ہماری تجویز
۲۰۹	خیر المدارس (نظم)
۲۱۰	سال رواں کا سانحہ عظیم
۲۱۰	حرف آخر
۲۱۱	المعهد العلمی (اعنی) خیر المدارس
۲۱۲	حضرت خیر محمد سے ملا تھہ کو کمال
۲۱۳	باب دہم تلامذہ کرام
۲۱۳	نعت خاتم الانبیاء خیر الانام علیہ الف الف صلوة و سلام (از مولانا عظامی تلمیذ مولانا گرامی مرحوم)
۲۱۳	تلامذہ کرام
۲۱۳	طلباء
۲۱۳	عبدالطالب علمی
۲۱۳	عہدہ دہی مدرسہ احیاء الاسلام منڈی صادق گنج
۲۱۵	جن علماء نے دورہ حدیث پڑھا اور سند لی
۲۱۵	مدرسہ رائے پور و مدرسہ فیض محمدی جالندھر
۲۱۶	جن علماء نے دورہ حدیث پڑھا اور سند لی
۲۱۶	مدرسہ خیر المدارس جالندھر جن علماء نے دورہ حدیث پڑھا اور سند لی
۲۱۷	مدرسہ خیر المدارس ملتان شہر
۲۱۷	شاگرد وہی بنے

۲۱۷	فہرست بعض خاص کتابتہ کرام
۲۲۱	باب یازدہم مواعظ حسنہ اور مناظرات
۲۲۱	مناظرات
۲۲۱	استاذ محترم کا ایک پادری سے مناظرہ (۱۳۳۵ھ۔ ۱۹۱۷ء)
۲۲۱	مدرسی بریلی کے زمانہ ۳۶۔ ۱۳۳۵ھ میں مرزائیوں سے ایک پیارہ کا مناظرہ
۲۲۱	ابتداء مناظرات
۲۲۲	غیر مقلدین سے مناظرہ زیزہ ضلع فیروز پور
۲۲۲	چاندھر کے زمانہ میں اہل بدع سے مناظرہ
۲۲۲	اہل حدیث سے مناظرے اور تصنیف رسائل
۲۲۳	مناظروں میں کامیابی
۲۲۳	زمانہ مدرسی منڈی صادق گنج مناظروں اور جلسوں میں شرکت
۲۲۳	اہل حدیث سے مشہور مناظرہ اور نمایاں فتح
۲۲۳	اہل حدیث سے ضلع ملتان میں مزید دو مناظرے اور نمایاں فتح
۲۲۴	ضلع امرتسر میں کامیاب مناظرہ اور حضرت حکیم الامتؒ کی عجیب دُعا
۲۲۴	تاند لیا نوالہ ضلع لائل پور میں معرکہ آراء مناظرہ
۲۲۴	ضلع کرنال میں آخری مناظرہ
۲۲۴	مناظرہ کا ایک گُر
۲۲۵	مناظرہ کا اصل مقصد اور اس کے فوائد
۲۲۵	زمانہ حال اور خیر القرون میں مناظرہ کا فرق
۲۲۶	حضرت حکیم الامتؒ کا مناظرہ میں ملکہ اور ابتداء میں مناظرہ کا شوق اور بعد میں مناظرہ سے نفرت اور ترک
۲۲۶	مواعظ حسنہ
۲۲۶	زمانہ طالب علمی میں طلب پر وعظ
۲۲۷	وعظ بر موقع نکاح برادر عزیز

۲۲۷	ردِ بدعات
۲۲۷	سفر علاج اور وعظ
۲۲۷	انجوبہ..... جنات میں حضرت والاکا وعظ
۲۲۸	جلسہ اہل سنت والجماعت میں مواعظ اصلاح عقائد
۲۲۸	مواعظِ حسنہ بعد ہجرت پاکستان
۲۲۹	طرز بیان
۲۲۹	جوشیلی تقریریں اور سادہ پیر اثر وعظ
۲۳۰	حضرت والاکا کے وعظ
۲۳۱	ملتان جیل میں حضرت والاکا وعظ
۲۳۲	وعظ اور چندہ
۲۳۲	حضرت والاکا کے حکیمانہ مواعظ
۲۳۲	حکیمانہ وعظ کی دو مثالیں
۲۳۲	حضرت والاکا کے ایک وعظ کا خلاصہ
۲۳۲	حضرت والاکا کے وعظ کی تاثیر
۲۳۲	مواعظِ حسنہ کا انداز و طریق
۲۳۵	حضرت والاکا کے تین وعظ
۲۳۶	خیر الشہور ہو شہر القیام والسحر الملقب بشہر الغفران ونزول الفرقان (مرتبہ حضرت مولانا قاری محمود احمد صاحب زاد مجدہم)
۲۳۹	دنیا دار مجاہدہ اور آخرت دار مشاہدہ
۲۴۰	شریعت پر چلنے کا نام مجاہدہ ہے
۲۴۱	لوگ دس صورتوں میں محسور ہوں گے
۲۴۲	پہل صراط پر سات پویس ہیں گی
۲۴۲	خلاصہ..... مجاہدہ کا نفع
۲۴۳	اللہ تعالیٰ سے تعلق قائم کرنے کا طریقہ

۲۴۴	مقصود اعظم تعلق مع اللہ
۲۴۴	عالم کی چار قسمیں
۲۴۷	تعلق مع اللہ اتباع سنت کے طفیل حاصل ہوگا
۲۴۸	باب دوازدهم اسفار
۲۴۸	اسفار بزمانہ قیام مشرقی پنجاب
۲۴۸	اسفار بعد ہجرت پاکستان
۲۴۹	بحکم حضرت مہتمم صاحب زمانہ طالب علمی میں سفر برائے چند مدرسہ
۲۴۹	مؤاثرہ ضلع اعظم گڑھ اور دہلی کے جلسوں میں شرکت
۲۴۹	دعوت نامہ سرائے میر
۲۴۹	اسفار بزمانہ طفولیت
۲۵۰	بعض اسفار میں حضرت والا کی معیت
۲۵۱	سفر ٹنڈوالہ یار
۲۵۱	سفر ٹنڈوالہ یار بر موقع جلسہ تقسیم اسناد دارالعلوم الاسلامیہ
۲۵۲	حضرت والا سے بسم اللہ کرانا
۲۵۲	سفر حج اول
۲۵۳	دوسرا حج
۲۵۴	سفر بالاکوٹ
۲۵۵	سفر کراچی اور پہلی بار حضرت والا کی زیارت
۲۵۶	حضرت مولانا سید سلیمان ندوی سے حضرت والا کی ملاقات
۲۵۶	چلتے ہوئے تربیت اخلاق
۲۵۶	بعض واقعات سفر کراچی اور احقر کے بعض مشاہدات
۲۵۸	حضرت والا کا خادم کے ہاں قیام اور اکابر علماء کا اجتماع
۲۵۸	مندوی حضرت مفتی محمد شفیع صاحب اور حضرت مولانا احتشام الحق صاحب تھانوی کی ملاقات

۲۵۸	سفر کراچی بسلسلہ منظور تعمیر مسجد جب ۱۳۷۷ھ مطابق فروری ۱۹۵۷ء
۲۵۹	شاہ ظاہر کی ڈگری یا شاہ باطن کی زیارت
۲۶۰	سفر کراچی ۱۳ رمضان المبارک ۱۳۷۷ھ مطابق ۱۳ اپریل ۱۹۵۸ء
۲۶۰	کراچی کا آخری سفر جب ۱۳۹۰ھ ۱۳۷۰ء
۲۶۰	حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ سے ان کے مدرسہ میں حضرت والہ کی ملاقات
۲۶۱	حضرت مولانا احتشام الحق تھانویؒ سے حضرت والہ کی ملاقات
۲۶۱	دیگر اکابر سے حضرت والہ کی ملاقات کا پروگرام
۲۶۱	خادم کے غریب خانہ پر حضرت والہ کی تشریف آوری
۲۶۱	خادم کی بیٹی کو تعلیم عربی و ترجمہ قرآن شریف کے لئے حضرت والہ کی ہدایات
۲۶۱	حضرت والہ کی خدام پر انتہائی شفقت
۲۶۲	حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ سے حضرت والہ کی آخری ملاقات
۲۶۲	حضرت مفتی رشید احمد صاحب مدظلہ کے یہاں حضرت والہ کی تشریف آوری
۲۶۲	حضرت ڈاکٹر محمد عبدالحی صاحب سے حضرت والہ کی ملاقات
۲۶۲	خادم کو حضرت والہ کی آخری بار زیارت
۲۶۳	اسفار کراچی کے بعض واقعات
۲۶۳	بعض العبر من هذا السفر
۲۶۵	باب سیزدہم استفادہ باطنی یعنی تحصیل سلوک و تصوف
۲۶۷	حضرت حافظ محمد صالحؒ سے بیعت کی کچھ تفصیل
۲۶۷	(۱) حضرت حافظ صاحبؒ کے ساتھ سفر دیوبند
۲۶۷	(۲) حضرت حافظ صاحبؒ کے ساتھ کھر پور بتقریب نکاح برادر عزیز حضرت والہ
۲۶۸	انتقال حضرت حافظ صاحبؒ اور حکیم الامت حضرت تھانویؒ کی طرف رجوع
۲۶۸	اشرف العبادات و خیر المناظرات عن حکم الجمعة فی القری
۲۷۰	حضرت حکیم الامتؒ سے اجازت بیعت و تلقین اور اس سے قبل تجدید بیعت

۲۷۱	تھانہ بھون حاضری اور اعتکاف
۲۷۱	حضور ﷺ کے جلال آباد والے جبہ شریف کی زیارت اور مکرر بیعت
۲۷۱	دماغ چرانے کا عجیب دعویٰ
۲۷۲	قطب الارشاد والکونین حکیم الامت مجدد الملت حضرت تھانوی قدس سرہ العزیز سے استفادہ
۲۷۲	حاضری تھانہ بھون شریف
۲۷۳	تجدید بیعت طریقت
۲۷۴	حضرت حکیم الامت سے شرف بیعت
۲۷۵	سفر ”غیب“
۲۷۵	حضرت حکیم الامت نے ساری زندگی اصلاح امت میں بسر کی
۲۷۵	حضرت حکیم الامت کے مواعظ حسنہ کی تاثیر
۲۷۵	رسوم جہالت و بدعت مٹانے میں حضرت حکیم الامت کی کامیابی
۲۷۶	حضرت حکیم الامت نے دین کی حقیقی تمثال کو پیش کیا
۲۷۶	حضرت حکیم الامت کی خانقاہی خدمات کا اجمالی خاکہ
۲۷۶	حضرت حکیم الامت کی دینی خدمات
۲۷۶	حضرت حکیم الامت کے چند اوصاف حمیدہ
۲۷۶	حضرت تھانوی کا عشق رسول
۲۷۶	اتباع سنت و اصلاح امت
۲۷۷	حضرت کی زندگی کا نصب العین
۲۷۷	کمال فراست
۲۷۷	حضرت کی تحریر میں اثر اور برکت
۲۷۷	استغناء اور توکل
۲۷۷	کامل اتباع سنت
۲۷۷	صحابی کا نمونہ

۲۷۷	حضرت "حقیقی مومن" تھے
۲۷۷	حاضر جوابی اور بذلہ نبی
۲۷۷	کمال تحقیق
۲۷۸	فیض یافتہ امداد و محبوب تلمیذ رشید، یعقوب
۲۷۸	صدقات جاریہ
۲۷۸	ذخیرہ ملفوظات و مواعظ
۲۷۸	فوائد مطالعہ ملفوظات
۲۷۸	تصنیفی خدمات
۲۷۸	تبلیغی خدمات
۲۷۹	آپ کے اوصاف کا بیان ناممکن ہے
۲۷۹	اہل اللہ کے آثار مٹ نہیں سکتے
۲۷۹	عود الی موضوع البیعة
۲۷۹	حصول اجازت بیعت و تلقین
۲۸۰	غایت تواضع کے سبب حضرت والا کا اجازت بیعت و تلقین سے مؤدبانہ اظہار عذر
۲۸۰	اس کا محققانہ جواب
۲۸۱	خطبہ و طریق بیعت
۲۸۱	طریق اصلاح باطن
۲۸۲	حضرت حکیم الامت کی امرتسر، لاہور اور جالندھر تشریف آوری
۲۸۳	وصال حضرت مرشدنا حکیم الامت تھانوی
۲۸۵	مرثیے اور تاریخیں
۲۸۵	مرثیہ قطب عالم مجدد عصر حکیم الامت حضرت مولانا شاہ اشرف علی تھانوی قدس سرہ العزیز بقلم مولانا عظامی
۲۸۷	مرثیہ و تاریخ از حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ
۲۸۸	تاریخ وفات از حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی

۲۸۸	تاریخ وفات از حضرت مولانا مفتی جمیل احمد صاحب (لاہور)
۲۹۰	مادہ ہائے تاریخی
۲۹۰	حضرت والّا کے احوال استفاضہ باطنی
۲۹۱	بعض اکابر کا حضرت والّا کے ساتھ ادب و احترام کا معاملہ
۲۹۱	خاتمۃ الباب
۲۹۳	باب چہارم دہم لقاء بزرگان
۲۹۳	تمہید
۲۹۳	حضرت سائیں طور شاہ صاحب
۲۹۴	ادب و احترام باوجود اختلاف مسلک
۲۹۴	حضور ﷺ کی امام غزالیؒ کو خواب میں تنبیہ
۲۹۴	سیاسی عقائد کے جزئی اختلاف کے باوجود حسن ظن اور ادب و احترام
۲۹۵	ذکر رسول اکرم ﷺ رسمی محفل میلاد اور حضرات فقہاء حنفیہ کی دور رس و عمیق نظر
۲۹۶	لقاء بزرگان
۲۹۸	خاتمہ
۲۹۹	باب پانزدہم ارشاد و افاضہ باطنی
۲۹۹	اول بار زیارت
۳۰۰	اول بار حاضری ملتان
۳۰۰	طرز تربیت
۳۰۲	اسماء حضرات مجازین از بندہ خیر محمد
۳۰۳	مرہم اور آپریشن
۳۰۳	استغناء اور شفقت
۳۰۴	حسن تربیت کا سنہری اصول
۳۰۴	ابتداء جمعہ مسجد بدر رخ شاہ

۳۰۵	خیر المساجد کالکڑی کا منبر
۳۰۵	تزکیہ نفس اور مطالعہ مواعظ و ملفوظات حضرت مجدد تھانویؒ اور بعض دیگر اہم مؤلفات
۳۰۸	ہمت کے حصول کا طریقہ
۳۰۹	مکاتیب اصلاحیہ
۳۰۹	اقتباسات از بعض کتب مشتمل بر استرشادات و ارشادات
۳۰۹	اصلاح نفس کی فرضیت اور مطالعہ ”تبلیغ دین“
۳۰۹	ایک مرید کی اہلیہ کے لئے مطالعہ کتب اور خود احقر کیلئے مطالعہ ”ترجمان السنہ“
۳۰۹	مواعظ و ملفوظات
۳۱۰	مطالعہ کتب کو ترجیح
۳۱۰	استعمال ہمت اور مطالعہ مواعظ
۳۱۰	ہمت اور کثرت استغفار
۳۱۰	ملفوظات کا مطالعہ اور استحضار
۳۱۰	معاصی سے طبعی اور عقلی نفرت
۳۱۰	مطالعہ کا قلب پر اثر مطلوب ہے عدم استحضار کا مضائقہ نہیں
۳۱۱	قرأت اور نماز کی طرف ابتداء میں ہی توجہ کافی ہے
۳۱۱	تبلیغ دین دیکھ کر اپنے امراض باطنی معلوم کرنا
۳۱۱	مطالعہ ملفوظات و مواعظ
۳۱۱	مطالعہ تبلیغ دین اور عوارف العارف
۳۱۱	معمولات اور مطالعہ
۳۱۲	آخری ارشادات..... بعض اہم کتب برائے مطالعہ
۳۱۲	بعض اکابر کا اپنے مریدوں کو حضرت والا سے استفادہ کے لئے ارشاد
۳۱۳	حضرت والا کا انداز تربیت
۳۱۴	دو لطائف

۳۱۳	درود شریف
۳۱۳	حضرات مجازین
۳۱۵	میرے شیخ کامل حصہ اول (از حضرت مولانا الحافظ عبدالعزیز صاحب دامت برکاتہم)
۳۱۵	حضرت سے ابتدائی تعلق ہی کلید سعادت معلوم ہوا
۳۱۶	حضرت میں شیخ کامل کی جملہ علامات موجود تھیں
۳۱۶	حضرت کی توجہ سے دنیا سے دل سرد ہو گیا
۳۱۷	حفظ قرآن پاک کا شوق
۳۱۷	حضرت والا کے وعظ کی تاثیر
۳۱۷	حضرت والا بلاشبہ خیر مجسم تھے
۳۱۷	حضرت حکیم الامت کے محبوب خلیفہ
۳۱۸	حضرت مرجع الخلاق تھے
۳۱۸	حضرت کو فن تصوف میں بھی بڑا ملکہ حاصل تھا
۳۱۸	اجازت بیعت
۳۱۹	میرے شیخ کامل (حصہ دوم)
۳۱۹	مجلس شیخ میں بیٹھنے کے آداب
۳۱۹	نماز میں وسوسوں کا علاج
۳۲۰	تفویض و توکل اور رضا بالقضاء کے ساتھ دعاء کا اہتمام رکھنے کی تعلیم
۳۲۰	روزانہ اپنے عیوب کا مطالعہ بڑا مفید ہے
۳۲۰	امر بالمعروف و نہی عن المنکر غیبت ممنوع میں داخل نہیں
۳۲۰	مجاہدہ کے ثمرہ میں مشاہدہ حق موعود ہے
۳۲۰	دور حاضر میں حسن کی طرف قصد امیلان قلبی درست نہیں
۳۲۱	خطرات کا آنا ایمان کا مقتضی ہے مگر ان کی طرف سے بے التفاتی مفید ہے
۳۲۱	امور غیر مشروعہ کے ملاحظہ کے وقت عجیب اعتدال کی تعلیم

۳۲۱	حب جاہ کا علاج
۳۲۱	ریا کی تعریف اور اس کا علاج
۳۲۲	تقاضا غیر اختیاری کچھ مضر نہیں
۳۲۲	دعا رضاء بالقضا کے منافی نہیں
۳۲۲	زہد اسباب دنیویہ کے منافی نہیں
۳۲۲	کسی فعل غیر مشروع سے بغض رکھنا علامت ایمان ہے
۳۲۳	علامت رقت قلب
۳۲۳	بغض فی اللہ کے سبب سلام نہ چھوڑنا چاہئے
۳۲۳	عجیب تسلی آمیز تعزیت نامہ
۳۲۳	حضرت والہ کی شفقت و الطاف کی بعض یادیں
۳۲۳	ضمیمہ میرے شیخ کامل (از ماسٹر محمد اقبال قریشی صاحب زیدہ مجددہ)
۳۲۶	حضرت والہ سے استاذی المحترم حضرت مولانا محمد شریف جالندھری کی اصلاحی مکاتبت
۳۲۶	شیخ کامل باپ کے خطوط..... سالک راہ بیٹے کے نام
۳۲۶	نماز میں حصول اطمینان کا طریقہ
۳۲۶	پریشانیوں کی فکر کی بجائے ان کے اسباب کا ازالہ کیا جائے
۳۲۶	اصلاح احوال کا طریقہ
۳۲۶	ازالہ کبر کا آسان طریقہ
۳۲۷	کبر کا علاج
۳۲۷	غیبت کا علاج
۳۲۷	حسد کا علاج
۳۲۷	معرفت الہیہ کا مطالعہ
۳۲۷	غصہ برا نہیں مگر.....
۳۲۸	حضرت والہ سے حضرت حاجی ماسٹر محمد شریف صاحب کی اصلاحی مکاتبت

۳۲۸	جس چیز کے مشتبہ ہونے کا ظن غالب ہو، اس سے بچا جائے
۳۲۸	دینی مقدمات کو مقام تہمت اور مواقع شک و تردد سے اجتناب ضروری ہے
۳۲۹	اصلاح کے چند اصول اطلاع و اتباع اور انقیاد و حُب شیخ (حضرت والّا کے چند ملفوظات)
۳۳۰	اصلاح کا ایک اور اصول یک را گیر و محکم گیر اور اپنے سلسلہ والوں سے ملنے کی اجازت
۳۳۱	معنی الحدیث و محل الوعد المذکور فی الحدیث ایک اہم استر شاد و ارشاد
۳۳۱	خیر الکلام (ما قل و دل) لحاج بیت اللہ الحرام (ایک عازم حج کو مخلصانہ، جامع اور مختصر نصیحت)
۳۳۱	حضرت والّا کی ایک پسند فرمودہ کتاب
۳۳۲	طلباء کی اصلاح اور تزکیہ نفس مع تعلیم
۳۳۲	حضرت والّا کے اصلاحی اثرات
۳۳۳	تصحیح عقیدہ
۳۳۳	حضرت والّا کا مثال دے کر ایک صاحب کے عقیدہ کی اصلاح فرمانا
۳۳۴	شجرہ طیبہ (چشتیہ، امدادیہ، اشرفیہ، خیریہ منظومہ)
۳۳۸	باب شانزدہم معمولات
۳۳۸	احقر کا مشاہدہ
۳۳۸	تقسیم اوقات
۳۳۹	ابتداء یوم
۳۳۹	نماز مغرب
۳۳۹	بعد مغرب
۳۳۹	بعد نماز عشاء
۳۳۹	بوقت تہجد
۳۴۰	چائے اور ناشتہ
۳۴۰	تلاوت و مناجات
۳۴۰	اوقات مدرسہ

۳۳۰	تالیف شرح بخاری شریف
۳۳۰	ملفوظات
۳۳۱	تدریس بخاری شریف (جلد ثانی)
۳۳۱	کام کا اہتمام
۳۳۱	مقاصد اور وسائل
۳۳۱	حضرت والا کا ایک نہایت اہم اور خاص قابل اتباع معمول..... مجلس ملفوظات حضرت حکیم الامت
۳۳۲	ملفوظات کی اہمیت
۳۳۲	اتباع و عدم اتباع معمولات شیخ
۳۳۵	لیل و نہار (حضرت نور اللہ مرقدہ کے دن اور رات کے معمولات) از مولانا حافظ عبدالشکور صاحب مدظلہم
۳۳۵	قبل فجر
۳۳۵	بعد نماز فجر
۳۳۶	ناشتہ
۳۳۶	مہمان
۳۳۶	اسباق
۳۳۶	سبق کی پابندی
۳۳۷	دوپہر
۳۳۷	خوراک
۳۳۷	ظہر
۳۳۷	ظہر کے بعد
۳۳۷	فتاویٰ
۳۳۸	انتظامی امور
۳۳۸	جمعہ کا دن

۳۴۸	بعد عصر (مجلس ملفوظات حضرت حکیم الامت تھانوی)
۳۴۹	بعد مغرب
۳۴۹	بعد عشاء
۳۵۱	باب ہفت دہم تصنیف و تالیف
۳۵۱	خیر الاصول فی حدیث الرسول
۳۵۱	خیر العقید فی سیر العقید
۳۵۲	خیر المصابیح فی عدد التراتوج
۳۵۲	خیر الجواب فی ایصال الثواب
۳۵۲	خیر الوسیلہ
۳۵۲	تیسیر الابواب
۳۵۲	تسہیل المبتدی (فارسی کے قواعد)
۳۵۲	نماز حنفی
۳۵۵	تجویب تربیت السالک
۳۵۶	خیر الافادات
۳۵۷	آثار خیر
۳۵۸	خیر الاختبار فی خبر الاختیار
۳۵۸	ایقاظ المسلمین
۳۵۸	نصاب و طریقہ تعلیم خیر المدارس
۳۵۹	آئینہ آئین و قواعد مدرسہ خیر المدارس
۳۵۹	نقش حیات خیر محمد
۳۵۹	خیر الملقوظات
۳۵۹	شرح بخاری شریف (عربی)

۳۶۰	خیر الباری علی تقریر البخاری
۳۶۰	خیر التذکار فی تحریم الغناء بالمزمار
۳۶۱	خیر الخطاب
۳۶۱	خیر الکلام فی تحقیق القراءة خلف الامام
۳۶۲	خیر البراہین فی رد غیر المقلدین
۳۶۳	خیر الفتاویٰ (جلد اول تا پنجم)
۳۶۳	خیر الارشاد فی اثبات التقليد والاجتهاد
۳۶۵	رضا خانی افتراءت پر ایک نظر
۳۶۵	مسئلہ توسل کی حقیقت
۳۶۵	ثبوت بیعت طریقت
۳۶۵	کشف الغطاء عن استدلال الثناء
۳۶۶	خیر الکلام فی عدم وجوب القراءة خلف الامام
۳۶۶	مسافر کی نماز
۳۶۶	فرقہ اہل حدیث کی متعصبانہ تیرہویں ذی الحجہ کی قربانی
۳۶۶	تالیف مذکورہ در خیر السوانح جو "آثار خیر" میں آنے سے رہ گئی ہیں
۳۶۷	حضرت والا کی جن تالیفات کا ذکر اس باب میں نہیں آیا تھا اور اب "آثار خیر" سے اضافہ کیا جا رہا ہے
۳۶۷	تالیف نمبر ۳۱..... تفسیری نکات
۳۶۷	تالیف نمبر ۳۲..... درس قرآن مجید
۳۶۸	تالیف نمبر ۳۶..... خیر الافادات والحسنات
۳۶۸	تالیف نمبر ۳۷..... ارشادات
۳۶۸	تالیف نمبر ۳۸..... جمعہ فی القرئی
۳۶۹	تالیف نمبر ۴۶..... الخیر دائمی جنتری
۳۶۹	خاتمہ الباب

۳۷۰	باب ہیزدہم کرامت واستقامت
۳۷۲	بچپن میں تماشے سے حفاظت
۳۷۲	جنات میں وعظ
۳۷۲	حضرت والہا کی معنوی کرامات (حضرت سید قمر الدین احمد شاہ صاحب مدظلہ کا تجربہ)
۳۷۳	معنوی کرامت (حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی کے ذہنی انقلاب کا سنگ بنیاد)
۳۷۳	جناب منشی عبدالرحمن خان صاحب مرحوم کا مشاہدہ
۳۷۳	احقر کی بھانجی کے لئے دعائے صحت و خیریت
۳۷۴	رحلت سے قبل بعض عجیب واقعات
۳۷۵	بیداری میں حکیم سید ابراہیم صاحب کا مشاہدہ
۳۷۶	ڈاکٹر محسن رضا صاحب زاد مجدہ کی روایت
۳۷۶	حکیم امیر علی قریشی صاحب کی روایت
۳۷۶	کرامت
۳۷۷	بڑی معنوی کرامت مدرسہ خیر المدارس کا قیام
۳۷۸	باب نوزدہم اہل و عیال (خیر العیال)
۳۷۸	ازواج محترمت
۳۷۸	نکاح اڈل اور محترمہ زوجہ اولیٰ مرحومہ سے حضرت والہا کی اولاد
۳۷۸	وفات زوجہ اولیٰ
۳۷۹	عقد ثانی
۳۷۹	حضرت والہا کی اولاد از محترمہ زوجہ ثانیہ مرحومہ
۳۷۹	وفات زوجہ ثانیہ
۳۸۰	نکاح ثالث
۳۸۰	اولاد اخیر
۳۸۰	حضرت والہا کی اولاد از محترمہ زوجہ اولیٰ مرحومہ

۳۸۱	حضرت مولانا حافظ رشید احمد صاحب جالندھری
۳۸۱	ولادت
۳۸۱	ختم قرآن شریف
۳۸۱	نکاح
۳۸۱	تعلیم
۳۸۱	مدرسہ کی خدمت اور سادہ زندگی
۳۸۲	بیعت اور اصلاحی تعلق
۳۸۲	وفات
۳۸۳	مخدومی المکرم استاذی المکرم حضرت مولانا حافظ محمد شریف صاحب جالندھری (مہتمم ثانی جامعہ خیر المدارس ملتان)
۳۸۶	حضرت مولانا حافظ عبدالحق صاحب جالندھری رحمۃ اللہ علیہ
۳۸۶	جائے ولادت
۳۸۶	تاریخ ولادت
۳۸۶	ابتدائی تعلیم اور حضرت حکیم الامت تھانوی سے تہر کا تلمذ کا شرف عظیم
۳۸۶	نکاح اول
۳۸۶	وفات اہلیہ اولی
۳۸۷	عقد ثانی
۳۸۷	تحصیل علم اور سند حدیث
۳۸۷	تدریسی زندگی کے آغاز سے نیابت اہتمام تک
۳۸۷	شہادت، طبیعت اور بیعت
۳۸۸	بعض تلامذہ
۳۸۸	لقائے بزرگان دین
۳۸۸	سفر آخرت
۳۸۹	فرزند چہارم ... انوار الحق مرحوم

۳۸۹	پہلی صاحبزادی مرحومہ
۳۹۰	باب ہستم اخلاق و عادات (خیر الشمائل والنہال)
۳۹۱	تواضع اور فنائیت و عبدیت
۳۹۲	کمال تواضع
۳۹۳	تواضع
۳۹۴	بے نفسی
۳۹۴	تواضع، ایثار اور شفقت
۳۹۴	کمال انکسار اور تواضع
۳۹۵	غیرت دینی اور حاضر جوابی (دندان شکن جواب)
۳۹۵	فہم سلیم، فراست صادقہ
۳۹۶	حفظ حدود
۳۹۶	دل شکنی سے احتراز
۳۹۶	سفر میں نماز باجماعت
۳۹۶	استغناء، سیر چشمی، تقویٰ، طہارت
۳۹۷	نسبت تھانہ بھون کا احترام
۳۹۷	اکرام ضیف
۳۹۸	رعایت حقوق
۳۹۸	فراست مومنانہ
۳۹۸	جامعیت
۳۹۹	دینی غیرت و حمیت
۳۹۹	بعض اکابر کے خاندان میں صلح اور اصلاح
۳۹۹	استغناء اور غیرت
۳۹۹	نماز تراویح کی پابندی

۴۰۰	مالی تصرفات میں احتیاط
۴۰۰	بلا خوف لومۃ لائم صاف گوئی، پابندی اصول اور لقم و ضبط
۴۰۰	جزئی امور میں اصلاح کا اہتمام
۴۰۰	جو دو کرم اور ایثار
۴۰۱	مہمان نوازی
۴۰۱	حسن انتظام و اہتمام
۴۰۱	ورع و تقویٰ، حفظ لسان و قلب
۴۰۲	حضرت والا کے اخلاق و صفات کے بارے میں بعض علماء و صلحاء کے اقوال و روایات
۴۰۲	حضرت والا کا مقام اور اخلاق حسنہ بزرگان دین کی نظر میں
۴۰۲	عالم ربانی مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی کی نظر میں
۴۰۲	سید المفسرین حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی کی نظر میں
۴۰۲	حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب قاسمی کی نظر میں
۴۰۵	محدث العصر حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری کی نظر میں
۴۰۵	شمس العلماء حضرت مولانا شمس الحق صاحب افغانی کی نظر میں
۴۰۵	خطیب پاکستان حضرت مولانا احتشام الحق صاحب تھانوی کی نظر میں
۴۰۵	شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحب کی نظر میں
۴۰۵	حافظ الحدیث حضرت مولانا محمد عبداللہ درخواسی صاحب کی نظر میں
۴۰۶	حضرت والا کے چند خاص فضائل
۴۰۶	اتباع سنت
۴۰۶	عشق رسول ﷺ
۴۰۶	تبحر فی العلم
۴۰۷	سراپا شفقت و محبت
۴۰۸	حضرت والا کے بعض اخلاق و عادات (بقلم حضرت مولانا عبدالشکور صاحب زاد مجددہ)

۴۰۸	تقویٰ
۴۰۸	اتباع سنت
۴۰۸	خورد و نوش
۴۰۸	لباس اور ڈھلائی
۴۰۸	نماز
۴۰۹	لین دین
۴۰۹	انتظام
۴۱۰	حضرت والہ کے خدو خال اور صفات و کردار کا مختصر خاکہ
۴۱۰	انداز گفتگو
۴۱۱	انداز تحریر
۴۱۱	لباس اور چال ڈھال
۴۱۱	رافت و رحمت اور شفقت و محبت
۴۱۳	باب بست و کیم علالت و سفر آخرت
۴۱۳	در و گدہ کے دورے
۴۱۸	فالج کا اثر
۴۱۸	حضرت والہ کا شفقت نامہ برائے اطلاع افاقہ
۴۱۹	مکاتبت متعلق حال صحت حضرت والہ
۴۲۲	دوبارہ فالج کا حملہ
۴۲۳	ضعف
۴۲۳	ایبٹ آباد میں آپریشن
۴۲۳	آخری دو عریضے اور حضرت والہ کے جوابات
۴۲۵	آخری حالات اور سفر آخرت
۴۲۸	طویل علالت

۴۴۲	حضرت والا کا ایک اور والا نامہ
۴۴۲	دیگر کوائف
۴۴۲	وفات
۴۴۳	کپنچی وہیں پہ خاک جہاں کا خمیر تھا
۴۴۳	مرض و وفات میں حقوق العباد کا اہتمام
۴۴۴	وفات حسرت آیات پر اکابر علماء کے تاثرات (مسافرانِ آخرت)
۴۴۴	حضرت مولانا خیر محمد صاحب بانی خیر المدارس ملتان کی وفات... علم و عمل کے حلقوں میں صفِ ماتم تحریر: حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی، صدر دارالعلوم کراچی
۴۴۵	تعزیت از مسیح الامت حضرت مولانا شاہ محمد مسیح اللہ خان صاحب
۴۴۵	عرضِ خادم
۴۴۵	جواب سیدی حضرت مولانا محمد مسیح اللہ صاحب
۴۴۶	جامع الکلمات شخصیت (تحریر فرمودہ: حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ)
۴۴۷	چند تعزیتی ادارے اور قراردادیں
۴۴۷	نقش آغاز "ماہنامہ الحق" اکوڑہ ٹنک شعبان ۱۳۹۰ھ
۴۴۷	حضرت والا قومی اخبارات کی نظر میں
۴۴۷	اداریہ روزنامہ "کوہستان" ملتان مورخہ ۲۳ اکتوبر ۱۹۷۰ء
۴۴۸	چند تعزیتی قراردادیں
۴۴۹	بشاراتِ منامیہ
۴۴۰	بیداری کے بعض عجیب واقعات
۴۴۰	ڈاکٹر محسن رضا صاحب کا واقعہ
۴۴۰	حضرت حکیم سید محمد ابراہیم صاحب کا مشاہدہ
۴۴۱	حضرت والا کے چند محاسن تعزیتی خطوط کی روشنی میں
۴۴۱	یادگار سلف صالحین حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب دامت فیوضہم (مہتمم اعلیٰ دارالعلوم دیوبند)

۴۴۲	حضرت مولانا ظہور الحسن صاحب مدظلہم خانقاہ اشرفیہ تھان بھون ضلع مظفر گڑھ
۴۴۲	مؤرخ اسلام حضرت مولانا ابوالحسن علی الحسنی الندوی
۴۴۳	حضرت مولانا سید محمد یوسف صاحب بنوری (مہتمم جامعہ العلوم الاسلامیہ کراچی)
۴۴۳	حضرت مولانا محمد میاں صاحب (صدر جمعیت العلماء ہند، دہلی)
۴۴۳	حضرت مولانا عبدالعزیز صاحب سرگودھوی (خلیفہ مجاز شیخ المشائخ حضرت مولانا عبدالقادر صاحب رائے پوری)
۴۴۳	مولوی سعید احمد صاحب (صاحبزادہ حضرت مولانا عبدالعزیز صاحب سرگودھوی)
۴۴۳	حضرت مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی مدظلہم (شیخ الحدیث مظاہر علوم سہارن پور)
۴۴۳	حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب مدظلہم (ناظم) و مولانا مظفر حسین صاحب (نائب ناظم) مظاہر علوم سہارن پور
۴۴۳	حضرت مولانا فخر الحسن صاحب (نائب صدر المدرسین دارالعلوم دیوبند)
۴۴۳	حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب مدظلہم (خلیفہ مجاز شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ)
۴۴۳	شیخ الاسلام حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی (شیخ الحدیث دارالعلوم الاسلامیہ ٹنڈوالنڈیاری)
۴۴۵	حضرت مولانا مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی مدظلہ (جامعہ اشرفیہ لاہور)
۴۴۵	مخدوم العلماء والفصلاء حضرت مولانا عبدالحق صاحب مدظلہم (شیخ الحدیث و مہتمم دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک)
۴۴۵	حضرت مولانا عبدالعزیز صاحب رائے پوری (چک نمبر ۱۱، چیچہ وطنی)
۴۴۵	محترم نصرت علی صدیقی صاحب (مکتہ المکرمہ)
۴۴۶	گورنر پنجاب لیفٹیننٹ جنرل ایم عتیق الرحمن صاحب
۴۴۷	دیگر بزرگان دین اور حضرات والائے تعلق رکھنے والے دیگر حضرات کے تعزیتی خطوط یا اقتباسات وغیرہ
۴۴۷	مخدومنا حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب (بانی و صدر دارالعلوم کراچی) کے تعزیت نامہ سے اقتباسات
۴۴۷	ترجمہ تار تعزیت منجانب مخدومی حضرت علامہ مولانا ظفر احمد عثمانی صاحب
۴۴۸	ترجمہ تار تعزیت از مخدومنا حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب (مہتمم دارالعلوم دیوبند)
۴۴۸	تعزیت نامہ از حضرت حاجی محمد شریف صاحب (خلیفہ مجاز حضرت حکیم الامت تھانوی)
۴۴۸	حضرت مولانا ابوالزہد محمد سرفراز خان صاحب مدظلہ العالی (شیخ الحدیث جامعہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ)
۴۴۸	تعزیت نامہ حضرت علامہ سید قاضی زاہد حسینی صاحب مدظلہ العالی

۳۴۹	حضرت مولانا مفتی سید عبدالشکور صاحب ترمذی مدظلہ العالی (ساہیوال ضلع سرگودھا)
۳۵۰	اقتباس از تعزیت نامہ حضرت مولانا جمال الدین صاحب مدظلہ العالی (سابق استاذ الحدیث خیر المدارس مردان)
۳۵۰	اقتباس از تعزیت نامہ حضرت مولانا عزیز الرحمن صاحب مدظلہ العالی (مدرسہ عربیہ امداد العلوم، لوز ملک پورہ ایبٹ آباد)
۳۵۰	اقتباس از تعزیت نامہ حضرت مولانا سید اسعد مدنی صاحب مدظلہ (صاحبزادہ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی)
۳۵۱	تعزیت نامہ از حضرت مولانا حافظ قاضی عبدالکریم صاحب مدظلہ العالی (مہتمم مدرسہ نجم المدارس ڈیرہ اسماعیل خان)
۳۵۱	اقتباس از تعزیت نامہ حضرت مولانا فضل محمد صاحب مدظلہ العالی (مہتمم مدرسہ عربیہ قاسم العلوم فقیر والی)
۳۵۲	اقتباس از تعزیت نامہ حضرت مولانا محمد متین صاحب (خطیب دارالعلوم کراچی)
۳۵۲	اقتباس از تعزیت نامہ حضرت مولانا اصغر علی صاحب (سابق مدرس و ناظم جامعہ خیر المدارس ملتان)
۳۵۲	اقتباس از تعزیت نامہ حضرت مولانا منظور احمد صاحب (پرنسپل جامعہ عربیہ چنیوٹ)
۳۵۲	اقتباس از تعزیت نامہ محترم و معظم جناب غلام یسین صاحب (انجینئر) مرید حضرت مجدد حکیم الامت تھانوی
۳۵۲	اقتباس از تعزیت نامہ محترمی حضرت صوفی ماسٹر محمد اقبال قریشی صاحب زاد مجدہ
۳۵۳	اقتباس از تعزیت نامہ محترم مولانا اکرام الحق الخیری صاحب زاد مجدہ
۳۵۳	اقتباس از تعزیت نامہ حضرت مولانا شمس الدین صاحب صدر مدرس
۳۵۳	اقتباس از تعزیت نامہ حضرت مولانا عبدالوحید صاحب (مدرسہ عربیہ قادریہ ڈھڈیاں شریف ضلع سرگودھا)
۳۵۳	اقتباس از تعزیت نامہ مولانا فضل اللہ صاحب (مہتمم مدرسہ عربیہ دارالعلوم الاسلامیہ لکی مروت)
۳۵۳	اقتباس از تعزیت نامہ جناب الحاج مولانا محمد سلیمان طارق صاحب جالندھری (مہتمم مدرسہ عربیہ شمس العلوم گوجرہ لائل پور)
۳۵۴	اقتباس از تعزیت نامہ جناب محمد یسین صاحب کشمیری پونچھ آزاد کشمیر
۳۵۴	اقتباس از تعزیت نامہ محترم جلال الدین صاحب میواتی
۳۵۴	اقتباس از تعزیت نامہ جناب ظہور احمد قریشی صاحب اچھرہ لاہور
۳۵۴	اقتباس از تعزیت نامہ جناب محمود احمد ثاقب صاحب (یو، ڈی، سی، پی، ایم، جی آفس پشاور)
۳۵۴	اقتباس از تعزیت نامہ جناب رحمت علی صاحب، لاہور
۳۵۴	اقتباس از تعزیت نامہ حکیم ارشاد صاحب، احمد پور شرقیہ
۳۵۵	اقتباس از تعزیت نامہ جناب ڈاکٹر مرزا علی اختر صاحب، جہلم

۳۵۵	اقتباس از تعزیت نامہ جناب مولانا غلام اللہ خان صاحب مرحوم، راولپنڈی
۳۵۵	اقتباس از تعزیت نامہ محمد زکریا غزنوی صاحب (خطیب جامع مسجد اہل حدیث صادق گنج، بہاولنگر)
۳۵۵	اقتباس از تعزیت نامہ جناب مولانا فضل الحق صاحب (ناظم اعلیٰ مرکزی جمعیت اہل حدیث مغربی پاکستان، لاہور)
۳۵۵	اقتباس از تعزیت نامہ جناب محمد عبدالرشید صدیقی صاحب (ناظم جمعیت اہل حدیث، ملتان)
۳۵۶	حرمین شریفین سے حضرت والا کی خدمت میں مرسلہ دو مکتوب
۳۵۶	اقتباس از مکتوب گرامی حضرت مولانا سعید احمد خان صاحب مدظلہ العالی (مسجد نور مدینہ منورہ)
۳۵۶	اقتباس از مکتوب گرامی المعلم المکرم عبداللہ امین مؤذن المحترم (مکتہ المکرمہ)
۳۵۷	قطعہات تاریخ وفات وغیرہ
۳۵۸	حضرت مولانا خیر محمد صاحب کے انتقال پر اشعار (از پروفیسر حافظ ثار احمد، ملتان)
۳۵۹	باب بست و دوم خیر المقالات
۳۶۰	ذکر خیر (از شیخ الاسلام حضرت علامہ مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ)
۳۶۲	میرے مشفق و محسن (تحریر: یادگار سلف صالحین حضرت مولانا حاجی محمد شریف صاحب، ملتان خلیفہ حضرت تھانوی)
۳۶۳	حضرت والا کے چند کمالات (از شمس العلماء والفضلاء حضرت مولانا شمس الحق صاحب افغانی رحمۃ اللہ علیہ)
۳۶۴	حضرت والا سے متعلق چند یادیں (از حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی)
۳۶۴	حضرت والا کا ایک ہی جملہ یعنی انقلاب کا سبب بن گیا
۳۶۶	نمونہ اخلاق محمدی (از محترم منشی عبدالرحمن صاحب، ملتان)
۳۶۶	حضرت مولانا خیر محمد صاحب جالندھری صاحب جمال بزرگ تھے
۳۶۶	حضرت مولانا موصوف اخلاق محمدی کا کامل نمونہ تھے
۳۶۷	پیکر شفقت و اُلفت
۳۶۷	ایک اجنبی کے ساتھ حضرت والا کا خصوصی برتاؤ
۳۶۷	حضرت مولانا ان خاصان خاص اہل اللہ میں سے تھے جن کی معرفت مشکل ہوتی ہے
۳۶۸	حضرت مولانا میں شہرت پسندی کا مادہ بالکل نہ تھا
۳۶۹	حضرت مولانا کے اخلاق حسنہ کی ایک جھلک

۴۶۹	حضرت مولانا کے چند اوصاف حمیدہ
۴۷۰	باب بست وسوم متفرقات
۴۷۱	تحفہ عقیدہ حیات النبی ﷺ
۴۷۱	عقیدہ حیات النبی ﷺ اور عظمت و محبت رسول اکرم ﷺ
۴۷۱	توحید و رسالت اور حق اللہ تعالیٰ و حق الرسول ﷺ
۴۷۲	صراط مستقیم
۴۷۲	انکار عقیدہ حیات النبی ﷺ پر حضرت والا کا رد اور علماء دیوبند کے مسلک و موقف کی وضاحت
۴۷۲	حضرت والا کی اہم دینی خدمت
۴۷۲	حضرت علامہ سید قاضی محمد زاہد الحسنی صاحب دام فیضہم سے احقر مؤلف کی مکاتبت
۴۷۳	حضرت والا کے مکتوب گرامی نمبر ۱ کی نقل
۴۷۳	حضرت والا کے مکتوب گرامی نمبر ۲ کی نقل
۴۷۵	دارت علوم قاسمیہ واقف رموز طریقت حضرت قاری محمد طیب صاحب مدظلہم (مہتمم دارالعلوم دیوبند) کا ارشاد سامی
۴۷۵	نقل فتویٰ اعلیٰ حضرت مفتی دارالعلوم دیوبند
۴۷۶	مسئلہ حیات النبی ﷺ میں اکابر علماء دیوبند کا مسلک
۴۷۶	علماء دیوبند کا متفقہ اعلان
۴۷۶	حضرت مولانا منظور احمد صاحب مدظلہ کی رائے اور روایت ملفوظ حضرت والا
۴۷۷	دیوبندی کون ہے؟ حضرت والا کا ایک ملفوظ
۴۷۷	عقیدہ حیات النبی ﷺ پر بعض تالیفات
۴۷۷	عقیدہ حیات پر ایک مفصل فتویٰ
۴۷۷	تحفظ عقیدہ حیات النبی ﷺ میں حضرت والا کی صلابت و پختگی مع اعتدال
۴۷۹	تمتہ ”عقیدہ حیات النبی ﷺ پر بعض تالیفات“
۴۸۰	ضمیمہ موضوع تحفظ عقیدہ حیات النبی ﷺ
۴۸۰	علمی تجمرات فقہی ژرف نگاہی

۴۸۲	المزید من الخیر للاجتنب من الغیر
۴۸۲	تصدیق مخدوم العلماء حضرت مولانا خیر محمد صاحب جالندھری (مہتمم مدرسہ خیر المدارس ملتان)
۴۸۳	بعض افادات علمیہ
۴۸۳	مردہ جانور کی کھال اتارنا جائز ہے
۴۸۵	ایک طالب علم کے چند سوالات اور حضرت والا کے افادات
۴۸۵	حضرت والا اپنے بعض اکابر اور معاصرین کی نظر میں
۴۸۵	حضرت والا اپنے پیر و مرشد حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی کی نظر میں
۴۸۶	حضرت والا کی بزرگی کی ایک عظیم دلیل
۴۸۷	حضرت والا کی حضرت حکیم الامت سے از حد عشق و محبت
۴۸۷	حضرت والا شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہ کی نظر میں
۴۸۸	حضرت والا مخدوم منا حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب نور اللہ مرقدہ کی نظر میں
۴۸۸	حضرت والا کی بعض وقیع آراء گرامی
۴۸۸	اپنے شیخ حضرت حکیم الامت تھانوی کے بارے میں
۴۸۹	عارف باللہ حضرت خواجہ عزیز الحسن صاحب مجذوب کے بارے میں
۴۸۹	شیخ الاسلام حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی کے بارے میں
۴۸۹	مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی کے بارے میں
۴۸۹	حضرت مولانا شمس الحق صاحب افغانی کے بارے میں
۴۸۹	حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی کے بارے میں
۴۸۹	شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی کے بارے میں
۴۸۹	تبلیغی جماعت کے بارے میں
۴۹۰	مجلس صیانت المسلمین
۴۹۰	ابوالاعلیٰ مودودی صاحب کے بارے میں
۴۹۱	مودودی جماعت سے کلی احتراز کی تلقین

۴۹۲	شذرات (تمہ باب ۲، خاندانی حالات، و باب ۳، وطن طفولیت)
۴۹۲	حضرت والہ کے عم نور محمد صاحب کا عین و ولایت کا سفر
۴۹۲	عموی صاحب نور محمد
۴۹۲	عموی صاحب کرم الدین
۴۹۳	شذرات نمبر ۲ (متفرق واقعات)
۴۹۳	حوادث
۴۹۳	زمانہ جالندھر کے حوادث
۴۹۳	زمانہ جالندھر کا ایک واقعہ
۴۹۵	رکنیت ڈسٹرکٹ کونسل
۴۹۵	شذرات نمبر ۳ (خیر الزیارة لمدرسہ عربیہ رحمیہ انوار الہدایہ)
۴۹۷	شذرات نمبر ۴ (تمہ باب ۱۱، باب ۲۰)
۴۹۷	میانی افغاناں کی جامع مسجد میں حضرت والہ کا بیان اور آپ کے بعض اخلاق
۴۹۹	خدمات سیاست اسلامیہ تابع شریعت مقدسہ
۴۹۹	اسلام میں سیاست
۴۹۹	افادات حضرت والہ
۴۹۹	سیاست اسلام
۵۰۰	افادات حضرت سچ الامت
۵۰۰	امیر المؤمنین حضرت علی کا واقعہ
۵۰۱	اصلاح امت یا صرف اصلاح حکومت؟
۵۰۱	عبادات اور سیاسی خدمات
۵۰۲	مسلم یونیورسٹی علی گڑھ (ہند) میں مخدومنا حضرت مولانا سید سلیمان ندوی کا ورود مسعود
۵۰۳	مخدومنا حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک بیان اور موردی کی غلطی کا واضح ہونا

۵۰۴	آدم برسر مطلب
۵۰۵	پاکستان میں جمعیت علماء اسلام کی تشکیل نو سے حضرت الاستاذ مولانا خیر محمد کا تعلق
۵۰۶	وحدت جمعیت علماء اسلام اور قیام نظام اسلام کے لئے مساعی (از "نقش حیات" حضرت والا کی خودنوشت سرگزشت)
۵۰۶	وحدت جمعیت علماء اسلام
۵۰۷	حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی کا عظیم کارنامہ
۵۰۷	اسلامی مملکت کے بنیادی اصول
۵۰۹	اسماء گرامی شرکاء مجلس بنیادی اصول
۵۱۰	بنیادی اصول کے لئے دوبارہ سفر کراچی
۵۱۱	سرکاری دعوت پر سفر کراچی
۵۱۱	اسماء مدعوین
۵۱۱	اسماء کا بیہ
۵۱۲	حضرت والا کی بعض خدمات سیاست دینیہ اسلامیہ
۵۱۲	تحریک قیام پاکستان کی حمایت
۵۱۲	ایک اہم واقعہ
۵۱۳	مساعی متعلقہ دستور اسلامی
۵۱۳	آئین کمیشن کے سوال نامہ کا جواب
۵۱۳	سیاست میں کمال اعتدال
۵۱۶	التحذیر المروی عن التنذیر من المحظورات الشرعیہ فی السیاسة الدینیہ
۵۱۶	حضرت حکیم الامت کی دعوت پر اکابر علماء کرام کا اجتماع اور تحریکات کے متعلق مشورہ
۵۱۶	حضرت والا کی رائے گرامی بسلسلہ جدوجہد آزادی برصغیر ہندوستان
۵۱۹	مفتی کفایت اللہ صاحب سے گفتگو
۵۲۲	اجتناب اہل المدارس عن السیاسیات

۵۲۳	ضمیمہ خدمات سیاست اسلامیہ
۵۲۳	امیر شریعت حضرت سید عطاء اللہ شاہ بخاری کی حضرت والائی معیت میں حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا تھانوی کی زیارت
۵۲۵	ضمیمہ باب ۹ خیر المدارس و باب ۱۵ / افاضہ باطنی
۵۲۵	ہمارے بعض بزرگان دین کے بعض مجازین کے مختصر حالات
۵۲۵	فاضل اجل حضرت مولانا مفتی عبدالستار صاحب رحمۃ اللہ علیہ (رئیس مفتی جامعہ خیر المدارس، ملتان)
۵۲۸	استاذ مکرم حضرت مولانا غلام فرید صاحب
۵۲۷	خصوصی حالات و امتیازی صفات
۵۲۷	اصلاح و سلسلہ بیعت و سلوک
۵۲۸	تین مشائخ سے اجازت و خلافت در ۱۳۰۶ھ
۵۲۸	حضرت والائی طرف سے مسائل کے بارے میں اعتماد
۵۲۸	حضرت والائی کمال تواضع
۵۲۹	حضرت والائی شرح بخاری پر نظر ثانی
۵۲۹	اولاد کا دینی فیض
۵۳۰	حضرت مولانا محمد صدیق صاحب مدظلہ العالی (شیخ الحدیث و صدر مدرس جامعہ خیر المدارس، ملتان)
۵۳۰	جامعہ خیر المدارس جالندھر میں داخلہ
۵۳۱	خیر المدارس ملتان
۵۳۱	بیعت کا تعلق
۵۳۲	زیر نگرانی تدریس
۵۳۲	متفرق خدمات
۵۳۳	سلوک
۵۳۳	حضرت مولانا حافظ منظور احمد صاحب مدظلہ العالی
۵۳۸	حضرت ڈاکٹر عبد الحمید صاحب ریواڑی والے رحمۃ اللہ علیہ
۵۳۹	تھانہ بھون کی پہلی حاضری

۵۴۹	ڈاکٹر کا لقب
۵۴۹	خط جو والد صاحب نے تحریر فرمایا
۵۵۰	جواب حضرت پھر ایوانی
۵۵۰	حضرت مولانا خیر محمد صاحب نور اللہ مرقدہ کا جواب
۵۵۱	وفات
۵۵۳	ایک خواب
۵۵۳	حضرت ڈاکٹر صاحب کی ایک روایت
۵۵۳	بروفات حضرت ڈاکٹر عبد المجید صاحب (ریوازی والے)۔ تحریر تعزیت بقلم حضرت مولانا نجم الحسن صاحب تھانوی
۵۵۶	حضرت الحاج مولوی نصرت علی صاحب صدیقی رحمۃ اللہ علیہ
۵۶۲	بشارت نعمت عظمیٰ، شرف قبولیت، اسوہ رسول اکرم ﷺ
۵۶۳	اجازت بیعت و تلقین
۵۶۳	نقل اجازت نامہ بیعت و تلقین از محمد و منا حضرت مولانا حبیب اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ
۵۶۳	نقل اجازت نامہ بیعت و تلقین از محمد و منا حضرت مولانا فقیر محمد صاحب سرحدی
۵۶۵	تصنیف و تالیف
۵۶۶	حضرت صوفی محمد اقبال قریشی صاحب ہارون آبادی زاد مجدہ
۵۶۶	صوفیانہ مسلک
۵۶۷	تصنیفی خدمات
۵۶۸	نقل اجازت نامہ از حضرت مفتی محمد شفیع صاحب (بانی دارالعلوم کراچی نمبر ۱۴)
۵۶۹	نقل اجازت نامہ از حضرت حاجی محمد شریف صاحب
۵۷۰	مختصر سوانح حضرات مجازین از حضرت والی
۵۷۰	حضرت مولانا حاجی عبدالسلام صاحب ہوشیار پوری رحمۃ اللہ علیہ
۵۷۱	حضرت مولانا عبدالعزیز صاحب دامت برکاتہم (مہتمم مدرسہ اشاعت العلوم منڈی چشتیاں)
۵۷۱	اصلاح باطن

۵۷۲	حفظ قرآن پاک
۵۷۲	حج بیت اللہ شریف
۵۷۲	امامت و خطابت
۵۷۲	اجازت حضرت مولانا افغانی نور اللہ مرقدہ
۵۷۲	علمی مشاغل
۵۷۳	حضرت مولوی حاجی فتح محمد صاحب جالندھری آباد پوری رحمۃ اللہ علیہ
۵۷۵	حضرت سید قمر الدین احمد صاحب دامت برکاتہم
۵۷۶	شیخ کی تلاش
۵۷۷	صحیح سلسلہ کی برکات
۵۷۸	پہلی زیارت
۵۷۸	پہلی مجلس
۵۷۸	پہلا ملفوظ
۵۷۹	گناہوں کا علاج
۵۷۸	زہد
۵۸۰	اجازت بیعت قبل از بیعت
۵۸۲	اجازت بیعت و تلقین
۵۸۲	پہلے عریضہ کا جواب
۵۸۳	ایک اور عریضہ مع ارشادات
۵۸۴	حضرت مولانا حافظ محمد عبدالوحید صاحب شہید حرم کی رحمۃ اللہ علیہ
۵۹۰	حضرت مولوی عبداللہ صاحب مرحوم
۵۹۰	حضرت صوفی بشیر احمد ہوشیار پوری مدظلہ العالی
۵۹۱	گرامی نامہ حضرت صوفی صاحب مدظلہ بجواب گرامی نامہ جناب پروفیسر احمد سعید صاحب مدظلہ
۵۹۱	خودنوشت سوانح حضرت صوفی صاحب مدظلہ

۵۹۷	حضرت مولانا خیر محمد صاحب مدظلہ العالی
۵۹۸	حضرت قاری محمد طیب صاحب (مہتمم دارالعلوم دیوبند)
۵۹۸	حضرت مولانا شیر محمد صاحب و حضرت مولانا حاجی محمد شریف صاحب
۵۹۹	احقر آفتاب احمد عفی عنہ
۵۹۹	خاندانی حالات
۶۰۲	طفولیت اور ابتدائی تعلیم
۶۰۲	نصاب تعلیم
۶۰۳	مغلوشاہ
۶۰۳	تیلیوں والی مسجد
۶۰۳	بچپن میں دینی مطالعہ
۶۰۳	بچپن میں ایک خواب
۶۰۳	حضرت سائیں توکل شاہ صاحب کا مزار اور مسجد
۶۰۳	بورڈنگ ہاؤس میں داخلہ
۶۰۵	لڑکپن میں شاعری کا شوق
۶۰۵	لڑکپن کا ایک شعر
۶۰۵	فقد کی اہمیت
۶۰۶	مزید
۶۰۶	اصلاح معاشرت سے متعلق ایک بات
۶۰۷	میشرک
۶۰۷	دہلی میں مسلم لیگ کا شاندار جلسہ
۶۰۷	علی گڑھ مسلم یونیورسٹی
۶۰۸	حکام جامعہ

۶۰۸	دینی سرگرمیاں
۶۰۹	انٹرنیشنل اساتذہ
۶۰۹	بی اے میں اساتذہ
۶۰۹	طلباء کی یونین اور ہوسٹل
۶۰۹	یونین کی ایک قرارداد
۶۰۹	نکاح
۶۱۰	یونیورسٹی میں تعلیم کے دوران دینی مطالعہ اور ذہنی تبدیلی
۶۱۰	پاکستان بن گیا
۶۱۰	ہجرت پاکستان
۶۱۱	ملازمت تاج آفس بک ڈپو
۶۱۱	کراچی پورٹ ٹرسٹ
۶۱۱	محمدی اسٹیم شب کمپنی
۶۱۱	محمد انجینئرنگ ورکس
۶۱۱	رہائش
۶۱۲	داخلہ ایم اے
۶۱۲	سندھ مدرسۃ الاسلام
۶۱۲	تولد دختر
۶۱۲	اردو کالج میں بطور لیکچرار
۶۱۲	دارالعلوم کورنگی
۶۱۲	حضرت مولانا احتشام الحق تھانویؒ
۶۱۳	دارالعلوم الاسلامیہ ٹنڈوالہار
۶۱۳	منتقلی مع اہل و عیال

۶۱۲	سندھ مسلم آرٹس کالج
۶۱۳	کراچی میں اور دارالعلوم الاسلامیہ ٹنڈوالہار میں تحصیل علم
۶۱۵	دارالعلوم الاسلامیہ میں تدریس، ایسٹ افریقی ودیگر طلباء
۶۱۵	سندھ مسلم آرٹس کالج ٹنڈوالہار
۶۱۶	رہائش
۶۱۶	مسجد طوبی... ڈیفنس سوسائٹی کی جامع مسجد میں امام، خطیب اور منتظم
۶۱۶	مدرسہ عربیہ اسلامیہ نیوٹاؤن
۶۱۶	در التعمین لیسٹڈ کراچی اور پندرہ روزہ "یقین" انٹرنیشنل
۶۱۷	پاکستان سے حج
۶۱۷	شادی عزیزہ حافظہ رشیدہ سلمہا
۶۱۷	انجمن اشاعت قرآن عظیم
۶۱۷	سفارت خانہ پاکستان، جدہ
۶۱۷	سعودی عرب کا ویزا
۶۱۷	جدہ
۶۱۸	رہائش
۶۱۸	عزیزہ حافظہ رشیدہ و عزیزہ ذیشان سلمہا اور ہمشیرگان کے ساتھ حج
۶۱۸	دو ماہ کی رخصت میں سفر پاکستان، نکاح اور اہلیہ ثانیہ
۶۱۸	ختم ملازمت سفارت خانہ
۶۱۸	تخلیۃ الیاء میں ملازمت
۶۱۹	ریاض کو تبادلہ
۶۱۹	حافظ طیب صاحب کا مشورہ اور نوٹس کی منسوخی
۶۱۹	سفر ریاض

۶۲۰	ریاض کا باقی سفر
۶۲۰	کیلو ۶۔ طریق مکہ کے بعد جدہ میں رہائش
۶۲۰	ریاض میں آمد
۶۲۰	تحلیہ الیاء الریاض
۶۲۱	ام الحمام غربیہ
۶۲۱	رہائش مدینہ منورہ
۶۲۱	عزیزہ حافظہ رشیدہ بیگم سلمہا اور عزیز حاجی ذیشان الہی سلمہ کالج اور عمرہ و زیارت مع اولاد
۶۲۲	سلوک و تصوف
۶۲۳	لقائے بزرگان
۶۲۵	حضرت والا کے طرز تربیت کی ایک خصوصیت
۶۲۵	حضرت مولانا محمد عبداللہ صاحب رائے پوری کے والا نامہ سے اقتباس
۶۲۵	بعض خواب
۶۲۶	مرید مجاز
۶۲۸	خاتمہ بالخیر
۶۲۸	معذرت، تمنا، درخواست و وصیت اور دعا
۶۲۸	معافی نامہ
۶۲۹	تاریخ تکمیل خیر السوانح
۶۳۰	فہرست مآخذ خیر السوانح





مقدمہ

۳۹۱۶

عرض مؤلف خیر السوانح

ضرورت واہمیت سوانح:

جہاں تک بزرگوں کے سوانح ضبط کرنے کی ضرورت واہمیت کا تعلق ہے ”اشرف السوانح“ میں حضرت خواجہ مجذوب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”سلف و خلف کا ہمیشہ سے مقتداؤں کے سوانح ضبط کرنے کا معمول چلا آیا ہے۔ اور اس میں ظاہری و باطنی فوائد بیان کئے گئے ہیں... الخ۔“

چنانچہ حضرت والد کے بعض ہم عصر اور ہمارے اکابر و بزرگوں میں سے بعض حضرات جن سے تالیف خیر السوانح کا ارادہ ظاہر کیا، انہوں نے دعائیں دیں۔ بعض نے خود تحریر فرمانے کا شوق ظاہر کیا، لیکن بوجہ ضعف و مشغولیت عذر ظاہر فرمایا۔ متعدد اکابر نے خود بھی مقالات تحریر فرمائے اور بعض حضرات احقر مؤلف سے ترتیب سوانح کے بارے میں شوق سے دریافت فرماتے رہے۔ (چنانچہ ان میں سے بعض بزرگوں کے مکاتیب جن میں مذکورہ بالا مضامین ہیں، نیز بعض حضرات کے مقالات اس سوانح کی زینت بن رہے ہیں)

جیسا کہ آگے آ رہا ہے، حضرت والد کی حیات میں سوانح تحریر کئے جانے کی تجویز و تحریک ہو چکی تھی۔ لیکن حضرت والد کے وصال کے بعد حضرت والد کے ایک مرید اور ہمارے بزرگ محترمی مولوی نصرت علی صدیقی رحمہ اللہ نے غالباً سب سے پہلے سوانح کے لئے تجویز و تاکید فرمائی۔

حضرت الحاج مولوی نصرت علی صدیقی کی تجویز اور تاکید:

بظاہر محترمی مولوی نصرت علی صاحب کو یہ معلوم نہ تھا کہ صاحب سوانح سے ان کی حیات میں تالیف سوانح کی اجازت لی جا چکی ہے۔ اور خیر السوانح تحریر کرنے کا عزم کیا جا چکا ہے۔ چنانچہ انہوں نے حضرت والد کے وصال پر مخدومی حضرت مولانا محمد شریف صاحب جالندھری رحمۃ اللہ علیہ کے نام اپنے تعزیت نامہ مورخہ ۲۳ رمضان المبارک ۱۳۹۰ھ (۲۱ نومبر ۱۹۷۰ء) کے اخیر میں تحریر سوانح کی تجویز اور اس کی اہمیت و ضرورت کی طرف ان الفاظ میں توجہ دلائی:

”احقر کو بار بار یہ خیال آتا ہے کہ حضرت علیہ الرحمۃ کی سوانح تفصیل سے جلد شائع ہو جائے۔ حضرت جیسے بے

۱۔ افسوس ۲۳ جولائی ۱۹۹۳ء کو الحاج مولوی نصرت علی کراچی میں رحلت فرما گئے انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اللہم اغفر له معصرة طاهرة و ماطة و ارحمه

مثل اللہ والے کی سوانح نہ صرف حضرت سے قرابت رکھنے والوں کے لئے، مدرسہ کے طلباء کے لئے، حضرت کے خدام کے لئے مشعل راہ ہوگی، بلکہ آنے والی نسلوں کے لئے بھی راہ ہدایت ہوگی۔ اور ان کو معلوم ہوگا کہ ہمارے بزرگ کیسے تھے۔ جامع المجد دین حکیم الامت حضرت مولانا تھانوی قدس سرہ العزیز سے تعلق رکھنے والوں کے لئے بھی حضرت والا کی سوانح رہبری کا کام کرے گی۔ آپ ضرور اس کام کو مدرسہ کے دوسرے علماء کی مدد سے شروع فرمادیں۔ (احقر العباد نصرت علی)

مخدومی حضرت ڈاکٹر عبدالحئی صاحب کا بار بار استفسار:

عارف باللہ مخدومنا حضرت ڈاکٹر محمد عبدالحئی صدیقی رحمۃ اللہ علیہ احقر سے تالیف ”خیر السوانح“ کے بارے میں بار بار استفسار فرماتے رہے۔ (افسوس ہے کہ احقر کو اس وقت یہ خیال نہ آیا کہ حضرت ڈاکٹر صاحب سے چند دعائیہ کلمات تحریر فرمانے کی درخواست کرتا اور بعض دوسرے اکابر کی طرح ان کلمات طیبات سے بھی ”خیر السوانح“ کو مزین کرتا۔

احساس ضرورت و اہمیت:

در اصل ابتداء میں اپنی مصروفیتوں کی وجہ سے سوانح کی اہمیت کی طرف پورا التفات ہی نہ ہوا تھا۔ لیکن رفتہ رفتہ بار بار متعدد بزرگان دین کے تقاضوں کی وجہ سے اس کی ضرورت و اہمیت کا احساس شدید سے شدید تر ہوتا گیا۔ اور اس کی تکمیل کے لئے شدت سے قلبی داعیہ پیدا ہو گیا۔ لیکن تجربہ نہ ہونے کی وجہ سے، نیز اپنی طبیعتی سستی اور صحت و فراغ کے میسر ہونے کے انتظار میں بے حد و حساب تاخیر ہوتی چلی گئی۔ پھر یہ بھی خیال آتا کہ سوانح کی کتب بار بار کہاں طبع ہوتی ہیں (خصوصاً اس ناکارہ جیسے کی تالیف) اس لئے ایک ہی بار خوب خوب سعی ہو کہ اغلاط کم سے کم ہوں۔ اور زیادہ سے زیادہ معلومات اور اپنے احساسات و خیالات اس میں شامل کر دیئے جائیں۔ لیکن اس میں زیادہ مبالغہ کرنے سے باز رہنے کا رجحان اس وقت زائد ہو گیا جب حضرت مولانا قاری محمد طاہر صاحب زید مجدہم (امام القراء حضرت مولانا قاری فتح محمد صاحب پانی پتی کے تلمیذ رشید کے تلمیذ رشید) نے ایک جملہ نقل فرمایا کہ ”الاستقصاء شوم“ (انتہاء کی طلب محرومی کا سبب ہوتی ہے) تو سمجھ میں آیا کہ واقعی اس طرح مکمل کرنے کا خیال تو کبھی بار آور نہیں ہو سکتا۔ اور اب ”استقصاء“ کے بجائے زیادہ سے زیادہ ”اختصار“ اور جلدی کا تقاضا بڑھ گیا۔ پھر کبھی اچانک کسی بیماری کا حملہ ہوا تو آخرت کے فکر کے علاوہ یہ بھی خیال آیا کہ اگر ”خیر السوانح“ کو ادھورا چھوڑ کر دنیا سے سفر ہو گیا تو خود اپنے بزرگوں اور احباب کے طبقہ کو بھی رنج ہوگا کہ افسوس یہ شخص زندگی بھر یہ کام بھی پورا نہ کر سکا۔ حضرت مولانا قاری محمد طاہر صاحب مدظلہ نے چند احادیث کی تحقیق کے سلسلہ میں ایک تحقیقی تحریر بھی عطا فرمائی اور وقتاً فوقتاً مفید مشورے دیئے، فجزاہ اللہ تعالیٰ خیر الجزاء۔



تالیف و تکمیل ”خیر السوانح“ کے لئے بزرگان دین کا بار بار تقاضا اور قیمتی ہدایات و مشورے

مخدومی حضرت مولانا محمد شریف جالندھری کا بار بار تقاضا:

حضرت الحاج مولوی نصرت علی صاحب کے بذریعہ مکتوب تعزیت، حضرت مولانا محمد شریف جالندھری کی توجہ سوانح کی طرف مبذول کرانے کے بعد احقر کو اس کی ضرورت کا سب سے زیادہ احساس حضرت والا کے خلف رشید استاذی المحترم حضرت مولانا محمد شریف جالندھری رحمۃ اللہ علیہ نے دلایا۔ ان کے کئی مکاتیب گرامی موجود ہیں جن میں انہوں نے تالیف خیر السوانح اور اس کی جلد از جلد تکمیل کا تقاضا فرمایا ہے۔ بلکہ بعض اوقات حد سے زیادہ تاخیر کی وجہ سے بجا طور پر ان کا یہ تقاضا ناراضگی کی حد تک بھی پہنچ جاتا تھا۔ اللہ تعالیٰ جنت الفردوس میں ان کے درجات بلند فرمائے (آمین)۔ اب ان کے فرزند رشید جناب مولانا محمد حنیف صاحب جالندھری، حال مہتمم جامعہ خیر المدارس ملتان بھی بار بار یاد دہانی فرماتے رہتے ہیں۔ فجزاہ اللہ تعالیٰ خیر الجزاء۔

حضرت الحاج مولوی نصرت علی صدیقی کی مخلصانہ تنبیہ:

حرم کی شریف میں ایک جمعہ کو محترمی مولوی نصرت علی اور مکرمی ڈاکٹر سید محمد عبدالواحد صاحب حفظہ اللہ تعالیٰ دونوں حضرات کی خدمت میں حاضر تھا کہ تالیف ”خیر السوانح“ کا ذکر آیا۔ احقر نے بعض مصروفیتوں کا عذر کیا کہ بعض اہم و ضروری کام ہیں، جن کو پورا کرنا مقدم ہے (اس لئے تاخیر پر تاخیر ہوتی جا رہی ہے) مولوی نصرت علی صاحب نے فرمایا: ”بس تو آپ یہ کام کرنا ہی نہیں چاہتے۔“ (یا یہ فرمایا کہ سوانح لکھنا ہی نہیں چاہتے) اس مخلصانہ تنبیہ اور انجکشن نے بہت کام کیا۔ یہ بات سمجھ میں آگئی کہ ضروری کام تو ہمیشہ لگے رہیں گے، خواہ دینی ہی ہوں۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ جیسے اور ضروری کام بھی ہوتے رہتے ہیں، سوانح کا کام بھی ضروری ہے۔ یہ بھی ضرور کچھ نہ کچھ تو جاری رہ سکتا ہے۔

حضرت ڈاکٹر سید محمد عبدالواحد صاحب دامت برکاتہم کی تاکید:

مکرمی ڈاکٹر صاحب نے تاکید فرمایا کہ خواہ مقدار کتنی ہی کم ہو، لیکن ناغہ نہ ہو، نہ جمعہ کی چھٹی ہو۔ اس پر عمل کرنے کی کوشش سے بے حد فائدہ ہوا۔

قیمتی مشورے اور ہدایات

مخدومنا حضرت مفتی محمد شفیعؒ کی انمول ہدایات اور مفید ترین مشورہ:

مفتی اعظم پاکستان مخدومنا حضرت مولانا مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ (سابق مفتی دارالعلوم دیوبند) کی خدمت میں سوانح کے لئے کچھ تحریر فرمانے کی درخواست کی، جس کا جواب شروع میں نقل کیا جا چکا ہے۔ اور پھر انہوں نے تعزیت نامہ میں بہت کچھ خراج تحسین پیش فرمایا ہے۔

نہ صرف یہ بلکہ حضرت مفتی صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوا تو حسب معمول شفقت و عنایت فرمائی اور بہت ہی مفید اور کارآمد مشورہ سے نوازا، جو کہ احقر جیسے تصنیف و تالیف سے نا آشنا کے لئے چراغِ راہ بلکہ خضرِ راہ ثابت ہوا۔ (حضرت مفتی صاحبؒ کے ارشادات کا حاصل احقر کے الفاظ میں یہ ہے کہ "اشرف السوانح" کے ابواب و عناوین کو سامنے رکھ کر دیانت داری کے ساتھ ان کے تحت جو حضرتؒ کے حالات ہوں وہ لکھتے جاؤ) علاوہ ازیں حضرت مفتی صاحبؒ نے دعائیں بھی دیں (جیسا کہ ان کے گرامی نامہ کی نقل میں گزرا) جو تکمیل سوانح کی توفیق کا سبب بنیں۔

واقعی حضرت مفتی صاحبؒ کے ارشادات سے پورا خاکہ بنا بنایا مل گیا۔ اس کو سامنے رکھ کر شروع میں تو صرف "نقش حیات" ہی سے نقل کیا اور پھر راستہ کھلتا گیا۔ اور ابواب و عناوین میں بھی حسب ضرورت تغیر و تبدل ہوتا رہا۔

تقلید و اجتهاد:

بالکل صحیح بات ہے کہ شروع میں تقلید و اتباع ہی سے راستہ کھلتا ہے۔ اور قابل اجتهاد معاملات میں اجتهاد کا دروازہ بھی اسی تقلید و اتباع کی برکت سے کھل جاتا ہے۔ (یہی بات اصلاح کے باب میں بھی منطبق ہوتی ہے کہ شیخ و مصلح اصلاح کے معاملہ میں اکابر کا متبع ہونے کے ساتھ امور اصلاح میں مجتہد ہوتا ہے۔ لیکن اس سے کہیں یہ غلط فہمی نہ ہونے پائے کہ فقہی اجتهاد بھی اس میں داخل ہے۔ حاشا وکلا۔ لیکن یہاں اس موضوع کی تفصیل کا موقع نہیں، نہ فقہی اجتهاد کی تفصیل و شروط بیان کرنے کی احقر میں اہلیت و صلاحیت ہے نہ اس کے لئے کافی علم ہے)

مخدومنا حضرت مولانا فقیر محمد رحمۃ اللہ علیہ کا نہایت کارآمد مشورہ:

مخدومنا حضرت مولانا فقیر محمد رحمۃ اللہ علیہ (خلیفہ مجاز بیعت حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ) سے ایک بار احقر نے عرض کیا کہ گھر پر ہمیشہ ہنگامی ضروریات رہتی ہیں۔ کوئی نہ کوئی ضروری ہنگامی کام نکلتا رہتا ہے۔ سوانح لکھنے کی پابندی کیسے ہو؟ انہوں نے ارشاد فرمایا کہ رات کو یہ کام کرو۔

نئے سرے سے کام کا آغاز:

چنانچہ جو کام کئی سال سے بند تھا، ان سب حضرات کے مخلصانہ و خیر خواہانہ لٹھیت سے بھرپور مشوروں کی برکت

سے باذن اللہ تعالیٰ وہ کام شروع ہو گیا، اور پابندی کے ساتھ شروع ہوا، والحمد للہ۔ یہاں تک کہ ۱۴۰۴ھ میں پاکستان جاتے ہوئے مطار الریاض پر جہاز ٹھہرا تو طیارہ میں بیٹھے ہوئے چند سطریں تحریر کرنے کی توفیق ہوئی، تاکہ نمانع نہ ہو، یا رات کو کسی وجہ سے بہت تاخیر ہوگئی نصف شب سے زائد گزر گئی، تب بھی یہ سعی کی کہ نمانع نہ ہو، خواہ پانچ منٹ ہی کام ہو جائے۔

تالیف ”خیر السوانح“ کے لئے ابتدائی تحریک:

حضرت والّا کے ایک خلیفہ مجاز بیعت حضرت حاجی فتح محمد جالندھری آباد پوری رحمۃ اللہ علیہ جو مدرسہ خیر المدارس کے سفیر بھی تھے، انہوں نے سب سے اول حضرت والّا کے سوانح کی تالیف کے لئے احقر سے ذکر فرمایا۔ اور بتایا کہ انہوں نے حضرت والّا سے سوانح لکھنے کی اجازت چاہی تھی۔ لیکن حضرت والّا نے غالباً ازراہ عبدیت و فناءیت اجازت نہ دی۔ بلکہ یہ فرمایا کہ ”میں نے کام ہی کیا کیا ہے۔“

اجازت تالیف از صاحب سوانح:

بہر حال اس کے کافی عرصہ بعد احقر مؤلف نے ۲۵ رمضان المبارک ۱۳۸۷ھ کو حضرت والّا کی خدمت میں عریضہ تحریر کر کے اجازت تحریر سوانح کی درخواست کی، جس کو منظور فرما کر یہ جواب تحریر فرمایا:

”پہلے مجھے کچھ مضمون جمع کر لینے دو، پھر اسی کو پھیلا دینا۔“

چنانچہ آئندہ سال ۸ رمضان المبارک ۱۳۸۸ھ کو پھر تحریری درخواست کی کہ اگر کچھ حصہ تحریر فرمایا ہو تو براہ کرم خادم کو چند روز کے لئے دیدیتے تاکہ اس کو اپنے پاس فی الحال نقل کرے۔ چنانچہ ”نقش حیات خیر محمد“ قلمی جو تحریر فرمائی تھی عطا فرمائی، جس کو بین المغرب والعشاء شب دو شنبہ ۱۱ رمضان المبارک ۱۳۸۸ھ (مطابق یکم دسمبر ۱۹۶۸ء) کو نقل کرنا شروع کیا۔ اور جامع مسجد خیر المدارس ملتان میں اذان عصر کے وقت ۳۰ رمضان المبارک ۱۳۸۸ھ کو فارغ ہوا۔ اور اس کے بعد مولانا عبد السلام ہوشیار پوری نے اس میں سن ہجری کے ساتھ اس کے مطابق سن عیسوی کا اضافہ کیا۔ اس مطابقت کے اعتبار سے ۲۶ شعبان ۹۰ھ کو اس پر نظر ثانی بھی کر لی۔ یہ کام اس وقت ہوا جبکہ حضرت والّا کے وصال پر خیر المدارس حاضر ہوا اور تین روز قیام رہا۔

مولانا عبد السلام صاحب کی احقر سے تالیف سوانح کی طلب اور تفویض تالیف سوانح:

حضرت والّا نے اپنے ایک پرانے خلیفہ مجاز بیعت مولوی عبد السلام ہوشیار پوری کو بھی غالباً اپنے سوانح تحریر فرمانے کی اجازت عطا فرمائی تھی۔ جیسا کہ ان کے احقر مؤلف کے نام گرامی نامہ سے سمجھ میں آیا۔ شاید اس لئے کہ حضرت والّا کو اندازہ ہوگا کہ یہ (احقر) اس کام کو جلدی انجام نہ دے سکے گا۔ (جیسا کہ واقعہ بے حد تاخیر ہوئی) اور مولوی عبد السلام صاحب ماشاء اللہ تعالیٰ بہت چست اور فعال تھے۔ لیکن انہوں نے بالآخر احقر ہی کو ترتیب سوانح کو فرمایا۔ اور یہ کام احقر ہی کو تفویض فرمادیا (جیسا کہ ان کے گرامی نامہ سے ظاہر ہے، جو احقر کے پاس موجود ہے)

مأخذ ”خیر السوانح“ و تعاون علی التالیف

مأخذ اول..... ”نقش حیات خیر محمد“:

”خیر السوانح“ کا مأخذ اول بلکہ اس کا متن متین دراصل حضرت والا کی خودنوشت قلمی سوانح ”نقش حیات خیر محمد“ ہی ہے۔ چنانچہ واقعات کو بیان کرنے میں جہاں تک ہو سکا ہے اولاً حضرت والا کی خودنوشت سوانح ہی سے نقل کیا گیا ہے۔ تاکہ واقعات کی روایت صحیح و معتد ہو، سوائے اس کے کہ کوئی لفظ سہواً لکھنے سے رہ گیا ہو۔ یا مطلب سمجھنے کے لئے تغیر لیر ناگزیر ہو، حتی الوسع وہی الفاظ باقی رکھے گئے ہیں۔

ترکیہ و تعلیم وغیرہ کے سلسلہ میں متوقع فائدہ:

صحت روایت کے علاوہ اس کی بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ یہ سوانح اولاً حضرت والا کے متوسلین و مجتہدین کے لئے لکھی گئی ہے۔ لیکن امید ہے کہ اللہ تعالیٰ کو منظور ہو تو حضرت والا سے محبت و اعتقاد رکھنے والوں میں سے طالبین اصلاح اور طلبہ علم وغیرہم کو بھی ان شاء اللہ تعالیٰ نفع ہوگا۔ کیونکہ اس سوانح میں حضرت والا کے سوانح حیات کے علاوہ مناسب موقعوں پر اصول اصلاح اور اصول و فروع تعلیم حضرت والا اور آپ کے شیخ مجدد تھانوی کے ملفوظات، معمولات اور تالیفات وغیرہا برائے افادہ عام و خاص نقل کر دیئے گئے ہیں۔ جیسا کہ حضرت خواجہ صاحب نے فرمایا ہے: **ع** نقل ارشادات مرشدی کنم..... الخ ان شاء اللہ تعالیٰ ان سے پورا پورا فائدہ ہونے کی امید ہے۔ بفضلہ تعالیٰ والحمد للہ علیٰ ذلک۔ وجہ یہ کہ بزرگوں کے کلام میں نور ہدایت ہوتا ہے۔ ان کے ارشادات کو نقل کرنے سے بہت فائدہ متوقع ہے، ان شاء اللہ تعالیٰ۔ (درمیان میں یہ بات اسطر ادا آگئی تھی۔ اب اصل موضوع کی طرف رجوع کیا جاتا ہے)

مأخذ ثانی..... مشاہدہ و مکاتیب:

”خیر السوانح“ کا دوسرا مأخذ احقر مؤلف کا مشاہدہ اور حضرت والا کے مکاتیب ہیں۔ سفر و حضر میں جو وقت حضرت والا کی خدمت میں گزرا، اس میں جو کچھ دیکھا سنا اور سمجھ میں آیا، پھر جو اس میں سے یاد رہا اور قابل ذکر سمجھ میں آیا وہ لکھ دیا۔ یا بزرگوں اور دوستوں نے جو حالات و واقعات تحریر فرمائے یا ان کا ذکر فرمایا، ابواب کی مناسبت سے مناسب موقعوں پر ان کو شامل کر دیا۔

مأخذ ثالث..... محترمی ماسٹر محمد اقبال قریشی صاحب کی تالیف:

تیسرا بڑا مأخذ ماسٹر محمد اقبال قریشی صاحب زید مجدہم کی خیر السوانح کا مسودہ ہے۔ جو حصہ ”نقش حیات“ میں سے

لیا جا چکا تھا، اس کو چھوڑ کر اس کے باقی حصہ میں سے اکثر اس میں شامل کیا جا رہا ہے۔ محترمی اقبال قریشی صاحب نے بہت بڑا کام کیا ہے اور بڑی محنت سے یہ مواد جمع کیا ہے۔ ان کا کام خود ایک مستقل کتاب کی تالیف تھی (جس کا ”پیش لفظ“ بھی انہوں نے استاذی المحترم حضرت مولانا محمد شریف جالندھری (سابق مہتمم خیر المدارس) سے لکھوایا تھا، اور اس ”مقدمہ“ میں شامل ہے) ان کی اس تالیف کو شامل کرنے سے یہ موجودہ ”خیر السوانح“ مرتب ہو سکی۔ گو ان کے مسودہ کو شامل کرنے میں اس کی ترتیب و تہذیب اور تحقیق و تصحیح پر جتنا وقت خرچ ہوا اور محنت ہوئی وہ بس اللہ تعالیٰ کو اور احقر ہی کو معلوم ہے۔

مَا خذ رابع:

یہ ماخذ دراصل حسب ذیل کئی ماخذ پر مشتمل ہے:

موجودہ مہتمم مولانا محمد حنیف جالندھری زید مجدہم کا تعاون:

حال مہتمم خیر المدارس عزیز القدر حضرت مولانا مولوی قاری محمد حنیف صاحب جالندھری زید مجدہم نے اس تالیف کے لئے مواد فراہم کرنے کے سلسلہ میں یہ مخلصانہ تعاون فرمایا کہ ”الخیر“ کے چند نمبر خصوصاً ۵۸ ویں سالانہ جلسہ کے موقع پر خصوصی اشاعت (بابت شعبان و رمضان ۱۴۰۷ھ) اور ”ذکر خیر و یاد شریف“ وغیرہ مطبوعات کے نسخے عطا فرمائے، جن سے ”خیر السوانح“ کی تالیف کے لئے بہت وافر مقدار میں مواد حاصل ہوا اور اس سے کتاب میں بہت مفید اضافہ ہوا۔
فجزاہ اللہ تعالیٰ خیر الجزاء.

حضرت سید قمر الدین احمد دامت برکاتہم کا اہم تعاون:

حضرت سید قمر الدین احمد صاحب قریشی دامت برکاتہم جو حضرت والا کے قدیم ترین خلفاء میں سے ہیں، انہوں نے بھی ایک نہایت مفید اور مبسوط تحریر سوانح کے لئے عطا فرمائی۔ ان واقعات اور مضامین کو ”خیر السوانح“ کی زینت بنایا جا رہا ہے۔ اس کے علاوہ بہت سے امور کی تحقیق اور معلومات کے لئے بار بار بذریعہ مراسلت ان کو تکلیف دیتا رہا۔ اس سلسلہ میں ان کا تعاون سب سے بڑھ کر ہے۔ اس کے بغیر یہ سوانح بالکل ناقص رہتی، یا بہت سی غلط باتیں اس میں شامل ہو سکتی تھیں۔ صرف اتنا ہی نہیں بلکہ ان کے قیمتی مشوروں سے مستفید ہو کر کئی عبارتوں پر نظر ثانی اور اصلاح کی۔ اس کام میں ان کی تواضع بھی حائل ہوتی رہی۔ لیکن بار بار درخواست کرنے پر انہوں نے بہت سے نہایت مفید اصلاحی مشورے عطا فرمائے۔ یہ سب ہمارے حضرت والا کا فیض ہے جو ان کے واسطے سے حاصل ہوا۔ فجزاہ اللہ تعالیٰ خیر الجزاء.

حضرت مولانا حافظ منظور احمد صاحب کا تعاون:

علاوہ ازیں جامع الخلافات^۱ حضرت مولانا حافظ منظور احمد صاحب زید مجدہم (استاذ الحدیث جامعہ خیر المدارس)

^۱ آپ نے صرف مندومنا حضرت حاجی محمد شریف صاحب کے مجاز بیعت ہیں جبکہ حضرت صوفی اقبال صاحب نے غدا (مجاز بیعت حضرت شاہ الحدیث) اور حضرت مولانا علی مرتضیٰ صاحب ذریعہ مدظلہ العالی سے بھی مجاز بیعت ہیں (۱۷)

نے اسی طرح ایک تحریر سے تعاون فرمایا، جس سے مختلف موضوعات کے تحت استفادہ کیا گیا۔ اس کے علاوہ حضرت مولانا عبداللہ بہلویؒ کی تالیف ”القول النقی فی حیات النبی ﷺ“ کی ضرورت تھی اور اس کے لئے شجاع آباد کے سفر کا ارادہ تھا۔ مولانا منظور احمد صاحب کے ذریعہ اس کا ایک نسخہ ہدیہ مل گیا۔ فجزاہ اللہ تعالیٰ خیر الجزاء۔

مآخذ خامس مشتمل بر نہایت اہم مآخذ اور خصوصی تعاون:

آخر میں نہایت اہم مآخذ اور خصوصی تعاون کا ذکر آ رہا ہے۔ یہ تعاون حضرت والہ کی اولاد اشراف و اخیار کا تعاون ہے۔

مخدومی حضرت مولانا حافظ محمد شریف جالندھریؒ کا خصوصی تعاون:

ایک تعاون تو خود ان کا تقاضا تھا جس کی برکت سے احقر جیسے نا اہل و نا کارہ سے یہ کام تو ہو گیا، گو ان کے اس عالم سے رحلت فرمانے کے بعد ہوا۔ دوسرے ان کا تعاون برادر ماسٹر محمد اقبال قریشی صاحب کی خیر السوانح کے لئے پیش لفظ تحریر فرمانا تھا، جیسا کہ پہلے گزرا۔ اور یہ ان کا سوانح کے لئے بالواسطہ تعاون ہوا۔ تیسرے ان کا خصوصی تعاون یہ ہوا کہ ”نقش حیات“ کی قلمی بیاض دیکھنے کی دوبارہ ضرورت اس میں سن بھری کے مطابق سن عیسوی کو نقل کرنے کے لئے ہوئی (جس کا اضافہ بعد میں مولوی عبدالسلام مرحوم نے کیا تھا) اور اس کے لئے انہوں نے یہ بیاض احقر کو عاریۃ عطا فرمائی۔ (چنانچہ نقل کر کے واپس کر دی گئی)۔ علاوہ ازیں حضرت والہ کی بعض دوسری بیاضیں بھی ضروری باتیں نقل کرنے کے لئے عطا فرمائیں۔ نیز اکابر اُمت علماء عظام اور صوفیاء کرام اور دوسرے خاص حضرات کے مکاتیب تعزیت وغیرہ بھی نقل کرنے کے لئے عطا فرمائے۔ (چنانچہ ان سب کو نقل کر کے واپس کر دیا گیا)۔ غرضیکہ بہت سا اہم مواد ان سے ملا جو اور کسی طرح حاصل نہ ہو سکتا تھا۔ ان سب سے بعض ابواب کی ترتیب میں بہت مدد ملی۔ فجزاہ اللہ تعالیٰ خیر الجزاء و رحمہ اللہ تعالیٰ رحمة واسعة۔

حضرت مولانا حافظ عبدالحق جالندھریؒ کا خصوصی تعاون:

ماضی قریب میں بعض قدیم حالات و واقعات یا بعض خاندانی تفصیل معلوم کرنے کی ضرورت ہوئی یا مشورہ کی حاجت ہوئی تو حضرت سید قمر الدین احمد شاہ صاحب قریشی مدظلہ العالی کے ذریعے حضرت مولانا سے دریافت کرا تا رہا۔ حضرت مولانا عبدالحق صاحب نے نہ صرف زبانی جوابات دیئے بلکہ بڑی شفقت و محبت سے واضح اور صحیح حالات تحریر فرمائے۔ یہ ان کا خصوصی تعاون تھا۔ فجزاہ اللہ تعالیٰ خیر الجزاء۔

دیگر متعدد بزرگان دین کا تعاون:

مولانا محمد حنیف جالندھری صاحب کے تعاون کے سلسلہ میں ”ذکر خیر و یاد شریف“ کا ذکر آیا ہے۔ اس کتاب کے

۱۔ افسوس حضرت والہ کے سب سے چھوٹے آخری خلف الرشید ۷ شعبان ۱۳۱۳ھ بروز جمعرات مطابق ۲۰ جنوری ۱۹۹۳ء کو انتقال فرمائے۔ انا للہ الخ۔ اللہم اغفرلہ و ارحمہ رحمة واسعة و ادخلہ جنة النعیم (آمین لم آمین) (تفصیل کے لئے باب ۱۱۹، اہل و عیال ملاحظہ فرمائیے۔ ۱۲)

باب بستم "شامل وخصائل" میں حضرت والا کے بارے میں بزرگان دین کے مقالات میں سے اقتباسات دیئے گئے ہیں، جو "ذکر خیر و یاد شریف" سے لئے گئے ہیں۔ ان اکابر کا یہ تعاون جو "ذکر خیر" کی تکمیل کے لئے تھا، اب خیر السوانح کی تکمیل میں کام آیا۔ فجزاهم اللہ تعالیٰ خیر الجزاء، ورحمہم اللہ تعالیٰ رحمة واسعة (آمین)

البتہ ایک مختصر مقالہ احقر مؤلف کی درخواست پر تحریر فرمایا گیا تھا، جس کا تذکرہ درج ذیل ہے:

استاذی المعظم حضرت العلامة مولانا ظفر احمد عثمانیؒ کا مقالہ:

احقر مؤلف کی درخواست پر حضرت استاذی نے ایک مستقل مقالہ "ذکر خیر" تحریر فرما کر بذریعہ ڈاک ارسال فرمایا، جو اس سوانح کی زینت ہے (باب ۲۲، خیر المقالات) (اس مقالہ اور کتاب "ذکر خیر" کے نام میں قدرۃ توارو ہو گیا ہے) فجزاه اللہ تعالیٰ خیر الجزاء وجعل الجنة مثواہ. ورحمہ اللہ تعالیٰ رحمة واسعة (آمین)

مخدومنا حضرت حاجی محمد شریفؒ (خلیفہ مجدد تھانویؒ) کا تعاون اور ان کی کتاب سے استفادہ:

مخدومنا حضرت حاجی محمد شریف رحمۃ اللہ علیہ سے کچھ تحریر فرمانے کو عرض کیا تھا۔ پھر یاد دہانی نہ کرائی جاسکی۔ اور ان سے کوئی تحریر حاصل نہ کر سکا۔ لیکن ان کی کتاب "مکتوبات اشرفیہ" میں حضرت والا کے متعلق مواد سے خوب استفادہ ہو سکا، کہ جو وہ احقر کو تحریر فرما کر دیتے اس سے بھی زائد ہو گیا۔ والحمد للہ وجزاہ اللہ تعالیٰ خیر الجزاء ورحمہ اللہ تعالیٰ رحمة واسعة وجعل الجنة مثوابہ (آمین)

استاذی المحترم حضرت مولانا مفتی محمد وجیہ صاحب مدظلہ العالی کا تعاون:

حضرت الاستاذ (سابق شیخ الحدیث دارالعلوم الاسلامیہ ٹنڈوالہار و دارالحدیث دارالعلوم مظاہر العلوم حیدرآباد (سندھ) کا اہم تعاون یہ ہے کہ جب کسی حدیث شریف کے صحیح متن اور سند یا حوالہ کی ضرورت پڑی، آپ کی خدمت میں عریضہ لکھا گیا اور وہاں سے تحقیقی جواب ملتا رہا۔ چنانچہ کئی احادیث اس طرح "خیر السوانح" میں شامل کی گئیں۔ نیز مقدمہ میں تصوف کی حقیقت اور اہمیت و ضرورت کے لئے کتب سے استفادہ کے سلسلہ میں ان سے استشار کیا گیا تو حضرت مسیح الامتؑ کی تالیف "شریعت و تصوف" سے بھی استفادہ کا مشورہ انہوں نے ہی دیا تھا۔ چنانچہ اسی کتاب سے استفادہ کرنا کافی ہو گیا۔ کیونکہ اس میں حضرت مسیح الامتؑ نے حضرت مجدد تھانویؒ کی تالیفات و ملفوظات وغیرہ سے تصوف کا خلاصہ بیان فرمادیا ہے۔ فجزاهم اللہ خیر الجزاء. اللہ تعالیٰ ان کی صحت و عمر میں برکت عطا فرمائے اور سایہ عاطفت قائم و دائم رکھے، آمین ثم آمین۔ اور حضرت حکیم الامتؑ اور حضرت مسیح الامتؑ کے درجات بلند فرمائے، آمین ثم آمین۔

مؤلف ”رحمت کائنات“ حضرت مولانا سید قاضی محمد زاہد الحسنی مدظلہ کا تعاون:

حضرت والا کے تحفظ عقیدہ حیات النبی ﷺ کی خدمات کے سلسلہ میں حضرت موصوف مدظلہ نے احقر مؤلف کے ساتھ یہ تعاون فرمایا کہ حضرت والا کے ساتھ ان کی جو خاصی طویل مراسلت ہوئی اس کی نقول انہوں نے بذات خود احقر کو ارسال فرمائیں۔ فجزاہ اللہ تعالیٰ خیر الجزاء فی الدنیا والآخرة (آمین)

حضرت صوفی اقبال رحمہ اللہ (خلیفہ حضرت شیخ الحدیث) کا تعاون:

آپ نے ایک واقعہ حضرت والا کے فتنہ مودودیت سے بالکل اجتناب کی تلقین کا بیان فرمایا اور پھر وہ مطبوعہ روایت بھی نقل کے لئے عاریہ بھجوائی، جو ”خیر السوانح“ میں شامل کی گئی ہے۔ یہی نہیں بلکہ حرم مدنی شریف میں کھڑے کھڑے کتاب کی تکمیل سے پہلے ہی کتابت شروع کرانے اور کتابت قلمی ہو یا کمپیوٹر سے، اس سلسلہ میں اپنے تجربات کی بناء پر نہایت قیمتی مشورے عطا فرمائے۔ وجزاہ اللہ تعالیٰ خیر الجزاء۔

سیدی مسیح الامت حضرت مولانا شاہ محمد مسیح اللہ نور اللہ مرقدہ کی انمول دُعا اور حوصلہ افزائی:

کوئی کسی کو سب سے بڑھ کر جو کچھ دے سکتا ہے وہ دعا ہے۔ کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ سے مانگنا ہے، جو سب سے بڑھ کر عطا فرمانے والا ہے۔ اس لئے سیدی حضرت والا محمد مسیح اللہ کا تعاون سب سے بڑھ کر ہے۔ کیونکہ انہوں نے خادم کے عریضہ کے جواب میں حوصلہ افزائی اور دعا فرمائی (جس کی نقل پہلے گزر چکی ہے) اور یہ سب اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے کہ ان کی دُعا میں قبول ہو کر احقر جیسے شخص سے یہ کام بالآخر اختتام پذیر ہوا۔ فجزاہ اللہ تعالیٰ خیر الجزاء ورحمہ اللہ تعالیٰ رحمةً واسعةً وجعل الجنة متقلبه ومثواه۔ اللہ تعالیٰ آپ کو مراقت انبیاء علیہم السلام اور حضور ﷺ کا قرب خاص عطا فرمائے اور اپنے دیدار سے نوازے (آمین ثم آمین)

حضرت مولانا حافظ محمد عبدالوحید شہید حرم کی حوصلہ افزائی:

مولانا حافظ عبدالوحید رحمۃ اللہ علیہ سے تالیف ”خیر السوانح“ کا تذکرہ ہوتا تھا۔ حضرت والا کی حیات ہی میں، بلکہ حضرت والا سے تالیف سوانح کی اجازت لینے سے بھی قبل انہوں نے ریٹالہ خورد سے اپنے گرامی نامہ مورخہ ۲۵ ربیع الثانی ۱۳۸۳ھ میں اپنے قلم سے تحریر فرمایا تھا: ”بے شک سوانح ضروری ہے۔ ان شاء اللہ ہم دونوں اکٹھے تالیف کریں گے۔ آپ حالات جمع کرتے جاویں۔ پھر مل کر ترتیب دے دیں گے۔ ان شاء اللہ آپ کی رائے بہت ہی صائب و واجب العمل ہے۔“

بہر حال یہ ان کی حوصلہ افزائی تھی۔ جزاہ اللہ تعالیٰ خیر الجزاء۔ اللہ تعالیٰ ان کو مغفرت و رحمت سے مالا مال کرے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ درجات عطا فرمائے (آمین ثم آمین)

ان شاء اللہ تعالیٰ ان کا مستقل تذکرہ حضرت والا کے خلفاء کی مختصر سوانح میں آئے گا۔

حضرت مولانا عبدالعزیز مدظلہ اور مولانا عبدالشکور زید مجددہ کا تعاون:

ان دونوں حضرات کے مفید مقالات جو نہایت اہم مضامین پر مشتمل ہیں، محترم ماسٹر اقبال قریشی صاحب کی ”خیر السوانح“ میں موجود تھے۔ اس طرح ان دونوں حضرات کا بالواسطہ تعاون اس خیر السوانح کے لئے حاصل ہوا۔
فجزاہم اللہ تعالیٰ خیر الجزاء۔

دیگر حضرات کا تعاون اور اعترافِ احسان:

ان کے علاوہ بھی ممکن ہے اور بھی مآخذ بعد میں یاد آ جائیں، یا تلاش کرنے سے مل جائیں، اور قابل ذکر اہم تعاون بھی کئی حضرات کا ہوگا۔ لیکن یہاں بھی استقصاء کے بجائے اختصار ہی سے کام لیتے ہوئے باقی سب حضرات کے احسان کا اعتراف کرتے ہوئے ان کے لئے جذباتِ تشکر و امتنان اور جزائے خیر کی دُعا کے ساتھ معذرت کرتے ہوئے اسی پر اکتفاء کرتا ہوں۔ نیز اتنی تطویل پر بھی معذرت خواہ ہوں۔ البتہ احقر کے اہل خانہ اور اعزہ و اقارب کے تعاون کا تذکرہ ان شاء اللہ تعالیٰ ترجمۃ المؤلف کے تحت آئے گا۔ (مآخذ کی فہرست کتاب کے اخیر میں آرہی ہے)

مختصر تاریخ تالیف ﴿خیر السوانح﴾

مفصل تاریخ تالیف قارئین کی دلچسپی کا باعث نہ ہوگی بلکہ باعثِ ملال ہوگی۔ اس لئے تطویل کے بجائے ریکارڈ محفوظ رکھنے کے لئے چند سطروں میں مختصر تاریخ تحریر کرنے کی سعی کی جاتی ہے۔
”خیر السوانح“ کی ابتداء کرنے کے لئے جن اوراق پر تبرکاً ”بسم اللہ“ لکھوائی گئی تھی وہ محفوظ ہیں۔ اس کے صفحہ اول کے حاشیہ پر آغاز تالیف خیر السوانح کا تذکرہ یہ ملا:

”جمعہ ۱۸ رجب ۱۳۹۱ھ بعد نماز جمعہ جامع مسجد جبک لائن کے ایک کمرے میں جہاں حضرت حاجی ماسٹر محمد شریف دامت برکاتہم (خلیفہ حضرت حکیم الامت تھانوی اور رکن شوریٰ مدرسہ خیر المدارس) اور حضرت مولانا حافظ محمد شریف مدظلہ العالی (مہتمم مدرسہ خیر المدارس ملتان و صاحبزادہ حضرت والا) قیام فرماتے تھے، حضرت مولانا محمد شریف صاحب موصوف سے بسم اللہ تبرکاً لکھوائی، تاکہ آج ترتیب سوانح کا کام شروع کیا جائے۔ چنانچہ بجمہ اللہ شروع ہو گیا۔ اور جو حصہ

۱۔ بہر حال یہ شبہ باقی رہا کہ بسم اللہ حمدوی الکنز حضرت محمد شریف صاحب سے لکھوائی یا استاذی الاحترم حضرت مولانا محمد شریف صاحب جاندھری سے۔ البتہ (حضرت والا) کے الفاظ سے خود بخود حمدوسین شریفین کے خط اور تحریر دیکھنے سے راجح یہی سمجھ میں آتا ہے۔ کہ استاذی الاحترم حضرت مولانا محمد شریف صاحب جاندھری سے تبرکاً بسم اللہ لکھوائی گئی ہوگی واللہ تعالیٰ اعلم۔ (۱۲)

حضور ﷺ کے مولجہ شریفہ حرم نبوی شریف میں تبرکاً یوم الاثنین ۳۰ ذی قعدہ ۱۳۸۸ھ کو تحریر کیا تھا، اس کی نقل اس مسودہ میں کی اور دو تین سطریں آگے بھی تحریر کیں۔“

اس میں ابتداء تالیف کے تذکرے کا خلاصہ آ گیا۔ اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ تبرکاً شروع کی گئی چند سطریں جو حضور ﷺ کے مولجہ شریف میں تحریر کرنے کی سعادت نصیب ہوئی وہ حضرت والا کی حیات طیبہ ہی کے زمانہ کی بات ہے۔ پھر حضرت والا کے وصال کے بعد بسم اللہ لکھوائی گئی اور اس طرح کام کا آغاز ہوا۔ لیکن تالیف کے کام کا نہ طریقہ معلوم تھا نہ سلیقہ تھا۔ حضرت والا کی خودنوشت سوانح کی ترتیب کو بدلنا گوارا نہ ہوتا تھا۔ اور ہمارے حضرت والا نے شروع کے تقریباً بیس صفحات تک خاندانی حالات تحریر فرمائے تھے۔ اس کے بعد اپنا تذکرہ شروع فرمایا تھا۔ بالآخر اس ترتیب میں تغیر کرنے کی جسارت کرنا ہی پڑی۔

اکثر واقعات ”نقش حیات“ سے نقل کئے ہیں۔ اس میں نہ صرف اس کا حوالہ دیا ہے، بلکہ حتی الوسع حضرت والا کے کلمات طیبات کو باقی رکھا ہے اور بطور اقتباسات کے نقل کیا ہے۔

ابتدائی کام یعنی تیس چالیس صفحات جو کراچی ہی میں تحریر ہو گئے تھے، حضرت مولانا محمد شریف جالندھری کے فرمانے پر ان کی خدمت میں پیش کئے تھے۔ اس پر انہوں نے ان الفاظ میں اظہار مسرت فرمایا:

”سوانح کے مسودہ کی فائل مل کر بہت مسرت ہوئی۔ جس قدر حصہ معرض تحریر میں آچکا ہے وہ غنیمت ہے.....“

(گرامی نامہ مورخہ ۸ ربیع الاول ۱۹۴۲ھ)

اس کے بعد کراچی قیام ہی کے دوران کوئی بارہ صفحات اور لکھے، جن میں چند ابواب پر کچھ کام کیا گیا تھا۔ کراچی میں یا تو ملازمت کی مصروفیت رہی، یا مناسب کام کی تلاش اور سعودی عرب آنے کے لئے سعی۔ آخر ملازمت ملنے پر شب ۱۵ شعبان ۱۳۹۵ھ (۲۴ جولائی ۱۹۷۵ء) کو جدہ منتقل ہوا۔ لیکن نئی ملازمت اور نئی جگہ کی مصروفیات رہیں۔ آخر نلتے نلتے ۱۴۰۴ھ میں تفصیلی مسودہ لکھنا شروع کیا اور بار بار کام شروع ہو کر بند ہوتا رہا۔ ۱۴۰۵ھ تا ۱۴۰۸ھ الریاض میں قیام کے دوران کام نہ ہو سکا۔ اگرچہ ایک دو بار زیارت مدینہ منورہ کے موقع پر نئے سرے سے کام شروع کرنے کی سعی کی۔ بہر حال ۲۳ شعبان ۱۴۰۸ھ کو مدینہ منورہ میں قیام کے لئے داخلہ ہوا۔ اور ۱۵ شوال ۱۴۰۸ھ کو پابندی سے کام شروع ہوا۔ لیکن ذوالقعدہ ۱۴۰۹ھ میں پاکستان اور پھر انڈیا کا سفر ہوا۔ پھر ۱۴۱۳ھ میں پاکستان کا سفر ہوا۔ پاکستان میں عموماً صحت خراب رہنے کی وجہ سے کام کا نام نہ ہوا۔ ورنہ عموماً پابندی سے کام ہوتا رہا، گو مقدار بہت کم رہی۔ مگر ماسٹر محمد اقبال قریشی صاحب کا مسودہ ”خیر السوانح“ بھی مل چکا تھا جس کو شامل کرنے کا کام تھا۔ اس میں بہت زیادہ وقت لگا۔ اب فی الحال اس ”عرض مؤلف“ کے ساتھ مقدمہ مکمل ہو رہا ہے۔ اور باب اول تا باب ۱۹ مکمل ہو گئے ہیں۔ ان میں صرف کہیں کہیں آخری بار مراجعت کرتے

ہوئے کچھ تغیر سیر اور کمی بیشی ہوگی۔ اس کے بعد باب ۲۰ تا ۲۳ جن کا مواد تقریباً مکمل ہے ترتیب دینا باقی رہے گا۔

(شب ۲۹ محرم ۱۴۱۴ھ مدینہ منورہ)

ایک اور گزارش:

مثنوی میں تاخیر کے بارے میں مولانا روٹی نے فرمایا تھا: ع

مدتے در مثنوی تاخیر شد : مہلتے بایست تاخوں شیر شد

لیکن یہاں تو ”مدتے“ ہی نہیں، تکمیل سوانح ”مدتوں“ یعنی سالہا سال مؤخر ہو گئی۔ بہر حال اس سے اتنا فائدہ ضرور ہوا کہ جو بعض مفید مضامین تحریر کرنے یا نقل کرنے کی توفیق اس وقت ہو گئی، اب اس سے چند سال قبل ایسے مضامین تحریر یا نقل کرنے کی توفیق متوقع نہ تھی۔ بہر حال اگر اس کے بعض مضامین سے کسی کو کچھ دینی فائدہ پہنچ جائے تو حقیقت یہ ہے کہ اس میں میرا ذرہ بھر قطعاً کوئی کمال نہیں۔ بلکہ یہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم اور اسی کے فضل سے حرم پاک مدینہ منورہ اور اس کے مکین امین نبی اُمی رحمۃ للعالمین ﷺ کے جوار کی برکت ہے۔ اور اسی کے فضل سے میرے شیخ صاحب سوانح نور اللہ مرقدہ کا فیض ہے۔ والحمد لله علی ذلک۔

خاتمہ:

بہر حال اخیر میں تالیف سوانح میں بے حد تاخیر پر تمام منتظر حضرات کی خدمت میں معذرت پیش کرتے ہوئے گزارشات ختم کرتا ہوں۔ دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس ناچیز سعی کو مقبول و مفید بنائے۔ اور احقر مؤلف کے ساتھ غفور و مغفرت کا معاملہ فرمائے (آمین)۔ اور صاحب سوانح سیدی و مولائی حضرت مولانا خیر محمد نور اللہ مرقدہ کو سب کی طرف سے جزائے خیر عطا فرمائے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمةً واسعةً۔ مغفرت و رحمت سے مالا مال فرمائے، جنت الفردوس میں اعلیٰ درجات عطا فرمائے، اپنے قرب و رضا کے سہر جات میں لمحہ بہ لمحہ بے حد و بے حساب ترقی عطا فرمائے۔ مرافتت انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اور حضور ﷺ کا قرب خاص عطا فرمائے، اور اپنے دیدار سے نوازے (آمین ثم آمین) و آخر دعوانا ان الحمد لله رب العلمین۔ وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ سیدنا و مولانا وحبیبنا وشفیعنا محمد رحمة للعالمین و آلہ و اصحابہ اجمعین۔ برحمتک یا ارحم الراحمین (آمین)

یوم السبت ۲۵/۲/۱۴۱۴ھ (الموافق ب ۲۳/۷/۱۹۹۳ء)

سیدی حضرت والّا کے ارشادات

بردرخواست اجازت برائے ترتیب سوانح حضرت والّا

اور اقتباسات از عریضہ ناچیز آفتاب احمد، درملتان بتاریخ ۲۵ رمضان المبارک ۱۳۸۷ھ

اقتباس از عریضہ: ”..... یہ ضرور ہے کہ اس میں خدام کی عین تمنا پوری ہوتی ہے۔ اس لئے اُمید قوی ہے کہ براہِ شفقت و کرم حضرت والّا اپنے سوانح مرتب کرنے کی اجازت مرحمت فرمائیں گے۔“

ارشاد حضرت والّا: کون مرتب کرے گا؟

اقتباس از عریضہ: ”اگر کوئی خادم اس کام کو جلد شروع کرنے والے نہ ہوں تو باوجود نااہلیت و کم لیاقتی، خادم کی درخواست ہے کہ اس خادم ہی کو اس کی اجازت عطا فرمائی جائے۔“

ارشاد حضرت والّا: پہلے مجھے کچھ مضمون جمع کر لینے دو۔ پھر اسی کو پھیلا لینا۔

چنانچہ آئندہ سال حضرت والّا کی خدمت میں حاضر ہوا تو ۸ رمضان المبارک ۱۳۸۸ھ کے عریضہ میں درخواست کی کہ کچھ تحریر فرمایا ہو تو نقل کے لئے عطا فرمایا جائے۔ چنانچہ شب دو شنبہ ۱۱/ رمضان المبارک ۱۳۸۸ھ (مطابق یکم دسمبر ۱۹۶۸ء) حضرت والّا کی خود نوشتہ سوانح کو نقل کرنا شروع کیا۔ ۳۰ رمضان المبارک ۱۳۸۸ھ کو اس کی نقل سے فارغ ہوا۔ اس خود نوشتہ سوانح ”نقش حیات خیر محمد“ کی تمہید کی نقل صفحہ آئندہ پر ملاحظہ ہو۔ اجازت تحریر سوانح کے اختصار اور تمہید کے ایک ایک جملہ سے حضرت والّا کی اپنے سوانح کے بارے میں جو انفعال طبعی، خجالت، حیا اور فنا و عبدیت عیاں ہے، وہ اہل ذوق سے مخفی نہ ہوگا۔

نقل تمہید خود نوشتہ سوانح حضرت والّا

۷۸۶

نقش حیات خیر محمد

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ . الْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهُ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْمِ وَ عَلٰی آلِهِ وَصَحْبِهِ اَجْمَعِیْنَ . اَمَّا بَعْدُ : اپنی زندگی کے بعض واقعات خود قلم بند کرنے کا خیال اس لئے ہوا کہ بعض مخلصین اپنے جذبہ اخلاص سے یا کسی کے کہنے سننے سے کچھ حالات جمع کرنا چاہتے ہیں۔ مگر بقول شنیدہ کے بود مانند دیدہ بہت سی باتوں میں فرونداشت کر جاتے ہیں۔ اس لئے ارادہ ہوا کہ کچھ ضروری باتیں اپنے علم و حفظ کے اعتبار سے جمع کر دی جائیں، تاکہ بعد میں کسی کو جو کہ ندر ہے۔

ارشادات و دعائیں سید مسیح الامت حضرت مولانا شاہ محمد مسیح اللہ نور اللہ مرقدہ

جواب عریضہ احقر مؤلف

اقتباس از عریضہ: سیدی الکریم مخدومی المکرم حضرت محترم دام ظلکم العالی دامت برکاتکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ
ارشاد: مکرم بندہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

اقتباس از عریضہ: بعد آداب نیاز مندانہ عرض خدمت ہے کہ حضرت اقدس مرشدی مولانا خیر محمد صاحب کی سوانح عمری زیر ترتیب ہے۔

ارشاد: بہت ہی خوب ہے۔ اللہ تعالیٰ بطریق احسن تکمیل کو پہنچائیں۔

اقتباس: (اس کے بعد حضرت والا کے متعلق کوئی واقعہ یاد ہو تو اس کو قلم بند فرمانے یا مکاتیب اگر محفوظ ہوں تو ان کی نقل کے لئے عرض کیا گیا)

ارشاد: بندہ کو کچھ محفوظ نہیں ہے۔ دعا گو تکمیل سوانح ہے۔

اقتباس: امید ہے مزاج گرامی بعافیت ہوں گے۔

ارشاد: الحمد للہ تعالیٰ بعافیت ہے۔

مکترین خدام: آفتاب احمد عفی عنہ، شب ۹ ذی الحجہ ۱۳۹۰ھ، ۱۷/۳ پاک کالونی، منٹھو پیر روڈ کراچی ۱۶

نوٹ: کم و بیش اسی مضمون کے عریضے دیگر اکابر کی خدمت میں تحریر کئے گئے۔ ان میں سے بعض کے جوابی ارشادات آگے آرہے ہیں۔

مکتوب گرامی اُستازی المعظم مخدومی محترم حضرت العلامة مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ

مکرمی! السلام علیکم ورحمۃ اللہ

مولانا خیر محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے خطوط تو میرے پاس محفوظ نہیں اور اکثر خطوط میں دریافت خیریت ہوتی

تھی۔ خاص مضامین نہیں ہوتے تھے، الا نادراً۔

مولانا رحمۃ اللہ علیہ کو میں نے بہت دیکھا ہے، اور مجھ سے ان کو خاص محبت تھی۔ اور مجھے بھی بہت محبت و عقیدت

تھی۔ اس وقت طبیعت ناساز ہے۔ اس ہفتہ میں بخار رہا۔ اب بخار تو نہیں مگر اس کا اثر باقی ہے۔ اس لئے بہتر صورت یہ ہے

کہ یہاں کسی سے فرما دیجئے کہ وہ وقتاً فوقتاً مجھ سے مولانا کے حالات دریافت کرتے رہیں۔ میں جو کہوں اس کو قلم بند کر کے

آپ کو بھیج دیں۔ خود لکھنا آجکل دشوار ہے۔ گھر میں اور رشیدہ کو سلام و دعاء۔

ظفر احمد عثمانی عفا اللہ عنہ (۷ ذی الحجہ ۱۳۹۰ھ)

نوٹ: لیکن افاقہ ہونے پر ۲۲ ذی الحجہ کو ”ذکر خیر“ کے عنوان سے ایک مضمون ارسال فرمایا، جو اس کتاب کی زینت ہے۔

اس کے وصول ہونے کی اطلاع اور شکریہ کے عریضہ کے جواب میں گرامی نامہ تحریر فرمایا، جس کی نقل حسب ذیل ہے:

مکرمی! السلام علیکم ورحمۃ اللہ

میں تو آپ کو خط لکھنے والا تھا کہ مضمون ”ذکر خیر“ پہنچا یا نہیں۔ کیونکہ غلطی سے رجسٹری نہیں کیا تھا۔ ورنہ میں ایسے مضامین کو رجسٹری کر کے بھیجتا ہوں۔ آپ کے کارڈ سے اطمینان ہوا اور خوشی ہوئی کہ آپ کو میرا مضمون پسند ہوا۔ اللہ تعالیٰ مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے درجات بلند فرمائیں اور ہم لوگوں کو بھی کامیاب فرمائیں۔ وما ذلک علی اللہ بعزیز۔ آپ کے لئے دعائے برکت کرتا ہوں۔ والسلام
ظفر احمد عثمانی عفا اللہ عنہ، محرم ۱۳۹۱ھ

گرامی نامہ مفتی اعظم پاکستان مخدومنا حضرت مولانا مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ

(بانی و مہتمم دارالعلوم کراچی)

بجواب عریضہ احقر مؤلف

عزیز محترم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ

حضرت مولانا خیر محمد صاحب کی سوانح عمری لکھنے کا ارادہ معلوم ہو کر بڑی مسرت ہوئی۔ اللہ تعالیٰ آسان فرماویں اور نافع و مفید بنادیں۔ اس میں حصہ لینے کو تو خود ہی دل چاہتا ہے۔ مگر مشکل اپنے ضعف و امراض اور اس پر مشاغل کی ہے۔ تاہم کوشش کروں گا کہ کچھ لکھ کر پیش کر دوں۔ والسلام
محمد شفیع عفی عنہ

دارالعلوم کراچی نمبر ۱۳ (۲۰/۱۰/۹۰ء)

گرامی نامہ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ (ندوۃ العلماء لکھنؤ)

بجواب عریضہ احقر مؤلف

مکرمی زید لطفہ

لکھنؤ (۲۰/۲/۱۹۷۱ء)

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

عنایت نامہ ملا۔ حضرت مولانا خیر محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی سوانح کے کار خیر میں ہر طرح کی شرکت باعث سعادت ہے۔ لیکن میری حضرت مرحوم سے چند ہی ملاقاتیں ہوئی ہیں۔ ایک شب میں نے ۱۹۳۷ء کی ابتداء میں خیر المدارس میں مولانا کے پاس گزاری۔ صبح درس قرآن میں مجھے لے گئے اور اس دن مجھ ہی سے درس دلویا۔ دو تین ملاقاتیں لاہور میں حضرت رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں، وہ بھی بہت مختصر اور محض سلام و مزاج پُرسی اور خیر المدارس آنے کی دعوت تک محدود..... اللہ تعالیٰ آپ کو اس مقصد میں کامیاب فرمائے، والسلام

ابوالحسن علی (بقلم: اسم غیر مفہوم)

پیش لفظ

از حضرت مولانا محمد شریف جالندھری رحمۃ اللہ علیہ
سابق مہتمم جامعہ خیر المدارس ملتان

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نُحَمِّدُهُ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْمِ۔

اس عالم فانی میں جو آیا جانے کے لئے آیا۔ خلاق عالم نے ہر تنفس کے لئے وقت مقرر پر دنیا سے جانا مقدر فرما دیا۔ ہر ایک کو امر خداوندی کُلُّ مَنْ عَلَیْهَا فَاَنْ کُلُّ شَیْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهُ کے سامنے سر تسلیم خم کرنا ہے۔ بجز ذات باری تعالیٰ کسی کے لئے بقاء و دوام نہیں۔ لیکن انسانوں میں بھی فرق مراتب ضرور ہے۔ کسی انسان کی وفات پر صرف ایک قریہ کے کلین افسوس کرتے ہیں اور کسی کی رحلت پر پورا ملک صدمہ پاتا ہے۔ لیکن کچھ باکمال شخصیتیں، علمائے کرام و اولیائے عظام رحمہم اللہ تعالیٰ ایسے ہوتے ہیں جن کے وجود سے پورے عالم کے منافع دینیہ و دنیویہ وابستہ ہوتے ہیں۔ ان حضرات کے رخصت ہونے سے پوری دنیا یتیم ہو جاتی ہے۔ جن کی مفارقت سے ہر قلب حزیں اور ہر آنکھ اشکبار ہوتی ہے اور جن کی جدائی سے دینی و علمی مجالس بے رونق ہو جاتی ہیں۔ جن کا وجود دنیا والوں کے لئے باعث نور اور ان کی رحلت موجب ظلمت ہوتی ہے۔

گزشتہ قریب زمانہ میں جو اکابر حضرات علماء کرام اور اولیاء عظام گزرے ہیں وہ انہی اوصاف حمیدہ سے متصف تھے۔ یہ حضرات اظہار حق میں اللہ تعالیٰ کی حجت تھے۔ اور لا یخافون لومة لائم کا مصداق۔ وہ پوری زندگی گزار کر اس دار الفناء سے دار البقاء کی طرف وعدہ لقا کے لئے منتقل ہوئے۔ وہ انہی اوصاف حمیدہ سے متصف تھے، اور ان کی خدمات دینیہ ہر شعبہ میں اظہار من الشمس ہیں۔ انہی مقتدر ہستیوں میں ایک فرد فرید محقق العصر، محدث جلیل، فقیہ نبیل، ولی کامل، جامع المعقول و المنقول، استاذ العلماء، میرے والد ماجد حضرت مولانا خیر محمد صاحب قدس سرہ تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ میں ایسے علمی و عملی کمال اور ایسی متنوع صفات ودیعت فرمائی تھیں جن کی نظیر آج ملنا دشوار ہے۔ ایسی جامع کمالات شخصیتیں صدیوں میں پیدا ہوتی ہیں۔ اور اس جہان فانی میں ان کا خلا نہیں ہوتا۔

ان حضرات کے سوانح مختلف طور پر صفحہ عالم پر منقش پائے جاتے ہیں۔ حقیقی سوانح تو ان حضرات کے تعلیم و تربیت، تصنیف و تالیف وغیرہ خدمات کے وہ آثار و نتائج محسوسہ ہوتے ہیں جو مختلف گوشوں میں ضیاء پاشیاں کرتے دکھائی

دیتے ہیں۔ مختلف علوم و فنون میں ان کے تلامذہ انہی کے سچ پر اپنے انوارِ تعلیم سے مختلف خطوں کو منور کر رہے ہیں۔ ان کے روحانی فیض یافتہ جگہ جگہ انہی کے انداز پر اپنے ارشادات سے لوگوں کی ظاہر و باطن کی تعمیر کرتے نظر آتے ہیں۔ ان کی تصنیفات کا فیض عام بندگانِ خدا میں پھیلتا جا رہا ہے۔ ان سے اپنے اعمال و اخلاق کی اصلاح کرانے والے اعمال و اخلاق کے مجتہدے رونقِ ارض بنے ہوئے ہیں۔ ان سے اذکار و اشغال سیکھنے والے آفَاءَ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ میں اپنے نعماتِ اذکار سے سراسر بہار کی فیض پیدا کئے ہوئے ہیں وغیرہ وغیرہ۔

سوانح کا دوسرا سچ یہ ہے کہ ان کی خدمات و حالات و حیات کے خدو خال کی مجمل یا مفصل فہرست کا مجموعہ تیار کر کے لوگوں کے سامنے پیش کر دیا جائے جو تذکرہ و یادگار کا کام دیتا ہے۔ قرآن حکیم نے جہاں امم سابقہ کے مبغوضین و معذبین کے حالات عبرت کے لئے پیش فرمائے ہیں وہیں مقررین و منعمین کے حالات و سوانح بھی تذکرہ کے لئے بتائے ہیں۔ علمائے اُمت نے اس حصہ کو قرآن پاک کے علوم کا ایک مستقل حصہ قرار دیا ہے۔ اور اس کو تذکیر بایام اللہ سے معنون کیا ہے۔ سوانح نگاری کا یہ سچ بھی یقیناً مفید و صحیح انداز ہے اور کتاب اللہ کی اتباع ہے۔

حضرت اقدسؒ کے سانحہ ارتحال کے بعد قسم اول کے سوانح تو گوشائے مُلک میں ہی نہیں بلکہ بیرونِ ملک بھی بکثرت نصب و ثبت ہیں۔ ان کی تعلیم و تربیت و ارشاد و نظم کے آثار و ثمرات سے کون سا خطہ محروم ہے۔ تعلیم و تربیت، افتاء، تصنیف، خطبات، وعظ، تبلیغ، نظمِ تعلیم و صحافت وغیرہا کے مختلف شعبہ جات خدمتِ دین میں فیض یافتگان سرگرمِ عمل ہیں۔ یہ سب تلامذہ، مسترشدین، متوسلین و خدامِ حقیقی خیر السوانح ہیں۔ تاہم دوسری قسم کے سوانح کا خاکہ پیش کرنا بھی بہت ضروری اور سو مند ہے، جس کے متعلق ہم غیر مبہم الفاظ میں قصور و جرمِ تاخیر کے معترف ہیں۔ اس تاخیر کے اسباب و مناشی کچھ بھی ہوں، بہر حال اتنی تاخیر ہونی نہ چاہئے تھی۔

حق تعالیٰ نے یہ سعادت عزیز محترم برادرِ مکرم صوفی محمد اقبال قریشی صاحب کو عطا فرمائی۔ آپ صاحبِ سوانح حضرت اقدسؒ کے مسترشدین میں سے ہیں۔ حضرت کے بعد آپ نے مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی قدس سرہ سے تعلق رکھا اور ان سے بیعت و تلقین کی اجازت بھی پائی۔ انہوں نے ماشاء اللہ بہت اچھے سلیقے سے ضروری باتوں کا خاکہ آسان و سلیس اُردو عبارت میں جمع فرما دیا ہے۔ اس خدمت پر آپ تمام متوسلین کی جانب سے تشکر و دعاء کے مستحق ہیں۔ حق تعالیٰ اس خدمت کو قبول فرمائے اور نافعیت عامہ کا سبب بنائے، آمین۔

جو لکھا ہے وہ صحیح لکھا ہے، لیکن یہ کہنے کی جرأت نہیں کی جاسکتی کہ اس میں صاحبِ سوانح کے مقامِ عالی کی پوری ترجمانی و عکاسی ہو گئی ہے۔ حضرت موصوف کو حق تعالیٰ نے جامعیت عطا فرمائی تھی۔ علومِ عالیہ و آلیہ کے صرف کمال ترین اُستازِ الکل ہی نہ تھے بلکہ تعلیم کے معیار و طریق میں ان کی روش اور دستورِ عمل حرفِ آخر کی حیثیت رکھتی ہے۔ تربیت و ارشاد و روحانیت میں اس صدی کے مجددِ اہلسنت، حکیم الامت، مجمعِ محاسن امدادیہ حضرت مولانا شاہ اشرف علی صاحب تھانوی قدس

سرہ کے فیض یافتہ اور ان کے جلیل القدر خلیفہ مجاز تھے۔ لقم واہتمام میں حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب رحمۃ اللہ علیہ صدر مہتمم دارالعلوم دیوبند کے بعد علماء میں ان کی نظیر ہی نہیں ملتی، بلکہ پاکستان کے بڑے مدارس کے منتظمین و مہتممین و حضرات علماء کرام اپنے پیچیدہ مسائل انتظامیہ میں ان سے مشورہ لیتے تھے اور تسکین خاطر پاتے تھے۔^۱ مناظر بھی بے نظیر تھے۔ اس سلسلہ میں آپ کے استدلال و جواب کی متانت، سنجیدگی و بے باکی، حاضر جوابی، مخالف پر رعب و شوکت اور عالی ظرفی بے مثل خوبیاں ہیں۔ طریقہ ارشاد نہایت سہل، جامع، دلنشین و مؤثر ہوتا۔ تصنیف نہایت آسان، مفید اور سراپا مغز ہی مغز ہوتی۔ مقام شناسی اور ہر ایک کے مرتبہ کے مطابق اس سے حسن سلوک اور جاذب برتاؤ آپ کے خصوصی محاسن تھے۔

حضرت حق گوئی کی وجہ سے بھی مقبول خلائق تھے۔ حق بات کے کہنے میں اس قدر بے باک اور جری تھے کہ اس دور میں ان کی نظیر کم ملے گی۔ صحابہ کرام کی صفت لا ینخافون لومة لائم کا صحیح عکس تھے۔ جب کبھی خلاف حق کوئی بات دیکھتے یا سنتے تو اس وقت صفت فاروقی اَشَدُّهُمْ فِيْ اَمْرِ اللّٰهِ عُمَرُ کا مکمل نمونہ ہوتے۔ انہی کمالات و اوصاف حمیدہ سے حضرت خواص و عوام میں ہر دل عزیز تھے۔

حضرت کے وصال کے تقریباً ایک سال بعد ابھی خاندان اندوہناک ہی تھا کہ حضرت کے وصال کے تقریباً ایک سال بعد میرے برادر اکبر مولانا حافظ رشید احمد صاحب مرحوم کے اچانک حرکت قلب بند ہونے سے انتقال پر ملال سے پورا خاندان دوبارہ اندوہناک ہوا۔

حق تعالیٰ حضرت کی یادگار خیر المدارس اور (آپ کی) باقیات و صالحات کو قائم و دائم رکھے۔

درجہاں خیر محمد زندہ باد : نجم دینش تا ابد تابندہ باد

احقر محمد شریف جالندھری
مہتمم جامعہ خیر المدارس ملتان

^۱ اور اسی سلسلہ مہارت کی بناء پر ۶۳ھ میں دارالعلوم دیوبند کی رکنیت مجلس شوری کا اعزاز بھی حضرت والا کو عطا فرمایا گیا۔ (یاد دوسرے الفاظ میں رکنیت مجلس شوری قبول کرنے کی درخواست کی گئی جس کو حضرت والا نے قبول فرمایا۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو باب ہشتم۔ آ ۱)

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

خیر العلماء الراخین، تاج المشائخ اکامین سیدی و مولائی حضرت مولانا خیر محمد صاحب نور اللہ مرقدہ کی اتباع سنت والی حیاتِ طیبہ کے تین نمایاں خصائص

الْحَمْدُ لِلَّهِ وَكَفَى وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَي سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ الْمُصْطَفَى وَعَلَى عِبَادِهِ
الَّذِينَ اصْطَفَى خُصُوصًا عَلَي آلِهِ وَأَصْحَابِهِ الَّذِينَ هُمْ خُلَاصَةُ الْعَرَبِ الْعَرَبَاءِ وَخَيْرُ الْخَلَائِقِ بَعْدَ الْأَنْبِيَاءِ
وَعَلَى أَوْلِيَانِهِ الَّذِينَ اجْتَبَى مِنْ عُلَمَاءِ خَيْرِ الْأُمَّةِ مِنْ اهْتَدَى وَتَزَكَّى.

أَمَّا بَعْدُ! فَقَدْ قَالَ اللَّهُ تَعَالَى سُبْحَانَهُ. أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ. بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ
الرَّحِيمِ. لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِنْ أَنْفُسِهِمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ
وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ. وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُبِينٍ. (آل عمران، آية ۱۶۴)

(ترجمہ) حقیقت میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر احسان کیا۔ جب کہ ان میں ان ہی کی جنس سے ایک ایسے پیغمبر
کو بھیجا کہ وہ ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سناتے ہیں اور ان لوگوں کی صفائی کرتے رہتے ہیں۔ اور ان کو کتاب
اور فہم کی باتیں بتلاتے رہتے ہیں۔ اور بالیقین یہ لوگ قبل سے صریح غلطی میں تھے۔ (بیان القرآن)

وقال النبي ﷺ إِنَّمَا بُعِثْتُ مُعَلِّمًا. وَقَالَ إِنَّمَا بُعِثْتُ لِأَتَمِّمَ مَكَارِمَ الْأَخْلَاقِ (او كما قال ﷺ)

(ترجمہ) حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”میں تو بس معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں“ اور فرمایا: ”میں تو بس اس لئے بھیجا

گیا ہوں تاکہ مکارم اخلاق کی تکمیل کروں۔“

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کے تین اہم کام ذکر فرمائے: (۱) اللہ تعالیٰ کی آیات پڑھ پڑھ کر
سنانا، یعنی دعوت و تبلیغ دین۔ (۲) تزکیہ نفوس، اور (۳) تعلیم کتاب و حکمت۔ اور اسی کی شرح مندرجہ بالا دو احادیث
میں بھی ملتی ہے کہ آپ کی غرض بعثت ہی تعلیم اور مکارم اخلاق کی تکمیل و تمہیم تھی۔

اس زمانہ میں ایک نائب رسول ہمارے حضرت والا یعنی تاج العلماء، خیر المشائخ، سیدی و مولائی حضرت

مولانا خیر محمد صاحب نور اللہ مرقدہ کا عمل بھی اسی جامع اور اہم سنت نبوی پر تھا۔ آپ کی حیاتِ طیبہ کا بیشتر حصہ بھی ان ہی

تین کاموں میں گزرا:



(۱) مواعظ و دروس قرآن مجید کے ذریعہ عوام و خواص کو تبلیغ و دعوت دین و خطاب عام

(۲) طالبین اصلاح کا تزکیہ نفس اور (۳) طلبہ علم کے لئے تعلیم کتاب و حکمت

ان میں سے مواعظ و دروس قرآن مجید کے ذریعہ دعوت و تبلیغ اور ترغیب و ترہیب سے جو دینی فائدہ عوام و خواص کو پہنچتا رہا ہے، خصوصاً جبکہ واعظ اور درس قرآن دینے والے عالم، جامع ظاہر و باطن اور جامع شریعت و طریقت ہوں تو اس کا فائدہ اور دینی نفع ظاہر و باہر اور معلوم و معروف ہے۔ عیاں را چہ بیاں۔ چنانچہ اہل حق جامع شریعت و طریقت علماء اسلام جو ناسین رسول اکرم ﷺ ہیں، آپ کی سنت کے مطابق بذریعہ وعظ اور وقفاً فوقاً قائماً و قعوداً ہر حال میں دعوت و تبلیغ دین کا فریضہ انجام دیتے رہے ہیں۔ اور دینی تعلیم کے عربی مدارس میں جو خاموشی سے حفاظت و اشاعت دین متین کا سامان ہوتا رہا ہے اور ہو رہا ہے، وہ بھی دین سے تعلق رکھنے والے خوب جانتے ہیں۔ ان مدارس میں باقاعدہ دینی علوم کی ابتدائی تعلیم (جو ہر مسلمان پر فرض عین ہے) سے لے کر علوم نقلیہ و عقلیہ اور علوم آلیہ کی مہارت کے درجہ میں (جو امت مسلمہ کے ذمہ فرض کفایہ ہے) ان کی تعلیم دیتے رہتے ہیں۔ کہیں دینی مدارس میں صرف تعلیم و تربیت ہے، تزکیہ نفوس کا کام اہل حق صوفیاء کرام کی خانقاہوں میں (نہ کہ محض رسمی پیروں کی دکانوں پر) اور کہیں مدارس ہی میں تزکیہ نفوس کا کام بھی ساتھ ساتھ ہوتا رہا ہے، جو کہ جامع شریعت و طریقت محقق علماء کا ملین کرتے رہے ہیں۔ جیسے ماضی قریب میں امام الہند حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کا خاندان (جن کو حضرت مجدد تھانویؒ بجا طور پر ”شاہانِ دہلی“ کے نام سے یاد فرماتے ہیں اور پھر مثلاً امام ربانی فقیہ الامت حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ، قاسم العلوم والنہیرات حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ اور حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا شاہ محمد اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ۔ آخر الذکر یعنی مجدد تھانویؒ ہی کے اجلہ خلفاء میں سے ایک ہمارے حضرت والا تھے۔ جنہوں نے مدرسہ خیر المدارس میں دعوت و تبلیغ دین اور کتاب و حکمت کی تعلیم کے ساتھ ساتھ تزکیہ نفوس کا کام بھی کیا۔

کتاب و حکمت کی تعلیم یعنی کتاب اللہ اور سنت نبویہ (علی صاحبہا آلاف الوف صلوة و سلام و تحیة لا متناہیة) کی تعریف و تشریح تو تحصیل حاصل ہے، اور علم دین سیکھنے سکھانے کے فضائل بہشتی زیور اور حیات المسلمین جیسی مشہور و معروف کتب میں دیکھے جاسکتے ہیں۔ البتہ حکمت یعنی سنت یا حدیث نبوی کے بارے میں الحاد و زندقہ اور انکار حدیث کی مسموم ہوائیں چلنے کے اس دور میں حجیت حدیث اور علوم و بیہ میں حدیث شریف کا مقام اور عظمت رسول اکرم ﷺ کو بیان کرنے کی ضرورت ہے۔ لیکن الحمد للہ اس موضوع پر محققانہ کتب و رسائل موجود ہیں۔ اور یہ ایک مستقل موضوع ہے۔ یہ مختصر کتاب جس کا موضوع سوانح ہے، اس تحقیق اور تفصیل کی متحمل نہیں۔ البتہ تصوف و طریقت کے بارے میں بہت سی غلط فہمیاں اور اس کے متعلق اعتقاد میں بہت غلو اور افراط و تفریط پائی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ بعض خام اہل علم میں بھی غلط فہمی اور مقاصد و مسائل کے امتیاز میں غفلت یا تغافل پایا جاتا ہے۔ اس لئے ضرورت ہے کہ غالی اور جاہل نام نہاد صوفیاء کے امانی اور

منکرین تصوف کے ادعاءات کے درمیان جو معتدل اور وسط کتاب و سنت سے ثابت تصوف ہے، اس کی حقیقت و ضرورت کو بیان کر دیا جائے، تاکہ پوری شریعت اسلامیہ کے اس اہم جزء کا علم صحیح اور اس کے مطابق عمل ہو سکے۔

نیز تصوف و سلوک میں وجوب و استحباب اور مقصود و غیر مقصود کے درجات کو جاننے کی بھی ضرورت ہے۔ کیونکہ تصوف میں جہلاء متصوفین نے جب غیر شرعی اشیاء داخل کر دیں تو بعض خام اور سطحی علم رکھنے والے اہل ظاہر نے تصوف ہی کا انکار کر دیا۔ حالانکہ اس کی مثال ایسی ہے جیسے مجموعہ احادیث میں موضوع روایات بھی خلط ہو گئی ہیں۔ تو کیا اس کی وجہ سے حدیث سے اعتماد ختم کر کے منکر حدیث بن جانا کوئی عقل کی بات ہے۔ نہیں، بلکہ حضرات محدثین (جز اہم اللہ تعالیٰ خیر الجزاء) نے موضوعات کو علیحدہ جمع کر کے بتا دیا ہے، تاکہ ان کو حدیث نہ سمجھ لیا جائے۔ اسی طرح محققین اہل علم از تصوف نے کیا کہ جو باتیں تصوف میں خارج از تصوف اور غیر شرعی جہلاء متصوفین نے داخل کر دی تھیں، یا عموماً متاخرین میں سے غیر اہل علم صوفیاء نے تصوف میں غیر مقصود باتوں کو مقصود سمجھ لیا، یا وسائل و ذرائع کو مقاصد میں داخل سمجھ کر تصوف کا جزء سمجھ لیا اور اس سے بدعات کا دروازہ کھل گیا، تو جس طرح موضوع روایات کے داخل ہونے سے حدیث کو ترک نہیں کیا گیا، بلکہ محدثین نے دودھ کا دودھ پانی کا پانی الگ کر دیا۔ اسی طرح محقق اہل علم صوفیاء نے اور خصوصاً قرن سابق کے مجدد حضرت حکیم الامت تھانویؒ نے تصوف کے مقاصد کو ذرائع و وسائل اور زوائد سے بالکل علیحدہ کر کے وہ تصوف پیش فرمایا جس کو تصوف کے منکرین بھی سلوک و احسان کے نام سے مانتے ہیں۔ اور اس کو کتاب و سنت سے ثابت بھی کر دیا۔ قارئین کرام تالیف ہذا کی خدمت میں التماس ہے کہ اس غرض کے حصول کے لئے (یعنی تصوف میں وجوب و استحباب اور مقصود و غیر مقصود کے درجات کو جاننے کے لئے) ”شریعت و تصوف“ میں ”شجرۃ المراد“ مطالعہ فرمایا جائے تو اجمالی نقشہ سامنے آ جائے گا۔ اور مندرجہ ذیل تالیفات کا مطالعہ ان شاء اللہ تعالیٰ کافی وافی اور شافی ہوگا، اور بہت کچھ بصیرت تزکیہ نفس اور اصلاح کے بارے میں پیدا ہو کر فن تصوف ہی سے مناسبت ہو جائے گی۔ وہی طہذہ: تعلیم الدین، قصد السبیل، تربیت السالک (مبوب)۔ مواعظ و ملفوظات حضرت حکیم الامت تھانویؒ اور حضرت تھانویؒ ہی کی تالیفات سے مرتبہ کتاب ”شریعت و طریقت“ مؤلفہ حضرت مولانا محمد دین صاحب (ادارہ اشرفیہ راولپنڈی) اور مسیح الامت سیدی حضرت مولانا شاہ محمد مسیح اللہ صاحب کی تالیف لطیف ”شریعت و تصوف“ صحیح تصوف کی حقیقت اور ضرورت و اہمیت کو بیان کرنے سے پوری شریعت اسلامیہ کے اس اہم ترین جزء کا علم صحیح ہونے کے علاوہ یہ بھی مقصود ہے کہ اس صحیح تصوف کے علم ہونے پر اس کی روشنی میں حضرت والا کی سوانح کو علوم دینیہ (نقلیہ و عقلیہ) کے ایک محقق استاذ الاساتذہ کے علاوہ صحیح تصوف کے محقق و کامل خیر المشائخ کی حیثیت سے سمجھا جاسکے۔ ماضی قریب میں ختم ہونے والی صدی کے مجدد حضرت حکیم الامت تھانویؒ کی کتب و رسائل اور مواعظ و ملفوظات خا و د دیگر علوم و فنون کے تصوف و سلوک اور طریقت کے جو اہر علوم سے بھرے ہوئے ہیں۔

حضرت مجدد تھانویؒ کے اجلہ خلفاء میں سے حال ہی میں رحلت فرمانے والے ایک یعنی مسیح الامت سیدی حضرت مولانا

شاہ محمد مسیح اللہ نور اللہ مرقدہ نے اپنی تصنیف لطیف ”شریعت و تصوف“ میں جو اہر کے ان بھرپور خزانوں میں سے بقدر ضرورت جمع فرمائے ہیں۔ بغرض تعارف حقیقت و ضرورت اور اہمیت تصوف و طریقت اس کتاب کے شروع کا حصہ آئندہ صفحات میں نقل کیا جا رہا ہے۔ امید ہے کہ ان شاء اللہ تعالیٰ اس سے تصوف و طریقت جو تابع شریعت بلکہ شریعت کا اہم جزء ہے، اس سے بقدر ضرورت آگاہی بھی ہو جائے گی اور حضرت والا کی حیات طیبہ میں ان ”تزکیہ نفوس“ کا کام بھی سمجھ میں آسکے گا۔ واللہ الموفق۔

چنانچہ حضرت مسیح الامت کی کتاب ”شریعت و تصوف“ کا ابتدائی حصہ مع ”عرض مؤلف“ صفحات ذیل میں نقل کیا جا رہا ہے۔ اور اس کے شروع میں ایک عنوان بھی تجویز کر کے تحریر کر دیا گیا ہے۔ دھو لہذا:

خلاصۃ السلوک اور عطر تصوف

اب بطور ختام المسک کے اس موضوع کے اختتام پر حضرت والا کے مرشد کامل، اکمل المشائخ المحققین، امام تصوف و سلوک حضرت مجدد تھانویؒ کے بعض جامع اور مختصر ارشادات جو تصوف و سلوک کی تعلیمات کا عطر اور مختصر ترین خلاصہ ہیں وہ دیئے جا رہے ہیں۔ امید ہے کہ ان سے ان شاء اللہ تعالیٰ تصوف و سلوک اور اصلاح نفس کے بارے میں نہ صرف بقدر ضرورت بصیرت اجمالاً پیدا ہو جائے گی، بلکہ باب اصلاح و تزکیہ نفس مفتوح نظر آنے لگے گا۔ اور اس راہ پر چلنا آسان ہو جائے گا۔ وہی لہذا:

حاصل تصوف (از حضرت حکیم الامت تھانویؒ)

”وہ ذرا سی بات جو حاصل ہے تصوف کا، یہ ہے کہ جس طاعت میں سستی ہو، سستی کا مقابلہ کر کے اس طاعت کو کرے۔ اور جس گناہ کا تقاضا ہو، تقاضے کا مقابلہ کر کے اس گناہ سے بچے۔ جس کو یہ بات حاصل ہوگئی اس کو پھر کچھ بھی ضرورت نہیں۔ کیونکہ یہی بات تعلق مع اللہ پیدا کرنے والی ہے۔ اور یہی اس کی محافظ ہے، اور یہی اس کو بڑھانے والی ہے۔ (ص ۶۸۰، بصائر حکیم الامت، سعید کمپنی ایڈیشن کراچی، اشاعت چہارم)

رسالہ ”الیم فی السّم“ (بفتح) در طریق سلوک

یہ ایک خط کا جواب ہے، جس میں ایسا وظیفہ پوچھا گیا تھا جس سے طاعات میں ترقی اور معاصی اجتناب میسر ہو۔ اس کا جواب حسب ذیل دیا گیا: ”طاعت اور معصیت دونوں امر اختیار ہی ہیں، جن میں وظیفہ کو کچھ دخل نہیں۔ رہا طریقہ، مو طریقہ امور اختیار یہ کا بجز استعمال اختیار کے اور کچھ بھی نہیں۔ ہاں سہولت اختیار کے لئے ضرورت ہے مجاہدہ کی۔ جس کی حقیقت ہے مخالفت (بمعنی مقاومت نفس) اس کو ہمیشہ عمل میں لانے سے بتدریج سہولت حاصل ہو جاتی ہے۔ میں نے تمام فن لکھ دیا۔

۱۔ انوس الحق کے یہ محبوب شیخ بھی شب جمہ یعنی جمرات کی درمیانی شب ۱۶۔ ۱۷۔ ۱۸۔ ۱۹۔ ۲۰۔ ۲۱۔ ۲۲۔ ۲۳۔ ۲۴۔ ۲۵۔ ۲۶۔ ۲۷۔ ۲۸۔ ۲۹۔ ۳۰۔ ۳۱۔ ۳۲۔ ۳۳۔ ۳۴۔ ۳۵۔ ۳۶۔ ۳۷۔ ۳۸۔ ۳۹۔ ۴۰۔ ۴۱۔ ۴۲۔ ۴۳۔ ۴۴۔ ۴۵۔ ۴۶۔ ۴۷۔ ۴۸۔ ۴۹۔ ۵۰۔ ۵۱۔ ۵۲۔ ۵۳۔ ۵۴۔ ۵۵۔ ۵۶۔ ۵۷۔ ۵۸۔ ۵۹۔ ۶۰۔ ۶۱۔ ۶۲۔ ۶۳۔ ۶۴۔ ۶۵۔ ۶۶۔ ۶۷۔ ۶۸۔ ۶۹۔ ۷۰۔ ۷۱۔ ۷۲۔ ۷۳۔ ۷۴۔ ۷۵۔ ۷۶۔ ۷۷۔ ۷۸۔ ۷۹۔ ۸۰۔ ۸۱۔ ۸۲۔ ۸۳۔ ۸۴۔ ۸۵۔ ۸۶۔ ۸۷۔ ۸۸۔ ۸۹۔ ۹۰۔ ۹۱۔ ۹۲۔ ۹۳۔ ۹۴۔ ۹۵۔ ۹۶۔ ۹۷۔ ۹۸۔ ۹۹۔ ۱۰۰۔ کو داغ مفارقت دے گئے۔

نوٹ: آگے شیخ کے دو کام رہ جاتے ہیں۔ ایک بعض امراض نفسانیہ کی تشخیص، دوسرے بعض طرق مجاہدہ کی تجویز جو کہ ان امراض کا علاج ہے۔ (بوادر النوار، جلد دوم، ص ۳۹۶، تیسواں نادرہ)

رسالہ ”الطم فی السیم“ (بالکسر) در ماہیت اصلاح

(جو ایک صاحب کو بطور خط لکھا گیا تھا) غیر اختیاری کے درپے نہ ہونا، اختیاری میں ہمت کرنا۔ اس میں جو کوتاہی ہو جاوے اس پر استغفار اور اس کا تدارک اور توفیق کی دعاء کرنا، یہی اصلاح ہے۔ فقط۔

(بوادر النوار، جلد دوم، ص ۳۹۷، چوبیسواں نادرہ)

(تمت المقدمة)

تعارف حقیقت و ضرورت تصوف

عرض مؤلف:

کتاب کے بیشتر مضامین حضرت حکیم الامت مجدد الملت، جامع الشریعت والطریقت مرشدی و مولائی حضرت مولانا تھانوی قدس سرہ کی مختلف کتابوں مثلاً التشفیر، بوادر النوار، تعلیم الدین، قصد السبیل، حیات المسلمین، نیز دیگر کتب آداب الشیخ و المرید، تبلیغ دین، شریعت و طریقت وغیرہ سے لئے گئے ہیں۔ یادہ باتیں لکھی گئی ہیں جو حضرت حکیم الامت کی مجلسوں میں میں نے سنی ہیں۔

یہ سب کچھ فی الحقیقت حضرت اقدس ہی کا فیض و برکت ہے۔ بقول حضرت مولانا سید سلیمان ندوی جن کی تعلیم و تربیت، تصنیف و تالیف، وعظ و تبلیغ کی بدولت عقائد حقہ کی تبلیغ ہوئی، مسائل صحیحہ کی اشاعت ہوئی، دینی تعلیم کا بندوبست ہوا، رسوم و بدعات کا قلع قمع ہوا، سنن نبوی ﷺ کا احیاء ہوا۔ غافل چونکے، سوتے جاگے، بھولوں کو یاد آئی، بے تعلقوں کو اللہ تعالیٰ سے تعلق پیدا ہوا۔ رسول اللہ ﷺ کی محبت سے سینے گرمائے اور اللہ تعالیٰ کی یاد سے دل روشن ہوئے اور وہ فن جو جو ہر سے خالی ہو چکا تھا، پھر سے حضرت شبلیؒ و جنیدؒ و بسطامیؒ و جیلانیؒ، سہروردیؒ و سہروردیؒ بزرگوں کے خزانوں سے معمور ہو گیا۔ رَحْمَتُهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰی رَحْمَةً وَّاسِعَةً۔ اور یہ شان تجدید تھی جو اسی صدی میں مجدد وقت کے لئے اللہ تعالیٰ نے مخصوص فرمائی۔ اللہ تعالیٰ ہم سب مستقیضین کی جانب سے تا ابد اپنے لازوال دلا متناہی خزانوں سے ان کی روح پر فتوح پر اپنی رحمتوں کی بارش فرماتا رہے اور اپنے مراتب قرب سے ہمیشہ نوازتا رہے، آمین ثم آمین۔

احقر محمد مسیح اللہ عنہ

تصوف

حقیقت تصوف:

شریعت کا وہ جزء جو اعمالِ باطنی سے متعلق ہے تصوف و سلوک، اور وہ جزء جو اعمالِ ظاہری سے متعلق ہے فقہ کہلاتا ہے۔ اس کا موضوع تہذیب اخلاق اور غرض رضائے الہی ہے، اور اس کے حصول کا ذریعہ شریعت کے حکموں پر پورے طور سے چلنا ہے۔

گویا کہ تصوف دین کی روح و معنی یا کیف و کمال کا نام ہے۔ جس کا کام باطن کو ذائل اخلاق ذمیدہ، شہوت، آفات لسانی، غضب، حقد، حسد، حسد، حب دنیا، حب جاہ، بخل، حرص، ریاء، عجب، غرور سے پاک کرنا اور فضائل یعنی اخلاق حمیدہ، توبہ، صبر، شکر، خوف، رجاء، زہد، توحید و توکل، محبت، شوق، اخلاص، صدق، مراقبہ، محاسبہ و تفکر سے آراستہ کرنا ہے۔ تاکہ توجہ الی اللہ پیدا ہو جائے جو مقصود حیات ہے۔ اس لئے تصوف و طریقت، دین و شریعت کے قطعاً منافی نہیں، بلکہ ہر مسلمان کے لئے لازم ہے کہ وہ صوفی بنے کہ اس کے بغیر فی الواقع ہر مسلمان پورا مسلمان کہلانے کا مستحق ہی نہیں رہتا۔

ضرورت تصوف:

جب یہ بات اچھی طرح واضح ہوگئی کہ تصوف و طریقت، دین و شریعت کے منافی نہیں ہے، بلکہ شریعت ہی کے ایک جزء کا نام ہے تو اسی سے تصوف کی ضرورت بھی ثابت ہوگئی۔ چنانچہ حضرت حکیم الامت قدس سرہ "حقیقت الطریقت" کے شروع میں تحریر فرماتے ہیں:

"بعد حمد و صلوة، مدعاے ضروری یہ ہے کہ ہر مسلمان پر بعد تصحیح عقائد و اصلاح ظاہری فرض ہے کہ اپنے اعمالِ باطنی کی اصلاح کرے۔ قرآن مجید میں بے شمار آیات و احادیث میں بے انتہار آیات اس کی فرضیت پر صراحتہ دال ہیں۔ گو اکثر اہل ظاہر بسبب پابندی ہوا و ہوس اس دلالت سے غافل ہیں۔ کون نہیں جانتا کہ قرآن و حدیث میں زہد و قناعت و تواضع و اخلاص و صبر و شکر و حب الہی و رضا بالقضا و توکل و تسلیم و غیر ذلک کی فضیلت اور ان کی تحصیل کی تاکید اور ان کے اضدادِ حب دنیا و حرص و تکبر و ریاء و شہوت و غضب و حسد و نحوہا کی مذمت اور وعید و ارادہ مذکور ہے۔ پھر ان کے مامور بہ اور ان کے منہی عنہ ہونے میں کیا شبہ رہا۔ اور یہی معنی ہیں اصلاح اعمالِ باطنی کے اور یہی مقصود اصلی ہے طریقت میں، جس کا فرض ہونا بلا اشتباہ ثابت ہے۔"

نیز طریق القلندر میں فرماتے ہیں: "تصوف کے اصول صحیحہ قرآن اور حدیث میں سب موجود ہیں، اور یہ جو لوگ سمجھتے ہیں کہ تصوف قرآن اور حدیث میں نہیں ہے بالکل غلط ہے۔ یعنی غالی صوفیہ کا بھی یہی خیال ہے اور خشک علماء کا بھی کہ

تصوف سے قرآن و حدیث خالی ہیں، مگر دونوں غلط سمجھے۔ خشک علماء تو یہ کہتے ہیں کہ تصوف کوئی چیز نہیں، یہ سب وہابیات ہے۔ بس نماز، روزہ، قرآن و حدیث سے ثابت ہے، اسی کو کرنا چاہئے۔ یہ صوفیوں نے کہاں کا جھگڑا نکالا ہے۔ تو گویا ان کے نزدیک قرآن و حدیث تصوف سے خالی ہیں۔ اور غالی صوفی یہ کہتے ہیں کہ قرآن و حدیث میں تو ظاہری احکام ہیں، تصوف علم باطن ہے۔ ان کے نزدیک نعوذ باللہ قرآن و حدیث ہی کی ضرورت نہیں، غرض دونوں فرقے قرآن و حدیث کو تصوف سے خالی سمجھتے ہیں۔ پھر اپنے اپنے خیال کے مطابق ایک نے تو تصوف کو چھوڑ دیا اور ایک نے قرآن و حدیث کو۔“

تصوف اور قرآن:

جس طرح قرآن میں **وَاقِمُْوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ** موجود ہے، اسی طرح **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اصْبِرُوا**۔ یعنی اے ایمان والو! صبر کرو۔ اور **وَاشْكُرُوا لِلَّهِ**، اللہ تعالیٰ کا شکر بجالاؤ موجود ہے۔ اگر ایک مقام پر **كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ** اور **لِلَّهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ** پاؤ گے تو دوسرے مقام پر **يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ** اور **وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلَّهِ** بھی دیکھو گے۔

جہاں **إِذَا قَامُوا إِلَى الصَّلَاةِ قَامُوا كَسَالَى** ہے۔ اس کے ساتھ ہی **يُرَاءُونَ النَّاسَ** بھی موجود ہے۔ اگر ایک مقام میں تارک نماز و تارک زکوٰۃ کی مذمت ہے تو دوسرے مقام میں تکبر و عجب کی برائی موجود ہے۔

اسی طرح احادیث کو دیکھو۔ جس طرح ابواب نماز و روزہ، بیع و شراء نکاح و طلاق پاؤ گے ابواب ریاء و کبر وغیرہ بھی دیکھو گے۔ اس بات سے کون مسلمان انکار کر سکتا ہے کہ جس طرح اعمال ظاہرہ حکم خداوندی ہیں، اسی طرح اعمال باطنہ بھی حکم الہی ہیں۔ **كَمَا صِيغَةُ** امر کا صیغہ ہے اور **اصبروا و اشكروا** امر کا صیغہ نہیں، کیا کتب علیکم الصیام سے روزہ کی مشروعیت اور ماموریہ ہونا ثابت ہوتا ہے۔ اور **وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلَّهِ** سے محبت کا ماموریہ ہونا ثابت نہیں۔ بلکہ اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ ظاہری اعمال سب ہی باطن کی اصلاح کے لئے ہیں۔ اور باطن کی صفائی مقصود و موجب نجات ہے اور اس کی کدورت موجب ہلاکت ہے۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: **قَدْ أَفْلَحَ مَنْ زَكَّاهَا**۔ **وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسَّاهَا**۔ یعنی بے شک جس نے نفس کو صاف کیا کامیاب رہا اور جس نے اس کو میلا کیا ناکام رہا۔ **يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَلَا بَنُونَ**۔ **إِلَّا مَنْ آتَى اللَّهَ بِقَلْبٍ سَلِيمٍ**۔ یعنی اس دن مال اور اولاد کام نہ آویں گے۔ مگر جو شخص اللہ تعالیٰ کے پاس سلامت قلب لے کر آیا۔

دیکھو پہلی آیت میں تزکیہ باطن کو موجب فلاح اور دوسری میں سلامتی قلب کے بغیر مال و اولاد سب کو غیر نافع فرمایا ہے۔ ایمان و عقائد جن پر سارے اعمال کی مقبولیت منحصر ہے قلب ہی کا فعل ہے۔ اور ظاہر ہے کہ جتنے اعمال ہیں سب ایمان کی تکمیل کے لئے ہیں۔ پس معلوم ہوا کہ اصل مقصود دل کی اصلاح ہے، جس سے انسان مقبول بارگاہ اور صاحب

مدارج و مقام ہوتا ہے، اور اسی کا نام اصطلاح و عرف میں تصوف ہے۔

اقوال صوفیاء:

اسی سلسلہ میں حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”اگر تم کسی کو کرامات والا دیکھو کہ ہوا میں اڑتا ہو تو دھوکے میں نہ آ جانا، جب تک یہ نہ دیکھو کہ امر و نہی، حفظ حد و اور پابندی شریعت میں کیسا ہے؟“

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے: ”مخلوق پر سب راہیں بند ہیں، سوائے اس کے جو رسول اللہ ﷺ کے قدم بقدم چلے۔“

حضرت ابوالحسن نوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”جس کو دیکھو کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی ایسی حالت کا دعویٰ کرتا ہے جو اس کو حد شرعی سے باہر کر دیتی ہے تو اس کے پاس بھی نہ پھٹکو۔“

حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلوی نے فرمایا: ”متابعت، پیغمبر ﷺ کی ضروری ہے قولاً و فعلاً و ارادۃ۔ اس لئے کہ محبت خدا تعالیٰ بے متابعت حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے نصیب نہیں ہوتی۔“

حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ”جو آدمی شریعت پر قائم ہو اور جو کچھ احکام شرع کے ہیں ان کو بجالا یا اور سر مو تجاو نہ کیا تو اس کا مرتبہ آگے بڑھتا ہے، یعنی تمام تر قیام اس پر موقوف ہیں کہ شریعت پر ثابت قدم رہے۔“

حضرت حکیم الامت ”تعلیم الدین“ میں فرماتے ہیں: ”جس کو دولت و وصول میسر ہوتی ہے، علم شریعت اور اتباع سنت سے ہوتی ہے۔“

شریعت و طریقت کی اصطلاحات الگ الگ بعد میں بضرورت مقرر کی گئیں:

اسلام کی تمام تعلیمات کا سرچشمہ کتاب و سنت ہے، جس کی ابتدائی تعلیم مجلس نبوی میں دی جاتی تھی۔ اور چونکہ ابتدائی دور تھا حلقہ بگوشان اسلام اپنے اصلی مرکز میں موجود تھے، جن کی تعداد بھی اس وقت اتنی زیادہ نہ تھی جتنی بعد میں ہو گئی۔ اس لئے نبوی درس گاہ میں تمام علوم اسلام یعنی علم تفسیر، علم حدیث، علم فقہ اور علم تصوف کی تعلیم یک جادی جاتی تھی۔ کوئی الگ الگ شعبے قائم نہ تھے۔ البتہ اسی نبوی درس گاہ میں ایک اقامتی شعبہ ایسا بھی موجود تھا جس میں مجاہدین خدا و عاشقان رسول اللہ ﷺ ترقیہ نفس و اصلاح باطن کی عملی تعلیم و تربیت کے لئے ہر وقت موجود رہتے تھے اور وہ اصحاب صفہ کہلاتے تھے۔

بعد ازاں جب اسلام عالم گیر حیثیت اختیار کر گیا تو اس کی تعلیمات کو علمائے دین نے الگ شعبوں میں منضبط کر دیا۔ جنہوں نے علم حدیث کی خدمت کی وہ محدث کہلائے اور جنہوں نے علم تفسیر کا کام سنبھالا وہ مفسر کہلائے۔

جو فقہ کا کام کرنے میں منہمک ہو گئے وہ فقیہ بن گئے اور جنہوں نے ترقیہ نفس و اصلاح باطن کا شعبہ سنبھالا وہ مشائخ صوفیاء مشہور ہوئے۔ اسی لئے اکابر سلف میں سے کسی نے شریعت کو طریقت سے الگ نہیں کیا، بلکہ ہمیشہ طریقت کو

شریعت کے تابع رکھا۔

شریعت، طریقت، حقیقت و معرفت:

شریعت احکام تکلیفیہ کے مجموعہ کا نام ہے۔ اس میں اعمال ظاہری اور باطنی سب آگئے اور متقدمین کی اصطلاح میں لفظ فقہ کو شریعت کا مرادف (ہم معنی) سمجھا جاتا ہے۔ جیسے امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے فقہ کی تعریف معرفۃ النفس ما لها وما علیہا منقول ہے۔ یعنی نفس کے نفع اور نقصان کی چیزوں کو پہچاننا۔ پھر متاخرین کی اصطلاح میں شریعت کے اس جز کا نام جو اعمال ظاہرہ سے متعلق ہے، فقہ ہو گیا اور وہ چیز جو اعمال باطنہ سے متعلق ہے اس کا نام تصوف ہو گیا۔ اور ان اعمال باطنی کے طریقوں کو طریقت کہتے ہیں۔ پھر ان اعمال کی درستی سے قلب میں جو جلا اور صفا پیدا ہوتا ہے اس سے قلب پر بعض حقائق کو نیہ متعلقہ اعیان و اعراض (حقائق و لوازمات) بالخصوص اعمال حسنہ و سیئہ و حقائق الہیہ صفاتیہ و فعلیہ یا بالخصوص معاملات بین اللہ و بین العبد، یعنی جو معاملات اللہ اور اس کے بندے کے درمیان ہیں وہ منکشف ہوتے ہیں۔ ان مکشوفات کو حقیقت کہتے ہیں اور اس انکشاف کو معرفت کہتے ہیں۔ اور اس صاحب انکشاف کو محقق اور عارف کہتے ہیں۔ پس یہ سب امور متعلق شریعت کے ہی ہیں۔ اور عوام میں جو یہ شائع ہو گیا ہے کہ طریقت اور چیز ہے اور شریعت اور چیز ہے، محض غلط اور بے بنیاد ہے۔ جب حقیقت سلوک معلوم ہو گئی تو اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اس میں نہ کشف و کرامات ضروری ہیں نہ قیامت میں بخشوانے کی ذمہ داری ہے، نہ دنیا میں کار بر آری کا وعدہ ہے کہ تعویذ گنڈوں سے کام بن جاویں، یا مقدمات دُعا سے فتح ہو جائیں، یا روزگار میں ترقی ہو، یا جھاڑ پھونک تعویذات سے بیماری جاتی رہے، یا ہونے والی بات بتلا دی جایا کرے، نہ تصرفات لازم ہیں کہ پیر کی توجہ سے مرید کی از خود اصلاح ہو جائے۔ اس کو گناہ کا خیال بھی نہ آوے، خود بخود عبادت کے کام ہوتے رہیں۔ مرید کو ارادہ کرنا نہ پڑے یا ذہن و حافظہ بڑھ جائے۔ نہ ایسی باطنی کیفیات پیدا ہونے کی میعاد کہ ہر وقت یا عبادت کے وقت لذت سے سرشار رہے، عبادت میں کوئی خطرہ ہی نہ آوے، یا یہ کہ خوب رونا آوے۔ ایسی محویت ہو جائے کہ اپنی پرانی خبر نہ رہے، اور نہ ذکر و شغل میں انوار وغیرہ کا نظر آنا نہ کسی آواز کانسائی دینا ضروری ہے، نہ اچھے خوابوں کا نظر آنا، یا الہامات کا ہونا لازمی ہے۔ بس اصل مقصود حق تعالیٰ کی رضا ہے، اسی کو پیش نظر رکھے۔

بیعت:

بیعت، جس کا حاصل معاہدہ ہے، اعمال ظاہری و باطنی کے اہتمام اور التزام احکام کا، اس کو بیعت طریقت کہا جاتا ہے جو از سلف تا خلف بتواتر رائج ہے۔

آنحضرت ﷺ نے صحابہ کو مخاطب فرما کر علاوہ بیعت جہاد و بیعت اسلام التزام و احکام و اہتمام اعمال کے لئے بیعت فرمایا ہے جو متعدد احادیث سے ثابت ہے۔ جیسا کہ عوف بن مالک کی یہ حدیث ہے: عن عوف ابن مالک

الاشجعی قال كنا عند النبي ﷺ تسعة او ثمانية او سبعة فقال الا تباعون رسول الله ﷺ فبسطنا ايدينا وقلنا على ما نبايعك يا رسول الله قال ان تعبدوا الله ولا تشركوا به شيئا وتصلوا صلوات الخمس وتسمعوا وتطيعوا (الحديث أخرجه مسلم والبوداؤد والنسائي)

یعنی حضرت عوف ابن مالک اشجعی فرماتے ہیں کہ ہم لوگ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے۔ نو آدمی تھے یا آٹھ یا سات۔ ارشاد فرمایا کہ تم رسول اللہ ﷺ سے بیعت نہیں کرتے؟ ہم نے اپنے ہاتھ پھیلا دیئے اور عرض کیا کہ کس امر پر آپ کی بیعت کریں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ نے فرمایا ان امور پر کہ اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک مت کرو اور پانچوں نمازیں پڑھو اور احکام سنو اور مانو۔ اس کو مسلم، البوداؤد و النسائی نے روایت کیا۔

اس بیعت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ عنہم کو خطاب کیا۔ یہ نہ بیعت اسلامی تھی نہ بیعت جہادی۔ لہذا اس حدیث میں بیعت مروّجہ فی المشائخ کا صریح ثبوت ہے۔ جس طرح فقہ میں چار سلسلے ہیں: حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی۔ اسی طرح تصوف میں بھی چار سلسلے ہیں: چشتیہ، قادریہ، نقشبندیہ، سہروردیہ۔ اور جس طرح اس طرف سلسلہ حنفی غالب ہے، اسی طرح سلسلہ چشتیہ غالب ہے۔ ہمارے یہاں اکابرین چاروں سلسلوں میں بیعت فرماتے ہیں، تاکہ ہر سلسلہ کا ادب ملحوظ رہے، مگر غلبہ چشتیت کا ہے۔

اسمائے گرامی حضرات سلاسل اربعہ

سلسلہ چشتیہ میں حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری

سلسلہ قادریہ میں حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی

سلسلہ نقشبندیہ میں حضرت شیخ بہاؤ الدین نقشبندی

سلسلہ سہروردیہ میں حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی

(حضرت مسیح الامت کی کتاب سے اقتباس ختم ہوا)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الحمد لله نحمده و نصلی علی رسوله الکریم و علی آله و صحبه اجمعین۔

باب اول اسم گرامی و تاریخی نام نامی

اسم گرامی: خیر محمد ہے۔

تاریخی نام نامی: ولادت باسعادت ۱۳۱۲ھ (مطابق ۱۸۹۵ء) کے اواخر میں ہوئی، یا ۱۳۱۳ھ میں۔ ۱۳۱۲ھ کے اعتبار سے تاریخی نام محمد مظفر، چراغ حق نکلتا ہے۔ اور ۱۳۱۳ھ کے اعتبار سے تاریخی نام راغب علی بنتا ہے۔

سیدی و مولائی حضرت والا دامت برکاتہم کے محترم بزرگ حضرت مولانا قمر الدین مرحوم سکند بھنڈراں ضلع فیروز پور نے دو تاریخی نام حضرت والا کی طالب علمی کے زمانہ میں دیو بند سے نظم کر کے بھیجے تھے:

محمد مظفر چراغ بحق فی علومک فی الدیار^۲

حضرت والا کے ایک مرید خاص اور مفتی اعظم پاکستان حضرت مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ کے اور حضرت حاجی محمد شریف رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ مجاز بیعت محترمی جناب ماسٹر محمد اقبال صاحب قریشی زید مجدہم تحریر فرماتے ہیں:

۱۔ یہ حضرت والا کی خودنوشت سوانح "نقش حیات خیر محمد" سے نقل کیا تھا۔ جس میں "محترم بزرگ" کے الفاظ ہیں۔ یہ دراصل حضرت والا کی بے نقسی اور فنا و عبدیت کا تقاضا تھا کہ اپنے ہم عمروں بلکہ خوردوں کو بھی اپنا بزرگ سمجھتے تھے۔ ورنے پروفیسر احمد سعید صاحب کے مضمون میں یہ جملہ درج ہے۔ "میرے ایک دوست مولانا قمر الدین صاحب نے جو اس وقت پڑھتے تھے ایک شعر کہا تھا۔" (حضرت مولانا خیر محمد صاحب جالندھری اور ان کی خودنوشت سوانح"۔ البلاغ ربیع الاول ۱۳۹۱ھ)۔

حضرت والا نے اپنی سوانح کا یہ خلاصہ پروفیسر صاحب موصوف کی فرمائش پر ان کو ارسال فرمایا تھا۔ (۱۲)

۲۔ آئندہ جہاں حوالہ کے لئے لفظ "نقش" کا لکھا ہوگا اس سے مراد "نقش حیات خیر محمد" ہی ہے۔ (۱۲)

۳۔ سلسلہ سے یہاں تک تمہر کا موجب شریف (سیدالکائنات علیہ السلام میں یوم الاثنین ۳۰ ذوقعدہ ۱۳۸۵ھ (مطابق ۱۷ فروری ۱۹۶۶ء) کو بعد صلوة الطہر تقریباً ساڑھے سات بجے (بوقت غروب) تحریر کرنے کی ابتداء کی تھی۔ اس وقت حضرت والا بقیہ حیات تھے۔ کیونکہ اس عبارت کو سواجہ شریف میں ہونے کی برکت اور شرف حاصل ہے، اس لئے اس میں تغیر کرنا گوارا نہ ہوا۔ اور دامت برکاتہم کے الفاظ باقی رکھے گئے۔ امید ہے کہ بالجملہ دیگر خدمات دینیہ کے عقیدہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حامی اور دانی ہونے اور عقیدہ کا تحفظ فرمانے کی برکت سے بھی ان شاء اللہ قوی حیات جاوداں ہوئی ہوگی۔

ہرگز نمیرد آنکدش زندہ شد عشق شبت ست بر جریدۂ عالم دوام ما

۴۔ آئندہ ان کے اسم شریف کے لئے عموماً حاشیہ میں (ا،ق) کا مختصر اشارہ دیا گیا ہے۔

والدین نے اسم مبارک ”خیر محمد“ تجویز فرمایا۔ پھر ماشاء اللہ حضرت والا اسم با مسکی بنے (جیسا کہ حدیث پاک میں حضور اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ جب بھی کسی کا نام رکھو تو اچھا رکھو۔ جیسا کہ حضرت حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب رحمۃ اللہ علیہ نے ۲ مئی ۱۹۷۸ء کو خیر المدارس ملتان میں حضرت والا قدس سرہ کی تعزیتی تقریر میں ارشاد فرمایا: ”مولانا خیر محمد رحمۃ اللہ علیہ جیسے ان کے نام میں خیر ہے، ان کے مسکنی میں بھی اللہ تعالیٰ نے خیریت ہی رکھی تھی۔ اور واقعہ خیر ہی خیر تھے۔ حدیث کا پڑھنا پڑھانا، قرآن پاک کا مواعظ سے تبلیغ و تلقین کرنا، اپنے پروردگار کی تربیت کرنا، غرض ذکر اللہ ہی ان کا مشغلہ تھا۔ کسی بھی انداز سے ہو۔“ (ماہنامہ الرشید، ماہیوال، شعبان ۱۳۹۸ھ)

نیز مفتی اعظم پاکستان سیدی حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندی قدس سرہ بانی دارالعلوم کراچی نے تحریر فرمایا تھا: ”جامع الخیرات حضرت مولانا خیر محمد رحمۃ اللہ علیہ کا نام نامی ہی خیر ہے۔ اور مضاف الیہ کی برکت سے وہ جامع الخیرات ہو گیا۔ ان کو حق تعالیٰ نے بہت سے امور خیر سے موفق فرمایا تھا۔ (تربیت السالک، جلد ۲، ص ۴)

علامہ طالوتؑ نے بھی اس سلسلہ میں خوب کہا ہے:

علم ہی سے گھر ہے اسعد آپ کا علم ہے فیض مجدد آپ کا
نام ہے خیر محمد آپ کا قاسم خیر محمد جو ہیں آپ

نیز کسی نے خوب لکھا تھا:

عجاز تھی دنیا میں ہر سیر محمد (ﷺ) کی خوبی یہ سمجھتے ہیں، سب غیر، محمد (ﷺ) کی
اور علم کی یہ وسعت سب فیض ہے اقراء کا کونین کو ملتی ہے کیا ”خیر“ محمد (ﷺ) کی

جناب عبدالمجید صاحب نے بھی خوب لکھا:

حکیمے کز رہ فیضان حکمت ربودہ از دلاں غیر محمد (ﷺ)
کریم بر من مسکین نگاہے کہ می جویم ز تو خیر محمد (ﷺ)

اور حضرت مولانا محمد شریف صاحب جالندھریؒ سابق مہتمم خیر المدارس نے تو اس شعر کو پسند فرما کر دارالاہتمام میں لگا رکھا تھا:

در جہاں خیر محمد زندہ باد نجم دینش تا ابد تابندہ باد

سبج: حضرت والا کے اسم گرامی کا جمع جس کی مبراہم کاغذات پر لگائی جاتی تھی، یہ تھا:

”خَيْرُ الْمَطْلُوبِ خَيْرُ مُحَمَّدٍ“

اس کا ذو معنی ہونا ظاہر ہے۔

۱۔ حدیث شریف یہ ہے: عن ابی الدرداء قال قال رسول اللہ ﷺ تدعون يوم القيامة باسمائكم واسماء آباءكم فاحسروا اسمائكم رواه ابو داؤد مشرّف
۲۔ (رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تمہیں قیامت کے روز تمہارے ناموں اور تمہارے آباء کے ناموں سے پکارا جائے گا۔ پس اپنے نام اپنے رکھو) (۱۲)

باب دوم

نسب شریف اور خاندانی حالات

نسب شریف

دوھیال: سیدی حضرت مولانا خیر محمد بن الہی بخش بن خدا بخش غفرلہم۔

نھیال: سیدی حضرت مولانا خیر محمد بن حیواں بن شیر محمد غفرلہم۔

خاندانی حالات

سیدی حضرت والآنے اپنے مختصر خودنوشت حالات زندگی جو پروفیسر احمد سعید صاحب کو تحریر فرمائے، ان میں خاندانی حالات کا خلاصہ اس طرح ارقام تھا:

دوھیال: ہمارا خاندان دوھیال اُن پڑھ اور زمیندار پیشہ تھا۔ قوم اراٹیں تھی، مرنجیاں مرنج تھا۔ والد کا الہی بخش ولد خدا بخش تھا۔

نھیال: یہ خاندان لکھا پڑھا تھا۔ اُردو، فارسی، حکمت و طب کا علم رکھتا تھا۔ چنانچہ میرے حقیقی ماموں میاں شاہ محمد ولد میاں شیر محمد بڑے عزت والے سمجھے جاتے تھے۔ ماموں صاحب میاں شاہ محمد تمام برادری کی رسومات کو چھوڑ کر قطب الارشاد امام ربانی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہو کر بیعت ہوئے اور ذکر و شغل کی طرف متوجہ ہوئے۔ اور ذکر جہر میں مشغول ہوئے اور آخر وقت تک دینیات و قرآن مجید کی تعلیم دیتے رہے۔ اسی اثناء میں ہم پانچ بھائی تھے اور ایک بہن تھی۔ تین بڑے بھائی کھیتی باڑی میں مشغول تھے۔ یکے بعد دیگرے فوت ہو گئے۔ والدہ مرحومہ رحمۃ اللہ علیہا نے مجھے اور چھوٹے بھائی مولوی حافظ غلام محمد مرحوم کے ہاتھ پکڑ کے ماموں مرحوم کے سپرد کئے کہ ان دونوں کو پڑھاؤ۔ انہوں نے خود حساب کتاب، تاریخ، جغرافیہ، قرآن شریف ہم لوگوں کو پڑھا کر اپنی نگرانی میں دوسرے مدارس میں بھیجا۔

(البلاغ، ربیع الاول، ۱۳۹۱ھ)

قوم: استقرار اور تنوع سے عادت اللہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کو اپنے کسی بندہ سے اصلاح و ارشاد کا کام لینا ہوتا ہے تو اس کو شریف خاندان میں پیدا فرماتا ہے اور شرافت نسبی سے بھی نوازتا ہے۔ تاکہ طبعاً بھی کسی کو اس کے اتباع سے عار کا اندر باقی نہ رہے۔ سید الخلائق ﷺ کا نسب مبارک تو افضل و اشرف و اطہر و ازکی و اعلیٰ تھا ہی، اُمتوں میں بھی ایسے بزرگان

دین جن کے سپرد ارشاد و اصلاح کا کام ہوتا ہے ان کو شرافت نسبی عطا ہوتی رہی ہے۔ اور وہ شریف قوم سے ہوتے ہیں۔ گو مدار بزرگی و تقویٰ ہے۔ لَقَوْلِهِ تَعَالَى: اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ۔ البتہ نسبی شرافت بھی نعمت ہے۔

چنانچہ ہمارے حضرت والا ایک شریف قوم و خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ جو نہایت قدیم الاسلام تھا۔ جس کی اصل عربی ہونا ظن غالب کے درجہ میں جس سے اطمینان قلب حاصل ہوتا ہے معلوم ہو چکا ہے۔ 'ارامین' جس کی اصل 'الراعیین' ہے۔ عربی الاصل ہونے کے ساتھ ساتھ اس کا احتمال رکھتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ کی اولاد ہوں۔ بلکہ ان میں سے بعض سید ہوں، بعض قرشی شیوخ کی اولاد ہوں۔ گو سید یا شیخ ہونے کی تعیین کا ثبوت تو یقینی نہیں۔ البتہ عربی الاصل ہونا ظن غالب کے درجہ میں قرین قیاس ہے۔ جیسا کہ تذکرۃ الراعیین مؤلف مولانا محمد خلیل احمد لدھیانوی مرحوم سے معلوم ہوتا ہے۔ اس سلسلہ میں اس کتاب سے چند مختصر اقتباسات پیش کئے جاتے ہیں:

راعیین قوم اور لفظ کی تحقیق:

جس "راعیین، رعایا، رعاء" یہ تینوں لفظ راعی کی جمع ہیں۔ منتہی الارب وغیرہ کتب لغت میں راعی بمعنی حفاظت کرنے والا، مویشیوں کو چرانے والا، سردار اور امیر لکھا ہے۔ عربوں میں جاہلیت اولیٰ سے لے کر اب تک یہ لفظ ہر معنی کے لحاظ سے مستعمل ہے۔ (ص ۲۲)

مؤرخین قدیم نیز مکتشفین حال کے بیانات سے ظاہر ہوتا ہے کہ دو ہزار برس قبل مسیح ایک بدوی قوم نے جو چرواہوں اور گلہ بانوں کے نام سے مشہور تھی، مصر پر حملہ کر کے اس کو فتح کر لیا۔ یہ قوم عرب کی رہنے والی تھی۔ خود اس قوم نے اپنی مفتوحہ سلطنت کا نام دولتہ الرعاۃ رکھا، یعنی چرواہوں کی سلطنت۔ بادشاہوں کو ملوک الرعاۃ کہتے ہیں۔ (ص ۲۲)

"مصر سے شام کو جانے والے راعیین کے علاوہ عرب میں اور بہت سے لوگ راعی لقب کے پائے جانے والے معلوم ہوتے ہیں۔ اور یہ لفظ عرب میں کثیر الاستعمال ہے۔ مثلاً اسد الغابہ میں ایک صحابی اسلم الراعیؓ مذکور ہے۔ اور کہا جاتا ہے حضرت اولیس قرنی الراعیؓ اور حضرت زید الراعیؓ..... حدیث میں ہے: "اَلَا كُتُّكُمْ رَاعٍ وَكُتُّكُمْ مَسْنُوْلٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ۔" یعنی "خبردار! ہر شخص تم میں سے (ایسے لوگوں پر جن کی اصلاح قدرت میں ہو) نگاہ بان اور امیر ہے۔ اور ہر امیر سے اس کی رعیت کے متعلق باز پرس ہوگی۔"

اس حدیث میں اُمت کے ہر ایک فرد کو راعی فرمایا گیا ہے۔

خوارج الطاف حسین حالیؒ اپنی مسدس میں فرماتے ہیں:

یہ سنتے ہی تھرا گیا گلہ سارا یہ راعی نے لکار کر جب پکارا
کہ ہے ذات واحد عبادت کے لائق زبان اور دل کی شہادت کے لائق (تفریح و تسلیم)

تنبیہ: لفظ 'الرأی' کی جمع (مذکر سالم بحالت نصب وجر) الرأیین ہے۔ شروع کلام چونکہ تلفظ میں ادا نہیں ہوتا، لہذا اعرام ناواقفی کی بناء پر کتابت میں بھی حذف کر دیتے ہیں، اور 'الرأیین' کے بجائے 'رأیین' لکھ دیتے ہیں۔

اور دوسری غلطی اس لفظ میں یہ کی جاتی ہے کہ سندھ و پنجاب کے عام تلفظ کے موافق کبھی عین کے بجائے ہمزہ سے 'رأیین' لکھ دیا جاتا ہے۔ 'رأیین' ہمزہ کے ساتھ کسی زبان میں بھی معنی دار لفظ نہیں بن سکتا۔ (ص ۲۳، ۲۶)

'رأیین' کی آمد:

'مذکرۃ الرأیین' صفحہ ۲۶ پر ہے: "خليفة وليد بن عبد الملك کے زمانہ میں محمد بن قاسم کے ساتھ چھ ہزار شامی فوج سندھ میں آئی تو اس وقت اور اس کے بعد بہت سے راعیین حضرات کا سندھ کے علاقہ اُج و ملتان میں آنا شہادت ذیل ثابت ہے۔" (اس کے بعد سات شہادتیں پیش کی ہیں)

راعیین میں سے بعض کا سید، بعض کا فاروقی اور دیگر شیوخ سے ہونا:

اسی کے صفحہ ۲۸ پر ہے: "قوم راعیین کا ایک بزرگ شیخ سلیم الرأعی مثل دیگر عربوں کے یزیدی مظالم میں مدینہ منورہ سے ہجرت کر کے شام کی طرف چلا آیا تھا۔ اور دریائے فرات پر گلہ بانی کا کام شروع کیا۔ اس وجہ سے ان کی اولاد کا لقب الرأعی مشہور ہوا۔ شیخ سلیم کا بیٹا حبیب الرأعی تابعی تھا۔ اور حبیب الرأعی کا بیٹا شیخ حلیم الرأعی تھا جو محمد بن قاسم کی فوج میں مع اپنے قرابتی نوجوانوں کے سندھ کی مہم میں شریک رہا۔ (سلیم و تاریخ راعیان بحوالہ کشف المحجوب، مصنفہ داتا گنج بخش علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ)"

..... حلیم الرأعی کا سلسلہ نسب اس طرح ہے: "حلیم الرأعی بن حبیب الرأعی بن سلیم الرأعی بن حارث بن عبدالدار بن مغیرہ بن قیس بن لوئی القرشی المکی (سلیم ص ۷۶)۔"

..... "بیان کیا کہ مجھ کو حافظ محمد یوسف صاحب خلیفہ اجل مولوی غوث علی صاحب نے فرمایا تھا کہ تم صحابہ کی اولاد ہو۔" (ص ۲۹)

..... اس امر پر بحث کرنے کے بعد کہ یہ قوم عرب کے کسی خاص قبیلہ سے نہیں ہے، بلکہ مختلف قبائل کے مجموعہ کو راعیین کہا گیا ہے۔ اور اس کی تائید کے لئے قوم کے ایک حصہ کے فاروقی ہونے پر چند زبانی تحریری شہادتیں پیش کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ اس قوم کے بعض حصہ کا حضرت عمر فاروقؓ کی نسل سے ہونا درجہ شہرت کے قریب پہنچتا ہے۔ بعض خاندان فاروقی ہوں گے۔ علاقہ سرسہ کے بعض راعیین کا گوت قریشی ہے۔ شاید وہ قریشی ہی ہوں گے۔ بعض جگہ راعیین کا سید ہونا بھی سنا گیا ہے۔ اٹھلی۔" (ص ۲۹، ۳۰)

اس کے بعد اس کے دلائل اور قرآن و شواہد پیش کئے گئے ہیں کہ راعیین ہندوستانی قوم نہیں۔ اور اس سلسلہ میں

بعض شبہات کا ازالہ بھی کیا گیا ہے۔ (ملاحظہ ہو تذکرۃ الراعیین ص ۳۷ تا ص ۴۳، مطبوعہ ۱۳۶۵ھ، ۱۹۴۶ء)

سرکاری رپورٹ:

گزٹیرلڈ ہیٹھانہ ۸۹-۱۸۸۸ء میں ہے: ”کل راعیین مسلمان ہیں۔ عموماً قد کے چھوٹے اور جسم کے مضبوط ہوتے ہیں۔ اور بہت محنت برداشت کر سکتے ہیں۔ بڑے امن پسند اور صلح کار ہوتے ہیں۔“ (ص ۴۳، ایضاً)

راعیین میں غربی آثار:

’تذکرۃ الراعیین‘ میں صفحہ ۴۷ تا ص ۵۱، راعیین کے عرب ہونے کے ساتھ آثار کا ذکر کیا ہے، جن کی فہرست یہ ہے: (۱) کنیت اور عربی وضع کے ناموں کا استعمال (جو راعیین بزرگوں میں رائج تھا)، (۲) القاب جیسے شیخ، ملا، ملک، چودھری۔ ان میں آخر الذکر ہندی لفظ ہے۔ مگر ملتان میں آنے والے عربوں پر یہ لفظ مستعمل ہوا۔ خصوصاً راعیین میں زیادہ استعمال ہوا ہے۔ (۳) بعض گوتوں (قبیلوں) کے نام عربی ہیں۔ مثلاً قریش، راح، رحیل، قطب، ملتانے (منسوب الی الملائک)، رائے بمعنی تیرانداز وغیرہ۔ (۴) غیر اقوام میں تزویج سے بچنا اور اپنے نسب و قوم کی حفاظت۔ (۵) نکاح بیوہ و طلاق بوقت ضرورت کا عام رواج بخلاف ہندی اقوام کے۔ (۶) اس قوم کے مردانہ و زنانہ لباس میں عربوں کی طرح نیل (رنگ) کا بہت زیادہ رواج رہا ہے۔ سیاہ رنگ کی مخطط چادر بوڑھی عورتیں پہنتی آئی ہیں۔ عرب میں اسی قسم کی چادر کو برد کہتے ہیں۔ (۷) قدیم الاسلام اور عربی النسل ہونے کا ایک اثر بنسبت ہندی اقوام کے یہ بھی ہے کہ اس قوم کے اخلاق و اطوار و عادات اور چال چلن اکثر نیک ہیں۔ نماز، روزہ، صدقہ، خیرات، ایثار، تواضع و انکساری وغیرہ و احکام الہیہ کے پابند ہیں۔ ان کے طبائع نرم اور سریع الانفعال و عطف و نصیحت کو جلد قبول کرتے ہیں۔ قلیل کثیر خداداد روزی پر قانع ہیں۔

قوم راعیین کا دینی فیضان:

اس قوم میں فیض رساں علماء و مشائخ بھی بنسبت ہندی الاصل اقوام کے زیادہ ہوتے چلے آئے ہیں۔ بعض بزرگوں کے اسماء مع مختصر تعارف ذکر کئے جاتے ہیں: (تذکرۃ الراعیین، ص ۵۴ تا ص ۶۳، ملخص جعفریہ)

(۱) شاہ سید اسرمت راعی سہروردی سیالکوٹی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۱۰۱۵ھ (۱۶۰۶ء) بعد اکبر و جہانگیر وطن خان پور علاقہ ملتان مدفن سیالکوٹ۔

(۲) ابوالمعارف شاہ عنایت اللہ قصوری ثم لاہوری متوفی ۱۱۴۱ھ (۱۷۲۸ء) حفظ قرآن مجید ہر ۵ سال۔ تمام علوم درسیہ سے فراغت اور دستار فضیلت ہر ۱۲ سال۔ صاحب تصانیف۔

(۳) حضرت مولانا الحاج فتح محمد صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ ہمارے حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے استاذ ہیں۔ حضرت کی کتابوں میں تفصیلی تذکرہ ہے۔

(۴) حضرت مولانا عبدالقادر صاحب لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۱۲۷۶ھ۔ آپ کا سلسلہ بیعت بواسطہ ایک بزرگ مسی عبد اللہ کے حضرت شاہ عبدالقادر صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ تک پہنچتا ہے۔

(۵) مولانا محمد صاحب لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ، متوفی ۱۳۱۹ھ۔ مولانا حبیب الرحمن صاحب لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ آپ کے پوتے تھے۔

(۶) مولانا عبداللہ صاحب لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ، متوفی ۱۳۱۱ھ۔ مولانا مفتی محمد نعیم صاحب لدھیانوی آپ کے بیٹے تھے۔

(۷) مولانا عبدالعزیز صاحب لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ، متوفی ۱۳۱۹ھ۔ بہت محقق عالم تھے۔ اصلاحی فیض بہت ہوا۔

(۸) مولانا نور محمد صاحب حقانی رحمۃ اللہ علیہ۔ نورانی قاعدہ آپ ہی کا ترتیب دیا ہوا ہے۔

(۹) مرشدی و مولائی حضرت مولانا خیر محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ۔ صاحب سوانح خندا۔

(۱۰) مولانا فتح الدین صاحب، قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی سے فیض یافتہ عالم۔ صاحب تذکرۃ الراعین نے تالیف کتاب کے وقت بقید حیات لکھا ہے۔

تذکرۃ الراعین کے مؤلف مولانا ظلیل احمد صاحب لدھیانوی مرحوم بھی راعین میں ہے۔ اور آپ کے بھائی حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی مدظلہ العالی دارالافتاء والارشاد (سابقاً اشرف المدارس) ناظم آباد کراچی کے مہتمم اور حضرت مولانا شاہ عبدالغنی صاحب پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ ہیں۔ افتاء کی تعلیم کے ساتھ ساتھ تربیت و اصلاح باطن کا کام بھی ماشاء اللہ کر رہے ہیں۔ آپ کے والد ماجد مولانا مولوی الحاج محمد سلیم صاحب بھی حضرت حکیم الامت سے بیعت تھے۔

علاوہ ازیں اس وقت بھی اس قوم میں اہل علم و فضل اور اہل صلاح اور اصلاح و ارشاد موجود ہیں۔ جن کی تحقیق اور تفصیلی ذکر، تاخیر و تعویق نیز تطویل کا باعث ہوگا۔ خود حضرت والاکئی اولاد زینہ کا تذکرہ البتہ اپنی جگہ ان شاء اللہ تعالیٰ آئے گا۔

جہاں قوم کے تذکرہ میں بغرض تعارف کسی قدر تطویل کو گوارا کیا ہے، ضروری ہے کہ حضرت والاکئی کے محترم والدین، عم محترم اور خال محترم (ماموں صاحب) کا کچھ تذکرہ زیادہ تر حضرت والاکئی کے کلمات مبارکہ میں کر دیا جائے، تاکہ مختصر طور پر معلوم ہو جائے کہ حضرت والاکئی تربیت کس ماحول میں ہوئی۔ اور تعلیم حضرت والاکئی والدہ محترمہ مرحومہ کے کس جذبہ اخلاص کا نتیجہ تھی۔

تذکرہ والد محترم میاں الہی بخش صاحب مرحوم

”میاں الہی بخش صاحب نے تخمیناً ۱۳۱۸ھ میں مع اہل و عیال مدھور چک نمبر ۲۵۵ تحصیل ٹوبہ ٹیک سنگھ ضلع لائل پور کے قریب میاں کوٹ چک نمبر ۲۵۱ میں جا کر تین سال کاشت کا کام کیا۔ اسی اثناء میں بندہ نے مدھور رکلاں چک نمبر ۲۵۵ میں تخمیناً نصف پارہ اول حافظ پیر ونا بیٹا ہے پڑھا۔ ۱۳۲۱ھ میں مراجعت بوطن کرنے کے بعد عمروال بلہ میں ماموں صاحب شاہ محمد مرحوم کی زمین کاشت کرتے رہے۔ یہاں تک کہ اپنی زمین خرید کر کنواں لگوایا۔ پھر ۱۹۲۸ء مطابق ۱۳۴۷ھ سے چک نمبر ۴۰ فتح نہر میں آباد کاری پر سرکاری مربع لے کر اقامت اختیار کی۔ چنانچہ وہاں ہی انتقال فرمایا اور وہاں ہی مدفون ہوئے۔ تمام عمر نہ کسی سے قرض لیا اور نہ کسی سے دھوکہ فریب کیا۔ اور نہ کسی سے لڑائی اور مقدمہ کیا۔ غرض کہ اپنے کام سے کام تھا۔ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَهُ مَغْفِرَةً ظَاهِرَةً وَبَاطِنَةً۔ ان کی وفات کے بعد مربع میرے نام اور بھائی جان محمد کے نام منتقل ہوا۔ میں نے اپنا حصہ چھوڑ دیا اور مربع کا مالک بھائی مرحوم رہا۔ ان کے بعد ان کی اولاد بچے بشیر احمد، نذیر احمد دارث ہوئے۔“

تذکرہ والدہ صاحبہ مرحومہ

”والدہ صاحبہ مرحومہ کے والد ماجد حکیم شیر محمد صاحب مرحوم سکنہ عمروال بلہ ضلع جالندھر تھے۔ ان کا خاندان پڑھا لکھا، بہت باعزت تھا۔ آبائی شرافت کا اثر اولاد میں بھی نمایاں تھا۔ والدہ صاحبہ مرحومہ مسماۃ جیواں سب بھائی بہنوں سے بڑی تھیں۔ نہایت حلیم، امانت دار، ہر دل عزیز، ہمہ اوصاف موصوف تھیں۔ تمام عمر سب رشتہ داروں کے تعلقات کو پورے طور پر نبھایا اور حتی المقدور کسی کی دل آزاری نہیں ہونے دی۔ سرشت میں مہمان نوازی اور جفاکشی طبیعت ثانیہ ہو گئی تھی۔ جس وقت جتنے مہمان آجاتے، فوراً اٹھ کر حق مہمانی اور فرمائی تھیں۔ بڑھاپے کی حالت میں اقامت اختیار کی۔ کئی ماہ استقاء کی مریض رہیں۔ آخر اسی حالت میں علاج کی غرض سے بمعیت ہمیشہ ام زینب جالندھر کا طویل سفر اختیار کیا۔ اور احقر و برادر مرحوم مولوی حافظ غلام محمد صاحب کی نگرانی میں ہسپتال جالندھر میں علاج ہوتا رہا۔ مگر افاقہ نہ ہوا۔ آخر طبیعت میں چک نمبر ۴۰ فتح میں جانے کا شدید تقاضا پیدا ہوا۔ باوجود سب کے روکنے کے برادر مرحوم جان محمد اور ہمیشہ ام زینب کے ہمراہ چک نمبر ۴۰ فتح میں آگئیں۔ ایک ہفتہ بعد اتفاق سے ۲۶ ذی القعدہ ۱۳۴۷ھ مطابق ۲۶/اپریل ۱۹۳۰ء بروز شنبہ صبح کو احقر خیر محمد غشی عنہ کا چک نمبر ۴۰ فتح میں عیادت کے لئے آئے ہوا۔ اسی روز ۳ بجے سہ پہر کو عازم سفر آخرت ہوئیں۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُونَ۔ ہمیشہ صاحبہ نے غسل دیا۔ اور احقر نے کفن کیا۔ تقریباً ۹ بجے شب خود جنازہ پڑھا کر جدید قبرستان میں جو ٹوبہ رحمان چپو چک نمبر ۴۰ فتح کے قریب شمال و مشرق میں واقع ہے مدفون ہوئیں۔ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَهَا مَغْفِرَةً ظَاهِرَةً وَبَاطِنَةً۔

والدہ صاحبہ مرحومہ غفر اللہ لہا کی عمر تخمیناً ۷۰ سال تھی، یا اس سے کچھ کم و بیش۔ ہم دونوں یعنی میں اور حافظ غلام محمد

مرحوم کو پڑھائی کے لئے ماموں شاہ محمد مرحوم کے سپرد ایسا کیا کہ اس کی مثال ملنی مشکل ہے۔ والد صاحب مرحوم نے بھی کبھی ہم دونوں بیٹوں سے کوئی کام نہیں لیا۔ اور خود بذاتہ کام کاشت کاری کا کرتے، اور مجھے معلوم نہیں کہ ان سے کسی کا دل رنج ہو۔ نہایت حلیم الطبع سادہ تھے۔“

تذکرہ ماموں صاحب مرحوم

”بندہ کے ماموں صاحب میاں شاہ محمد صاحب مرحوم حکیم شیر محمد صاحب مرحوم کے اکلوتے بیٹھے تھے۔ ان کی صرف دو بہنیں تھیں۔ والدہ صاحبہ جیواں مرحومہ، مسماۃ اللہ دی والدہ رحمت اللہ و ماسٹر عصمت اللہ۔ ماموں صاحب مرحوم نہایت فہیم، نیک، عابد و زاہد تھے۔ تعلیم اُردو، پرائمری اور ابتدائی فارسی تھی۔ مگر علماء و صلحاء کی صحبت اور دینیات کے مطالعہ سے مسائل دینیہ میں کافی استعداد اور مناسبت پیدا ہو گئی تھی۔ قرآن مجید اور دینیات کی تعلیم گھر کی عورتوں اور بچوں کو اور باہر کے مردوں کو دینے کا بہت شوق تھا۔ اور حق تعالیٰ نے زبان میں تاثیر بھی رکھی تھی۔ چنانچہ بہت سے مردوں اور رشتہ دار عورتوں کو قرآن مجید اور دینیات کی تعلیم دی۔ بہت سے لوگ ان کی مجلس اور نصیحت سے فسق و فجور چھوڑ کر نمازی اور نیک متقی بنے۔

ممائی صاحبہ مرحومہ اور بندہ کی پہلی اہلیہ نے انہیں سے قرآن مجید پڑھا۔ احقر خیر محمد عفی عنہ اور برادر ممولوی غلام محمد مرحوم نے بھی ابتدائی تعلیم ان ہی سے حاصل کی تھی۔ (اس کا مفصل تذکرہ آگے آئے گا)

رائے پوری حضرات، حضرت حافظ محمد صالح صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا فضل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی بدولت آخر زمانہ میں حضرات دیوبند کے خدام سے تعلق اور اُنس بہت بڑھ گیا تھا۔ اور تحصیل سلوک کا شوق بہت غالب آ گیا تھا۔ چنانچہ ۱۳۲۳ھ میں قصبہ گنگوہ ضلع سہارن پور جا کر قطب العالم، امام ربانی، منبع شریعت و طریقت حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس اللہ سرہ العزیز کے مبارک ہاتھوں پر بیعت طریقت اختیار کی۔ حضرت گنگوہی قدس اللہ سرہ العزیز کی بیعت کی برکت کا بہت جلد نمایاں اثر یہ ہوا کہ واپس وطن آ کر شب و روز ذکر جہر اور اوراد و وظائف میں ایسے مشغول ہوئے کہ لَا یَخَافُونَ لَوْمَةَ لَائِمٍ ان کی طبیعت ثانیہ بن گئی۔ اور گاؤں میں جمعہ پڑھنا ترک کر دیا (جو پہلے سے پڑھنا اور پڑھانا چلا آتا تھا) اور شادی دہی کی رسوم پر ہمیشہ نگیں کرتے اور شرکت سے احتراز کرتے۔ چنانچہ احقر کی شادی پر عملاً تمام رسوم مروجہ کو ترک کیا اور اتباع سنت کا اس طرح ثبوت دیا کہ جناب مولانا محمد عبداللہ صاحب چند یا نومی مدرس مدرسہ رشیدیہ نکودر اور مولانا غلام رسول صاحب مقیم ہر دو سنگھ کو بلا کر وعظ کرایا۔ احقر اور بھائی مرحوم ممولوی غلام محمد صاحب کے تعلیمی رجحان کے بھی ماموں صاحب موصوف ہی موجب ہیں۔ والدہ مرحومہ سے ایک مرتبہ کہا کہ یہ دونوں چھوٹے بیٹے میرے سپرد کر دیجئے، میں ان کو تعلیم دلاؤں گا۔ والدہ صاحبہ مرحومہ نے ہمارے ہاتھ پکڑ کر ان کے حوالے کر دیئے۔ اس روز سے ان کی توجہ خاص ہوئی۔ پہلے خود تعلیم دیتے رہے۔ اُردو، تاریخ، حساب، تحریر پر عبور کرانے کے بعد مجھے مدرسہ رشیدیہ نکودر میں داخل کرایا، جس

کے صدر مدرس مولانا عبداللہ صاحب چند یا نومی تھے اور مہتمم حضرت حافظ محمد صالح صاحب رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ اور محصل چندہ میاں سکندر علی صاحب مرحوم تھے۔ وہاں ایک سال رہ کر گلستان تک فارسی اور میزان الصرف پڑھی۔ پھر دوسرے سال مدرسہ صابریہ رائے پور گوجراں میں داخل کرایا۔ اور برادر مرحوم مولوی غلام محمد صاحب کو قرآن مجید حفظ کرنے پر لگایا۔ جب وہ حفظ قرآن سے فارغ ہو کر ایک دو محراب تراویح سنانے لگے۔ ادھر میں بھی ہندوستان سے تعطیلات میں گھر آیا تو مجھ سے مسجد میں وعظ کہلویا۔ اور بڑے فخر سے بارہا کہا کرتے تھے کہ اب ہمارے گھر کے مولوی اور حافظ ہو گئے، ہمیں باہر سے کسی مولوی کی ضرورت نہ رہی۔ ہماری تعلیمی حالت دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ آخر حسب وعدہ خداوندی کل نفس ذائقة الموت ۱۳۳۰ھ (مطابق ۱۹۱۲ء) میں سفر آخرت فرمایا۔ اور تمام اقرباء کو داغ مفارقت دے کر دارالبقاء میں قرار پایا۔ اللہ تعالیٰ جنت الفردوس میں مقام قرب و رضاء عطا فرماوے، آمین۔ اِنَّا لِلّٰہِ الخ. یہ وہ وقت تھا جب بندہ احقر متوسطات کی تعلیم مدرسہ منبع العلوم گلاؤنھی ضلع بلند شہر میں حاصل کر رہا تھا۔ مجھے وفات کے بعد اطلاع دی گئی۔ میرے ساتھ ان کو بہت قلبی محبت تھی۔ مگر میری تعلیم کو بہت اہم سمجھتے تھے۔ اس لئے مرض الوفات میں اقرباء کو یہ وصیت فرمائی کہ خیر محمد کو میرے مرض کی اطلاع نہ دینا، بلکہ میری وفات کے بعد اطلاع دینا، اور یہ بھی لکھ دینا کہ سالانہ امتحان سے پہلے گھر نہ آئے۔ تاکہ اس کی تعلیم کا حرج نہ ہو..... عمر تخمیناً ۵۰ سال سے کم تھی۔ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَہُمْ مَغْفِرَةً ظَاہِرَةً وَبَاطِنَةً۔“

حضرت والیٰ کے ابتدائی حالات کا تذکرہ کرنے سے قبل خاندانی حالات اور اس سلسلہ میں والدین، مرحومین اور ماموں صاحب مرحوم کا تذکرہ ناگزیر تھا۔ تاکہ معلوم ہو جائے کہ حضرت والیٰ کی ابتدائی تربیت کس ماحول میں ہوئی۔ بہر حال اب اس باب کی مناسبت سے اس کے بعد دیگر خاندانی حالات کا ذکر کیا جاتا ہے، جن میں سے ذیل میں حضرت والیٰ کے والد ماجد الہی بخش صاحب مرحوم کی اولاد کا تذکرہ حضرت والیٰ ہی کے الفاظ میں ملاحظہ فرمائیے۔

”الہی بخش کی اولاد:

حسب ذیل تھی: (۱) مسماۃ زینب، (۲) مسی فتح محمد، (۳) علی محمد اول، (۴) علی محمد ثانی، (۵) جان محمد، (۶) خیر محمد عفا اللہ عنہ، (۷) مولوی حافظ غلام محمد صاحب، (۸) علی محمد ثالث۔

علی محمد اول و ثالث طفولیت میں فوت ہو گئے تھے۔ علی محمد ثانی ۱۳۲۳ھ (۱۹۰۵ء) میں عموی صاحب نور محمد کے ہمراہ ملک چین میں چلے گئے تھے۔ وہاں ہی ۴ ذی القعدہ ۱۳۲۴ھ (جمرات ۲۰ دسمبر ۱۹۰۶ء) میں فوت ہو گئے۔ فتح محمد عمر وال بلہ میں ۲۵ محرم الحرام ۱۳۲۵ھ (اتوار ۱۰ مارچ ۱۹۰۷ء) بجارضہ طاعون عظیم فوت ہو گئے۔ زینب ۶ محرم ۱۳۷۱ھ مطابق ۹/ اکتوبر ۱۹۵۱ء کو ملتان میں فوت ہو گئی تھی۔ بڑی صالحہ تھی، مولوی غلام محمد صاحب ۱۳/ اگست ۱۹۳۰ء کو جاندھر میں فوت ہو گئے۔ جان محمد ۲۸ سفر ۱۳۷۱ھ مطابق ۲۹ نومبر ۱۹۵۱ء چک نمبر ۴۰ فتح میں دیوار کے نیچے دب کر فوت ہو گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَہُمْ مَغْفِرَةً ظَاہِرَةً وَبَاطِنَةً۔“

اس کے بعد حضرت والّا کے نانا صاحب حکیم شیر محمد صاحب مرحوم کی اولاد کا تذکرہ بھی حضرت والّا ہی کے الفاظ میں ملاحظہ فرمائیے:

”شیر محمد کی اولاد: حسب ذیل تھی: (۱) شاہ محمد، (۲) حیواں، (۳) اللہ دی۔

شاہ محمد کی اولاد: حسب ذیل تھی: (۱) دین محمد، (۲) رحمتے۔

دین محمد: (متوفی ۱۹ ذی قعدہ ۱۳۶۷ھ) مطابق ۲۳ ستمبر ۱۹۴۸ء بروز جمعہ) کی اولاد حسب ذیل ہے: (۱) حمیدہ بی بی، (۲) عبدالحمید، (۳) عبدالمجید، (۴) عبداللطیف، (۵) محمد حنیف۔ عبدالمجید نکودر کیمپ میں ۱۳/ ذی الحجہ ۱۳۶۶ھ میں اور محمد حنیف ۲۰ صفر ۱۳۶۷ھ مطابق ۳ جنوری ۱۹۴۸ء بروز شنبہ فوت ہو گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

حیواں: احقر کی والدہ محترمہ ہیں۔ ۲۶/ اپریل ۱۹۳۰ء مطابق ۲۶ ذی قعدہ ۱۳۴۸ھ میں فوت ہوئیں۔

اللہ دی: اس کے دو بیٹے رحمت اللہ، ماسٹر عصمت اللہ۔ رحمت اللہ پاکستان میں محمد پور تحصیل صادق آباد ضلع رحیم یار خان میں آباد ہیں۔ اور ماسٹر عصمت اللہ چک نمبر ۱۹ علاقہ میاں چنوں میں رہے۔ پھر ملتان میں ماسٹر مدرسہ پرائمری کے رہے۔ آخر سخت مریض ہو کر ۱۹ محرم الحرام ۱۳۸۶ھ مطابق ۱۱ مئی ۱۹۶۶ء، بجے شب کے فوت ہو گئے۔ نشتر کالج سے اڑھائی بجے مدرسہ خیر المدارس میں لایا گیا اور جنازہ پڑھ کر سائیں طور شاہ کے برابر قبرستان میں دفن کئے گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ اور اللہ دی خالہ ام مورخہ ۲۲ شعبان ۱۳۸۰ھ مطابق ۹ فروری ۱۹۶۱ء محمد پور ضلع رحیم یار خان میں فوت ہو گئیں۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ اللّٰہُمَّ اغْفِرْ لہِمَا مَغْفِرَۃً ظَہْرَۃً وَبَاطِنَۃً۔“

حضرت والّا کے والد ماجد کی اولاد یعنی آپ کے بھائی بہنوں کا اجمالی تذکرہ پہلے گزر چکا ہے۔ اب ان میں سے ایک عالم اور حافظ برادر عزیز حضرت مولانا غلام محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ جن سے حضرت والّا کو بہت قلبی تعلق تھا، ان کا قدرے مفصل تذکرہ حضرت والّا کی نقشِ حیات ہی سے نقل کیا جاتا ہے:

تذکرہ برادر عزیز مولوی حافظ غلام محمد صاحب مرحوم

بمقام عمر وال بلہ بر مکان ماموں صاحب برادر مولوی حافظ غلام محمد صاحب غالباً ۱۳۱۵ھ (۹۸-۱۸۹۷ء) میں پیدا ہوئے۔ تاریخی نام شاہ عبدالقائض (۱۳۱۵) نکالا گیا۔ بچپن سے ہی صورت پیاری اور طبیعت سادہ اور خاموش تھی۔ مگر سلامت فطرت کی وجہ سے خداداد ذکاوت اور تعلیم و تحریر کا شوق بہت تھا۔ ۱۰ برس کی عمر تک ماموں صاحب مرحوم کے پاس ناظرہ قرآن شریف اور کچھ اردو وغیرہ پڑھ کر ۱۱ سال کی عمر میں مدرسہ عربیہ صابریہ رائے پور گوجراں میں داخل ہو کر قاری رحیم بخش صاحب (ناہینا) پانی پتی مدرّس کے پاس قرآن مجید حفظ کرنا شروع کیا۔ تین سال میں حفظ سے فارغ ہو گئے۔ اس اثناء میں اردو نویسی کی خوب مشق کر لی تھی۔ اس واسطے اردو خط بہت عمدہ تھا۔ ۱۴ سال کی عمر میں ۱۳۲۹ھ (۱۹۱۱ء) سے حضرت

مولانا فضل احمد صاحب مدظلہم العالی اور حضرت مولانا مفتی فقیر اللہ صاحب مدظلہ العالی اساتذہ کرام سے فارسی، عربی، صرف و نحو کی ابتدائی تعلیم ۱۳۳۲ھ (۱۹۱۳ء) تک حاصل کی۔ فارسی درسیات پڑھ کر اور زائند بھی پڑھی تھی۔ خصوصاً قواعد فارسی کی تعلیم عام نصاب سے بہت زیادہ تھی۔ عربی صرف و نحو کے قواعد میں بھی کافی مناسبت اور استعداد تھی۔ پھر ۱۳۳۳ھ (۱۹۱۵ء) میں اپنے رفیق خاص مولوی سلطان احمد صاحب مرحوم سکنہ باہنیاں کے ہمراہ مدرسہ اشاعت العلوم سرانے خام بریلی میں پہنچ کر حضرات اساتذہ کرام حضرت مولانا محمد یونس صاحب محدث و صدر مدرّس و مہتمم حضرت مولانا سلطان احمد صاحب پشاور، حضرت مولانا عبدالرحمن صاحب سلطان پوری سے ۶ سال کے عرصہ ۱۳۳۹ھ (۱۹۲۱ء) تک باثناء دورہ حدیث تمام فنون اور علوم عربیہ عقلیہ و نقلیہ کی نہایت تسلی و محنت اور متانت و اطمینان سے تکمیل کی۔ اساتذہ کی نظر میں محبوب اور امتحانات میں ہمیشہ اعلیٰ نمبر حاصل کرتے رہے۔ اس اثناء میں احقر خیر محمد عفی عنہ سے بھی کتب ذیل پڑھیں:

(۱) میر ایسا غوجی، (۲) بدیع المیزان، (۳) دیوان علی، (۴) سراجی، (۵) نور الانوار، (۶) مقامات حریری، (۷) خلاصۃ الحساب، (۸) تحریر اوقلیدس۔ پھر شوال ۱۳۳۹ھ (جون ۱۹۲۱ء) میں دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے۔ اور مقدم العلماء والفضلاء سند العرفاء والالتقیاء، عماد المحققین، خاتم المحدثین حضرت مولانا محمد انور شاہ صاحب کشمیری قدس سرہ العزیز شیخ الحدیث و صدر المدرّسین دارالعلوم دیوبند اور دیگر اکابر علماء و اساتذہ دارالعلوم سے دورہ حدیث پڑھا۔ اور تقریر ترمذی نہایت خوشخط اور مبسوط لکھی۔ جو مدرسہ خیر المدارس جالندھر میں محفوظ تھی۔ مگر افسوس ۱۹۴۷ء (۱۳۶۶ھ) کے انقلاب کے وقت وہ جالندھر ہی رہ گئی۔ فراغت کے بعد دو سندیں حاصل کیں۔ ایک سند دورہ حدیث کی دارالعلوم دیوبند سے، دوسری سند جملہ علوم و فنون آلیہ و عالیہ کی مدرسہ اشاعت علوم بریلی سے۔ نیز چھپی ہوئی دستار فراغ کی بھی بریلی سے حاصل کی۔ جو اب تک بندہ کے پاس تبرکاً محفوظ ہے۔ بریلی والی سند میں بہت تعریفی الفاظ مذکور تھے۔ مگر افسوس وہ بھی انقلاب کی نذر ہو گئی۔

برادر مرحوم کا نکاح:

سیدی و مرشدی حضرت حافظ محمد صالح صاحب رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ (خلیفہ مجاز حضرت گنگوہیؒ) کی نظر عاطفت سے حضرت والا کے مرید خاص میاں محمد الدین صاحب مرحوم سکنہ کھر پڑ چک نمبر ۱۰ تحصیل چونیاں ضلع لاہور (جو نہایت خوش عقیدہ، خوش مزاج، اچھے واعظ تھے) کی لڑکی فاطمہ سے ۱۳۳۳ھ میں عقد کے متعلق بات چیت ہوئی۔ چنانچہ شوال ۱۳۳۳ھ (اگست ۱۹۱۶ء) میں احقر خیر محمد عفا اللہ عنہ بمعہ ہمیشہ صاحبہ زینب مرحومہ باغبان پورہ گئے۔ جبکہ میاں محمد الدین صاحب وہاں عارضی مقیم تھے۔ خطبہ کے پارچات وغیرہ پہنا آئے۔ اور پھر اگلے سال برادر مرحوم کی طالب علمی کے زمانہ میں ہی ۸-۹ شوال ۱۳۳۵ھ کو تاریخ نکاح مقرر ہو گئی۔ تاریخ مقررہ پر برات میں احقر اور عموی کرم الدین صاحب

اور مرشدی و سیدی حضرت حافظ صاحب موصوفؒ بمعہ برادر عزیز کھر پڑ چک نمبر ۱۰، براستہ اسٹیشن ریلوے پتو کی پہنچے۔ دو روز قیام رہا۔ احقر کا وعظ ہوا۔ حضرت موصوف نے نکاح پڑھایا۔ بخیر و خوبی واپسی ہوئی۔ نکاح سادہ اور سنت کے موافق تھا۔

برادر مرحوم کا زمانہ تدریس:

تحصیل علوم سے بالکل فراغت اور تکمیل کے بعد مدرسہ عربی دھرم کوٹ ضلع فیروز پور میں شعبان ۱۳۳۹ھ (جون ۱۹۲۱ء) میں مدرس عربی ہوئے۔ کتابیں بہت عمدہ یاد تھیں۔ اور طرزِ تعلیم بھی نہایت اچھا تھا۔ اس لئے طلباء خوش رہا کرتے تھے۔ حضرت مولانا عبداللہ صاحب سلیم پوری سجادہ نشین کنڈیاں متوفی ۲۷ شوال ۱۳۷۵ھ مطابق ۲۷ جون ۱۹۵۶ء بھی اس وقت وہاں کے طلباء میں سے تھے۔ مہتمم صاحب کی بعض بے اعتدالیوں کی وجہ سے ۲۳ صفر ۱۳۳۰ھ مطابق ۲۷ اکتوبر ۱۹۲۱ء بروز پنجشنبہ استعفاء دے کر گھر آ گئے۔ پھر اسی سال ربیع الاول ۱۳۳۰ھ (نومبر ۱۹۲۱ء) میں یوساطت استاذنا المعظم حضرت مولانا محمد یسین صاحب مہتمم مدرسہ اشاعت علوم بریلی کے مدرسہ عربیہ شاہ جہان پور میں مدرس دوئم ہو کر بمعہ اہلیہ خود چلے گئے۔ وہاں کتب عالیہ و متوسطہ حمد اللہ وغیرہ کی تعلیم دیتے رہے۔ وسط ۱۳۳۱ھ (۲۳-۱۹۲۲ء) میں مدرسہ عربی رائے پور گوجراں میں مدرس ہو گئے۔ شوال ۱۳۳۲ھ (مئی ۱۹۲۳ء) میں مہتمم صاحب نے بوجہ ضرورت شدیدہ کے مدرسہ رائے پور گوجراں سے مدرسہ عربی فیض محمدی جالندھر شہر میں بھیج دیا۔ وہاں تقریباً تمام درسیات کا احسن طریقہ سے درس دیتے رہے۔ اور طلباء ان کی تعلیم پر تمام مدرسین سے زیادہ خوش رہے۔ اسی اثناء میں منشی فاضل کے امتحان کے لئے صرف ۱۱/۱۱ یوم کی مدرسہ سے رخصت حاصل کی۔ اس اقل قلیل عرصہ میں امتحان کی تیاری کر کے ۱۹۲۹ء (۱۳۳۷ھ) میں منشی فاضل کا پرائیویٹ امتحان دیا۔ اور لاہور یونیورسٹی سے اعلیٰ نمبر اور سند حاصل کی۔

برادر مرحوم کا اخلاص:

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے قرآن مجید خوب یاد اور حفظ تھا۔ اور ہر سال تراویح میں سنانے کی عادت تھی۔ عام حفاظ کی طرح باہر سنانے کی رغبت نہ تھی۔ اور سنا کر پیسے لینے کی عادت بھی نہ تھی۔ بلکہ محض خالصاً لوجہ اللہ سنانے کے عادی تھے۔ حتیٰ کہ یہ طبیعت ثانیہ بن چکا تھا۔ اسی لئے اپنے ہی قریہ عمر وال بلہ میں قرآن مجید سنایا کرتے تھے۔ کبھی کہنے سے مجبوراً دوسری جگہ سنانے گئے۔ چنانچہ بزمانہ طالب علمی ایک دفعہ مولانا مولوی غلام رسول صاحب مرحوم کی طلبی پر مسجد اخوان صاحب جالندھر میں اور دوسری مرتبہ بزمانہ مدرس مسجد عالمگیر جالندھر شہر میں قرآن مجید سنایا۔ اور آخری دو مرتبہ چک نمبر ۴۰ فتح نہر علاقہ چشتیاں میں سنایا۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے دنیوی مال و جاہ سے بے رغبتی ایک امتیازی نشان تھا۔

۱۔ حضرت والا کے وعظ کی مناسبت سے اس نکاح کا تذکرہ باب ۱۱ مواظفہ حسنہ میں آ رہا ہے۔ اور "نفس حیات" میں اس کے بعد ایک نوٹ میں حضرت حافظ صاحب کے بعض اخلاق فاضلہ کا تذکرہ ہے۔ جو اس سفر میں ظاہر ہوئے۔ اس واقعہ کا ذکر چونکہ باب ۱۱۳ استغناء بلطنی میں حضرت حافظ صاحب کے تذکرہ میں آ رہا ہے۔ اس لئے اسکو یہاں سے حذف کر دیا ہے۔ (۱۲)

برادر م کی وفات:

علوم میں ترقی اور تکمیل و مطالعہ کی دھن تو شب و روز طبیعت ثانیہ ہو چکی تھی۔ مگر اس آخری سال میں رجوع الی اللہ کا فکر بھی غالب آ رہا تھا۔ اسی واسطے اواخر محرم الحرام ۱۳۲۹ھ (جون ۱۹۳۰ء) میں بمعیت احقر و حضرت الاستاذ مولانا مفتی فقیر اللہ صاحب مدظلہ و دیگر احباب مرشدنا و ہادینا قطب الارشاد و الکوین حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا شاہ محمد اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ العزیز کی زیارت و فیض صحبت کے قصد سے تھانہ بھون گئے۔ اور شعبان میں مکرر جانے کا قصد تھا۔ مگر تقدیر الہی غالب آئی۔ ۱۷/ربیع الاول ۱۳۲۹ھ مطابق ۱۳/اگست ۱۹۳۰ء بروز چہار شنبہ صبح کے وقت اچانک ہیضہ میں مبتلا ہو گئے۔ چونکہ رات کو اسباق پڑھانے کا خیال تھا۔ کتابوں کا مطالعہ کیا۔ علی الصباح اچانک مرض کے پیش آنے پر مدرسہ میں اطلاع بھیجی گئی کہ اسباق پڑھانے نہیں آسکیں گے۔ یونانی اور ڈاکٹری علاج کا فوری سلسلہ شرع کرایا گیا۔ دن کے ایک بجے تک ادراک و حواس بالکل سلامت تھے۔ تقریباً ساڑھے بارہ بجے پردہ کرا کر کچھ تھوڑی دیر اپنی بیوی سے باتیں کیں۔ پھر احقر خیر محمد عفا اللہ عنہ کو بلا کر آخری چار باتیں بطور وصیت کے کہیں:

(۱) اپنے قرض اور باقی حقوق العباد کی اطلاع دے کر ادائیگی کی وصیت کی۔

(۲) اپنی اہلیہ کے متعلق وصیت کی کہ اس کی رعایت اور نگہبانی رکھنا۔ اور اگر یہ خود چاہے تو والد صاحب کے پاس اس کو چک نمبر ۴۰ فتح کوٹھا جدا بنا دینا۔

(۳) لڑکیوں کے متعلق یہ وصیت کی کہ خدیجہ کا خطبہ تو محمد شریف سلمہ سے ہو چکا ہے۔ زبیدہ کا عقد عبدالحق سلمہ سے کر دینا اور عائشہ کا نکاح کسی دوسری مناسب جگہ کرنا۔

(۴) فرمایا کہ افسوس میرا سفر آخرت آ گیا۔ میرے پاس زادراہ آخرت نہیں۔ آپ دعاء مغفرت کرنا۔ اور دوستوں سے مل نہیں سکا ہوں۔ سب سے سلام کہہ دینا اور دعاء کرانا۔

اس کے بعد کلمہ شہادت پڑھا اور کچھ قرآن مجید پڑھنے کا احساس ہو رہا تھا۔ پھر غنودگی سی ہو گئی۔ تقریباً ساڑھے چار بجے شام اسی روز داعی اجل کو لبیک کہا۔ اور تمام اقرباء کو داغ مفارقت دے کر رخصت ہو گئے، اِنَّا لِلّٰہِ۔

دوسرے روز ۱۸/ربیع الاول ۱۳۳۱ھ کو ۸ بجے صبح محلہ پرانی کچھری جالندھر شہر کے قبرستان اراٹیاں میں کپتان حاجی غلام محی الدین صاحب مرحوم کی قبر کے قریب مدفون ہوئے۔ جنازہ میں مدرسہ فیض محمدی کے طلباء کے علاوہ عوام اور علماء کرام کافی تعداد میں تھے۔ جنازہ احقر خیر محمد عفا اللہ عنہ نے پڑھایا۔

علماء کرام بغرض جنازہ و تعزیت:

برادر مرحوم کے جنازہ میں حسب ذیل علماء کرام کی شمولیت یاد ہے: (۱) مولانا محمد عماد الدین صاحب شیرکوٹی

انصاری، (۲) مولانا احد بخش صاحب، مدرس مدرسہ فیض محمدی جالندھر، (۳) مولانا محمد علی صاحب جالندھری، مدرس

مدرسہ موصوف، (۴) مولانا نیاز احمد صاحب، مدرس مدرسہ مذکورہ، (۵) مولانا حافظ محمد امین صاحب لدھیانوی، (۶) مولانا محمد صاحب اوگوی، (۷) مولانا عبدالعزیز صاحب رائے پوری۔

دفن سے فراغت کے بعد حضرت مولانا فقیر اللہ صاحب رائے پوری اور حضرت مولانا عبدالجبار صاحب ڈربوی مرحوم بھی پہنچ گئے تھے۔ مٹی نور بخش صاحب بھی بمعہ اہلیہ جدیدہ حسن اتفاق سے سندھ سے آگئے تھے۔ پھر کئی روز تک تعزیت کے لئے اقرباء و احباب آتے رہے۔

عمر:

کل عمر تخمیناً ۳۴ سال ہوئی۔ جس میں سے ہوش سنبھالنے کے زمانہ سے ۱۱ سے ۲۳ سال تک طالب علمی میں گزرے۔ اور تقریباً دس سال مدرسہ دھرم کوٹ، شاہ جہاں پور، جالندھر میں صرف ہوئے۔ اور جہاں تک مجھے یاد ہے کبھی کسی کا دل نہیں دکھایا۔ اور نہ کسی کی شکایت و غیبت کی۔ بڑوں کا ہمیشہ ادب کرتے رہے۔ خصوصاً اخیر وقت تک میرے ساتھ ہمیشہ ادب کا معاملہ رکھا۔ ان کی جدائی سے مجھے بہت صدمہ ہوا۔ اور اب تک اس کا اثر باقی ہے۔

إنا لله وانا اليه راجعون. اللهم اغفر له مغفرة ظاهرة و باطنة.

تذکرہ اولاد برادر عزیز:

حق تعالیٰ کے فضل و کرم سے برادر مرحوم کے پے در پے تین لڑکیاں اور ایک لڑکا حسب ترتیب ذیل پیدا ہوئے:

(۱) عائشہ بی بی، بتاریخ ۱۴ جمادی الاخریٰ، ۱۳۴۰ھ مطابق ۱۲/ فروری ۱۹۲۲ء بروز یک شنبہ پیدا ہوئی۔

(۲) خدیجہ بی بی، بتاریخ ۳۰ رجب ۱۳۴۲ھ مطابق ۷ مارچ ۱۹۲۳ء بروز جمعہ پیدا ہوئی۔

(۳) زبیدہ بی بی، بتاریخ ۲۰ ربیع الاول ۱۳۴۳ھ مطابق ۹/ اکتوبر ۱۹۲۵ء بروز جمعہ پیدا ہوئی۔

(۴) محمد عبداللہ، بتاریخ ۲۶ صفر ۱۳۴۸ھ مطابق ۳/ اگست ۱۹۲۹ء بروز شنبہ ۱۲ بجے دن پیدا ہوا۔

عزیز القدر محمد عبداللہ، برادر مرحوم کی حیات ہی میں بمرض بخار و پیش بیمار رہ کر بمر ۹ ماہ ۲۵ روز زندہ رہ کر بتاریخ ۲۰ ذی

الحجہ ۱۳۴۸ھ مطابق ۲۰ مئی ۱۹۳۰ء بروز شنبہ ۵ بجے شام فوت ہو گیا تھا۔ اِنَّا لِلّٰہِ۔ بعدہ پاکستان میں آ کر خدیجہ زبیدہ

بھی فوت ہو گئیں۔ اِنَّا لِلّٰہِ۔

اب ولادت باسعادت وطن اور طفولیت سے حضرت والا کا تذکرہ شروع کیا جاتا ہے۔

واللہ الموفق والمعين.

باب سوم

ولادت باسعادت..... وطن اور طفولیت

حضرت والا کی ولادت باسعادت آپ کے ماموں جناب شاہ محمد صاحب مرحوم کے مکان پر بمقام عمر وال بلہ تحصیل کدور ضلع جالندھر ۱۳۱۲ھ مطابق ۱۸۹۵ء کے اواخر میں ہے، یا ۱۳۱۳ھ کے اندر، جیسا کہ ابتداء میں تاریخی ناموں کے سلسلہ میں مذکور ہو چکا ہے۔ چنانچہ عمر وال بلہ ہی حضرت والا کا وطن تھا۔

طفولیت:

حضرت والا نے اپنی خودنوشت سوانح ”نقش حیات خیر محمد“ میں تحریر فرمایا ہے: ”بچپن کا زمانہ عمر وال بلہ میں ایسا بے ہوشی کا کھیل کود میں گزرا کہ اب کوئی خاص بات یاد نہیں۔ تخمیناً سات سال کی عمر میں والدین کے ہمراہ بمعہ برادر خورد مولوی غلام محمد صاحب مرحوم میاں کوٹ تحصیل ٹوبہ ٹیک سنگھ ضلع لائل پور میں جانا ہوا۔ راستہ میں عجیب واقعہ پیش آیا کہ ٹھٹھہ سے ہو کر براستہ فیروز پور چچہ وطنی کے ٹکٹ لے کر سوار ہوئے۔ (اس زمانہ میں پرانی چچہ وطنی کے نام سے اسٹیشن جنگل میں تھا) یہاں گاڑی رات کو پہنچتی تھی۔ والدہ صاحبہ مرحومہ چھوٹے بھائی مولوی غلام محمد کو گودی میں لے کر چچہ وطنی اتر گئیں۔ والد صاحب مرحوم بمعہ احقر کے اپنے ڈبے سے نہ اتر سکے۔ اگلے اسٹیشن پر آ کر اترے۔ پھر وہاں سے پیادہ چلتے چلتے دوپہر کو چچہ وطنی اسٹیشن پر پہنچے تو اسٹیشن کی دیوار کے پیچھے والدہ صاحبہ کو بیٹھے پایا۔ اور برادر خورد کے ہاتھ میں کسی بابو صاحب نے روٹی کا ٹکڑا دیا ہوا تھا۔ پھر وہاں سے پیادہ روانہ ہوئے۔ پہلی رات دریائے راوی کے کنارہ پر گزاری۔ وہاں جنگلی لوگوں کا ڈیرہ تھا۔ وہ تمام رات تماشا کرتے رہے۔ مجھے ایسی سخت نیند آئی کہ صبح کو اٹھ کر چلے تو کمر میں ازار بھی نہیں تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ سوتے میں کھل گیا تو کسی جنگلی نے اٹھا لیا ہوگا۔ یہ ابھی بے سمجھی اور بے ہوشی کا زمانہ تھا۔“

لہو و لعب اور کھیل تماشے سے بچپن ہی میں سخت نیند آ کر محفوظ رہنا من جانب اللہ حفاظت کا سامان تھا۔ اس پر بے اختیار حضور اکرم ﷺ کی طفولیت مبارکہ کا ایسا ہی واقعہ یاد آتا ہے، جو کہ مشہور ہے۔ اور حضور اکرم ﷺ سے بچپن میں اتنی نسبت و مشابہت بھی نعمت عظمیٰ ہے۔ اور حضرت والا کی طفولیت ہی سے سعادت کی طرف مشیر۔

فی الجملہ نسبتے تو کافی بود مرا

بلبل ہمیں کہ قافیہ گل شود بس است

اس کے بعد بقایا سفر کا حال رقم فرماتے ہیں:

”پھر وہاں سے چلتے چلتے براستہ کمالیہ پہلے مدھور چک نمبر ۲۵۵ گ ب میں پہنچے۔ پھر میاں کوٹ پہنچے، جہاں پہلے سے ہمیشہ صاحبہ زینب مرحومہ اور بھائی فتح محمد اور بھائی علی محمد بسلسلہ کاشت موجود تھے۔ ان کے پاس وطنی کچھ اور بھی موجود تھے۔“

آبائی وطن سابق:

حضرت والا نے اس بارے میں ”نقش“ میں یہ تحریر فرمایا ہے:

”مہبت پور:

والد صاحب میاں الہی بخش بن خدا بخش بن میلانے اپنے دادا صاحب کی حیات میں بندہ کے ماموں صاحب شاہ محمد مرحوم کے پاس عمر وال بلہ میں قیام اختیار کر لیا تھا۔ ورنہ ہماری اصل سکونت قصبہ مہبت پور تحصیل نکودر ضلع جالندھر میں تھی۔ سنا ہے کہ ہمارے پردادا صاحب میلانے اپنی اولاد سے ناراض ہو کر پٹھانوں سے بعض مقدمات کی بناء پر کل جائیداد غیر منقولہ کو ہنود کے پاس بیع ورہن کر دیا تھا۔ چنانچہ سنگو وال کی سڑک کے قریب جہاں آجکل سرکاری ہسپتال تعمیر ہوا ہے، اس محلہ میں دو مکان مرہون میں نے پچشم خود دیکھے ہیں۔ جائیداد ضائع ہونے کے بعد دادا صاحب پر غربت کا زمانہ آیا۔“

موضع ٹھٹھہ تحصیل زیرہ ضلع فیروز پور:

”مہبت پور کی سکونت ترک کرنے کے بعد دادا صاحب خدا بخش کے ہمراہ کرم الدین اور نور محمد بمقام ٹھٹھہ ضلع فیروز پور آ کر کچھ عرصہ مزارعت کرتے رہے۔ اس عرصہ میں اور اس کے بعد والد محترم میاں الہی بخش مرحوم عمر وال بلہ تحصیل نکودر ضلع جالندھر میں ماموں صاحب شاہ محمد مرحوم کے مکان پر مقیم رہے۔ میرے بچپن کے زمانہ میں دادا صاحب خدا بخش دو مرتبہ عمر وال بلہ میں تشریف لائے اور مجھے بھی زیارت ہونا یاد ہے۔ البتہ دادی صاحبہ کی زیارت کرنا یاد نہیں۔“

خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ (حدیث شریف)

باب چہارم

ابتدائی تعلیم

ابتدائی قرآن مجید ناظرہ:

حضرت والاؑ ہی کے الفاظ میں ”اس اثناء میں میاں کوٹ چک نمبر ۲۵۵ گ ب میں روزانہ جا کر حافظ پیر و صاحب (ناپنا) سے قرآن مجید ناظرہ شروع کیا۔ تخمیناً ایک پارہ آلم پورا یا کم پڑھا۔“

مراجعت وطن:

اس کے بعد فرماتے ہیں: ”تین سال قیام کے بعد وہاں سے تمام کنبہ کہ و مدواپس ہوئے۔ چونکہ سامان اور بیل ساتھ تھے، اس لئے بیل گاڑیوں پر پیادہ بھیکھی فیروز پور کے راستہ کئی دن کا سفر کر کے وطن پہنچے۔ عمر وال بلہ اطلاع ملنے پر ماموں صاحب مرحوم گڈوں کے لئے بیلوں کی دو جوڑیاں لے کر مہت پور استقبال کے لئے پہنچ گئے تھے۔ غرض بخیر و عافیت عمر وال بلہ پہنچے۔ تمام کنبہ صحیح سلامت آیا۔ اس سفر میں بوٹا نکور یہ اور دوست محمد، شاہ محمد پسران نبی بخش نکور یہ بھی ہمراہ تھے۔ اس وقت میری عمر تخمیناً ۱۰ سال کی ہوگی۔ مسجد عمر وال بلہ کے امام میاں جی امام الدین صاحب سے ۱۸ پارہ قرآن مجید ناظرہ پڑھا۔ بعد ازاں ۱۲ سال کی عمر تک جناب ماموں صاحب مرحوم کے پاس قرآن مجید پورا کیا۔ اور اُردو کی سرکاری کتابیں اور تاریخ کی پڑھیں۔ ساتھ ہی لکھائی اور حساب تقسیم مرکب تک بھی سیکھے۔ دن میں پڑھتے اور رات میں لڑکوں کے ساتھ کھیل کرتے۔“

۱ یعنی تخمیناً ۱۳۱۸ھ میں جیسا کہ حضرت والاؑ کے محترم والد صاحب مرحوم کے تذکرہ میں گذرا۔ اور پھر تقریباً سات سال جیسا کہ چند سطور کے بعد ذکر ہے۔ کہ تین سال قیام کے بعد واپس ہوئی اور اس وقت عمر چھ سال تھی اور بوقت واپس تقریباً ۹ سال (۱۲) لڑکوں کے ساتھ بڑے۔ (حمود احمد غفرلہ)

خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ (حدیث شریف)

باب پنجم

زمانہ تحصیل علوم

یعنی تحصیل علوم و تذکرہ اساتذہ کرام اور واقعات متعلقہ

حضرت والّا کے تذکرہ تحصیل علوم کے ساتھ ساتھ ان مدارس کا تذکرہ بھی کیا جاتا ہے جہاں حضرت والّا نے تعلیم حاصل فرمائی اور آپ کے اساتذہ کرام کا مختصر تعارف بھی پیش کیا جاتا ہے۔ ”تا کہ ناظرین کو اندازہ ہو سکے کہ حضرت والّا نے جن اساتذہ کے سامنے زانوئے تلمذتہ کیا وہ کس درجہ کے متقی، پارسا اور نیک سیرت تھے۔ جن کے اخلاق حسنہ کا اثر حضرت والّا پر پڑا۔ اور یہ لازمی امر ہے کہ اساتذہ کرام کے اخلاق کا اثر طلباء پر پڑتا ہے۔ اس سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ اپنے بچوں کو ایسے اساتذہ کرام کی خدمت میں پڑھنے کے لئے بھیجنا چائے جو عالم بالسنہ اور شریعت کے پابند ہوں۔ اور اگر اساتذہ خود شریعت کے پابند اور عامل نہ ہوں تو طلباء کو علم دین تو ضرور حاصل ہو جائے گا، لیکن عمل کی توفیق شاید و باید ہی نصیب ہوگی۔ جناب اکبر الہ آبادی مرحوم نے بالکل سچ کہا۔

کورس تو لفظ ہی سکھاتے ہیں آدمی آدمی بناتے ہیں

دور حاضر میں تو متقی اور صالح علماء کا قحط ہو گیا ہے۔ اس لئے بطور خاص اس کا اہتمام کرنا چاہئے کہ حتی المقدور اپنی اولاد کو صالح اور نیک علماء کے پاس تعلیم کے لئے بھیجیں۔ اللہم وفقنا لما تحب وترضی۔“
بلکہ استاد صالح نہ ہو تو علم دین بھی نہیں آئے گا (الّا یہ کہ شاگرد ہی فطرۃً صالح ہو اور حقیقی طلب علم رکھتا ہو، ورنہ زائد از زائد الفاظ اور اصطلاحات آجائیں گی، یا یوں کہیے کہ زبان پر علمی الفاظ ہوں گے دل میں علم نہ ہوگا۔ اور علم نافع وہی ہے جس کا اثر دل میں ہو، ورنہ۔

علم چوں بر دل زنی یارے بود علم چوں بر تن زنی مارے بود

حدیث شریف میں ہے: عن الحسن العلم علمان فعلم فی القلب فذاک العلم النافع و علم علی

اللسان فذاک حجة الله عز وجل علی ابن آدم (رواه الدارمی، مشکوٰۃ شریف ص ۳۷)
 (یعنی علم کی دو قسمیں ہیں۔ پس ایک علم جو دل میں ہے وہ مفید علم ہے اور ایک وہ علم ہے جو محض زبان پر ہے۔ وہ
 ابن آدم پر اللہ تعالیٰ کی حجت ہے) کیونکہ علم دراصل کثرت معلومات کا نام نہیں بلکہ وہ ایک نور ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے
 عطا کیا جاتا ہے۔ جیسا کہ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔

شکوت الی وکیع سوء حفظی فارشدنی الی ترک المعاصی
 واخبرنی بان العلم نور ونور اللہ لا یُعْطى لعاصی

دیوان الامام الشافعی قافیۃ الصاد، ص ۵۴

ترجمہ: میں نے حضرت وکیعؒ (اپنے استاذ) سے اپنے حافظہ کے خراب ہونے کی شکایت کی۔ تو انہوں نے مجھے گناہوں کے
 ترک کرنے کی ہدایت فرمائی اور یہ بتایا کہ بے شک علم ایک نور ہے اور اللہ تعالیٰ کا نور نافرمان کو عطا نہیں کیا جاتا۔
 اب اس تمہید کے بعد حضرت والاؒ کی تعلیم کا تذکرہ شروع کیا جاتا ہے۔

داخلہ مدرسہ رشیدیہ نکودر (سال اول ۲۲-۱۳۲۳ھ):

قرآن مجید پڑھنے اور ابتدائی تعلیم اپنے ماموں صاحب سے حاصل کرنے کا تذکرہ تو پہلے گزر چکا ہے۔ اب اس
 کے بعد فارسی و عربی میں تحصیل علوم کا تذکرہ حضرت والاؒ ہی کے الفاظ میں ملاحظہ فرمائیے:
 ”پھر ماموں صاحب مرحوم نے شروع شوال ۱۳۲۳ھ (دسمبر ۱۹۰۵ء) میں مدرسہ رشیدیہ نکودر ضلع جالندھر میں
 داخل کرایا۔ اور اس مدرسہ میں شعبان ۱۳۲۳ھ (ستمبر ۱۹۰۶ء) تک رہا۔

حضرت مولانا محمد عبداللہ صاحب چندیا نومی مدرس:

یہ مولانا عبداللہ صاحب مولانا فضل احمد صاحب رائے پوری کے دوست اور ہم جماعت تھے۔ حضرت گنگوہیؒ کے
 علم سے نکودر مدرسہ میں آئے تھے۔ چندیا نہ ضلع بجنور کے رہنے والے تھے۔ اس وقت میرے ساتھ تھے اور بہت بااخلاق تھے۔
 مولانا حبیب الرحمن صاحب مرحوم لدھیانویؒ بھی ہم سبق تھے۔ مولانا عبداللہ صاحب سے ۲۴ھ میں رسائل ذیل پڑھے:
 (۱) کریما، (۲) حمد باری، (۳) گفتگو نامہ فارسی، (۴) مصدر فیوض، (۵) شیخ عطار، (۶) میزان الصرف۔

نوٹ:

(الف) اسی سال ۱۳۲۳ھ (۱۹۰۶ء) میں حضرت والاؒ کا نکاح شریعت کے مطابق تمام برادری کی رسومات سے خالی ہوا۔

۱ آ ۷ یہ تذکرہ تو حضرت والاؒ ہی کے الفاظ میں ہے۔ البتہ کہیں کہیں عنوانات بندہ نے قائم کئے ہیں۔ (۱آ)

۲ ”ولادت اتوار ۱۱-۱۲-۱۳۱۰-۱۳۱۰ھ مطابق ۳-۷-۱۸۹۲ء“

۳ (الف)۔ حق و خبیث ارتقش (اسکی کچھ تفصیل باب نوزوم میں ”ازواج محترمت“ کے زیر عنوان آئیگی)

(ب) ”اسی سال ۱۳۲۳ھ میں حضرت والّا نے برادر محترم علی محمد صاحب مرحوم چچا نور محمد صاحب کے ہمراہ ملک چین چلے گئے۔“

(ج) حضرت والّا ہی کے الفاظ میں ”اسی سال برخوردار دین محمد بن شاہ محمد، ماموں صاحب مرحوم کے گھر ۱۳۲۳ھ میں پیدا ہوا۔“

(د) ”اسی سال زلزلہ عظیمہ آیا، جس سے پنجاب کی بڑی بڑی پختہ عمارتیں منہدم ہو گئیں۔“

(ه) ”اسی سال قطب العالم امام ربانی حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات ہوئی۔“

(و) اور اسی سال مرض طاعون پھیلا، جس میں حضرت والّا کے دو بڑے بھائی فوت ہوئے۔

مدرسہ عربی رائے پور گوجراں (سال دوم تا پنجم ۱۳۲۳ھ تا ۱۳۲۸ھ):

”مدرسہ عربیہ رشیدیہ نکودر بند ہو جانے کے بعد مدرسہ عربی رائے پور گوجراں حضرت مولانا فضل احمد صاحب مہتمم کے زیر اہتمام جاری ہوا۔ وہاں دو مدرسے عربی تھے۔ مولانا فضل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ و مولانا حافظ فقیر اللہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ اور مؤخر الذکر ایک سال بعد دیوبند سے تشریف لائے تھے۔“

مکرمی اقبال قریشی صاحب تحریر فرماتے ہیں: ”یہ مدرسہ حضرت والّا کے گاؤں سے ایک میل دور تھا۔ اس لئے صبح حضرت والّا پڑھنے تشریف لے جاتے اور شام کو واپس گھر تشریف لے آتے۔“

اس کے بعد حضرت والّا نے ان دونوں اساتذہ کرام کا تذکرہ پہلے فرمایا ہے اور پھر نقشہ کی صورت میں ان حضرات سے تعلیم حاصل کرنے کی تفصیل بیان فرمائی ہے۔ پہلے تذکرہ پھر نقشہ تحصیل علوم حسب ذیل ہے:

استاذی حضرت مولانا فضل احمد صاحب:

آپ کے والد صاحب کا نام میاں فتح الدین صاحب تھا۔ بہت نیک و صالح اور ملنسار تھے۔ ان کی دوستی اور عقیدت جناب مولانا مولوی چراغ محمد شاہ صاحب مہتمم پوری سے زیادہ تھی۔ ان کے برادر زادہ کا نام فضل محمد تھا۔ جب میاں فتح الدین صاحب کے گھر لڑکا پیدا ہوا تو ان کا نام فضل احمد رکھا گیا۔ حضرت مولانا مرحوم ابتداء شباب میں حضرت مولانا کریم بخش صاحب لدھیانوی اور حضرت مولانا محمد الدین صاحب کیمیل پوری اور اپنے بڑے بھائی جناب مولانا مولوی مولانا بخش صاحب مرحوم کے ساتھ تعلیم و تربیت حاصل کرتے رہے۔ اور آخر میں دورہ حدیث مدرسہ عبدالرب دہلی میں

۱۔ (ب) ۲ (ه) از نقش

ج۔ ا۔ ق

ح۔ ع۔ و۔ ا۔ ل۔ ب۔ (۱۲)

ج۔ مولوی حکیم فضل محمد صاحب۔ مولانا محمد شریف صاحب اور عبدالعزیز مشرقی صاحب کے والد تھے۔ (یہ مولانا عبدالسلام صاحب خلیفہ حضرت والّا کے بنی السلفہ نمانہ سے نقل کیا۔ جو انہوں نے حضرت والّا کے خودنوشت سوانح کی بیاض میں درج فرمایا تھا۔ اسی طرح تاریخ ہجری کے ساتھ تاریخ عیسوی کی مطابقت بھی انہی نے نمانہ سے نقل کی ہے۔) (۱۲)

حضرت مولانا عبد العلی صاحب شیخ الحدیث سے پڑھ کر سند حاصل کی۔ پھر اساتذہ کے حکم سے مدرسہ عربیہ باپوز ضلع میرٹھ میں مدرس ہوئے۔ اور دو سال تک ابتدائی اور متوسط درجہ کی کتابیں بہت عمدہ طریق سے پڑھاتے رہے۔ مولانا بہت حلیم و بردبار اور خوش تقریر تھے۔ حضرت مولانا فخر الدین صاحب شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند کو کافیہ وغیرہ میں تلمذ کا مولانا مرحوم سے شرف حاصل ہے۔ پھر قدوۃ العارفین حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوری قدس سرہ العزیز کی محبت اور عقیدت نے ان میں توکل علی اللہ کی لہر دوڑائی۔ ملازمت کا خیال ترک کر کے گھر پر مدرسہ عربیہ صابریہ رشیدیہ کی بنیاد رکھی۔ اور لوجہ اللہ تعلیم شروع کی۔ اور فارسی، عربی کی خوش اسلوبی سے تعلیم دیتے رہے۔ اور ساتھ ہی طلبہ کے طعام و لباس وغیرہ کا بہت عمدہ انتظام کیا۔ چنانچہ سینکڑوں طلباء عالم دین اور مرجع خلائق ہوئے۔ اور بجز اللہ خلق خدا کی دینی خدمت میں مشغول ہیں۔ اور بہت سے مدارس دینیہ جاری کئے۔ فحوائے حدیث من سن سنة حسنة فله اجرها واجر من عمل بها اھ۔ مولانا کی روح مبارک کو اس صدقہ جاریہ کا ثواب ہمیشہ ہمیشہ برابر پہنچتا رہے گا۔

مولانا اپنی زندگی میں حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوری کے بہت دلدادہ تھے۔ اکثر وہاں آتے اور جاتے رہتے۔ ایک دفعہ حضرت شاہ صاحب رائے پوری نے مدرسہ صابریہ رشیدیہ کو جراں کو اپنے قدوم میننت لزوم سے شرف و افتخار بخشا۔ اور دوبارہ درخواست پر پھر تشریف لائے تھے۔ مگر راستہ میں بیمار ہونے کی وجہ سے جالندھر واپس ہو گئے تھے۔ اور اپنی جگہ مولانا مغیث الدین صاحب کو مدرسہ صابریہ رشیدیہ میں بھیجا تھا۔ حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوری کے رحلت فرمانے کے بعد مولانا مرحوم ان کے خلفاء عظام سے مستفید ہوتے رہے اور سفر و حضر میں اکثر ساتھ رہتے۔

مولانا فضل احمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ ۵ رجب ۱۳۸۳ھ مطابق ۱۱ نومبر ۱۹۶۳ء میں بمر ۹۵ سال بوقت اخیر شب تہجد کے لئے اٹھے اور بے ہوش ہو گئے اور داعی اجل کو لبیک کہا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ ورنہ میں ایک پوتا حاجی حافظ رشید احمد سلمہ چھوڑا۔ اللہ تعالیٰ اس کو اپنے دادا کے قدم بقدم چلنے کی توفیق شامل حال رکھے، آمین ثم آمین۔“
ان ٹی نماز جنازہ چک نمبر اچھی وطنی میں حضرت والائے ہی پڑھائی اور فرمایا کہ میرے آخری استاذ تھے۔

استاذی حضرت مولانا حافظ فقیر اللہ صاحب رائے پوری:

”آپ کے والد ماجد کا نام عمر الدین سکنہ باہمدیاں تحصیل نکودر ضلع جالندھر تھا۔ ان کا ابتدائی زمانہ تعلیم کا پورا معلوم نہیں۔ قدرے اتنا علم ہے کہ کچھ قرآن مجید ایک حافظ صاحب نابینا سکنہ سنگو وال تحصیل نکودر سے یاد کیا۔ اور باقی حضرت مولانا حافظ محمد صالح صاحب رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ سے مکمل کیا، جو قطب الارشاد، قدوۃ العارفین، زبدۃ الصالحین حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہ العزیز کے خلفاء مجازین میں سے تھے۔ اور ابتدائی کتابیں فارسی و عربی کی جناب مولانا علیم اللہ صاحب آدامانی مرحوم

اور حضرت مولانا محمد صاحب سکنہ کوٹ بادل خان ضلع جالندھر سے پڑھیں۔ بعدہ ان کی وفات کے بعد امرتسر میں کچھ سابق حضرت مولانا نور احمد صاحب سے پڑھ کر مدرسہ عربیہ نعمانیہ میں حضرت مولانا غلام احمد صاحب مدرس اول کے پاس ایک سال ٹیچر کر متوسطات کتب کا درس حاصل کیا۔ پھر ہندوستان کا سفر کیا۔ پہلے سہارن پور میں حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب کاندھلوی سے کچھ حاصل کر کے دارالعلوم دیوبند میں جا کر داخلہ لیا۔ موقوف علیہ دورہ حدیث اکثر حضرت مولانا غلام رسول صاحب و دیگر مدرسین سے پڑھیں۔ پھر تیسرے یا چوتھے سال شیخ المشائخ أستاذ العلماء حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب قدس سرہ العزیز سے دورہ حدیث پڑھ کر سند حدیث حاصل کی۔ اور انہی سے راہ سلوک و طریقت میں بیعت کی۔ پھر ۱۳۲۵ھ کے شروع میں مدرسہ صابریہ رشیدیہ رائے پور گوجراں ضلع جالندھر میں مدرس ہو کر حضرت مولانا فضل احمد صاحب کے معین و معاون ہوئے۔ فارسی اور عربی متوسطات تک بار بار اچھی طرح تعلیم دیتے رہے۔ اور مجھ سے خاص تعلق خصوصیت اور شفقت کا رکھا۔ حتیٰ کہ جب ۱۳۲۸ھ میں جلسہ ۲۷ سالہ دستار بندی کا منعقد ہوا اور جانے کے لئے ایک وفد تیار ہوا۔ جس کے پیشرو قدوة الصالحین حضرت حافظ محمد صالح صاحب رحمۃ اللہ علیہ تھے تو مجھے بھی اس وفد کے ساتھ جانے کے لئے فرمایا۔ چنانچہ ہم سب ایک رات مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور رہے۔ دوسرے روز دیوبند پہنچ کر عالی شان جلسہ دیکھا۔ اور بڑے بڑے علماء مثل قدوة المحدثین حضرت مولانا محمود الحسن صاحب قدس سرہ العزیز دیوبندی، حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوری، حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارن پوری، حضرت حکیم الامت مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانوی، حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحب کشمیری، حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہم کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ جب وہاں سے واپس ہوئے تو مجھے حضرت مولانا سلطان احمد صاحب گجراتی کے ہاں بھیجنے کے لئے تجویز کیا۔ ان سے معاملہ طے کرنے کے بعد مجھے خود جالندھر تک چھوڑنے کے لئے گئے۔ اس وقت تک جالندھر نکودر کے درمیان ریل گاڑی نہ تھی۔ جالندھر میں ہم دونوں مسجد اخونصاحب میں مولانا غلام رسول صاحب کے پاس رات رہے۔ صبح کو اٹھ کر خطا لکھا کہ رات مولانا محمد عالم صاحب مدرس مدرسہ نعمانیہ لاہور کے پاس رہنا۔ چنانچہ صبح کے وقت گاڑی پر سوار کیا۔ لاہور پہنچ کر میں مولوی محمد عالم صاحب کے پاس مدرسہ نعمانیہ میں گیا اور رات وہاں ٹھہرا۔ اس وقت مدرسہ نعمانیہ شاہی مسجد لاہور میں تھا۔ صبح کے وقت اٹھ کر بادامی باغ اسٹیشن سے لالہ موسیٰ کالکٹ لے کر سوار ہوا۔ جب گاڑی لالہ موسیٰ کے اسٹیشن پر پہنچی تو تین گھنٹوں راستہ کے طے کر کے چوتھے گاؤں گنچہ، ڈاک خانہ برنالی تحصیل کھاریاں ضلع گجرات پہنچا۔ جمادی الاولیٰ ۱۳۲۸ھ (مئی ۱۹۱۰ء) سے ۱۵ رمضان المبارک (۲۰ ستمبر ۱۹۱۰ء) تک حضرت مولانا سلطان احمد صاحب گجراتی سے شرح و قایہ جلد ثالث و رابع قطبی مع میر قطبی، شرح جامی نصف پڑھی۔ ۱۵ رمضان کو گھر آیا۔ پھر شوال ۱۳۲۸ھ (اکتوبر ۱۹۱۰ء) کے شروع میں

مجھ کو گلاؤنھی^۱ بھیجا۔ تین سال وہاں رہ کر ایک فساد کی وجہ سے ربیع الاول ۱۳۳۱ھ (فروری ۱۹۱۳ء) میں گھر آیا۔ ایک ماہ گھر رہا۔ اس اثنا میں اساتذہ کے حکم سے مدرسہ رائے پور گوجراں میں قلیوبی، شرح جای بحث فعل و ایسا غوجی پڑھاتا رہا۔ پھر مجھ کو دوبارہ گنجه بھیجا۔ اوائل جمادی الاولیٰ ۱۳۳۱ھ (اپریل ۱۹۱۳ء) سے ۱۵ رمضان ۱۳۳۱ھ (۱۸/ اگست ۱۹۱۳ء) تک وہاں رہا۔ پھر دوبارہ ہندوستان کا سفر کیا۔ شروع شوال ۱۳۳۱ھ (ستمبر ۱۹۱۳ء) میں گلاؤنھی، میرٹھ، دہلی ہوتا ہوا بانس بریلی پہنچا۔ اور وہاں مدرسہ اشاعت علوم میں داخلہ لیا۔ شعبان ۱۳۳۵ھ (مئی، جون ۱۹۱۷ء) تک چار سال قیام رہا۔ تکمیل بھی کی اور تعلیم بھی دی۔ پھر ہمشیرہ صاحبہ کو سندھ ملنے کے لئے سفر کیا۔ جب شوال میں وہاں سے واپس ہونے لگا تو حضرت مفتی فقیر اللہ صاحب کا خط پہنچا کہ آتے وقت راستہ میں منڈی صادق گنج اُترو۔ اور مولانا عبدالرحیم صاحب غزنوی سے مل کر آنا۔ کیونکہ تمہاری ملازمت کے متعلق ان سے بات چیت ہو رہی ہے۔ میں حسب الحکم صادق گنج اُترا۔ اور مولانا عبدالرحیم صاحب سے ملا۔ بات چیت کے بعد پچیس روپے تنخواہ طے ہوئی۔ اور طے ہو گیا کہ میں ۱۵ شوال ۱۳۳۵ھ (۴/ اگست ۱۹۱۷ء) کو واپس گاؤں آؤں گا۔ ۳۹-۱۳۳۸ھ (۱۹۲۰ء) میں وہاں سے بلا کر غیر مقلدین سے مناظرہ زیرہ ضلع فیروز پور کرایا۔ اور خود ہی چھپوا کر اپنے نام سے شائع کیا۔ پھر ۱۳۳۱ھ شوال (مئی ۱۹۲۳ء) میں مجھے مدرسہ صابریہ رشیدیہ میں رائے پور بلایا۔ اور سال بھر میں ہدایہ اولین وغیرہ صاحبزادہ مولوی محمود الحسن صاحب و مولوی عبدالرشید صاحب مرحومین کو پڑھایا۔ پھر جالندھر کے زمانہ میں اہل بدع سے مناظرہ علم غیب میں منعقد ہوا تو احقر ہی کو حضرت مولانا مرحوم نے تجویز کیا۔ خود بھی مناظرہ میں تشریف لے گئے۔ الغرض حضرت مولانا مرحوم کو احقر سے خصوصی تعلق تھا۔ مولانا مرحوم اپنے عہد کے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ تھے۔ تصلب فی الدین اس قدر تھا کہ لا یخافون لومة لائم کا پورا مصداق تھا۔ فقہ اسلامی اور افتاء میں خصوصی مہارت رکھتے تھے۔ اتباع سنت اور تقویٰ اور خلوص کے مجسمہ تھے۔ تقریباً پچاس سال تک تعلیمی دینی خدمات کر کے ۲۱ رمضان المبارک ۱۳۸۲ھ مطابق ۱۱/ فروری ۱۹۶۳ء کو خدا تعالیٰ کے پیارے ہوئے۔ اور ملک جاودانی کی طرف رحلت فرمائی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ اور اپنے پیچھے تین صاحبزادے اور کچھ لڑکیاں اور اہلیہ صاحبہ وارث چھوڑے اور ورثہ میں کچھ جائیداد اور مال نہیں چھوڑا۔ تین بچے حافظ قرآن اور عالم باعمل تیار کئے۔ چھوٹے مولانا مولوی حافظ لطف اللہ صاحب ۲۷ صفر ۱۳۷۶ھ مطابق ۳/ اکتوبر بروز چہار شنبہ متصل وہاڑی ضلع ملتان میں لاری کے جلنے سے شہید ہو گئے تھے۔

۱۔ گلاؤنھی یو۔ پی (انڈیا) کے ضلع بلند شہر میں میرٹھ سے بلند شہر جانے والی ریلوے لائن پر ہاؤس سے آگے ریلوے اسٹیشن ہے۔ (یہ لائن دہلی مراد آباد والی لائن کو ہاؤس کے اسٹیشن پر قطع کرتی ہے۔ احقر جب مسلم یونیورسٹی علیگڑھ میں پڑھتا تھا۔ چاند پور سے علیگڑھ کبھی ہاؤس بلند شہر کے راستہ سے جاتا تھا۔ اور کبھی مراد آباد پندرہ کی راستہ سے) یعنی حضرت مولانا کے تین صاحبزادے تھے۔ جن میں سے ایک حضرت مولانا کی زندگی میں رحلت فرما گئے تھے۔ بعد میں دو صاحبزادے رہے۔ جیسا کہ آگے کے مضمون سے معلوم ہوا۔

مولانا مرحوم کی زندگی میں بہت خوش الحاق اور خوش بیان تھے۔ مولانا عبداللہ صاحب بڑے اور مولانا حبیب اللہ صاحب بچھے، دونوں بفضل خدا عالم باعمل ہیں۔ اور شب و روز دین اسلام کی خدمت میں مشغول ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو اور ان کی اولاد کو اپنے پدر دجد بزرگوار کے نقش قدم پر چلتے رہنے کی توفیق بخشے، آمین ثم آمین۔

فقیر و عالم حق مفتی فقیر اللہ جو ہر خلاف شریعت پہ کرتے تھے تو بیخ
خدا کے خاص مقرب تھے حضرت والا کہ ”خاص خاص“ سے نکلی وفات کی تاریخ“

۱۳۸۲ھ

خاص: احقر مؤلف عرض کرتا ہے کہ حضرت والا کو بھی اپنے اساتذہ کرام میں سے حضرت مولانا فقیر اللہ صاحب سے خصوصی تعلق تھا۔ اور جن اساتذہ کرام کے تذکرہ میں ان کے والد ماجد کا نام ذکر کیا ہے ان میں سے ہیں۔ اور تذکرہ بھی قدرے مفصل ہے۔ والد صاحب کے نام کا ذکر کرنے پر یاد آیا کہ حدیث شریف میں ہے: قال صلی اللہ علیہ وسلم اذا اخی الرجل فلیسالہ عن اسمہ واسم ابیہ ومن هو فانہ اوصل للمودۃ (رواہ الترمذی، از اشرف السوانح جلد اول) حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”جب کوئی شخص کسی سے بھائی چارہ کرے تو وہ اس سے اس کا نام اور اس کے والد کا نام اور یہ کہ وہ کن لوگوں میں سے ہے دریافت کر لے، کیونکہ یہ بات علاقہ محبت کو زیادہ کرنے والی ہے۔“ (ترمذی) چنانچہ حضرت والا نے اپنے بعض خاص خاص اساتذہ کرام کے والد صاحب کا نام ذکر فرمایا ہے۔

جب حضرت مولانا فقیر اللہ صاحب نے رحلت فرمائی تو حضرت والا جامع مسجد خیر المدارس ملتان میں اعتکاف کی حالت میں تھے۔ اور یہ ناچیز بھی حضرت والا کی خدمت میں حاضر تھا۔ اطلاع ملنے کے بعد (غالباً تراویح سے فارغ ہونے کے بعد کی بات ہے) حضرت والا منبر پر تشریف لے گئے اور اپنے استاذ مرحوم کا تذکرہ فرمایا۔ اور یہ فرماتے ہوئے رقت طاری ہو گئی کہ اگر مجھے معلوم ہوتا تو میں اعتکاف نہ کرتا اور ان کے جنازہ میں شریک ہوتا، یا یہ فرمایا کہ ان کی نماز جنازہ پڑھاتا۔ غالباً استاذ مرحوم کی وصیت ہوگی کہ حضرت والا ان کی نماز جنازہ پڑھائیں۔

ایک بار حضرت والا نے سفر فرما کر حضرت مولانا فقیر اللہ صاحب کی زیارت کی۔ یہ خادم ناچیز بھی ہمراہ تھا۔ اور حضرت مولانا کی زیارت کی تھی۔ غالباً حضرت والا ان کے چھوٹے صاحبزادے مولانا مولوی لطف اللہ صاحب کے لاری کے حادثہ میں شہید ہونے پر تعزیت کے لئے تشریف لے گئے تھے۔ بلکہ حضرت والا کے ساتھ اس خادم کو جامعہ رشیدیہ کی زیارت کئی بار کرنا یاد ہے۔ لیکن حضرت والا کے استاذ محترم کی زیارت ایک یا دو بار یاد پڑتی ہے۔

نقشہ تحصیل علوم مدرسہ رائے پور گوجراں:

شوال ۱۳۲۳ھ (اکتوبر ۱۹۰۶ء) سے تقریباً ماہ ربیع الاول ۱۳۲۸ھ (مارچ ۱۹۱۰ء) تک مدرسہ رائے پور گوجراں

میں قیام رہا۔ حسب ذیل اساتذہ کرام سے کتب پڑھیں:

استاذی حضرت مولانا فقیر اللہ صاحب

استاذی حضرت مولانا فضل احمد صاحب

۱۳۲۴-۲۵ھ منشعب، صرف میر، پنج گنج، دستور المبتدی

س

(۱)

نحو میر، گلستان، مالا بدمنہ

مدیة المصلی، قدوری، زلیخا

۱۳۲۵-۲۶ھ شرح مائتة عامل، ہدئیۃ النحو، مراح الارواح،

مفید الطالبین، کافیہ، فقہ الیمین باب اول،

ایسا غوجی، قال اقول، مرقات، تہذیب، بوستان

کنز الدقائق، سبغہ معلقہ، شافیہ،

۱۳۲۶-۲۷ھ شرح جامی، بحث فعل وحرف، شرح تہذیب،

عبدالرسول، فقہ الیمین باب ثانی و ثالث، سکندر نامہ

فصول اکبری، قطبی تصدیقات، اصول الشاشی

شرح وقایہ اولین، نور الانوار، قصیدہ بردہ،

۱۳۲۷-۲۸ھ شرح جامی، بحث اسم تامر فوعات،

قصیدہ بانس سعادت، دیوان علی،

قطبی تصورات، معہ میر تاص ۱۹، ہدیہ سعیدیہ تا

تشریح الحروف، نیرنگ، عشق، انشاء خلیفہ

بحث کائنات الجو

شرکت: جلسہ ۲۷ سالہ دارالعلوم دیوبند زیارت بزرگان

حضرت حکیم الامت کی اول بار زیارت و سماعت و عظ

(الف) اسی سال یعنی ۱۳۲۸ھ میں دارالعلوم دیوبند ضلع سہارن پور میں بڑا جلسہ ۲۷ سالہ دستار بندی کا ہوا۔ رائے پوری حضرات کے ساتھ جلسہ دیکھنے کے لئے دیوبند جانا ہوا۔ راستہ میں مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور ایک شب ٹھہرے۔ دوسرے روز دیوبند پہنچ کر بہت سے بزرگوں کی زیارت سے شرف حاصل کیا۔ مندرجہ ذیل حضرات کے نام بھی یاد ہیں:

حضرت مولانا محمود الحسن صاحب دیوبندی، حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوری، حضرت مولانا ظلیل احمد صاحب سہارن پوری، حضرت مولانا شاہ محمد اشرف علی صاحب تھانوی، حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحب کشمیری، حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی، حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند، حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمن صاحب۔

مولانا محمد انور شاہ صاحب اور مولانا حسین احمد صاحب نے وعظ عربی میں کہا تھا۔ اور مرشدنا حکیم الامت تھانوی

قدس سرہ نے دو گھنٹہ دنیا جیفہ و طالبہا کلاب ۱۵ اردو میں کہا تھا۔

(ب) جناب مولانا محمد ابراہیم صاحب سلیم پوری اسی سال فارغ التحصیل ہو کر دستار بندی میں شریک ہوئے۔

تحصیل بعض علوم بمقام گنجہ ۱۳۲۸ھ (ساڑھے تین ماہ):

”اسی سال جلسہ دارالعلوم دیوبند سے واپس ہونے کے بعد جب وطن آنا ہوا تو مخدومی المکرم استاذی حضرت مولانا فقیر اللہ صاحب کے فرمان سے بمقام گنجہ ذاک خانہ برنالی تحصیل کھاریاں ضلع گجرات جانا ہوا۔ وہاں جا کر مخدومی المحرم حضرت مولانا سلطان احمد صاحب کی خدمت میں ۱۵/ جمادی الاولیٰ ۱۳۲۸ھ (۲۵ مئی ۱۹۱۰ء) سے ۱۵ رمضان المبارک ۱۳۲۸ھ (۲۰ ستمبر ۱۹۱۰ء) تک ساڑھے تین ماہ قیام کر کے کتب ذیل پڑھیں:

شرح جامی بحث اسم تا بحث تمیز، قطبی تصورات، میر قطبی تمام، سلم العلوم چند صفحات، شرح وقایہ آخرین۔“

”استاذی حضرت مولانا سلطان احمد صاحب گجراتی:

آپ حضرت مولانا محمود احمد صاحب مرحوم کے صاحبزادے تھے۔ جو سید الطائفہ حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی قدس سرہ العزیز کے دورہ حدیث میں تلمیذ عزیز تھے۔ مدت تک ڈیرہ غازی خان میں اعلیٰ فنون کی تعلیم دیتے رہے تھے۔ اور جید عالم اور شیعہ کے ساتھ اعلیٰ درجہ کے مناظر تھے۔ مولانا سلطان احمد صاحب بھی بڑے عالم اور جامع عقول و منقول تھے۔ اکثر درس نظامی کی کتابیں مدرسہ عربیہ نعمانیہ میں حضرت مولانا غلام احمد صاحب سے پڑھی تھیں۔ یونیورسٹی میں امتحان بھی پاس کیا تھا۔ عربی لکھنے کی بہت مشق تھی۔ حتیٰ کہ خطوط بھی تمام عربی میں لکھا کرتے تھے۔ پھر دارالعلوم دیوبند میں پہنچ کر استاذ الحدیث حضرت مولانا محمود الحسن صاحب سے دورہ حدیث پڑھ کر سند لی۔ یہ گاؤں گنجہ ذاک خانہ برنالی تحصیل کھاریاں ضلع گجرات کے باشندے تھے۔“

مدرسہ منبع العلوم گلاڈوٹھی (۱۳۲۸ھ تا ۱۳۳۱ھ):

”پھر شوال ۱۳۲۸ھ (اکتوبر ۱۹۱۰ء) میں گلاڈوٹھی ضلع بلند شہر جا کر مدرسہ منبع العلوم میں داخل ہوا۔ اور تقریباً پونے

تین سال وہاں قیام رہا۔ کتب ذیل اساتذہ کرام سے پڑھیں:

س	حضرت مولانا کریم بخش صاحب (مدتس)	حضرت مولانا غلام نبی صاحب (مدتس)	حضرت مولانا محی الدین صاحب (مہتمم)
۱۳۲۸-۲۹ھ	ملاسین، مختصر المعانی مع تلخیص المقارج، سراجی،	میڈی	حسامی، ترجمہ قرآن مجید پارہ نمبر ۱ تا ۱۶، آذخ، سورۃ بقرہ
۱۳۲۹-۳۰ھ	میرزا بدرسال، حاشیہ غلام بچی، حاشیہ بحر العلوم		

تصریح (خارج میں مولانا سلطان احمد صاحب پشاور سے)

شرح چھمینی، باب تشریح الافلاک، سبع شداد، بست باب، اکرناؤڈ ڈیویس، تحریر اولیڈس، مقالہ اولی، خلاصہ الحساب	بدیع المیزان، میر ایسا غوجی، شرح جامی بحث اسم تمام	۵
شرح عقائد نسلی	تفسیر جلالین شریف ۷ پارہ، مشکوٰۃ شریف، کتاب الحج، ہدایہ اولین ربیع اول	۵۱۳۳۰-۳۱

استاذی حضرت مولانا غلام نبی صاحب:

آپ رہنے والے علاقہ ضلع ہزارہ کے تھے۔ معقول و منقول میں یکتا تھے۔ دورہ حدیث قدوۃ المحدثین حضرت مولانا محمود حسن صاحب قدس سرہ العزیز کے پاس پڑھ کر دارالعلوم دیوبند سے سند حدیث حاصل کی۔ پھر مدرسہ منبع العلوم گلاؤنٹھی میں دو تین سال مدرس اول رہے۔ ایک مہینہ میں ان سے میڈی پڑھی ہے۔ پھر فتح پوری دہلی چلے گئے تھے۔ پھر تقریباً ۱۳۳۷ھ (۱۹۱۹ء) میں یا اس سے پس و پیش اپنے وطن میں انتقال فرمایا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔“

”استاذی حضرت مولانا کریم بخش صاحب:

آپ ایک قریہ ضلع لدھیانہ کے باشندے تھے۔ بہت حلیم اور طلبہ کے نہایت ہی خیر خواہ تھے۔ فارسی اور ابتدائی عربی وطن میں پڑھ کر دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے۔ وہاں موقوف علیہ دورہ حدیث مولانا غلام رسول صاحب سرحدی وغیرہ اساتذہ سے پڑھ کر خاتمۃ المحدثین حضرت مولانا محمود الحسن صاحب سے دورہ حدیث پڑھ کر سند حدیث لی، اور حضرت امام ربانی حضرت مولانا رشید احمد صاحب قدس سرہ العزیز کے حکم سے مدرسہ منبع العلوم گلاؤنٹھی میں مدرس ہوئے۔ اور ہر قسم کی چھوٹی بڑی کتابیں ۲۸ برس پڑھائیں۔ اس اثناء میں ان کو بڑی بڑی تنخواہیں باہر سے آئیں۔ باوجودیکہ تنخواہ بہت قلیل تھی، مگر باہر نہیں گئے۔ اور اسی پر قانع رہے۔ اور اسی میں بروز جمعہ مورخہ یکم صفر ۱۳۳۹ھ مطابق جمعہ ۱۵/ اکتوبر ۱۹۲۰ء گلاؤنٹھی ضلع بلند شہر میں رحلت فرمائی اور خدا کو پیارے ہوئے، اللھم اغفر لہ۔“

”استاذی حضرت مولانا محی الدین احمد صاحب:

آپ گلاؤنٹھی ضلع بلند شہر کے باشندے تھے۔ آپ سادات خاندان سے تھے۔ مہتمم مدرسہ منبع العلوم گلاؤنٹھی تھے اور چند گھنٹے پڑھاتے تھے اور جامع مسجد کی امامت بھی کرتے اور بزازی کی دکان تھی۔ اس پر بیٹھ کر کپڑا بھی بیچتے۔ اور سجدہ سہو کرنے کی کبھی ضرورت نہیں ہوئی۔ مورخہ ۲۳ رجب ۱۳۳۶ھ (۱۷/ جنوری ۱۹۲۸ء) کو فوت ہو گئے۔ عمر ۶۳ سال کی ہوئی۔ اللھم اغفر لہ۔“

”استاذی جناب مولانا محمد یحییٰ صاحب بہاری:

آپ تھوڑی مدت مدرسہ منبع العلوم گلاؤنٹھی میں مدرس رہے۔ ان سے میڈی صورت نوعیہ تک اور حسامی کے چند

اسباق پڑھے تھے۔“

”استاذی مولانا حسن نواز صاحب انبالوی:

حضرت مہتمم صاحب مدرسہ منبع العلوم گلاؤنھی ایک ماہ کے لئے چندہ کی غرض سے بھوپال گئے تھے۔ اور اپنے قائم مقام عارضی مولوی حسن نواز صاحب کو کر گئے تھے۔ مگر ان سے اسباق ہدایہ اولین، مشکوٰۃ و جلالین میں تسلی نہ ہوتی تھی۔ ایک ماہ گزرنے کے بعد مہتمم صاحب تشریف لائے۔ لیکن اسباق یوں کے توں ہی رہے۔ اس لئے طلباء نے اسباق پڑھنے چھوڑ دیئے۔ اراکین مدرسہ نے مدّس کی توہین محسوس کی۔ اس لئے فیصلہ کیا کہ جو طالب علم رہے ان سے ہی پڑھے یا اور کتابوں میں شریک ہو جائے۔“

”نوٹ: میڈی اور حسامی کے کچھ اسباق مولانا مولوی محمد یحییٰ صاحب بہاری مدّس جدید سے اور جلالین، مشکوٰۃ شریف، ہدایہ ربع اول کے اسباق ایک ماہ عارضی مدّس مولوی حسن نواز صاحب کے سپرد بھی رہے۔ مگر طلبہ ان سے خوش نہ تھے۔“

سفر میرٹھ اور زیارت اکابرو سماع مواعظ حضرت حکیم الامت وغیرہ:

”۱۳۲۹ھ (۱۹۱۱ء) میں شہر میرٹھ دارالعلوم دیوبند کی طرف سے مؤتمر الانصار کا جلسہ زیر نظامت حضرت مولانا عبید اللہ صاحب سندھی ہوا۔ احقر گلاؤنھی سے بمع دیگر طلباء مؤتمر الانصار میں میرٹھ حاضر ہوا۔ اکابر علماء کی زیارت کی اور علماء فنون کے مواعظ سنے۔ یہاں حضرت خاتم المحدثین مولانا محمود الحسن صاحب، حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوری کی زیارت سے مکرر شرف حاصل کیا۔“

”اور حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا سید مرتضیٰ حسن صاحب، حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی، جناب مولانا محمد ابراہیم صاحب دہلوی کے وعظ سنے۔“

سفر دہلی و مشاہدہ تاج پوشی جارج پنجم:

”۱۳۳۰ھ (۱۹۱۱-۱۲ء) میں شاہ انگلستان جارج پنجم کی شہر دہلی میں تاج پوشی ہوئی۔ احقر ایک ہفتہ رخصت پر بمع مولانا سلطان احمد صاحب پشاور، دہلی گیا۔ اور شاہی جلوس کے عجائبات کا مشاہدہ کیا۔“

زیارت مزارات مقدسہ:

”اور مقدس مزارات کی زیارت کا بھی شرف حاصل کیا۔ خواجہ سلطان الاولیاء حضرت نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ، قطب العالم حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ، استاذ الہند حضرت مولانا شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی، ان کے والد ماجد شاہ عبدالرحیم صاحب دہلوی، ان کے صاحبزادے حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی و دیگر مقدس حضرات

کے مزارات کی زیارت سے بھی مشرف ہوا۔“

رحلت ماموں شاہ محمد صاحب:

”۱۳۳۰ھ میں ماموں شاہ محمد صاحب نے دارالفناء سے دارالبقاء کی طرف رحلت فرمائی اور مجھے ایک ہفتہ بعد

گلاؤٹھی اطلاع ملی۔“

مراجعت وطن:

”مدرسہ منبع العلوم گلاؤٹھی میں عوضی مدرس مولوی حسن نواز صاحب سے طلباء خوش نہ تھے۔ طلبہ نے اسباق بند کر دیئے۔ ادارہ اہتمام بعض مصالح کی بناء پر طلبہ کے اسباق کا حسب دلخواہ انتظام نہ کر سکا۔ اس لئے کچھ دنوں کے لئے مطول میرزا ہد امور عامہ میں شریک ہوا۔ مگر دل نہ لگا۔ اس لئے بعض طلباء مدرسہ کے ترک پر آمادہ ہو گئے۔ احقر بھی انہی میں سے تھا۔ اس لئے ۱۳۳۱ھ (۱۹۱۲ء یا ۱۹۱۳ء) میں مدرسہ ترک کر کے وطن کو واپسی اختیار کی۔“

چند روزہ قیام دیوبند و استفادہ از بعض اکابر اساتذہ دارالعلوم:

”راستہ میں دیوبند اُترا۔ وہاں دارالعلوم پہنچ کر مولوی علی محمد صاحب بلوی کے پاس شیخ الحدیث حضرت مولانا محمود الحسن صاحب کی مسجد کے حجرہ میں تین چار روز قیام کیا۔ اس اثناء میں دارالعلوم میں حاضر ہوتا اور بعض اسباق بھی سنتا اور بزرگوں کی زیارت سے مشرف ہوتا۔ چنانچہ حضرت مولانا غلام رسول صاحب سرحدی کی زیارت سے بہرہ ور ہوا۔ اور حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی کے ”حمد اللہ“ کے درس میں شریک ہوا۔ مشروطہ عامہ و خاصہ کا بیان ہو رہا تھا۔“

”حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحب کے درس مشکوٰۃ شریف سے بھی استفادہ کیا۔ مولانا غلام رسول صاحب سے اس زمانہ میں مولانا مفتی محمد نعیم صاحب لدھیانوی، مولانا عبداللہ صاحب بلیانوالوی بھی جماعت طلبہ میں شمس بازغہ پڑھ رہے تھے۔ اس وقت ”فلک“ کا کہیں لفظ آیا۔ مولانا مرحوم نے ساری تقریر تعداد افلاک پر کی۔ اسی پر وقت ختم ہو گیا تو ملا خالد بھری نے کہا کہ استاذ ہمارا وقت ضائع کیا۔ عبارت کہاں سے پڑھی اور تقریر کہاں سے کی۔ مولانا مرحوم نے کہا: ”ارے خرتوس! یہ ملا جانندھری آیا ہوا تھا۔ اس نے علم ہیئت پڑھا ہے مولانا کریم بخش صاحب سے، اور وہ مشہور ہیں۔ اس کو یہ معلوم ہو جائے کہ ان کا استاذ ہمارا شاگرد ہے اور ہم ان سے زیادہ جانتے ہیں۔“

”علی ہذا مختصر معانی جو مولانا ابراہیم صاحب کے پاس ہو رہی تھی وہ بھی سنی۔ ایک دن آیت وَرَاوَدْتُهُ الَّتِي هُوَ فِيْهَا بِنْتِهَا ہو رہی تھی۔ میں نے اعتراض کیا۔ مولانا نے جواب دیا۔ میں نے پھر اعتراض کیا۔ غرض کہ دیر تک اعتراض و جواب ہوتے رہے۔ مجھے اب یاد نہیں کہ کیا اعتراض و جواب تھا۔“

تدریس بزمانہ طالب علمی

”مدرسہ رائے پور گوجراں:

ماہ ربیع الاول ۱۳۳۱ھ (فروری ۱۹۱۳ء) میں جب وطن واپس آیا تو حضرات اساتذہ کے حکم کی تعمیل میں مدرسہ رائے پور گوجراں میں ایک ماہ کچھ اسباق پڑھائے۔ شرح جامی بحث فعل اور قلیوبی کے اسباق بھی تھے۔ مولانا مولوی عبدالعزیز صاحب ملسوی اور مولانا مولوی عبدالجبار صاحب ڈربوی بھی زیر درس طلبہ میں تھے۔ اتنا یاد ہے۔ واللہ اعلم۔“

گنجہ ضلع گجرات:

اوائل جمادی الاولیٰ ۱۳۳۱ھ (اپریل ۱۹۱۳ء) میں بمشورہ حضرت مولانا مفتی فقیر اللہ صاحب دوبارہ گنجہ ضلع گجرات جانا ہوا۔ وہاں جا کر حضرت مولانا سلطان احمد صاحب سے نصف رمضان المبارک تک کتب ذیل پڑھیں:

مقامات بدیع الزمان ہمدانی، مشکوٰۃ شریف تا کتاب الطلاق، تفسیر جلالین تا پارہ ۱۲۔

اس زمانہ میں مولوی محمد چراغ صاحب مقیم گوجرانوالہ بھی وہاں ابتدائی کتب شروع کئے ہوئے تھے۔ استاذ مرحوم نے ان کی ایسا غوجی اور مدنیہ المصلیٰ میرے سپرد کر کے میرے لئے اسباق کی جگہ نکالی تھی۔

سفر گلاؤٹھی، دہلی اور میرٹھ بسلسلہ علالت استاذ اور استفادہ علمی (۱۳۳۱ھ):

شوال ۱۳۳۱ھ (ستمبر ۱۹۱۳ء) میں پھر گلاؤٹھی کا سفر کیا۔ وہاں جا کر معلوم ہوا کہ حضرت مولانا غلام نبی صاحب مدرسہ فتح پوری دہلی تشریف لے گئے ہیں۔ اور مولانا سلطان احمد صاحب پشاور بیچار ہیں۔ اس لئے علاج کی غرض سے مولانا سلطان احمد صاحب پشاور کے ہمراہ شہر دہلی گیا۔ ایک ہفتہ حضرت مولانا غلام نبی صاحب کے پاس مدرسہ فتح پوری دہلی میں قیام رہا۔ علاج سے کچھ نفع محسوس نہ ہوا۔ تجربہ کار لوگوں کے مشورہ سے شہر میرٹھ کا ارادہ کیا۔ وہاں مدرسہ اسلامیہ اندر کوٹ میرٹھ میں قیام کیا۔ حضرت مولانا حاجی احمد علی صاحب سہارن پوری مرحوم اس وقت وہاں صدر مدرس تھے۔ ان کے درس میں بھی گا ہے گا ہے شرکت ہوتی رہی۔ غالباً ’توضیح تلوتح‘ کے سبق میں ان کا مقولہ سنا گیا کہ صاحب قوت قدسیہ کی تعریف بیان کرنے کے بعد فرمایا: ”تم نے تو صاحب قوت قدسیہ سنا، ہم نے آنکھوں سے دیکھا۔“ وہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ تھے۔

ایک روز صدر میرٹھ جانا ہوا۔ وہاں کے عربی مدرسہ میں حضرت مولانا رسول خان صاحب پڑھا رہے تھے۔ شرح جامی اور میرزا اہد امور عامہ کے درس میں تھوڑی دیر بیٹھنا ہوا۔ میرٹھ میں ۱۵ یا ۲۰ روز تک یونانی و ڈاکٹری علاج کرایا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے شفاء عطا فرمائی۔ نقاہت ہی کی حالت میں مولانا سلطان احمد صاحب نے مدرسہ عربیہ اشاعت علوم ہرائے خام بریلی

کی مدد سی قبول کر لی تھی۔ بندہ کو بھی ہمراہ جانے کا کہا۔ بندہ نے بھی ہمراہ جانا منظور کر لیا۔

مدرسہ اشاعت علوم بریلی (۱۳۳۲ھ):

الفرض احقر مولانا موصوف کی معیت میں اوائل محرم الحرام ۱۳۳۲ھ (دسمبر ۱۹۱۳ء) میں مدرسہ اشاعت علوم

سرائے خام بریلی پہنچے اور مدرسہ میں داخلہ لیا۔

استاذی المعظم حضرت مولانا محمد یسین صاحب:

آپ مدرسہ اشاعت علوم بریلی کے بانی اور مہتمم و شیخ الحدیث تھے۔ ہمیشہ دورہ حدیث اور بڑی بڑی ہر فن کی

کتابیں پڑھاتے۔ بریلی میں تین مدرسے دیوبندیوں کے تھے۔

(۱) مصباح العلوم: اس کی بنیاد آیۃ من آیات اللہ قاسم الخیرات حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس سرہ کے زمانہ سے ہے

اور اب تک چل رہا ہے۔

(۲) دوسرا مدرسہ اشاعت علوم، واقع سرائے خام، تقریباً پون صدی سے چل رہا ہے۔

(۳) تیسرا مدرسہ اشرفیہ، چوتھا مدرسہ منظر الاسلام بریلویوں کا۔ مگر مدرسہ اشاعت علوم اپنی ترقی کی وجہ سے سب سے بڑھا ہوا

تھا۔ (حضرت مولانا) بڑی طبیعت کے جری اور اہل بدع پر بھاری اور بارعب تھے۔ اخیر عمر تک پڑھاتے رہے۔ دیوبند کے

دارالعلوم میں اکثر کتابیں مولانا غلام رسول صاحب سرحدی اور مقدم المحدثین حضرت مولانا محمود حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ

سے دورہ حدیث پڑھ کر سند حاصل کی۔ اور ۷ صفر ۱۳۶۳ھ مطابق ۳ فروری ۱۹۴۴ء بروز پنجشنبہ میں ملک جاودانی کی طرف

رحلت فرمائی۔ اللھم اغفرلہ۔

مولانا عظامی نے تاریخ وفات تحریر فرمائی۔

گزشتی آہ مولانا یسین زمرگ تو بسر کوہ غم افتاد

برآمد جاں ز سرشد سال فوت مقام تو بہشت جاوداں باد

۱۳۶۶ - ۳ = ۱۳۶۳ھ

استاذی جناب مولانا سلطان احمد صاحب بریلوی:

آپ بریلی کے رہنے والے تھے۔ بہت طبیعت کے تیز تھے۔ ایک سال سے کم مدرسہ اشاعت علوم بریلی میں

رہے۔ میں نے ان سے میرزا ہد ملا جلال پڑھا تھا۔ پاکستان میں مدرسہ خیر المدارس ملتان میں بھی دو تین روز

ٹھہر کر کراچی چلے گئے تھے۔ پھر وہیں فوت ہو گئے۔ اللھم اغفرلہ۔

۱۔ اصل یاض میں لفظ (روز) نہیں ہے۔ انداز لکھا ہے۔ سہوارہ گیا ہوگا۔

استاذی جناب مولانا عبدالرحمن صاحب:

آپ ضلع سلطان پور کے رہنے والے تھے۔ آپ سے ہدایہ کا ربیع ثانی پڑھا تھا۔ آپ حضرت مولانا محمد یسین صاحب مرحوم کے داماد تھے۔ اور قطب الارشاد حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی صاحب قدس سرہ العزیز کے خلیفہ مجاز تھے۔ فوت ہو گئے ہیں۔ اللہم اغفر لہ۔

استاذی حضرت مولانا سلطان احمد صاحب پشاوری:

بڑے ذہین اور فہیم ذی استعداد تھے۔ مدرسہ منبع العلوم گلاؤنھی میں رہے۔ میں نے اوقلیدس، خلاصۃ الحساب ان کے ساتھ پڑھی۔ جب کل درسیات معقول و منقول سے فارغ ہوئے تو بریلی کے مدرسہ اشاعت علوم میں مدرس دوم ہوئے اور بڑی بڑی کتابیں ہر فن کی پڑھائیں۔ چھ سات سال مدرسہ میں رہے۔ پھر وہاں سے بہاولپور آ گئے۔ دو سال کے بعد اپنے وطن اصلی طور و ضلع پشاور (حال مردان) میں عرصہ تک درس دیا۔ ایک دفعہ ہمارے گاؤں عمر وال بلہ تحصیل نکودر ضلع جالندھر بھی آئے تھے۔ اور ایک دفعہ میں بھی قصبہ طور و ضلع پشاور گیا تھا۔

نقشہ تحصیل و تکمیل علوم مدرسہ اشاعت علوم بریلی

۱۳۳۲ھ	حضرت مولانا محمد یسین صاحب (شیخ الحدیث و مہتمم)	حضرت مولانا سلطان احمد صاحب پشاوری	مولانا عبدالرحمن صاحب	مولانا سلطان احمد صاحب بریلوی
	مطلوب، مقامات، حریری، نخبۃ الفکر، توضیح کلمت، دیوان حماسہ، دیوان متنبی	حمد اللہ، ہدایہ ربیع ثانی از کتاب الایمان تا آخر، صدر، خیالی، ہدایہ اخیرین، قاضی مبارک، مسلم الثبوت	ہدایہ ربیع ثانی تا کتاب الایمان	میرزا اہد بلا جلال
۱۳۳۳ھ	موطا امام مالک، شمس بازغہ	تفسیر بیضاوی، موطا امام محمد، نسائی شریف، ابن ماجہ شریف، در مختار، میرزا اہد امور عامہ		
۱۳۳۵ھ	بخاری شریف (کامل)	مسلم شریف، ابوداؤد شریف		

باقاعدہ تدریس بزمانہ طالب علمی..... مدرسہ اشاعت علوم بریلی:

۱۳۳۲ھ (مطابق ۱۹۱۳ء) سے مدرسہ کی طرف سے میرے سپرد کچھ اسباق کر کے وظيفہ بھی مقرر کیا گیا، جو دو روپے ماہوار سے شروع ہو کر آٹھ روپے ماہوار تک پہنچا تھا۔ ان سالوں میں ابتدائی اور متوسطات درسیات اکثر پڑھائی گئی تھیں۔ شرح ملا جامی، نور الانوار، شرح وقایہ، مقامات حریری، ملاحسن وغیرہا مکرر سے کرر زیر درس آچکی تھیں۔ اخیر ۱۳۳۵ھ (مطابق ۱۹۱۷ء) میں صبح کے وقت تعلیم ذاتی اور شام کے وقت تدریس کے لئے وقت مقرر کر دیا گیا تھا۔

دستار بندی اور اسناد از حضرات اساتذہ کرام:

یہ بھی حضرت والا ہی کے الفاظ مبارک میں ملاحظہ ہو:

”شعبان ۱۳۳۵ھ (مطابق مئی یا جون ۱۹۱۷ء) میں مدرسہ کا جلسہ سالانہ ہوا۔ حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحب

قاسمی مہتمم مدرسہ دارالعلوم دیوبند کے مبارک ہاتھوں سے دستار بندی ہوئی اور دو سندیں عطا کی گئیں۔ ایک سند فراع، دوسری سند تکمیل، جس میں بہت تعریف کے الفاظ لکھے گئے تھے۔

اسی سال منبع العلوم گلاؤنٹھی ضلع بلند شہر سے حضرت مولانا کریم بخش صاحب صدر مدرس اور حضرت مولانا محی الدین احمد صاحب مہتمم نے بصیغہ ڈاک ایک سند بھیجی۔ اس میں تعریفی الفاظ لکھ کر میری بہت حوصلہ افزائی کی گئی تھی۔ حق تعالیٰ ان تمام اساتذہ کرام کو جزاء خیر عطا فرمائے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام قرب و رضا عطا فرمائے اور درجات بلند فرمائے، آمین ثم آمین۔

نوٹ: یہ تینوں سندیں انقلاب ملکی کے عہد میں فسادات پنجاب کی نظر ہوئیں۔

علاوہ ازیں اکابر امت سے اجازت تعلیم و سند حدیث کا تذکرہ باب ششم کے اختتام پر آ رہا ہے۔

اور اس کے ساتھ ہی باب پنجم کو ختم کیا جاتا ہے۔

۱۔ گورانج اردو زبان میں یہ لفظ (نذر) استعمال ہوتا ہے۔ لیکن (نظر) ذوق اس شرح کے ساتھ زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ گویا فسادات کی نظر لگ کر ضائع ہو گئیں۔
دوسرا علم و تقویٰ کو (نذر) کا لفظ بھی غیر اللہ کے لئے استعمال کرنا غیرت توحید کے خلاف ہونے کی وجہ سے گراں گذرتا ہے۔ (۱۲)

خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ (بخاری شریف)

باب ششم

تعلیم و تدریس

حضرت والا کی تعلیمی و تدریسی خصوصیات

طریقہ تعلیم:

حضرت والا کی زندگی کا ایک طویل حصہ درس و تدریس میں گزرا۔ شوال ۱۳۳۵ھ سال فراغت کے بعد سے لے کر شعبان ۱۳۹۰ھ سال وفات تک (یعنی ۵۵ سال کی مدت دراز تک) آپ تعلیم و تدریس میں مشغول رہے۔ اس ۵۵ سال کی مدت میں آپ نے ہر ایک علم و فن کی کتاب کو بار بار پڑھایا۔ اور ان میں سے تقریباً چالیس سال آپ نے صحیح بخاری شریف کا درس دیا۔ آپ کو حدیث رسول ﷺ کے پڑھانے میں ایک خاص مقام حاصل تھا۔ جہاں کوئی اختلافی مقام آتا تو آپ اس کی خوب اچھی طرح وضاحت فرماتے اور دیگر ائمہ کے دلائل بیان فرما کر فقہ حنفی کی ترجیح کی مفصل نگر آسان الفاظ میں توضیح فرماتے۔ غیر مقلد حضرات کے اعتراضات کے جواب بالنتفصیل بیان فرماتے۔ اور ساتھ ہی کبھی اپنے مناظروں کے حالات بیان فرماتے۔ مشکل سے مشکل مقام کو بہت آسان الفاظ میں مختصر جواب دے کر ہر طالب علم کے ذہن نشین فرمادیتے۔ سبق کے دوران طلباء کی حاضر دماغی کا خاص خیال رکھتے۔ جب کبھی کسی کو ذرا سست و غافل دیکھتے تو فوراً اس سے فرماتے کہ آگے تم پڑھو، یا پوچھتے کہ ابھی کیا مسئلہ بیان ہوا ہے۔ جس کی وجہ سے ہر طالب ہوشیار رہتا۔ اسی طرح سبق میں حاضری کا خیال رکھتے۔ غیر حاضری پر گرفت فرماتے۔ یہی وجہ تھی کہ آپ کے سبق سے بہت کم کوئی غیر حاضر ہوتا۔ سبق کے دوران تھکاوٹ و اکتاہٹ کو ختم کرنے کے لئے مزاج بھی فرماتے۔ سبق کے دوران اگر کوئی طالب علم کوئی سوال کرتا تو آپ تسلی سے اس کے سوال کا جواب دیتے اور سائل کی ذہنیت کو پڑھ کر جواب دیتے۔

انہی خصوصیات کی بناء پر دوسرے مدارس کے اکثر طلباء دورہ حدیث شریف کے لئے آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور آپ کے علم و کمال سے مستفید ہوتے۔ یہی وجہ ہے کہ آج پورے عالم اسلام میں آپ کے تلامذہ اور متوسلین کی کوئی

کی نہیں۔ کوئی جگہ ایسی نہیں جہاں کے استاد، خطیب، مدرس، مہتمم آپ سے کسی نہ کسی طرح سے مستفید نہ ہوئے ہوں۔ بلکہ آپ کو آج بھی آپ کے متعدد شاگرد مقدس سرزمین حجاز مکہ مکرمہ و مدینہ طیبہ میں درس و تدریس یا کسی نہ کسی دینی کام میں مشغول و مصروف نظر آئیں گے۔ یہ ایک ایسا شجرہ طیبہ ہے جس کی شاخیں پورے عالم اسلام میں پھیلی ہوئی ہیں۔ اور جو یقیناً آپ کے علو درجات کا ایک بہترین ذریعہ ہے۔

اس لئے آپ کی ذات بابرکات کو افضل العلماء اور استاذ العلماء لکھا اور کہا جاتا ہے۔ صحیح معنوں میں آپ ہی اس کے مستحق ہیں کہ آپ کو استاذ العلماء اور فخر العلماء لکھا اور کہا جائے۔

بلکہ آپ ”استاذ الاساتذہ“ بھی تھے، کیونکہ اس وقت بہت سے اساتذہ حدیث و شیوخ الحدیث بلکہ ان کے بعض اکابر کو بھی حضرت والا سے شرف تلمذ حاصل ہوا ہے۔ جیسا کہ اکابر تلامذہ کرام کی فہرست سے معلوم ہوگا۔

آپ کے حدیث شریف سے شغف کا یہ حال تھا کہ ”اواخر عمر میں بھی پیرانہ سالی، ضعیفی اور سخت علالت کے باوجود بخاری شریف کا درس دیتے رہے۔ یہاں تک کہ تین آپریشنوں سے صحت یابی کے بعد بھی یہ کار خیر اخیر وقت تک جاری رہا۔ چنانچہ سال وفات میں آپ نے طلباء کو آخری بار بخاری شریف پڑھائی۔

انداز تدریس:

حضرت والا کے انداز تدریس کے بارے میں حضرت مولانا فضل محمد صاحب مدظلہ العالی مہتمم مدرسہ عربیہ قاسم العلوم فقیر والی اپنے تعزیت نامہ میں فرماتے ہیں:

”احقر کو حضرت نور اللہ مرقدہ سے شرف تلمذ حاصل تھا۔ احقر نے ابتدائی درسی کتب حضرت سے پڑھی تھیں۔ پڑھانے کا انداز ایسا پیارا اور دلکش تھا کہ درس کا ایک ایک لفظ لوح قلب پر مرتسم ہو جاتا تھا۔ کلام میں ایجاز و اختصار تھا۔ طویل اور لمبے مباحث کو چند جملے تلے الفاظ میں سمودینا حضرت کا امتیازی وصف تھا۔“

”الخیر“ (شعبان و رمضان ۱۴۰۷ھ) میں حضرت والا کے طرز تعلیم پر یہ تبصرہ ہے:

”حسن تعلیم و تقریر:

آپ انتہائی شفیق استاد اور مربی تھے۔ سبق کی تقریر دریا بکوزہ کی مثال ہوتی۔ اسلوب بیان سلیس اور دل نشین ہوتا تھا۔ لمبی لمبی تقاریر و مباحث کو نہایت اختصار کے ساتھ طلباء کو ذہن نشین کر دینا حضرت والا کا خصوصی کمال تھا۔ بسا اوقات منطق و فلسفہ کی بعض ادق مباحث پڑھانے سے ایک دن قبل طلباء سے فرماتے کہ ”کل کا سبق کچھ مشکل ہے، اس کا اچھی طرح مطالعہ کر کے آئیں۔“ لیکن دوسرے دن ایسی ترتیب (تسہیل سے بیان فرماتے کہ طلباء اسے نہایت سہل پاتے اور

ایک دن قبل کی تنبیہ پر متعجب ہوتے۔ حضرت والا فرمایا کرتے تھے کہ تفہیم و تعلیم کے سلسلہ میں استاد خود مشقت برداشت کرے، طلباء پر بوجھ نہ ڈالے، حدیث پاک کی تدریس میں حضرت والا، ائمہ مجتہدین کے مستدلات کا ایسا محمل بیان فرماتے یا ایسا معنی خیز ترجمہ بیان فرماتے کہ وہ حدیث حنفیہ کی دلیل معلوم ہوتی۔

مشہور حدیث ”البیعان بالخیار ما لم یبترقا“ معرکتہ الآراء حدیث ہے، اسی حدیث کی بناء پر حضرت امام شافعی احناف سے ”خیار مجلس“ کے مسئلہ پر اختلاف فرماتے ہیں۔ اساتذہ حدیث احناف کی طرف سے اس حدیث کی متعدد توجیہات بیان فرماتے ہیں۔ ”تفرق بالابدان“ اور ”تفرق بالاقوال“ کی تقسیم اور ”تفرق بالاقوال“ کے نظائر اور قرآن وغیرہ وغیرہ۔ حضرت والا اتنی تطویل کی بجائے ایسا چچا ملتا ترجمہ فرماتے کہ توجیہات کی ضرورت باقی نہ رہتی۔ آپ فرماتے: ”البیعان بالخیار ما لم یبترقا“ کا مطلب ہے کہ سودا کرنے والوں کو اختیار ہے جب تک سودا چکا کر الگ الگ نہیں ہو جاتے، ظاہر ہے کہ اس ترجمہ کے بعد یہ حدیث ”خیار مجلس“ کی دلیل نہیں بن سکتی اور غور کیا جائے تو یہ اسی ”تفرق بالاقوال“ کی موجز و حسین تعبیر ہے۔ فلله درہ۔“

حضرت والا کے درس میں احقر مؤلف کی حاضری:

جب احقر کا تعلق دارالعلوم الاسلامیہ ٹنڈوالہار سے تھا، اس زمانہ میں تو تعطیلات رمضان المبارک میں حاضر خدمت ہوتا تھا۔ اس سے قبل سکول و کالج کی ملازمت کے زمانہ میں جب وہاں تعطیلات ہوتیں تو حاضر ہوتا۔ اور ان دنوں حضرت والا کے بخاری شریف جلد ثانی کے درس میں (جو بعد نماز عشاء ہوتا تھا) حاضری بطور مرید کے ہوتی تھی۔ (طالب علمانہ نہیں تے)

مشاہدہ مہارتِ تعلیم حضرت والا اور شرف تلمذ احقر مؤلف:

الحمد للہ احقر مؤلف سوانح کو بفضلہ تعالیٰ حضرت والا سے کئی سال رمضان المبارک کی تعطیلات میں تلمذ کی سعادت بھی نصیب ہوئی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت والا کو ہر درسی کتاب کے مشکل مقامات خوب مستحضر تھے، جن میں مدرسین کی رہبری فرمادیتے تھے۔ حتیٰ کہ شروع میں ایک سال احقر نے دارالعلوم الاسلامیہ ٹنڈوالہار میں کریم پڑھائی تھی۔ اسی سال تعطیلات میں حضرت والا نے اس میں ایک مشکل لفظ کا مطلب بیان فرمایا۔ وہ ”چرخ نیلی رواق“ میں ”رواق“ ہے جو ایک کثیر المعانی لفظ ہے۔ اسی طرح جس سال بدلیہ انجو پڑھائی، اس کے آخری باب یا خاتمہ وغیرہ کی کسی فصل میں شاید توابع میں سے بدل کی اقسام کا بیان تھا۔ اس میں ایک مقام کچھ مشکل تھا۔ تعطیلات رمضان میں حاضر خدمت ہوا۔ تو اس

۱ (۱۲)

ج درس میں طالب علمانہ حاضری سے مراد جس میں طالب علم استاد سے چوں و چرا یعنی سوال و جواب اور قیل و قال و تحقیق کرے کہ یہی مطلوب ہے اور مریدانہ جس میں مرید اپنے شیخ سے چوں چرانہ کرے کیونکہ یہاں یہی مناسب ہے۔ اس کی تفصیل کتب تصوف اور حضرت حکیم الامتہ کے مواعظ میں سے لی گئی۔ (۱۲)

سال احقر کے زیر درس کتب کا ذکر آنے پر اسی مقام کو حضرت والا نے ذکر فرمایا۔ یہ کشف نہیں۔ بلکہ یہ ایسی نادر تعلیمی مہارت ہے جس کی نظیر مشکل ہی سے ملے گی۔ اس لئے کہ جس شخصیت نے تقریباً چالیس سال بخاری شریف کا درس دیا، اس کو کریم جیسی ابتدائی فارسی کی کتاب اور ہدایۃ الخوجیسی ابتدائی نحو کی کتاب کے مشکل مقامات بھی محفوظ اور مستحضر ہونا معمولی بات نہیں ہے۔ اسی سے کتب متوسطہ کو بھی قیاس کیا جاسکتا ہے۔ وہ تو اور زیادہ مستحضر ہوں گی۔ گویا زندگی کے اخیر دور میں جن کو ابتدائی کتب درسیہ کے مشکل مقامات کا بھی ایسا استحضار ہوان کی تعلیمی مہارت کا کیا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ بلکہ یاد آیا کہ احقر کے ایک معمر استاذ (جو حضرت والا کے پیر بھائی اور حضرت حکیم الامتؒ کے خلیفہ مجاز بیعت بھی تھے) انہوں نے سراجی کی شرح لکھی۔ احقر نے اس کا ایک نسخہ حضرت والا کی خدمت میں بطور ہدیہ پیش کیا۔ حضرت والا نے چند منٹ اس کو ملاحظہ فرما کر اس کے اخیر حصہ میں کوئی مشکل مقام نکالا۔ اور دیکھ کر کچھ ایسا فرمایا کہ اس اشکال کا جواب نہیں دیا، اس کو حل نہیں فرمایا۔ احقر کو وہ اشکال وغیرہ یاد نہیں۔

دینی کتب سے محبت اور ان کا ادب:

جس طرح قرآن مجید کی تلاوت کے وقت عموماً ادب کے ساتھ ورق پلٹے جاتے ہیں، یوں سمجھئے کہ درسی کتب کے اوراق بھی حضرت والا کچھ اسی طرح نہایت درجہ عظمت و محبت کے ساتھ پلٹتے تھے۔ حقیقتاً اکابر میں ادب بہت ہوتا تھا۔ جتہ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی قدس سرہ جن کے علوم کی توصیف بھی اکابر ہی کر سکتے ہیں۔ بزرگوں نے یہی فرمایا ہے کہ ان کے علوم کی وجہ ان کا نہایت درجہ ادب تھا۔ حضرت والا کو درس دیتے ہوئے دیکھ کر کچھ ایسا محسوس ہوتا کہ کسی نہایت لطیف و لذیذ کیف سے سرشار ہیں۔ درحقیقت علوم میں روحانی لذت بھی عجیب ہوتی ہے۔

رمضان المبارک میں حضرت والا کی تدریس کتب جن میں چند سال احقر مؤلف کو شرف تلمذ حاصل ہوا:

احقر مؤلف کو چند سال رمضان المبارک میں جو حضرت والا سے بعض کتب پڑھنے کا شرف حاصل ہوا، ان کی تاریخ وار یادداشتیں مع بعض اشارات درس احقر مؤلف کے پاس ایک فائل میں محفوظ ہیں۔ اس فائل سے اور کچھ اپنی یادداشت سے یہ تحریر لکھی جاتی ہے:

۱۳۷۸ھ میں حضرت والا نے علامہ سیوطیؒ کی الاتقان فی علوم القرآن کا درس دیا۔ یادداشت میں ۴ رمضان المبارک تا ۶ شوال ۱۳۷۸ھ تحریر ہے۔ یہ بھی تحریر ہے کہ مولانا محمد صدیق صاحب مدرس خیر المدارس کا عبارت پڑھنا یاد ہے، نیز یہ کہ ”یہ یاد نہیں کتنا حصہ ہوا تھا۔“

رمضان المبارک ۱۳۷۹ھ میں حضرت والا نے مثنوی معنوی کا درس دیا تھا۔ اس میں حضرت مولانا محمد صدیق صاحب مدظلہ بھی شریک تھے۔ بلکہ روزانہ بعد عصر ملفوظات بھی اکثر انہی کا پڑھنا یاد ہے۔

۲۵ رمضان المبارک ۱۳۸۱ھ کو بعض اہل باطل خصوصاً مبتدعین کے افتراءات کے مدلل جوابات وغیرہ بیان

فرمائے تھے۔

یکم رمضان المبارک ۱۳۸۳ھ (بروز سہ شنبہ ۵ جنوری ۱۹۶۵ء) کو عقود رسم المفتی کا متن شروع کرایا اور ۱۳ رمضان المبارک کو ختم ہوا۔ اور یکم رمضان ہی کو طریقہ تعلیم شروع کرایا اور متعدد علوم و فنون کی ابتدائی کتب کا طریقہ تعلیم بتایا اور مختلف دینی علوم و فنون آلیہ وغیرہ کی تدریس کا طریقہ اور خصوصیات وغیرہ پر کم از کم وقت میں عبور کرایا تھا، جس میں سے بعض یادداشتیں محفوظ ہیں۔

۷ رمضان المبارک سے ۱۲ رمضان المبارک ۱۳۸۳ھ تک فن تصوف کی تعلیم دی اور اصول الوصول میں سے اخلاق حسنة تک سبق ہوا۔ اس درس کی بعض یادداشتیں بہت زیادہ مفید ہیں۔

۳ رمضان المبارک ۱۳۸۷ھ کو حضرت والّا نے الدر المختار شروع کرائی۔ اس کے بعد غالباً ۴ ہی کو حضرت مولانا عتیق الرحمن صاحب مدظلہ نے پڑھانا شروع کیا۔ مقدمہ ختم ہوا اور کتاب الطہارۃ ص ۳۲ (غسل واجب کے ختم تک) درس دیا۔ مولانا منظور صاحب اس میں شریک درس تھے۔

۳ رمضان ۱۳۸۷ھ ہی کو حضرت والّا نے التصریح فی شرح التشریح کا درس دینا شروع فرمایا۔ اور ۲۴ رمضان تک درس ہوا۔ الفصل الثالث ختم ہوئی۔ تا ختم ص ۵۰، نسخہ مطبع علمی، لاہور، اور تا ص ۵۴، نسخہ مجتہبائی) اس میں بھی مولانا منظور صاحب نیز دیگر بعض علماء و مدّرسین شریک درس تھے۔ یہ کتاب احقر کی سمجھ میں بہت کم آئی، کیونکہ اس سے قبل اس فن کی کوئی اور کتاب نہیں پڑھی تھی۔ (سوائے سکول میں جغرافیہ پڑھنے کے جس میں کچھ بیان کسوف و خسوف عرض و طول بلد اور گردش ارض وغیرہ کا تھا۔ اس کے بعد بی۔ اے میں جغرافیہ لیا تھا۔ لیکن اس میں دوسرے موضوعات تھے)

فن سلوک اور اصول الوصول کا سبق نیز عقود رسم المفتی کا درس حضرت والّا کے کمرہ (دارالاہتمام) کے سامنے چار پائیوں پر اور التصریح کا درس سابق دارالحدیث کی دیوار کے متصل تخت اور چار پائیوں پر بیٹھ کر نائب مہتمم حضرت مولانا شریف صاحب جالندھری کی درس گاہ کے سامنے ہونا یاد ہے۔

اصول تعلیم و تعلم اور متعلقات اصول کی بابت حضرت والّا کے معمولات و ملفوظات اور ہدایات

یہ اصول اساتذہ و طلباء سب ہی کے لئے نہایت مفید ہیں۔ امید ہے کہ نہ صرف اساتذہ و طلباء، بلکہ مدارس چلانے والے ذمہ دار حضرات سب ہی ان کی قدر فرمائیں گے اور ان پر عمل کر کے دنیا و آخرت کا بھرپور ناندہ اٹھائیں گے۔ کیونکہ جوہری سے بڑھ کر جوہرات کی قدر کون جان سکتا ہے۔ لیکن پوری قدر تو ان پر عمل کرنے والے حضرات ہی سمجھ سکیں گے، ان شاء اللہ تعالیٰ۔ (۱۲)

اساتذہ کے لئے سنہری اصول

- (۱) دینی تعلیم مع اپنے مبادی کے طاعت ہے، اس کا ثمرہ آخرت میں ثواب کثیر ہے۔ تمام اساتذہ ثواب ہی کی نیت سے دینی تعلیم کو اپنا، ہم فریضہ سمجھیں اور ضروریات معاشیہ تنخواہ وغیرہ کو اس کا وسیلہ و ذریعہ سمجھیں۔
- (۲) اساتذہ تعلیمی شغل کے علاوہ طلباء کے دین اور اخلاق کی بھی حتی الوسع نگرانی کریں اور بوقت ضرورت امر و نہی سے بھی کام لیا کریں اور طلباء کو بھی پابند بنائیں۔
- (۳) اساتذہ مطالعہ کے وقت ذہن میں ہر سبق کی ایسی ترتیب دے لیا کریں جسے طلباء کے اذہان باسانی ضبط کر سکیں۔ تقریر میں توضیح اور سہولت کا لحاظ رکھیں۔
- (۴) اگر طالب علم کوئی معقول بات کہے اس کو مان لیا کریں، خواہ اپنی تقریر کے خلاف ہی کیوں نہ ہو، خواہ تنخواہ اپنی بات کی تک نہ کیا کریں۔
- (۵) کم محنت اور بد محنت طلباء سے محنت لینے اور یاد کرانے کا بھی مناسب طریق اختیار کریں۔
- (۶) ہر کتاب کے شروع میں اس فن کے مبادی مثلاً (حد، موضوع، غایت) اور ترجمہ مصنف اور کتاب کی خصوصیات اور طریقہ تعلیم بھی طلباء کے ذہن نشین کرادیا کریں۔

درجہ قرآن مجید کے استاذ کے لئے چند کارآمد ہدایات:

- (۱) تجربہ سے معلوم ہوا ہے کہ اس زمانہ میں بچوں پر زیادہ سختی نقصان دہ رہتی ہے، بلکہ بعض دفعہ بددلی کا باعث ہو کر قرآن مجید کے حفظ کی دولت سے محروم کر دیتی ہے۔ اس لئے حسن تدبیر سے بچہ کے قلب میں تعلیم و حفظ کا شوق پیدا کرنے کی صورت اختیار کی جائے اور اس کی شرارت و بے ادبی پر صبر و تحمل سے کام لے کر شفقت سے سمجھانے کی کوشش کی جائے۔
- (۲) اپنے شاگردوں یا ان کے درثناء سے کسی ادنیٰ نفع کی بھی ہرگز ہرگز توقع نہ رکھی جائے۔ غریب و امیر کے بچہ کی تعلیم میں کوئی امتیاز نہ کیا جائے۔

(۳) تمام بچوں کو شرعی آداب و عمدہ باتیں بتلائی جائیں اور ان پر عامل بنانے کی عادت ڈلوائی جائے۔

(۴) طریقہ تعلیم مجوزہ کے مطابق تعلیم دی جائے اور نصاب کو پورا کیا جاوے۔ (آئینہ نصاب تعلیم)

خیر الافادۃ فی المطالعة والتکرار والاعادۃ

(طلباء کے لئے تعلیمی ہدایات)

ایک دفعہ فرمایا: ”طالب علم کے لئے اس کے سبق کا تکرار اور آئندہ پڑھنے والے سبق کا مطالعہ از حد ضروری ہے۔ اس سے پہلے سبق ذہن نشین ہوتا ہے اور مطالعہ سے پڑھنے والے سبق کو سمجھنا آسان ہوتا ہے۔“

(ملفوظ مجملہ ملفوظات بروایت مولانا حافظ عبدالشکور صاحب زید مجدہم، بواسطہ ائق)

طلباء کی اصلاح اور تزکیہ نفس مع تعلیم:

حضرت والا علوم قرآن و حدیث ہی کے امام وقت نہ تھے، بلکہ خانقاہ اشرفیہ سے تصوف اور تزکیہ کے سند یافتہ زبردست محقق عالم بھی تھے۔ (بلکہ آپ کا شمار حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کے اجل خلفاء میں ہوتا تھا۔ حضرت حکیم الامت نے اپنے زمانہ علالت میں گیارہ مخصوص خلفاء کے نام شائع فرمائے تھے، جس میں تحریر تھا کہ ”اپنے چند مجازین کے نام لکھتا ہوں، جن کے طرزِ تعلیم پر مجھے اعتماد ہے۔“ ان گیارہ مخصوصین میں آپ کا اسم مبارک بھی شامل تھا، جو بہت بڑی سعادت ہے) آپ کے سامنے یہ حقیقت تھی کہ تزکیہ نفس کی بنیاد پر ہی تعلیم و عبادت، اخلاق و احسان اور معاملات قائم ہیں۔ اس کے بغیر یہ تمام اجساد بے روح اور تمام تصاویر بے رنگ ہیں۔ انسان کی انفرادی، اجتماعی، ظاہری، باطنی، خانگی، بیرونی، اخلاقی، معاشرتی، تجارتی، معاہداتی، تمام خرابیوں کی اصلاح اور خرابیوں کے عوامل اور محرکات کو پہچان کر دل کو ان سے پاک کرنا، اور ان کے خلاف خدا پرستی، صداقت، ہمدردی، اخلاص اور ان کے جذبات کو دلوں کے نہاں خانوں میں جلوہ گر کرنا تزکیہ کے بغیر ممکن نہیں۔ چنانچہ آپ تعلیم کے ساتھ طلباء کی اخلاقی و روحانی تربیت اور رذائل نفس کی اصلاح پر پوری توجہ فرماتے۔ خود بھی تمام معاملات میں اتباع سنت کا اہتمام فرماتے اور طلباء کے اخلاق و عادات کو بھی سنوارنے کی سعی فرماتے۔ طلباء کی ظاہری شکل و صورت، وضع قطع اور لباس میں خلاف شریعت بات گوارا نہ فرماتے تھے۔“ (الخیر شعبان و رمضان، ۱۴۰۷ھ، ص ۱۶)

نانغہ سے احتراز..... حب حدیث نبوی شریف اور عشق رسول ﷺ:

حضرت مولانا فضل محمد صاحب مہتمم مدرسہ عربیہ قاسم العلوم فقیر والی اپنے تعزیت نامہ میں فرماتے ہیں:

”ضعف و نقاہت اور بڑھاپے و علالت کے باوجود جب تک طاقت گفتار رہی، بخاری شریف کے درس کا نانغہ نہیں کیا۔ اس سے حضرت اقدس کے عشق رسول ﷺ کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔“

حدیث سے محبت:

ایک دفعہ بخاری شریف کے سبق کے دوران فرمایا کہ جن لوگوں کو حضور ﷺ کی احادیث سے محبت نہ ہو ان کو بخار

آتا ہے، بخاری نہیں آتی۔ (ملفوظ نمبر ۵، بروایت مولانا حافظ عبدالشکور صاحب زید مجدہم، بواسطہ اق)

ناغہ سے احتراز:

ایک دفعہ کوئی صاحب جلسہ کے لئے دعوت دینے آئے تو آپ نے فرمایا کہ میں حدیث رسول کا سبق چھوڑ کر کیوں جاؤں۔ ایک دن کے ناغہ سے طلباء کا کتنا نقصان ہوگا۔ (ملفوظ بروایت مذکورہ بالا)

سبق کے ناغہ کا ضرر:

ایک دفعہ کچھ طالب علم ناغہ کر کے آئے تو آپ نے فرمایا کہ طالب علم کے لئے سبق کا ناغہ کرنا ایسا ہی ہے جیسے کہ بیمار شخص کے لئے بد پرہیزی۔ (یعنی جس طرح بیمار آدمی بد پرہیزی کی وجہ سے شفا یاب ہونے کی بجائے زیادہ بیمار ہوتا ہے، اسی طرح ناغہ کرنے سے طالب علم کو اپنے سبق سے انس نہ ہونے کی وجہ سے شوق ختم ہو جاتا ہے)

اسباق کی پابندی اور ناغہ کے ضرر سے متعلق حضرت والا کے مندرجہ ذیل دو ملفوظات حضرت مولانا حافظ منظور احمد صاحب (استاذ الحدیث خیر المدارس) نے احقر مؤلف کو تحریر فرمائے:

- ۱- پابندی اسباق: فرمایا کہ جب میں پڑھتا تھا، سوال سے آ کر شعبان کی تعطیلات پر گھر جاتا تھا۔ حضرت کے بڑے صاحبزادے حافظ رشید احمد مرحوم کی ولادت کا خط پہنچا تو پھر بھی گھر نہ آئے، بلکہ تعطیلات پر ہی آئے۔
- ۲- ناغہ کا ضرر: اور فرمایا کہ مسلم شریف کا ایک سبق دورے والے سال میں مجھ سے رہ گیا۔ اس سبق والی جگہ آج تک ایسی ازبر نہیں جیسی بقیہ مسلم شریف۔ یہ صرف اس ناغہ کی بے برکتی تھی۔

اُستاد کا ادب

علوم کا فیضان اور القاء بڑی حد تک استاد کے ادب و احترام پر موقوف ہے۔ بطور نمونہ اس سلسلہ میں حضرت والا کے یہ چار ملفوظات محترمی مولانا عبدالشکور صاحب کے مرتبہ جو کرمی ماسٹر اقبال قریشی سے حاصل ہوئے، یہاں درج کئے جاتے ہیں:

ملفوظ نمبر ۲۱: ایک موقع پر فرمایا کہ ہر طالب علم کو اپنے اساتذہ کا اپنے والدین سے بھی زیادہ ادب و احترام کرنا چاہئے۔ اس سے استاد کے دل میں طالب علم کی تعلیم کا اہتمام پیدا ہوتا ہے۔

ملفوظ نمبر ۳۴: ایک مجلس میں فرمایا: ”جس کام میں شیخ یا استاد رضی نہ ہو وہ کام خواہ کتنا ہی اچھا ہو اس میں برکت نہیں ہوتی۔“

ملفوظ نمبر ۳۵: ایک دفعہ فرمایا: ”جس کام کا شیخ یا استاد حکم دے اس کے لئے تیار نہ ہو تو بھی اس کو شروع کر دینا چاہئے۔“

ملفوظ نمبر ۳۶: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ شاگرد کو اپنے استاد سے اور مرید کو اپنے شیخ سے کوئی بات چھپانی نہیں

چاہئے، تاکہ اس کی بہتر اصلاح ہو۔

تعلیم میں سیاسیات سے یکسوئی

ہم بھی یکہ والے ہیں:

کسی یکہ والے کے سامنے انتخابات کا ذکر ہوا۔ اس نے کہا: ”خواہ کوئی جیتے کوئی ہارے، ہمیں تو اپنا یکہ چلانا ہے۔“ اس پر حضرت والاؒ نے ارشاد فرمایا کہ ہم بھی یکہ والے ہیں۔ کوئی بھی کامیاب ہو، ہمیں تو اپنا کام کرنا ہے (یعنی مدرسہ کا اہتمام و تعلیم اور دعوت و تبلیغ اور تزکیہ نفوس) یعنی اللہ تعالیٰ کی عبادت اور ذکر میں مشغول رہنا ہے جو کہ مقصد حیات انسانی ہے۔ کیونکہ کُلُّ مطیع ذاکر۔ اور اس سے بڑھ کر سنت کے مطابق کوئی عبادت ہوگی جو کہ خود نیابت رسولؐ ہے۔ یعنی ہنگامی کاموں میں حصہ لینے کے بجائے یکسوئی کے ساتھ ٹھوس بنیادی اور دین کا تھوک کا کام (یعنی اہتمام مدرسہ اور تعلیمی تبلیغی اور تزکیہ نفوس کا کام) کرنا ہے۔ اسی بات سے حضرت والاؒ کے سیاسیات سے یکسوئی کے درجہ کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

دین کے قلعے:

دینی مدارس دراصل دین کے قلعے ہیں۔ ان کی حفاظت دینی خدمات میں سے فرض اولین ہے۔ کیونکہ ایمان کا مدار ہی علم دین پر ہے۔ علم کے بغیر نہ ایمان محفوظ رہ سکتا ہے نہ عقائد صحیحہ۔ نہ ہی ارکان اسلام میں سے کسی کا پتہ چل سکتا ہے نہ ان پر عمل ہو سکتا ہے۔ علم شریعت کے بغیر تصوف زندقہ کا دوسرا نام ہے۔ تصحیح نیت، تزکیہ اخلاق اور احسان کا تو ذکر ہی کیا۔ نہ ہی علم دین چھوڑ کر جہاد صحیح ہو سکتا ہے، نہ تبلیغ و دعوت کا کام ہو سکتا ہے۔ دین کے قلعوں کی حفاظت چھوڑ کر میدانوں میں نکل جانا دین کے قلعوں کو دشمن کے حوالے لکر نے اور دین سے محروم ہو جانے کے مترادف ہے۔

درہ جبل احد کے تیر انداز:

جبل احد کے درہ پر نوجوان صحابہ کرامؓ میں سے پچاس تیر اندازوں کو مقرر فرمایا گیا تھا، اور حکم ثانی تک وہیں ٹھہرنے کا حکم تھا۔ لیکن جب انہوں نے دیکھا کہ مسلمانوں کو فتح ہو رہی ہے تو یہ خیال ہوا کہ اب تو یہاں ٹھہرنے کی ضرورت نہیں رہی۔ مال غنیمت لوٹا جائے تاکہ سب مسلمانوں کے کام آئے۔ خیال فرمائیے، یہ مال غنیمت خاص ان پچاس حضرات کو ملنے والا نہیں تھا۔ وہ تو سب جمع ہو کر پھر حضور ﷺ کے امر مبارک سے قانون شرعی کے مطابق تقسیم ہوتا تھا۔ ان کی یہ جب دنیا بھی دین کے لئے تھی کہ تمام مسلمانوں کو مالی تقویت پہنچنے سے اسلام کو شوکت حاصل ہوگی۔ آج کل تو اس کے برعکس

۱۔ اس کی اصل حضرت والاؒ کا ایک مخطوط ہے (جس کو (اق) نے روایت کیا ہے) اس وقت اس کا ماخذ ملنا نہ تھا۔ اس لئے اپنی یادداشت سے لکھ دیا تھا۔ اب اصل مخطوط ملنے کے بعد اس کو خیر السلفو غلات کے ساتھ محفوظ کر دیا تھا۔ (۱۲)

۲۔ اس سے یہ مراد نہیں کہ دین کا اور کوئی کام ہی نہ کیا جائے۔ نہیں بلکہ یہ مراد ہے کہ اہل مدارس اپنے مدارس کا کام پورے اخلاص اور یکسوئی سے کرتے رہیں۔ اور دین کے دوسرے کام اور حضرات کرتے رہیں۔ (۱۲)

معاملہ ہے۔ ان کو دنیا سے بھی دین مقصود ہوتا تھا۔ اور ہماری غرض دین سے بھی دنیا ہوتی ہے۔ بقول شاعر۔

ہم نے پھولوں کو لگایا ہاتھ کانٹے ہو گئے

تم نے کانٹوں پر قدم رکھا گلستاں کر دیا

لیکن اس کے باوجود غزوہ احد کا پانسہ پلٹ گیا۔ اور فتح صورتہ شکست سے بدلنے کے قریب ہو گئی۔ **حقیقۃً شکست تو سپہ سالار کی شکست ہوتی ہے۔ حضور ﷺ تو برابر یہ رجز پڑھتے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے: انا النبی لا کذب۔ انا ابن عبدالمطلب۔ اس لئے یہ عرض کیا کہ فتح صورتہ شکست سے بدلنے کے قریب ہو گئی، نہ کہ حقیقۃً۔**

یا اہل مدارس! آپ بھی اس وقت درہ احد کے ان تیر اندازوں کی طرح ہیں۔ دیکھئے دشمن کہیں پیچھے سے حملہ نہ کر دے۔ نہیں! بلکہ اب تو دین اسلام پر پیچھے سے حملے پر حملے ہو رہے ہیں۔ خبردار جو میدان کی طرف رخ کیا۔ یہاں جے رہئے۔ اللہ صبر سے کام لیجئے اور جم کر کام کیجئے۔ پیچھے سے دین پر حملے کرنے والوں کو روکے رکھنا ہے۔

اور اے دین کے قلعوں کے پاسبانو! اگر آپ نے قلعوں کو چھوڑ کر میدان کا رخ کر لیا تو قلعے اور میدان خدا نخواستہ سب دشمن کے ہاتھ آ جائیں گے۔ لہذا خبردار! ہوشیار! بیدار! کبھی دشمن اپنے دوستوں ہی کے کان بھر دیتا ہے اور دست ہی حجرہ نشینی کا طعنہ دینے لگتے ہیں۔ خبردار! جو اپنے بھولے بھالے دوستوں کے کہنے میں آئے یا دشمن کے طعنہ سے متاثر ہوئے (سلاح المومن الوضوء۔ وضو مومن کا ہتھیار ہے۔ اسی طرح مدارس میں یکسوئی سے کام کرنا بڑا جہاد ہے)

اب اس کے بعد حضرت والا کا ایک ملفوظ بغور ملاحظہ فرمائیے:

ایک موقع پر جبکہ خطیب ملت حضرت مولانا احتشام الحق صاحب تھانوی ڈیرہ اسماعیل خان وغیرہ کا دورہ کر کے واپس آئے تو حضرت نے فرمایا کہ دینی مدارس کے طلباء اور اساتذہ کو عملی طور پر سیاست میں حصہ نہیں لینا چاہئے۔ اس سے تعلیمی ماحول ختم ہو جاتا ہے۔ (اس کے بعد بعض مدارس کی مثال بھی دی)

(ملفوظ ۲۰، بروایت مولانا عبدالشکور صاحب)

اس موضوع پر ذیل میں ”الخیر“ سے لیا ہوا مفصل اقتباس پیش خدمت ہے:

”تعلیم و تدریس کے نظم میں حضرت کا ایک خاص مزاج تھا اور آپ نہایت استقامت سے اس کی پابندی فرماتے تھے۔ حضرت سیاسیات کے خلاف نہ تھے، بلکہ اس باب میں آپ کی مستقل خدمات ہیں۔ قیام پاکستان سے قبل حضرت حکیم الامت

۱۔ ”شعر بحوالہ الخیر“۔ امیر شریعت حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری نے یہ شعر پڑھ کر فرمایا تھا کہ ہم اخطاف اور ہمارے اسلاف میں یہ فرق ہے۔ (۱۲)

۲۔ یعنی جو سیاست دین کی خادم اور شریعت اسلامیہ کی کلاماً تابع ہو۔ آج کل ایسی سیاست منظور دیا کہ ملتقو ہونے کی وجہ سے اب اس لفظ ”سیاست“ کو اس معنی میں بغیر شرح بھنی مشکل ہو گیا ہے۔ جس سیاست میں حضرت والا کی خدمات ہیں وہ سنت کی حدود کے اندر اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین والی سیاست ہے۔ آج کل کی سیاست میں حصہ لینا یوں تو

حدود و حدود شریعت کی پابندی اور اتباع سنت کرتے اس شعر کا مصداق ہے۔ درمیان ضرور بات نہ بند کر دی۔ بازی گوی کہ دامن ترکن ہشیار باش

لیکن ہمدقانونی نے کہیں فرمایا ہے کہ محققین ایسی حالت میں کفر سے ہو کر تیرتے ہیں اور دامن ترکن نہیں ہونے پاتا۔ حضرت والا کا سیاست میں حصہ لینا حضرت حکیم الامت کے اسی ارشاد کا مصداق تھا۔ آپ کی جو دینی سیاست والی مسامی ہیں ان کا تذکرہ دیکھنے سے معلوم ہو جاتا ہے۔ کہ وہ کس قسم کی سیاست میں کس حد تک حصہ لینا تھا۔ وہ تو دراصل اصلاحات میں سے ایک

باب تھا یعنی اصلاح سیاست۔ کیونکہ آج کل کی سیاست میں اولین شے ”حب جاہ“ ہے۔ جس سے دور و نور ہوتا حضرت والا کے حالات سے روز روشن کی طرح واضح ہے۔ (۱۳)

کے موقف کی حمایت اور تحریک پاکستان کی عملی جدوجہد میں حصہ لیا۔ قیام پاکستان کے بعد علماء حق کے باہمی اتحاد و اتفاق کے لئے کوشاں اور اسلامی دستور کی تمام کوششوں میں شریک رہے۔ مگر مدرسہ میں ذہنی تشننت، پراگندہ خیالی، آزادروی اور سیاسی ذہن کے قائل نہ تھے۔ آپ فرماتے تھے:

”ہم تقسیم کار کے قائل ہیں۔ اہل باطل کے حملوں سے دفاع اور ان کے خلاف عملی اقدام کے لئے سیاسی میدان کی بھی ضرورت ہے۔ سیاست کا ایک مستقل میدان ہے اور تعلیم دین اس سے مختلف الگ شعبہ ہے۔ اختلاط سے دونوں شعبے کمزور ہوتے ہیں اور کوئی کام بھی صحیح نہیں ہو پاتا۔ اپنے اپنے مزاج کے مطابق سیاست میں حصہ لیا جائے مگر تعلیم سے فراغت کے بعد، دورانِ تعلیم غیر تعلیمی مشاغل، بالخصوص عصر حاضر کی سیاست میں آلودگی طلباء کے لئے سم قاتل ہے۔“

حضرت کے اسی تصلب و استقامت کا نتیجہ تھا کہ بحریہ سیاست میں بلاخیز طوفان آئے، مدوجزر کی تند و تیز لہروں نے میسوں کے نظامِ تعلیم کو تہہ و بالا یا کم از کم متاثر ضرور کیا، لیکن خیر المدارس کے سکون و اطمینان اور تعلیمی امور میں ان خارجی مسموم ہواؤں کا کوئی اثر محسوس نہ ہوا۔ یہاں کے اساتذہ اور طلباء جو بقول حضرت حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحب، خیر الاساتذہ اور خیر الطلبة کا مصداق ہیں، بدستور اپنی تعلیمی و تدریسی مصروفیات میں منہمک رہے۔ حضرت کی زندگی کے آخری ایام میں سیاست نے ایک وبائی مرض کی حیثیت اختیار کر کے تقریباً تمام مدارس کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا اور خالص دینی، تعلیمی و تدریسی کام ناممکن کے قریب تھا۔ ان حالات میں بھی آپ نے اپنی فطری سلامت طبع، میانہ روی، اعتدال مزاجی، حسن انتظام، تحمل و برداشت اور تدبیر و فراست کے ساتھ خیر المدارس کے تعلیمی سفینہ کو منزل تک پہنچایا۔ اس دور میں اساتذہ اور طلباء کو سیاست میں آلودہ ہونے سے بچانا اور مدرسہ کے ماحول کو خارجی اثرات سے متاثر نہ ہونے دینا یقیناً حضرت کی کرامت تھی۔

ایک نازک مرحلہ:

اس سلسلہ میں ۵۳ء کی تحریک ختم نبوت میں ایک ایسا مرحلہ پیش آیا جس سے عہدہ برآ ہونا آپ ہی کی خصوصیت تھی۔ ایک طرف ختم نبوت جیسے اساسی اور مدارکفر و ایمان مسئلہ کی حتی الامکان علمی، عملی، اخلاقی، تبلیغی تائید و حمایت کا تقاضا تھا، دوسری طرف مدرسہ میں تعلیمی نظم و نسق کو برقرار رکھنا اور باہر کے ہنگاموں سے یکسورہ کر تعلیم و تعلم میں مشغولیت کا مسئلہ تھا۔ اساتذہ و طلبہ کا ایک ہنگامی اجتماع طلب فرمایا۔ اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے حضرت نے فرمایا کہ:

”تحریک میں حصہ لینا دین کا کام ہے۔ ہم اس سے ہرگز منع نہیں کرتے، مگر ہر کام نظم و ضبط اور اصول کے تحت کیا جانا مفید ہوتا ہے۔ آپ میں سے جو طلباء تحریک میں عملی حصہ لینا چاہتے ہیں وہ اپنا نام پیش کر دیں۔“

حضرت کے ان جملوں سے طلباء سمجھے کہ بس حضرت والا نے ان کے جوش و خروش کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے

ہیں۔ دھڑا دھڑاپے نام پیش کئے۔ حضرتؒ نے لکھنے والے کو حکم فرما کر سب نام لکھوا دیئے۔

اس کے بعد حضرتؒ نے سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے فرمایا کہ ”جن طلباء نے نام پیش کئے ہیں، ہم انہیں بخوشی رخصت دیتے ہیں۔ وہ تحریک میں شرکت کریں۔ تحریک ختم ہونے پر اگر وہ سالانہ امتحان سے قبل واپس آ گئے تو انہیں امتحان میں بھی بیٹھنے کی اجازت ہوگی، کامیابی پر سند بھی دیں گے۔“

اگر امتحان میں شرکت نہ کر سکے تو آئندہ سال سابقہ درجہ میں داخل بھی کر لیں گے۔ ہم تحریک میں حصہ لینے والوں پر ناراض نہیں، خوش ہیں۔ مگر اس کے لئے خیر المدارس کو استعمال نہ کیا جائے۔ آپ مدرسہ سے چھٹی لے کر اس میں شرکت کریں۔ بحیثیت طالب علم حصہ نہیں لے سکتے۔ حضرتؒ کے ان جملوں کے بعد یوں محسوس ہوا جیسے جذبات پر یکنخت سرد پانی آ پڑا ہو۔

جلسہ برخاست ہوا، تو نام لکھوانے والوں نے ایک ایک کر کے نام واپس لینے شروع کئے۔ یہاں تک کہ دوسرے دن سب طلباء نے نام واپس لے لئے اور مدرسہ میں حسب معمول تعلیم کا سلسلہ کسی تعطل کے بغیر جاری رہا۔

جذبات کی رعایت کے ساتھ عقل و دانش کے تقاضوں کو ملحوظ رکھنا اور وقتی و عارضی ہنگاموں سے متاثر نہ ہونا اور بعض پیچیدہ مسائل کو ناخن تدبیر سے حل کرنا حضرتؒ والا کا خصوصی امتیاز تھا۔“

(مجلد ”الخیر“ شعبان و رمضان ۱۴۰۷ھ، ملخصاً و بغير تبصیر)

حسن انتظام سے متعلق ایک واقعہ

دورانِ تعلیم دیگر مشاغلِ دینیہ سے یکسوئی:

”تعلیم میں سیاسیات سے یکسوئی“ کے موضوع پر قدرے تفصیلی باتیں صفحات سابقہ میں گزر چکی ہیں۔ یہاں پر دورانِ تعلیم دیگر دینی مشاغل، جیسے تبلیغی جماعت کے ساتھ تبلیغ میں شامل ہونے سے یکسوئی کے موضوع پر ایک دلچسپ اور مفید واقعہ درج کیا جاتا ہے۔ لیکن اس واقعہ کے تذکرہ سے قبل تمہیداً عرض ہے کہ حضرتؒ والا خدا نخواستہ تبلیغی جماعت کے خلاف نہ تھے۔ بلکہ حضرتؒ والا نے تو بعض اوقات اپنے بیان اور وعظ میں عام خطاب سے تعلیمی جماعت کے ساتھ شرکت کرنے اور باہر نکلنے کی ترغیب بھی دی ہے۔ غالباً جامعہ رشیدیہ کے سالانہ جلسہ پر ساہیوال کی کسی جامع مسجد میں یہ بیان فرمانا احقر مولف کو یاد ہے۔ لیکن یہ دوسری بات ہے کہ ہر کام کا ایک موقع ہے۔ مدرسہ کے طلباء کو تعلیم کے دوران تبلیغ کے لئے باہر نکلنا ان کی تعلیم کے قطعاً متافی ہے۔ ایک وقت میں دو کام کئے جائیں تو ایک کام بھی درست نہیں ہوتا۔ حضرتؒ والا تبلیغی جماعت کے ہرگز خلاف نہ تھے۔ البتہ ملفوظات کی مجلس کے دوران کسی سلسلہ گفتگو میں کچھ ایسا فرمانا یاد ہے کہ ”ہمارے بزرگوں نے تبلیغ کے کام میں غلو کو پسند نہیں فرمایا۔“ اور یہ حقیقت ہے کہ غلو ہی سے ہر اچھے کام میں خرابی پیدا ہوتی ہے۔ چنانچہ

۱ یعنی جو ہر مسلمان پر ہر حال میں واجب علی العین نہ ہوں اور تعلیم میں خارج ہوں۔ (۱۲)

کسی کام میں غلو سے منع کرنا اس کام سے روکنے یا اس پر اعتراض کرنے میں ہرگز داخل نہیں۔ بلکہ یہ تو اس کام کی اصلاح اور اس کی صحیح ترقی اور ترویج ہے۔

اب وہ واقعہ جس کو جناب حکیم امیر علی صاحب قریشی مدظلہ (عرف استغفر اللہ) نے بیان فرمایا تھا۔ احقر مؤلف اس کو اپنے الفاظ میں بیان کرتا ہے، اور وہ یہ ہے:

امیر جماعت تبلیغ نظام الدین دہلی والے حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ (ابن حضرت مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ) ملتان تشریف لا رہے تھے۔ ہمارے حضرت والا ایک اور صاحب کے ساتھ حضرت مولانا کو لینے ملتان ریلوے اسٹیشن تشریف لے گئے۔ حضرت مولانا خیر المدارس تشریف لائے۔ مدرسہ کے طلباء اور اساتذہ وغیرہ مع حضرت والا کے جمع ہوئے۔ اور حضرت مولانا یوسف صاحب نے تبلیغ و دعوت پر خوب زور دار تقریر فرمائی۔ ظاہر ہے باہر نکلنے پر بھی خوب زور دیا ہوگا۔ ان کی تقریر کے بعد حضرت والا نے بھی ایسے ہی زور دار لہجہ میں اس کے خلاف تقریر فرمائی اور صاف فرمادیا کہ تبلیغ و دعوت کی ضرورت و اہمیت اور افادیت سب کو تسلیم کرنے کے باوجود طالب علم کا کام صرف کتاب پڑھنا، سبق کی حاضری اور مطالعہ و تکرار ہے۔ ہم دوران تعلیم طالب علم کو ہرگز اس کی اجازت نہیں دے سکتے کہ وہ دوران تعلیم اس میں حصہ لے اور باہر نکلے۔ البتہ مدرسہ کی تعطیلات کے زمانہ میں ادھر ادھر پھرنے کے بجائے تبلیغ میں حصہ لے اور باہر نکلے۔ لیکن تعلیم کے دوران طالب علم کے لئے دوسرے کام میں لگنا طالب علمی اور مدرسہ کے نظم و ضبط کے قطعاً خلاف ہے۔ ہم اس کی اجازت یا ترغیب طالب علم کو ہرگز نہیں دے سکتے۔

چنانچہ حضرت والا کے اس واضح بیان سے اس سارے جوش کا رخ تعلیم و تعلم کی طرف پھر گیا اور طلباء ذہنی تشویش سے بچ گئے۔

(تبلیغی جماعت کے بعض حضرات کی بعض باتوں کے بارے میں، نیز بعض حالات میں تبلیغی جماعت کے ساتھ شرکت کے بارے میں حضرت والا کے ارشادات ان شاء اللہ تعالیٰ باب متفرقات میں آئیں گے)

اب تمیماً للافادۃ سیدی و مولائی مسیح الامت حضرت مولانا شاہ محمد مسیح اللہ صاحب نور اللہ مرقدہ کی نصح برائے مدرسین و مہتمم مدرسہ آپ کی تالیف نفیس و لطیف ”شریعت و تصوف“ (ناشر: مکتبۃ النور، کراچی) کے آخری صفحہ (۱۹۲) سے نقل کی جاتی ہیں۔ یہ نصح زیادہ تر اخلاقی، اصلاحی اور انتظامی امور کو حاوی ہیں۔

”نصائح حضرت مسیح الامت نور اللہ مرقدہ“

ایک فارغ التحصیل عالم نے جو کہ بیعت بھی ہیں، عریضہ لکھا تھا۔ اس میں لکھا: بندہ کے لئے کچھ وصیت فرمائیں، اور بندہ کے علاوہ دو مدرّس اور ہیں، ان کے متعلق بھی کچھ نصیحت ارشاد فرمائیں۔

جواب میں حضرت والا دامت برکاتہم نے یہ تحریر فرمایا: ”آپ دونوں کو ایک ہی بات ہے: (۱) اخلاص، (۲) اتحاد، (۳) وقت کی پابندی، (۴) شفقت، (۵) قناعت، (۶) نظر کی حفاظت، (۷) خلوت کا موقع طالب علم کو نہ دیا جانا، (۸) ذاتی خدمت طالب علم سے نہ لیا جانا، (۹) اس کے ذاتی ہدیہ تحفہ سے حکمت عذر کرنا، (۱۰) طالب علم کو تحقیری کلمات سے اجتناب کرنا۔

آپ مہتمم ہیں، ذمہ دار ہیں۔ اس لئے عرض ہے کہ حساب کتاب صاف اور صحیح رکھنا، اُستادوں کا احترام، نرم کلام، کسی کی شکایت پر فریقین سے بلا تحقیق عمل درآمد نہ ہو۔

استاد کے لئے یہ چیزیں ضروری ہیں:

(۱) اوّل اوّل اظہار استعداد، (۲) تقویٰ، (۳) وقار، (۴) تراجم، (۵) حل کتاب، (۶) نظام و انتظام جو اپنے ذمہ نہ ہو، اس میں دخل نہ دینا۔ (۷) طلباء سے ذاتی خدمت نہ لینا، (۸) طالب علم خصوصاً امر و کو تنہائی کا موقع نہ دینا۔ اگر اتفاق ہو جائے (کسی ضرورت سے آ جاوے) تو دروازہ کا کھلا ہوا ہونا، (۹) قناعت۔“ (تمت النصائح)

تمہید اشرف التتمیم:

اب اس کے بعد اصول تعلیم و تعلم اور متعلقات کے سلسلہ میں بطور مسک الختام حضرت حکیم الامت مجدد الملت قدس سرہ و نور اللہ مرقدہ کے معمولات تدریس، طریقہ تعلیم اور دیگر انمول اصول و ہدایات ملاحظہ فرمائیے، جس کے بعد ان شاء اللہ تعالیٰ مزید کسی ہدایت کی حاجت ہی باقی نہ رہے گی۔ اس کے بعد تو ان پر عمل درآمد کرنا ہی باقی ہے، جس سے عملاً استفادہ کاملہ حاصل ہو۔ (۱۲)

اشرف التتمیم فی اصول التعلم والتعلیم (مع المتعلقات)

حضرت حکیم الامت کے معمولات تدریس:

حضرت خواجہ مجذوب صاحب باب معمولات اشرف السوانح (معمول ۲۷) میں حضرت حکیم الامت کے

معمولات تدریس کے بارے میں فرماتے ہیں:

طالب علم کا نام مولوی فضل حق تھا۔ وہی مدرسہ جامع العلوم سے سب سے پہلے فارغ التحصیل ہوئے اور بعد فراغ عرصہ تک قنوج میں مدرس بھی رہے۔ جب انہوں نے اقرار کر لیا کہ میں خوب سمجھ گیا، تب میں نے کہا کہ یہ وہی تو مقام تھا جس کو مشائخ بالذکر یہ کہتے ہیں۔ یہ سنتے ہی وہ چوکنے ہو گئے۔ تو میں نے کہا بس بس اب نہ ڈرو، اب تو پار ہو گئے۔ پھر میں نے پوچھا کہ اب بتاؤ یہ بھی کوئی مشکل مقام تھا۔ انہوں نے کہا جی! ہم کو تو طلباء نے اس سے بہت ڈرا رکھا تھا۔ لیکن یہ تو کچھ بھی مشکل نہ نکلا۔ اس پر میں نے یہ شعر پڑھا۔

بہت شور سنتے تھے پہلو میں دل کا جو چیرا تو ایک قطرہ خون نکلا

مقام تو واقعی مشکل تھا، لیکن میں نے اس کی تقریر ایسی بے فکری اور سلاست سے کی کہ نہایت سہولت کیساتھ ان کو سمجھ میں آ گئی۔ البتہ خود مجھ کو سہل کر کے بیان کرنے میں بہت تعب اٹھانا پڑا۔ دوسرے کا بوجھ میں نے اپنے اوپر لے لیا۔ اور میں پڑھانے میں ہمیشہ یہی کرتا تھا۔ اور آجکل اساتذہ اپنے اوپر ذرا مشقت نہیں ڈالنا چاہتے۔ بات یہ ہے کہ شفقت نہیں رہی۔ محض ضابطہ پری رہ گئی ہے۔“

”حضرت والا یہ بھی فرمایا کرتے ہیں کہ میں نے پڑھاتے وقت ضرورت سے زائد کبھی تقریر نہیں کی، صرف حل کتاب پر اکتفاء کیا۔ زوائد سے طالب علموں کا کبھی وقت ضائع نہیں کیا۔ اور میں اسی کی تاکید اپنے ماتحت مدرسین پر رکھتا تھا۔ بلکہ کبھی کبھی جا کر ان کے پڑھانے کی جانچ بھی کیا کرتا تھا۔ اساتذہ زیادہ تر اپنی قابلیت کے اظہار کے لئے نکات و دقائق کی تقریریں کیا کرتے ہیں، جن سے کتاب کے اصل مطلب میں بھی خلط ہو جاتا ہے۔ بعض یہ عذر پیش کرتے ہیں کہ جب تک اس قسم کی تقریریں نہ کی جائیں استاد کی مہارت کے متعلق طلباء کی تسلی نہیں ہوتی۔ لیکن طلباء کی یہ تسلی دیکھنی چاہئے یا ان کا نفع۔ ان کا نفع تو اسی میں ہے کہ اصل کتاب کو اچھی طرح حل کر دیا جائے، کیونکہ استعداد اسی سے پیدا ہوتی ہے۔ اور جب استعداد پیدا ہو جائے گی تو پھر نکات و دقائق خود ہی سمجھ میں آنے لگیں گے۔ لہذا استاد کا اصل مطمح نظر یہی ہونا چاہئے۔“

طلباء کے لئے ہفتہ وار مشق تقریر کے بارے میں حضرت حکیم الامت کا ارشاد:

”اسی سلسلہ میں یہ بھی فرمایا کرتے ہیں کہ جو نئے نئے طریقے ہفتہ وار مشق تقریر و مناظرہ کے لئے نکلے ہیں ان کی ضرورت نہیں، بلکہ یہ مضر ہیں۔ اس لئے کہ ہفتہ بھر تک بجائے اسباق کی طرف متوجہ رہنے کے اسی کی تیاری میں رہتے ہیں۔ اول تو اس قسم کی مشق کرانے کی ضرورت ہی نہیں، کیونکہ جب کتابیں خوب اچھی طرح سمجھ کر پڑھ لی جائیں گی تو تقریر، تحریر، مناظرہ، سب کی استعداد خود بخود ہی پیدا ہو جائے گی۔ اور ایسا ہی شوق ہے تو جو طالب علم جو کتاب پڑھ رہا ہو اسی کے متعلق اس سے تقریر کرائی جائے۔ اس سے تقریر کی بھی مشق ہو جائے گی اور حرج بھی نہ ہوگا۔ بلکہ کتابیں اور پختہ ہو جائیں گی۔“

چندوسی میں رمضان المبارک اور تراویح:

”اسی سال سالانہ امتحان اور جلسہ دستار بندی کے بعد وطن آنا نہیں ہوا۔ بلکہ رمضان المبارک میں قصبہ چندوسی

ضلع مراد آباد جا کر جناب مولانا حکیم محمد اقبال صاحب کا قرآن مجید سنا۔“

سائیں پھول شاہ مجذوب کے یہاں دعوت:

اسی اثناء میں وہاں سائیں پھول شاہ مجذوب کی دعوت ہوئی۔ وہاں جا کر دیکھا تو ہر قسم کے آدمی اور عورتیں موجود

تھے۔ مولانا سلطان احمد صاحب بھی وہاں تھے۔ ہم نے جانے کا ارادہ کیا تو سائیں صاحب آئے اور کہا کہ آپ خدا کے گھر

میں تھے اور میں شیطان کے پاس تھا۔ آپ جائیں نہیں، میں سب کو نکال دیتا ہوں۔“

تجویز مدرسی مدرسہ احیاء الاسلام منڈی صادق گنج (میکلوڈ گنج روڈ):

”اور پھر ۲۲ رمضان المبارک ۱۳۳۶ھ یکم جولائی ۱۹۱۸ء کو براستہ دہلی ٹھنڈہ، سہ ماہی، حیدرآباد سندھ، ڈگری اسٹیشن

ازکر ۲۵ رمضان المبارک ۱۳۳۶ھ (۴ جولائی ۱۹۱۸ء) چک نمبر ۱۷۰/۱ پہنچ کر، مشیرہ صاحبہ زینب کامہمان ہوا۔ دس روز قیام

کے بعد واپسی ہوئی۔ اسٹیشن ڈگری پر واپسی میں بوساطت برادر منشی نور بخش صاحب مرحوم ایک رجسٹری ٹلی، جو استاذی

المحرم حضرت مولانا فقیر اللہ صاحب کی طرف سے بھیجی گئی تھی۔ اس میں لکھا ہوا تھا کہ میں نے تمہارے لئے جناب مولانا

سید عبدالرحیم صاحب غزنوی سے فیصلہ کر لیا ہے۔ تم واپسی میں راستہ پر منڈی صادق گنج (میکلوڈ گنج روڈ) سابق ریاست

بہاولپور اتر کر جناب مولانا سید عبدالرحیم صاحب غزنوی مہتمم مدرسہ احیاء الاسلام سے ملاقات کرتے آؤ۔ چنانچہ احقر ۶

شوال ۱۳۳۶ھ (۱۵ جولائی ۱۹۱۸ء) کو منڈی صادق گنج اتر اور مولانا موصوف سے ملا۔ پوری بات چیت ہو کر معاملہ طے

ہو گیا۔ اور یہ وعدہ ہو گیا کہ گھر ہو کر واپس یہاں مدرسی کے فرائض ادا کروں گا۔ اس وعدہ کے بعد مدرسہ اشاعت علوم سرائے

خام بریلی میں حضرت مہتمم صاحب کی خدمت اقدس میں استعفاء بھیج دیا کہ وطن کے قرب کی وجہ سے یہاں رہنے کا پختہ ارادہ

ہو گیا ہے، آپ استعفاء قبول فرمائیں۔“

مدرسی منڈی صادق گنج:

”شوال ۱۳۳۶ھ (جولائی ۱۹۱۸ء) سے مدرسہ احیاء الاسلام منڈی صادق گنج (میکلوڈ گنج روڈ) میں مدرس عربی

ہوا۔ اور تقریباً ۸-۹ سال وہاں قیام رہا۔ بجز تفسیر بیضاوی کل درسیات علوم عقلیہ و نقلیہ کو بار بار پڑھانے کی نوبت آئی۔ بلکہ

بعض کتب عالیہ غیر درسیہ بھی پڑھائیں۔ جیسے تفسیر اتقان، شرح مطالع تصورات اشارت بوعلی سینا، کامل مبرد، مطول تمام،

۱۔ میکلوڈ گنج غیر مقلدین کے مدرسہ میں مدرس ہوئے تو ارشاد فرمایا کہ میں نماز تہجد میں نہیں پڑھوں گا (۱-ق) (جہ ظاہر ہے کہ ہندو پاکستان کے غیر مقلدین

(باشناہ بعض) ائمہ مجتہدین کے بارے میں بدگمانی اور بدزبانی میں مبتلا ہوتے ہیں اور طہارت میں اہتیاظ نہیں کرتے (۱آ)

رسالہ حمید یہ وغیرہا۔

مشاہرہ ۲۵ روپیہ ماہوار سے مبلغ ۳۵ روپیہ ماہوار تک ترقی ہوا۔“

نوٹ: (الف) یہ مدرسہ احیاء الاسلام گواہل حدیث کا تھا، مگر جناب مولانا سید عبدالرحیم صاحب غزنوی اور ان کے بعد ان کے بڑے بیٹے جناب مولانا محمد یحییٰ صاحب غزنوی کے حسن سلوک کی وجہ سے کبھی مناقشہ کی نوبت نہیں آئی۔ اور خفی طلبہ ہمیشہ آرام میں رہے۔ بلکہ ایک سال کے بعد خفی المذہب طلباء کی اکثریت تھی۔ اور اچھے اچھے منہی طلباء تھے۔

(ب) پہلے سال ۱۳۳۷ھ (۱۹۱۸ء یا ۱۹۱۹ء) میں مولانا سید عبدالرحیم صاحب غزنوی مہتمم کا انتقال ہوا۔ ان کی جگہ مرحوم کے بڑے صاحبزادہ مولانا محمد یحییٰ صاحب مہتمم ہوئے۔ میری تعلیم سے دونوں خوش رہے۔ حتیٰ کہ آخری سالوں میں بہت سے بیرونی غیر مقلدین کے اعتراضات مولانا محمد یحییٰ صاحب پر شروع ہو گئے کہ تم نے ہمارے مذہب کے دشمن کو رکھا ہوا ہے۔ مہتمم صاحب وہ خطوط مجھے دیتے اور فرماتے کہ جب خرچ ہم اپنا کرتے ہیں تو ان کو دخل دینے کا حق کیا ہے۔ اور کبھی جواب دیتے کہ اس مدرسے سے بہتر یا ان کے مساوی کوئی اہل حدیث میں سے تم مدرسے لا دو۔ پھر ہم تمہاری بات پر غور کریں گے۔ تقریباً ڈیڑھ سال مدرسے کے بعد دورہ حدیث کی کتابیں بھی میرے ہی پاس شروع ہو گئی تھیں۔“

مدرسے مدرسہ عربیہ رائے پور گوجراں:

حضرات اکابر رائے پور گوجراں کے جوش طلب سے مدرسہ احیاء الاسلام منڈی صادق گنج سے ایک سال کی رخصت لے کر شوال ۱۳۴۱ھ (مئی ۱۹۲۳ء) تک مدرسہ رائے پور میں بسلسلہ تعلیمات خدمات انجام دیں۔ یہ وہ زمانہ تھا جبکہ بسلسلہ تعلیم مولوی محمود الحسن صاحب بن حضرت منشی رحمت اعلیٰ صاحب مرحوم اور مولوی عبدالرشید صاحب بن حضرت مولانا فضل احمد مدظلہم العالی ہدایہ اولین پڑھ رہے تھے۔ اور مولوی محمد علی صاحب دورہ حدیث سے فراغت کے بعد رائے پور کے مدرسے میں آئے اور حمد اللہ وغیرہ تکمیل کی کتابیں شروع کی تھیں۔ سال پورا ہونے کے بعد پھر منڈی صادق گنج کی طرف بدستور رجوع کیا۔ مدرسہ رائے پور گوجراں میں مشاہرہ ۳۲ روپیہ ماہوار تھا۔“

تعمیر مکان:

”اس سال میں نے عمر وال بلہ میں اپنا پختہ مکان اور اس پر بالا خانہ بنوایا۔“

دوبارہ مدرسے مدرسہ احیاء الاسلام منڈی صادق گنج:

”شوال ۱۳۴۲ھ (مئی ۱۹۲۴ء) سے مدرسہ احیاء الاسلام منڈی صادق گنج میں بدستور سابق تدریس کا کام شروع کیا۔ تعلیمی کام کے ساتھ مناظروں اور جلسوں میں بھی شرکت ہوتی رہی۔ غالباً ربیع الاول ۱۳۴۵ھ (ستمبر ۱۹۲۶ء) تک یہ سلسلہ خوب چلا۔“

ناسازی طبع اور علاج:

”پھر طبیعت خراب ہوگئی اور علاج کی ضرورت محسوس ہوئی۔ اس لئے مدرسہ سے چھٹی لے کر پہلے مالیر کونلہ کا سفر کیا۔ وہاں حکیم مولانا خلیل احمد صاحب سے علاج کرایا۔ پھر لکھو ضلع فیروز پور میں جناب حکیم سید شاہ نواز صاحب کا علاج شروع کیا۔ وہاں ۲۲ یوم تک قیام رہا۔ علاج سے نفع ہوا۔“

اصلاح معالج احسان کا بدلہ احسان:

”حکیم صاحب میں غیر مقلدوں کے ماحول کی وجہ سے اثرات آچکے تھے۔ میرے قیام اور بیانات سے ان کو یہ نفع پہنچا کہ ان کے شکوک و شبہات دور ہو گئے اور اصل حقیقت پر پختہ ہو گئے۔ مجھے ان کے مشفقانہ علاج سے کافی نفع ہوا۔ اللہ تعالیٰ ان کی قبر کو منور کرے اور ان کو دارین میں جزاء خیر دے۔“

نظامت تعلیم مدرسہ فیض محمدی جالندھر شہر

رائے پوری حضرات کا حضرت والا کو نظامت تعلیم کے لئے مجبور کرنا:

”اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے جب صحت محسوس ہوئی تو احقر اپنے مکان عمر وال بلہ میں آیا۔ ربیع الثانی ۱۳۳۵ھ (اکتوبر ۱۹۲۶ء) میں حضرات رائے پور نے تاکید کی طور پر مدرسہ فیض محمدی جالندھر میں ناظم تعلیمات مقرر کرنے پر مجبور کیا۔ قبل ازیں اسی سلسلہ میں سرپرست مدرسہ مذکورہ جناب حاجی غلام محی الدین صاحب کپتان پشتر سکھ پرانی کچہری جالندھر کا مفصل ملفوف بھی طلبی کا آچکا تھا۔ جس پر منشی محمد علی صاحب کلرک ڈسٹرکٹ بورڈ اور عبداللہ صاحب نائب مہتمم کے دستخط بھی تھے۔ گویا حضرات رائے پوری کا اصرار اس کی تائید تھا۔ اس لئے احقر نے قبول کر کے پہلے تھانہ بھون کی حاضری پسندی۔ پھر ۱۹/ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۵ھ (۲۵ نومبر ۱۹۲۶ء) کو تھانہ بھون سے براہ راست گھر پہنچا۔ اس وقت ایک مناظرہ تھا شیعہ سے۔ مولانا احد بخش صاحب جالندھر سے آئے تھے۔ شیعہ کی تردید میں جلسہ ہوا اور مناظرہ نہیں ہوا۔ پھر وہاں سے بندہ مدرسہ عربی فیض محمدی میں پہنچا۔ اس وقت وہاں جناب مولانا احد بخش صاحب صدر مدرس تھے۔ اور مولوی غلام محمد صاحب میرے چھوٹے بھائی اور مولوی نیاز احمد صاحب مدرس تھے۔ نظام تعلیم کے سلسلہ میں تعلیم کی اصلاح کی اور ایک دو سبق بھی اپنے ذمہ لئے۔ مگر بعض احباب کی

مزاحمت اور مخالفت سے کام میں کچھ وقتیں سامنے آتی رہیں۔ تاہم ہمت سے کام لیا گیا۔ اور بفضلہ تعالیٰ ماہ رمضان المبارک ۱۳۳۸ھ (فروری ۱۹۳۰ء) تک نہایت خیر و خوبی سے محلہ پرانی کچہری جالندھر میں مدرسہ نے ترقی کی۔ اس اثناء میں کپتان صاحب کا انتقال ہو گیا۔ ان کی جگہ ان کا بڑا بیٹا میاں عبدالسلام قائم مقام صدر کمیٹی بنا۔ اس کا مزاج چونکہ دینی نہ تھا، اس لئے

علماء اس سے خوش نہ تھے۔ اس نے اسی رمضان المبارک میں بعض موافق ممبروں کو بلا کر ایک غیر آئینی کمیٹی کی اور مجھے اور مولوی محمد علی صاحب کو علیحدہ کر کے نوٹس دیدیئے کہ آپ کو مدرسہ کی خدمات سے سبکدوش کیا جاتا ہے۔ چونکہ ان کا یہ کام غیر آئینی تھا، اس لئے ہم نے زبردستی آئندہ سال شوال ۱۳۳۸ھ (مارچ ۱۹۳۰ء) سے آ کر بدستور کام تعلیم کا شروع کر لیا۔ ایک سال اسی طرح گزرا۔ اسی اثناء میں برادر عزیز مولوی حافظ غلام محمد صاحب مدرس بھی ۱۷/ربیع الاول ۱۳۳۹ھ مطابق ۱۳/اگست ۱۹۳۰ء کو فوت ہو گئے۔ بندہ کی ہمت بھی شکستہ ہو گئی۔ ادھر عبدالسلام رمضان المبارک ۱۳۳۹ھ (آخر دسمبر ۱۹۳۰ء) کی تعطیلات میں مدرسہ کی تمام کتابیں اور سامان اٹھا کر اپنے گھر لے گیا۔ اور اکثر عملہ و مدرسین کو نوٹس دیدیئے کہ مکان مدرسہ ہماری ملک ہے۔ آپ لوگوں کو اس میں داخلہ کی اجازت نہیں۔ اس لئے ہم قطع تعلق کر کے خاموش ہو رہے۔ مشاہرات طلب کئے تو ان کے دینے سے بھی انکار کیا۔ آخر مشاہرات کی رقم کا ان پر دعویٰ عدالت میں دائر کر دیا گیا۔

نظامت تعلیم مدرسہ فیض محمدی سے فراغت ہوئی تو حضرت حکیم الامتؒ سے مشورہ لیا گیا۔ چنانچہ اس کا ذکر آگے باب ہفتم میں آ رہا ہے۔ اب اس باب کو ایک مبارک تذکرہ یعنی حضرت حکیم الامتؒ اور حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحب سے سند اجازت کے تذکرہ پر ختم کیا جاتا ہے۔

خیر الختام بالاسناد عن السادات البررة الكرام

(اجازت سند حدیث و تعلیم تفسیر و حدیث و فقہ)

بعد تذکرہ ”نظامت تعلیم مدرسہ فیض محمدی جالندھر شہر“ ایک نوٹ میں تحریر فرمایا ہے:

”اسی اثناء میں حکیم الامت حضرت تھانوی قدس سرہ العزیز اور خاتم المحدثین حضرت مولانا محمد انور شاہ صاحب کشمیری رحمۃ اللہ علیہ سابق صدر مدرس دارالعلوم دیوبند سے سند حدیث شریف کی اجازت حاصل ہوئی۔“ (بغیر یسر)

چنانچہ تذکرہ درس و تدریس اور نظامت تعلیم مدرسہ فیض محمدی کو تبرکاً انہی دونوں خالص الخالص اکابر کی سندوں کے تذکرہ پر ختم کیا جاتا ہے، جو حضرت والّا ہی کے کلمات طیبات میں درج ذیل ہے:

”مدرسہ گلاؤٹھی اور مدرسہ اشاعت علوم بریلی سے تین سندوں کا پہلے ذکر گزر چکا ہے۔ ان کے علاوہ دو سندیں اجازت کی ملیں، ان کا تذکرہ بھی کیا جاتا ہے۔

(۱) سند اجازت از سیدنا و مرشدنا حضرت حکیم الامت مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ مورخہ ۱۷/رجب ۱۳۳۷ھ (۲۰ دسمبر ۱۹۲۸ء) کو حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت عالیہ میں مؤدبانہ اس طرح عرض کیا گیا:

عرض ہے کہ عرصہ سے میرا دل شہادت دیتا ہے کہ اگر حضرت والا حسب دستور مشائخ کرام تفسیر، حدیث، فقہ پڑھانے کی اور مطالعہ دیکھنے کی اجازت فرمادیں گے تو ان شاء اللہ تعالیٰ خادم کے دینی علوم میں برکت پیدا ہو جائے گی۔
جواب سامی میں تحریر فرمایا: ”میں کیا اور میری اجازت کیا، لیکن اگر آپ کا یہ خیال ہے تو میں آپ کے خیال کا اتباع کر کے آپ کو اجازت دیتا ہوں اور دعاء بھی کرتا ہوں۔“

(۲) سند اجازت از استاذ الاساتذہ محدث کامل حضرت مولانا محمد انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ:

مورخہ ۲ شوال المکرم ۱۳۳۸ھ (۳ مارچ ۱۹۳۰ء) کو زیارت کے خیال سے دیوبند جانا ہوا۔ اتفاق سے حضرت شاہ صاحب قدس سرہ العزیز کی زیارت ان کے مسکونہ مکان پر ہوئی۔ عرض کیا گیا کہ کتب احادیث کے اوائل و اواخر سے کچھ الفاظ سن کر تعلیم حدیث کی اجازت مرحمت فرمادی جائے تو مہربانی ہوگی۔ ارشاد فرمایا کہ ”آپ سے سننے کی ضرورت نہیں۔ میں آپ کو بغیر سننے حدیث پڑھانے کی اجازت دیتا ہوں۔ اگر موقع ملا تو ڈھائی میل سے سند مطبوع بھی ارسال کر دوں گا۔“
علاوہ ازیں جیسا کہ پہلے گزرا، حضرت والا نے مدرسہ اشاعت علوم بریلی میں اپنے استاذ معظم حضرت مولانا محمد یسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ (بانی اور مہتمم و شیخ الحدیث مدرسہ مذکورہ) سے بخاری شریف اور دیگر بعض اہم کتب حدیث و دیگر فنون پڑھیں اور ”ان سے سند حدیث اور جملہ علوم کی سند حاصل کی۔“

ان تین سندوں کا ذکر حضرت والا کی مطبوعہ سند حدیث میں موجود ہے جو حضرت والا اپنے تلامذہ کو حدیث پڑھنے کے بعد عطا فرمایا کرتے تھے۔

﴿تتم الیہ﴾

خَيْرُ النَّاسِ مَنْ يَنْفَعُ النَّاسَ (حدیث شریف)

باب ہفتم

تاسیس مدرسہ عربیہ خیر المدارس

افتتاح مدرسہ خیر المدارس:

بالفاظ حضرت والا: ”ہم نے حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے مشورہ سے توکل علی اللہ تعالیٰ ۱۹/ شوال المکرم ۱۳۳۹ھ مطابق ۹/ مارچ ۱۹۳۱ء کو مسجد عالمگیری بازار اٹاری میں مدرسہ خیر المدارس کا افتتاح کیا۔“
احقر مؤلف نے چند بار حضرت والا کو فرماتے سنا کہ آپ نے حضرت حکیم الامت کی خدمت میں مدرسہ کا نام اشرف المدارس رکھنے کی تجویز فرمائی تو حضرت نے یہ جواب دیا کہ کیوں نہ اس کا نام خیر المدارس رکھا جائے۔
غرض حضرت والا نے خود مدرسہ کا نام خیر المدارس تجویز نہیں فرمایا تھا۔ بلکہ یہ نام حضرت حکیم الامت کی تجویز فرمودہ ہے۔“

مدرسہ عربی خیر المدارس جالندھر:

شعبان ۱۳۳۹ھ مطابق جنوری ۱۹۳۱ء تک مدرسہ فیض محمدی جالندھر میں تعلیم و تدریس کا سلسلہ جاری رہا۔ رمضان المبارک ۱۳۳۹ھ (جنوری ۱۹۳۱ء) میں میاں عبدالسلام کے کتب خانہ اٹھا کر نوٹس دے دینے سے درجہ عربی کے تلامذہ مدرسین علیحدہ ہو گئے۔ طلباء آچکے تھے۔ وہ بھی فارغ تھے۔ حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے مشورہ لیا گیا۔ آپ نے فرمایا کہ دیہات سے شہر میں رہنا زیادہ مفید ہوگا۔ اس لئے شہر ہی میں رہنے کی کوشش کی جائے۔ اور مدرسہ کا نام ”خیر المدارس“ رکھا جائے۔ اور تین وصیتیں فرمائیں:

- (۱) مدرسہ کی بنیاد کسی غنی یا افسر کے بھروسہ پر نہ رکھی جائے، بلکہ محض توکل علی اللہ خدا ہی کے بھروسہ پر رکھی جائے۔
- (۲) عملہ کی کوئی خاص مقدار خود تجویز نہ کی جائے، بلکہ یہ اندازہ رکھا جائے کہ حق تعالیٰ جتنی توفیق دیں گے اتنا ہی رکھیں گے۔ اگر گنجائش زیادہ ہو کرے گی تو عملہ بڑھا لیا جائے گا۔ اور اگر گنجائش کم ہوگی تو عملہ گھٹا دیا جائے گا۔
- (۳) غرباء کے چندہ کو امراء کے چندہ پر ترجیح دی جائے گی۔ اس لئے کہ امراء دے کر منتظر ہوتے ہیں کہ ہماری تعریف

کی جائے، اور شکر یہ ادا کیا جائے۔ اس میں بے برکتی ہوتی ہے۔ غرباء دے کر خود شکر گزار ہوتے ہیں کہ نیک مصرف میں ہمارا روپیہ قبول کر لیا گیا۔ اس میں عند اللہ برکت ہوتی ہے۔

چنانچہ احقر اور جناب حضرت مولانا احد بخش صاحب مرحوم، مولانا مولوی محمد علی صاحب نے باہمی مشورہ سے مسجد عالمگیر جالندھر شہر بازار اناری میں مدرسہ خیر المدارس کا ۱۹/ شوال ۱۳۳۹ھ (۹ مارچ ۱۹۳۱ء) کو افتتاح کیا اور تینوں نے توکل علی اللہ کام شروع کیا۔ طلباء نے بھی بہت ایثار اور جفاکشی سے کام لیا۔ پہلے سال ہی دورہ حدیث بھی بخیر و عافیت آسانی ختم ہوا۔ اس کے بعد مورخہ ۲۳ شعبان ۱۳۵۰ھ (۳ جنوری ۱۹۳۲ء) میں بقضائے الہی مولانا احد بخش صاحب کی وفات ہو گئی۔ مدرسہ کے مخلص رکن اور بڑے درجہ کے مدرس کی کمی ہوئی۔ اللھم اغفر له مغفرة ظاهرة و باطنة۔ میں اس وقت چک نمبر ۴۰ فتح ریاست بہاولپور میں تھا۔ جب اطلاع ملی تو بہت غم زدہ ہوا اور جالندھر کا سفر کیا۔ مولانا کی تعزیت کی اور تسلی دی اور کچھ انتظام کیا۔ پھر واپس چک نمبر ۴۰ فتح میں چلا گیا۔

حضرت مولانا محمد علی جالندھریؒ کا استعفاء از خدمات مدرسہ بوجہ شمولیت سیاسیات:

اور مولانا مولوی محمد علی صاحب نے سیاسیات میں شمولیت کے سبب مدرسہ ہذا کی رکنیت اور تمام خدمات سے استعفاء دے دیا۔ یہ استعفاء ۷ ذی القعدہ ۱۳۵۸ھ میں دیا گیا تھا۔ اب تنہا مدرسہ کے اہتمام اور انتظام اور تعلیم کا بار خود احقر خیر محمد عفا اللہ عنہ پر پڑا۔ اس لئے مدرسہ کے مناسب حال دوسرے حضرات مدرسین کو بلا کر مدرسہ کو سنبھالا گیا۔ اور بحمد اللہ اب تک چل رہا ہے۔ سینکڑوں طلباء فارغ التحصیل ہوئے۔ بجز ایک سال کے ہر سال دورہ حدیث ہوتا رہا۔ احقر کے پاس صحیح بخاری اور ترمذی شریف زبردس رہیں۔ ہر سال اکابر علماء دارالعلوم دیوبند سے تشریف لاتے رہے۔ نیز ہر سال سالانہ جلسہ پر علماء دیوبند ہندوستان و پاکستان سے تشریف لاکر مدرسہ و جلسہ کو رونق دیتے رہے۔“

حضرتؒ والّا کا حضرت حکیم الامتؒ کے ارشاد پر تازیت عمل:

”بفضلہ تعالیٰ حضرت والّا نے حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے نصائح پر تازیت پورا پورا عمل کیا۔ اور مدرسہ کی مالی ضروریات پورا کرنے کا دار و مدار کسی سرمایہ دار فر دیا جماعت پر نہیں رکھا۔ بلکہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ پر توکل کیا اور اسی کی طرف نظر رکھی۔ اور بحمد اللہ ہمدردان اسلام اور خیر خواہ حضرات تعلیم دینی، ثواب آخرت اور حق تعالیٰ کی رضاء کے لئے بطیب خاطر مدرسہ کی مالی امداد فرماتے رہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ہی مدرسہ کا کام باحسن وجوہ چلتا رہا۔ اور بفضلہ تعالیٰ اب بھی اسی طرح جاری ہے۔ اور حضرت والّا کے صاحبزادہ حضرت مولانا حافظ محمد شریف صاحب جالندھریؒ مہتمم مدرسہ انہی اصول و قواعد پر پورا

۱۔ باب (۹) میں حسب تحریر (اق) معلوم ہوا کہ سال انقلاب ۱۹۳۷ء میں بھی دورہ حدیث شریف ہوا۔ اس لئے معلوم نہ ہو سکا کہ نامہ کس سال ہوا شاید کسی ابتدائی سال میں ہوا ہو۔ (۱۲)

۲۔ ابق جنمیر لیر۔

پورا عمل فرماتے رہے۔ فالحمد لله على ذلك كثيرا كثيرا۔“

”حضرت والاؒ کو حضرت حکیم الامتؒ کے نصح پر عمل کا اتنا اہتمام تھا کہ مدرسہ کے آئین و قواعد کی دفعہ نمبر ۸ پر مالیات مدرسہ کے ضمن میں تحریر فرمایا:

(الف) مدرسہ خیر المدارس کی مالی ضروریات کے تکفل کا مدار عامۃ المسلمین کی توجہ اور اعانت پر ہوگا۔

(ب) اس ذیل میں ایسی امداد سے اجتناب کیا جائے گا جس سے مدرسہ خیر المدارس کے مقصد و مسلک کو ضعف پہنچنے کا احتمال ہو۔

(ج) مدرسہ خیر المدارس، مذکورہ اغراض کی تکمیل کے لئے صرف وہی ذرائع اختیار کرے گا جو از روئے شریعت اسلامی مستحسن یا مباح ہوں اور ایک دینی درسگاہ کے شایان شان ہوں۔ (آئینہ آئین و قواعد، ص ۱۶)

آپ نے دفعہ نمبر ۸ کی شق مذکور (ب) اور (ج) کو ملاحظہ فرمایا۔ اندازہ کیجئے کہ حضرت والاؒ نے اپنے شیخ کی نصیحتوں پر کس سختی اور پابندی سے عمل فرمایا۔“

مدرسہ کی سرپرستی:

حضرت حکیم الامت مولانا تھانویؒ نے مدرسہ خیر المدارس جالندھر کی سرپرستی بھی قبول فرمائی اور آپ مدرسہ خیر المدارس کے پہلے سرپرست تھے۔

حضرت والاؒ کا کمال تعلیم و تدریس اور شانِ انتظام:

حضرت والاؒ نے حسن تعلیم و تدریس اور خوبی اہتمام و انتظام مدرسہ کے لئے جس کمال جانفشانی اور تندہی سے خدمات دین انجام دیں، اس کی شہادت حضرت حکیم الامتؒ کی اس رائے سے ہوتی ہے کہ عارف باللہ حضرت مفتی محمد حسن صاحبؒ نے بحیثیت رکن مجلس شوریٰ خیر المدارس دورانِ قیام خانقاہ حضرت حکیم الامتؒ کو خط لکھا، جس میں کل مجلس شوریٰ خیر المدارس کی خواہش ظاہر کی کہ حضرت والاؒ (مولانا خیر محمد صاحبؒ) کے مشاہرہ میں دس روپے کا اضافہ ضرور ہونا چاہئے، تو آپ نے تحریر فرمایا:

”بعد الحمد والصلوة احقر اشرف علی نے اس معاملہ پر غور کیا۔ بے تکلف دل نے یہی شہادت دی کہ ترقی تنخواہ بمقدار مذکور مولانا کی توجہ و کارگزاری اور خدمت مدرسہ کے بہت ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ سے اُمید ہے کہ ان کی اعانت طیب قلب کی برکت سے مدرسہ کے ہر شعبہ میں ترقی ہوگی۔ والسلام۔ از تھانہ بھون رمضان ۱۱۶۱ھ۔“

نیز حضرت حکیم الامتؒ نے دس روپے حضرت والاؒ کی ترقی منظور فرما کر پانچ روپے کا نوٹ عطا فرمایا کہ پہلے دس روپے کے اضافہ میں نصف میں پیش کرنا ہوں۔ اور فرمایا کہ یہ میری مسرت عملی کی دلیل ہے کہ میں جیسے رائے مسرت سے

دے رہا ہوں، اس پر عمل بھی کر رہا ہوں۔ پھر فرمایا کہ مولانا خیر محمد صاحب کے کمال کے سامنے یہ ترقی کچھ نہیں۔

مدرسہ خیر المدارس جالندھر میں بزرگان دین کا ورودِ مسعود:

مدرسہ خیر المدارس کو ہمیشہ سے یہ خصوصی سعادت حاصل رہی ہے کہ بزرگان دین اور مشاہیر علماء ربانی اس میں تشریف لاتے رہے۔ بلکہ بعض حضرات نے اہل مدارس کی حوصلہ افزائی کی خاطر مدرسہ کی کتاب الرائے میں چند کلمات طیبات تحریر فرمائے تھے۔ مگر مشرقی پنجاب کے فسادات کی وجہ سے وہ محفوظ نہ رہ سکے۔ اس لئے صرف ان اکابر ملت کے اسماء گرامی تحریر کئے جاتے ہیں۔ جنہوں نے اپنے قدوم میں سنت لزوم سے مدرسہ خیر المدارس جالندھر کو اعزاز بخشا:

(۱) مجدد الملت حکیم الامت حضرت مولانا شاہ اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ العزیز

(۲) عارف باللہ فانی فی اللہ حضرت خواجہ عزیز الحسن صاحب مجذوب

(۳) عارف باللہ حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوری

(۴) شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی

(۵) محدث دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا سید اصغر حسین صاحب دیوبندی

(۶) ناظم تعلیمات دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا سید مرتضیٰ حسن صاحب

(۷) صدر مہتمم دارالعلوم دیوبند شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی

(۸) حضرت مولانا حافظ عبداللطیف صاحب، مہتمم مدرسہ مظاہر العلوم سہارن پور

(۹) حضرت مولانا عبدالحق صاحب مدنی، مہتمم مدرسہ شاہی مسجد مراد آباد

(۱۰) حضرت مولانا ابوالسعد محمد احمد صاحب، سجادہ نشین کنڈیاں (آئینہ آئین وقواعد)

مذکورہ بالا اکابر ملت نیز دوسرے بزرگان دین بھی مدرسہ خیر المدارس ملتان میں تشریف لائے۔ خیر المدارس

جالندھر و ملتان میں تشریف لانے والے ۶۳ حضرات کی خاصی طویل فہرست ماہنامہ ”الخیر“ (شعبان و رمضان ۱۴۰۷ھ) میں شائع ہوئی ہے۔ ان میں سے چند اکابر کے اسماء گرامی حسب ذیل ہیں:

(۱) حضرت مولانا سید محمد سلیمان صاحب ندوی

(۲) حضرت مولانا محمد عبدالشکور صاحب لکھنوی

(۳) حضرت مولانا رسول خان صاحب

(۴) حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب امرتسری (بانی جامعہ اشرفیہ لاہور)

- ۱۲۰
- (۵) حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی (شیخ الحدیث دارالعلوم الاسلامیہ ٹنڈوالہار)
- (۶) حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب (مفتی اعظم پاکستان، بانی دارالعلوم کراچی)
- (۷) حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی (شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ لاہور)
- (۸) حضرت مولانا عبدالرحمن صاحب کامل پوری
- (۹) حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب قاسمی (مہتمم دارالعلوم دیوبند)
- (۱۰) حضرت مولانا شمس الحق صاحب افغانی
- (۱۱) حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب سلیم پوری (میاں چنوں)
- (۱۲) حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب لدھیانوی
- (۱۳) حضرت مولانا احمد علی صاحب لاہوری، شیخ التفسیر
- (۱۴) تاج القراء حضرت مولانا قاری فتح محمد صاحب پانی پتی
- (۱۵) فضیلۃ الشیخ عبدالفتاح ابو غدہ حلبی رحمہ اللہ تلمیذ علامہ کوثری (ریاض، سعودیہ)
- (۱۶) حضرت مولانا سید محمد یوسف صاحب بنوری
- (۱۷) حضرت امیر شریعت مولانا سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری
- (۱۸) حضرت مولانا اعزاز علی صاحب، استاذ دارالعلوم دیوبند
- (۱۹) حضرت مولانا سید ابرار الحق صاحب دامت برکاتہم، خلیفہ مجاز بیعت از حضرت حکیم الامت (ہردوی، اٹلیا)
- (۲۰) حضرت مولانا فقیر محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ خلیفہ مجاز بیعت از حضرت حکیم الامت (پشاور)
- (۲۱) حضرت مولانا احتشام الحق صاحب تھانوی (خطیب پاکستان)
- (۲۲) حضرت مولانا مفتی خلیل احمد صاحب (گوجرانوالہ) مجاز بیعت مخدومنا حضرت مفتی محمد حسن صاحب
- (۲۳) حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی مدظلہ العالی (مہتمم دارالافتاء والارشاد، کراچی)
- (۲۴) حضرت مولانا مفتی محمود صاحب (ڈیرہ اسماعیل خان)
- (۲۵) حضرت مولانا عبدالحق صاحب (اکوڑہ ٹنک)
- (۲۶) حضرت مولانا محمد عبداللہ صاحب بہلوی (شجاع آباد)
- (۲۷) حضرت ڈاکٹر حفیظ اللہ صاحب دامت برکاتہم (نزیل مدینہ منورہ) خلیفہ مجاز بیعت مخدومنا حضرت مفتی محمد حسن صاحب مخدومی حضرت ڈاکٹر محمد عبدالحی صاحب سیدی مسیح الامت حضرت مولانا شاہ محمد مسیح اللہ صاحب

(۲۸) حضرت مولانا غلام حبیب صاحب چکوال

(۲۹) حضرت مولانا محمد عبداللہ صاحب درخواسی (خان پور)

تاہم یہ فہرست تو مختصر ہے ہی، لیکن ان حضرات کے علاوہ دوسرے متعدد اکابر کا ذکر ”الخیر“ میں بھی آنے سے رہ گیا ہوگا۔ جیسا کہ اس زمانہ کی ایک نادر الوجود ہستی کا ذکر ”الخیر“ میں آنے سے تورہ گیا، لیکن جامع الخیرات یعنی خود صاحب سوانح ہمارے حضرت والا نے ان کی تشریف آوری کا تذکرہ خادم کے عریضہ مورخہ ۱۱/۵/۱۳۸۳ھ کے جواب میں جو والا نامہ ۲۲/۵/۱۳۸۳ھ (۲۹ ستمبر ۱۹۶۳ء) کو وارد ہوا، اس میں تحریر فرمایا تھا۔ خادم کا عرض حال اور حضرت والا کا ارشاد ذیل میں نقل کیا جاتا ہے:

عرض حال: ”چند روز ہوئے حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحب مدظلہ العالی تشریف لائے ہوئے تھے۔“
ارشاد: ”کل یہاں بھی آئے اور مجھ سے بھی ملے تھے۔“

چنانچہ خیر المدارس ملتان میں تشریف لانے والے چند اکابر کی فہرست کے ختم پر مسک الختام کے طور پر آپ کا اسم گرامی درج کیا جاتا ہے:

(۳۰) سیدی و مولائی مسیح الامت جامع شریعت و طریقت حضرت مولانا شاہ محمد مسیح اللہ خان صاحب

(من اجلہ خلفاء حضرت حکیم الامت مجدد الملت تھانوی نور اللہ مرقدہ)

مدرسہ خیر المدارس جالندھر میں حضرت حکیم الامت تھانوی کی تشریف آوری:

۱۹۳۸ء میں جب حضرت حکیم الامت تھانوی دانت بنوانے کے لئے لاہور تشریف لائے تو لاہور پہنچنے کے بعد عارف باللہ حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب امرتسری، بانی جامعہ اشرفیہ لاہور، نے حضرت حکیم الامت سے دریافت فرمایا کہ اگر اجازت ہو تو مولانا خیر محمد صاحب جالندھری کو حضرت کی تشریف آوری کی اطلاع دے دوں۔
(عرض ہے کہ یہ سفر چونکہ حضرت حکیم الامت نے اپنے علاج کے لئے اختیار فرمایا تھا اس لئے اپنے خدام کو اس کے اخفاء کی زیادہ سے زیادہ تاکید فرمائی تھی۔ تاکہ لوگوں کے ہجوم سے حضرت حکیم الامت کو زحمت نہ ہو، اور اگر حضرت حکیم الامت ملاقات کی اجازت نہ فرمائیں تو اس سے عوام کو زحمت ہوگی۔ سفر کے اخفاء میں یہ مصلحت تھی)
حضرت مفتی محمد حسن صاحب امرتسری کے استفسار پر حضرت حکیم الامت نے ہنس کر فرمایا: ”میں کیوں منع الخیر بنوں۔ آپ چاہیں تو اطلاع دے دیں۔“ چنانچہ حضرت مفتی صاحب موصوف نے بذریعہ کارڈ حضرت والا کو مطلع فرمایا کہ

۱۔ روایت اق (جنفیر لیسر) یہ روایت خیر المدارس سے تعلق رکھتی ہے اس لئے اس باب میں لائی جا رہی ہے۔ دوسری روایت حضرت والا کی ”نقش حیات“ سے لیکر دونوں میں اصل واقعہ ایک ہونے کے باوجود کئی تفصیل ایک دوسرے سے زائد ہیں۔ جو مفید ہونے کے ساتھ دلچسپ بھی ہیں اس لئے ان شاء اللہ تعالیٰ تکرار کالغف آجگا۔ (۱۲)

حضرت اقدس حکیم الامت مولانا تھانوی ڈاکٹر جلال الدین صاحب کی کوٹھی پر مقیم ہیں۔ آپ کو ملنے کی اجازت ہے، بشرطیکہ نہ تو کسی کو ساتھ لائیں اور نہ ہی کسی کو اطلاع دیں۔

حضرت والا کو جب حضرت مفتی صاحب موصوف کا کارڈ موصول ہوا، اس وقت حضرت والا مدرسہ سے ایک ضروری کام کے لئے جانے والے تھے۔ کارڈ دیکھتے ہی حضرت والا کو کچھ ایسی حیرت ہوئی جیسے سکتہ ہو گیا ہو۔ خود فرماتے ہیں: ”سوچتا تھا کہ یا اللہ مدت سے تو حضرت والا نے سفر ترک فرما دیا ہے اور آجکل گرمی بھی شدت کی پڑ رہی ہے۔ یہ خبر میں کیا پڑھ رہا ہوں۔ مولوی محمد حسن صاحب کے خط کو پہچانتا تھا، اس کی بھی تکذیب نہیں ہو سکتی۔ آخر الامرجب تشریف آوری کا یقین ہو گیا تو اتنے دنوں کی محرومی پر بے حد افسوس ہوا۔ پھر دل کو تسلی دی کہ اب جو اطلاع آئی ہے یہ تیرا کونسا استحقاق تھا۔ یہ سب ان کا انعام ہے۔ یہ سوچا کہ لاہور جانے والی گاڑی میں صرف آدھ گھنٹہ باقی ہے۔ اگر مکان جانے کا ارادہ ترک کر کے فوراً لاہور چلا گیا تو اس میں قباحتیں ہیں۔ ایک تو دل میں کام کا خیال لگا رہے گا، دوسرے مدرسہ اور گھر والوں کو تردد ہوگا کہ کیوں اس قدر عجلت میں لاہور چلا گیا۔ اس سے کہیں حضرت کے قیام کا افساء نہ ہو جائے۔ اس لئے اس وقت مکان پر چلا گیا اور دوسرے روز جانے کا ارادہ کیا۔“

اگلے روز جب حضرت والا لاہور پہنچے اس وقت حضرت حکیم الامت نماز مغرب اور ادا میں سے فارغ ہو کر بڑے کمرے میں تشریف فرما تھے۔ حضرت والا نے کمرے میں داخل ہو کر بڑے ادب سے سلام کیا۔ حضرت حکیم الامت نے انتہائی شفقت سے گلے لگا لیا اور معانقہ فرمایا۔ اور پھر مصافحہ سے فارغ ہوتے ہی ہنس کر فرمایا کہ میں نے کہا تھا ”میں کیوں مَنَاعٌ لِلْخَيْرِ بنوں۔“ حضرت حکیم الامت کے ان الفاظ سے حضرت والا کے قلب مبارک میں عجیب کیفیت پیدا ہوئی۔ حضرت والا نے عرض کیا کہ میں نے ابھی مغرب کی نماز ادا نہیں کی۔ حضرت حکیم الامت نے فرمایا ہا ہر صف، پڑھ لیجئے۔ نماز سے فارغ ہو کر جب حضرت والا کمرے کے اندر تشریف لائے تو حضرت حکیم الامت نے فرمایا کہ یہ دودھ برف آپ کے لئے رکھا ہے، آپ بھی کھائیے۔

امر تر جانے سے ایک روز قبل حضرت والا نے حضرت حکیم الامت سے عرض کیا کہ جس سال حضور والا نے سفر بند فرمایا اس سال سفر بند کرنے سے قبل مدرسہ کے جلسہ کے وقت جالندھر تشریف لانے کے بارے میں فرمایا تھا کہ اگر میں پنجاب کا سفر کر سکتا تو سب سے پہلے جالندھر آتا۔ اب حسن اتفاق سے حضور والا لاہور تشریف لے آئے ہیں، اس لئے مودبانہ درخواست ہے کہ جالندھر تشریف لے چلیں اور وہاں کی سرزمین کو بھی سرفرازی کا شرف عطا فرمائیں۔ اس پر حضرت حکیم الامت نے فرمایا: کَلَامُ اللَّيْلِ يَمُحُوهُ النَّهَارُ (یعنی رات کی بات کو دن مٹا دیتا ہے۔ آ۔) جی میرا بھی چاہتا ہے۔ مولوی شبیر علی (صاحب تھانوی) سے دریافت کر لیں جس میں سفر کا خرچ نہ ہوتا ہو۔

چنانچہ یہ طے پایا کہ حضرت حکیم الامتؒ ۱۵/ربیع الاول ۱۳۵۷ھ پانچ بجے لاہور سے سوار ہو کر ساڑھے آٹھ بجے شب جالندھر میں رونق افروز ہوں گے اور شب میں قیام فرما کر اگلے روز صبح سہارن پور روانہ ہو جائیں گے۔

جب حضرت حکیم الامتؒ جالندھر پہنچے تو حضرت والاؒ نے آپ کے لئے محکمہ زراعت کے ایک افسر کی کار کا بندوبست کیا تھا۔ استقبال کرنے کے لئے ہزاروں کی تعداد میں پہلے سے مجمع موجود تھا۔ اور آپ کی تشریف آوری پر ملک کے مشہور فارسی شاعر مولانا عزیز الدین عظامی نے ایک خیر مقدم بھی تیار کیا تھا، جس کے چند اشعار بطور تبرک یہاں نقل کئے جاتے ہیں:

چہا خیر المدارس بر سر بخت خودش نازد کہ مے دارد حکیم الامت آں اشرف علی مہمان
رسد گر مے خورم سو گند خاک پاک جالندھر کہ گشتہ سرزمینش مطلع نور مہ عرفان
چہ مے پر سی عظامی نسبت ایں شہر و ایں مکتب ہمانا شہر جسم آمد در آں جسم است مکتب جان

حضرت حکیم الامتؒ جب خیر المدارس پہنچے تو مدرسہ اور مسجد تمام زائرین سے بڑھ تھی۔ عشاء کی اذان ہو چکی تھی۔ حضرت حکیم الامتؒ نے وضو فرمایا اور نماز پڑھ کر مسجد کے سامنے مکان کی چھت پر تشریف لے گئے۔ وہاں سولہ مترہ علماء و صلحاء کے ساتھ جو حضرت والاؒ کی طرف سے مدعو تھے، کھانا تناول فرمایا۔ اس کے بعد اسی صحن میں استراحت فرمائی۔ حضرت والاؒ نے اپنی چار پائی حضرت حکیم الامتؒ کی چار پائی کے قریب بچھائی، تاکہ حضرت حکیم الامتؒ کو آرام پہنچا سکیں۔ (اور کوئی ضرورت ہو تو اس کا انتظام کر سکیں)

صبح نماز فجر سے فارغ ہونے کے بعد حضرت حکیم الامتؒ نے حضرت والاؒ سے فرمایا کہ پہلے اوپر چلنا چاہئے، کیونکہ چھت پر بہت سی مستورات تھیں اور سب بیعت کی متمنی تھیں۔ حضرت حکیم الامتؒ نے فرمایا کہ صرف وہی مستورات بیعت ہو سکتی ہیں جنہوں نے اپنے شوہروں سے اجازت لی ہے۔ اس کے علاوہ دوسری مستورات بیعت نہیں ہو سکتیں۔ پھر مستورات کو پس پردہ بیعت فرمایا۔

اس کے بعد مسجد میں تشریف لے گئے جہاں زائرین کا مجمع تھا۔ مجمع کی کثرت کی وجہ سے ہر شخص اٹھ کر حضرت حکیم الامتؒ کی زیارت کرنا چاہتا تھا۔ اس لئے عرض کیا گیا کہ ”اگر حضور والا کرسی پر تشریف رکھنا منظور فرمائیں تو سب اپنی اپنی جگہ بیٹھے آسانی سے زیارت سے مشرف ہو سکیں گے۔“

اس پر حضرت حکیم الامتؒ نے فرمایا: ”یہ میری عادت نہیں اور منقول بھی نہیں۔ البتہ بیان کی حالت میں تو منقول ہے۔“ تھوڑی دیر بعد مجمع کی کثرت دیکھ کر دوبارہ عرض کیا گیا کہ اگر چار پائی کی اجازت ہو تو منگوالی جائے۔ فرمایا: ”ہاں! اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔ یہ دیہاتی وضع ہے۔ نیز اس پر میں اکیلا نہ بیٹھوں گا، دو چار اور بھی ہوں گے۔“ چنانچہ

چار پائی آنے کے بعد حضرت والا اور حضرت مفتی محمد حسن صاحب امرتسری سے فرمایا کہ آپ بھی اسی چار پائی پر بیٹھ جائیں۔ کیونکہ مجھے تنہا مجمع میں اونچا بیٹھنے سے شرم محسوس ہوتی ہے۔ چنانچہ حسب الحکم یہ دونوں حضرات چار پائی کی دوسری جانب بیٹھ گئے۔ ایک گھنٹے تک حضرت حکیم الامت حاضرین کو اپنے ملفوظات طیبات سے مستفید فرماتے رہے۔ آخر میں سب حاضرین مجلس کے مقاصد حسنہ میں کامیابی کے لئے دُعا فرمائی۔ اس طرح یہ مبارک مجلس برخواست ہوئی۔

اس کے بعد حضرت حکیم الامت بالا خانے پر تشریف لے گئے اور حضرت والا کی درخواست پر صاحبزادہ مولانا عبدالحق (سابق نائب مہتمم مدرسہ خیر المدارس ملتان) کو پند نامہ عطار کی بسم اللہ کرائی گئی۔ پھر مدرسہ سے چل کر ریلوے روڈ پر تشریف لے گئے۔

حضرت والا فرمایا کرتے تھے کہ جس مکان میں حضرت حکیم الامت نے قیام فرمایا تھا بلا مبالغہ تقریباً ایک ماہ تک اس کے در و دیوار سے انوار محسوس ہوتے رہے۔ واقعی صحیح ہے کہ۔

در منزلیکہ جاناں روزے رسیدہ باشد : بہ خاک آستانش داریم مرحبائی

تأثرات حضرت مجذوب صاحب بابت خیر المدارس

عارف باللہ حضرت خواجہ عزیز الحسن صاحب مجذوب رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ایک بار خیر المدارس میں قدم رنجہ فرمایا تھا۔ دوسری بار حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی کے وصال کے بعد امرتسر سے جالندھر تشریف لانے والے تھے کہ اچانک سخت بیمار پڑ جانے کے بعد امرتسر ہی سے واپس وطن تشریف لے گئے اور پھر اسی مرض میں انتقال فرما گئے۔ غالباً یہی سبب تھا کہ ایک بار خیر المدارس ملتان کے سالانہ جلسہ میں حضرت خواجہ صاحب کے یہی تاثرات پڑھے جا رہے تھے۔ جب پڑھنے والا اس مقطع پر پہنچا کہ۔

یہ احوال سن کر ہے مجذوب خواہاں

کہ دیکھے وہ اک بار خیر المدارس

تو احقر نا چیز و نا کارہ نے حضرت والا کو بصد غور دیکھا کہ حضرت والا مذکورہ شعر سنتے ہی بے اختیار اشک بار ہو گئے۔ اور کافی دیر حضرت والا کے چہرہ انور پر اس کا اثر نمایاں رہا۔ غالباً یہ واقعہ یاد آ گیا ہوگا۔ اب حضرت خواجہ صاحب کے تاثرات پر مشتمل لظم پیش کرتا ہوں۔ حضرت خواجہ صاحب رحمہ اللہ کی عادت مبارک تھی کہ جو کچھ دیکھتے من و عن وہی بیان فرماتے تھے۔ مبالغہ کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ چنانچہ خود فرمایا تھا ع

مجذوب ہرچہ گوید دیدہ گوید

بفضلہ تعالیٰ اب قارئین کرام کو اندازہ ہوگا کہ یہ محض شاعری نہیں، بلکہ بجز اللہ خیر المدارس جان دھران اوصافِ
 حسد سے متصف تھا اور خیر المدارس ملتان میں اب بھی محاسن و اوصاف موجود ہیں۔ فالحمد لله علی ذلک کثیراً کثیراً۔
 اب حضرت خواجہ صاحب کے اشعار پڑھئے اور سردھنئے:

عجب ہے پُر انوار خیر المدارس	خدا کا ہے گلزار خیر المدارس
یہاں پڑھنے والے ہیں سب اہل سنت	نبی ﷺ کا ہے بازار خیر المدارس
طریق سلف پر ہے یہ چلنے والا	ہے بدعت سے بیزار خیر المدارس
پڑھاتا ہے علم اور سکھاتا ہے تقویٰ	بناتا ہے ویندار خیر المدارس
یہاں مجمع اہل علم و عمل ہے	یہ ہے بزم اختیار خیر المدارس
بچے نصرت و حفظ دیں ہے یہ گویا	سپر اور تلواریں خیر المدارس
یہ ہے خیر جاری کہ علم و عمل کے	بہاتا ہے انہار خیر المدارس
چلو اہل خیر اجر کی ہے یہ منڈی	جزا کا ہے بازار خیر المدارس
نہیں لیتا چندہ بلا طیب خاطر	کسی پر نہیں بار خیر المدارس
کے منافع کارساز حقیقی	ترے سارے افکار خیر المدارس
رہے حق پہ تو تا قیامت سلامت	بایں نیک اطوار خیر المدارس
مگر سر پہ ہے ظل اشرف جو تجھ پر	برستے ہیں انوار خیر المدارس
جو بانی ہیں خیر محمد تو پھر کیوں	نہ ہو نیک آثار خیر المدارس

یہ احوال سن کر ہے مجذوب خواہاں
 کہ دیکھے وہ اک بار خیر المدارس

باب ہشتم

رکنیت مجلس شوریٰ دارالعلوم دیوبند

اس سلسلہ میں حضرت والاؒ تحریر فرماتے ہیں:

”جاندھر کے قیام کے زمانہ میں دارالعلوم دیوبند سے، پہلے مدزسی کے لئے ۶/ رجب ۱۳۶۲ھ (مطابق ۹/ جولائی ۱۹۴۳ء) میں دعوت نامہ آیا جو منظور نہ کیا گیا۔ پھر مجلس شوریٰ کی رکنیت پیش کی گئی، جو ۲۰/ جمادی الاولیٰ ۱۳۶۳ھ (مطابق ۳ مئی ۱۹۴۳ء) میں منظور کر لی گئی۔ چنانچہ بہت مرتبہ دارالعلوم دیوبند مجلس شوریٰ میں جانا ہوا۔ یہ سلسلہ انتقال مکانی تک برابر جاری رہا۔ چنانچہ تقسیم ملک کے بعد جب ملتان آئے تو یہاں سے استعفیٰ بھیج کر اپنے آپ کو رکنیت سے فارغ کر لیا گیا۔“

ذیل میں مخدومنا حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب ”مہتمم دارالعلوم دیوبند کے گرامی نامہ کی نقل درج کی جاتی ہے، جو اولاً حضرت والاؒ کو دارالعلوم میں تدریس یا افتاء کی خدمت قبول فرمانے کے لئے ارسال کیا گیا تھا۔ اس سے اندازہ ہوگا کہ حضرت قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے قلب میں حضرت والاؒ کی کیا وقعت و عظمت رہی ہے۔ اور کیسے داعیہ قلب کے ساتھ دعوت دے رہے ہیں۔“

نقل گرامی نامہ حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب ”مہتمم دارالعلوم دیوبند“

دارالعلوم دیوبند میں دارالافتاء یا تدریسی خدمت کے لئے تشریف آوری کی پیشکش

”اس وقت جلسہ کی حاضری کا بے حد شوق کچھ اپنی ضرورتوں سے بھی زیادہ تھا۔ اور خیال تھا کہ زبانی تفصیل سے عرض کروں گا۔ گواجمالاً ایک دفعہ عرض بھی کر چکا ہوں، مگر اب بجز تحریر کے چارہ کار نہیں۔ میری سابقہ عرض داشت کا حاصل یہ تھا کہ دارالعلوم میں ہر فن کے منتخب فضلاء جمع کرنے کی آرزو میری بہت قدیمی ہے۔ لیکن درمیانی مدت کشاکشی اور دو عملیوں میں بسر ہوئی ہے۔ جس سے دل کے جذبات دل ہی میں رہ گئے۔ اب دارالعلوم کی ضروریات مجبور کر رہی ہیں کہ ایسے فضلاء کی طرف ہاتھ بڑھایا جائے جو اپنے علم و عمل اور صلاح و تقویٰ کے لحاظ سے دارالعلوم کی مرکزی شان کے مناسب ہوں۔ مگر نگاہ قلبی داعیہ کے ماتحت جناب کی ذات گرامی پر عرصہ سے ہے۔ اور جی چاہتا ہے کہ آپ کے فیوض و برکات دارالعلوم میں پہنچ کر زیادہ سے زیادہ دنیائے اسلام میں منتشر ہوں۔ اس بناء پر میں درخواست کرتا ہوں کہ اب کے شوال (۱۳۶۲ھ) سے

جناب دارالعلوم کے قیام کا تہیہ فرمائیں۔ یہاں دو ہی خدمتیں ہو سکتی ہیں جو آپ کے متعلق ہوں۔ یا خدمت افتاء یا تدریس۔ چونکہ اس وقت نجی طور پر محض منشاء معلوم کرنے کے لئے عریضہ لکھ رہا ہوں، اس لئے امید ہے کہ آپ نجی ہی طور پر اس سے بھی مطلع فرمائیں گے کہ ان میں سے کونسی خدمت آپ کی طبیعت کے موافق ہوگی، جسے آپ انشراح کے ساتھ انجام دے سکیں گے، اور یہ کہ وہاں سے آنے میں کوئی خاص دشواری ایسی تو نہیں ہے کہ جناب کو اس سے مضرت پہنچے۔ امید ہے کہ جواب باصواب سے جلد مطلع فرمائیں گے، اھ۔

(محمد طیب، مہتمم دارالعلوم دیوبند) ۶/۷/۶۳ھ

حضرت والاہی کے الفاظ میں:

”میں نے مقامی ضرورتوں کی وجہ سے عذر لکھا جو منظور کر لیا گیا۔ پھر اس کی بجائے رکنیت قبول کر لی گئی۔“

پیشکش رکنیت دارالعلوم دیوبند:

”نقل خط حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب، مہتمم دارالعلوم دیوبند“

حضرت المحترم زید مجدکم السامی

بعد سلام مسنون عرض ہے۔ دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ منعقدہ ۱۶/جمادی الاولیٰ ۱۳۶۳ھ نے جناب کا اسم گرامی رکنیت مجلس شوریٰ کے لئے منتخب کر کے پاس کیا ہے۔ اس لئے ملتس ہوں کہ مجلس کے اس انتخاب کو قبول فرما کر منظوری سے اطلاع فرمائی جائے۔ اور مجلس کے جلسوں میں جو سال بھر میں دو دفعہ منعقد ہوتے ہیں، شرکت فرما کر مفید مشوروں سے خدام دارالعلوم کو ممنون فرمایا جاوے۔ جناب کی ذات گرامی کا سفر خرچ آمد و رفت ہر جلسہ کے موقع پر دارالعلوم کے ذمہ ہوگا۔ جبکہ جناب پرچہ مصارف دے کر طلب فرمائیں گے۔ میری مکرر درخواست ہے کہ جلسوں کی شرکت سے گریز نہ فرمایا جائے۔ کیونکہ ممبری کا مقصد محض نام اور نامزدگی نہیں بلکہ کام ہے اور وہ یہ ہے کہ دارالعلوم کے معاملات سے باخبر رہ کر کارکنوں کو مشورہ اور رائے سے امداد دیا جانا، ان کے تفکرات میں ہاتھ بٹانا اور جو عمل میں مبتلا ہیں ان سے معاملات کا صحیح علم حاصل کر کے اس پر رائے قائم اور ان کی اعانت فرمانا ہے۔ یہ بغیر جلسوں میں آئے بلکہ موقع بموقع یوں بھی دارالعلوم میں تشریف لا کر یہاں کے حالات و ضروریات سے مطلع ہونے کے ممکن نہیں۔ اس لئے میری سہ کرر درخواست ہے کہ کم از کم جلسوں کے مواقع پر تو شرکت اشد ضروری ہے۔

والسلام

محمد طیب، مہتمم دارالعلوم دیوبند۔ ۲۰/۵/۶۳ھ

نوٹ: حضرت والا کی بیاض (قلمی نقش حیات) میں مندرجہ ذیل دو یادداشتیں ملیں:

(۱) ”رکنیت بندہ مجلس شورائی دارالعلوم دیوبند مورخہ ۱۶/ جمادی الاولیٰ ۱۳۶۳ھ، منظوری ۲۸ جمادی الاولیٰ ۱۳۶۳ھ“

(۲) ”اجلاس مجلس شورائی دیوبند ۲۹-۳۰/ ذیقعدہ ۱۳۶۵ھ مطابق ۲۶-۲۷/ اکتوبر ۱۹۴۶ء“

استعفیٰ از رکنیت مجلس شورئی دارالعلوم دیوبند:

مجلس شورئی کے رکن منتخب ہونے سے تقریباً ساڑھے چھ سال بعد یعنی جب حضرت والا پاکستان کو ہجرت فرما چکے تھے اور اسی تاریخ کو جس کو مدرسہ خیر المدارس کا ملتان میں اجراء ہوا، یعنی ۲۲/ ذی قعدہ ۱۳۶۹ھ مطابق ۸/ اکتوبر ۱۹۴۷ء کو آپ دارالعلوم دیوبند کی رکنیت سے استعفاء دیوبند ارسال فرما کر مستعفی ہو گئے۔ کیونکہ تقسیم ملک کے بعد دیوبند کا سفر اختیار کرنے میں موانع اور دشواریاں تھیں، اور مدرسہ خیر المدارس ملتان میں نشاۃ ثانیہ کی ذمہ داریاں تھیں۔

باب نہم

ہجرت پاکستان اور خیر المدارس ملتان

فسادات مشرقی پنجاب:

ہجرت کا پورا واقعہ بھی مختصراً حضرت والاؒ ہی کے الفاظ میں ملاحظہ فرمائیے:

”۱۴/ اگست ۱۹۴۷ء (مطابق ۲۶ رمضان المبارک ۱۳۶۶ھ) کو پاکستان معرض وجود میں آیا۔ جالندھر اور نواح میں ۱۵/ اگست ۱۹۴۷ء مطابق ۲۷/ رمضان المبارک ۱۳۶۶ھ بروز جمعہ الوداع فسادات کا آغاز ہوا۔ عید الفطر کے بعد ایک ڈاکٹر کے ہمراہ برخوردار حافظ رشید احمد سلمہ اور مولوی نور محمد صاحب غزنوی کو جالندھر میں مدرسہ خیر المدارس بھیجا گیا، تاکہ وہاں سے نقدی اور کچھ ضروری سامان لایا جائے۔ وہ دونوں جب مدرسہ پہنچ کر ہمارے مکان کے بالا خانہ پر جانے لگے تو کسی سکھ نے بندوق چھوڑی۔ قدرۃً یہ بچ گئے۔ پھر نیچے مدرسہ میں آ کر انہوں نے جلدی سے پٹنی کھول کر نقدی ساڑھے پانچ ہزار روپیہ اور کچھ زیورات نکال کر ڈرتے ڈرتے حوض والی مسجد میں بند رہے۔ پھر شام کو بستی غذاں سے ہوتے ہوئے دیہاتی راستوں سے عمر وال بلہ پہنچے۔ اور ہماری چوٹی صندوقی اٹھا کر بستی غذاں میں رکھ آئے تھے۔ وہ چمڑہ والوں کے ساتھ مال روڈ لاہور ڈاکٹر عزیز احمد صاحب کی کونٹھی پر پہنچ چکی تھی۔“

مورخہ ۱۹/ شوال ۱۳۶۶ھ مطابق ۵/ ستمبر ۱۹۴۷ء بروز جمعہ عمر وال بلہ سے بوقت شام ہجرت کی۔ پہلی رات بیٹ کے اکثر دیہاتوں میں سنگوال کے کھیتوں میں گزاری۔ صبح کو وہاں سے تمام روانہ ہو کر مہت پور سے گزرتے ہوئے نکودر کیمپ میں پہنچے جو ہائی سکول اسٹیشن کے قریب قائم ہوا تھا۔ وہاں کافی دن ٹھہرنا ہوا۔ حضرت مولانا محمد حسن صاحب امرتسری کی تحریک سے ایک ٹرک غلام رسول ہزاروی کا کنواری کے ساتھ نکودر کیمپ گیا۔ راستہ میں..... صاحب نے اس سے کچھ سودا کر لیا تھا۔ وہ پہلے مہت پور کیمپ گیا اور ساندہ والوں کو لے کر رات کے بارہ ایک بجے واپس نکودر کیمپ آیا۔ احقر اور مستورات اس پر بمشکل سوار ہو سکے۔ اسی طرح حضرت مولانا مفتی فقیر اللہ صاحب مدظلہ اور ان کی مستورات سوار ہوئیں۔ میرے تینوں لڑکے رشید احمد، محمد شریف، عبدالحق سلمہم اللہ ہمارے ٹرک کے پیچھے لٹک گئے۔ ظہر کی نماز جالندھر کے اڈہ پر پڑھی۔ عصر

۱۔ انسوس ہے۔ حضرت والا کے وصال سے کچھ عرصہ بعد ہی آپ بھی رحلت فرمائے۔ باب ۱۹ (اہل میاں) میں تفصیل آرہی ہے (۱۲)

۲۔ بیٹ غالباً علاقہ کا نام ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ عبارت میں کچھ سمجھ اور تقدیم و تاخیر ہو گئی ہے۔ شاید عبارت یوں ہوگی ”پہلی رات علاقہ بیٹ میں سنگوال کے دیہات کے کھیتوں میں گزاری۔ واللہ اعلم (۱۲)“

۳۔ اس وقت حضرت مولانا بقیہ حیات تھے۔ (۱۲)

۴۔ حضرت مولانا محمد شریف جالندھری مکہ مکرمہ میں رحلت فرمائے اور حال میں حضرت مولانا عبدالحق صاحب بھی رحلت فرمائے۔ واللہ اعلم اللہم افرلہما (۱۲)

مغرب کی نماز ایک جگہ راستہ پر پڑھی۔ رات کے دس بجے امرتسر سے دس میل پہلے ایک جوہڑ پر تمام کنواری اور قافلہ نے رات گزاری۔ علی الصبح نماز اور دعاء کے بعد وہاں سے چلے۔ ٹرک والوں نے یہ کہا کہ امرتسر کا گزرنا خطرناک ہے، اس لئے ٹرک تیز چلیں گے۔ کوئی اوپر سمت اٹھائے۔ چنانچہ ٹرک بہت تیزی کے ساتھ امرتسر سے گزرے۔ سڑک کے دونوں طرف سکھوں کی قطاریں قائم تھیں، مگر بھم اللہ ہم لوگ سلامتی سے گزر گئے۔ کسی نے حملہ نہیں کیا۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ۲۱/ ستمبر ۱۹۳۷ء بروز یکشنبہ مطابق ۵/ ذیقعدہ ۱۳۶۶ھ ہمارے ٹرک لاہور پاکستان کی سرحد میں داخل ہوئے۔

اقامت نکودر کیمپ:

مورخہ ۲۰ شوال ۱۳۶۶ھ مطابق ۶ ستمبر ۱۹۳۷ء بروز یکشنبہ کیمپ میں داخلہ ہوا۔ ۳/ ذی قعدہ ۱۳۶۶ھ مطابق ۱۹/ ستمبر ۱۹۳۷ء بروز جمعہ شام کیمپ سے روانگی کا ارادہ ہوا۔ ۳/ ذی قعدہ ۱۳۶۶ھ مطابق ۲۰/ ستمبر ۱۹۳۷ء بروز شنبہ علی الصباح کیمپ سے روانگی ہوئی۔ اور ۲۱/ ستمبر ۱۹۳۷ء بروز یکشنبہ شام پہنچنا ہوا۔ اس حساب سے ہمارا قیام کیمپ میں ۱۳/ دن ہوا۔ ہائی ہمارے رفقاء کیمپ تقریباً دو ماہ یا پونے تین ماہ کیمپ نکودر میں رہ کر بڑی تکالیف برداشت کر کے لاہور پہنچے۔

تولد پوتی:

بندہ کی پوتی اور چھوٹے بھائی مولوی حافظ غلام محمد صاحب مرحوم کی نواسی برخوردار عبدالحق سلمہ اور عزیزہ مرحومہ کی بیٹی بریرہ، ہائی سکول نکودر کیمپ میں بتاریخ ۲۲ شوال ۱۳۶۶ھ مطابق ۸/ ستمبر ۱۹۳۷ء بروز دو شنبہ پیدا ہوئی۔

لاہور:

مورخہ ۵/ ذی قعدہ ۱۳۶۶ھ مطابق ۲۱/ ستمبر ۱۹۳۷ء بروز یکشنبہ شام کے وقت لاہور پہنچنا ہوا۔ چودھری محمد علی صاحب ایکسین محکمہ نہر کی معرفت ریس کورس روڈ لاہور کی کوشی نمبر ۱۵/ میں بندہ بمعہ اہل و عیال کے ٹھہرا۔ اور حضرت مولانا فقیر اللہ صاحب بمعہ اپنے بچوں کے دوسری جگہ مقیم ہوئے۔ جس کوشی میں مجھے ٹھہرایا گیا تھا اس کے ایک حصہ میں چودھری ولی محمد صاحب گوہر سکنتہ پر جیاں کلاں مجھ سے پہلے ٹھہرے ہوئے تھے۔ تقریباً ۱۰/ یوم اس کوشی میں ٹھہرنا ہوا۔

برخورداری..... بنت برخوردار محمد شریف سلمہ اسی کوشی میں خدیجہ سلمہا سے مورخہ ۶/ ذی قعدہ ۱۳۶۶ھ مطابق ۲۲ ستمبر ۱۹۳۷ء بروز دو شنبہ پیدا ہوئی۔ انہی ایام میں حضرت مولانا محمد حسن صاحب امرتسری اور حضرت مولانا احمد علی صاحب بھی ملے۔ جامعہ اشرفیہ کی عمارت ان دنوں الاٹ ہو رہی تھی۔ مولانا امرتسری کا ارادہ تھا کہ امرتسر و جالندھر کے ہر دو مدرسوں کو یکجا کر کے جامعہ اشرفیہ شروع کیا جائے۔ چنانچہ زمیندار اخبار میں اشتہار دیا گیا۔ اور ایک دو روز داخلہ بھی شروع کیا۔ مگر کچھ بعد دیگرے مولانا محمد علی صاحب جالندھری ملتان سے اور مولانا حکیم حافظ عبدالمجید صاحب لائل پور سے لاہور پہنچے۔ اور ہر ایک

نے اپنے شہر میں لے جانے کا تقاضا کیا۔ آخر فیصلہ حضرت مولانا فقیر اللہ صاحب مدظلہ کی رائے پر رکھا گیا۔ آپ نے فرمایا کہ لائل پور میں نئی روشنی زیادہ ہے۔ ملتان میں پرانا مذاق ہے۔ لہذا ملتان کو ترجیح دی گئی اور اس طرح ملتان کی تیاری شروع ہوئی۔

ملتان:

لہذا شام کے وقت ریل گاڑی میں سوار ہو کر مورخہ ۱۵/ ذی قعدہ ۱۳۶۶ھ مطابق یکم اکتوبر ۱۹۴۷ء بروز چہار شنبہ ملتان پہنچنا ہوا۔ ایک رات مسجد سراجاں حسین آگاہی ملتان میں بہت تنگی سے قیام رہا۔ دوسرے روز ایک پاس والے مکان میں، تیسرے روز جنرل ہسپتال حسین آگاہی کی ہر دو عمارتیں الاٹ ہوئیں۔ ایک میں ہم اور دوسری میں حضرت مولانا فقیر اللہ صاحب کا کنبہ۔ زمین الاٹ کرانے کے لئے مولانا محمد علی صاحب اور خان محمد مظہر خان صاحب کی معیت میں تلاش کر کے بستی نو کو اختیار کیا گیا۔ اور چاہ سمندری والے کی اراضی الاٹ ہوئی اور کچھ مویشی بھی ملے اور کچھ کھڑی فصل بھی ملی۔

اجراء مدرسہ خیر المدارس ملتان

”مورخہ ۲۲/ ذی قعدہ ۱۳۶۶ھ مطابق ۸/ اکتوبر ۱۹۴۷ء بروز چہار شنبہ جنرل ہسپتال حسین آگاہی ملتان کی عمارت میں مدرسہ کا نشاۃ ثانیہ ہوا۔“

مدرسہ خیر المدارس کے بارے میں ان شاء اللہ کچھ تفصیل آگے آ رہی ہے۔

تمہ ہجرت:

اس کے بارے میں حضرت والا رقم فرماتے ہیں:

”بستی نو:

بستی نو میں مکان الاٹ ہونے کے بعد ہم نے بچوں کو بستی نو پہنچا دیا۔

گیان تھلہ و باولی:

مورخہ ۱۸/ ذی الحجہ ۱۳۶۶ھ مطابق ۲ نومبر ۱۹۴۷ء بروز اتوار گیان تھلہ اور باولی کی عمارت پر قبضہ ہوا۔ مگر موقع پر قبضہ نہ ہو سکنے کی وجہ سے کچھ حصہ باولی کا عبدالرحیم جالندھروا لے کے قبضہ میں آ گیا۔ اور اسی کے پاس رہا۔“

۱۔ مسجد نبوی شریف میں بروز دو شنبہ ۱۵ محرم ۱۳۹۹ھ مطابق ۲۵ دسمبر ۱۹۷۵ء کو بعد نماز عصر مواجہہ شریفہ میں سلام پیش کر کے روضہ الحجۃ میں جینہ کر لفظ ”ملتان“ کا اضافہ ہوا۔ اور یہ حاشیہ بھی لکھا۔ اور کئی سال کے تاخیر کے بعد سوانح لکھنے کا سلسلہ شروع کرنے کی ابتداء ہوئی۔ والحمد لله على ذلك. (لیکن اتنا ہی لکھ کر یہ سلسلہ پھر بند رہا۔ جن کی کراؤل ریج الاول ۱۳۰۳ھ سے باقاعدہ شروع ہوا) (۱۲)

نشأۃ ثانیہ خیر المدارس ملتان:

تقسیم برصغیر کے بعد اکثر مشاہیر دینی مدارس مثلاً دارالعلوم دیوبند، مظاہر العلوم سہارن پور، جامع العلوم کان پور بھارت ہی میں رہ گئے۔ قیام پاکستان کے بعد صرف خیر المدارس، جالندھر سے ہجرت کر کے ملتان جنت نشان میں آیا۔ اس لئے اس کو ”مہاجر خیر المدارس“ کہنا بھی بجا ہے۔

بقول حضرت مولانا عبداللہ صاحب رائے پوری مدظلہم (شیخ الحدیث جامعہ رشیدیہ ساہیوال) قیام پاکستان کے بعد ہر ایک کو اپنی جائیداد، زمین اور مال و اسباب کی فکر تھی اور ہر ایک اپنی استعداد کے مطابق ان کے حصول میں کوشاں تھا۔ لیکن حضرت والا کو اگر فکر تھی تو خیر المدارس کی اور طلباء حدیث کی۔ چنانچہ سال انقلاب یعنی ۱۹۴۷ء میں بھی خیر المدارس میں دورہ حدیث ہوا۔ پاکستان کے دیگر دینی مدارس میں شاید ہی اس سال دورہ حدیث ہوا ہو۔ بلکہ اکثر دینی مدارس کا قیام ہی کئی سال بعد عمل میں آیا۔ اس طرح الحمد للہ خیر المدارس دیگر دینی مدارس سے سائیں بالخیرات رہا۔ اسی کی طرف حضرت مفتی اعظم پاکستان سیدی و مرشدی مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندی قدس سرہ نے ۱۵/شعبان ۱۳۶۷ھ کو بحیثیت مفتی دیوبند تشریف لاکر اپنی مبارک تقریظ میں یوں اشارہ فرمایا ہے: ”اس کا اقرار و اعتراف نہ کرنا حق پوشی ہوگی کہ خیر المدارس کے ارکان بالخصوص حضرت مولانا خیر محمد صاحب دامت برکاتہم کا عزم و استقلال اور خداداد ہمت عمل قابل رشک ہے کہ جس طوفان حوادث سے ان کو دوچار ہونا پڑا، اس کا نہایت جوانمردی سے مقابلہ کیا اور حالات میں کچھ سکون پیدا ہوتے ہی مدرسہ کی از سر نو ملتان میں بنیاد ڈالی۔ اور نہ صرف بنیاد بلکہ ختم سال پر وہ ایک آب و تاب کے ساتھ اچھا خاصہ مدرسہ نظر آنے لگا، جس میں ماہر مددین اور مستعد بچے (طلباء) کا اجتماع نظر آتا ہے۔ کتب خانہ بھی جو از سر نو جمع کیا گیا، اس درجہ میں پہنچ گیا کہ اہل علم کی بیاس کو بجا سکتا ہے۔“

(آئینہ آئین و قواعد، ص ۴۴)

تاریخ نشأۃ ثانیہ:

غرض قیام پاکستان کے بعد جالندھر سے ملتان ہجرت فرما کر ۲۲ ذی قعد ۱۳۶۶ھ مطابق ۸/اکتوبر ۱۹۴۷ء کو ملتان شہر میں خیر المدارس کی نشأۃ ثانیہ کا آغاز فرمایا۔ بقول جناب ابوالبشیر صاحب دہلوی ۔

ہے خدا کا شکر تو ملتان میں قائم ہوا
گویا برآئی تمنائے دل امیدوار

مطلع میں موصوف نے فرمایا:

اے میرے خیر المدارس کتب عالی وقار
ہے ترا ملتان میں کھلنا باعث صد افتخار

افتتاح فرمانے کے بعد حضرت والا نے مظاہر العلوم سہارن پور کے سابق شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالرحمن صاحب کامل پوری (مجاز بیعت حضرت حکیم الامت تھانوی) کو بلا کر کام شروع کیا اور بفضلہ تعالیٰ مدرسہ اپنے دینی مقاصد میں ہر سال ترقی کرتا رہا۔

جی چاہتا ہے کہ اس موقع پر خیر المدارس ملتان کے تعارف کے سلسلہ میں شاعر موصوف جناب اسد ملتانی مرحوم کی دونوں نظمیں پیش کروں۔ پہلی نظم میں خیر المدارس ملتان کے تعارف کے علاوہ عام دینی مدارس کی اہمیت اور ضرورت کا بھی دلنشین انداز میں ذکر ہے، اور دوسری نظم تو خالص خیر المدارس ملتان کے تعارف میں ہے۔ پڑھئے اور سردھنئے اور شاعر موصوف کی مغفرت کے لئے دعا فرمائیے:

نظم نمبر ۱:

اہل دانش کے لئے ہے ساری دنیا مدرسہ
باغ جنت بھی تھا گویا اک طرح کا مدرسہ
عالم انسانیت کا تھا وہ پہلا مدرسہ
حق نے یوں تعلیم انسانی کا کھولا مدرسہ
بڑھ کے ہے سب مدرسوں سے انبیاء کا مدرسہ
یہ ضرورت ہے جسے کرتا ہے پورا مدرسہ
کائنات اس کے لئے ہو خواہ گھریا مدرسہ
کیونکہ ہے آغوش مادر سب سے پہلا مدرسہ
فائدہ پہنچا نہیں سکتا ہے تنہا مدرسہ
دور کرتا ہے جہالت کا اندھیرا مدرسہ
پھر تو بچوں کے لئے ہے جس بے جا مدرسہ
ادج پر لے آئے یوں درجہ بدرجہ مدرسہ
دل میں کچھ خوف خدا کر دے جو پیدا مدرسہ
فخر سے یہ کہہ سکیں یہ ہے ہمارا مدرسہ
مقصد ادنیٰ ہو تو کب ممکن ہے اعلیٰ مدرسہ
ہو ہمارے شہر میں کوئی تو ایسا مدرسہ

شہر و صحرا مدرسہ ہے کوہ و دریا مدرسہ
حضرت آدم کو واں تعلیم اسماء کی ملی
جس میں آدم اور فرشتوں کا ہوا تھا امتحان
سلسلہ وحی و رسالت کا بھی جاری کر دیا
تھا ”بتانے“ سے زیادہ ”بنانا“ ان کا کام
نوع انساں کی ہدایت داخل فطرت نہیں
جس قدر تعلیم انسان کی ہے باہر ہی سے ہے
نیک ماؤں سے ہوئی ہے ابتداء تعلیم کی
گھر میں بچوں کے لئے جب تربیت اچھی نہ ہو
علم و حکمت سے دماغ و دل کو دے کر روشنی
مدرسہ میں جبکہ سامان کشاد دل نہ ہو
آدنی انسان بنے انساں مسلمان بن سکے
لاکھ درس علم و حکمت سے کہیں بڑھ کر ہے یہ
مدرسہ ایسا ہو جس میں پڑھنے والے عمر بھر
ہے فقط مقصد پر مبنی مدرسہ کی حیثیت
جس میں ہو جسم و دماغ و دل کی یکساں تربیت

اے آسہ وہ شہر ملتان ہے جہاں قائم ہوا
 شیخ قطب الدین کاشانی کی خاطر اس جگہ
 جس میں پڑھتے بہاؤ الدین زکریا کبھی
 عصر پاکستان میں ہے خیر المدارس بھی یہیں
 جبکہ حکمت کو خدا نے خود کہا خیر کثیر
 گر کریں خیر المدارس کی مدد ارباب خیر
 ہند میں تعلیم دیں کا سب سے پہلا مدرسہ
 ناصر الدین قباچہ نے بنایا مدرسہ
 اللہ اللہ مدرسہ ہوگا وہ کیسا مدرسہ
 عہد ماضی کی طرح تعلیم دیں کا مدرسہ
 خیر کا سامان کرتا ہے مہیا مدرسہ
 خیر و خوبی سے چلائے کام اپنا مدرسہ
 مولوی خیر محمد نے کیا جاری اسے
 کیوں نہ ہو خیر المدارس سب سے اچھا مدرسہ

نظم نمبر ۲ ﴿تعارف خیر المدارس﴾:

ہے ملت باغ اور تعلیم مانند بہار اس میں
 اسی سے پھول آتے ہیں اسی سے برگ و بار اس میں
 بیاں تعلیم کی برکات کا ہو ہی نہیں سکتا
 فضائل بے حساب اس کے فوائد بے شمار اس میں
 فضاء اس مدرسہ کی کم نہیں کچھ صحن مسجد سے
 ہیں مصروف عبادت علم کے خدمت گزار اس میں
 پڑھاتے ہیں انہیں استاد محنت اور محبت سے
 جیسی ہیں طالبان علم اکثر ہوشیار اس میں
 خدا رکھے سلامت مولوی خیر محمد کو
 جناب تھانویؒ کی ہے یہ زندہ یادگار اس میں
 آسہ ملتان میں علم دین کا چرچا بڑھ گیا ان سے
 نزول خیر و برکت کیوں نہ ہو خیر المدارس میں

بحیثیت ماہر تعلیم اور جامع منقول و معقول

حضرت والا کی رائے گرامی بابت درس نظامی:

ایک صاحب کے سوال کے جواب میں تحریر فرمایا: ”درس نظامی عصری تقاضوں کو پورا کرتا ہے، سوائے اس کے کہ دنیاوی نہیں ہے۔ دین اور دنیا دو مختلف شعبے ہیں۔ مسلمان کا اصل مقصد آخرت کا سامان بہم کرنا ہے۔ ہم لوگ بچوں کو دینی تعلیم دیتے ہیں جو آخرت تک ساتھ رہتی ہے۔ دنیاوی تعلیم یہیں ختم ہو جائے گی۔ ہمارے فارغ التحصیل دینی مدارس میں ملازم ہو سکتے ہیں۔ ہم انگریزی زبان اور دینی تعلیم کو خلط نہیں کرنا چاہتے۔ ہم نے اوقاف والوں سے بھی کہا تھا کہ وہ چاہیں تو ہمارے طلباء کے لئے انگریزی تعلیم کا بندوبست کریں۔ یہ طلباء تین سال انگریزی میں تعلیم حاصل کریں۔ اسی طرح کالجوں کے طلباء ہماری طرف آ کر تین سال لگائیں۔ خلط سے نقصان ہوتا ہے اور کوئی چیز کامل نہیں رہتی۔ ہمارے طالب علموں کو معاش بہم پہنچانا حکومت کی ذمہ داری ہے۔ ہمیں اس سے کوئی غرض نہیں کہ انہیں مناسب روزگار ملتا ہے یا نہیں۔ ہم صرف دینی تعلیم کے ذمہ دار ہیں۔ (ص ۳۳، اردو ڈائجسٹ لاہور، جنوری ۱۹۶۷ء)

خدا تعالیٰ کا فضل و انعام

حضرت والا کا حسن تدبیر، حسن انتظام اور حسن اہتمام بزبان علماء کرام مجلہ ”الخیر“ (شعبان و رمضان ۱۴۰۷ھ) میں حضرت والا کے انتظامی کمالات کا اس طرح اعتراف کیا گیا ہے:

باکمال منتظم:

اللہ جل شانہ نے حضرت اقدس کو بے مثال اور قابل رشک علم و عمل کے ساتھ انتظامی صلاحیتوں سے بھی مالا مال فرمایا تھا۔ مردم شناسی اور کمال فراست کے مالک تھے۔ ایک نظر میں آدمی کی حقیقت و حیثیت کا جائزہ اور اس کی خوبیوں اور خامیوں کا اندازہ فرما لیتے تھے۔ آنحضرت ﷺ کے ارشاد ”اتقوا فراسة المؤمن فانہ ينظر بنور اللہ“ کے مصداق کامل تھے۔

مختصر سوانح ”ذکر خیر و یاد شریف“ میں اکابر کے اقوال اس طرح نقل کئے گئے ہیں:

امیر شریعت حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ ”اگر کسی کو مدرسہ چلانے اور اس کے انتظام و اہتمام کا ڈھنگ سیکھنا ہو تو وہ میرا مشورہ مانے تو وہ حضرت مولانا خیر محمد صاحب سے اس کا ڈھنگ سیکھے۔“

ایک بار یہ بھی ارشاد فرمایا کہ ”حضرت مولانا خیر محمد صاحب مدرسہ چلانے کے بڑے ماہر ہیں اور ان کا حسن تدبیر اور حسن انتظام بے مثال ہے۔“

اسی طرح امام اہل سنت حضرت مولانا عبدالشکور لکھنوی نے فرمایا کہ ”خیر المدارس خدا تعالیٰ کا ایک انعام ہے۔ اور یہ خاص اللہ کا فضل اور حضرت مولانا خیر محمد صاحب کے حسن تدبیر اور حسن اہتمام کا ثمرہ ہے۔“

(ذکر خیر و یاد شریف، ص ۸۰-۸۱)

حسب ذیل تحریر حضرت مولانا حافظ منظور احمد صاحب استاذ الحدیث خیر المدارس کی ہے۔ اس میں زیادہ تر حضرت والا کے انتظامی معاملات کا ذکر ہے۔ ضمناً اساتذہ پر اعتماد اور ان سے حسن سلوک وغیرہ کا تذکرہ بھی آ گیا ہے۔ کیونکہ حسن اخلاق اور حسن سلوک سے تو قلوب پر حکومت ہوتی ہے، جو ظاہری انتظام سے بھی بڑھ کر ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

انتظامی شان:

بندہ کے دورہ والے سال یعنی ۱۳۷۵ھ کو کچھ طلباء بغیر پوچھے مدرسہ سے باہر تقریر سننے کے لئے چلے گئے۔ صبح کو فرمایا کہ جی تو چاہتا ہے کہ تم سب کو نکال دوں، لیکن تمہارے درمیان سال میں جانے سے تمہارا ہی نقصان ہوگا۔ اس لئے قدرے تنبیہ کے بعد معاف فرما دیا۔

مدرسہ کا مہتمم بننا:

بہت دُشوار کام ہے۔ فرمایا کہ آج کل جو دورہ حدیث پڑھ لیتا ہے مہتمم بننے کی فکر میں لگ جاتا ہے اور مدرسہ بنانے کی کوشش کرتا ہے۔ حالانکہ اہتمام باب افعال کا مصدر ہے۔ ”ہمزہ“ اور ”تا“ اس میں زائد ہیں۔ حروف اصلیہ ”ہم“ ہیں۔ تو جس کے مادے میں ”ہم“ ہو، وہ کیسے آسان ہو سکتا ہے۔

جامعہ خیر المدارس میں مدرس رکھتے وقت خوب تسلی فرماتے، لیکن جب رکھ لیتے تو پھر اس پر اعتماد فرماتے۔ کسی کے کہنے سے جلد متاثر نہ ہوتے تھے۔ یہی اصول خیر المدارس کے سالانہ جلسہ پر علماء مدعوین کے بارے میں بھی تھا۔

جو اساتذہ عید مدرسہ میں کرتے ان کو انعام عطا فرماتے، اپنے نسبی بیٹوں سے بھی زیادہ۔

عمر شریف کے آخری سال میں کچھ طلباء کے رویہ سے نالاں تھے۔ مگر آخر سال میں سب کو معاف فرما کر جملہ کتب حدیث کی آخری حدیث تلاوت فرما کر سب کو سند حدیث کی اجازت عنایت فرمائی۔

سب علماء سے تعلق محبت کا رہا۔ مگر سیاسی تقریر خیر المدارس میں کرنے کی کسی کو اجازت نہ تھی۔

اہتمام و انتظام میں اس قدر مہارت تھی کہ مولانا محمد علی جالندھری فرمایا کرتے تھے کہ سو سال کے عرصہ میں دو مہتمم دیکھے ہیں جو کہ اہتمام کا حق ادا کر گئے۔ ایک حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب دیوبندی ”مہتمم دارالعلوم دیوبند“ اور

دوسرے ہمارے حضرت مولانا خیر محمد۔

دیوبندی مسلک کے مدارس کی مایہ ناز تنظیم یعنی ”وفاق المدارس“ کے بانی ہمارے حضرت ہی تھے۔ اب اختصار کو ملحوظ رکھتے ہوئے ان چند اقوال پر اکتفاء کرتے ہوئے خود حضرت والّا کے ایک ملفوظ پر اس موضوع کو ختم کیا جاتا ہے۔

کسی کے اس سوال پر کہ خیر المدارس میں طلباء پر سختی اور پابندی بہت کی جاتی ہے، یہ فرمایا کہ ”طالب علم کے لئے آزادی بہت زیادہ نقصان دہ ہے۔ آزادی سے طالب علم ذہنی طور پر پریشان ہو جاتا ہے اور خیالات منتشر ہو جاتے ہیں، جس سے یکسوئی ختم ہو جاتی ہے۔ (ملفوظ (۱۰)، بروایت مولانا حافظ عبدالشکور صاحب بواسطہ اراق)

نوٹ: البتہ اس موضوع پر مزید ”خیر المدارس ملتان کے بارے میں بزرگانِ ملت کی آراء“ کے ضمن میں اسی باب میں، نیز دیگر ابواب میں اکابر کے مقالات و اقتباسات اور تعزیتی خطوط وغیرہ کے ضمن میں ملاحظہ فرمائیے۔ (۱۲)

حضرت والّا کا تعلیم میں درجہ اخلاص اور طلباء و مدارس دینیہ کی خیر خواہی

حضرت مولانا منظور احمد صاحب، استاذ الحدیث خیر المدارس نے اس موضوع پر حسب ذیل دو واقعات تحریر فرمائے ہیں:

تعلیم میں اخلاص اور طلباء کے فائدہ کی مقصودیت:

مدرسہ کی تعلیم اور تدریس میں اس قدر مخلص تھے کہ مدرسہ کے شعبہ تجوید و قراءت کے صدر حضرت الاستاذ قاری رحیم بخش صاحب ۵۳ء کی تحریک ختم نبوت کے سلسلہ میں جیل گئے۔ حضرت کو کسی نے کہا کہ اب حضرت قاری صاحب جیل سے واپس آنے پر خیر المدارس سے الگ ہو کر اپنا مدرسہ بنا کر اس میں یہ شعبہ جاری کریں گے۔ حضرت موصوف کے آنے پر حضرت والّا نے دریافت فرمایا کہ قاری صاحب! ہم نے یوں سنا ہے۔ حضرت الاستاذ قاری صاحب نے عرض کیا کہ حضرت نہیں، ایسا کوئی ارادہ نہیں۔ حضرت والّا نے فرمایا کہ بالفرض آپ کا ارادہ ہو تو ہم اپنے مدرسہ سے اس شعبہ کو ختم کر دیں گے۔ کیونکہ مقصود تو طلباء کا فائدہ ہے۔ جب وہ آپ کے پاس کسی دوسرے مدرسہ میں طلباء کے رہنے سے ہوگا تو خیر المدارس میں اس کا ہونا ضروری نہیں۔ یہ ہے اخلاص۔

دینی مدارس کی خیر خواہی:

حضرت اقدس مولانا عبدالرحمن صاحب کامل پوری، سابق صدر المدرسین مظاہر العلوم سہارن پور دس جملہ اجلہ خلفاء حضرت تھانوی قدس سرہ تقسیم ملک کے بعد خیر المدارس میں رہے۔ پھر خود ہی جواب دے کر نڈوالہ یار تشریف لے

۱۔ اب حضرت مولانا حافظ عبدالشکور صاحب بھی اللہ کو پیارے ہو گئے۔ اللہ مغفرت فرمائے۔ (محمود احمد غفران)

۲۔ ان کو بھی پیر و باناد منوات نقل کیا جا رہا ہے۔ (۱۲)

گئے۔ دو سال وہاں رہنے کے بعد پھر حضرت والا کو خط لکھا کہ میں پھر خیر المدارس میں آنا چاہتا ہوں۔ حضرت نے جواباً تحریر فرمایا کہ ”بڑی خوشی سے تشریف لائے، خیر المدارس آپ کا ہے، مگر ہو سکتا ہے کہ آپ کے تشریف لانے سے ٹڈوالہ یار کے مدرسہ کا نقصان ہو۔ حالانکہ وہ بھی اپنا ہی مدرسہ ہے۔“

یہ ہے جذبہ سب مدرسوں کی کامیابی کا۔ آج کل اہل مدرسہ دوسرے مدرسہ کے اساتذہ کو زیادہ تنخواہ کے ذریعے کھینچتے ہیں۔

اہل مدارس کی سیاست سے یکسوئی

اس سے قبل باب ششم ”تعلیم و تدریس“ میں ”تعلیم اور سیاسیات سے یکسوئی“ کے موضوع پر کچھ مضامین گزر چکے ہیں۔ یہاں باب خیر المدارس کی مناسبت سے ”اہل مدارس کی سیاسیات سے یکسوئی“ کے موضوع پر ایک واقعہ درج ذیل ہے، جس سے اس بارے میں حضرت والا کا مسلک جو پہلے سے ظاہر ہے، اور زیادہ واضح ہو جاتا ہے۔

تقریباً چالیس پینتالیس سال قبل (یعنی تقریباً ۱۹۵۲ء تا ۱۹۵۷ء کے دوران) کی بات ہے کہ محمد و منا حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی خیر المدارس میں تشریف لائے ہوئے تھے، اور قدیم دارالحدیث میں حضرت والا، حضرت مفتی صاحب اور حضرت مولانا محمد علی جالندھری تشریف رکھتے تھے۔ جمعیت علماء اسلام وغیرہ کے بارے میں کچھ گفتگو تھی۔ کچھ اور سیاسیات سے متعلق بات چیت ہو رہی تھی۔ احقر مؤلف اپنے آپ کو اکابر علماء کے سامنے طفل مکتب بھی نہیں سمجھتا تھا، نہ اپنے آپ کو اکابر کی گفتگو سمجھنے کے لائق سمجھتا تھا۔ لیکن ایک دو موقع پر حضرت والا نے اس خادم کو بعض ایسے اجتماعات میں طلب فرمایا۔ اب اس کی مصلحت یہ سمجھ میں آتی ہے کہ خادم حضرت والا کے مسلک کو بخوبی سمجھ لے۔ چنانچہ اس اجتماع میں بھی یہی یاد پڑتا ہے کہ غالباً بلا یا تھا۔ اب جو یاد ہے وہ روایت بالمعنی کے طور پر عرض ہے کہ حضرت مولانا محمد علی صاحب جالندھری نے ایک موقع پر یہ فرمایا کہ سیاست میں ایسے موقع پر جائز ناجائز کا خیال کرنے سے کام نہیں چل سکتا۔ دوسرے سیاست میں سرگرم حصہ لینے (اور شاید گرفتاری وغیرہ) کا کچھ ذکر تھا۔ اسی سلسلہ میں حضرت مفتی محمد شفیع صاحب نے مولانا محمد علی جالندھری سے فرمایا کہ پھر ہم بھی آپ والا کام کریں گے۔ (شاید یہ مراد ہو کہ اگر گرفتار ہونے کی نوبت آئے اور ضرورت ہو تو اس کے لئے بھی تیار رہیں گے)

اس ساری گفتگو کے بعد حسب عادت شریفہ حضرت والا نے آخر میں فیصلہ کن انداز میں جو فرمایا اس کا مفہوم احقر مؤلف کو یہ یاد ہے کہ اہل مدرسہ (مدرسہ چلانے والے اور اس میں کام کرنے والے حضرات اساتذہ و طلباء) کو سیاسی سرگرمیوں سے علیحدہ رہنا ہی ضروری ہے۔ (اس سلسلہ میں مزید باب ۲۳ متفرقات کے ایک موضوع ”خدمات سیاست اسلامیہ“ کے ذیلی عنوان ”اجتناب اہل المدارس عن سیاسیات“ کے تحت بھی آ رہا ہے۔)

عمارت خیر المدارس ملتان

اے خدا ایں مدرسہ قائم بدار
فیض او جاری بود لیل و نہار

نوٹ: یہ شعر حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی نور اللہ مرقدہ نے خیر المدارس کی ”کتاب الآراء“ میں تحریر فرمایا تھا۔ اور مدرسہ کی کسی عمارت پر سامنے لکھا گیا تھا، جس کا نشان اب مرور زمان یا عمارات میں رد و بدل اور تغیر و تعمیر مکان کی وجہ سے غالباً مٹ چکا ہے۔^۱

حضرت والا کے زمانہ کی تعمیر شدہ عمارتوں میں سے دو اہم ترین عمارات جن کی سنہ تعمیر کے اشعار بھی ملے، یہاں صرف ان کے تذکرہ پر اکتفاء کیا جا رہا ہے۔

(۱) جامع مسجد خیر المدارس ملتان (خیر المساجد):

ابتداء میں متروکہ عمارت کے ہال کو بطور دارالحدیث استعمال کیا جاتا رہا اور اسی میں نماز باجماعت ہوتی تھی۔ آخر کار ۱۳۸۰ھ مطابق ۱۹۶۱ء میں جامع مسجد کی بنیاد رکھی گئی جو تقریباً سات سال میں یعنی ۱۳۸۷ھ مطابق ۱۹۶۷ء میں مکمل ہوئی۔ جامع مسجد خیر المدارس کی تاریخ تعمیر سے متعلق اشعار جن سے ابتداء و تکمیل تعمیر کا سال نکلتا ہے، ان میں سے بعض یہاں درج کئے جاتے ہیں۔ حضرت مولانا عبد المجید انور صاحب زاد مجدہ جو اس وقت ساہیوال میں مدرس تھے، انہوں نے یہ اشعار کہے تھے:

تعالیٰ اللہ زہے مسجد بنا شد	شعار دین ختم الانبیاء شد
فیض حضرت خیر محمد	ظہور رحمت رب علی شد
بہ تکمیلش چہ آمد لفظ ”خوش ساخت“	بدایۃ ”فکرت خانہ خدا“ شد
۱۹۶۷ء	۱۹۶۱ء

نیز مندرجہ ذیل اشعار سے بھی ابتداء تعمیر کا ہجری اور عیسوی سال نکلتا ہے:

جو خیر المدارس میں بنتی ہے مسجد	تو رکھتا ہے بنیاد ہر دین کا استاد
یہ آغاز تعمیر کا سال لکھئے	کہ ”خیر المدارس کی مسجد کی بنیاد“
	۱۳۸۰ھ

^۱ ان نوات سے (اق) کے مسودہ میں اشعار اور مختصر تحریر ملی۔ ان کو سامنے رکھ کر نیز حضرت والا کی بیاض ”موالیہ ووفیات الخ“ جس میں ”خیر المساجد“ کے تاریخی اشعار بھی ہے۔ اور دارالحدیث کے کتب سے اس کی عبارت اور اشعار کو خود بھی نقل کیا ہے۔ ان سب سے اعتراف نے نئے سرے سے اس تحریر کو کھرب کیا ہے۔ (۱۲)

^۲ روایت بالمتن من اق۔

ح شاعر معلوم نہیں (۱۲)

شہر ملتان میں بعون اللہ خوب مسجد بنی ہے کیا کہئے
سال آغاز اگر کوئی پوچھے ”فکرت خانہ خدا“ کہئے
۱۹۶۱ء

اور حضرت مولانا مفتی محمد جمیل صاحب تھانوی مدظلہ العالی فرماتے ہیں:

(ابتداء تعمیر ۱۹۶۱ء)

خیر المدارس مدرسہ خیر مجسم جب ہوا کچھ اہل علم و فضل نے مسجد کی کردی ابتداء
مسجد بنی، اچھی بنی، خیر المساجد ہوگئی تاریخ یوں کہئے کہ ”خیر المساجد خوشنما“
۱۹۶۱ء

(تکمیل تعمیر ۱۳۸۷ھ)

خیر محمد اس میں خیر خدا ہے اس میں خیر المدارس ایسا کیا مدرسہ کہیں ہے
کیا خوب مدرسہ کی مسجد ہوئی مکمل سال بنائے مسجد ”تعمیر بہترس“ ہے
۱۹۶۱ء

علاوہ ازیں کسی غیر معلوم شاعر صاحب کے مندرجہ ذیل اشعار میں سے اول دو اشعار سے تکمیل تعمیر کا سنہ ہجری اور اس کے بعد والے دو اشعار سے تکمیل کا سنہ عیسوی نکلتا ہے۔

یہ یکتا مسجد خیر المدارس مکمل ہوگئی فضل خدا سے
”ہے عمدہ مسجد خیر المدارس“ کہو تکمیل کی تاریخ ہجری
۱۹۶۱ء

خیر اہل طریق و اہل علوم چون تعمیر مسجدے پرداخت
لہ الحمد یافتہ تکمیل پئے تاریخ گفتہ ام ”خوش ساخت“
۱۹۶۱ء

(۲) دارالحدیث اشرفیہ:

مدرسہ خیر المدارس ملتان کے ناظم دفتر حضرت مولانا حافظ رشید احمد صاحب جالندھری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے گرامی نامہ مورخہ ۳/۱۹۵۶ء میں احقر مؤلف کو تحریر فرمایا تھا:

”دارالحدیث کاسنگ بنیاد بھی حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب سے رکھو دیا گیا ہے۔“

اس کے چند سال بعد یعنی ”۱۳۸۳ھ میں بفضلہ تعالیٰ خیر المدارس میں دارالحدیث اشرفیہ نہایت خوبصورت جدت

ڈیزائن میں صوفی عطا محمد صاحب خاکوانی کے ایثار سے مکمل ہوا۔“ (ا۔ق)

دارالحدیث کی سمت قبلہ والی دیوار پر صدر دروازہ کے پاس سنگ مرمر کے کتبہ پر مندرجہ ذیل عبارت اور اشعار متضمن بسنہ تعمیر جلی قلم سے کندہ ہیں:

دارالحدیث بابرکات

۱۳۸۲ھ

از یادگار جناب صوفی عطا محمد صاحب خاکوانی است

بسی صوفی عطا محمد سے آگنی باغ علم و دیں میں بہار
ہے ”یہ دارالحدیث اشرفیہ“ جس پہ ان کی عطا ہوئی ہے ثار

۱۳۸۲ھ

اور پوچھے اگر کوئی تاریخ کہئے ”دارالحدیث ہے تیار“

۱۳۸۲ھ

سال بنائے درس کہ علم و دیں بگو ”دارالحدیث کلی خیر المدارس است“

۱۳۸۲ھ

خیر المدارس ملتان کے بارے میں بزرگانِ ملت کی آراء

مدرسہ خیر المدارس ملتان میں بزرگانِ دین، مشائخ عظام اور علماء ربانی کا ہمیشہ درود مسعود ہوتا رہتا ہے۔ ان میں سے چند اکابر امت کی آراء نقل کی جاتی ہیں، جن سے اندازہ ہوگا کہ خیر المدارس ہمیشہ سے مشائخ ربانی اور علماء حضرات کی معتمد علیہ درگاہ ہے۔

شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ:

”اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ مدرسہ خیر المدارس جو تقسیم ہند سے پہلے شہر جالندھر میں اپنی تعلیمی مقبولیت میں ایک خاص امتیاز رکھتا تھا اور اس کا تمام اثاثہ، کتب خانہ وغیرہ وہیں ضائع ہو چکا تھا، بعونہ تعالیٰ اس کے بانی اور علماء مدرسین نے پاکستان کے مرکزی شہر ملتان میں دوبارہ اس مدرسہ کو قائم کر دیا اور بفضلہ تعالیٰ دو سال کے عرصہ میں اس نے پھر وہی اپنی علمی ساکھ قائم کر لی۔“

مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی نور اللہ مرقدہ:

”میں اس میں کوئی مبالغہ نہیں سمجھتا کہ دارالعلوم دیوبند اور مظاہر العلوم سہارن پور کے بعد جن مدارس پر دینی و علمی معاملات پر اعتماد کیا جاسکتا تھا ان میں مدرسہ خیر المدارس جالندھر کو خاص امتیاز اور فوقیت حاصل تھی۔ اس کے بانی حضرت

مولانا خیر محمد صاحب اور دوسرے ارکان کا نصب العین ہمیشہ کتاب و سنت کی صحیح تعلیم و تبلیغ تھی اور طریق یہ تھا کہ ہنگامی اور سیاسی امور سے مدرسہ اور مدرسہ والوں کو علیحدہ رکھا جائے۔“

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب:

”مدرسہ خیر المدارس کوئی نیا مدرسہ نہیں، بلکہ وہی قدیم مدرسہ ہے جس نے قبل از بنیاد پاکستان اپنی حسن تعلیم اور حسن انتظام سے جالندھر میں مرکزیت پیدا کی اور اس خطہ کو علوم نبوت سے سیراب کیا۔ وہی قدیم شہرت و مقبولیت تھی کہ جوئی حضرت مولانا خیر محمد صاحب دام ظلہ نے جالندھر سے ہجرت کر کے پاکستان اور ملتان میں مدرسہ مذکور کی تجدید کی تو یہ مدرسہ ایک دم اسی طرح مقبول و معروف ہو گیا جتنا کہ اس وقت تھا۔ حقیقتاً یہ مقبولیت افراد کی مقبولیت اور بالخصوص راس الافراد، فرید حضرت مولانا خیر محمد صاحب مد فیوضہم کی مقبولیت کا ثمرہ ہے۔ حضرت مدوح کا حسن اخلاق، عمق علم اور اس پر حسن نیت و اخلاص اصل میں اس مدرسہ کی اساس ہے۔ اس اساس پر جدید عمارت قائم ہوئی اور اس قدیم مقبولیت سے یہ نئی مقبولیت ظہور پذیر ہوئی۔ یہی وجہ ہے کہ جدید نہضت پر کچھ زیادہ عرصہ نہیں گزرا کہ طلباء کی تعداد میں خاصا اضافہ ہو گیا۔“

شیخ شریعت و طریقت حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب امرتسری رحمۃ اللہ علیہ:

”مجھے مدرسہ عربیہ خیر المدارس کے ساتھ دیرینہ تعلق ہے۔ اس مدرسہ کی خدمات دینیہ کا میں ہمیشہ سے معترف رہا ہوں۔ پاکستان قائم ہونے کے بعد اس کی خدمات میں بفضلہ تعالیٰ کمی نہیں ہوئی بلکہ اضافہ ہوا ہے۔ اور یہ برکت ہے حضرت مولانا خیر محمد صاحب کے حسن عمل اور مخلصانہ مساعی کی۔“

مؤرخ اسلام حضرت مولانا سید سلیمان ندوی:

”مدرسہ خیر المدارس کا ذکر جب وہ جالندھر میں تھا، اکثر بزرگوں کے حلقہ سے سنا کرتا تھا، مگر زیارت کا اتفاق نہیں ہوا۔ پاکستان میں اس کی منتقلی اور اپنی حاضری کے بعد دو دفعہ اس کی زیارت کا موقع ملا۔ یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ یہ مدرسہ بزرگوں کے طریق پر نہایت اخلاص اور خوبی کے ساتھ چلایا جا رہا ہے۔ اور مخلص حضرات کی مساعی جمیلہ سے ترقی کر رہا ہے۔“ (آئینہ آئین وقواعد خیر المدارس)

ماہر علوم جدیدہ حضرت مولانا عبدالباری صاحب ندوی:

”خیر المدارس ظاہری اور کی اعتبار سے الحمد للہ دیوبند اور مظاہر علوم کی خیرات و برکات کا پاکستان میں مرکز و منبع بن جاتا ہے، لیکن باطنی اور کیفی لحاظ سے بعض گوشوں سے اس درس گاہ کے تھانہ بھون کی بو آتی ہے۔ دل سے دعا اور تمنا ہے کہ اللہ تعالیٰ

اس کی مہک کو اتنا پھیلائیں کہ پاکستان کا گوشہ گوشہ معطر ہو جائے۔ حضرات اساتذہ اور طلباء میں تعلیم کی طرف توجہ کے ساتھ تربیت و معاشرت کا اہتمام بھی نظر آیا۔ اور سادگی و بے تکلفی تو سب میں بڑی دلکش و دلنشین پائی، اور ان چار دنوں میں حضرت مولانا خیر محمد صاحب (مدظلہم العالی) کا جو رنگ دیکھا تو ہر طرف اسی ذات بابرکات کو ہر تو نظر آیا۔ احقر کہا کرتا ہے کہ ”آدمی آدمی ہی سے بنتا ہے۔“ خیر المدارس اس کی بڑی شہادت ہے۔“

شیخ الحدیث و التفسیر حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی:

”پاکستان آنے کے بعد نظریں ڈھونڈتی تھیں کہ کوئی دیوبند اور سہارن پور کا نمونہ نظر آئے۔ تو الحمد للہ یہاں خیر المدارس میں آنے کے بعد وہ نمونہ نظر آیا اور دل کو تسلی ہوئی۔ میرے علم میں اب تک پاکستان میں اس شان کی کوئی درسگاہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ اس خیر کثیر کے چشمہ فیض کو قیامت تک جاری رکھے۔ اور وہم و گمان سے زیادہ اس میں خیر و برکت عطاء فرمائے اور نظر بد سے محفوظ رکھے۔“

فاضل^۱ ادیب حضرت مولانا محمد ناظم ندوی، سابق شیخ الجامعہ عباسیہ بہاولپور:

”میں مدرسہ دیدیہ خیر المدارس کے متعلق بارہا سنتا رہا جس کے بانی شیخ جلیل بہت بڑے عالم ربانی حضرت مولانا خیر محمد صاحب ہیں۔ مجھے ان کی زیارت کا عرصہ سے اشتیاق تھا۔ چند سالوں کے بعد اس مہینے ان کی زیارت کا موقع ملا۔ مدرسہ کے نظم و نسق اور اس میں دین کے وقار و جلال کو دیکھ کر مجھے بہت خوشی ہوئی۔“

فاضل یگانہ حضرت علامہ مولانا سعید مبارک الصوری (مسقط):

”میں نے اس مدرسہ کو صحیح مسلک اور عجیب و غریب نظام پر گامزن پایا۔ علمی و عملی اور ادبی حیثیت سے اس مدرسہ کو اعلیٰ معیار پر پورا پایا۔ اس میں ایسی جلیل القدر کتابیں پڑھائی جاتی ہیں جن کی نظیر دوسرے مدارس میں شاذ و نادر ملتی ہے۔“

حضرت العلامة الجلیل الشیخ امجد الزہادی (از مشاہیر علماء عراق):

”میں اس عظیم الشان مدرسہ کی زیارت سے مشرف ہوا۔ اور اس میں اعلاء کلمۃ اللہ کی خاطر علوم شرعیہ حاصل کرنے میں ماہر اساتذہ اور بہت سے عظیم الہمت طلباء اور کتابیں دیکھیں۔“

خطیب ملت حضرت مولانا احتشام الحق صاحب تھانوی:

”یہ عربی مدرسہ علوم دیدیہ کی صرف ایک مرکزی درسگاہ نہیں، بلکہ مغربی پاکستان میں ایک دینی و مذہبی علوم کی بڑی یونیورسٹی ہے۔ جس کے تحت ابتدائی تعلیم سے لے کر درجہ تکمیل تک کے تمام علوم بھی پڑھائے جاتے ہیں۔ اور بہت سی

^۱ یہاں سے تمین آراء بشمول اس کے عربی میں ہیں ان کے صرف اردو ترجمہ پر اکتفا کیا گیا جو ضرورہ کافی ہے۔ احقر قریشی مغرور
^۲ یہاں سے اور اس کے بعد والی اردو میں ہیں (آ۔ بروایت اق)

درسگا ہیں اس کی نگرانی میں مصروف کار ہیں۔“

شیخ الاسلام حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی:

”ماشاء اللہ مولانا خیر محمد صاحب کی ذات گرامی مدرسہ کے اہتمام اور خوبی انتظام کی بہترین ضامن ہے۔ مدرسہ کا مکان بہت وسیع ہے۔ طلباء کی تعداد کافی ہے۔ طلباء اور مدرسین میں علم و عمل کے انوار نمایاں ہیں۔“

جناب ڈاکٹر محمد فحام صاحب (معمتد شعبہ عربی جامعہ ازہر مصر):

”واقعی اسم باسٹی (خیر المدارس) ہے۔ حسن انتظام اور علوم اسلامیہ کی تدریس میں جس درجہ کمال توجہ میں نے یہاں دیکھی دوسرے مدارس میں اس کے دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا۔ مدرسہ ہذا کی زیارت کے بعد مجھے اس عظیم الشان مملکت پاکستان سے بے حد خیر کی امیدیں بندھ گئیں۔ میں مدارس اسلامیہ سے امید کرتا ہوں کہ وہ بھی تدریس علوم شرعیہ میں پوری توجہ اور حسن انتظام کے سلسلہ میں مدرسہ خیر المدارس کی تقلید کریں گے۔“

ممتاز مصری عالم فضیلۃ الشیخ حسن حبشی حفظہ اللہ تعالیٰ:

”خیر المدارس کا علوم شرعیہ، اسلامیہ اور علوم عربیہ کی درس و تدریس میں یہ اہتمام و انصرام وہ آخری منزل ہے جس تک پہنچنے سے بہت سی قومیں قاصر ہیں۔ لیکن اللہ تبارک و تعالیٰ نے فاضل اجل مولانا خیر محمد صاحب کو مخصوص قوت لدنیہ عطا فرمائی ہے، تاکہ وہ اس بارگراں کو اٹھائیں اور اس کے نتیجے میں وہ دین متین کی حمایت اور ما انزل اللہ علی رسولہ کے صحیح مفہوم اور حقیقی مصداق کو مسلمانوں کے قلوب میں راسخ کر سکیں۔“

عالم عرب کے ممتاز (حنفی) عالم فضیلۃ الشیخ العلامة عبدالفتاح ابو غدہ تلمیذ امام کوثری:

”مدرسہ خیر المدارس جیسے دینی خیر کے چشموں اور علم کے گہواروں کو دیکھ کر دلی مسرت اور قلبی انشراح کیوں نہ ہو، خصوصاً جبکہ یہ مدرسہ اسم باسٹی ثابت ہوا ہے اور اپنے معنی کے ساتھ ٹھیک مطابقت رکھتے ہوئے دوسرے مدارس سے علم و فضل میں بازی لے گیا۔ یہ سب کچھ حضرت شیخنا سیدی مولانا خیر محمد صاحب کی مساعی جلیلہ اور دین کی نصرت میں ان کے انتہائی انہماک کا نتیجہ ہے۔“

زبدۃ المحققین حضرت مولانا عبدالحق صاحب، مہتمم مدرسہ حقانیہ اکوڑہ خٹک:

”دارالعلوم کے اکثر شعبوں، وسیع تعمیرات، بے مثال ضبط و نظم اور عظیم الشان علمی و تبلیغی کارکردگی کا مشاہدہ ہوا۔ مدرسہ کسی تعارف، کسی رائے کا محتاج نہیں جس کے بانی مبانی صاحب العقل والتدبیر حضرت العلامة مولانا خیر محمد صاحب (جو

۱۔ یہاں سے بشمول اس کے تین آراء پھر عربی میں ہیں۔ صرف اردو ترجمہ پر اکتفا کیا گیا۔

۲۔ یہاں سے باقی آراء حسب معمول اردو میں ہیں۔ (آ۔ بروایت اق)

صرف تفسیر، حدیث، فقہ کے شیخ ہیں، بلکہ تصوف و سلوک کے بھی رہنما ہیں (جیسے مخلص، پاکباز، اور اہل دل بزرگ ہوں، اور جسے سیدنا الحرم جامع الجہدین حکیم الامت مجدد الملت مرشد تھانوی قدس سرہ کی توجہات و دعوات کا بیش بہا قیمتی سرمایہ حاصل ہو چکا ہے، اور جس کے خدام و متعلقین میں علماء و مخلصین کا مایہ ناز طبقہ شامل ہو۔“

مجاہد ملت حضرت مولانا سید محمد یوسف صاحب بنوری:

”ویسے تو حضرت مولانا خیر محمد صاحب کے حسن تدبیر اور اخلاص اور حسن سلیقہ اور تقویٰ و علم و عمل کی جامعیت سے یہ اندازہ تھا کہ خیر المدارس میں جو علم و اخلاق کی تربیت ہوگی وہ ممتاز ہوگی، لیکن ”شنیدہ کے بودمانند دیدہ“ جب تفصیلی معائنہ کا موقع ملا۔ درجہ ابتدائی عربی کے چند طلباء سے استفسارات کئے۔ الحمد للہ توقع سے بہت زیادہ پایا اور حضرت مولانا محترم بانی مدرسہ کے خلوص و علو ہمت و حسن تدبیر اور کمال تربیت کے جو آثار دیکھے، بے ساختہ دل سے دعائیں نکلیں۔“

حضرت مولانا محمد صادق صاحب، سابق ناظم امور مذہبیہ بہاولپور:

”انشاء قیام میں کوائف مدرسہ اور انتظام و عمدگی تعلیم کا اجمالی مشاہدہ ہوتا رہا۔ الحمد للہ العظیم یہ مدرسہ اسم باسٹھی ہے اور خیر و فلاح کا چشمہ آب حیات ہے۔ اللہ تعالیٰ شانہ اس گلستانِ نبوی کو ہمیشہ سرسبز و شاداب رکھے اور ہمیشہ سموم خزاں سے محفوظ رکھے۔“

صوفی کمال حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب سلیم پوری و حضرت مولانا عبدالعزیز صاحب رائے پوری:

”مملکت پاکستان میں مدرسہ خیر المدارس نظیر نہیں رکھتا اور پاکستان میں دینی تعلیم اور سلف صالحین کے نقش قدم پر عمل پیرا ہونے کی حیثیت سے اس کو مرکزیت حاصل ہے۔“

کفر کا سیلاب اور دین اسلام کے مضبوط قلعے

مدارس دینیہ:

تعلیم دین کا سب سے پہلا مدرسہ تو مکہ مکرمہ میں دارالرقم اور اس کے بعد مدینہ منورہ میں اصحاب صفہ کا مدرسہ تھا، جن کے معلم خود بنفس نفیس حضور اکرم ﷺ اور تلامذہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین تھے۔

علوم اسلامیہ کی حفاظت اور ان پر عمل کی تربیت اس وقت سے اب تک زیادہ تر علماء حق مدارس دینیہ میں اور تبع سنت صوفیاء محققین خانقاہوں میں کرتے آ رہے ہیں۔ اور بسا اوقات مدارس دینیہ میں یہ دونوں ہی کام ہوتے رہے ہیں۔

۱۔ اعتراضات کی ایک عزیزہ (سلمہا اللہ و ہداھا اللہ تعالیٰ) نے تعلیم النساء کا ایک دینی مدرسہ دیکھ کر اپنے ایک خط میں اس کا مقابلہ لڑکیوں کے ایک اسکول سے کیا تھا۔ اس کا خط آئندہ موضوع ”تعلیم النساء“ کے لئے یہ تمہیدی سطور لکھنے کا باعث بنا۔ (آ)

یہاں تک کہ انگریزوں کے تسلط سے قبل متحدہ ہندوستان میں لاتعداد مدارس عربیہ موجود تھے، لیکن انگریزوں کے تسلط کے بعد مسلمانان ہند کی دینی تعلیم و تربیت کا شیرازہ بکھر گیا۔ اور دین کا درد رکھنے والے جامع شریعت و طریقت علماء حق تعلیم دین کے خاطر خواہ انتظام اور تحفظ دین کے لئے درد مند اور فکر مند ہوئے۔ خصوصاً جب متحدہ ہندوستان میں تعلیمی کمیٹی کے صدر لارڈ میکالے نے ۷ مارچ ۱۸۳۵ء کو اپنے خطبہ صدارت میں یہ کہا کہ:

”ہمیں ایک ایسی جماعت بنانی چاہئے جو ہم میں اور ہماری کروڑوں رعایا کے درمیان سترجم ہو۔ یہ ایک ایسی جماعت ہونی چاہئے جو خون اور رنگ کے اعتبار سے تو ہندوستانی ہو، مگر مذاق و رائے اور الفاظ اور سمجھ کے اعتبار سے انگریز ہو۔“

تو دیدہ و دل روشن اصحاب بصیرت نے ان الفاظ میں پنہاں اسلام دشمنی اور استیصال دین کے ناپاک عزم کو محسوس کر لیا کہ انگریز سلطنت چھیننے کے بعد اب سب سے بڑا کاری حملہ اسلامی نظام تعلیم پر کرنا چاہتا ہے، تاکہ قرآن و سنت اور علوم اسلامیہ پر مشتمل نصاب تعلیم سے جو اخلاق فاضلہ، اولوالعزمی، بلند کرداری اور اخلاقی تعمیر ہوتی ہے اور اس سے حسن سیرت، ذہانت و عمل، ایثار و خدمت، دینی اخوت، مذہبی لگاؤ، جذبہ و استقامت، حب دین اور علمی ترقی کے جو چشمے پھوٹے ہیں انہیں خشک کیا جائے، وگرنہ ایک وقت میں یہی چشمے سیلاب کی شکل اختیار کر کے سلطنت برطانیہ کو غرقاب کر دیں گے۔ اس کے بعد جو نصاب تعلیم سامنے آیا، اس میں ملی کتے کی کہانیاں اور تصویریں تو تھیں، لیکن خالد بن ولید، طارق بن زیاد، صلاح الدین ایوبی، سلطان ایش، سلطان فیروز تغلق، سلطان سکندر لودھی اور سلطان اورنگ زیب عالمگیر جیسے قابل فخر فرزندان اسلام کے تصور اور خاک کے معصوم ذہنوں سے مٹا دیئے گئے۔“

اس نظام تعلیم کے اثرات پر اکبر الہ آبادی مرحوم نے کیا خوب طنز فرمایا ہے:

یوں قتل سے بچوں کے وہ بدنام نہ ہوتا افسوس کہ فرعون کو کالج کی نہ سوجھی

لیکن باوجودیکہ مسلمان بچوں کو انگریزوں کے رائج کردہ نظام تعلیم کے ذریعہ نہ صرف اسلامی تعلیمات سے جا مل رہے خبر رکھنے کی سعی کی گئی، بلکہ علوم اسلامیہ کے ماہرین اور دین اسلام کا عملی نمونہ یعنی اہل حق اور باعمل علماء اسلام اور مخلص و محقق صوفیاء کرام جو تعلق باللہ اور اتباع سنت میں امت کے لئے نمونہ تھے، ان سے دور بلکہ متنفر کرنے کی سعی میں بھی کوئی کمر نہ اٹھا رکھی گئی۔

اس سب کے باوجود بھی مسلمان بچے جو اپنی مسلمہ و مومنہ ماں کی گود سے جو دینی تربیت لے کر نکلتے تھے وہ اس سب سے نامشکور پر بسا اوقات پانی پھیر دینے کے لئے کافی ہوتی تھی۔

لارڈ میکالے کا مشن لے کر اٹھنے والوں نے محسوس کیا کہ انگریزی تعلیم کے ذریعہ تعلیم اسلام سے بیگانہ بلکہ متنفر کرنے کی سعی کے باوجود مسلمان و مومن عورت کی گود سے جو بچہ تربیت حاصل کرتا ہے، بالآخر اس کا رنگ ایسا گہرا ثابت ہوتا ہے کہ وہ اس تمام تر انگریزی تعلیم و تربیت کے باوجود اپنا اثر دکھاتی ہے۔ اور بسا اوقات ماں کی گود سے اسلامی تربیت حاصل کرنے والا بچہ بڑا ہو کر انگریزی تعلیم و تربیت اور ماحول میں مسلسل دین سے غافل و بے خبر بلکہ مغربی تہذیب کا بظاہر و لدادہ بنے رہنے کے باوجود جب کفر و اسلام کے مقابلہ میں سامنے آتا ہے تو مومن ماں کی تربیت سے ایمان کی وہ چنگاری جو ماحول کی راکھ میں دبی ہوئی تھی، سلگنے لگتی ہے۔ اور تمام تر کافرانہ اور دنیا پرستانہ مصلحتوں کو پھونک دیتی ہے۔ اور وہ مسلمان وقت پڑنے پر ایسا پاک مومن ثابت ہوتا ہے کہ لارڈ میکالے کا مشن لے کر اٹھنے والے اعداء اسلام و المسلمین بھی انگشت بدندان رہ جاتے ہیں۔ اب اعداء اسلام نے مسلمان اور مومن ماں کی گود چھیننے اور گہوارہ میں مسلمان بچہ کی دینی تربیت پر ڈاکہ ڈالنے کے لئے منصوبہ بنایا۔ مسلمانوں کی بچیوں کو دین اسلام کی تعلیم سے غافل و محروم رکھنے بلکہ دین اسلام کا رفتہ رفتہ مخالف اور باغی بنانے کے لئے لڑکیوں کے لئے انگریزی تعلیم کے سکول کھولے گئے اور مسلمان عورتوں میں آزادی نسواں اور تعلیم نسواں کے نام پر ان کو اسلامی تعلیمات سے بے خبر و غافل بلکہ مخالف و باغی بنانے کی مہم شروع کر دی گئی۔

جس زمانہ میں یہ کام شروع ہوا بصدارت ابلیس لعین شیاطین کی مجلس میں چراغاں کرنے، عید منانے اور شیاطین کو شاباش و آفرین کہنے اور مبارک باد دینے کے مواقع اس کے مثل بہت کم آئے ہوں گے۔

چنانچہ مسلمان بچیاں انگریزی تعلیم کے سکولوں میں جانے لگیں جن میں بعض امریکن مشن سکول بھی تھے۔ مسلمان بچہ سے تو ماں کی گود چھین لی گئی۔ اب مسلمان بچہ کو ایسی عورت کی گود ملی جو نہ صرف دینی اسلامی تعلیم سے بے بہرہ تھی بلکہ مغربی تہذیب کو نجات کا ذریعہ سمجھتی اور اسلام کو شکر و شبہ بلکہ اسلامی تعلیمات کو انکار کی نظر سے دیکھتی تھی۔

علماء اس صورت حال پر العیاذ باللہ خاموش تماشائی نہ تھے نہ محض مفکر و فلسفی تھے۔ رسول اکرم ﷺ کے ناسین کی حیثیت سے انہوں نے خود شریعت مقدسہ پر عمل کر کے اتباع سنت کے ذریعہ دین اسلام کا اس زمانہ میں صحیح نمونہ پیش فرمایا اور امت اسلامیہ کی صحیح تعلیم و تربیت کے لئے دیوبند میں دارالعلوم، سہارن پور میں مظاہر العلوم، شاہی مسجد مراد آباد میں اور

۱۔ ایک مثال عرض ہے۔ مسلم ہائی سکول انبالہ شہر جہاں احقرؤ لف نے میٹرک تک تعلیم حاصل کی اس اسکول کی سلور جوبلی کے موقع پر اس کے ہیڈ ماسٹر غلام محمد الدین صاحب مرحوم نے اسکول کی تاریخ بیان کی کہ ہم لوگ مشن اسکول میں پڑھتے تھے۔ جمعہ کے روز نماز جمعہ کے لئے بھی مسلمان طلبہ کو جمی نہ لیتی تھی۔ آخر تک آ کر ایک روز طلبہ قطار بنا کر مشن اسکول کو چھوڑ کر باہر نکل آئے اور مسلم ہائی سکول کی بنیاد ڈالی گئی۔ یہ ہمارے ہیڈ ماسٹر صاحب نے بیان فرمایا (احقرؤ لف کو معلوم ہوا کہ پھر اس امریکن مشن اسکول کو گرا کر اسکول بنا دیا گیا۔ احقر نے اسکو بچپن سے گرا کر مشن اسکول ہی دیکھا۔) اسی لئے احقر انبالہ مسلم ہائی سکول کو جو پاکستان بننے کے بعد سرگودھا میں قائم ہوا۔ پاکستان کا نمونہ کہا کرتا ہے۔ کیونکہ اس کی بنیاد بھی پاکستان کی طرح اسلام کی وجہ سے اور اسلام کے نام پر پڑی۔ (۱۷)

۲۔ ان اکابرین میں حضرت اقدس حاجی محمد امداد اللہ مہاجر کی قدس سرہ کے تین اکابر خلفاء امام ربانی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی جتہ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی اور حکیم الامتہ مجدد الملتہ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ خصوصاً قابل ذکر ہیں۔ (۱۸)

بکثرت دوسرے مقامات پر مدارس علوم اسلامیہ کی بنیاد رکھی۔ اس طرح کفر کے سیلاب کا مقابلہ کرنے اور دین حنیف کے تحفظ کے لئے اسلام کے مضبوط قلعے بنائے۔ یہی نہیں بلکہ مسیحی پادریوں اور آریہ پنڈتوں سے مناظرے کئے، مواعظ کی ذریعہ دین اسلام کی تبلیغ کی، جس کے ذریعہ ارتداد کے سیلاب کو روکا، اسلام کا صحیح نقشہ قوم کے سامنے پیش کیا، غیر مسلموں کو اسلام کے محاسن دکھا کر دعوت اسلام دی، حقانیت اسلام کی دلائل و براہین سے حجت قائم کی، مسلمانوں کو محض نسلی مسلمان سے اصلی مسلمان بنایا، اللہ تعالیٰ سے تعلق رسمی کو حقیقی اور قوی بنایا، حب رسول ﷺ سے سینے گرمائے، درس قرآن مجید کے ذریعہ دین کی دعوت دی، ترغیب و ترہیب سے کام لیا، طالبین اصلاح کا تزکیہ نفوس کیا، اصلاحی، علمی، تبلیغی کتابیں تالیف کیں، عورتوں بچوں کے لئے آسان جامع دینی تعلیم کی کتابیں لکھیں، قرآن مجید کے با محاورہ اور لفظی ترجمے کئے، مختصر اور مفصل تفاسیر لکھیں، کتب احادیث شریف کی شروح تالیف کیں، غرضیکہ ہر علم و فن اور ہر شعبہ میں دینی ضرورت کو محسوس کیا اور ہر شعبہ میں کام کیا۔ مسلمان عورت کی تعلیم و تربیت سے بھی غفلت نہیں برتی، بلکہ ضروریات دین کی تعلیم کا سلسلہ جاری رہا، حتیٰ کہ بفضلہ تعالیٰ ہمارے حضرت والّا نے خیر المدارس ملتان میں تعلیم النساء کا شعبہ جاری فرمایا۔ اس تمہید کے بعد تعلیم النساء کی اہمیت و ضرورت اور مدرسہ تعلیم النساء پر مستقل تحریر آگے آ رہی ہے۔

تعلیم النساء

خیر المدارس کے مدرسہ تعلیم النساء کے تعارف سے قبل ضروری معلوم ہوتا ہے کہ مستورات کی دینی تعلیم کی اہمیت و ضرورت کا مختصر تعارف کرا دیا جائے۔ اس سلسلہ میں ”الخیر“ شعبان و رمضان ۱۴۱۷ھ میں ایک مفید مقالہ ہمارے حضرت والّا کی ایک خاص تلمیذہ اور مریدہ کا ملا۔ یہ مقالہ اختصار کے باوجود دینی تعلیم النساء کی اہمیت و ضرورت کے علاوہ مدرسہ تعلیم النساء کے تعارف کو بھی شامل ہے۔

دین اسلام نے حصول علم دین و ترغیب عمل صالح میں مرد و زن دونوں کو یکساں طور پر دعوت دی ہے۔ علم و عمل کے دائرہ میں جنس انسانی کے دونوں فریق مساوی اہلیت کے حامل ہیں۔ فرمان الہی ہے:

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ أَوْ اُنْثَىٰ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً.

”جس مرد و عورت نے ایمان کے ساتھ نیک عمل کئے، ہم انہیں پاکیزہ زندگی عطا کریں گے۔“

مسلمان کی اخروی و دنیوی زندگی کی فلاح و کامرانی کا دار و مدار ایمان و عمل کی پختگی پر ہے۔ اور ایمان و عمل صالح ہی اخروی سعادت مندی کی بنیاد ہیں۔ اس لئے ایمان کی تشریحات عمل صالح کی تفصیلات سے آگاہی ہر مسلمان مرد و عورت کے لئے لازم ہے۔ اس حقیقت سے کوئی ذی شعور فرد یا قوم انکار نہیں کر سکتی کہ اولادِ آدم کی تربیت میں عورت بنیادی کردار ادا کرتی ہے۔ جہاں قدرت نے نومولود بچے کے لئے جسمانی غذا کا ذخیرہ ماں کے جسم میں رکھا ہے۔ وہاں اس کی

روحانی تعلیم و تربیت کا ذمہ دار بھی ماں کو ٹھہرایا ہے۔ دراصل آغوشِ مادر ہی اولین درس گاہ ہے۔ ماں کے عقائد و اعمال کے اثرات بچے پر پڑتے ہیں۔ اسی بناء پر حبیبِ کبریا ﷺ نے فرمایا:

طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيضَةٌ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ وَمُسْلِمَةٍ.

تعلیم دین کی فرضیت صرف مردوں ہی کے لئے نہیں بلکہ عورتوں کے لئے بھی ضروری ہے۔ افسوس کہ اب اس طرف سے انتہائی غفلت ہے، اسلام دشمن عناصر جو کہ مسلمانانِ عالم کی تنزیلی و پستی کے درپے ہیں سب سے پہلے مسلمان عورت ہی کو جو کہ علم دین سے نا آشنا تھی آزادی نسواں کے پُر فریب نعرہ سے صراطِ مستقیم سے ہٹانے کی بھرپور کوشش کر رہے ہیں، کیونکہ اقوام کی پستی و بلندی کا مدار عورت ہی کی سیرت سازی یا کردار کشی سے ہے۔ عورت کا صالح ہونا پوری قوم کے صالح ہونے کی علامت ہے۔ **الدُّنْيَا مَتَاعٌ خَيْرُ الْمَتَاعِ امْرَأَةٌ صَالِحَةٌ.**

یہ نطفہ ارض جس کے حصول کا مقصد صرف اور صرف نفاذ احکامِ شرعیہ ہی بتلایا گیا تھا اس میں اس مقصد کی پامالی تاہنوز جاری ہے۔ مسلمان عورت کا اپنے فرضِ منصبی سے ہٹ کر مغرب کی کورانہ تقلید کی زد میں آ جانا اسلامی تشخص کے لئے نہایت مضر ہے، تاہم غنیمت ہے کہ اس وقت ہمارے ملک میں فکری اقدار اور اسلامی روایات کے تحفظ و بقاء کے لئے کام کرنے والے افراد اور ادارے موجود ہیں۔ اس سلسلہ میں سر فہرست استاذی و مرشدی اُستاز العلماء حضرت مولانا خیر محمد نور اللہ مرقدہ کا نام نامی واسم گرامی ہے۔ حضرت کی ذات بابرکات کسی تعارف کی محتاج نہیں، بلکہ ان کا زریں تعارف سرزمینِ ملتان کی دینی درس گاہ جامعہ خیر المدارس کے تابناک نام سے اظہر من الشمس ہے۔ حضرت مرحوم نے جہاں مسلمانوں کے لئے درسِ نظامی کے باضابطہ نصاب کا اجراء فرمایا وہاں مسلمان بچیوں کے لئے بھی جامعہ خیر المدارس تعلیم النساء کا اجراء فرمایا۔ تعلیم النساء کے اجراء سے مقصود حضرت والا کا صرف اور صرف یہی تھا کہ مسلمان بچیوں کو صحیح اسلامی عقائد و افکار کی قرآن و حدیث کی روشنی میں تعلیم دی جائے اور ذمہ داری ماحول میں ان کے اخلاقی سلیمہ کی تربیت کی جائے، تاکہ مغرب زدہ ماحول اور جدیدیت کے زہر سے معصوم ذہنوں کو مصفا رکھا جائے اور آئندہ نسل صحیح معنوں میں مسلمان بن سکے۔ اس غرض سے مدرسہ تعلیم النساء کے طریقہ تعلیم کو تین شعبوں میں منقسم فرمایا:

(۱) شعبہ پرائمری، یعنی ابتدائی تعلیم کے سلسلے میں اُردو پڑھنا لکھنا، حکومت کا منظور شدہ نصاب، اور ساتھ ہی مدرسہ کے نصاب کے لئے یہ لازمی قرار دیا گیا کہ پانچویں جماعت تک طالبہ صحت الفاظ اور تجوید کے قواعد کے مطابق قرآن کریم مکمل کر لے اور ساتھ ہی اسلامی عقائد و احکام سے واقفیت کے لئے تعلیم الاسلام کے چاروں حصے داخل نصاب فرمائے۔

(۲) دوسرا شعبہ ان خواندہ طالبات کے لئے مقرر فرمایا جس میں ابتدائی فارسی و عربی گرامر و ادب یعنی صرف و نحو، ترجمہ قرآن مجید، زاد الطالبین، ریاض الصالحین، مشکوٰۃ شریف، تفسیر بیان القرآن اور فقہی مسائل کے لئے نور الایضاح و قدوری کا

چہار سالہ نصاب مقرر فرمایا۔ اضافی نصاب یعنی پانچویں سال میں بخاری شریف، شامل ترمذی اور مؤطا امام محمد جیسی مستند کتابیں مقرر کی گئیں۔

(۳) تیسرا شعبہ طالبات کے لئے حفظ قرآن مجید کا ہے۔ بحمد اللہ مدرسہ تعلیم النساء تینوں شعبوں میں باحسن طریق کامیاب ہے۔ تعلیم النساء سے طالبات ہر سال کافی تعداد میں درسِ نظامی و حفظ قرآن مجید سے فراغت کی سند حاصل کرتی ہیں، جس کے نتیجہ میں بفضلہ تعالیٰ ملک بھر میں جامعہ کی فاضلات دینی تعلیم کے اہم ترین فریضہ کی ادائیگی میں مصروف عمل ہیں۔ اب تک مدرسہ تعلیم النساء سے اڑھائی سو طالبات سند فراغت حاصل کر چکی ہیں۔ اس وقت تقریباً ساڑھے نو صد طالبات، شعبہ تعلیم النساء میں زیر تعلیم ہیں۔ ۱۳ معلمات، شعبہ پرائمری اور شعبہ حفظ و کتب میں مصروف کار ہیں۔ مدرسہ تعلیم النساء جامعہ سے علیحدہ مستقل عمارت میں قائم ہے، جس میں طالبات کے شرعی پردہ کا مکمل لحاظ رکھا گیا ہے۔ ادارہ کے اس شعبہ سے اہل ملتان کو خصوصیت سے فائدہ پہنچتا ہے۔ ہر سال اتنی کثرت سے طالبات کے والدین اور سرپرست اپنی بچیوں کے داخلہ کے لئے آتے ہیں کہ عمارت کی کمی کی وجہ سے بہت سے حضرات سے معذرت کرنی پڑتی ہے۔ یہ سب حضرت بانی رحمۃ اللہ علیہ کے اخلاص و حسن نیت کا ثمر ہے۔ لسانِ نبوت کا ارشاد ہے: **إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ** حضرت نور اللہ مرقدہ کا تعلیم نسواں کے بارے میں فرمان تھا کہ مرد تو جتنا بھی دین دار ہو کسبِ معاش کے سلسلے میں بچوں سے دور ہی رہتا ہے۔ اس لئے باپ کا کردار اولاد پر اتنا اثر انداز نہیں ہوتا جتنا ماں کا ہوتا ہے۔ اگر ماں عقائد صحیحہ اور ایمان کی نعمت سے مالا مال ہو، اخلاق و اطوار میں شریعتِ مصطفویٰ کی جھلک ظاہر ہو تو واضح ہے کہ بچہ ماں ہی کے اعمال و عقائد کا نقش لے گا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ عورت کا دیندار ہونا مسلمان قوم کی حیات و بلندی کے لئے اشد ضروری ہے۔ **وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيمِ**.

سنگِ بنیاد مدرسہ تعلیم النساء:

حضرت حافظ رشید احمد صاحب جالندھری، سابق ناظم دفتر جامعہ خیر المدارس احقر مؤلف کے نام ایک گرامی نامہ

مورخہ ۷/ اپریل ۵۶ء میں فرماتے ہیں: ”ایک دینی زنانہ مدرسہ کی سنگ بنیاد رکھی گئی ہے۔“

گرامی نامہ کی تاریخ سے اندازہ ہوتا ہے کہ مارچ یا اپریل ۵۶ء میں مدرسہ تعلیم النساء کی بنیاد رکھی گئی ہوگی۔

اس کے بعد محترمی ماسٹر اقبال قریشی کا مفید مقالہ بھی ملاحظہ فرمائیے جو ضرورت و اہمیت تعلیم النساء اور تعارف

مدرسہ تعلیم النساء پر مشتمل ہے۔

مدرسہ تعلیم النساء

مدرسہ خیر المدارس کو پاکستان کے دیگر دینی مدارس میں یہ امتیازی اور خصوصی انفرادی حیثیت حاصل ہے کہ اس میں مدرسہ دینیہ تعلیم النساء بھی قائم ہے، جس میں بچیوں کو قرآن پاک کی تعلیم کے ساتھ عربی، فارسی اور حدیث و دینیات کی تعلیم بھی دی جاتی ہے، اور اس کے لئے نصاب تعلیم حضرت بانی "مدرسہ نے خود تجویز فرمایا تھا، بلکہ اختیاری طور پر بچیاں چاہیں تو دورہ حدیث اور درجہ تکمیل بھی پورا کر سکتی ہیں، جس میں پردہ کا انتظام ہوتا ہے۔ ماشاء اللہ خیر المدارس میں بیسیوں خوش قسمت بچیاں دورہ حدیث شریف کر چکی ہیں۔

دور حاضر میں عورتوں کے لئے دینی تعلیم کی جس قدر شدید ضرورت ہے اہل بصیرت حضرات اس کا انکار نہیں کر سکتے۔ خود مفتی اعظم پاکستان حضرت اقدس سیدی و مرشدی مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی نور اللہ مرقدہ نے اس ناپز کے سامنے اس ضرورت کا بارہا اظہار فرمایا، بلکہ فرمایا ان کی تعلیم میں جس قدر محنت اور مشقت زیادہ ہوگی اس کا اجر و ثواب اس محنت سے کہیں بڑھ کر ہوگا۔ ہمارے ماحول میں لا دینیت کے اثرات جس تیزی سے پھیل رہے ہیں اس کی اصل وجہ یہی ہے کہ بچیوں کو دینی تعلیم کی بجائے انگریزی مضامین پڑھائے جاتے ہیں جن کا اسلامی عملی زندگی سے کوئی مثبت تعلق نہیں ہوتا، بلکہ شدید منفی اثرات ہوتے ہیں۔ چنانچہ ہمارے معاشرے میں فحاشی، بے پردگی اور عریانی کا سیلاب تیزی سے پھیل رہا ہے۔ جناب اکبر الہ آبادی نے بالکل صحیح فرمایا تھا۔

حادثہ چکی نہ تھی انگلش سے جب بیگانہ تھی

اب ہے شمع انجمن پہلے چراغ خانہ تھی

حدیث شریف میں وارد ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی عورتوں کی تعلیم و تذکیر کے لئے ایک دن مخصوص فرمایا کرتے تھے جس میں عورتیں جمع ہو کر آنحضرت ﷺ سے دینی احکام سیکھتی تھیں۔ خیر المدارس میں مدرسہ تعلیم النساء کا اجراء اسی عمل نبوی سے مطابقت رکھتا ہے۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ دیگر دینی مدارس بھی خیر المدارس کے اس مبارک سلسلہ کی تقلید کریں اور اپنے ہاں شعبہ تعلیم النساء کا ضرور اجراء کریں۔ ابتداء میں ضرور مشکلات ہوں گی مگر اس کے نتائج بھی ان شاء اللہ بہت موثر، دیر پا اور نمایاں ثابت ہوں گے۔ اَللّٰهُمَّ وَفَقْنَا لِمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰی، آمین۔

دور حاضر کے مشاہیر اساتذہ میں حضرت مولانا محمد مالک صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ، شیخ الحدیث جامعہ

۱۔ انس اسنادی الحرم اوائل ربيع الاول ۱۴۰۹ھ میں (مطابق ۲۱-۲۲ اکتوبر ۱۹۸۸ء) کی درمیانی شب جمعہ کو حسب روایت "الخیر" جمادی الاولیٰ ۱۴۰۹ھ کو رحلت فرمائے۔ انا لله

اشرفیہ لاہور اور حضرت مولانا محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہ، مہتمم دارالعلوم کراچی نے اپنی آراء میں خیر المدارس کے اس خصوصی شعبہ تعلیم النساء کی بڑی تعریف فرمائی ہے۔ امید ہے کہ وہ اپنی درس گاہوں میں بھی اس سلسلہ خیر کے اجراء کی سعی فرمائیں گے۔^۱

مدرسہ خیر المدارس کے سالانہ تبلیغی اجتماعات

مدرسہ خیر المدارس نے ہمیشہ تبلیغی جدوجہد کے سلسلہ میں سہ روزہ سالانہ اجتماع کا اہتمام رکھا ہے۔ اس کے سالانہ جلسہ سے بے شمار عوام الناس کو فائدہ پہنچتا ہے۔ قرب و جوار کے علاوہ دور دراز کے شہروں سے لوگ سالانہ اجتماع میں شرکت کے لئے حاضر ہوتے رہتے ہیں۔ حضرت بانی مدرسہ نے اس چیز کا خاص اہتمام فرمایا تھا کہ حضرات مبلغین و مقررین کے علاوہ مشائخ عظام کو بھی شرکت کی دعوت دی جاتی تھی۔ چنانچہ مدرسہ کے سالانہ جلسوں میں شیخ الاسلام حضرت علامہ مولانا شبیر احمد عثمانی، مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندی جانشین شیخ الہند حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی، استاذ العلماء حضرت علامہ مولانا رسول خان صاحب رحمہم اللہ جیسے مشائخ شرکت فرماتے رہے ہیں۔ حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب اور امیر شریعت حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری کی مدرسہ خیر المدارس کے سالانہ اجتماعات میں بڑی معرکہ الآراء تقریریں ہوئی ہیں۔ برادر محترم حضرت حافظ رشید احمد صاحب مرحوم نے تو خیر المدارس جالندھر میں حکیم الاسلام حضرت قاری محمد طیب صاحب کی دو تقریریں فلسفہ نماز اور شان رسالت کو طبع بھی کرایا تھا اور قیام پاکستان کے بعد حضرت مرحوم نے ہی ملتان سے دونوں تقریروں کو دوبارہ مزید طبع کرایا۔ فلسفہ نماز کے دوسرے ایڈیشن میں حضرت والائے حضرت قاری صاحب مدظلہم کے متعلق تعریفی کلمات تحریر فرمائے تھے۔

وعظ شان رسالت کو سن کر ایک عیسائی نے بھی اسلام قبول کیا تھا۔

خیر المدارس جالندھر کے سالانہ جلسہ کا ایک واقعہ فرمودات امیر شریعت حصہ اول، مرتبہ حکیم مختار احمد الحسنی صاحب، میں یوں منقول ہے کہ حضرت امیر شریعت مولانا عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری رحمۃ اللہ علیہ سالانہ جلسہ میں شرکت کے لئے تشریف لائے ہوئے تھے اور کھانا تناول فرما رہے تھے کہ ایک بھنگی جھاڑو دیتا ہوا گزرا۔ حضرت شاہ صاحب نے اس کو ساتھ کھانے کی دعوت دی۔ اس نے عرض کیا کہ حضرت آپ تو سید ہیں اور میں چوڑھا ہوں۔ آپ نے فرمایا ”کیا چوڑھا انسان نہیں ہوتا۔“ اور قسم کھائی کہ جب تک تو میرے ساتھ بیٹھ کر کھانا نہیں کھائے گا اس وقت تک میں بھی کھانا نہیں کھاؤں گا۔ چنانچہ آپ نے ہاتھ دھلا کر پہلے اسے پانی پلایا، پھر اس کا جھوٹا پانی خود پیا اور اپنے ساتھ بیٹھا کر کھانا کھلایا۔ اس نے

۱۔ اب الحمد للہ ان دونوں جگہوں میں بھی اور اکثر مدارس دینیہ میں بھی علیحدہ باپردہ بچیوں کے مدارس قائم کئے جا چکے ہیں اور مزید قائم کئے جا رہے ہیں، محمود احمد غنی مند
۲۔ بفضلہ تعالیٰ اس ناچیز کو دونوں دفعوں کی تخلص کا شرف حاصل ہوا جو ”شان رسالت، شان خلافت اور نماز پورے اسلام کی میزان اکل ہے“ کے عنوانات سے متعدد مشاہیر اہل
رسائل میں طبع ہو چکے ہیں۔ احقر قریشی

جا کر یہ واقعہ اپنی بیوی سے بیان کیا۔ اس کی بیوی اسلام کی یہ تعلیمات دیکھ کر بہت متاثر ہوئی اور شام کو دونوں نے ساتھ آخر اسلام قبول کر لیا۔ بلاشبہ ان کے قبول اسلام کا سبب حضرت شاہ صاحبؒ کے وسعت اخلاق حسنہ ہی تھا، مگر واقعہ تو احاطہ خیر المدارس ہی میں پیش آیا اور حضرت شاہ صاحبؒ کی تشریف آوری کا سبب بھی اسی کا سالانہ جلسہ تھا۔

اسی طرح ایک اور واقعہ احقر نے حضرت مولانا عبدالعزیز صاحب خطیب جامع مسجد زراعتی فارم ساہیوال سے خود سنا ہے کہ ایک بار انہوں نے خیر المدارس کے سالانہ جلسہ میں مرزا قاتل کا یہ مشہور واقعہ سنایا کہ ایک بار انہوں نے ایک نعت لکھی جسے پڑھ کر ہندوستان کا ایک شخص از حد متاثر ہوا اور وہ مرزا قاتل بیگ کی زیارت کے لئے ہندوستان سے پیادہ چل کر ایران پہنچا۔ اتفاق سے اس وقت مرزا قاتل کے پاس پہنچا جب وہ اپنی ڈاڑھی منڈا رہے تھے۔ اس نے ملے ہی فوراً کہا ”آغا ریش مے ترا شی؟“ یعنی آغا کیا تم داڑھی کتر وار ہے ہو۔ مرزا قاتل نے فوراً جواب دیا ”بلے ریش مے ترا شم و لے دل کے نئے خراشم“ یعنی میں داڑھی کتر وار ہا ہوں لیکن کسی کے دل کو تکلیف نہیں پہنچا رہا۔

اس شخص نے فی البدیہہ جواب دیا ”آرے آرے دل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مے خراشی“ یعنی ہاں ہاں تم جناب رسول اللہ ﷺ کا دل دکھا رہے ہو، یعنی تمہارے ان حالات کی جناب رسول اللہ ﷺ کو اطلاع ہوگی تو اس سے آپ کا دل دکھے گا، جیسا کہ احادیث میں ہے کہ ہر سوموار اور جمعرات کو امت کے اعمال کی اطلاع جناب رسول اللہ ﷺ کو دی جاتی ہے اور ظاہر ہے کہ امت کے خلاف شریعت اعمال کی اطلاع پا کر رحمۃ اللعالمین کا دل دکھتا ہے۔

تو مرزا قاتل اس شخص کی بات سنتے ہی بے ہوش ہو گئے اور زبان حال سے کہا:

جزاک اللہ کہ چشم باز کردی مرابا جان جاں ہمراز کردی

یعنی اللہ تعالیٰ تمہیں جزائے خیر عطا فرمائے کہ تم نے میری آنکھیں کھول دیں اور مجھے محبوب سے ملا دیا اور فوراً آئندہ داڑھی منڈانے سے توبہ کر لی۔

تو مولانا موصوف نے فرمایا کہ جب میں نے خیر المدارس کے سالانہ جلسہ پر یہ واقعہ بیان کیا تو ایک شخص بہت رویا اور اس نے آئندہ داڑھی منڈانے سے توبہ کر لی اور انگریزی بال تو اسی وقت منڈا ڈالے۔ مولانا موصوف فرماتے ہیں کہ خیر المدارس کے آئندہ سالانہ جلسہ میں وہ شخص مجھ سے ملا تو اس شخص نے حسب وعدہ داڑھی رکھ لی تھی۔

یہ ناچیز عرض کرتا ہے کہ مرزا قاتل کا واقعہ مذکورہ حضرت مولانا دوسرے مقامات پر بھی اپنے وعظوں میں بیان فرمایا کرتے ہیں، لیکن خیر المدارس کے بلکہ سالانہ میں اس شخص کو توبہ کی توفیق ملنا حق سبحانہ و تعالیٰ کی خاص نظر رحمت کا سبب معلوم ہوتا ہے، اور کیا بعید کہ حضرت والا کی موجودگی ہی اس کا سبب ہو۔

یہ دو تین واقعات تو احقر نے بطور مثال کے عرض کئے ہیں، ورنہ خیر المدارس کے سالانہ تبلیغی اجتماع سے عام الناس اور علماء کو اتنا نفع پہنچتا رہا ہے کہ اس کا احاطہ بیان مجھ ناچیز سے دشوار ہے۔ بڑے بڑے مشائخ کی زیارت خیر المدارس کے سالانہ اجتماع میں نصیب ہو جاتی تھی (کیونکہ ہر ایک کے پاس علیحدہ علیحدہ سفر کر کے پہنچنا ہر شخص کے بس کی بات نہیں ہوتی) جو اس کا مصداق تھی۔

میر! جمع ہیں احباب درِ دول کہہ لو پھر التفات دل دوستاں رہے نہ رہے

الحمد للہ! اس ناچیز کو حضرت والا کی حیاتِ طیبہ کے بالکل آخری دور میں خیر المدارس کے سالانہ جلسوں میں شرکت کی سعادت نصیب ہوئی۔ شیخ النفسیر حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ اور شمس العلماء مولانا شمس الحق صاحب افغانی "علم کے وہ موتی بکھیرتے جن کی مثال اب کہیں نظر نہیں آتی۔ مولانا عطاء المنعم شاہ صاحب بخاری صاحب زادہ حضرت امیر شریعتؒ تو فرمایا کرتے تھے کہ خیر المدارس کے ان تین روزہ سالانہ جلسہ میں علمی باتیں نوٹ کیا کرتا ہوں اور سچ ہے کہ یہ باتیں پھر میں سال بھر تک اپنی تقریروں میں بیان کرتا رہتا ہوں۔ غرض میں سال بھر کا علمی ذخیرہ اسی سر روزہ اجتماع میں جمع کر لیتا ہوں۔

خود یہ ناچیز بھی اس مبارک اجتماع کے نوٹس قلم بند کر لیتا تھا، جن میں سے بعض افادہ عامہ کی خاطر ماہنامہ صدائے اسلام پشاور میں طبع بھی کر دیئے تھے۔ اب بھی بعض مرتبہ جو تقریر یا بیان کی نوبت آتی ہے تو اس مواد سے بھی بڑی مدد ملتی ہے۔ غرض یہ بزار روحانی اجتماع ہوتا ہے۔

حضرت والا کے وصال کے بعد ملک میں کچھ ایسے سیاسی حالات رونما ہوئے کہ مہتمم ثانی حضرت مولانا محمد شریف صاحب جالندھریؒ باقاعدگی کے ساتھ اس مبارک سلسلہ کو نباہ نہ سکے۔ لیکن پھر بھی کئی اجتماعات اسی شان کے ان کے دور اہتمام میں بھی ہوئے ہیں اور نہ ہونے کا سبب بھی ان کی طرف سے کوئی کمی نہیں، جیسا کہ پہلے مذکور ہو چکا ہے، بلکہ خیر المدارس کیا، اکثر دینی مدارس کے سالانہ اجتماعات منگلی حالات کے سبب باقاعدگی قائم نہ رکھ سکے۔

مزید بابت سالانہ جلسات خیر المدارس:

حضرت مولانا حافظ منظور احمد صاحب، استاذ الحدیث خیر المدارس نے اس سلسلہ میں دو دلچسپ واقعات تحریر فرمائے ہیں، جو پیش خدمت ہیں:

(۱) حضرت مولانا سید سلیمان کے بیان اور جلسہ خیر المدارس کے دوران بارانِ رحمت:

حضرت والا خیر المدارس کے سالانہ جلسہ پر زیادہ تر کوشش صاحبِ نسبت علماء کے بلانے کی فرماتے۔ یہی وجہ ہے کہ خیر المدارس کے سالانہ جلسہ پر علماء دین کے اجتماع پر اکثر بارش بھی ہو جاتی تھی اور ملتان کے لوگوں میں مشہور تھا کہ اگر بارش کی ضرورت ہو تو خیر المدارس والوں کو کہا جائے کہ مدرسہ کا جلسہ کرائیں، لہذا الحمد۔ اسی لئے ایک دفعہ دورانِ تقریر حضرت مولانا سید سلیمان ندوی قدس سرہ نے فرمایا تھا کہ یہ خیر المدارس کا جلسہ ہے یا صلوة استقاء۔ کیونکہ ان کی تقریر کے دوران بارش شروع ہو گئی تھی۔

(۲) حضرت مولانا مدنیؒ کو جلسہ کے لئے دعوتِ بحیثیتِ شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند، نہ کہ بحیثیتِ صدرِ جمعیتِ العلماء ہند:

حضرت اپنی جماعت کے ہر عالم دین سے محبت رکھتے۔ ایک دفعہ ملک کی تقسیم سے پہلے خیر المدارس کے سالانہ جلسہ کے لئے حضرت مدنی قدس سرہ کو دعوت دی تو جمعیت علماء ہند کے ناظم صاحب نے لکھ بھیجا کہ چونکہ حضرت مدنی جمعیت کے امیر ہیں اور امیر جب بھی کسی جلسہ میں جاتے ہیں تو صاحبِ جلسہ کو پانچ سو روپیہ پہلے دفتر جمعیت میں جمع کرانے پڑتے ہیں۔ اس لئے یہ پانچ صد (۵۰۰) آپ بھیجیں، تب حضرت کو بھیجا جائے گا۔ مگر یہ ساری بات حضرت مدنیؒ کے علم سے بالاتر تھی۔ ہمارے حضرت نے جواب لکھا کہ میں نے جمعیت العلماء ہند کے صدر اور امیر کو نہیں بلوایا، بلکہ دارالعلوم دیوبند کے شیخ الحدیث کو بلوایا ہے اور اس پر حضرت مدنی قدس سرہ بطیب خاطر تشریف لائے اور جلسہ پر بیان فرمایا۔

خیر المدارس جالندھر کے جلسہ میں حضرت مولانا مدنیؒ کو دعوت دینے کے متعلق ایک واقعہ احقر مؤلف کو بھی یاد آیا۔

شرکتِ جلسہ سے حضرت مولانا مدنیؒ کا عذر اور اس کا ازالہ بجواب حضرت والاؒ:

احقر مؤلف نے حضرت والا سے ایک بار سے زائد سنا ہے کہ حضرت والا نے حضرت مولانا مدنیؒ کو خیر المدارس جالندھر کے جلسہ پر بیان فرمانے کی دعوت دی تو انہوں نے یہ عذر فرمایا کہ میری زبان سے بے اختیار انگریزوں کے خلاف نکلے گا اور یہ آپ کے مدرسہ کے لئے مضر ہوگا (کیونکہ یہ تقسیم ہند سے قبل انگریزی حکومت کے عہد کا واقعہ ہے) حضرت والا نے اس کے جواب میں فرمایا کہ آپ اپنے اختیار و ارادہ سے ایسا بیان نہ فرمائیں، بے اختیار نکل جائے تو مضائقہ نہیں۔ چنانچہ حضرت مولانا مدنیؒ نے جلسہ پر تشریف لا کر بیان فرمایا اور اس بیان میں انگریزوں کے خلاف کوئی بات نہیں فرمائی۔

دو ملفوظات حضرت والا بر موقع جلسہ:

اس کے بعد حضرت والا کے دو ملفوظ مرتبہ مکرمی ماسٹر اقبال قریشی صاحب زید مجدہم پیش کئے جاتے ہیں۔ یہ دونوں دستار بندی طلباء خیر المدارس کے دو سالانہ جلسوں کے موقع پر صدر مقرر فرماتے ہوئے حضرت والا نے ارشاد فرمائے:

ملفوظ نمبر (۶) انتخاب صدر جلسہ میں ترک تکلف اور رسم مغرب سے اجتناب:

بوقت دستار بندی طلباء خیر المدارس ۱۲ مارچ ۱۹۶۷ء... اتوار استاذ العلماء حضرت مولانا رسول خان صاحب کو صدر منتخب کرتے ہوئے فرمایا کہ ”میں اس کا قائل نہیں کہ ایک کھڑے ہو کر کہے میں (فلاں کو) صدر منتخب کرتا ہوں اور دوسرا اس کی تائید کرے۔ حالانکہ صدر سب کی طرف سے ہوتا ہے۔ جب ایک بانی اور مہتمم نے کہہ دیا تو گویا سب نے کہہ دیا۔ کیونکہ بانی اور مہتمم سب کی طرف سے ہوتا ہے۔“ پھر فرمایا مولانا (موصوف) صدارت کریں گے۔ بعد میں دستار بندی ہوئی، جس میں صاحب صدر موصوف ”حضرت والا، شمس العلماء حضرت علامہ شمس الحق افغانی“ اور مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی نے دستار بندی کی۔ دستار بندی کے بعد حضرت افغانی نے ”روٹی کا مسئلہ“ (یعنی انسان کا معاشی مسئلہ اور اس کا حل) پر تقریر فرمائی۔

ملفوظ نمبر (۷) ہمارا مدرسہ پرانے طریق پر چل رہا ہے... حضرت والا کا ارشاد:

جلسہ دستار بندی ۱۹۶۸ء..... بوقت دستار بندی حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب میاں چنوں کو صدر منتخب کرتے ہوئے فرمایا: ”دراصل ہمارا مدرسہ پرانے طریق پر چل رہا ہے، جیسے دارالعلوم دیوبند، مظاہر العلوم سہارن پور وغیرہ۔ وہاں صدر اس کو منتخب کرتے تھے جو سب سے افضل ہو، مولانا محمد ابراہیم صاحب چونکہ جامع شریعت و طریقت ہیں، استاذ العلماء حضرت مولانا محمود الحسن صاحب کے شاگردوں میں سے ہیں، اس لئے میں ان کو صدر منتخب کرتا ہوں۔“

اور اسی پر اس موضوع کو ختم کیا جاتا ہے۔

اصلاحِ اُمت کے لئے فریضہ اصلاح و تزکیہ اور تعلیم و تبلیغ یا صرف حکومت کی اصلاح زیادہ اہم اور ضروری کیا ہے؟

ایک غلط فہمی کا ازالہ اور اس کی اصلاح

مدرسہ خیر المدارس ملتان کا سالانہ جلسہ ۱۶، ۱۷، ۱۸ شعبان ۱۳۷۵ھ مطابق ۳۰، ۳۱، ۳۲ دیکم اپریل ۱۹۵۶ء بروز جمعہ ہفتہ اتوار منعقد ہوا۔ اس کا مطبوعہ اعلان جو حضرت والا کی طرف سے شائع ہوا تھا وہ احقر مؤلف کی فائل میں ملا۔ چونکہ اس میں مسلمانوں کی صلاح و فلاح دارین اور اصلاح کے نہایت اہم اصول مذکور ہیں، نیز اس میں ایک عام غلط فہمی کا ازالہ اور اصلاح بھی ہے، اس لئے اس کا اقتباس یہاں نقل کیا جاتا ہے۔ اُمید ہے اپنی اور سب مسلمانوں کی اصلاح اور فلاح دارین کے متمنی حضرات اس سے پورا پورا فائدہ اٹھائیں گے۔ بہت سے حضرات کو بے حد نفع ہوا ہے..... وہو ہذا۔

الحمد لله وكفى وسلام على عباده الذين اصطفى. اما بعد: وطن عزیز جمہوریہ اسلامیہ پاکستان میں نظام اسلامی کی جدوجہد کے لئے جہاں بالائی اور دستوری کوششوں کی ضرورت ہے، وہاں اس سے بیسیوں گنا زائد عامہ مسلمین میں دینی شعور کے پیدا کرنے اور اس کے بقاء و تحفظ کی بے انتہا اور لامحدود سعی کی ضرورت ہے۔

آج تعلیم یافتہ حضرات کے ایک طبقہ میں یہ خیال جاگزیں ہو چکا ہے کہ تعلیم و تبلیغ کی چنداں ضرورت نہیں۔ صرف حکومت کی مشینری کے ٹھیک اور اصلاح یافتہ ہو جانے سے دینی نظام خود بخود ٹھیک ہو جائے گا۔ اس غلط فہمی میں بہت سے سمجھ دار اور دین دار لوگ مبتلا ہو کر اپنے فرائضِ تعلیم و تبلیغ سے بالکل غافل ہو رہے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلام کے اصول و فروع کی صحیح تعلیم اور رسول اللہ ﷺ کے احکام و اوامر کی کما حقہ تبلیغ اور آپ کا جاری کردہ طریق اصلاح و تزکیہ ہی مسلمانوں کے لئے ناقیم قیامت ترقی و فلاح کا ضامن ہے۔

علماء ربانیین نے ہر زمانہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان یتلوا علیہم آیاتہ ویزکیہم وبعلمہم الکتاب والْحِکْمَةَ کا حتی الامکان اتباع کرتے ہوئے مدارس عربیہ اور خانقاہوں کے ذریعہ تعلیم و تزکیہ اور تبلیغی جلسوں اور فود کے ذریعہ فریضہ تبلیغ سرانجام دیا ہے۔

اور ۷، ۸، ۹ مارچ ۵۸ء کے سالانہ جلسہ کے لئے مطبوعہ دعوت نامہ میں پہلے پیرا گراف کی عبارت مندرجہ ذیل ہے (بعض دیگر سالانہ جلسوں کے دعوت نامہ کی عبارت بھی تقریباً اسی مضمون کی ہے): ”دینی علوم کی تعلیم و تبلیغ اور اسلامی عقائد و مسائل کی اشاعت و ترویج یوں تو ہر دور میں ضروری ہے، لیکن اس غفلت شعاری اور الحاد و زندقتہ کے پُرفتن زمانہ میں اس کی

اہمیت بہت زیادہ بڑھ جاتی ہے۔" یہ دعوت نامہ حضرت والا ہی کی طرف سے ہوتا تھا۔

مدرسہ عربی خیر المدارس کے سرپرست حضرات

جالندھر میں مدرسہ خیر المدارس کی تاسیس اور پھر ملتان میں نشاۃ ثانیہ سے بالترتیب سرپرست حضرات کے اسامی گرامی درج ذیل ہیں:

☆ حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا شاہ محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہ

☆ شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی قدس سرہ

☆ محدث وقت حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی قدس سرہ

☆ عارف باللہ حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب قدس سرہ

☆ شمس العلماء حضرت مولانا شمس الحق صاحب افغانی قدس سرہ

☆ مخدوم العلماء حضرت حاجی محمد شریف صاحب قدس سرہ

مدرسہ خیر المدارس کے مہتمم حضرات:

بانی و مہتمم اول: جامع المعقول والمنقول خیر القہماء والمحدثین حضرت مولانا خیر محمد صاحب جالندھری نور اللہ مرقدہ

مہتمم ثانی: حضرت مولانا حافظ محمد شریف صاحب جالندھری رحمۃ اللہ علیہ (مدفون جنت المعطلی، مکہ مکرمہ)

مہتمم ثالث: حضرت مولانا قاری حافظ محمد حنیف صاحب جالندھری زاو مجدہ سلمہ اللہ تعالیٰ (موجودہ مہتمم)

نوٹ: مہتمم حضرات میں سے مہتمم اول اور بانی مدرسہ کی تو یہ سوانح حیات ہی ہے۔ اور مہتمم ثانی حضرت مولانا محمد شریف

صاحب جالندھری رحمۃ اللہ علیہ کے مختصر حالات باب ۱۹، اہل و عیال میں آ رہے ہیں۔ نیز "ذکر خیر و یاد شریف" میں بھی

قدرے تفصیل سے آچکے ہیں۔ اس لئے اب یہاں موجودہ مہتمم مولانا حافظ قاری محمد حنیف صاحب زاو مجدہ کے مختصر حالات

ماہنامہ "الخیر" (شعبان و رمضان ۱۴۰۷ھ، ص ۳۶ تا ۳۹) سے بغیر سیر قدرے ملخصاً نقل کئے جاتے ہیں۔

حضرت مولانا حافظ قاری محمد حنیف صاحب جالندھری زاد مجدد

ولادت:

۲۸ جمادی الاولیٰ ۱۳۸۱ھ مطابق ۸ نومبر ۱۹۶۱ء بروز چہار شنبہ بوقت صبح

تاریخی نام:

قاسم ظفر ، عاصم ظفر ، خورشید اکرم
 ۱۳۸۱ھ ۱۳۸۱ھ ۱۳۸۱ھ

تمہید:

حضرت مولانا محمد شریف صاحب جالندھری کی وفات کے بعد خیر المدارس کے اہتمام کی گرفتار ذمہ داری صاحبزادہ مولانا محمد حنیف کے کندھوں پر آ پڑی۔ آپ بلند حوصلہ، جوان فکر، نئے عزائم اور ابھرتی صلاحیتوں کے مالک ہیں۔ جامعہ کے تعلیمی، تعمیری اور ترقیاتی منصوبوں کو نہایت پامردی اور استقامت کے ساتھ آگے بڑھا رہے ہیں۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ خیر المدارس جیسے ادارہ کا انتظام و انصرام جس کے لئے ایک کہنہ مشق، تجربہ کار، جہاندیدہ اور زیرک شخص کی ضرورت تھی، مولانا محمد حنیف صاحب کی نگرانی میں بخیر و خوبی چل رہا ہے۔ جس میں ان کی صلاحیتوں کے ساتھ ساتھ اکابر کی دعاؤں، بانی جامعہ کے اخلاص و توجہات اور مخلص اساتذہ کے تعاون کو بھی دخل ہے۔ بحمد اللہ جامعہ ترقی پذیر ہے۔ اللہ تعالیٰ اس ادارہ کو حضرت بانی جامعہ رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک و مشرب کے مطابق دین کی بیش از پیش خدمات کی توفیق عنایت فرمائیں۔

خطابت اور تدریس:

جس سال آپ کے والد محترم دوسرے حج کے لئے تشریف لے گئے، اسی سال آپ دورہ حدیث شریف کے امتحان میں امتیازی حیثیت سے کامیاب ہوئے۔ حج کے سفر پر روانگی سے قبل جامع مسجد خیر المدارس میں خطابت کے فرائض مولانا محمد حنیف صاحب کے سپرد فرمائے۔ دو ماہ قبل شعبان میں درس نظامی کی تعلیم سے فراغت کے بعد اس سال آپ کا تکمیل کا قصد تھا کہ اچانک ۸ ذی قعدہ ۱۴۰۱ھ کو حضرت مولانا مرحوم کی قابل رشک وفات کی اطلاع موصول ہوئی تو جامعہ میں مولانا کا تقریب طور مدس کر دیا گیا۔

انتخاب مہتمم:

آپ کے عم محترم قائم مقام مہتمم کے فرائض سرانجام دے رہے تھے۔ مجلس شوریٰ کا اجلاس ”انتخاب مہتمم“ کے سلسلہ میں منعقد ہونا طے پا چکا تھا۔ اس منصب کے لئے اندرون و بیرون جامعہ سے مختلف حضرات کے نام لئے جا رہے

تھے۔ حضرت علامہ کشمیری، حضرت قاری رحیم بخش صاحب، حضرت مفتی عبدالستار صاحب مدظلہ العالی اور حضرت مولانا محمد صدیق صاحب مدظلہ، مولانا حنیف صاحب کے اہتمام کا فیصلہ کر چکے تھے۔ حضرت علامہ کشمیری صاحب شروع دن ہی سے مولانا کے اہتمام کے بارے میں مصر تھے۔ حتیٰ کہ مولانا کی وفات کے بعد پہلی ملاقات میں ہی مولانا سے یہ فرما دیا کہ ہم تمہیں مہتمم بنائیں گے۔ مولانا نے عرض کیا حضرت یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ میں تو قطعاً اس کا اہل نہیں ہوں۔ حضرت قاری صاحب نے فرمایا کہ اگر حنیف کے علاوہ کسی اور کو مہتمم بنایا گیا تو میں! استغنیٰ دے دوں گا۔ شوریٰ کے اجلاس سے ایک روز پہلے بعض ممبران شوریٰ تشریف لا چکے تھے اور اس اہم مسئلہ پر گفت و شنید کر رہے تھے۔

شوریٰ کا اجلاس:

۲۳ ذی الحجہ ۱۴۰۱ھ مطابق ۲۲/ اکتوبر ۱۹۸۱ء نوبے صبح اجلاس کا آغاز ہوا۔ اجلاس میں حضرت حاجی محمد شریف صاحب، حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب، حضرت مولانا مفتی عبداللہ صاحب، حضرت مولانا کشمیری صاحب، حضرت مولانا محمد عبید اللہ صاحب، حضرت مولانا مفتی غلام قادر صاحب، حضرت مولانا مفتی عبدالشکور ترمذی صاحب، حضرت مولانا مشرف علی تھانوی صاحب، حضرت مولانا محمد عبداللہ صاحب رائے پوری سمیت سولہ ممبران نے شرکت فرمائی۔ حضرت افغانی و حضرت مولانا محمد مالک صاحب کاندھلوی شریک اجلاس نہیں ہو سکے۔ لیکن ہر دو حضرات نے بذریعہ خط اپنی رائے سے مجلس کو آگاہ فرما دیا تھا۔ تلاوت کے بعد مفتی عبدالرحمن صاحب مرحوم نے اہتمام کے لئے مولانا حنیف صاحب کا نام پیش کیا، جسے با اتفاق رائے منظور کر لیا گیا۔ واضح ہو کہ حضرت افغانی و حضرت مولانا محمد مالک صاحب کاندھلوی نے بھی یہی رائے تحریر فرمائی تھی۔ مولانا دفتر میں بیٹھے تھے کہ پیغام شرکت موصول ہوا۔ آپ اجلاس میں حاضر ہوئے تو جملہ ممبران کھڑے ہو گئے اور مبارک باد دی۔ بعد ازاں اجلاس کی بقیہ کارروائی نمٹائی گئی۔ اسی اجلاس میں حضرت حاجی محمد شریف صاحب کو جامعہ کاسرپرست مقرر کیا گیا، جو آپ و جامعہ کے لئے انتہائی خوش آئند بات تھی۔ شوریٰ کا فیصلہ سننے کے لئے کثیر تعداد میں آئے ہوئے لوگ، اساتذہ اور طلباء سب ہی منتظر تھے۔ دارالحدیث میں تمام حضرات کو جمع کر کے اس فیصلہ کا اعلان کرنے کا پروگرام تھا۔ اساتذہ، طلباء، ارکین شوریٰ کے علاوہ خیر خواہان خیر المدارس کی ایک کثیر تعداد موجود تھی۔ اور دارالحدیث لوگوں سے کچھ کھج بھرا ہوا تھا۔ اس موقع پر شرعی عدالت کے جسٹس حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب نے فیصلہ کا اعلان کرتے ہوئے فرمایا کہ مولانا محمد حنیف صاحب کے اہتمام کا فیصلہ کثرت رائے اور اتفاق رائے کی بجائے تو وارد سے ہوا ہے اور یہ عند اللہ مقبولیت کی علامت ہے۔ اگر کوئی یہ کہے کہ اس بچہ کو اتنے بڑے ادارہ کا اہتمام کیوں سپرد کیا گیا؟ تو جواب یہ ہے کہ خدائی فیصلے عمر پر موقوف نہیں ہوتے۔ اور آپ نے اس پر دلائل و امثال بھی ذکر کئے۔ بعد ازاں حضرت مولانا علامہ کشمیری صاحب نے اپنے خطاب میں فرمایا کہ میں نے اس کے زمانہ طالب علمی سے ہی (جبکہ اس نے ملا حسن، میڈی جیسی کتابیں

زبانی یاد کر کے سنائی تھیں) اس کے اہتمام کا فیصلہ کر لیا تھا۔

اس اجتماع سے حضرت مفتی محمد عبداللہ صاحب، حضرت مولانا مفتی غلام قادر صاحب اور حضرت مولانا محمد صدیق صاحب نے بھی خطاب کیا اور اپنے تعاون کا یقین دلایا۔ مولانا عبدالحق صاحب نے اپنا دست شفقیت آپ کے سر پر رکھ کر اپنی سرپرستی کا اعلان فرمایا۔

یوں یہ بابرکت تقریب اختتام کو پہنچی تو ہر ایک کی طرف سے مبارک باد کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ ہر ایک نے اس فیصلہ کو اپنے دل کی آواز سمجھا۔ حضرت قاری صاحب نے گلے لگ کر اپنے عزائم کی تکمیل پر خوشی کا اظہار فرمایا۔ الحمد للہ بفضلہ تعالیٰ خیر المدارس روز بروز ترقی کی منازل طے کر رہا ہے۔ طلباء کی تعداد پہلے کی بہ نسبت کئی گنا ہو چکی ہے۔ غیر ملکی طلبہ کثرت سے داخل ہو کر تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ ماہنامہ ”الخیر“ کا اجراء عمل میں آچکا ہے۔ ”خیر الفتاویٰ“ کی پانچ جلدیں شائع ہو چکی ہیں۔ ”خیر الباری“ شرح صحیح بخاری (عربی) زیر طبع ہے۔ سالانہ بجٹ دو کروڑ تک پہنچ چکا ہے۔ شاخ ہائے جامعہ ملک بھر میں قائم ہو رہی ہیں۔ متروکہ وقف قطعہ اراضی جو تقریباً پونے دو لاکھ مربع فٹ ہے خیر المدارس کو الاٹ ہو چکا ہے۔ تعمیر کے سلسلہ میں دو منزلہ دارالقرآن کی تکمیل ہو چکی ہے۔ دو منزلہ ”دارالاقامہ“ کا وسیع منصوبہ پایہ تکمیل کو پہنچ چکا ہے۔ مدرسہ تعلیم النساء کی تعمیر ہو چکی ہے۔ عالمی سطح پر خیر المدارس کی خدمات کا تعارف ہو رہا ہے۔ حضرات اکابر کی توجہ کا مرکز بن چکا ہے۔ یہ سب بفضل اللہ تعالیٰ سبحانہ بانی مدرسہ کے اخلاص اور اساتذہ کے تعاون کا نتیجہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اس ادارہ کو نظر بد سے محفوظ فرمائیں اور اس کے تمام کارکنان کو اخلاص نیت، حسن عمل اور نیک انجام کی دولت نصیب فرمائیں، آمین ثم آمین۔

اسماء گرامی ارکان و عہدہ داران مجلس شوریٰ مدرسہ خیر المدارس ملتان شہر (سابقہ در ۱۹۵۶ء)

- | | | |
|----|--------------------------------------|-------------------------------------------------|
| ۱۔ | حضرت مولانا خیر محمد صاحب | بانی و متولی مدرسہ خیر المدارس ملتان شہر |
| ۲۔ | حضرت مولانا مفتی محمد عبداللہ صاحب | مدرس حدیث و مفتی مدرسہ خیر المدارس ملتان |
| ۳۔ | حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب | مہتمم جامعہ اشرفیہ لاہور |
| ۴۔ | حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی | شیخ التفسیر و الحدیث جامعہ اشرفیہ لاہور |
| ۵۔ | حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب | مہتمم دارالعلوم کراچی |
| ۶۔ | حضرت مولانا احتشام الحق صاحب تھانوی | مہتمم دارالعلوم اسلامیہ، ٹنڈوالہ یار، سندھ |
| ۷۔ | حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی | شیخ الحدیث دارالعلوم اسلامیہ، ٹنڈوالہ یار، سندھ |

- ۸- حضرت مولانا ٹمس الحق صاحب افغانی سابق وزیر معارف قلات، ترنگ زئی ضلع پشاور
- ۹- حضرت مولانا ابراہیم صاحب مہتمم مدرسہ عربیہ میاں چنوں، ضلع ملتان
- ۱۰- حضرت مولانا عبدالعزیز صاحب رائے پوری چک نمبر ۱۱، چیچہ وطنی، ضلع منگلوری
- ۱۱- حضرت مولانا عبداللہ صاحب سجادہ نشین خانقاہ سراجیہ کنڈیاں
- ۱۲- جناب حاجی سرفراز خان صاحب رئیس ٹھل نجیب ضلع ملتان
- ۱۳- جناب حضرت حاجی محمد شریف صاحب محلہ نواں شہر، ملتان
- ۱۴- جناب منشی عبدالرحمن خان صاحب محلہ چھلیک ملتان
- ۱۵- جناب شیخ عبدالجید صاحب دولت گیٹ ملتان
- ۱۶- حضرت مولانا محمد شریف صاحب جالندھری مدرسہ خیر المدارس ملتان
- ۱۷- حضرت صدر مدرس صاحب مدرسہ خیر المدارس ملتان

مدرسہ کا نظم و نسق مندرجہ ذیل حضرات اراکین مجلس منتظمہ کے سپرد ہوگا:

پتہ جات	نام اراکین مجلس منتظمہ
بانی و متولی مدرسہ خیر المدارس بیرون دہلی گیٹ ملتان	۱- حضرت مولانا خیر محمد صاحب، مہتمم (صدر)
محلہ قدیر آباد ملتان	۲- حضرت مولانا مفتی محمد عبداللہ صاحب (مدرس حدیث، ناظم)
مدرسہ خیر المدارس، بیرون دہلی گیٹ ملتان	۳- حضرت مولانا مولوی محمد شریف صاحب جالندھری (خازن)
مہتمم مدرسہ عربیہ میاں چنوں، ضلع ملتان	۴- حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب (رکن)
دولت گیٹ ملتان	۵- جناب شیخ عبدالجید صاحب

خیر المدارس کی موجودہ مجلس شوریٰ

مہتمم جامعہ خیر المدارس ملتان	۱- حضرت مولانا محمد حنیف صاحب جالندھری
مہتمم جامعہ اشرفیہ لاہور	۲- حضرت مولانا محمد عبید اللہ صاحب
لاہور	۳- حضرت سید انور حسین صاحب نفیس رقم
کراچی	۴- حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی

- | | | |
|-----------------------------------------------------------|-------------------------------------------|-----|
| کراچی | حضرت مولانا حکیم محمد اختر صاحب | ۵- |
| شیخ الحدیث و نائب صدر دارالعلوم کراچی | حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب | ۶- |
| صدر جامعہ اسلامیہ بنوری ٹاؤن، کراچی | حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق صاحب اسکندر | ۷- |
| مہتمم جامعہ حقانیہ، ساہیوال، ضلع سرگودھا | حضرت مولانا مفتی سید عبدالشکور صاحب ترمذی | ۸- |
| مہتمم دارالعلوم الاسلامیہ، لاہور | حضرت مولانا مشرف علی صاحب تھانوی | ۹- |
| مہتمم مدرسہ عربیہ خیر العلوم، خیر پور ٹامیوالی (بہاولپور) | حضرت مولانا مفتی غلام قادر صاحب | ۱۰- |
| ملتان | جناب حاجی شمشاد علی صاحب | ۱۱- |
| ملتان | جناب ڈاکٹر محسن رضا خان صاحب | ۱۲- |
| فیصل آباد | حضرت مولانا سعید الرحمن صاحب انوری | ۱۳- |
| ملتان | جناب حاجی ذیشان الہی صاحب | ۱۴- |
| مہتمم دارالعلوم کبیر والا | حضرت مولانا مفتی عبدالقادر صاحب | ۱۵- |
| ملتان | جناب حاجی عبدالوحید صاحب | ۱۶- |

خیر المدارس کے صدر المدرسین حضرات

بالترتیب خیر المدارس کے صدر مدرس حضرات:

- ۱- استاذ العلماء حضرت مولانا خیر محمد صاحب نور اللہ مرقدہ (آپ بانی مدرسہ، اڈل شیخ الحدیث اور اڈل صدر مدرس تھے)
 - ۲- حضرت مولانا عبدالرحمن صاحب کامل پوری
 - ۳- حضرت مولانا مفتی محمد عبداللہ صاحب
 - ۴- حضرت مولانا محمد شریف صاحب کشمیری
 - ۵- حضرت مولانا محمد صدیق صاحب مدظلہ
- (صدر مدرس) (صدر مدرس) (صدر مدرس) (موجودہ صدر مدرس)

۱- فہوس کذاب ان حضرات میں سے تین بزرگ نمبر ۴، نمبر ۸، نمبر ۱۵ اوقات پانچکے ہیں اور ان کی جگہ حضرت مولانا مفتی سید عبدالقدوس صاحب ترمذی مہتمم جامعہ حقانیہ ساہیوال اور حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم جامعہ خفیہ دیوالہ کا تقرر عمل میں لایا جا چکا ہے۔ ۱۲- محمود احمد غفرلہ

۲- یہ ترتیب اور یہ معلومات "شعبان در رمضان ۱۴۰۶ھ سے لی گئی ہیں۔ (۱۲)

دارالافتاء خیر المدارس

حضرت والا نے خیر المدارس کی نشاۃ ثانیہ کے بعد ہی دارالافتاء قائم فرمایا۔ لیکن اس کے لئے کوئی مستقل عمارت کمرہ نہ تھا۔ بلکہ آپ خود ہی بغیر کسی نائب یا معین مفتی کی مدد کے اور بغیر ناقل کے خود ہی سب کام انجام دیتے تھے۔ استفاء کا جواب لکھنا، رجسٹر میں نقل کرنا اور مہر لگا کر ڈاک کے حوالہ کرنا۔

اب خیر المدارس کے مفتی حضرات کی بالترتیب فہرست دی جاتی ہے:

- (۱) فقیہ الامت حضرت مولانا خیر محمد صاحب نور اللہ مرقدہ
- (۲) حضرت مولانا مفتی محمد عبداللہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ
- (۳) حضرت مولانا مفتی عبدالستار صاحب مدظلہ العالی (موجودہ صدر مفتی) ^۲
- (۴) حضرت مولانا مفتی محمد اسحاق صاحب مدظلہ العالی (مفتی) ^۲
- (۵) حضرت مولانا مفتی محمد انور صاحب زید مجدہ (مفتی)
- (۶) حضرت مولانا مفتی محمد عبداللہ صاحب زید مجدہ (مفتی)

حضرت والا کے عہد میں مندرجہ ذیل حضرات نے دارالافتاء میں بطور نائب مفتی کئی کئی سال کام کیا ہے:

- (۱) حضرت مولانا محمد صدیق صاحب مدظلہ
- (۲) حضرت مولانا مفتی محمد اسحاق صاحب مدظلہ
- (۳) حضرت مولانا اصغر علی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ

خیر المدارس کے سابق خیرالاساتذہ ^۵

- (۱) استاذ الاساتذہ حضرت مولانا خیر محمد صاحب جالندھری نور اللہ مرقدہ و قدس سرہ
- (۲) حضرت مولانا احد بخش صاحب جالندھری
- (۳) حضرت مولانا محمد علی صاحب جالندھری

۱۔ یہ ترتیب اور یہ معلومات "شعبان ورمضان ۱۳۰۷ھ سے لی گئی ہیں۔ (۱۲)

۲۔ افسوس کہ مورخ ۱۲ جمادی الاخریٰ ۱۳۲۷ھ مطابق ۸ جولائی ۲۰۰۶ء کو حضرت مفتی صاحب داغ مفارقت دے گئے، اللھم اغفرلہ وادخلہ فی جنۃ الفردوس ۱۲ مورخہ

۳۔ موجودہ مفتی حضرات کے صحیح مناصب کی تحقیق اور حالیہ مفتی و نائب مفتی صاحب کے نام کا اضافہ حضرت بہتم صاحب سے تحقیق کے بعد کیا گیا ہے۔ (۱۲)

۴۔ یہ ترتیب اور یہ معلومات "شعبان ورمضان ۱۳۰۷ھ سے لی گئی ہیں۔ (۱۲)

۵۔ یہ فہرست اسی ترتیب کے ساتھ جلد "الخیر" شعبان ورمضان ۱۳۰۷ھ سے لی گئی ہے۔ البتہ حضرت مولانا محمد شریف صاحب کشمیری اسم شریف موجودہ اساتذہ کی فہرست سے خیر کے سابق فہرست میں اضافہ ان کی وفات کی وجہ سے کرنا چاہا۔ (۱۲)

- (۴) مخدومنا حضرت مولانا عبدالرحمن صاحب کیمیل پوری
- (۵) حضرت مولانا محمد عبداللہ صاحب رائے پوری
- (۶) حضرت مولانا مفتی محمد عبداللہ صاحب ملتانی
- (۷) حضرت مولانا عبدالشکور صاحب کیمیل پوری
- (۸) حضرت مولانا عبدالجلیل صاحب سرحدی
- (۹) حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب فیصل آبادی
- (۱۰) حضرت مولانا انیس الرحمن صاحب لدھیانوی
- (۱۱) حضرت مولانا مشتاق احمد صاحب ہوشیار پوری
- (۱۲) حضرت مولانا صوفی غلام محمد صاحب فیصل آبادی
- (۱۳) حضرت مولانا غلام مصطفیٰ صاحب جالندھری
- (۱۴) حضرت مولانا لطافت الرحمن صاحب سرحدی
- (۱۵) حضرت مولانا محمد رمضان صاحب بہاولپوری
- (۱۶) حضرت مولانا محمد نور صاحب میانوالی
- (۱۷) حضرت مولانا جمال الدین صاحب افغانی
- (۱۸) حضرت مولانا عزیز الرحمن صاحب ہزاروی
- (۱۹) حضرت مولانا غلام رسول صاحب
- (۲۰) حضرت مولانا غلام احمد صاحب ملتانی
- (۲۱) حضرت مولانا غلام مصطفیٰ صاحب ملتانی
- (۲۲) حضرت مولانا صوفی محمد سرور صاحب
- (۲۳) حضرت مولانا سید ابو معاویہ ابوذر شاہ صاحب بخاری
- (۲۴) حضرت مولانا محمد شریف صاحب جالندھری
- (۲۵) حضرت مولانا عبدالحق صاحب جالندھری
- (۲۶) حضرت مولانا فیض احمد صاحب ملتانی
- (۲۷) حضرت مولانا عتیق الرحمن صاحب
- (۲۸) حضرت مولانا غلام حسین صاحب میانوالی

- (۲۹) حضرت مولانا ہدایت اللہ صاحب پشاوری
- (۳۰) حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب ڈیروی
- (۳۱) حضرت مولانا مفتی محمد اسحاق صاحب سرحدی
- (۳۲) حضرت مولانا قاری عبدالمنان صاحب حصاروی
- (۳۳) حضرت مولانا قاری سید عبدالجنان صاحب
- (۳۴) حضرت مولانا اصغر علی صاحب
- (۳۵) حضرت حافظ احمد علی صاحب
- (۳۶) حضرت مولانا نذیر احمد صاحب
- (۳۷) حضرت مولانا غلام قادر صاحب
- (۳۸) حضرت مولانا اللہ یار صاحب
- (۳۹) حضرت مولانا عبدالماجد صاحب
- (۴۰) حضرت مولانا محمد مسعود صاحب کشمیری شہید
- (۴۱) حضرت مولانا قاری محمود احمد صاحب
- (۴۲) حضرت مولانا عبدالجید انور صاحب
- (۴۳) حضرت مولانا قاری رحیم بخش صاحب
- (۴۴) حضرت مولانا محمد اکرم صاحب
- (۴۵) حضرت مولانا محمد اسحاق صاحب جلاپوری
- (۴۶) شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد شریف صاحب کشمیری
- (۴۷) حضرت مولانا محمد امین صفدر اوکاڑوی
- (۴۸) حضرت مولانا محمد یسین صاحب صابر
- (۲۹) حضرت مفتی عبدالستار صاحب۔ (صدر مفتی و استاد)

خیر المدارس کے موجودہ اساتذہ کرام

- ۱- حضرت مولانا محمد ضیف صاحب زید مجدہم
 - ۲- حضرت مولانا محمد صدیق صاحب
 - ۳- حضرت مولانا مفتی محمد اسحاق صاحب
 - ۴- حضرت مولانا منظور احمد صاحب
 - ۵- حضرت مولانا محمد مفتی محمد انور اوکاڑوی
 - ۶- حضرت مولانا شیر محمد صاحب زید مجدہم
 - ۷- حضرت مولانا محمد ازہر صاحب
 - ۸- حضرت مولانا شبیر الحق صاحب زید مجدہم
 - ۹- حضرت مولانا محمد عابد صاحب زید مجدہم
 - ۱۰- حضرت مولانا مفتی محمد عبداللہ صاحب زید مجدہم ۱۲- حضرت مولانا محمد عبدالشکور صاحب زید مجدہم
 - ۱۳- حضرت مولانا نجم الحق صاحب زید مجدہم (مدرس و ناظم)
 - ۱۴- حضرت مولانا شمشاد احمد صاحب زید مجدہم
 - ۱۵- حضرت مولانا نعیم احمد صاحب زید مجدہم
- اساتذہ درجہ قرآن کریم:

۱- قاری محمد اسحاق صاحب زید مجدہم

۲- قاری محمد اقبال صاحب زید مجدہم

۳- حضرت حافظ عبدالرحیم صاحب مدظلہ

۴- حافظ محبوب احمد صاحب زید مجدہم

۵- قاری امیر الدین صاحب زید مجدہم

۶- حافظ محمد ضیاء اللہ صاحب زید مجدہم

مراسلت حضرت والا مع شیخ الاسلام حضرت العلامة مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ:

پروفیسر محمد انوار الحسن صاحب انور شیرکوٹی کی تالیف ”انوار عثمانی“ میں علامہ عثمانی کی حضرت والا کے ساتھ پیش قیمت مراسلت ملی، جو پیش خدمت ہے۔ تین مراسلات خیر المدارس سے متعلق ہیں۔ ان کے علاوہ دو اور ہیں۔ ایک میں علامہ عثمانی کی علالت، دوسری میں وفات کا سال ہے۔ اول الذکر مکتوبات اس باب سے متعلق ہیں، لیکن باقی دو کو بھی اسی باب میں یکجا دیا جا رہا ہے۔ مراسلت کے یکجا ہونے کی وجہ سے اس کی مراجعت آسان ہوگی۔

۱- ابتدائی فہرست بھی ”شمارہ شعبان درمضان ۱۳۵۷ھ سے لی گئی تھی۔ لیکن حضرت مولانا شبیری صاحب کی وفات کی وجہ سے ان کا اسم گرامی سابقہ اساتذہ کی فہرست میں منتقل کر دیا گیا۔ نیز اساتذہ نمبر ۶۰، اور ۱۶، ۱۷، ۱۸ کا اضافہ بافادہ حضرت مہتمم صاحب کیا گیا۔ (۱۷)

(۱) مکتوب ۷۴ ص ۲۲۸) مکتوب علامہ عثمانیؒ بنام حضرت والّا (بابت سفارش داخلہ طالب علم)

برادر محترم جناب مولانا خیر محمد صاحب دامت مکارم

بعد سلام مسنون آنکہ۔ حامل ہذا مولوی محبوب حسن دہلوی نے مجھ سے مشورہ لیا۔ میں نے ان کو رائے دی ہے کہ وہ خیر المدارس میں داخل ہو جائیں۔ دورہ پڑھنے کا ارادہ ہے۔ امید ہے کہ آپ ان کو داخل فرمائیں گے اور امکانی رعایت کریں گے۔ والسلام
شہیر احمد عثمانی، کراچی (۶ شوال ۱۳۶۸ھ / مطابق ۱۹۴۹ء)

(۲) (ص ۲۳۶) مکتوب حضرت والّا بنام علامہ عثمانیؒ (بابت تجویز مجلس شوریٰ برائے سرپرستی خیر المدارس)

گرامی خدمت سیدنا مولانا حضرت سرپرست صاحب دامت برکاتہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! حسب تجویز سابق مجلس شوریٰ (حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب، حضرت مولانا محمد حسن صاحب امرتسری، مولانا محمد عبدالجبار صاحب ابوہری، مولانا محمد ابراہیم صاحب سلیم پوری، مولانا عبدالعزیز صاحب رائے پوری) خدمت عالیہ میں مؤدبانہ گزارش ہے کہ سرپرستی مدرسہ خیر المدارس ملتان کو قبول فرما کر امور بالا کی تصدیق اور مستقبل کے متعلق ہدایات مفیدہ سے سرفراز فرمایا جاوے، فقط۔

احقر خیر محمد، مہتمم مدرسہ عربی خیر المدارس ملتان شہر (مورخہ ۲۶ محرم ۱۳۶۹ھ)

(۳) (مکتوب ۸۱-ص ۲۳۷) مکتوب علامہ عثمانیؒ بنام حضرت والّا (بابت قبولیت سرپرستی خیر المدارس)

جناب محترم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

چونکہ پاکستان میں اس قسم کے مدارس دینیہ کی ضرورت و اہمیت کو میں پوری طرح محسوس کرتا ہوں اور امکانی خدمت کے لئے تیار ہوں۔ اس لئے مجلس شوریٰ کی تجویز مسترد کرنے کی جرأت نہیں ہو سکتی۔ لیکن آپ حضرات کو معلوم ہے کہ میرے مشاغل بہت مختلف و متنوع ہیں۔ اور صحت بھی زیادہ اچھی نہیں۔ اس لئے عملی خدمت حسب وخواہ نہیں کر سکوں گا۔ بہر حال آپ حضرات کے ارشاد کی تعمیل کو موجب برکت تصور کرتا ہوں۔

شہیر احمد عثمانی، کراچی، ۲۸ محرم ۱۳۶۹ھ

(۴) (مکتوب ۷۵-ص ۲۲۹) مکتوب بہدایت علامہ عثمانیؒ (بقلم مولانا محمد یحییٰ صاحب)

بنام حضرت والّا (بابت علالت علامہ عثمانیؒ و درخواست دُعاء)

محترم المقام حضرت مولانا صاحب دام مجدہم

بعد سلام مسنون آنکہ گرامی نامہ وصول ہوا۔ حضرت قبلہ مولانا مدظلہ پر اگست کو فالج کا حملہ ہوا تھا۔ بایاں ہوا تھا کہ بائیں جانب زبان کی متاثر ہے۔ علاج ہو رہا ہے۔ بفضلہ تعالیٰ افاقہ ہے۔ عوارض میں بتدریج تخفیف ہو رہی ہے۔ دُعاء

فرمائیں اور مدرسہ میں دعاء کرائیں، حق تعالیٰ جلد صحت کاملہ عطا فرمائے۔

آپ کو سلام مسنون فرماتے ہیں۔ والسلام
بقلم محمد یحییٰ، کراچی (۱۹ شوال ۱۳۶۸ھ، ۱۹۴۹ء)

(۵) (ص ۲۵۷) مکتوب مولانا محمد یحییٰ صاحب بنام حضرت والّا (بابت وفات علامہ عثمانیؒ)

مکرم و محترم حضرت مولانا خیر محمد صاحب دامت برکاتہم

بعد سلام مسنون آنکے گرامی نامہ صادر ہوا۔ اس حادثہ جائگاہ سے دل و دماغ متاثر ہیں۔ آپ کے تسلی آمیز کلمات

سے سکون ہوا۔

حضرت (مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی) رحمۃ اللہ علیہ کی تقریباً ویسی ہی حالت تھی جیسی کہ چند روز قبل آپ نے یہاں دارالعلوم کے جلسے کے موقع پر دیکھی تھی۔ یعنی عام صحت پہلے سے بہتر ہی تھی۔ جامعہ عباسیہ بہاولپور کی تعمیر جدید کا سنگ بنیاد رکھنے اور نصاب وغیرہ کے سلسلہ میں مشورہ کے لئے ۸ دسمبر کو بہاول پور کے لئے روانہ ہوئے۔ ۱۲ کورات بالکل اچھے تھے۔ ۱۳ کی شب میں بخار ہوا اور سینہ میں کچھ تکلیف رہی۔ صبح کو طبیعت ٹھیک ہو گئی تھی۔ ۹ بجے پھر سینہ میں تکلیف ہوئی۔ سانس میں رکاوٹ اور ٹھنن محسوس ہوئی۔ علاج اور تدبیر بے سود رہی، اور گیارہ بج کر چالیس منٹ پر واصل بحق ہو گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ حق تعالیٰ ان کے مدارج بلند فرمائے اور ہم کو جنت الفردوس میں ان کے ساتھ جمع کرے۔ آپ حضرات کی محبت اور ہمدردی کے لئے ہم سب وابستگان خاندان بدل شکر گزار ہیں۔ والسلام

محمد یحییٰ، کراچی (۲۰ دسمبر ۱۹۴۹ء)

بعض مکتوبات حضرت والّا بنام بعض اکابر علماء کرام

مولوی حافظ محمد اشرف صاحب زید مجدہ (میرپور خاص) نے چند اوراق مجلہ ”الحق“ بابت محرم ۱۳۹۳ھ ارسال کئے تھے۔ ان میں ”تبرکات و نوادر“ کے عنوان سے حضرت والّا کے بعض مکاتیب نقل کئے گئے ہیں۔ یہ مکاتیب زیادہ تر وفاق المدارس، نصاب تعلیم، جلسہ مدرسہ خیر المدارس کے لئے دعوت، خود کسی مدرسہ کے جلسہ میں دعوت شرکت کی قبولیت اور مدرسہ کے لئے امتحانی سوالات وغیرہ کے متعلق ہیں۔ ایک آخری مکتوب علماء اہل حق کے درمیان اتحاد و موافقت کی سعی سے متعلق ہے۔ بعض مکاتیب میں مرسل الیہ کے نام (حضرت مولانا عبدالحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ) کی تصریح ہے۔ بعض میں نہیں۔ لیکن بظاہر وہ بھی ان ہی کے نام سمجھ میں آتے ہیں، واللہ اعلم) اکثر حاشیہ پر نوٹ کے ختم پر جو اشارہ (س) لکھا ہوا ہے اس سے حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ مراد ہیں، جو اس وقت ”الحق“ کے مدیر تھے۔ چونکہ اکثر مکاتیب کا تعلق امور مدرسہ سے ہے، اس لئے سب کو اسی باب کے تحت یکجا نقل کیا جاتا ہے۔ (۱۲)

(۱) مخدومی المکرم حضرت مولانا صاحب زیدت مساعیم و معالیم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ! دعوت نامہ سے سرفراز فرمایا گیا۔ یاد آوری کا بہت بہت شکریہ۔ آپ کو معلوم ہوگا کہ میں مقرر و واعظ نہیں ہوں۔ احباب کے تقاضا پر نکثیر سواد کے لئے استفادہ و زیارت کی غرض سے کہیں کہیں حاضر ہو جایا کرتا ہوں۔ اگر اس درجہ میں قبول ہو تو حاضری کی سعی کروں گا، ان شاء اللہ۔ تاریخ نوٹ کر لی ہے۔ امید ہے کہ مزاج گرامی بعافیت ہوگا۔ والسلام
۹ جمادی الآخر، ۱۳۷۲ھ

(۲) محترم القام حضرت مولانا صاحب زید مجدہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ! مکلف ہوں کہ ایک کاپی نصاب کی ارسال کرتا ہوں (جو ہنوز قابل اطمینان قلبی نہیں) اولین فرصت میں اس کی اصلاح فرمادی جاوے، یا مستقل نصاب مرتب فرما کر ممنون فرمایا جاوے۔ اس لئے کہ خیر المدارس اور اس جیسے دیگر مدارس عربیہ میں دور حاضر کے مناسب ایک جامع نصاب تعلیم عربی معہ ہدایات طریقہ تعلیم اور امتحانات کی جلد تجویز ہونے کی اشد ضرورت ہے، جس میں امور ذیل کی خاص رعایت رکھی گئی ہو:

(۱) مدت تعلیم عربی آٹھ نو سال سے متجاوز نہ ہو۔ (۲) ابتدائی درجات میں خصوصاً، باقی میں عموماً کتب ایسی تجویز ہوں جو فن سے مناسبت پیدا کرنے اور استعداد بڑھانے اور اصلاح اخلاق میں خصوصی درجہ رکھتی ہوں۔ (۳) فن ادب میں ایسی ترتیب ملحوظ رکھی جائے کہ ابتدائی درجات میں عربی لکھنے، بولنے کی آسانی سے رعایت ہو سکے۔ (۴) قدیم منطق، فلسفہ، کلام کی غیر ضروری کتب کو حذف کر کے اس کی جگہ کتب ضروریہ کو جگہ دی جاوے۔ (۵) ترجمہ قرآن مجید کی تعلیم کو ایسی طرح داخل درس کیا جاوے کہ اس کے مقاصد سے ایک گونہ مناسبت اور اس کی تبلیغ سے مہارت پیدا ہو جائے۔ (۶) دور حاضر کے مسائل پیش آمدہ معاشیات، نظام حکومت، سیاسیات وغیرہ کی متعلقہ کتب کو بھی داخل درس کیا جاوے۔ فقط۔ ۶۹-۵-۱۸
(۳) مخدوم العلماء والفصلاء سیدی حضرت مولانا صاحب دامت فیوضکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! مکلف ہوں کہ مدرسہ ہذا کے امتحان سالانہ کے لئے تین سوالات سنن ابو داؤد شریف کے مرتب فرما کر جوابی لفافہ میں ارسال فرمادیئے جائیں، ممنون ہوں گا۔ امید ہے مزاج گرامی بعافیت ہوگا۔ دُعاء کا طالب ہوں۔
۵۷۷/۶/۲۸

(۴) مخدوم العلماء والفصلاء سیدی حضرت مولانا صاحب دامت فیوضکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ! طلب خیریت کے بعد عارض ہوں کہ مدرسہ خیر المدارس کا سالانہ جلسہ بتاریخ ۱۸، ۱۹، ۲۰ شعبان ۱۳۷۸ھ مطابق ۲۷، ۲۸، ۲۹ فروری یکم مارچ ۱۹۵۹ء جمعہ ہفتہ اتوار ہونا قرار پایا ہے۔ جناب کی خدمت عالیہ میں مؤدبانہ
۱۔ بسلاً شمولیت جلسہ دستار بندی۔
۲۔ دُعا کے لئے صاحب میں ان امور کی کچھ رعایت رکھی گئی، تاہم اب بھی ان نکات کی اہمیت اور ضرورت اپنی جگہ برقرار ہے اور علمی حلقوں کو دعوت کر دی ہے۔

گزارش ہے کہ تاریخ نوٹ فرما کر جلسہ میں تشریف آوری کا وعدہ فرمائیں۔ شکر گزار رہوں گا۔ اُمید ہے کہ مزاج گرامی

۳-۶-۵۷۸

بجائیت ہوگا۔ والسلام

(۵) مخدومنا المکرم حضرت مولانا صاحب دامت برکاتہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ! مدارس عربیہ کی تنظیمی کمیٹی کا مرتب کردہ دستوری اساسی مع فارم الحاق مدارس بھیجا گیا ہے۔ ملاحظہ فرما کر رائے گرامی سے مطلع فرمایا جائے۔ آئندہ ۱۶، ۱۷ ذی الحجہ ۱۳۷۸ھ مطابق ۲۳، ۲۴ جون ۱۹۵۹ء بدھ، جمعرات کو تنظیم کمیٹی کے اراکین کا دوسرا اجتماع ہونے والا ہے، جس میں حضرت مولانا شمس الحق صاحب نصاب تعلیم کا مسودہ پیش فرمادیں گے۔ اگر کوئی مانع قوی نہ ہو تو خصوصی دعوت قبول فرما کر تشریف لے آئیں، ممنون ہوں گا۔ اور تشریف آوری کی ٹرین سے مطلع فرمادیں۔ والسلام

۶ ذی الحجہ ۱۳۷۸ھ

(۶) محترم المقام مولانا عبدالحق صاحب زید مجدہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! نصاب کمیٹی کے اجلاس میں شرکت کرنے والے بعض حضرات سزحجاز کے لئے روانہ ہو چکے ہیں۔ اس لئے ۱۳ ذی الحجہ ۱۳۸۲ھ کو منعقد ہونے والے اجلاس نصاب کمیٹی کو بحکم صدر صاحب مدظلہ ملتومی کر دیا گیا ہے۔ تاریخ کے تعین سے جناب والا کو دوبارہ دفتر سے اطلاع دی جائے گی۔ والسلام۔ ۱۸/۱۱/۵۸۲

(۷) بگرای خدمت جناب حضرت مولانا عبدالحق صاحب زید مجدہم، رکن عاملہ وفاق

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! جناب والا! مورخہ ۱۹، ۲۰ شوال ۱۳۸۳ھ مطابق ۴، ۵ مارچ ۱۹۶۴ء بروز بدھ، جمعرات مدرسہ خیر المدارس ملتان میں مجلس عاملہ وفاق کا ایک نہایت ضروری اور اہم اجلاس منعقد ہو رہا ہے۔ تاکہ جملہ اراکین عاملہ اس پر غور فرمائیں کہ ملحقہ مدارس اب تک اپنی پرانی رفتار پر چل رہے ہیں۔ اراکین عاملہ کا فرض ہے کہ اس کے اسباب و علل پر غور کریں۔ اور اسباب مدارس کی راہ میں اگر کچھ مشکلات ہیں تو ان کا حل دریافت کریں۔ اور متفقہ طور پر ایسی کوشش کریں کہ شروع ہونے والے سال میں نمایاں اور موثر کامیابی حاصل ہو سکے۔ اس لئے آغاز سال میں ہی عاملہ کا یہ اجلاس طلب کیا گیا ہے۔ اُمید ہے کہ جملہ اراکین مجلس عاملہ اپنے مشاغل دو چار دن چھوڑ کر اس اجلاس میں ضرور شرکت فرمائیں گے۔ ایجنڈا مندرجہ ذیل ہے:

- ۱۔ گزشتہ اجلاس کی کارروائی کی توثیق، ۲۔ نصاب درجات تخصص اور اس سے متعلق قواعد و ضوابط کی منظوری،
- ۳۔ اصلاح مدارس عربیہ کے سلسلہ میں ایسی موثر تدابیر تجویز کرنا جن پر عمل کرنے سے شروع ہونے والے سال میں نمایاں کامیابی حاصل ہو سکے۔ ۴۔ دیگر امور بہ اجازت صدر۔ والسلام ۲۵ رمضان ۱۳۸۳ھ

(۸) منبع العلم والعمل مخدومی مکرمی حضرت مولانا صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! اجلاس عاملہ وفاق المدارس العربیہ ملتان ۹/ اکتوبر ۱۹۶۵ء بروز ہفتہ، بعد نماز ظہر ہونا قرار پایا ہے۔ اور متصل بعد دو دن مجلس شوریٰ کا اجلاس ہوگا۔ یہ اجلاس کئی وجوہ سے اہم ہے۔ اس لئے آپ کی تشریف آوری ضروری کاموں سے بھی ضروری ہے۔ اس لئے ضرور تشریف لاکر ممنون فرمائیں۔ والسلام
۷ جمادی الآخر، ۱۳۸۵ھ مطابق ۳/ اکتوبر ۱۹۶۵ء

(۹) حضرت مخدومنازادت فیوضکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! میں عرصہ پانچ ماہ سے درد کمر وغیرہ کی وجہ سے بیمار تھا۔ اس وجہ سے جواب میں تاخیر ہوئی۔ معاف فرماتا۔ اب بھی کچھ تکلیف ہے۔ والعدر عند کرام الناس مقبول۔

(۱۰) بگرامی خدمت محترم و مکرم حضرت مولانا عبدالحق صاحب زید مجدہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! مزاج اقدس۔ آپ کا گرامی نامہ مورخہ جمادی الثانی ۱۳۸۶ھ موصول ہو کر کاشف احوال ہوا۔ جواب ارسال بحضور ہے، کہ وفاق المدارس العربیہ کے سالانہ اجلاس شوریٰ کے التواء کی اطلاع کے ساتھ دوبارہ انعقاد کی اطلاع بھی اسی عریضہ مطبوعہ کارڈ پر تحریر کر دی گئی تھی۔ شاید وہ عریضہ بہ نظر غائر ملاحظہ نہیں فرمایا گیا۔ اب یہ اجلاس عاملہ مورخہ ۳۰ رجب ۱۳۸۶ھ مطابق ۱۳ نومبر ۱۹۶۶ء بروز پیر اور اجلاس شوریٰ مورخہ یکم شعبان ۱۳۸۶ھ مطابق ۱۵ نومبر ۱۹۶۶ء بروز منگل مدرسہ خیر المدارس ملتان میں منعقد ہوگا۔ جدید تاریخیں نوٹ فرمائیں۔ جناب ناظم اعلیٰ صاحب چونکہ فی الحال قاہرہ تشریف لے جا چکے ہیں، اس لئے ان کی غالباً غرہ رجب تک واپسی پر سالانہ امتحان کے بارہ میں جناب والا کو اطلاع کر دی جائے گی۔ اور آپ کے لئے ہر قسم کی دل سے دُعا کرتا ہوں۔ والسلام۔
۸/ اکتوبر ۱۹۶۶ء

(۱۱) السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!..... کل مفتی محمود صاحب یہاں تشریف لائے تھے۔ مختصر گفتگو کے بعد یہ قرار پایا کہ چار ارکان ذیل (مولانا افغانی صاحب، مولانا بنوری صاحب، مولانا عبدالحق صاحب، مولانا نافع گل صاحب) کی موجودگی میں دونوں فریق کے تین تین افراد یا کم و بیش ملتان میں جمع ہوں، اور ہر فریق اپنی بات بالمشافہ سنائے۔ پھر چاروں ارکان جو متفقہ فیصلہ دیں، ہم دونوں فریق کو تسلیم کرنا ہوگا۔ اس لئے ماہ مئی کے کسی حصہ میں تاریخ مقرر کر کے دونوں فریق کو بلایا جائے گا۔ آنجناب اطلاع ثانی پر تشریف لانا منظور فرمائیں۔ ضرور منظور فرمائیں۔ ۹۰/۲/۱۱

۱ حضرت مولانا مفتی محمود صاحب۔ (س)

۲ علماء کرام کے درمیان ایکشن سے قبل دو جمعیتوں کے قیام کی شکل میں جو خلفاء پیدا ہو گئے۔ اس کی اصلاح اور باہمی صلح کے لئے کوششیں ہو رہی تھیں۔ (س)

وفاق المدارس العربیہ پاکستان

وفاق المدارس کی ضرورت کا مختصر تذکرہ اور اجمالی تاریخ تخیل میں ”الخیر“ (شعبان و رمضان ۱۴۰۷ھ) سے دی جا رہی ہے:

بانی وفاق المدارس:

”قیام پاکستان کے بعد عامۃ المسلمین کی رشد و اصلاح اور دینی رہنمائی کے لئے بلاد و قسبات میں متعدد دینی جامعات اور مکاتب و مدارس وجود میں آئے۔ لیکن یہ سینکڑوں ادارے بکھرے ہوئے موتیوں کی مانند تھے، جو اپنی اپنی جگہ آباد و تانناک تو ضرور تھے، لیکن مجموعی حیثیت سے انہیں قابل ذکر حیثیت و مقام حاصل نہ تھا۔ عارف باللہ حضرت مولانا خیر محمد صاحب قدس سرہ نے اس کمزوری کو محسوس فرمایا اور خیر المدارس کی مجلس شورائی کے اجلاس منعقدہ ۲۰ شعبان ۱۳۷۶ھ مطابق ۲۳ مارچ ۱۹۵۷ء میں یہ تجویز پیش فرمائی کہ تمام مدارس عربیہ میں انضباط و ارتباط اور معیار تعلیم اور امتحانات میں یکسانیت کے لئے عملی قدم اٹھایا جائے۔ اس تجویز کی افادیت و اہمیت اور تقاضائے وقت کے پیش نظر اکابر علماء نے اس کی توثیق فرمائی۔ شمس العلماء حضرت مولانا شمس الحق افغانی، حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی، حضرت مولانا خیر محمد جالندھری، حضرت مولانا مفتی محمد عبداللہ اور حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی رحمہم اللہ پر مشتمل ایک مجلس (کمیٹی) تشکیل دی گئی، جس کے ذمہ ابتدائی مراحل کی تیاری اور اسے عملی جامہ پہنانے کا کام تھا۔ آج ”وفاق المدارس العربیہ“ کی لڑی میں چھ ہزار سے زائد مدارس منسلک ہیں، جن کا نصاب، طریق امتحان، سندات وغیرہ یکساں ہیں۔ حکومت پاکستان نے ”وفاق“ کی تیس سالہ دیہ علمی خدمات کے اعتراف کے طور پر شہادۃ العالمیہ کو ایم۔ اے عربی و اسلامیات کے برابر تسلیم کیا ہے۔“

(نوٹ از احقر مؤلف: دونوں طرف کی تعلیم کا حال خوب اچھی طرح دیکھنے اور شہادات کا حاصل ہونے، بلکہ بفضلہ تعالیٰ کراچی یونیورسٹی سے ۱۹۵۳ء میں ایم۔ اے عربی میں اول پوزیشن حاصل ہونے کے بعد احقر مؤلف عرض کرتا ہے کہ اس کے برعکس ایم۔ اے عربی و ایم۔ اے اسلامیات دونوں ڈگریاں حاصل کرنے والا مدرسہ کے فارغ التحصیل یعنی دورہ حدیث تک پڑھ کر سند لینے والے کے برابر تسلیم نہیں کیا جاسکتا۔ نہ عربی و اسلامیات میں ایم۔ اے کرنے والا بلکہ علوم دینیہ کے کسی شعبہ میں دکتورہ (ڈاکٹریٹ) کرنے والا سند الفراع یا وفاق المدارس کی سند دیئے جانے کا اہل ہو سکتا ہے۔ جب تک کہ وہ کسی شیخ الحدیث اور اساتذہ حدیث سے دورہ حدیث (اس کی موقوف علیہ کتب پڑھنے کے بعد) نہ پڑھ لے۔ معیاری دینی مدارس یا وفاق المدارس کی سند الفراع کو ایم۔ اے عربی و ایم۔ اے اسلامیات دونوں ڈگریوں کے برابر تسلیم کرنا حقیقتاً تو سند کی بے ادبی اور توہین ہے، لیکن بہر حال یہ خوشی کی بات ہے کہ حکومت پاکستان میں ایسے لوگ بھی ہیں جو کم از کم اتنا تو سمجھے کہ عربی مدارس میں بھی کچھ پڑھایا جاتا ہے۔ ورنہ ان حضرات کی معلومات کا عموماً یہ حال ہے کہ احقر کو کراچی کی ایک جامع مسجد کے

۱۔ ”اگر چہ بائیان ”وفاق“ کا خلاصہ و مقام اس قسم کے ری اعزازات سے کوسوں بلند ہے۔ اور ایسے جانوں سے ان کے علم و فضل کو تاننا بے قدری اور تاشاہی میں داخل ہے (از بر)“

امام و خطیب صاحب نے بتایا کہ ایک صاحب فرماتے تھے کہ فلاں مسجد کا امام بہت بڑا عالم ہے۔ ہر روز نماز میں نئی سورت پڑھتا ہے۔ سبحان اللہ!

اس کے بعد ”الخیر“ کی بقیہ عبارت ملاحظہ فرمائیے:

”یہاں اس بات کا تذکرہ ناگزیر ہے کہ بعد ازاں مختلف مذہبی طبقات کی طرف سے اپنے اپنے حلقہ اثر کے مدارس کی شیرازہ بندی میں وفاق ہی کی پیروی میں تنظیمیں بنائی گئیں، جو حضرت مولانا خیر محمد صاحب قدس سرہ اور علمائے دیوبند کی اصابت رائے، ندرت فکر اور حقیقت شناسی کا عملی اعتراف ہے۔ والفضل للمتقدم۔“

(نوٹ: حضرت مولانا عبدالکریم صاحب مدظلہ العالی (مہتمم نجم المدارس کلاچی) نے وفاق المدارس سے حضرت والد کے تعلق کے بارے میں ایک تحریر ارسال فرمائی ہے۔ اب وہ ملاحظہ فرمائیے:)

”وفاق المدارس سے حضرت مولانا خیر محمد صاحب کا تعلق“

یہ تو بہر حال آپ کے علم میں ہوگا کہ وفاق المدارس کی بنیاد حضرت خیر الاساتذہ ہی کے دست مبارک سے خیر المدارس میں رکھی گئی ہے۔ اور آپ اس کے پہلے صدر مقرر ہوئے۔ اور یہ بنیاد غالباً ۱۹۵۶ء کو رکھی گئی۔ ۱۹۵۸ء کے مارشل لاء میں جب جمعیت علماء اسلام نے نظام العلماء کے نام سے کام کو جاری رکھا تو اس کے لاہور میں پہلے اجلاس میں مدارس دینیہ کی تنظیم کا مسئلہ بھی ایجنڈے میں آیا۔ اس کے ایک دن بعد ملتان میں وفاق المدارس کا اجلاس ہو رہا تھا۔ حضرت الاستاذ کی جانب سے مجھے وفاق المدارس میں نجم المدارس کو شامل کرنے کے لئے دعوت نامہ پہنچا۔ جمعیت علماء اسلام کے عاملہ کا میں رکن تھا۔ وہاں پہنچا تو تمام اکابرین کو حتیٰ کہ حضرت الامیر قدس سرہ کو بھی وفاق میں شامل ہونے کا سخت مخالف پایا۔ بہت تکلیف پہنچی۔ خود حضرت الاستاذ کو بھی یہی اطلاعات ملی تھیں، جن سے آپ کو پریشانی تھی۔ اور جمعیت کے اس اجلاس میں اپنے صاحبزادہ مولانا محمد شریف صاحب نائب مہتمم خیر المدارس کو بھیجا۔ چونکہ آپ بہت کم گو تھے، اس لئے ترجمانی کے لئے سلطان خطابت مولانا محمد علی صاحب جالندھری کو ساتھ بھیج دیا تھا۔

جمعیت کے عام اجلاس سے پہلے اس کا خاص عاملہ کا اجلاس ہوا۔ اس میں اکابر کی شدید مخالفت سے میں سخت گھبرایا۔ صرف حضرت مولانا عبدالواحد صاحب گوجرانوالہ وفاق کے حق میں تھے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے راستہ کھول دیا۔ میں نے وجہ مخالفت پوچھی تو دو باتیں بتلائی گئیں۔ اس پر احقر نے حضرت الاستاذ کا وہ دعوت نامہ سنا دیا جو میرے پاس تھا۔ اس میں ان دونوں شبہات کا جواب تھا۔ تو سب سے پہلے حضرت الامیر نے فرمایا: اس سے تو مسئلہ کی صورت حال ہی بدل گئی۔

۱۔ یہاں حکومت کے ایک بڑے عہدہ دار کے عہدہ کا نام تھا جس کو احتراماً حذف کر دیا گیا۔ (۱۲)

۲۔ اس کی تفصیل آ رہی ہے۔ (۱۲)

اس لئے اب تو اس مسئلہ پر از سر نو غور ہونا چاہئے۔ چنانچہ گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ کی بات چیت سے طے پایا کہ اس سلسلہ میں شکوک و شبہات سے بالاتر ہو کر مدارس دینیہ ”وفاق المدارس“ میں شامل ہو جاویں۔ حضرت الاستاذؒ کو جب واقعہ کی اطلاع پہنچی تو احقر سے بہت خوش ہوئے، والحمد للہ۔

بظاہر یہ شدید اختلاف معمولی بات چیت سے کیسے ختم ہو گیا تھا۔ بات یہ تھی کہ: ”اذا الناس ناس و الزمان زمان.“
ناکارہ عبدالکریم غفرلہ، ولوالدیہ (۱۰ شعبان ۱۳۱۵ھ ... ۱۲/۱/۹۵)

اول صدر وفاق المدارس العربیہ پاکستان:

احقر مؤلف نے حضرت سید قمر الدین احمد صاحب دامت برکاتہم کی خدمت میں عریضہ لکھ کر استفسار کیا کہ وفاق کے پہلے صدر حضرت والّا تھے یا حضرت مولانا افغانی؟ انہوں نے یہ پرچہ حضرت مولانا محمد حنیف صاحب مدظلہ مہتمم جامعہ خیر المدارس کی خدمت میں پیش کر دیا، جس پر انہوں نے یہ جواب تحریر فرمایا:

”عارضی طور پر ابتداء میں حضرت جد امجد صدر وفاق تھے۔ بعد میں جب باضابطہ اجلاس میں انتخاب ہوا تو حضرت افغانی صدر ہوئے۔ بعد ازاں پھر حضرت جد امجد تاحیات صدر رہے۔ احقر کو ایسے ہی معلوم ہے..... کتابچہ ارسال خدمت ہے۔“

یہ کتابچہ تعارف و تاریخ وفاق المدارس العربیہ پاکستان (مرتبہ: حضرت مولانا مفتی محمد انور شاہ صاحب) تھا۔ چنانچہ اس کتابچہ میں سے تلخیص کر کے قدرے مزید تفصیل درج ذیل ہے:

ابتداء میں بغرض تنظیم مدارس کنوینٹنگ کمیٹی بنی۔ اس کے فیصلہ پر ایک تنظیمی کانفرنس منعقد ہوئی۔ اس میں ایک تنظیمی کمیٹی تشکیل دی گئی، جس کے صدر حضرت والّا منتخب کئے گئے۔ اس کمیٹی کے اجلاس منعقدہ ۱۶، ۱۷، ۱۸، ۱۹، ۲۰، ۲۱، ۲۲، ۲۳، ۲۴، ۲۵ جون ۱۹۵۹ء) میں طے شدہ پروگرام کے تحت ۱۳، ۱۴، ۱۵، ۱۶، ۱۷، ۱۸، ۱۹، ۲۰، ۲۱، ۲۲، ۲۳، ۲۴، ۲۵ اکتوبر ۱۹۵۹ء) کو مجوزہ وفاق المدارس العربیہ پاکستان کا پہلا اجلاس حضرت والّا کی صدارت میں ہوا۔ اس اجلاس کی نشستوں میں وفاق کا دستور منظور کیا گیا۔ اور آئندہ تین سال کے لئے عہدہ داران کا انتخاب عمل میں آیا۔ اس میں حضرت مولانا شمس الحق صاحب افغانی ”صدر منتخب ہوئے۔ دوسری مجلس عاملہ کے اجلاس منعقدہ ۱۳۸۲ھ میں حضرت والّا صدر منتخب ہوئے (اور تاحیات صدر رہے)۔

ماضی کے خیر الطلبة (چند پندور شعرو بند)

تقریباً پینتیس چالیس سال قبل حضرت والّا کے زمانہ کی بات ہے کہ خیر الطلبة میں سے بعض کی رہائش خیر المدارس کے مغربی سمت والے دارالاقامہ کے کسی کمرہ میں تھی، جو حضرت سائیں طور شاہ صاحب کے حجرہ کے قریب تھا، اور دارالاقامہ کے کمرے جلسہ کے موقع پر مہمانوں کے لئے بھی استعمال ہوتے تھے۔ چنانچہ احقر مؤلف بھی جلسہ کے موقع پر ایک کمرہ میں

ٹھہرا ہوا تھا۔ احقر نے اس موقع پر چند اُردو اور عربی کے اشعار اس کمرہ کی دیوار پر دیکھے، جن میں سے اب ایک ایک یاد ہے۔ ان اشعار سے اندازہ ہوگا کہ اس وقت طلباء کی ذہنیت کیا تھی۔ اور وہ کس یکسوئی کے ساتھ دنیا کی بے ثباتی کو چشمنہ نظر رکھتے ہوئے تحصیلِ علومِ دینیہ میں منہمک رہتے تھے۔ افادۂ عامہ کے لئے وہ اشعار (عربی و اُردو) یہاں لکھے جاتے ہیں۔

نزلنا ہلہنا ثم ارتحلنا : کذا الدنيا نزول وارتحال.

یہ سرائے دہر مسافر و بخدا کسی کا مکان نہیں
جو مقیم اس میں تھے کل یہاں کہیں آج ان کا نشان نہیں

آج کا خیر المدارس

اور احقر مؤلف کی اپنے برادرانِ خیر المدارس کی خدمت میں گزارش

”کل کے خیر المدارس“ کو بجا طور پر یاد کیا جاتا ہے۔ جبکہ اس میں حضرت والا اور دوسرے اکابر موجود تھے۔ بزرگانِ دین کا اجتماع ہوتا رہتا تھا۔ لیکن تاہم آج کا خیر المدارس بھی پاکستان کے مدارس میں ایک امتیازی شان رکھتا ہے۔ اور اس میں بحمد اللہ تعالیٰ و بفضلہ تعلیم و تدریس کا بقاء و استمرار، طلبہ کی تعداد، اساتذہ کرام کی محنت اور اخلاص، تعمیرات میں ترقی، غرضیکہ ہر شعبہ میں ترقی کے آثار نمایاں ہیں۔

یہی نہیں بلکہ ۱۰-۱۳۰۹ھ (۱۹۸۹ء) کا موسم گرم تھا۔ ایک شب جامع خیر المساجد میں نمازِ عشاء کے بعد احقر مؤلف نے موجودہ مہتمم صاحب جناب مولانا مولوی حافظ قاری محمد حنیف صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ، طالبِ عمرہ و زادِ مجدۃ کا طلبہ خطاب سنا (جو غالباً تعلیمی سال کی ابتداء میں ہوا کرتا ہے) اس کے اہم حصہ کا حاصل کچھ ایسا یاد ہے کہ طلباء سے فرمایا کہ مولوی، عالم بلکہ مفتی بھی سب ہی کچھ بن سکتے ہو، لیکن اصلاح کے بغیر آدمی نہیں بن سکتے۔ بہر حال اتنا عمدہ بیان تو قلعے بڑھ کر تھا۔ جس کو سن کر آنکھیں ٹھنڈی ہوئیں اور دل مسرور ہوا، اور دل سے دُعا نکلی کہ اللہ تعالیٰ بیش از پیش خدمتِ دینِ کاملِ تراخلاص و صدق کے ساتھ کرنے کی توفیق ارزانی فرماتے رہیں (آمین)

تاہم کیا یہ ممکن ہے کہ حضرت والا کے زمانہ کی نورانیت و روحانیت، صدق و اخلاص اور تقویٰ و طہارت کا وہ معیار اب بھی موجود ہو؟ فضا میں ویسی ہی انوار کی بارش اب بھی ہو؟ اس کی توقع کیسے کی جاسکتی ہے؟ لیکن مَا لَا يُنْزَكُ كُنْهًا لَا يُنْزَكُ كُنْهًا. کیا اس کی سعی نہیں کی جاسکتی کہ اب بھی اس کا کچھ حصہ تو حاصل ہو جائے اور وہ باقی بھی رہے؟ کیوں نہیں؟ لیکن اب کیسے ہو؟

اس کے مدارک کا طریقہ جو اختیار و امکان میں ہے وہ اتنا ضرور ہے کہ حضرت والا اس فضاء کی بقاء کے لئے جو اسباب اختیار فرماتے تھے ان میں سے جو اسباب اب اختیار میں ہیں ان کو اختیار کیا جائے۔

سب سے زیادہ اہم تو ہر شخص کے لئے انفرادی اصلاح کی جدوجہد اور سعی کرنا اور کسی شیخ کامل اور محقق مصلح سے استرشاد کرتے رہنا اور اطلاع و اتباع اور اعتقاد و انقیاد کے نسخہ پر عمل کرنا ضروری ہے، لیکن اس کے ساتھ ساتھ اجتماعی سعی کی بھی ضرورت ہے۔ جیسا کہ حضرت والاؒ کے زمانہ میں معمول تھا۔ اس معمول کو ویسی ہی اہمیت دی جائے، بلکہ حضرت والاؒ کی غیر موجودگی سے اس کی ضرورت اور بڑھ جاتی ہے۔

شیخ کامل کی غیر موجودگی میں بزرگوں کے ملفوظات ہی اس کا کسی درجہ میں بدل ہو سکتے ہیں، اور اسی سے کچھ مذاکرہ ہو سکتا ہے۔

حضرت والاؒ کے شیخ کامل اور محقق مصلح حضرت حکیم الامت مجدد الملت تھانویؒ تھے۔ حضرت مجدد تھانویؒ کے ملفوظات حضرت والاؒ بہت پابندی سے سنتے تھے اور اس کے لئے باقاعدہ مجلس کی پابندی ہوتی تھی۔ اور تقریباً بیس منٹ ملفوظات پڑھے جاتے تھے۔

اب اس نورانی اور روحانی فضا کو پیدا کرنے کے لئے اجتماعی کام یہی امکان میں ہے کہ ملفوظات کی مجلس بعد عصر ہوا کرے۔ اور جناب مہتمم صاحب زید مجدہم اس میں پابندی سے تشریف فرما ہوں۔

اس کا ذکر بے جا نہ ہوگا کہ حضرت والاؒ اب اس مجلس میں عموماً مسند پر نہیں بیٹھتے تھے، بلکہ کنارے پر تشریف فرما ہوتے تھے۔ مجلس کا ادب جتنا زیادہ ہوگا اتنا ہی قلب میں نورانیت کے اخذ اور اصلاح کی صلاحیت پیدا ہوگی۔

(بہر حال ہر بات کو حدود شریعت اور اتباع سنت کا پابند رکھنا ضروری ہے۔ اکابر کی عادات کو عبادات مقصودہ سمجھنے اور ان کے ساتھ عین شریعت کا سا معاملہ کرنے لگنے سے بدعات کا دروازہ کھلتا ہے۔ لیکن چونکہ یہ مجلس اہل علم کی ہوتی ہے، ان شاء اللہ تعالیٰ وہ ہر بات کو اپنی حد پر رکھیں گے اور مجلس ملفوظات کو مدرسہ کے دروس کی طرح حصول علم صحیح اور فہم سلیم پیدا کرنے کا اور اصلاح کا وسیلہ سمجھنے ہی کی حد تک محدود رکھیں گے۔ اور اس کو محض رسمی خانہ پری یا عبادت مقصودہ کا درجہ نہ دیں گے۔ محض مستقبل کی احتیاط کے لئے یہ عرض کیا گیا۔)

محترمی اقبال قریشی صاحب نے فرمایا ہے کہ اس مجلس میں درجہ تکمیل کے طلبہ کی حاضری لازمی ہوتی تھی۔ (اب بھی اس معمول کو باقی رکھا جانا نہایت اہم اور ضروری ہے۔ احقر مؤلف)

حضرت والاؒ نے کتب خانہ خیر المدارس کے رجسٹر میں ملفوظات حکیم الامتؒ کی کتاب کو علم فقہ میں شامل فرمایا ہے۔ (اس کی تصدیق حضرت والاؒ کے زمانہ کے رجسٹر سے ہو سکتی ہے)

اس سے ایک حقیقت ظاہر ہوتی ہے کہ حضرت حکیم الامتؒ کے ملفوظات سے تفقہ فی الدین اور فہم سلیم پیدا ہوتا ہے۔ اور درجہ تکمیل کے طلباء کے لئے حاضری کی پابندی بھی اس کی تائید کرتی ہے۔

اُمید ہے کہ اس گزارش کو شرفِ قبولیت بخشا جائے گا۔ اور اُمید ہے کہ ان شاء اللہ تعالیٰ اس پر عمل کرنے سے اختیار کی حد تک اجتماعی حیثیت سے حضرت والا کے زمانہ کی نورانی فضا کسی درجہ میں حاصل ہو سکے گی۔ قلوب میں امن پیدا کیونکہ پیدا ہوگا۔ آپس میں محبت اور آجکل کی نام نہاد مغربی سیاست سے یکسوئی بھی نصیب ہوگی۔ (کیونکہ بقول عارفِ باری حضرت ڈاکٹر محمد عبدالحی صاحب رحمۃ اللہ علیہ: آجکل کی سیاست نجاست ہے۔ اور بقول علامہ ڈاکٹر اقبال مرحوم: جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی) نیز اُمید ہے کہ اپنی ہی جماعت میں سیاسی اختلاف کی وجہ سے آپس کی محبت میں بہت کمی کا ماحول بنے گا۔ قلوب میں وسعت اور حوصلہ پیدا ہوگا۔

محض تائیداً عرض ہے کہ حضرت والا کے خدام میں سے ایک کے قلب پر مسجد نبوی شریف میں بار بار اور غصہ نماز میں بھی اس کی اہمیت کا وارد ہونا مزید تائید کا اثر پیدا کرتا ہے۔ (مخدومی و استاذی المعظم حضرت علامہ مولانا مظہر عثمانیؒ فرماتے تھے کہ نماز کا وارد صحیح ہوتا ہے) واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

اس مجلس میں حضرت مہتمم صاحب طال عمرہ تو حتی الامکان ضرور تشریف فرما ہوں، اور حضرت والا کے مجازین میں سے خصوصاً حضرت سید قمر الدین احمد صاحب مدظلہ بھی ضرور تشریف لائیں۔ (کیونکہ مدرسہ ہی میں قیام ہے۔ ان کا معمول مجلس میں پابندی کا رہا ہے اور ان شاء اللہ تعالیٰ ضرور رہے گا) نیز اور بھی حضرت والا کے مجازین یا صاحب سر حضرات جو حاضر ہو سکتے ہو ان کی حاضری نہایت غنیمت و مفید ہے۔ خود ان کے لئے بھی اور دوسرے حضرات کے لئے بھی۔ البتہ ملفوظات کی مجلس میں دوسری گفتگو یا بلا ضرورت ان کی شرح یا تاویل وغیرہ کچھ نہ ہو تو ان شاء اللہ تعالیٰ نفع اتم ہوگا۔ علاوہ ازیں حضرت والا کے زمانہ میں بعد نماز جمعہ کی مجلس میں ارواحِ ثلاثہ اور نزہۃ البساتین وغیرہ بھی پڑھی جاتی تھیں۔ اور اس میں شہر کے حضرات بھی تشریف فرما ہوتے تھے۔ اب بھی اس کا اہتمام نہایت درجہ مفید ہے۔ اور اس میں مذکورہ کتب کے علاوہ نشر الطیب کا بھی اضافہ کیا جاسکتا ہے۔ واللہ الموفق و هو یهدی الی صراط مستقیم (المدینۃ المنورہ، لیلۃ الخمیس۔ ۳۰ رمضان المبارک ۱۴۱۲ھ)

ملفوظات و مواعظ حکیم الامت کے بارے میں خود حضرت والا

اور بعض دیگر صاحب سلسلہ اکابر کے ارشادات

اس سے قبل جو عرض کیا گیا وہ تو احقر کی گزارشات تھیں، لیکن ان میں سب سے زیادہ وزنی اور قیمتی خود صاحب سوانح حضرت والا کے ارشادات گرامی ہیں۔ حضرت والا سے محبت و عقیدت کا تعلق رکھنے والوں کے لئے اس سے بڑا دلیل کیا ہوگی۔ اور جن حضرات کو یہ بات حاصل نہ ہوئی ہو وہ تجربہ کر کے دیکھ سکتے ہیں۔

اب اس سلسلہ میں حضرت والا کے دو ملفوظات تحریر کئے جاتے ہیں:

ملفوظ نمبر (۲): ملفوظات کے دوران فرمایا کہ حضرت تھانویؒ کے ملفوظات اور مواعظ ہر عام و خاص کے لئے یکساں مفید ہیں۔
ملفوظ نمبر (۳): ایک دفعہ فرمایا: جس شخص کو بھی اپنی اصلاح مقصود ہو حضرت تھانویؒ کے ملفوظات و مواعظ کو زیر مطالعہ رکھے۔ اور اگر پڑھ نہ سکے تو کسی سے سن لیا کرے۔

مخدومنا حضرت مولانا فقیر محمد صاحب خلیفہ مجاز بیعت حضرت تھانویؒ کا ارشاد:

پھر یہ ارشادات کوئی حضرت والا کا تفرؤ نہیں، بلکہ ایک مسلمہ حقیقت ہے جس کی مزید تائید ایک واقعہ سے ہوتی ہے۔
احقر ایک بار جب جدہ میں تھا، مخدومنا حضرت مولانا فقیر محمد صاحب کو اپنی گاڑی میں کہیں پہنچانے جا رہا تھا، راستہ میں استفادۂ عرض کیا کہ حضرت طاعات کو عمل میں لانے اور منکرات سے بچنے کا دار و مدار اپنی ہمت یا طلب پر ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ ہمت یا طلب کیسے پیدا ہو؟ فوراً ارشاد فرمایا کہ حضرت (حکیم الامت تھانویؒ) کی کتابوں کے مطالعہ سے ہمت (یا طلب) پیدا ہوتی ہے۔ اب ظاہر ہے کہ حضرت کی کتابوں میں ترغیب و ترہیب اور اصلاح کے سلسلہ میں مواعظ و ملفوظات بہت ہی نمایاں ہیں۔

حضرت والا کے مکاتیب اصلاحیہ میں مطالعہ مواعظ و ملفوظات کی تاکید:

نیز حضرت والا کے مکاتیب اصلاحیہ میں بھی مواعظ و ملفوظات کے مطالعہ کی بہت تاکید ملتی ہے۔ مثال کے طور پر
احقر کے عریضہ مورخہ ۱۳/۷/۱۳۷۵ھ برائے استرشاد میں سے ایک عرض حال اور ارشاد حسب ذیل ہے:
عرض حال: ملفوظات اور مواعظ کا مطالعہ بھی جاری ہے، ان سے بہت فائدہ محسوس ہوتا ہے۔
ارشاد: ”ما شاء اللہ! یہ تو حقیقی مرشد و رہنما ہیں۔“

نمونہ کے لئے صرف ایک ہی مثال پر اکتفاء کیا جاتا ہے۔ اور اسی پر اس گزارش کو ختم کیا جاتا ہے۔ واللہ

الموفق وهو يهدى الى سواء السبيل. (المدينة المنورة، ليلة الجمعة، غرة شوال ۱۴۱۲ھ)

اضافہ: ایک ضروری بات یاد آگئی۔ چنانچہ عرض ہے کہ احقر مولف ۵۷-۱۹۵۶ء میں جب اردو کالج کراچی میں شعبہ عربی و اسلامیات میں لیکچرار تھا، اس زمانہ میں حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کے داماد مولانا نور احمد صاحب اکیابی مرحوم دارالعلوم کراچی کے ناظم تھے۔ ان کے فرمانے پر دارالعلوم کورنگی کے اساتذہ کے لئے تعمیر شدہ مکانات میں احقر نے تقریباً دو ماہ قیام کیا تھا۔

مخدومنا حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب (مفتی اعظم پاکستان) کی تائید و تاکید:

اس قیام کے دوران مخدومنا حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب (خلیفہ مجاز بیعت حضرت حکیم الامت تھانویؒ) جو احقر پر نہایت شفیق و مہربان تھے، احقر نے ان سے عرض کرنے کی جرأت کی کہ حضرت اگر دارالعلوم میں حضرت حکیم الامتؒ

۱۔ محض فرمودہ مولانا حافظ عبدالکفور صاحب زادہ مدہم (از سوادہ خیر السوانح اق۔ بعنوان ”ملفوظات“ دو ذیلی عنوان ”فرمودات/ارشادات۔)

۲۔ اب یاد نہیں رہا، ہمت ”عرض کیا تھا یا ”طلب“۔ روایت بالسنی ہے۔ تقریباً ۱۳۰۰ھ یا اس سے کچھ قبل یا بعد کی بات ہے۔ اسی لئے جو مطلبم یاد ہے وہ عرض کیا جا رہا ہے۔ (۱۲)

۳۔ اس سلسلہ میں مزید ان شاء اللہ تعالیٰ باب افاضۃ باطنی میں آیکا۔ لیکن یہاں بھی اضافہ اور تکرار کی ضرورت پیش آگئی۔ (۱۲)

کے ملفوظات پڑھے جایا کریں..... (تو کیا ہی اچھا ہو) (جیسا کہ احقر نے خیر المدارس میں دیکھا تھا) حضرت مفتی صاحب نے اس معروض پر کچھ ایسا ارشاد فرمایا جس سے معلوم ہوتا تھا کہ گویا یہ خود ان کے دل کی بات ہے۔ اور اس کے فوائد پر بہت تائیدی اور تاکید کی کلمات ارشاد فرمائے۔ (لیکن حضرت مفتی صاحب کی رہائش شہر میں تھی، دارالعلوم وہاں سے بہت دور تھا۔ دارالعلوم ابھی شہر (ناٹک واڑہ) سے منتقلی کے مراحل طے کر رہا تھا۔ ان ہنگامی حالات میں ظاہر ہے کہ اس پر اس وقت عمل کیسے ہوتا۔ البتہ حضرت مفتی صاحب نے ملفوظات بعنوان ”مجالس حکیم الامت“ مرتب فرما کر ملفوظات کے ذریعہ اس طرح اصلاحی خدمت انجام دے کر یہ کمی پوری فرمادی۔ فجز اھم اللہ خیر الجزاء)

المدينة المنورة، فی لیلتی الاثین والثلاثاء، ۴، ۵ شوال ۱۳۱۲ھ

تمتہ: علاوہ ازیں مخدومنا حضرت مولانا سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ”حکیم الامت کے آثار علمیہ“ کا ایک اقتباس جو حضرت مجدد تھانویؒ کے ملفوظات کے متعلق ہے، اس کو بھی یہاں نقل کرنا بہت مفید سمجھ میں آتا ہے۔ چنانچہ درج ذیل ہے:

مخدومنا حضرت مولانا سید سلیمان ندویؒ کی کتاب سے اقتباس بابت ملفوظات:

”ان کی مجلسوں میں علم و معرفت اور دین و حکمت کے موتی بکھیرے جاتے تھے۔ اور یہ موتی جن گنجینوں میں محفوظ ہیں، وہ ملفوظات ہیں، جو تقریباً ساٹھ مجلدات اور رسائل میں مدون ہیں۔ ان ملفوظات میں قرآن و حدیث کی تشریحات، فقہی مسائل کے بیانات، ادب و اخلاق اور سلوک کے نکات، بزرگوں کے قصص و حکایات، اکابر کے حالات، طالب علموں کے لئے ہدایات و تنبیہات، اصلاح نفس اور تزکیہ باطن کے مجربات، سنجیدہ لطائف وغیرہ اس خوبی اور دلچسپی سے درج ہیں کہ اہل شوق کے دل و دماغ دونوں اس آب زلال سے سیراب ہوتے ہیں۔“

(یہ اقتباس محترمی حضرت سید محمود حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ”حضرت حکیم الامت تھانویؒ... اکابر اور معاصرین کی نظر میں“

کے ص ۸۲، ۸۳ سے لیا گیا ہے۔ ۱۲)

مدرسہ مثالیہ مدرسہ عربیہ خیر المدارس

احقر کے پاس خیر المدارس کی سالانہ روئیداد بابت ۶۷-۱۳۷۵ھ محفوظ تھی۔ اس میں (علاوہ سالانہ حسابات اور نتائج طلبہ وغیرہ کے جو حسب معمول روئیداد میں ہوا کرتے ہیں) بعض مضامین مثلاً تعلیم دین اور عربی مدارس کی ضرورت و اہمیت، خیر المدارس کی مرکزیت، اغراض و مقاصد، نظم و نسق وغیرہ بہت سی باتیں ایسی ملیں جن میں عموماً مسلمانوں کے لئے نئے دوسرے مدارس کا انتظام و اہتمام سنبھالنے والے ذمہ دار حضرات اور موجودہ علماء کرام کے لئے بھی بہت سے نمونے اور رہنمائی ملتی ہے، جو زیادہ تر حضرت والا کے مرتب فرمودہ سمجھ میں آتے ہیں۔ جیسا کہ آخر میں حضرت والا کا اسم شریف دیا ہوا ہے۔ اس لئے خصوصاً جو حضرات حضرت والا اور حضرت والا کے چلائے ہوئے مدرسہ سے واقف ہیں، امید ہے وہ تو ضرور ہی اس سے استفادہ فرما سکیں گے۔ اس لئے عامۃ المسلمین کے علاوہ خواص اور اہل مدرسہ کے لئے استفادہ کی غرض سے چند اوراق پیش خدمت ہیں:

(نوٹ: بعض مضامین باب خیر المدارس سے متعلق ہونے کی وجہ سے بھی دیئے گئے ہیں، جن میں سے بعض مدرسہ کی تاریخی حیثیت سے تعلق رکھتے ہیں۔ مثلاً اس زمانہ میں کون سے اکابر متحن تھے اور ان کی آراء وغیرہ)

عامۃ المسلمین، علماء، صلحاء، مصلحین اور
مدارس دینیہ کے ذمہ دار حضرات کے لئے مفید

اصلاحی، تعلیمی، انتظامی اور خیر المدارس کے متعلق تاریخی معلومات

از

☆ سالانہ روئیداد ☆

مدرسہ خیر المدارس (رجسٹرڈ) ملتان شہر

باب ۱

شوال ۱۳۷۵ھ لغایت رمضان المبارک ۱۳۷۶ھ

مطابق: مئی ۱۹۵۶ء تا اپریل ۱۹۵۷ء

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الحمد لله رب العلمین والعاقبة للمتقین والصلوة والسلام علی افضل البشر واعلم
المعلمین سید المرسلین وخاتم النبیین وعلی آلہ وصحبہ اجمعین. اَمَّا بَعْدُ:
برادران اسلام پر یہ بات تو واضح ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت مقدسہ کی غرض و غایت تعلیم دین و تعلیم
اسلام ہی تھی۔

خود اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ. (حضور کو اس واسطے بھیجا تا کہ آپ انہیں
کتاب و حکمت کی تعلیم دیں)

اور یہی وجہ ہے کہ آپ نے ابتدائے بعثت ہی سے دارالرقم کو دارالتعلیم قرار دیا اور وہاں کتاب اللہ سکھانے کا اہتمام

فرمایا۔ پھر جب مدینہ منورہ تشریف لے گئے تو وہاں بھی سب سے پہلے مسجد نبوی (صلی اللہ علی صاحبہ) اور اس کے ساتھ ایک دارالتعلیم صفحہ کا اہتمام و انصرام فرمایا۔ اِنَّمَا بُعِثْتُ مُعَلِّمًا۔ (مجھے معلم بنا کر بھیجا گیا)

یہی وجہ ہے کہ تابعین، تبع تابعین اور ائمہ دین نے بھی سب سے پہلے تعلیم دین کا پورا پورا اہتمام فرمایا اور سب سے زیادہ درس و تدریس اور تعلیم و تعلم کے شغل کی تعریف فرمائی۔ ہندوستان میں خاندان تیموریہ کے زوال کے وقت بھی حکیم المسلمۃ الاسلامیہ اُستاذ الہند حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے اسلامی علوم کے تحفظ کا اہتمام مدارس عربیہ ہی کے ذریعہ فرمایا، اور اس خاندان کے تلامذہ و اساتذہ ہی کا یہ احسان ہے کہ آج پاک و ہند کی دینی حیثیت باقی ممالک اسلامیہ سے ہزار درجہ بہتر و برتر ہے۔ اور یہاں کی دینی حس اس قدر تیز ہے کہ اہل ہوس کو یہاں دین کے خلاف براہ راست کام کرنے کا حوصلہ نہیں ہوتا۔ وہ جب بھی کوئی کارروائی کرنا چاہتے ہیں اسے بڑے ہیر پھیر سے کرتے ہیں۔ اور اگر دینی تعلیم کو اور عام کر دیا جائے اور دینی معلومات لوگوں تک بیش از بیش پہنچائی جائیں تو یقین ہے آج جو کام ہیر پھیر کے بعد کرائے جاتے ہیں کل وہ بھی نہیں کئے جاسکیں گے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم لوگ کسی ہنگامی اور وقتی معاملہ میں سردیے بغیر صحیح دینی اسلامی تعلیم کے اہتمام میں لگے ہوئے ہیں، تاکہ بے دینی و الحاد کی جڑیں ہی کاٹ دی جائیں۔ مدرسہ عربیہ خیر المدارس کے جالندھر میں اجراء کے وقت بھی یہی مقصد پیش نظر تھا اور اب بھی جب کہ بعد از ہجرت ہم ملتان میں مقیم ہیں، یہی نکتہ پیش نظر ہے۔

لہذا علوم اسلامیہ عربیہ دینیہ کی تحصیل و تدریس اور ان کی اشاعت و تبلیغ اور ان کے حاملین و خدام کے ساتھ تعاون و تناصر ملت اسلامیہ کا اولین اہم فریضہ ہے۔

الف ثانی کے مجدد حضرت شیخ احمد سرہندی رحمہ اللہ ترویج علوم دینیہ میں ایک ادنیٰ سے ادنیٰ سکہ کو خرچ کرنا دوسرے مصرف میں لاکھوں روپے کے خرچ سے بہتر بتلاتے ہیں۔

ارشاد گرامی قطب الاولیاء حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ

پس بزرگ ترین خیرات سعی در ترویج شریعت است، و احیاء حکمے از احکام آں، علی الخصوص در زمانے کہ شعائر اسلام منہدم شدہ باشند، کروہادر راہ خدا عزوجل خرچ کردن برابر آں نیست کہ مسئلہ از مسائل شرعیہ رارواج دادن و انفاق جعلی بایں نیت خرچ کردن لکھا است در غیر ایں نیت (مکتوب حضرت مجدد الف ثانی دفتر اول، حصہ دوم، ص ۲۱)

”یعنی سب سے بڑی نیکی شریعت اسلام کی ترویج اور شریعت کے کسی حکم کو زندہ کرنا، خصوصاً ایسے زمانے میں جبکہ شعائر اسلام مٹنے چلے جا رہے ہیں (اس وقت) دین کے ایک مسئلہ کو رواج دینا اور اس کی تبلیغ کرنا خدا کی راہ میں کروا روپیہ خرچ کرنے سے افضل و اعلیٰ ہے، اور مسائل شرعیہ کو رواج دینے کی نیت سے ایک کوڑی خرچ کرنا لاکھوں روپے خرچ کرنے کے برابر ہے جو اس کے علاوہ کسی دوسری نیت سے خرچ کئے جائیں۔“

(مکتوبات شریف دفتر اول، ص ۲۱-۲۹)

مدرسہ خیر المدارس کی تاریخ:

آج سے تخمیناً ربع صدی پہلے ۱۹/شوال ۱۳۴۹ھ کو مجدد ملت حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی نور اللہ مرقدہ کی سرپرستی میں جالندھر میں خیر المدارس کا اجراء ہوا۔ اور تھوڑے ہی دنوں میں حضرت کی توجہ سے اس نومولود نے ایسی ترقی کر لی تھی کہ دیوبند و سہارن پور کے بعد سندھ اور پنجاب دوسرے کے لئے وہ ایک مرکزی مدرسہ اور علوم دینیہ کے طلب گاروں کا وہ آخری جلا و ماویٰ بن گیا تھا۔ مگر تقسیم ملک کے ہنگاموں میں بانیان مدرسہ کی نقل مکانی کے ساتھ ساتھ مدرسہ کو بھی گویا نقل مکانی کرنا پڑی۔ پاکستان میں ورود کے بعد بہت سے مقامات ایسے تھے جو اس بات کے چشم براہ تھے کہ خیر المدارس کی خیر و برکت اپنی نشاۃ ثانیہ کی ابتداء وہاں سے کرے۔ کئی ایک مقامات پر بانیوں کے قلوب بھی مائل ہو گئے، مگر یہ سعادت جو زور بازو پر نہیں بلکہ خدائے بخشندہ کے کرم پر موقوف تھی، ملتان کے حصہ میں آ گئی، جو عہد قدیم سے علم و عرفان کا مسکن و مرجع چلا آ رہا ہے۔

خیر المدارس کی مرکزیت:

یوں تو پاکستان کے قیام سے پہلے بھی اس ملک میں مدارس دینی موجود تھے اور پاکستان کے قیام کے بعد بھی بہت سے مدارس کا اجراء ہو گیا۔ مگر جو مرکزی حیثیت خیر المدارس کو اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی وہ پاکستان کے کسی دوسرے مدرسہ کو حاصل نہیں۔ جدید الفاظ میں اگر خیر المدارس جالندھر کو ایک بہترین عربی علوم کے کالج کی حیثیت حاصل تھی تو خیر المدارس ملتان کو عربی و اسلامی علوم کی یونیورسٹی کی حیثیت حاصل ہو گئی ہے۔ جس کے ساتھ ملک کے بہت سے دوسرے مدارس الحاق کا تعلق پیدا کر کے ایک منظم شکل میں آتے جا رہے ہیں۔

مدرسہ کا مسلک و مشرب:

مدرسہ خیر المدارس ملتان کا مسلک عقائد اہل سنت و الجماعت اور فقہ حنفی کے مطابق ہے۔ اور اس کا مشرب یعنی طریقہ فکر و عمل حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی، امام ربانی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی، حکیم الامت حضرت مولانا شاہ اشرف علی تھانوی رحمہم اللہ تعالیٰ کے مشرب کے مطابق ہے۔

نصب العین یعنی اغراض و مقاصد:

مدرسہ خیر المدارس کا نصب العین حسب ذیل ہے:

(الف) علوم دینیہ (قرآن، حدیث، عقائد اہل سنت و الجماعت، فقہ حنفی اور ان کے متعلقہ علوم) کی ترویج و اشاعت۔

۱۔ اس کے بعد آٹھ ایسے مدارس کی فہرست ہے جو انتظامی اور استثنائی دونوں طرح خیر المدارس سے الحاق کر چکے ہیں، اور کئی ایک مدارس ایسے بھی ہیں جن کا الحاق صرف استثنائی طور پر مدرسہ بندا سے ہے۔ اس کے بعد دس ایسے مدارس کی فہرست دی گئی ہے۔ اور اب تو "الخیز" میں پانچ مدرسہ کی تعداد اس سے بھی زیادہ دی گئی ہے۔

(ب) علوم دینیہ کی ایسی مکمل اور محققانہ تعلیم کا انتظام کرنا جس میں ضروریات دین اور مقتضیات عمریہ کا خاطر خواہ لحاظ رکھا جائے، جس سے محققانہ نظر رکھنے والے ماہر علوم دینیہ پیدا ہو سکیں۔

(ج) عمومی علوم دینیہ کی تکمیل کے ساتھ خصوصی اہم شعبوں مثلاً قضاء و افتاء، تبلیغ و مناظرہ، تحریر و تقریر عربی، تصنیف و تالیف کی تعلیم و تربیت۔

(د) دارالافتاء (ه) دارالتبلیغ (و) دارالاشاعت کا قیام

(ز) بچوں کی تعلیم قرآن کے ساتھ ساتھ ریاضی وغیرہ کی سہولت بہم پہنچانا۔

(ح) عورتوں کے لئے بھی دینی معیار کی تعلیم کا پابند و بندوبست کرنا۔

نظم و نسق:

مدرسہ ہذا ایک رجسٹرڈ ادارہ ہے اور اس کا نظم و نسق پاکستان بھر کے جید علماء، مقتدر بزرگان ملت کی مجلس شوریٰ کے سپرد ہے، جس کا اجلاس سالانہ جلسہ کے موقع پر منعقد ہوتا رہتا ہے۔ اور درمیانی عرصہ میں مجلس شوریٰ کے اختیارات نتیجہ مجلس منتظمہ کو ہوتے ہیں۔

آئین متعلقہ رخصت ملازمین:

مدرسہ ہذا میں بلا وضع تنخواہ سال بھر میں تین قسم کی رخصت رکھی گئی ہے: (۱) رعایتی، (۲) بوجہ بیماری کے۔ (۳) اتفاقی۔ رعایتی رخصت میں حسب ذیل تفصیل ہے:

(۱) تعلیمی عملہ میں پورے ایام تعطیل کی رخصت ہوگی۔ (۲) دفتر کے عملہ میں صرف جمعہ کی۔

(۳) مطبخ کے عملہ میں یہ رخصت نہ ہوگی۔

بوجہ بیماری کے رخصت ایک ماہ ہوگی۔ اتفاقیہ رخصت: ۲۰ دن

اس کے علاوہ ہر قسم کی رخصت بوضع تنخواہ ہوگی۔ غیر حاضری کی تنخواہ بھی وضع کی جائے گی۔ البتہ ملازم کا جو سفر بکار

مدرسہ ہوگا وہ حاضری میں شمار ہوگا۔

ملازمین کی علیحدگی:

(۱) عام حالات میں تخفیف شدہ ملازم کو ایک ماہ پیشتر اطلاع دی جائے گی۔ ایسا ہی جو ملازم از خود علیحدگی کا ارادہ رکھتا ہو، ان کو چاہئے کہ ایک ماہ قبل دفتر میں تحریری اطلاع دے۔

(۲) جو مدرس اپنا تعلیمی سال پورا کر کے از خود مستعفی ہو جائے یا بعد ایام تعطیل رمضان کے کام پر حاضر نہ ہو وہ رمضان المبارک کی تنخواہ کا مستحق نہ ہوگا۔ البتہ جس مدرس کو بوجہ عدم ضرورت یا کسی خاص مصلحت کے، بعد اختتام سال کے مدرسہ کی جانب

سے سبکدوش کیا جائے وہ تعطیل رمضان کی تنخواہ کا مستحق ہوگا۔

(۳) دفتری اور مطبوعی عملہ صرف ایام کارکردگی کی تنخواہ کے مستحق ہوں گے۔ جملہ طلباء کے لئے مسلک و مشرب مدرسہ پر قائم رہتے ہوئے نماز باجماعت اور وضع قطع میں بھی شریعت کا پابند رہنا ضروری ہوگا۔ خلاف ورزی پر اصرار کرنے والے طلباء اخراج کے مستحق ہوں گے۔

آئین متعلقہ طلباء

- (۱) مدرسہ خیر المدارس میں داخل ہونے والے طلباء سے کسی قسم کی فیس وغیرہ نہیں لی جاتی۔ بلکہ حسب گنجائش و قواعد مقررہ مستحق طلباء کی خوراک و پوشاک و کتب و دیگر رہائشی ضروریات وغیرہ کا بندوبست من جانب مدرسہ ہذا کیا جاتا ہے۔
- (۲) طلباء کیلئے ان تمام ہدایات اور متعلقہ قواعد پابندی لازمی ہوگی۔ جو منجانب مدرسہ تعلیمی و انتظامی سلسلہ میں نہیں دی جائیں۔

داخلہ طلباء

درجہ عربی و فارسی:

- (۱) کوئی طالب علم اس درجہ میں داخل نہ ہوگا جب تک کم از کم فارسی میں گلستاں تک اور قرآن شریف صحیح حفظ یا ناظرہ بمع ربع پارہ حفظ نہ پڑھ چکا ہو۔ اور بقدر ضرورت حساب و تحریر پر قادر نہ ہو۔ (جو طالب علم مدرسہ کی امداد نہ لیتا ہو، اس پر یہ ضابطہ حاوی نہیں)
- (۲) ابتدائی عربی درجہ میں بشرط گنجائش ابتداء میں، ورنہ سہ ماہی امتحان میں اعلیٰ نمبر پانے والے طالب علم کو مدرسہ سے خوراک و دیگر مالی امداد دی جاسکے گی۔
- (۳) کوئی طالب علم اگر ایسے عربی مدرسہ سے داخلہ کے لئے آئے جس کا خیر المدارس سے الحاق یا معاہدہ ہے تو اس کے لئے ضروری ہوگا کہ اس مدرسہ کے مہتمم سے اپنے چال چلن کی تصدیق اور اجازت ہمراہ لائے، ورنہ داخلہ نہ ہوگا۔ دیگر مدارس کے طلباء کے متعلق بھی ان کے مہتمم صاحبان سے دریافت حال کر لینا مناسب ہوگا۔
- (۴) نابالغ طلباء بغیر وساطت ان کے اولیاء یا جائز و رشاء کے داخل نہ ہو سکیں گے؟
- (۵) ہر طالب علم کا سابقہ خواندگی میں امتحان داخلہ لیا جائے گا۔ کامیاب ہونے والے طلباء کا داخلہ مدرسہ ہذا کے نصاب کے مطابق جماعت وار ہوگا۔
- (۶) تمام وقت درس کی پابندی اور استفادہ طلباء پر لازمی ہوگا۔
- (۷) جو طالب علم بلا عذر قوی برابر دس روز غیر حاضر رہے یا متفرق اوقات سال میں پندرہ روز غیر حاضر رہے یا بخوف

امتحان غیر حاضر ہو جائے، مدرسہ سے خارج کر دیا جائے گا۔

(۸) طلباء کی حاضری روزانہ دو وقت ہوا کرے گی اور کبھی کبھی غیر معین اوقات میں بھی حاضری جایا کرے گی۔ غیر حاضر ہونے والا طالب علم مناسب سزا کا مستحق ہوگا۔

(۹) جو طلباء مدرسہ میں مقیم ہوں ان کو مغرب کے بعد سے مہتمم یا نگران کی صریح اجازت حاصل کئے بغیر مدرسہ کے احاطہ سے باہر جانے کی اجازت نہ ہوگی۔

(۱۰) طلباء کو سخت ضرورت یا شدید بیماری کے عذر کے بغیر رخصت نہ ملا کرے گی۔ سہ ماہی، ششماہی امتحان کے بعد طالب علم بقدر ضرورت رخصت کا مستحق ہوگا جو پہلے غیر حاضر نہ ہوا ہو۔

(۱۱) درمیانی امتحانوں میں ناکامیاب ہونے والے طلباء اگلے امتحان کی کامیابی تک مدرسہ سے خوراک و مالی امداد کے مستحق نہ ہوں گے۔

(۱۲) کوئی طالب علم مہتمم یا ناظم تعلیمات کی اجازت کے بغیر مدرسہ سے از خود کوئی کتاب شروع نہ کر سکے گا اور نہ چھوڑ سکے گا۔

(۱۳) کوئی طالب علم بلا صریح اجازت حاصل کئے کسی مہمان یا مسافر کورات کے وقت احاطہ مدرسہ میں نہیں ٹھہرا سکتا۔ البتہ اجازت لے کر ایک وقت کا کھانا مدرسہ سے کھلا سکتا ہے۔

اوقات مدرسہ ہذا:

- ۱- مدرسہ ہذا کا تعلیمی سال ۶ شوال المکرم سے ۲۰ شعبان المعظم تک (ساڑھے دس ماہ) ہوگا۔
- ۲- مدرسہ ہذا کے اوقات درس و تعلیم روزانہ چھ گھنٹے ہوا کریں گے۔ ۴ گھنٹے صبح، ۲ گھنٹے بعد از ظہر۔

امتحانات:

مدرسہ ہذا میں تعلیمی سال کے اندر تین امتحانات کا ہونا ضروری ہے، جن پر طلباء کی کامیابی اور استحقاق امداد اور اساتذہ کی ترقی و تنزل کا مدار ہوا کرے گا۔ سہ ماہی، عشرہ اولیٰ ماہ صفر میں۔ ششماہی عشرہ اولیٰ ماہ جمادی الاولیٰ میں۔ سالانہ عشرہ وسطیٰ شعبان میں۔

نتیجہ امتحان سالانہ

شعبان ۱۳۷۶ھ

بفضلہ تعالیٰ مدرسہ ہذا کا سالانہ امتحان تحریری و تقریری بتاریخ ۸ لغایت ۱۴ شعبان ۱۳۷۶ھ ہوا۔ تحریر امتحانات کے سوالات: (۱) حضرت مولانا رسول خان صاحب (سابق پروفیسر اور رینٹیل کالج یونیورسٹی لاہور) (۲) اور حضرت مولانا شمس الحق صاحب (سابق وزیر معارف قلات)، (۳) اور حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی (شیخ الحدیث دارالعلوم الاسلامیہ ٹنڈوالہ یار سندھ)، (۴) اور استاذ القراء حضرت مولانا قاری فتح محمد صاحب پانی پتی شکار پور سندھ کے مرتب فرمودہ تھے۔ اور تقریری امتحان مندرجہ ذیل علماء نے لیا:

(۱) حضرت مولانا محمد امین صاحب، مہتمم مدرسہ امینیہ جڑانوالہ، (۲) حضرت مولانا عبدالقدیر صاحب کیمل پوری، مدرس مدرسہ عربیہ ادکارہ، (۳) حضرت مولانا عبداللہ صاحب رائے پوری، صدر مدرس جامعہ رشیدیہ شنگھری، (۴) حضرت مولانا عبدالعزیز صاحب رائے پوری رکن مجلس شوریٰ ہذا۔
حضرت ممتحنین نے جو نتیجہ امتحان تحریر فرمایا، اس کے بعض اقتباسات یہ ہیں:

مولانا محمد امین صاحب ممتحن درجہ عربی:

بفضلہ تعالیٰ طلباء کی تعلیمی حالت بہتر سے بہتر ہے۔ چونکہ مدرسہ ہذا کا نظم و نسق اور تعلیمی قواعد و ضوابط بہترین ہونے کے علاوہ اہم ترین اخلاص پر مبنی ہیں، یہی وجہ ہے کہ مدرسہ ہذا ما فوق القیاس ترقی پذیر ہے۔ الخ

مولانا عبدالقدیر صاحب ممتحن درجہ عربی:

بندہ نے دورہ حدیث کی بعض کتابوں اور تفسیر جلالین اور علوم عقلیہ اور مبادی کی بعض کتابوں کا امتحان لیا۔ الحمد للہ! کہ طلباء کی تعلیمی حالت عموماً تسلی بخش رہی۔ اس کے علاوہ ان میں جذبہ عمل اور بلندی اخلاق حضرات اساتذہ کی خاص قابلیت اور مقبولیت کی مظہر تھی۔ مدرسہ کے نظم و نسق کی عمدگی نتیجہ امتحان دیکھنے سے واضح ہو جاتی ہے۔

مولانا عبداللہ صاحب ممتحن درجہ قرآن:

الحمد للہ! مجموعی حیثیت سے نتیجہ تسلی بخش ہے۔ چونکہ احقر راقم الحروف کو اکثر پنجاب کے دیگر مدارس کے امتحانات لینے کا موقع ملتا رہتا ہے۔ بلا مبالغہ عرض کرتا ہے کہ خیر المدارس کے درجہ قرآن مجید جیسا کام اور محنت اور نتائج کہیں نہیں معلوم ہوئے، الخ۔

مولانا قاری فتح محمد صاحب یانی پتی ممتحن درجہ تجوید و قرأت:

ابا بعد! احقر نے مدرسہ خیر المدارس کے درجہ قرأت کے بارہ طلباء کے پرچہ جات امتحان سنے۔ ان حضرات نے حفص کی روایت کے علاوہ جو سب جگہ پڑھی اور پڑھائی جاتی ہے، دوسری تین قرأتوں میں امتحان دیا۔ یعنی امام نافع، امام ابن کثیر مکی، امام ابو عمر و بصری کی قرأتوں میں امتحان دیا۔ اور ان میں سے کئی ایک طلباء نے پچاس نمبر جو انتہائی نمبر ہیں ان کے علاوہ مزید انعامی نمبر بھی حاصل کئے، جو ساٹھ تک پہنچتے ہیں۔ ماشاء اللہ طلباء کی حالت نہایت مسرت؟ اور اطمینان بخش ہے۔ حق تعالیٰ ان طلباء کو اور مدرسہ مذکورہ کے شیخ القراءات کو اور حضرت مہتمم صاحب اور جملہ کارکنان کو اعلیٰ سے اعلیٰ جزاء عطا فرماوے اور ان کی جملہ خدمات کو اعلیٰ ترین قبولیت سے مشرف فرمائے۔

میں بلا خوف تردید اور شرح صدر کے ساتھ عرض کر سکتا ہوں کہ خیر المدارس جس طرح درسی علوم کے اعتبار سے پورے ملک کے لئے ایک معیاری درس گاہ ہے، اسی طرح بفضلہ تعالیٰ علم قرأت کے لئے بھی ایک ممتاز اور اپنی شان کا ایک ہی مدرسہ ہے۔ حق تعالیٰ دن دُگنی اور رات ہزار گنی ترقی نصیب فرمائے اور ارباب خیر کو مدرسہ کی مالی امداد کی توفیق مزید بر مزید عطا فرمائے۔ خوش نصیب اور سعادت مند ہیں وہ حضرات جن کی دولت کا ایک حصہ ایسی شان کے مدارس کے فروغ دینے میں صرف ہو رہا ہے، الخ۔

مدرسہ کا چندہ

مدرسہ ہذا کا چندہ کسی سرمایہ دار فرد یا جماعت پر موقوف نہیں رکھا گیا۔ بلکہ محض توکل علی اللہ پر اس کی بنیاد رکھی گئی ہے۔ حق تعالیٰ کی توفیق سے اسلام کے ہمدرد اور دینی تعلیم کے خیر خواہ حضرات آخرت کے ثواب اور خدا تعالیٰ کی رضا جوئی کی نیت سے جو کچھ طیب خاطر سے وقفہ قنالی امداد فرماتے رہتے ہیں، وہی اس کا چندہ ہے۔

مدرسہ کو خود کفیل بنائے!

سب سے اہم کام فی زمانہ یہ ہے کہ مدرسہ کو خود کفیل بنایا جائے۔ اور مدرسہ کے نام اوقاف اس قدر کر دیئے جائیں کہ مدرسہ کو کسی مزید چندہ کی ضرورت نہ پڑے۔ زمانہ کی قدریں بدلتی جا رہی ہیں اور چندہ فی زمانہ اس قدر بدنام ہو چکا ہے، اور چندہ سے چلنے والے اداروں کو بھی بری نظر سے دیکھا جانے لگا ہے۔ ہمیں چونکہ زمانہ کے اندر رہ کر زمانہ کی اصلاح کرنی ہے، اس لئے زمانہ کی اقتدار سے بے پروائی نہیں برتی جاسکتی۔ اگر مدرسہ کے نام اوقاف اس قدر ہوں کہ اس کا سالانہ خرچ ان سے بخوبی پورا ہو سکے تو ہمیں نہ چندہ لینے کی ضرورت ہے اور نہ چندہ کی خاطر کسی اجتماع کی ضرورت۔ پھر ہمارے وہ

ضمیمہ روئیداد میں مدرسہ کے کوائف و حالات دیئے گئے ہیں۔ ان میں آئندہ عزائم و ضروریات بابت جامع مسجد، مکانات، مدرسہ تعلیم النساء کی توسیع، ملحقہ پارچہ جات، علاج اور کتب خانہ کا ذکر فرمانے کے بعد ان تمام ضروریات کا واحد حل مدرسہ کو خود کفیل بنانے کو فرمایا گیا ہے۔ چونکہ یہ حل مستقل اہمیت رکھتا ہے، تاکہ کوئی غیبی خیر خواہ اور اسلام کے ہمدرد نہ صرف خیر المدارس بلکہ عوام دینی مدارس کے لئے بھی اس پر غور فرمائیں۔ اس کے لئے اس کو یہاں نقل کیا گیا ہے۔ وھو ہذا۔ (آ)

اجتماع جس میں چندہ کی ایک پائی تک کے لئے اپیل نہ ہوگی، آپ جانتے ہیں کہ کس قدر مؤثر ثابت ہو سکتے ہیں۔

ہماری تجویز:

اس سلسلہ میں ہماری تجویز یہ ہے کہ اہل خیر مدرسہ کے نام زمینیں اور شہری جائیدادیں وقف فرمائیں، جن کی آمدنی مدرسہ پر خرچ کی جائے۔

جائیدادوں اور زمینوں کے علاوہ کارخانوں اور کمپنیوں کے حصص بھی مدرسہ کے نام وقف کئے جاسکتے ہیں۔ یوں بھی ہو سکتا ہے کہ صدقہ جاریہ کے طور پر آپ اپنے بزرگ والد، والدہ یا مرشد وغیرہ کی روح کو ثواب کی خاطر کچھ جائیداد، زمین یا کارخانے کا حصہ مختص فرمائیں اور اسے مدرسہ کے نام وقف کر دیں، تاکہ اس کی آمدنی طلباء علم دین پر خرچ ہوتی رہے۔ اور اس کا ثواب آپ کے بزرگوں کی ارواح مقدسہ کو بطور صدقہ جاریہ ہمیشہ پہنچتا رہے۔

اہل خیر اس طرف جتنی زیادہ توجہ فرمائیں گے اسی قدر مدرسہ کو زمانہ کی اقدار کے ساتھ زیادہ موثر و معزز بنانے میں امداد فرمائیں گے۔

”خیر المدارس“

از حامد بن طالب شریفی، (متعلم مدرسہ ہذا)

مہبط انوار باری، مسکن اہل صفا
تو ہی ہے سرچشمہ فیضان احمد مجتبیٰ
”حضرت اشرف علی“ کی یہ دُعا کا ہے صلہ
کیوں نہ ہو منبع خیر محمد مصطفیٰ!
تو ہے قائم اسوۂ حضرت محمدؐ پر سدا
تو بجان و دل ہے ناموس محمدؐ پر فدا
تو مزین با صداقت تیرا شیوہ ہے وفا
مشکلات دین میں ہے تو جہاں کا راہنما
ارضِ پاکستان میں تو سب سے اچھا مدرسا

اے خوشا ”خیر المدارس“ مرکز دین ہدیٰ
ہوتے ہیں سیراب تجھ سے تشنگانِ علم دیں
چھٹ گئیں ظلماتِ باطل تیری ضوِ پاشی سے آج
طالب خیر محمد جب کہ بانی ہیں ترے
تو ہے قاصد شرک و بدعت کا ضلالت کا مدام
ہر صفِ باطل سے رہتا معرکہ آراء ہے تو
تو نہیں رکھتا امانت میں دیانت میں نظیر
درد مندوں کا، غریبوں کا، یتیموں کا رفیق
فضل ربانی سے کہتے ہیں یہ خاص و عام آج

یہ درخشاں اور تابندہ رہے یا رب مدام!

حامدِ دلِ رفته کے لب پر یہ آئی ہے دُعا

۱۔ یہ نظم بھی روایتاً اس جگہ دی گئی ہے۔ جو اس زمانہ کے ایک طالب علم کی ہے۔ خدا کرے یہ خیر المدارس کے یہ سابق ”طالب علم“ اب ایک کرمش عالم، مین کی حیثیت سے کہیں
ایک نعت کر رہے ہوں۔ (۱۶)

سالِ رواں کا سانحہ عظیم

مخدوم العلماء والاقتیاء، شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہ العزیز کا سانحہ ارتحال سالِ رواں کا ایک عظیم سانحہ ہے۔ حضرت مولانا کی ذات والاصفات مدارس عربیہ کے اُم المدارس دارالعلوم دیوبند کے صدر مدرس ہونے کی حیثیت سے ہی نہیں بلکہ اپنی ذاتی شخصیت، بین الاقوامی شہرت اور بے لوث للہیت کی بناء پر بھی ہم سب کا طباہ و ماویٰ تھی۔

مَوْتُ الْعَالِمِ مَوْتُ الْعَالَمِ کا مقولہ مولانا کے سانحہ ارتحال پر پورا پورا صادق آتا ہے۔ خیر المدارس میں جب حضرت کے وصال کی خبر پہنچی، فوراً ایصالِ ثواب کا انتظام کیا گیا اور خیر المدارس کے مدرسین اور طلباء نے تعلیم بند کر کے تعزیتی اجتماع کی صورت میں کئی قرآن مجید ختم کر کے ایصالِ ثواب کیا اور دُعاء مغفرت اور ترقی درجات کی۔ اور حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند کی خدمت میں تعزیتی خط ارسال کیا۔

اللہ تعالیٰ حضرت قدس سرہ العزیز کے درجات میں ترقی عنایت فرمائے، اور پسماندگان کو صبر جمیل سے نوازے اور دارالعلوم کو غیبی امداد سے بدستور دامن آ باد رکھے، آمین ثم آمین۔

حرفِ آخر! دوستو اور بزرگو! ان سب گزارشات کے آخر میں مجھے اب یہ کہنے کی تو شاید ضرورت نہیں کہ آپ مہربانی فرما کر مدرسہ کی امکانی امداد سے دریغ نہ فرمائیں۔ کیونکہ مدرسہ کا کام آپ کے سامنے ہے اور آپ اس بات کو اچھی طرح جانتے ہیں کہ اتنا بڑا کام ایک فرد واحد کے کرنے کا تو ہے ہی نہیں، یقیناً اتنے بڑے کام کو ایک دوسرے کے تعاون ہی سے انجام دیا جاسکتا ہے۔ اور دینی و اسلامی کاموں میں آپ جیسے دیندار لوگ تعاون نہیں فرمائیں گے تو اور کون تعاون کرے گا۔ اور آپ کس طرح پر تعاون کریں؟ یہ کام بھی میری بجائے آپ کے سوچنے کا ہے، تاکہ اتنے اچھے دینی کام میں آپ پیش از پیش حصہ دار بن سکیں۔ مجھے تو اس وقت فریضہ تشکر ادا کرنے کی فکر ہے۔ سب سے پہلے میں بارگاہِ خداوندی کی تحمید و تہجد کرتا ہوں جس نے ہمیں توفیق دی کہ ہم اس کے دین کی خاطر ایک حصن حصین (مضبوط قلعہ اور مدارس عربی دین کے مضبوط قلعے ہی ہیں) تیار کریں، اور پھر ہمیں توفیق عنایت فرمائی کہ علمائے کرام اور صوفیائے عظام کو بلا کر ان کے مواعظ حسنة اسلامیانِ ملتان و نواح کے قلوب کی تنویر کا انتظام کریں۔

۱۔ روئیداد مدرسہ باہت ۶۶-۷۱-۱۳۷۳ھ میں یہ تاریخی سانحہ اس موقع پر مذکور ہے اس کو اس لئے نقل کیا جا رہا ہے۔ تاکہ معلوم ہو جائے کہ پیارے حضرت والا کی حضرت مدنی سے کیسا قلبی تعلق محبت و عظمت کا تھا کہ اس میں سیاسی مسلک کا اختلاف حائل یا مؤثر نہیں ہوا۔ اس مثال میں سیاسی اختلاف کی وجہ سے مخالف بن جانے والوں اور اہل نلو کے لئے (خواہ کسی طرف سے ہوں) درس اور نصیحت ہے۔ (۱۲)

۲۔ روئیداد کے اس "حرفِ آخر" میں جو حضرت والا کی طرف سے ہے۔ مدرسہ کے لئے مالی تعاون کے بارے میں کس استثناء کے ساتھ صرف چند الفاظ میں توجہ دلائی ہے۔ اور کسی طرح اتنے بڑے کام کو بجا طور پر اللہ تعالیٰ کی توفیق کا ثمرہ میان فرما کر سب حضرات کا شکر یہاں انداز میں فرما رہے ہیں گویا سب کام دوسروں کے ہاتھ سے انجام پایا ہے اور خود کو کیا ہی نہیں۔ اس میں کئی سبق اور سبق ہیں اسلئے اس "حرفِ آخر" کو اس بات سے بھی حرفِ آخر بنایا جا رہا ہے۔ (۱۲)

دوسرے درجہ پر مجھے علمائے کرام اور صوفیائے عظام کا شکریہ ادا کرنا ہے جنہوں نے اپنے اپنے مشاغل ضروریہ کو مؤخر فرما کر اس جلسہ کو رونق بخشی اور ہم لوگوں کو اپنے فیوض علمی و روحانی سے مستفیض ہونے کا موقع عنایت فرمایا۔

تیسرے درجہ پر مجھے آپ سب حضرات کا شکریہ بھی ادا کرنا لازم ہے، کیونکہ یہ سب کچھ آپ لوگوں کے تعاون کا نتیجہ ہے، اور اتنا بڑا دینی کام آپ کے تعاون سے اہتمام و انصرام پذیر ہو رہا ہے۔ پھر آپ نے بھی جلسہ کو رونق بخشی اور نہایت مبر و سکون سے تقریریں سن کر ان سے فائدہ اٹھا رہے ہیں۔

سب سے آخر میں مجھے مدرسہ کے مدرسین، طلباء اور جلسہ کے کارکنوں کا شکریہ ادا کرنا ہے کہ جن لوگوں کی دن رات کی محنت ہی کا یہ ثمر ہے اور یہ سب انہی حضرات کے حسن انتظام کا نتیجہ ہے کہ ہم اس کارگراں سے عہدہ برآ ہو رہے ہیں۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ!

بندہ خیر محمد عفی عنہ

مہتمم مدرسہ خیر المدارس ملتان شہر

المعهد العلمی (اعنی) خیر المدارس

(بچوں کی زبان میں عزیزم محمد سجاد رشیدی کی فرمائش پر لکھی گئی)

از: علامہ طالوت مرحوم

بناء العلم منہدم و دارس	ونرجوا الخیر من خیر المدارس
لذا للعلم بستان نظیف	و "خیر محمد" فیہ لغارس
رجال العلم مجتمعون فیہ	وکل منہم للعلم حارس
وکل منہم للخیر سابق	وکل منہم للدرس فارس
فمن شاء المزیة فی دروس	
یجی فوراً الی خیر المدارس	

(”الخیر“ شعبان ورمضان ۱۳۰۷ھ)

(لَمَّ الْيَابُ)

”حضرت خیر محمدؒ سے ملا تجھ کو کمال“

از: حضرت مولانا عبدالمجید انور

معدنِ رُشد و ہدایت فیض رب ذوالجلال	مدرسہ خیر المدارس منبع علم و کمال
چھٹ گئی ہے تیرے دم سے ظلمتِ جہل و ضلال	تو نے پھیلایا زمانہ بھر میں نورِ معرفت
تیرا درس آگہی دنیا میں ہے ضرب المثل	تیرا فیض علم و حکمت زینتِ بزمِ جہاں
سنت خیر البشرؐ کی پیروی تیرا کمال	عظمتِ اسلاف ہے تیرا متاعِ زندگی
ضرب سے تیرا ہوا زار و زبوں باطل کا حال	تیرے استقلال کے آگے حوادثِ سرنگوں
جس سے ظاہر ہے رشید احمدؒ کا، قاسمؒ کا جمال	تو روایاتِ سلف کا آج ہے آئینہ دار
حضرت خیر محمدؒ سے ملا تجھ کو کمال	ہے جناب تھانویؒ کے شرف سے تیری بنا

نام جس کا ترجمان ہو خود ہی اپنی ذات کا

کام کیا دے گی وہاں انور تیری یہ قیل و قال

(”الخیر“ شعبان و رمضان، ۱۴۰۷ھ)

باب دہم (۱۰)

تلامذہ کرام

نوٹ: حضرت والاؒ کی طالب علمی کے زمانہ کے ایک شاگرد رشید حضرت مولانا عزیز الدین عظامی صاحب ہوشیار پوری تلمیذ مولانا گرامی مرحوم کی ایک نعت خیر المدارس کی روئیداد سالانہ بابت ۷۶-۷۵-۱۳۷۵ھ مطابق ۵۷-۱۹۵۶ء میں ملی، جس کو ”خیر السوانح“ میں کہیں شامل کرنے کو جی چاہا۔ چنانچہ حضرت والاؒ کے تلمیذ ہونے کی مناسبت سے مولانا عظامیؒ کی اس نعت کو تلامذہ کرام کے باب کی زینت بنایا جا رہا ہے۔ (۱۲)

نعت خاتم الانبیاء خیر الانام علیہ الف الف صلوة وسلام

(از مولانا عظامی تلمیذ مولانا گرامی مرحوم)

ثنائے امی گویم کز و شد علمہا پیدا	بہ جہل آباد نادانی قیامت شد از و برپا
در یکتائے درج ہاشمی یعنی محمدؐ برد	بگوہر آب گوہر را بجوہر تاب جوہر را
ز حسن سیرتش و ز خوبی صورت پیرس از من	ملک بر سیرتش عاشق پری بر صورتش شیدا
چگونه نسبت بالائے او سر و چمن جوید!	قد موزونش میکیرد خراج از سدرہ طوبی
چمن از فیض حسن او بہار دلکشے وارد	ز چشمش مستیء ز گس گل از رخسار او زیبا
ہم پر تویء اعجاز لب و دندانہش سے یتیم	چہ رنگ لعل زمانی چہ آب لولوی لا لا
بلند یہائے قدر خواجه بو جہلاں چہ سے فہمد	کہ پیش قدر او پست است بالا تر زہر بالا
چہ مجمل گفت استادے بہ تفصیل کمالاتش	کہ دارد حسن یوسف بادم عیسیٰ ید موسیٰ

ز مہر و ماہ و پروین بچ میدانی عظامی چست

عذارش مہر و مہ سیماش پروین خونے آن سیمما

تلامذہ کرام:

حضرت والا کے تلامذہ کرام میں بعض اکابر مشہور شخصیتیں بھی ہیں، جن کی سوانح ممکن ہے بعض صاحب قلم حضرات مرتب فرمائیں۔ دیگر بعض اکابر کے حالات کا تتبع اور جمع کرنا بہت ہمت کا کام ہے۔ اس لئے ان کی تفصیل دوسرے حضرات کے لئے چھوڑ کر یہاں صرف ان حضرات کی فہرست مع مختصر تمہید کے حضرت والا ہی کی تحریر سے نقل کی جاتی ہے۔ وہو ہذا۔

دو طلباء: بفضلہ تعالیٰ ابتداء طالب علمی اور مدرسہ کے زمانہ میں اکثر طلباء نے مجھ سے بھی پڑھنے کا سلسلہ جاری رکھا۔ بہت سے دورہ حدیث پڑھ کر فارغ التحصیل ہوئے۔ اور بہت سے وہ ہیں جنہوں نے فنون اور دورہ کے موقوف علیہ پڑھے پھر دورہ حدیث مدارس عالیہ دارالعلوم دیوبند، مظاہر العلوم سہارن پور، مدرسہ امینیہ دہلی، مدرسہ ڈھائی تیل میں جا کر تکمیل کی۔

عہد طالب علمی:

طالب علمی کے زمانہ میں جن حضرات نے کچھ پڑھا، اگرچہ ان کے نام ذکر کرتے ہوئے شرم محسوس ہوتی ہے مگر اس نیت سے ذکر کرتا ہوں کہ شاید ان کی برکت سے نجات ہو جائے۔

- (۱) مولانا احد بخش صاحب، صدر مدرس مدرسہ فیض محمدی جالندھر
- (۲) برادر مولا نا حافظ غلام محمد صاحب مرحوم، مدرس مدرسہ فیض محمدی جالندھر
- (۳) مولانا محمد چراغ صاحب، صدر مدرس مدرسہ گوجرانوالا
- (۴) مولانا عبدالعزیز صاحب رائے پوری، مدرس چک نمبر ۱۱، چیچہ وطنی
- (۵) مولانا خورشید علی صاحب، مدرس مدرسہ گلاؤٹھی
- (۶) مولانا سید حمید الدین احمد صاحب، مہتمم مدرسہ گلاؤٹھی
- (۷) مولانا سکندر علی صاحب، مدرس بریلی
- (۸) حضرت مولانا عبدالجبار صاحب (کلاں) ابوہری
- (۹) مولانا مولوی عبدالعزیز صاحب ملسوی، خطیب منگھری
- (۱۰) مولانا عزیز الدین عظامی صاحب ہوشیار پوری

عہد مدرسہ

مدرسہ احیاء الاسلام منڈی صادق گنج (میکلوڈ گنج روڈ)

- ۱۔ مولانا سلطان احمد صاحب مرحوم جالندھری
- ۲۔ مولانا حکیم نواب علی شاہ صاحب ضلع بارہ بنکی
- ۳۔ مولانا محمد علی صاحب جالندھری
- ۴۔ مولانا جان محمد صاحب، نمبر دار چک ۲۵۵، لائل پور

- ۵۔ مولانا عبدالغنی صاحب گورداسپوری، لائل پور
 ۶۔ مولانا محمد صاحب اگوی، لائل پور
 ۷۔ مولانا حکیم قادر بخش صاحب جالندھری
 ۸۔ مولانا عبدالقادر صاحب حصاروی (اہل حدیث)
 ۹۔ مولانا نور محمد صاحب اوڈ (اہل حدیث)
 ۱۰۔ مولوی عبداللطیف صاحب حصاروی (اہل حدیث)
 ۱۱۔ مولوی حافظ محمد زکریا صاحب غزنوی (اہل حدیث)
 ۱۲۔ مولوی جلال الدین صاحب حصاروی (اہل حدیث)
 ۱۳۔ مولوی عبدالرحمن صاحب فریدسرائی (اہل حدیث)

جن علماء نے دورہ حدیث پڑھا اور سند لی

- ۱۴۔ مولوی قلندر شاہ صاحب، امام مسجد ایشین صادق گنج
 ۱۵۔ مولوی عبدالغنی صاحب، عالم گڈھ ضلع فیروز پور
 ۱۶۔ مولوی فضل حق صاحب، ضلع گجرات
 ۱۷۔ مولوی صلی اللہ صاحب مرحوم قبر والوی ضلع فیروز پور
 ۱۸۔ مولوی نور محمد صاحب جھنگوی
 ۱۹۔ مولوی عبدالحکیم صاحب ملتان
 ۲۰۔ مولوی محمد عظیم صاحب کھر پیڑ، ضلع لاہور
 ۲۱۔ مولوی عبدالرحمن صاحب مرحوم، کھر پیڑ، ضلع لاہور
 ۲۲۔ مولوی حاجی محمد علی صاحب دانیوالوی، ضلع جالندھر
 ۲۳۔ مولوی محمد اسماعیل صاحب، لائل پور
 ۲۴۔ مولوی قطب الدین صاحب فیروز پوری، اہل حدیث
 ۲۵۔ مولوی عین الدین صاحب کوٹ کپوری، اہل حدیث
 ۲۶۔ مولوی محمد الدین صاحب سیالکوٹی، اہل حدیث
 ۲۷۔ مولوی خوشی محمد صاحب سندھی خفی

مدرسہ رائے پور و مدرسہ فیض محمدی جالندھر

مدرسہ عربیہ رائے پور:

- ۱۔ مولوی محمود حسن صاحب بہروی جالندھری
 ۲۔ مولوی عبدالرشید صاحب مرحوم رائے پوری
 ۳۔ مولوی علم الدین صاحب ہری پوری
 ۴۔ مولوی عبدالخالق صاحب بیکانیری
 ۵۔ مولوی فضل محمد صاحب گوہروی
 ۶۔ مولوی حبیب اللہ صاحب سلیم پوری

مدرسہ فیض محمدی جالندھر:

- ۱۔ حکیم حافظ مولوی عبدالجید صاحب لائل پوری (ناہیٹ)
 ۲۔ مولوی قاری محمد ابراہیم صاحب ہوشیار پوری
 ۳۔ مولوی عبدالرشید صاحب مرحوم رائے پوری
 ۴۔ مولوی غلام حیدر صاحب وجوہی
 ۵۔ مولوی حافظ محمد الدین صاحب سندھی، ڈگری
 ۶۔ مولوی محمود احمد صاحب مدھوری، لائل پور
 ۷۔ مولوی محمد شریف صاحب طوروی، ضلع پشاور
 ۸۔ مولوی عبدالجید صاحب جگراؤں

- ۹۔ مولوی نور محمد صاحب، ضلع لودیانہ
 ۱۰۔ مولوی عبدالعزیز صاحب، ضلع لودیانہ
 ۱۱۔ مولوی عبدالغفور صاحب، چک نمبر ۱۰۸، بہاول پور
 ۱۲۔ مولوی قاضی محمد صاحب معیار، ضلع مردان
 ۱۳۔ مولوی شاہ محمد صاحب فضلوال، ضلع جالندھر

جن علماء نے دورہ حدیث پڑھا اور سند لی

۱۔ مولوی غلام فرید صاحب امرتسری لائل پور	۲۔ مولوی فتح محمد صاحب شیخوپوری
۳۔ مولوی محمد مغفور صاحب گورواپسوری	۳۔ مولوی عبدالجبار صاحب (خورد) ابوہری
۵۔ مولوی شاہ محمد صاحب بہاولپوری	

مدرسہ خیر المدارس جالندھر

جن علماء نے دورہ حدیث پڑھا اور سند لی

- ۱۔ مولوی حبیب اللہ صاحب رائے پوری ضلع جالندھر
 ۲۔ مولوی لطف اللہ صاحب رائے پوری، ضلع جالندھر
 ۳۔ مولوی غلام قادر صاحب، مفتی بہاول پور
 ۴۔ مولوی محمد ابراہیم صاحب، خطیب جامع مسجد چشتیاں
 ۵۔ حافظ رشید احمد سلمہ بلوی جالندھری
 ۶۔ مولوی محمد شریف سلمہ بلوی جالندھری
 ۷۔ مولوی رشید احمد صاحب جگراووں
 ۸۔ مولوی محمد طاہر صاحب لودیانوی
 ۹۔ مولوی عبدالعزیز صاحب بلوی، ضلع جالندھر
 ۱۰۔ مولوی محمد صالح صاحب حصاروی، چک نمبر ۱۰۸، یزمان
 ۱۱۔ مولوی محمد عقیل صاحب حصاروی، علی پور، ضلع جالندھر
 ۱۲۔ مولوی میرزا اہد صاحب سرحدی جزانوالہ (چنیوٹ)
 ۱۳۔ مولوی حافظ محمد صدیق صاحب ہوشیار پوری، سکھر
 ۱۴۔ مولوی عبدالقادر صاحب جالندھری، حسن ابدال

جن علماء نے دورہ حدیث پڑھا اور سند لی

- ۱۔ مولانا محمد عبداللہ صاحب رائے پوری، ضلع جالندھر (جامعہ رشیدیہ ساہیوال)
 ۲۔ مولوی عبدالغنی صاحب گوہرروی، ضلع جالندھر
 ۳۔ مولوی شیخ محمد صاحب مرحوم گجراتی بورے والا
 ۴۔ مولوی عبداللطیف صاحب، ضلع جالندھر
 ۵۔ مولوی محمد علی عرف حضرت علی صاحب طوروی، پشاور
 ۶۔ مولوی عبداللطیف صاحب، خطیب جامع مسجد حاصل پور
 ۷۔ مولوی حکیم رحمت العلی صاحب جالندھری
 ۸۔ مولوی خدا بخش صاحب جالندھری، گوجرانوالہ
 ۹۔ مولوی سعید الدین صاحب شیرکوٹی، ضلع بجنور
 ۱۰۔ مولوی فضل محمد صاحب مرحوم خیر اللہ پوری، ضلع جالندھر
 ۱۱۔ مولوی سید محمد شفیع صاحب ہوشیار پوری، ضلع لائل پور
 ۱۲۔ مولوی عبدالمعبود صاحب، ضلع پشاور
 ۱۳۔ مولوی عبدالرحمن خان صاحب ہوشیار پوری، گوجرانوالہ
 ۱۴۔ مولوی نذیر احمد صاحب، وزیر آباد

نوٹ: مدرسہ خیر المدارس جالندھر اور مدرسہ احیاء العلوم منڈی صادق گنج کا چونکہ پورا کوئی رجسٹر محفوظ نہیں رہا اس لئے چند نام جو یاد آئے وہ لکھ دیئے گئے ہیں۔ باقی بہت سے ہیں جو درج نہیں ہوئے، واللہ اعلم۔

مدرسہ خیر المدارس ملتان شہر

مدرسہ خیر المدارس ملتان شہر سے جن علماء نے حدیث پڑھی اور سند لی ان کی فہرست طویل ہے۔ حضرت والا نے ایسے علماء میں سے جن کے اسماء گرامی تحریر فرمائے ہیں، ان کی تعداد سات سو تک پہنچتی ہے۔ بغرض اختصار یہ فہرست ترک کی جا رہی ہے۔

شاگرد وہی بنے:

یوں تو حضرت والا کے تلامذہ ساری دنیا میں عموماً اور بالخصوص پاکستان میں ہر جگہ موجود ہیں۔ پاکستان کا شاید ہی کوئی قصبہ، شہر یا بستی ایسی ہو جس میں حضرت والا کا کوئی نہ کوئی شاگرد موجود نہ ہو۔ بڑی سے بڑی یا چھوٹی سے چھوٹی دینی درس گاہ ہو یا سکول کالج وغیرہ، اس میں حضرت والا کا ضرور کوئی نہ کوئی شاگرد مل جاتا ہے۔

اس قدر کثیر تلامذہ کے باوجود حضرت والا فرمایا کرتے کہ میرے شاگرد وہی بنے۔ ایک سیاست میں حصہ لے کر مقرر بن گیا (یہ حضرت مولانا محمد علی صاحب جالندھری رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں فرمایا کرتے تھے) اور دوسرا مدرس ہے اور علم کی خدمت میں مصروف۔ (یہ حضرت مولانا محمد عبداللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ، شیخ الحدیث جامعہ رشیدیہ ساہیوال کے بارے میں ارشاد تھا)

فہرست بعض خاص تلامذہ کرام:

یہ خاص تلامذہ کرام عام اس سے کہ خیر المدارس ملتان کے زمانہ کے ہوں یا خیر المدارس جالندھر کے، یا اس سے قبل زمانہ کے، ان میں سے ہر ایک کسی نہ کسی پہلو سے اور بعض حضرات کئی اعتبار سے بہت سی خصوصیات کے حامل ہیں۔ ”عمیاں راچہ بیاں“ لیکن لازم نہیں کہ ان کی ترتیب ذکر کی کے اعتبار سے ان کے درجات کو قیاس فرمایا جائے۔ نیز بعض خاص اہم قابل ذکر شخصیات ایسی بھی ہوں گی کہ گو حضرت والا کے تلمیذ ہوں، لیکن سند حدیث حضرت والا سے نہ لی ہو۔ (خواہ سند حدیث کہیں اور سے لی ہو، یا کسی وجہ سے تعلیم پوری نہ ہو سکی ہو)، (البتہ ”الخیر“ کی عبارت سے یہ احتمال ہوتا ہے کہ شاید ”الخیر“ سے نقل کئے ہوئے اسماء گرامی میں سے بعض حضرت والا کے تلامذہ ہوں اور بعض صرف خیر المدارس کے ابنائے قدیم ہوں یا دونوں باتوں کے جامع ہوں)، خیر المدارس ملتان سے قبل کے تلامذہ کرام کی فہرست حضرت والا نے حسب یادداشت خود ہی تحریر فرمائی تھی جو پہلے نقل ہو چکی ہے۔ اس لئے جالندھر تک کے قدیم تلامذہ کرام میں سے صرف چند ہی حضرات کے اسماء گرامی درج کئے گئے ہیں۔

فہرست حسب ذیل ہے:

- ۱- حضرت مولانا احد بخش صاحب، صدر مدرس مدرسہ فیض محمدی جالندھر
- ۲- حضرت مولانا حافظ غلام محمد صاحب، مدرس مدرسہ فیض محمدی جالندھر (برادر عزیز حضرت والا)
- ۳- حضرت مولانا محمد علی صاحب جالندھری
- ۴- حضرت مولانا محمد عبداللہ صاحب رائے پوری، شیخ الحدیث جامعہ رشیدیہ ساہیوال
- ۵- حضرت مولانا عزیز الدین عظامی صاحب ہوشیار پوری
- ۶- حضرت مولانا حافظ محمد شریف صاحب جالندھری، سابق مہتمم خیر المدارس (صاحبزادہ حضرت والا)
- ۷- حضرت مولانا حبیب اللہ صاحب، مہتمم جامعہ رشیدیہ ساہیوال
- ۸- حضرت مولانا قاری لطف اللہ صاحب جالندھری شہید مرحوم، صدر مبلغ جامعہ رشیدیہ ساہیوال
- ۹- حضرت مولانا شیخ محمد صاحب مرحوم، بورے والا، ضلع وہاڑی
- ۱۰- حضرت مولانا فضل محمد صاحب جالندھری، فیصل آباد
- ۱۱- حضرت مولانا فضل محمد صاحب، مہتمم مدرسہ عربیہ قاسم العلوم فقیر والی، بہاولپور ڈویژن
- ۱۲- حضرت مولانا مفتی غلام قادر صاحب، مہتمم خیر العلوم خیر پور نامیوالی (ضلع بہاولپور)
- ۱۳- حضرت مولانا مفتی عبدالستار صاحب، صدر مفتی خیر المدارس ملتان
- ۱۴- حضرت مولانا سبحان محمود صاحب، شیخ الحدیث و ناظم اعلیٰ دارالعلوم کراچی
- ۱۵- حضرت مولانا حافظ رشید احمد صاحب جالندھری، سابق ناظم دفتر مدرسہ خیر المدارس ملتان (صاحبزادہ حضرت والا)
- ۱۶- حضرت مولانا حافظ عبدالحق صاحب جالندھری، سابق نائب مہتمم خیر المدارس ملتان (صاحبزادہ حضرت والا)
- ۱۷- حضرت مولانا صوفی محمد سرور صاحب، شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ لاہور
- ۱۸- حضرت مولانا عبدالعزیز صاحب، مہتمم اشاعت العلوم چشتیاں ضلع بہاولنگر
- ۱۹- حضرت مولانا فیض احمد صاحب، حال شیخ الحدیث جامعہ خیر المدارس ملتان
- ۲۰- حضرت مولانا علامہ غلام رسول صاحب، مہتمم جامعہ علوم شرعیہ ساہیوال
- ۲۱- حضرت مولانا قاضی عبدالکریم صاحب، مہتمم مدرسہ نجم المدارس کلاچی، ڈیرہ غازی خان
- ۲۲- حضرت مولانا نذیر احمد صاحب، مہتمم شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ امدادیہ فیصل آباد
- ۲۳- حضرت مولانا محمد صدیق صاحب، صدر مدرس و شیخ الحدیث جامعہ خیر المدارس ملتان

- ۲۲- حضرت مولانا حافظ منظور احمد صاحب، اُستاز الحدیث جامعہ خیر المدارس ملتان
- ۲۳- حضرت مولانا سید ابو ذر عطاء المنعوم شاہ صاحب بخاری، ملتان
- ۲۴- حضرت مولانا سید عطاء الحسن شاہ صاحب بخاری، ملتان
- ۲۵- حضرت مولانا عبد الجید انور صاحب، سابق اُستاز الحدیث جامعہ علوم شرعیہ ساہیوال (حال مقیم برطانیہ)
- ۲۶- حضرت مولانا قاری محمد طاہر صاحب، جانشین حضرت قاری فتح محمد صاحب (مقیم مدینہ منورہ)
- ۲۷- حضرت مولانا حافظ محمد صدیق صاحب (کفیف الہمر) اُستاز الحدیث جامعہ رشیدیہ ساہیوال
- ۲۸- حضرت مولانا قاری سعید الرحمن صاحب کیمیل پوری، مہتمم مدرسہ جامعہ اسلامیہ، راولپنڈی
- ۲۹- حضرت مولانا محمد یوسف صاحب لدھیانوی، اُستاز الحدیث مدرسہ عربیہ اسلامیہ، مدیر ماہنامہ "میراث" کراچی
- ۳۰- حضرت مولانا غلام قادر صاحب، مہتمم مدرسہ فاروقیہ ملتان
- ۳۱- حضرت مولانا حافظ محمد حسین صاحب، مہتمم مدرسہ احیاء العلوم چنیوٹ
- ۳۲- حضرت مولانا عبد الرحیم صاحب اشعر (ناظم شعبہ تبلیغ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت پاکستان)
- ۳۳- حضرت مولانا اصغر علی صاحب، سابق اُستاز جامعہ خیر المدارس ملتان
- ۳۴- حضرت مولانا حکیم عبدالغنی صاحب مرحوم جالندھری، بورے والا
- ۳۵- حضرت مولانا قاری محمود احمد صاحب، مدرس جامعہ خیر المدارس ملتان
- ۳۶- حضرت مولانا مفتی محمد اسحاق صاحب، اُستاز و مفتی جامعہ خیر المدارس و سابق صدر مفتی جامعہ قاسم العلوم ملتان
- ۳۷- حضرت مولانا حافظ عبدالشکور صاحب، خطیب ۳۵- ڈیوڈر بار محل بہاولپور
- ۳۸- حضرت مولانا قاری محمد عبداللہ صاحب، صاحبزادہ حضرت قاری رحیم بخش صاحب پانی پتی، مسجد نور ساہیوال
- ۳۹- حضرت مولانا حافظ محمد طیب صاحب، مدرس مدرسہ عربیہ اسلامیہ بورے والا
- ۴۰- حضرت مولانا غلام محمد صاحب، صدر مدرس اشرف المدارس، فیصل آباد
- ۴۱- حضرت مولانا عبد العظیم صاحب، اُستاز الحدیث اشرف المدارس، فیصل آباد
- ۴۲- حضرت مولانا مفتی جاوید شاہ صاحب، اُستاز الحدیث دارالعلوم فیصل آباد
- ۴۳- حضرت مولانا محمد اسحاق صاحب کشمیری، متحدہ عرب امارات
- ۴۴- حضرت مولانا مفتی مقبول احمد صاحب، خطیب جامع مسجد گلاسگو، برطانیہ
- ۴۵- حضرت مولانا منظور احمد چنیوٹی صاحب

۴۸۔ حضرت مولانا ناسخ محمد صاحب، سابق خازن جامعہ خیر المدارس

۴۹۔ حضرت مولانا قاری عبداللہ صاحب، مدینہ منورہ

۵۰۔ حضرت مولانا عبدالمنان صاحب، مدینہ منورہ

معذرت: مکرر عرض ہے کہ اتنے حضرات کی فہرست میں درجہ کے اعتبار سے ترتیب دینا یہ ان تلامذہ کرام کے حضرت الاستاذ ہمارے حضرت والّا ہی کا کام ہو سکتا تھا۔ اس ترتیب میں بعض اسماء گرامی بھی درجات کی صحیح ترتیب کے مطابق مذکور ہو گئے ہوں تو غنیمت ہے۔ نیز بعض حضرات کے پتے اور مناصب بھی بدل گئے ہوں گے۔ دیگر یہ بھی عرض ہے کہ بہت سے انحصار الحواص تلامذہ کرام خصوصاً تلامذہ قداماء کے نام اس فہرست سے ضرور رہ گئے ہوں گے۔ (البتہ حضرت والّا کی خود مرتب فرمودہ فہرست پہلے گزر چکی ہے، جس میں خاصی تعداد قدیم تلامذہ کرام کی مذکور ہو چکی ہے) اتنی طویل مدت کے بعد سب یا اکثر تلامذہ کرام کی معرفت و واقفیت موجودہ حضرات میں سے شاید کسی کو بھی نہ ہو۔ اس لئے اس فہرست کو ایک نمونہ خیال فرمایا جائے اور بس۔ امید ہے اس کے بعد مزید کسی معذرت کی ضرورت نہ رہے گی۔ یہ فہرست محترمی ماسٹر محمد اقبال قریشی صاحب کی مرتب کردہ فہرست اور اس میں بعض اضافے احقر کی طرف سے، اور بعض اسماء گرامی حضرت والّا کی مرتب فرمودہ فہرست سے لئے گئے ہیں۔ اور بعض اسماء گرامی مجلہ ”الخیر“ (شعبان و رمضان ۱۴۰۷ھ سے لے کر ترتیب دیئے گئے ہیں۔

وَالْحَمْدُ لِلَّهِ أَوْلًا وَأَخْرًا.

تتمہ: حضرت مولانا حاجی عبدالسلام صاحب ہوشیار پوری احقر کے نام اپنے گرامی نامہ مورخہ ۲۶ ذی الحجہ ۱۳۹۰ھ (۲۳ فروری ۱۹۷۱ء) میں حضرت والّا کے ایک تلمیذ کا تذکرہ اس طرح فرماتے ہیں:

”بجملہ ان (تلامذہ) کے ایک نام عرض ہے۔ مولانا عبدالغفار حسن صاحب۔ یہ اہل حدیث ہیں۔ پہلے کسی زمانے میں جماعت اسلامی کے رکن رکین ہوتے تھے۔ پھر جماعت سے مستعفی ہو گئے۔ اب مدینہ یونیورسٹی میں کئی سال سے پڑھا رہے ہیں۔ انہوں نے حضرت سے ”شرح اشارات“ پڑھی، جب حضرت دو تین ماہ کے لئے مدرسہ رحمانیہ دہلی میں تشریف لے گئے تھے۔“ (حضرت والّا کے زمانہ تدریس کے حالات جو ”نقش حیات“ سے باب ششم میں نقل کئے ہیں، ان میں اس مدرسہ کی تدریس کا تذکرہ نہیں ملا..... آ۔)

(باب دہم ختم ہوا، اور اس کے ساتھ مختصر تاریخ خیر المدارس بھی ختم ہوئی)

اذع الی سبیل ذنک بالحکمة والموعظة الحسنة وجاهلهم بالتی من احسن۔ (المحل، آیت ۱۲۵)

باب یازدہم (۱۱)

مواعظ حسنہ اور مناظرات

(۱) مناظرات^۱

شروع میں حضرت والا اپنے بعض اساتذہ کے ساتھ مناظروں میں تشریف لے جاتے تھے۔ جیسا کہ ذیل کے دو واقعات سے معلوم ہوتا ہے، جو ”نقش حیات“ سے نقل کئے جاتے ہیں:

استاذ محترم کا ایک یادری سے مناظرہ..... ۱۳۳۵ھ (۱۹۱۷ء):

”اسی سال مولانا سلطان احمد صاحب پشاور کا یادری جو الہ سنگھ کے ساتھ مناظرہ ہوا۔ یادری عاجز آ گیا۔ آخر کہا کہ میں تیاری کر کے نہیں آیا۔ پھر مناظرہ کروں گا۔ میں بھی مناظرہ میں موجود تھا۔“

مدرسی بریلی کے زمانہ ۳۶-۱۳۳۵ھ میں مرزائیوں سے ایک پنیارہ کا مناظرہ:

”پنجاب سے ایک روز دو مرزائی بریلی گئے۔ انہوں نے چیلنج دیا کہ ہماری تقریر سنیں۔ پھر پانچ پانچ منٹ وقت دو گھنٹہ تک ہوگا۔ مولانا سلطان احمد صاحب مع طلباء کے وہاں چلے گئے۔ ایک پنیارہ نے کہا کہ مولانا آپ تو مناظرہ علمی کریں گے۔ پہلے مجھے سوال کر لینے دو۔ چنانچہ اس نے سوالات کا سلسلہ شروع کیا۔ تم کہاں سے آئے؟ کس ذریعہ سے آئے؟ گاڑی کے اوپر بیٹھے تھے یا بیچ میں؟ پھر دروازہ کھول کر نکلے یا کیسے؟ مرزائیوں نے کہا دروازہ کھول کر نکلے۔ تب اس نے کہا یہ سب گدھے کے بچے ہیں۔ کیونکہ مرزا کے نزدیک انگریز دجال ہے اور ریل اس کا گدھا ہے۔ اور یہ لوگ اس کے پیٹ سے نکلے ہیں۔ بس وہ لوگ تقریر نہ کر سکے۔“

ابتداء مناظرات:

اس کے بعد حضرت والا خود بھی مناظرہ فرمانے لگے۔ سب سے اول مناظرہ کا ذکر باب پنجم زمانہ تحصیل علوم میں

^۱ مواعظ حسنہ پر مناظروں کو دو وجہ سے مقدم رکھا گیا۔ اول یہ کہ مناظرے عارضی تھے۔ جن کو بعد میں ترک فرما دیا تھا۔ اور مواعظ باقی رہے۔ ان کا نفع بھی اہم و اتم تھا۔ اس لئے ان کو بعد میں لایا گیا۔ جیسا کہ ناخ ترتیب میں بعد میں ہوتا ہے۔ دوسرے تین مواعظ نمونہ اور افادہ کے لئے خبر السوانح میں شامل کرنا غور اور مشورہ کے بعد طے ہوا۔ اور ان کا ذیلی عنوان ”مواعظ حسنہ“ کے تحت اخیر میں آنا ہی مناسب تھا۔ (۱۲)

حضرت والا کے استاد محترم حضرت مولانا فقیر اللہ صاحبؒ کے تذکرہ میں گزر چکا ہے، جو حسب ذیل ہے:

غیر مقلدین سے مناظرہ زیرہ ضلع فیروز پور:

(حضرت مولانا فقیر اللہ صاحبؒ نے) "۳۹-۱۳۳۸ھ (۱۹۲۰ء) میں وہاں (یعنی مدرسہ احیاء الاسلام؟ منڈی

صادق گنج) سے بلا کر غیر مقلدین سے مناظرہ زیرہ ضلع فیروز پور کرایا۔ اور خود ہی چھپوا کر اپنے نام سے شائع کیا۔"

اسی تذکرہ میں اس کے بہت مدت والے ایک اور مناظرہ کا مختصر ذکر یوں فرمایا ہے:

جالندھر کے زمانہ میں اہل بدع سے مناظرہ:

"پھر جالندھر کے زمانہ میں اہل بدع سے مناظرہ علم غیب منعقد ہوا۔ تو احقر ہی کو حضرت مولانا مرحوم نے تجویز

کیا۔ خود بھی مناظرہ میں تشریف لے گئے۔"

اس کے بعد حضرت والا کے بعض مناظرات اور اس سلسلہ کی بعض تالیفات وغیرہ کا خودنوشتہ تذکرہ بھی ملاحظہ فرمائیے:

اہل حدیث سے مناظرے اور تصنیف رسائل:

"انہی سالوں میں اہل حدیث کی کتابوں کا مطالعہ کیا اور مناظروں کا آغاز ہوا۔ اور رسالہ "خیر التذکار

فی نحریر الغناء بالمزمار" تصنیف کیا، جس کی ضخامت ۱۲۰ صفحات پر تھی۔ اور اکثر علماء پنجاب کے اس پر تصدیقی

دستخط تھے۔ اس میں سماع بالمرزا میر کی تردید کی گئی تھی۔ اور قرآن و حدیث اور فقہ و اجماع اور ائمہ اربعہ سے مفصل تردید کر کے

آخری باب ہفتم میں مجوزین کے دلائل و شبہات کا مفصل جواب ذکر کیا گیا تھا۔ مگر افسوس صد افسوس مشرقی پنجاب کے

فسادات ۱۹۲۷ء میں وہ رسالہ قلمی وہاں رہ گیا۔ اسی طرح مسئلہ قراءت خلف الامام میں ایک رسالہ "خیر الخطاب" دو جلد میں

تصنیف ہوا۔ پہلی جلد میں حنفی مذہب کے دلائل اور دوسری میں غیر مقلدین کے جوابات و دندان شکن درج کئے گئے تھے۔ اور

مسئلہ جمعہ فی القرئی میں ایک تحریر حضرات حنفیہ کے موافق قلمبند کرنے کی نوبت آئی تھی۔ یہ سب قلمی تھے، جو مشرقی پنجاب

کے فسادات کی نظر ہو گئے۔ انہی ایام میں اصول حدیث میں ایک رسالہ "خیر الاصول فی حدیث الرسول" بھی تیار ہو کر طبع

ہو گیا تھا، جو مل سکتا ہے۔"

۱ یعنی مدرسہ اہل اسلام منڈی صادق گنج میں مدرسہ کے زمانہ میں جس کی ابتداء ۱۳۳۷ھ (۱۹۱۸ء) سے ہوئی۔

۲ غالباً یہ وہی قلمی رسالہ ہے جس کا ذکر آگے کے باب ۷ تصنیف و تالیف میں نمبر ۱ پر "خیر الکلام فی تحقیق القراءۃ خلف الامام" کے نام سے آ رہا ہے۔ گو یہ بھی احتمال ہے کہ ایک ہی مضمون پر دو مختلف رسائل ہوں۔ مزید تفصیل باب تصنیف و تالیف میں ملاحظہ فرمائیے۔ (۱۶)

۳ باب ۱۱ تصنیف و تالیف میں حضرت والا کی جو تالیفات اخبار (۱۰ رسالہ) العدل میں شائع ہوئیں ان میں ایک رسالہ نمبر (۳) پر باسم "کشف الغطاء عن استدلال المشائخ" مضمون پر مذکور ہوا ہے۔ غالباً وہ بھی تحریر ہے۔ (۱۶)

مناظروں میں کامیابی:

”اسی زمانہ میں بہت سے جلسوں اور مناظروں میں شمولیت ہوئی۔ چنانچہ سب سے پہلا مناظرہ زیرہ ضلع فیروز پور میں مولوی عبدالرحیم غیر مقلد لکھوی سے ہوا۔ مسئلہ تقدیر پر مناظرہ رہا۔ اللہ تعالیٰ نے بڑی کامیابی عطا فرمائی۔ پھر موہلاں ضلع فیروز پور میں مسئلہ فاتحہ خلف الامام میں مولوی عبدالفتاح صاحب کا مناظرہ مولوی محمد علی صاحب غیر مقلد سے ہوا۔ اور میں اس میں صدر تھا۔ اور روپڑ کے مناظرہ میں شمولیت ہوئی، جو غیر مقلدین سے ہی تھا۔ مناظرہ مولوی روشن الدین صاحب نجد پوری نے مولوی عبداللہ روپڑی سے کیا تھا۔ اس کو شکست فاش ہوئی۔ دوسری دفعہ ہنجر انوالہ کلاں ضلع حصار میں اہل بدعت سے مناظروں کی نوبت آئی۔“

زمانہ مدّی منڈی صادق گنج میں مناظروں اور جلسوں میں شرکت:

تاریخی ترتیب سے اس کے بعد بزمانہ ”دوبارہ مدّی احیاء الاسلام صادق گنج“ یعنی ۱۳۳۲ھ سے مناظروں اور جلسوں میں شرکت کا تذکرہ تقریباً ایک سطر میں ملتا ہے۔ جو باب ششم زمانہ تدریس میں بھی گزر چکا ہے۔ وہو ہذا۔ تعلیمی کام کے ساتھ مناظروں اور جلسوں میں بھی شرکت ہوتی رہی۔ غالباً بیچ الاوّل تک یہ سلسلہ خوب چلا۔

اہل حدیث سے مشہور مناظرہ اور نمایاں فتح:

”اسی اثناء میں کئی جلسوں اور مناظروں میں بھی شرکت ہوئی۔ خصوصاً مشہور مناظرہ اہل حدیث سے ”گھر کی“ تحصیل زیرہ ضلع فیروز پور میں انہی ایام میں ہوا۔ جس میں ہمارے ساتھ حضرت مولانا سید مرتضیٰ حسن صاحب مرحوم بھی دارالعلوم دیوبند سے تشریف لا کر شریک ہوئے تھے۔ مناظر احناف احقر خیر محمد عفا اللہ عنہ اور موضوع مناظرہ ”قراءت خلف الامام“ تھا۔ اہل حدیث کی طرف سے مناظر مولوی عبدالرحیم شاہ سکنہ مکھو ضلع فیروز پور تھے۔ ان کی حمایت کے لئے روپڑ سے مولوی عبداللہ صاحب اور امرتسر سے مولوی ثناء اللہ صاحب مدعو تھے۔ مولوی عبداللہ صاحب اسٹیشن سے اتر کر واپس ہو گئے۔ اور مولوی ثناء اللہ صاحب مناظرہ گاہ میں پہنچے اور حیلہ و بہانہ سے پہلو تہی کر کے مناظرہ گاہ سے نکل گئے۔ مولوی عبدالرحیم صاحب سے دو روز مناظرہ ہوا۔ نتیجہ بہت اچھا رہا۔ اللہ تعالیٰ نے نمایاں فتح دی۔ دس سال تک اس کے اثر سے اہل حدیث دب رہے۔“

اہل حدیث سے ضلع ملتان میں مزید دو مناظرے اور نمایاں فتح:

”مورخہ ۱۶-۱۷ رجب ۱۳۵۷ھ مطابق ۱۲، ۱۱ ستمبر ۱۹۳۸ء موضع شاہ پور اوبہ تحصیل شجاع آباد ضلع ملتان میں اہل

۱۔ تخمیناً ۱۳۳۲ تا ۱۳۳۹ھ (مطابق ۱۹۲۷ء تا ۱۹۳۰ء) جیسا کہ بائبل و ما بعد کے واقعات مع تاریخ درج ہیں۔ انہیں واقعات کے ضمن میں یہ تذکرہ ہے۔

حدیث ملتان سے مشہور مناظرہ ہوا۔ موضوع مناظرہ ”قراءت خلف الامام اور دُعاء بعد الجنازہ“ تھا۔ مقابل میں مولوی ملک عبدالعزیز ملتانی مناظر اہل حدیث تھا۔ حنفیہ کی طرف سے مولانا غلام محمد صاحب گھوٹوی شیخ الجامعہ جامعہ عباسیہ بہاولپور، مولانا عبدالخالق صاحب حال، مہتمم مدرسہ خالقیہ کبیر والا، مولانا غلام رسول صاحب محدث عید گاہ مظفر گڑھ، مولانا سید معظم علی شاہ صاحب مبلغ دارالعلوم دیوبند وغیرہم تھے۔ اللہ نے ہر دو مناظرہ میں نمایاں فتح دی، جس کا اثر اب تک باقی ہے۔ مناظرہ کے داعی قاضی قطبی صاحب ملتانی تھے۔“

ضلع امرتسر میں کامیاب مناظرہ اور حضرت حکیم الامتؒ کی عجیب دُعاء:

”مورخہ ۷ جولائی ۱۹۳۰ء مطابق جمادی الاخریٰ ۱۳۵۹ھ بروز یکشنبہ مقام چندیا لہ گورو ضلع امرتسر میں روپڑی پارٹی سے کامیاب مناظرہ ہوا۔ مولوی عبداللہ اور مولوی عبدالقادر اور مولوی اسماعیل تینوں مقابل تھے۔ مولوی عبدالقادر اہل حدیث مناظر تھا۔ بری طرح ان کو شکست ہوئی۔ اس پر میں نے تھانہ بھون دُعاء کے لئے خط لکھا اور خبر مناظرہ کی۔ جواب میں حضرت نے فرمایا: ”یہ بھی دُعاء کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کے دل سے مناظرہ کا شوق نکال دے۔“

تانڈلیانوالہ ضلع لائل پور میں معرکہ الآراء مناظرہ:

”اور اس سے پہلے تانڈلیانوالہ ضلع لائل پور میں مولوی محمد یوسف دنیاگری حال کراچی سے مناظرہ فاتحہ خلف الامام پر معرکہ الآراء ہوا۔ اس مناظرہ میں مولوی ثناء اللہ صاحب اہل حدیث کی مدد کے لئے آئے۔ اور احناف کی طرف سے مولانا عبدالعزیز صاحب گوجرانوالوی اور مولوی محمد شریف کوٹلی لوہاراں ضلع سیالکوٹ اور مولوی حکیم قطب الدین صاحب جھنگوی اور مولانا غلام محمد گھوٹوی بھی موجود تھے۔“

ضلع کرنال میں آخری مناظرہ:

”مورخہ ۲۰-۲۱ ربیع الاول ۱۳۶۳ھ مطابق ۶-۷ مارچ ۱۹۴۵ء کو بمقام ہاڑی ضلع کرنال میں مولوی عبدالستار اہل حدیث سے مناظرہ ہوا۔ یہ آخری مناظرہ تھا۔ اس میں تین موضوع تھے: (۱) قراءت خلف الامام، (۲) مسائل فقہ پر اعتراض اور اس کے جوابات، (۳) بے نمازی کافر ہے۔ اول ہر دو مناظرے میں نے کئے اور تیسرا مناظرہ مولانا عبدالکریم صاحب گتھلوی نے کیا۔ اس مناظرہ میں مولانا اور لیس صاحب کاندھلوی اور مولانا عبدالخالق صاحب دیوبند سے آئے ہوئے تھے، اور مولانا خدا بخش صاحب دہلی سے تشریف لائے تھے۔ حنفیوں کے حق میں مناظرہ اچھا رہا۔“

مناظرہ کا ایک گُر:

مذکورہ بالا مناظرات کے حالات سے ظاہر ہے کہ حضرت والا اعلیٰ درجہ کے کامیاب مناظر تھے۔ علوم و فنون کی

جامعیت اور پختگی کے ساتھ ساتھ فن مناظرہ کے بھی خوب ماہر تھے۔ چنانچہ بڑے بڑے اور مشہور مناظر حضرت والا کا مقابلہ کرنے سے گھبراتے تھے۔ اور یا تو کسی حیلہ سے راہ فرار اختیار کرتے یا شکست خوردہ لوٹتے تھے۔

جیسا کہ آگے مواظف میں آئے گا کہ حضرت والا نے خطابت کا ایک گہرا بیان فرمایا۔ اسی طرح مناظرہ کا بھی ایک گہرا ذکر فرمایا، جو مولانا عبدالشکور صاحب زید مجدہ کے جمع کردہ ملفوظات سے نقل کیا جاتا ہے۔ (ملفوظ نمبر ۳۲، بروایت محترمی ماہر اقبال قریشی صاحب زید مجدہ) وهو هذا:

”ایک مجلس میں حضرت اپنے غیر مقلدوں کے ساتھ مناظروں کے واقعات سنا رہے تھے۔ اسی دوران فرمایا: مناظرے کا سب سے بڑا ہتھیار حاضر دماغی اور ہوشیاری ہے۔ صرف علم سے کام نہیں چلتا۔ پھر اپنا واقعہ سنایا کہ میں حافظ عبدالقادر روپڑی سے مناظرہ کر رہا تھا۔ ایک مقام پر قرآن پاک کی آیت غلط پڑھ گیا۔ غیر مقلد مناظر فوراً بول پڑا کہ یہ تمہارا مناظرہ ہے جس کو صحیح قرآن بھی پڑھنا نہیں آتا۔ میں قرآن کا حافظ ہوں۔ حضرت فرماتے تھے: اس پر میں نے فوراً جواب دیا کہ تمہارا مناظر صرف حافظ ہے، اور میں تین حافظوں کا باپ ہوں۔ اور میں نے اسی وقت سٹیج پر حافظ محمد شریف اور حافظ عبدالحق کو کھڑا کر دیا۔ جس پر غیر مقلد مناظر خاموش ہو گیا۔“

مناظرہ کا اصل مقصد اور اس کے فوائد و مقاصد:

مناظرہ کا اصل مقصد تو یہ تھا کہ اہل علم میں اختلاف ہو تو طلب حق کے لئے ایک دوسرے کے علم سے استفادہ کریں اور ایک دوسرے کے دلائل میں غور کر کے جس طرف علمی دلائل اصح و اقویٰ سمجھ میں آئیں، اس رائے کی طرف رجوع کر لیں۔ اس زمانہ میں اس کی ضرورت اور فائدہ یہ ہو سکتا ہے کہ اہل باطل کے غلط عقائد و خیالات کی اشاعت روکنے کے لئے صحیح علمی دلائل کی تبلیغ کی جائے اور دعوت حق دی جائے، تاکہ عوام الناس دھوکہ میں نہ رہیں۔ لیکن فوائد کے ساتھ اس میں مناسد بھی پیدا ہو گئے ہیں، جن کی وجہ سے بعض بزرگان دین نے اس زمانہ میں اس کے ترک ہی کو ترجیح دی ہے۔

زمانہ حال اور خیر القرون میں مناظرہ کا فرق:

درحقیقت خیر القرون میں تو مناظرہ کی غرض و غایت یہ ہوتی تھی کہ مخاطب سے صحیح و مفید بات کو سن کر اپنی رائے بدل دی جائے اور اپنی اصلاح کر لی جائے۔ یا اپنی بات صحیح ہو تو مخاطب کو اس سے نفع پہنچ جائے۔ لیکن اس زمانہ میں حق کو قبول کرنے کی بجائے مخاطب اپنی بات کو کسی نہ کسی طرح منوانا چاہتا ہے۔ خواہ چرب زبانی سے ہو یا مغالطہ دے کر ہو۔ اور خواہ دل میں سمجھ بھی جائے کہ میں غلطی پر ہوں۔ لیکن حق بات کو ماننا مقصود ہی نہیں ہوتا۔

حضرت حکیم الامتؒ کا مناظرہ میں ملکہ اور ابتداء میں مناظرہ کا شوق

اور بعد میں مناظرہ سے نفرت اور ترک

خود حکیم الامتؒ جو مناظرہ کے بادشاہ تھے، اور رئیس المناظرین ابن شیر خدا حضرت مولانا سید مرتضیٰ حسن صاحب چاند پوری رحمۃ اللہ علیہ کے بقول: ”آپ کو مناظرہ میں اس قدر ملکہ تھا کہ بڑے سے بڑا مناظر بھی مقابلہ میں نہیں ٹھہر سکتا تھا۔“ (سیرت اشرف، ص ۶۷)

لیکن بروایت جناب منشی عبدالرحمن خان صاحب مرحوم: ”طالب علمی کے زمانہ میں تو حضرت تھانویؒ مناظروں کے بڑے شوقین تھے.... مگر مسند ارشاد پر بیٹھنے کے بعد آپ کی طبیعت مناظروں اور مباحثوں سے نفرت کرنے لگی۔ فرماتے تھے کہ ”مجھے جتنا اس زمانہ میں مناظروں کا شوق تھا، اب بوجہ مضرتوں کے اتنی ہی اس سے نفرت ہے۔“

”کیونکہ تجربات سے ثابت ہو چکا تھا کہ عام طور پر مناظرے نیک نیتی سے نہیں کئے جاتے۔ ان کا مقصد خواہی نحو ہی دوسرے فریق کو نیچا دکھانا ہوتا ہے۔ اور اس کی تہہ میں اغراض فاسدہ ہوتی ہیں۔ جن کی وجہ سے بجائے نفع کے ضرر واقع ہوتا ہے۔ کج بحثی، ہٹ دھرمی کی عادت پڑ جاتی ہے۔ اور حقیقت شناسی کی استعداد جاتی رہتی ہے۔“

(سیرت اشرف، ص ۲۸۳-۲۸۴)

حضرت والّا کا ترکِ مناظرہ:

چنانچہ حضرت والّا نے بھی مناظرہ ترک فرمادیا۔ جیسا کہ ان کے شیخ حکیم الامتؒ نے ترک فرمادیا تھا۔ اور اس کے بعد حضرت والّا نے بہت کم مناظرہ میں حصہ لیا۔ چنانچہ ربیع الاول ۱۳۶۳ھ میں آخری مناظرہ ہوا، جیسا کہ پہلے گزر چکا۔ اور حضرت مولانا حافظ منظور احمد صاحب استاذ الحدیث خیر المدارس کی روایت ہے کہ حضرت والّا نے فرمایا کہ ”پہلے مناظرہ کیا کرتا تھا، خصوصاً فقہ حنفی کی اہمیت کے لئے۔ بعدہ حضرت تھانویؒ نے مناظرہ سے منع فرمادیا کہ اس سے کما حقہ احتقاق حق نہیں ہوتا۔ اس لئے اپنے مرشد کے فرمانے پر مناظرہ چھوڑ دیا۔“

(۲) مواعظ حسنہ

زمانہ طالب علمی میں طلب پر وعظ:

بفضلہ تعالیٰ حضرت والّا کے وعظ فرمانے کا سلسلہ ابتدائے شباب ہی سے شروع ہو گیا تھا۔ اور حضرت والّا کے ماموں صاحب مرحوم نے حضرت والّا کی طالب علمی کے زمانہ تعطیلات پر گھر تشریف لانے پر وعظ کہلوا دیا تھا۔ اس وقت حضرت والّا کی عمر تقریباً سولہ سترہ سال ہوگی۔ اس کا ذکر حضرت والّا نے ”تذکرہ ماموں صاحب مرحوم“ میں اس طرح فرمایا ہے:

”جب وہ (حضرت والا کے برادر عزیز مولانا مولوی حافظ غلام محمد صاحب) حفظ قرآن سے فارغ ہو کر ایک دو مہرہ تراویح میں سنانے لگے، ادھر میں بھی ہندوستان سے تعطیلات میں گھر آیا، تو مجھ سے مسجد میں وعظ کہلوایا۔ اور بڑے فخر سے بارہا کہا کرتے تھے کہ اب ہمارے گھر کے مولوی اور حافظ ہو گئے۔ ہمیں باہر سے کسی مولوی کی ضرورت نہ رہی۔“

حضرت والا کی خودنوشت سوانح ”نقش حیات“ میں اس کے بعد ایک وعظ کا ذکر ہے، جو آپ کے برادر عزیز کے نکاح پر ہوا۔ جو اس طرح ہے:

وعظ بر موقع نکاح برادر عزیز:

”برادر مرحوم کی طالب علمی کے زمانہ میں ہی ۸-۹ شوال ۱۳۳۵ھ کو تاریخ نکاح مقرر ہو گئی۔ تاریخ مقررہ پر برات میں احقر اور عموی کرم الدین صاحب اور مرشدی وسیدی حضرت حافظ صاحب موصوفؒ بمعہ برادر عزیز کھرچہ چک نمبر ۱۰ براستہ اسٹیشن ریلوے پتوکی پہنچے۔ دو روز قیام رہا۔ احقر کا وعظ ہوا۔ حضرت موصوفؒ نے نکاح پڑھایا۔ بخیر و خوبی واپسی ہوئی۔ نکاح سادہ اور سنت کے موافق تھا۔“

اس وقت حضرت والا کی عمر تقریباً ۲۲-۲۳ سال ہوگی۔ اور یہ ابتدائے مدرسہ بریلی کا زمانہ تھا۔

رد بدعات:

شوال ۱۳۳۵ھ ہی سے مدرسہ اشاعت علوم بریلی میں مدرسے کے دوران حضرت والا کا بیان رد بدعات پر ہوتا تھا۔ جیسا کہ ”نقش حیات“ میں اس طرف مختصر اشارہ ملتا ہے: ”میں بھی اس وقت بریلویوں کے میلاد میں جا کر بہت تردید کیا کرتا تھا۔“

سفر علاج اور وعظ:

جیسا کہ باب ششم زمانہ تدریس میں ذیلی عنوانات ”دوبارہ مدرسہ احیاء الاسلام منڈی صادق گنج“ اور ”ناسازی طبع اور علاج“ کے تحت گزرا کہ ”غالباً ربیع الاول ۱۳۳۵ھ (ستمبر ۱۹۲۶ء) تک یہ سلسلہ خوب چلا۔ پھر طبیعت خراب ہو گئی..... مالیر کوٹلہ کا سفر کیا..... پھر لکھنؤ فیروز پور میں جناب حکیم سید شاہنواز صاحب کا علاج شروع کیا۔ وہاں ۲۲ یوم تک قیام رہا..... علاج سے نفع ہوا۔“ اس کے بعد تحریر فرمایا ہے: ”اس سفر میں میرے ہمراہ مولوی محمد الدین صاحب سندھی سکنہ چک نمبر ۷ اڈگری بھی کافیہ وغیرہ پڑھ رہے تھے۔ وہاں ایک عجوبہ گزرا۔“

عجوبہ..... جنات میں حضرت والا کا وعظ:

یہ بھی حضرت والا ہی کے الفاظ میں ملاحظہ فرمائیے: ”حکیم صاحب مرحوم کے پاس ان دنوں ایک نو مسلم عبد اللہ نامی رہتا تھا۔ اس کا جنوں اور جنیات سے تعلق تھا۔ ایک شب عشاء سے پہلے ہم تینوں صحن میں چار پانیوں پر بیٹھے ہوئے تھے،

یعنی حضرت حانفہ صاحبہ (خلیدہ بیگم حضرت گلگویی) حضرت والا کے ابتدائی ہم مدرسہ جنات ذکرہ ان شام اللہ تعالیٰ باب استغاثہ بلخی میں آجگا۔

ہم پر کشمکش کریں۔ پھر بیرونی دروازہ پر ایشیٹس پڑنی شروع ہو گئیں۔ اسی حالت میں ہم نماز کے لئے مسجد میں گئے۔ جب نماز عشاء سے فارغ ہو کر واپس مکان پر آئے تو گیارہ اشیاء ہماری گم تھیں۔ جمائل شریف، بسترے وغیرہ۔ معلوم ہوا کہ جن اٹھا لے گئے۔ تیسرے روز مسجد میں فجر کی نماز میں عین سجدہ میں جب ہم تھے، روپے برسے۔ مگر جو اٹھاتا اس پر اینٹ پڑتی۔ جب واپسی قیام گاہ میں آئے تو گم شدہ تمام اشیاء موجود تھیں۔ پھر ایک روز ہم تینوں شام کے وقت ایک قریبی گاؤں لہرا میں دعوت کے لئے گئے۔ جب واپس آئے تو بیٹھک کے دروازے بند تھے۔ دو روز بند رہے۔ عبداللہ نو مسلم نے کہا کہ یہاں پر جنیں آئی ہوئی ہیں۔ وہ کہتی ہیں کہ مولوی صاحب (یعنی میں) دعظ سنائیں گے تو ہم جائیں گیا اور مکان خالی کر دیں گی۔ اس لئے رات کے وقت اس مکان میں ہمارا وعظ ہوا۔ پھر بیٹھک کا دروازہ کھلا۔“

جلسہ اہل السنّت والجماعت میں مواعظ اصلاح عقائد:

”ذی الحجہ ۱۳۳۷ھ (مئی ۱۹۲۹ء) میں بمبئی سے دیوبندی جماعت کی طرف سے دعوت آئی کہ یہاں محرم الحرام کے عشرہ اولیٰ میں اہل تشیع کی مجلسیں ہوتی ہیں۔ اس کے جواب میں اہل السنّت والجماعت نے بھی ایک عشرہ روزانہ تقریر شب کو دو گھنٹہ کرانے کا ارادہ کیا ہے۔ دعوت منظور ہوئی۔ چنانچہ حضرت مولانا سید مرتضیٰ حسن صاحب، مولانا عبدالرحمان صاحب ہزاروی، مولانا عبدالعزیز صاحب جہلمی، احقر خیر محمد عفا اللہ عنہ، مولوی غلام فرید صاحب سیالکوٹی، مولوی مسلم صاحب لاہوری، مولوی جودت صاحب رام پوری یکم محرم (شروع جون ۱۹۲۹ء) وہاں پہنچے۔ بمبئی کے محلوں میں مختلف جگہ دو دو گھنٹہ علیحدہ علیحدہ تقریریں ہوتی رہیں۔ آخری دن گیارہویں تاریخ میں سب ایک جگہ جمع ہوئے۔ اور الگ الگ موضوعات پر تقریریں کیں۔ میرا موضوع تھا ”ضرورت تقلید اور ائمہ مجتہدین۔“

مواعظ حسنہ بعد ہجرت پاکستان:

مندرجہ بالا جلسہ کے بعد حضرت والا کے دیگر مواعظ حسنہ کی تفصیل عرصہ دراز تک نہیں ملتی۔ گو ”نقش حیات“ میں اسفار اور مدارس کے اور دیگر جلسوں میں شرکت کا تذکرہ ملتا ہے۔ احقر مؤلف نے ابتداء میں حضرت والا کا وعظ یا درس قرآن مجید کب سنا؟ یہ تو یاد نہیں۔ لیکن غالب یہی ہے کہ یا تو ملتان پہلی بار حاضری پر جمعہ کا وعظ مدرسہ خیر المدارس میں سنا ہوگا، یا حضرت والا کے کراچی سے واپس حیدرآباد سندھ اور سکھر تشریف لے جانے پر وہاں مواعظ حسنہ اور درس قرآن مجید سننے کا موقع میسر آیا ہوگا۔ اور یہ غالباً وہی سفر ہے جس کا ذکر ان شاء اللہ تعالیٰ آئندہ ”اسفار ہمہ“ کے تحت ”وحدت جمعیت علماء اسلام“ کے زیر عنوان باب ۲۳ ”مفرقات“ میں آئے گا۔

۱۔ سورہ جن کا وعظ: ۱۔ ع۔ س (ع۔ س) = مولوی عبدالسلام صاحب ہوشیار پوری مرحوم شاید انہوں نے حضرت والا سے سنا ہوگا کہ سورہ جن کا وعظ ہوا تھا)

طرز بیان:

حضرت والا کا طرز بیان جیسا کہ اخیر زمانہ میں اس ناچیز نے دیکھا، وہ دیگر واعظین، خطباء اور مقررین کے انداز سے بالکل مختلف تھا۔ مجلہ ”الحق“ محرم ۱۳۹۳ھ میں حضرت والا کے بعض مکتوبات شائع ہوئے ہیں۔ ان میں سے ایک میں تحریر فرمایا ہے: ”آپ کو معلوم ہوگا کہ میں مقرر و واعظ نہیں ہوں۔ احباب کے تقاضا پر نکثیر سواد کے لئے استفادہ و زیارت کی غرض سے کہیں کہیں حاضر ہو جایا کرتا ہوں۔“

حضرت والا کا بیان آہستہ آہستہ، نرم لہجہ اور عام فہم اور بہت آسان زبان میں ہوتا تھا۔ جو مدرسہ کے طلباء کے سامنے درس بخاری شریف والی زبان سے مختلف ہوتی تھی۔ اس سے جوش کم اور ہوش زیادہ پیدا ہوتا تھا۔ بیان سننے سے سکون قلب اور انشراح صدر محسوس ہوتا تھا۔ اپنی اصلاح کی طرف توجہ ہوتی تھی۔ آہستہ آہستہ محبت الہی پیدا ہوتی اور حُب دنیا میں کمی ہوتی تھی۔

حضرت والا کے بیان سے دینی فائدہ تو ایسا ہوتا تھا، لیکن شعلہ بیانی، سنسنی خیزی اور آجکل کی مغربی سیاست سے بکرپاک ہوتا تھا۔ گو حضرت والا نے تحریر فرمایا کہ میں مقرر و واعظ نہیں ہوں، تاہم خطابت کا ایک گراہک بار ذکر فرمایا، جس کو احتراپنے الفاظ میں ذکر کرتا ہے، کیونکہ پورے الفاظ محفوظ نہیں۔ فرمایا کہ ”خطیب وہ ہے کہ جب وہ ضمناً اور تبعاً اور ایک بات سے دوسری بات یاد آنے پر اور تفریعات کا ذکر کرتے ہوئے موضوع سے دور چلا جاتا ہے تو اصل موضوع کو ترک نہیں کر دیتا۔ بلکہ پھر واپس اپنے موضوع پر لوٹ آتا ہے۔ اور جو موضوع سے نکل کر واپس نہیں آتا وہ خطیب نہیں۔ واقعی خطیب اور واعظ و مقرر کے لئے یہ ایک نہایت اہم بات ہے۔ خود قرآن مجید کا طرز بھی یہی ہے۔ (گو کتاب اللہ اور قرآن عظیم کو خطبہ اور وعظ سے تشبیہ دینا مقصود نہیں ہے، کیونکہ جیسا کہ لیس کمثلہ شیء ہے۔ ایسے ہی لیس کمثل کلامہ و کتابہ شیء بھی ہے۔) اور اکابر مصلحین خطباء اور واعظین کا بھی یہی طریقہ رہا ہے۔ حضرت مجدد الملت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے مواعظ حسنہ میں مفید ترین نرالی اور بسا اوقات بے مثل اصلاحی و علمی تحقیقات و تفریعات نکلتی آتی ہیں۔ اور درمیان میں پیدا ہونے والے محتمل سوالات و اشکالات کے جواب آتے رہتے ہیں۔ یہاں تک کہ شاید ہی کوئی پہلو تشنہ رہنے پاتا ہو۔ لیکن پھر اپنے موضوع پر واپس لوٹ آتے ہیں۔ ہمارے حضرت والا کا بھی یہی طرز تھا کہ موضوع پر واپس لوٹ آتے تھے۔

جویشلی تقریریں اور ساوہ پُر اثر وعظ:

ایک مثال حضرت حکیم الامت مجدد الملت تھانویؒ نے بعض موقعوں پر بیان فرمائی ہے جو غالباً توجہ دینے والے مشائخ اور قریب سنت کاملین کی صحبت کے اثر کے فرق کو واضح کرنے کے لئے عجیب مثال ہے۔ وہ یہ کہ ایک تو گرمی توڑ کے

۱۔ حضرت تھانویؒ کی مثالیں سب ہی عجیب ہوتی ہیں۔ حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ کے والد ماجد مرحوم ”آغا جی“ (حضرت مولانا سید محمد زکریا بنوریؒ فرماتے تھے۔) اور حضرت تھانویؒ کے نہ سلسلہ بیعت میں تھے نہ تلامذہ میں سے تھے۔ چنانچہ ان کا قول اس بارے پر اور بھی زیادہ قوی ہے) کہ حضرت مولانا تھانویؒ لقمہ میں ڈال کے بادشاہ ہیں اور حضرت تھانویؒ نثر میں مثال کے بادشاہ ہیں۔

پاس بیٹھنے سے پیدا ہوتی ہے۔ لیکن جب تک تنور کے پاس اس وقت تک تو خوب گرمی ہے۔ اور وہاں سے علیحدہ ہوئے اور گرمی ختم۔ دوسری گرمی وہ ہے جو سکھیا کو مدبر کر کے (اس کا کشتہ) کھانے سے پیدا ہوتی ہے۔ جس کا اثر دائمی ہوتا ہے۔ یہی مثال شعلہ بیان اور جو شیلے واعظین کی تقریروں اور حضرت والا کے سادہ وعظ میں فرق کی ہے، کہ جو شیلے واعظین کی تقریروں کا اثر تو تقریر کے دوران ہی تک رہتا ہے۔ اس کے بعد کچھ اثر باقی نہیں رہتا۔ اور حضرت والا کے مواعظ کا اثر دائمی ہوتا تھا۔ از دل خیزد بردل ریزد۔ حضرت امام ربانی سید عبدالقادر جیلانیؒ نے ایک دفعہ معمولی سا واقعہ بیان فرمایا کہ ہم نے روزہ رکھنے کا ارادہ کیا تھا اور سحری کے لئے دودھ رکھا تھا۔ تقدیر الہی غالب آئی، لمبی دودھ پی گئی اور روزہ نہ رکھ سکے۔ اتنا ہی سن کر حاضر تڑپ اٹھے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ کلام میں اپنے مشکل کی زندگی کے مطابق اثر ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آجکل مواعظ اور تقریروں کا اثر بہت کم ہو گیا ہے۔ لیکن اس میں قصور صرف واعظ ہی کا نہیں، بلکہ سامعین میں بھی قبولیت کی صلاحیت کم ہے، طلب کی کمی ہے۔ اس لئے دونوں ہی کو اپنی اپنی اصلاح کی طرف متوجہ ہونے کی ضرورت ہے۔

حضرت والا کے وعظ :

حضرت والا کا ایک وعظ جو جامعہ رشیدیہ ساہیوال کے جلسہ کے موقع پر ہوا تھا، احقر نے اس کو لکھنے کی کوشش کی تھی۔ لیکن نہ تو حافظہ قوی نہ مختصر نویسی آتی ہے۔ اس لئے بہت ناقص ضبط ہو سکا۔ اگر لا باس بہ کے درجہ میں بھی صاف ہو گیا تو شائع کیا جاسکتا ہے۔ اس کے علاوہ مستحل (ٹیپ ریکارڈر) سے جو دروس قرآن مجید اور مواعظ حسنہ ضبط ہو گئے تھے ان کو یا ان میں سے بعض کو جو توفیق الہی کسی موقع پر ان شاء اللہ تعالیٰ شائع کرنے کا ارادہ ہے، وباللہ التوفیق وهو حسبنا ونعم الوکیل۔

اخیر زمانہ میں خصوصاً فالج کے حملہ کے بعد تو حضرت والا کے مواعظ بہت کم ہوتے اور مختصر ہونے لگے تھے، لیکن جب صحت بہتر تھی تو بعض مواعظ رات کو کئی گھنٹے تک بھی ہوتے تھے۔ تقریباً اخیر ۵۴ء یا شروع ۵۵ء موسم سرما کی بات ہے۔ سکھر میں حضرت مولانا محمد احمد صاحب تھانویؒ کے مکان پر قیام تھا۔ غالباً دریائے سندھ کے کنارے بندر روڈ کی کسی مسجد میں وعظ ہوا تھا۔ جہاں رات کو کھانے کی دعوت تھی۔ حضرت والا نے میزبان کو فرمایا تھا کہ کھانا کھا کر مجھ سے بیان نہیں ہوتا۔ چنانچہ عشاء کے بعد دو تین گھنٹے یا زائد خوب بسط کے ساتھ وعظ ہوا۔ اور بعد وعظ واپسی میں میزبان کے یہاں متعدد مدعوین کے ساتھ کھانا کھایا۔ افسوس ہے اس وقت ٹیپ ریکارڈر نہیں تھا، ضبط نہیں ہو سکا۔ بہر حال اس میں صرف اتنی بات یاد ہے کہ حضرت والا نے ایک مثال دی تھی کہ پیر تین قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک پیر پتھر، دوسرا پیر پتھر، تیسرا پیر لکڑ۔ پیر پتھر تو خود کم کر دہ راہ پیر کی مثال ہے۔ کہ پتھر پر بیٹھ کر جو پانی میں داخل ہوگا وہ بھی پتھر کے ساتھ ڈوبے گا۔ دوسرا پیر پتھر ایسے صالح شخص کی مثال ہے جو خود تو پار ہو جائے گا، جیسا کہ پتھر خود تیرتا ہے، لیکن کسی کو پار نہیں کر سکتا۔ جو اس کے ذریعہ پار ہونا چاہے گا وہ ڈوب جائے گا۔ یہ ان بزرگوں کی مثال ہے جو بھولے ہوتے ہیں۔ ان کی مثال میں فرمایا تھا کہ ایک بھولے بزرگ تھے۔ لباس بھی

بزرگ، عمامہ بھی سبز، کسی نے ان کو دعوت دی اور مسہری پر بٹھایا، جس کے سر ہانے کی طرف آئینہ لگا ہوا تھا، کھانا سامنے آیا اور آئینہ میں اپنی صورت نظر آئی تو سمجھے کہ سامنے کوئی بزرگ بیٹھے ہیں۔ فرمانے لگے پڑھو جی، بسم اللہ۔ جب کچھ جواب نہ ملا تو مکر رکھا۔ اتنے بھولے تھے۔ ایسے بزرگ دوسرے کی اصلاح کیسے فرمائیں گے۔ تیسری قسم پیر کی بیان فرمائی پیر لکڑ۔ لکڑ کو پانی میں ڈال کر اس پر بیٹھ جاؤ تو لکڑ خود بھی پار ہو جائے گا اور دوسرے کو بھی پار کر دے گا۔ یہ ایسے پیر کی مثال ہے جو صالح ہونے کے ساتھ عاقل و متیقظ بھی ہو۔ چنانچہ پیر ایسے ہی بزرگ کو بنانا چاہئے جو صالح اور عاقل ہو۔ جیسا حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے ملفوظات میں ہے کہ پیر عالم الغیب نہیں ہوتا۔ مگر اس کو عالم العیب ہونا چاہئے (یعنی غیب داں نہیں بلکہ عیب کو پہچان لینے والا) کہ طالبین اصلاح کے عیوب کی تشخیص خوب کرنا جانتا ہو۔ ورنہ بغیر عیوب کو سمجھے اصلاح کیسے ہو سکتی ہے؟

حضرت والاؒ کا جمعہ کا بیان حسب ضرورت ہوتا تھا۔ چنانچہ رمضان المبارک کے مواعظ میں رمضان کی برکات اور اس کے خاص اعمال و فضائل کا بیان ہوتا تھا۔ دیگر مواعظ متعدد موضوعات پر حسب ضرورت ہوتے تھے۔ اور ان کا نفع عام و نام ہوتا تھا۔ جمعہ کے روز عموماً ایک گھنٹہ یا پون گھنٹہ کے قریب بیان ہوتا تھا۔ ایک جمعہ کو قیامت کے احوال و احوال کو بیان فرمایا تھا۔ یہ بیان قیامت کے واقعات پر بہت مبسوط تھا۔ اور سادہ عبارت کے باوجود نہایت درجہ مؤثر تھا۔ کبھی مخالفت نفس پر بیان ہوا جو نفع سے پُر تھا۔ غرضیکہ متعدد ضروری اصلاحی مضامین ہوتے تھے۔ اور سب کا حاصل اور خلاصہ رضائے الہی کی ذہن پیدا کرنا، محبت الہی کی لٹو لگانا اور اتباع سنت کو اختیار کرنے کا جذبہ پیدا کرنا ہوتا تھا۔

قبل تعمیر مسجد ایک سال رمضان المبارک میں جبکہ نماز پرانے دارالحدیث میں ہوتی تھی، بعد تراویح مختصر بیان ہوتا تھا۔ ایک روز موت کی سختی و سختی اور ملک الموت کے شاہانہ جلال کا کسی واقعہ کے ضمن میں ذکر ہوا تھا۔ اس مختصر مگر مؤثر بیان کی یاد ہی مراقبہ موت کا کام دیتی ہے۔

(مگر حضرت والاؒ عموماً طالبین کے لئے مراقبہ موت تجویز نہیں فرماتے تھے۔ بلکہ زیادہ تر نعماء الہی کا مراقبہ تجویز فرماتے تھے، جس سے محبت الہی میں ترقی ہوتی ہے۔ اور وہی فوز و فلاح کی کلید اعظم ہے۔ کیوں نہ ہو کہ محبت سے رضائے الہی کے حصول کی ذہن پیدا ہوتی ہے۔ اور وہی تو نعمت عظمیٰ و مقصود اعظم ہے۔ ضعیف طبائع کے لئے مراقبہ موت سے خوف زیادہ ہو جانے کا اندیشہ ہے جو مضر ہے۔) لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ موت کو یاد ہی نہ کیا جائے، بلکہ موت کو بکثرت یاد کرنے کا تو حدیث شریف میں امر ہے۔)

ملتان جیل میں حضرت والاؒ کا وعظ:

حضرت سید قمر الدین شاہ صاحب مدظلہم العالی و دامت فیوضہم ایک تحریر میں فرماتے ہیں: ”ایک پیرک میں قیدی اکٹھے ہوئے اور حضرت والاؒ نے اس حدیث شریف پر وعظ فرمایا کہ ”دنیا مومن کے لئے جیل خانہ ہے۔“ عجیب و غریب بیان

تھا۔ ناوے قتل کرنے والے، پھر یک صد پورا کر کے تائب ہونے والے، حق تعالیٰ کی رحمت سے اس کی توبہ قبول ہونے زمین کے سکڑنے اور پھیلنے کا عجیب و غریب انداز میں اصلاحی اور پُر امید وعظ تھا۔“

وعظ اور چندہ:

حضرت مولانا منظور احمد صاحب (استاذ الحدیث خیر المدارس) تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت والا نے ”خیر المدارس کے لئے کبھی بھی وعظ کہہ کر عمومی طور پر چندہ کی اپیل نہیں فرمائی۔“

حضرت والا کے حکیمانہ مواعظ:

حضرت والا کے مواعظ بفضلہ تعالیٰ حکیمانہ ہوتے تھے۔ لہجہ نرم اور شفقت آمیز ہوتا تھا۔ مقصود اصلاح تھی۔ آپ کا وعظ طعن یا تعریض، کسی کی دل آزاری یا اہانت وغیرہ کے عیوب سے پاک ہوتا تھا۔ لیکن آپ کے حکیمانہ انداز سے ماشاء اللہ تعالیٰ اصلاح ایسی ہوتی تھی کہ بعض اوقات پورا ماحول بدعات سے نکل کر سنت پر عامل ہو جاتا تھا۔ یہ بفضلہ تعالیٰ اللہ تعالیٰ کے فرمان اُدْعُ الی سبیل ربک بالحکمة والموعظة الحسنیة اور نبی کریم ﷺ کے ارشاد بشر اولاً تنفراً پر عمل کا ثمرہ اور اس کی برکت تھی۔ بطور مثال اس قسم کے مواعظ کے دو واقعات پیش کئے جاتے ہیں۔ پہلا واقعہ خود حضرت والا نے حضرت مولانا محمد شریف صاحب کشمیری سے بیان فرمایا تھا۔

حکیمانہ وعظ کی مثال اول:

فرمایا ایک بار ملتان کو دریائی سیلاب کا خطرہ ہوا۔ سجادہ نشین دربار خولجہ بہاء الحق ملتانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے دوستانہ تعلقات کی بناء پر مجھے اطلاع کئے بغیر شہر میں اعلان کرادیا کہ کل کو قلعہ پر مولانا خیر محمد صاحب نقلی جماعت کرائیں گے۔ علماء کو اس اعلان سے تشویش ہوئی۔ اور بعض نے مجھے جانے سے منع بھی کیا کہ نقلی جماعت بالخصوص اہتمام کے ساتھ عند الاحناف مکروہ ہے۔ میں نے کہا جاؤں گا ضرور، کہ نہ جانے میں سجادہ صاحب کی سبکی ہے۔ باقی جماعت کرانا نہ کرانا میرا اپنا فعل ہے۔ چنانچہ جب سجادہ صاحب کی طرف سے کار آئی تو میں چلا گیا۔ جا کر سجادہ صاحب سے کہا کہ آپ سے علیحدگی میں کوئی بات کرنی ہے۔ وہ بخوشی علیحدہ ہو گئے۔ میں نے کہا کہ ہم حنفی ہیں۔ جو کام فقہ حنفی کے مطابق ہو، وہ کرتے ہیں۔ اور جو عمل رواج کے موافق اور فقہ حنفی کے خلاف ہو وہ نہیں کرتے۔ اس لئے ہمیں لوگ وہابی کہتے ہیں۔ چونکہ نقلی جماعت کو فقہ حنفی نے مکروہ کہا ہے، اس لئے معذور ہوں۔ سجادہ صاحب نے کہا کہ حضرت میری غلطی ہوئی کہ آپ کو اطلاع دیئے بغیر میں نے اعلان کرادیا۔ جس کی وجہ سے اب ہزاروں کا مجمع آیا ہوا ہے۔ میں آپ کو خلاف شرع پر مجبور نہیں کرتا، مگر میری غلطی کا

۱۔ متفق علی حدیث شریف میں جمع کے صیغہ بنشرواؤ لا تنقروا سے بھی آیا ہے۔ (مکتلۃ الصانع، ج ۲، ص ۳۳۳)

۲۔ یہ دونوں واقعات احقر مؤلف کو خبر واحد سے پہنچے ہیں۔ تاہم حضرت والا کے مزاج شناس کو ان کے صحیح سمجھنے میں تردد ہوگا۔ (۱۲)

تذکرہ فرمادیں، تاکہ سبکی نہ ہو۔ میں نے کہا آپ اعلان فرمادیں کہ آدھ گھنٹہ مولانا کا بیان ہوگا، بعد میں نفل پڑھے جائیں گے۔ بڑے خوش ہوئے اور اعلان کر دیا۔ میں نے بعد خطبہ یہ آیت تلاوت کی: یا ایہا الذین امنوا استعینوا بالصبر والصلوة۔ ان اللہ مع الصابرين۔ ولا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ اموات (الآیہ) اور وعظ کہا۔ اس میں یہ بھی کہا کہ مسلمان کے دو دشمن دو طرح کے ہیں۔ ایک وہ جن کا وجود ہمیں نظر آتا ہے۔ یعنی کافر، دوسرے وہ جن کا وجود ہمیں نظر نہیں آتا، یعنی نفس اور شیطان۔ یہ دشمن پہلے کی نسبت بڑا سخت ہے۔ اس کے ساتھ جہاد کرنے کو جہاد اکبر فرمایا گیا ہے۔ آیت میں ظاہری دشمن یعنی کافروں کے ساتھ جہاد میں شہید ہونے والوں کے متعلق فرمایا گیا کہ تم ان کو مردہ نہ کہو، وہ اپنے پروردگار کے ہاں زندہ ہیں۔ جو لوگ جہاد اکبر میں ختم ہو جائیں وہ بدرجہ اولیٰ اپنے پروردگار کے ہاں زندہ ہوں گے۔ یہ بزرگان دین اولیاء اللہ جہاد اکبر میں شہید ہونے والے ہیں۔ اور یقیناً اپنے مزارات کے اندر زندہ ہیں۔ محض ایک پردہ حائل ہے۔ ہم ان کے مزارات پر جا کر خلاف شرع کام کرتے ہیں۔ ان کے مزارات کو سجدہ کرتے ہیں۔ اگر یہ پردہ حائل نہ ہوتا تو ہمارے منہ پر تپھڑ مارتے۔ اخیر وعظ میں فرمایا کہ نفلی نماز باجماعت پڑھنا ناجائز ہے۔ بزرگوں کی روحمیں اس سے ناراض ہوں گی۔ نفل سب اکیلے اکیلے پڑھیں۔ دُعاء مل کر کر لیں گے۔

سب نے خوشی خوشی اکیلے اکیلے نفل پڑھے، بعد میں مل کر دُعاء کی گئی۔ اللہ پاک کا فضل ہوا، خطرہ ٹل گیا۔ جو ڈرائیور مجھے مدرسہ تک پہنچانے آیا، اس نے کہا: حضرت! اگر کبھی کبھی اس طرح کے وعظ ہو جایا کریں تو بڑا فائدہ ہو۔ بڑی اصلاح ہو۔ آجکل کے مقررین کفر کی مشین چلانے لگ جاتے ہیں، بجائے فائدہ کے نقصان ہی نقصان ہوتا ہے، اور سجادہ صاحب نے اپنے مجمع خاص میں فرمایا: ”دیوبندی اور بریلوی میں یہ فرق ہے کہ دیوبندی کو کسی قیمت پر نہیں خریدا جاسکتا اور بریلوی کو ٹکدے کر جو چاہو بیان کرالو۔“

حکیمانہ وعظ کی مثال دوم:

یہ واقعہ محترمی حاجی امیر الدین صاحب (نواں شہر ملتان) نے فرمایا کہ ”ملتان کے کسی بڑے آدمی نے رسم تیجہ میں حضرت والا کو دعوت دی۔ اور دیگر دیوبندی المشرب علماء کو بھی دعوت دی۔ سب نے شرکت سے انکار کر دیا کہ بدعت ہے۔ مگر حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ تشریف لے گئے۔ میزبان سے فرمایا: آپ نے یاد فرمایا۔ بڑی خوشی ہوئی۔ ماشاء اللہ بڑا مجمع لگا ہوا ہے، جی چاہتا ہے کہ یاد آوری کے شکر یہ میں تھوڑی دیر وعظ کر لوں۔ وہ صاحب بڑے خوش ہوئے اور کہا: حضرت! بڑی مہربانی، نوازش ہوگی، احسان ہوگا، ضرور وعظ فرماویں۔ چنانچہ حضرت والا نے سلیقہ سے وعظ میں ایصالِ ثواب کی خوبی و فضیلت اور بدعات و خرافات رسوم کی برائی کو بیان فرمایا۔ جب وعظ ختم ہوا تو میزبان نے اپنے خدام میں اعلان کر دیا کہ بس ختم پڑھا گیا۔ تمام کھانا صرف غرباء و مساکین میں تقسیم کر دیا جائے۔“

حضرت والا کے ایک وعظ کا خلاصہ

(بحوالہ روزنامہ ”رہبر“ بہاولپور، ۲۴ مئی ۱۹۶۷ء):

”گزشتہ شب مولانا خیر محمد صاحب جالندھری نے حاصل پور کے ایک عظیم اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا: انسان پر اللہ تعالیٰ کے بے شمار احسان ہیں۔ وہ یہ کہ اس نے انسان کو اشرف المخلوقات بنایا۔ کان، ناک، ہاتھ، پاؤں، غرض کہ جسم صالح عطا فرمایا۔ سانس کا باہر آنا جانا بھی احسان ہے۔ چونکہ ہم روزمرہ کی زندگی میں بے شمار سانس لیتے ہیں، اس لئے ہم اللہ تعالیٰ کے احسانات شمار نہیں کر سکتے۔“ آپ نے فرمایا کہ ”اللہ تعالیٰ نے انسان کو بے شمار نعمتوں سے نوازا، لیکن صرف دو نعمتوں پر اپنا احسان جتایا، اول نعمت ایمان، دوم حضرت محمد ﷺ کا وجود پاک۔ ایمان وہ دولت ہے کہ انسان اخلاص سے کلمہ پڑھنے کی بدولت جنتی بن جاتا ہے اور اس سے انکار پر دوزخی۔ اور حضرت محمد ﷺ کا وجود مسعود اللہ تعالیٰ کے بندوں پر بہت بڑا احسان ہے۔ سنت رسول اللہ ﷺ کے اتباع سے انسان جنت میں آپ کا رفیق ہوگا۔“ (رہبر بہاولپور)

(نوٹ: حضرت والا کے وعظ کی تاثیر کے بارے میں ذیل کی یہ مختصری تحریر حضرت مولانا حافظ الحاج عبدالعزیز صاحب مدظلہ کے مقالہ ”میرے شیخ کمال“ (باب ۱۵، ارشاد و افاضہ باطنی) سے لی گئی ہے، جو بہت خوب ہے۔ اور طویل تحریروں پر ہماری ہے۔ اس لئے اس باب کی مناسبت سے اس کو یہاں بھی نقل کیا جا رہا ہے۔ آ۱)

”حضرت والا کے وعظ کی تاثیر:

وعظ میں تو ایسی تاثیر دیکھی کہ حضرت والا کی باتیں دل میں اترتی جاتی تھیں۔ ایک مرتبہ حضرت والا نے نواں شہر ملتان میں وعظ فرمایا اور اس میں بغض و کینہ رکھنے کی وعیدیں بیان فرمائیں۔ بندہ کی مدرسہ میں ایک دو ساتھیوں سے ناراضگی کی وجہ سے بات چیت بند تھی۔ بس حضرت والا کے وعظ کا اتنا اثر ہوا کہ فوراً مدرسہ میں آ کر رات کو ان سے مصالحت کر لی۔ حضرت کے وعظ میں عموماً علمی سادہ باتیں ہوتی تھیں اور بہت اثر رکھتی تھیں۔ جیسے ہلکی ہلکی پھوار دار بارش برتی ہے۔ اور زمین میں جذب ہوتی جاتی ہے۔ اسی طرح آپ کے وعظ کی تاثیر تھی کہ مردہ و لوگوں میں حیات پیدا ہو جاتی تھی۔ اور بڑے بڑے صاحب کمال بھی حضرت سے فیض یاب ہو کر جاتے تھے۔“

نوٹ: اس کے بعد محترمی ماسٹر اقبال قریشی صاحب کی تحریر حضرت والا کے مواعظ حسنہ کے بارے میں ملاحظہ فرمائیے:

مواعظ حسنہ کا انداز و طریق:

حضرت والا اپنے مواعظ حسنہ سے بھی احباب اور عوام الناس کو مستفید و مستفیض فرماتے تھے۔ اکثر مدارس اسلامیہ کے سالانہ جلسوں میں تشریف لے جاتے اور علماء و عوام کو اپنے مواعظ سے مستفید فرماتے۔ آپ سیاسی مقررین کی طرح

خاص طرز پر وعظ نہ فرماتے تھے۔ بلکہ سیدھے سادھے انداز میں وعظ بیان فرماتے۔ لیکن اس میں علمی نکات اور عملی باتیں اس قدر ہوتیں کہ بڑے بڑے علماء بھی سر ڈھنتے۔ احقر نے ریلوے مسجد ہارون آباد میں علامہ مولانا دوست محمد قریشی صاحب مرحوم کی موجودگی میں حضرت کا وعظ سنا تو دیکھا کہ علامہ قریشی مرحوم جیسے تنظیم اہل سنت والجماعت کے بے باک و مشہور مقرر نے بے ساختہ متعدد بار خود والہانہ نعرے لگائے اور حضرت کے نکات پر سر ڈھنتے رہے۔ آپ کے مواعظ کے بارے میں مولانا حافظ عبدالشکور صاحب مدظلہم تحریر فرماتے ہیں:

”آپ کا بیان نہایت محققانہ لیکن آسان انداز میں ہوتا۔ آپ اس انداز سے خطاب فرماتے کہ مخاطبین پر سیکندو طمانیت کی کیفیت پیدا ہو جاتی۔ آخری ایام میں چونکہ حضرت والا اکثر بیمار رہا کرتے تھے، اس لئے جب کبھی تقریر و بیان کی نوبت آتی تو آپ اپنے بیان کے چند ایک اہم نکات و واقعات ایک کاغذ پر تحریر فرما لیتے تاکہ اگر ضرورت محسوس ہو تو ان سے فائدہ اٹھایا جاسکے۔ آسان الفاظ، مختلفہ انداز، عام فہم جملے آپ کے بیان کی جان ہوتے۔ آپ اپنی تقریر میں مخاطبین کو زیادہ تر حب الہی اور اطاعت رسول ﷺ پر عمل پیرا ہونے کی تلقین فرمایا کرتے تھے۔“

جب تک ہمت و طاقت تھی، خیر المدارس میں نماز جمعہ سے قبل خود وعظ فرمایا کرتے۔ بعد میں نقاہت و علالت کے سبب یہ خدمت حضرت مولانا محمد شریف صاحب جالندھری کے سپرد فرمادی تھی۔

حضرت والا کے تین وعظ :

بطور نمونہ بغرض افادہ حضرت والا کے تین وعظ یہاں درج کئے جاتے ہیں، جس سے قارئین انداز لگاسکیں گے کہ ان میں کس قدر علمی مواد اور اصلاح باطن کے آسان نسخے ہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ جن جن حضرات کے پاس حضرت والا کے مواعظ کی شپ ہے وہ قلم بند کروا کر اسے افادہ عامہ کے لئے شائع کر دیں تو بڑے نفع کی توقع ہے۔

۱۔ ا۔ ج۔ باختصار و جملہ سیر۔ (۱۲)

۲۔ حضرت والا جن پر جنوں کو سامنے رکھ کر وعظ فرماتے تھے۔ وہ سب صاحبزادہ مولانا حافظ عبدالحق صاحب کے پاس موجود ہیں۔ اگر کوئی ذی استعداد عالم ان پر جنوں کو لے کر درے وضاحت کے ساتھ ان معارف کو قلمبند کرے تو واعظین اور علماء عام کیلئے ایک تحفہ بن جائے۔ (یہ حاشیہ، غالباً محمد وی حضرت مولانا حافظ محمد حافظ شریف جالندھری کا ہے۔ اب تو حضرت مولانا عبدالحق صاحب بھی رحلت فرما چکے ہیں۔ اس لئے اس مقدمہ کیلئے ان کی اولاد کی طرف ہی رجوع کیا جاسکتا ہے۔ (۱۲)

۳۔ ا۔ ج۔

(۱) خیر الشہور ہو شہر القیام

والشہور الملقب بشہر الغفران و نزول الفرقان

وعظ ارشاد فرمودہ حضرت والا

(یکم رمضان المبارک ۱۳۸۸ھ بروز جمعہ، بمقام جامع مسجد خیر المدارس ملتان، تقریباً ایک گھنٹہ بیان ہوا)

مرتبہ: حضرت مولانا قاری محمود احمد صاحب زاد مجدہم

الْحَمْدُ لِلَّهِ نَحْمَدُهُ وَنُسْتَعِينُهُ وَنَسْتَغْفِرُهُ وَنُؤْمِنُ بِهِ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوذُ بِاللَّهِ مِنْ شُرُورِ أَنْفُسِنَا
وَمِنْ سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا مَنْ يَهْدِهِ اللَّهُ فَلَا مُضِلَّ لَهُ وَمَنْ يَضِلَّهُ فَلَا هَادِيَ لَهُ وَنَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ
لَا شَرِيكَ لَهُ وَنَشْهَدُ أَنَّ سَيِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدَهُ وَرَسُولَهُ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ
وَبَارَكَ وَسَلَّمَ. أَمَّا بَعْدُ: فَأَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ. بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ. شَهْرُ رَمَضَانَ
الَّذِي أُنزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ.

اللہ تعالیٰ نے یہ مبارک مہینہ ہم کو عطاء فرمایا ہے، اس واسطے سب مسلمانوں پر اس کا شکر واجب ہے۔ بہت خوش قسمت ہیں وہ لوگ کہ جن کی زندگی میں مہینہ رمضان المبارک کا آئے اور وہ اس کے آداب اور حقوق ادا کریں۔ جو اس کے حقوق ادا کریں ان کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ شاید دوسرا مہینہ آئے یا نہ آئے۔ اس واسطے اس کی جتنی قدر ہو سکے، بہت قدر کرنی چاہئے۔

اللہ تعالیٰ نے اس مہینے کا نام رمضان رکھا ہے۔ 'رمضان' مشتق ہے 'رمض' سے۔ اور 'رمض' کے معنی ہیں 'جلادینے' کے۔ گویا یہ مہینہ مسلمانوں کے تمام گناہوں کو جلادیتا ہے۔ اور یہ مہینہ اس واسطے مقرر کیا ہے اللہ تعالیٰ نے کہ انسان مختلف کام کرتا رہتا ہے۔ ساتھ ہی کچھ ناجائز اور برے کام ہو جاتے ہیں۔ تو جو برے کام اور گناہ ہوتے ہیں اس سے دل پر سیاہ نقطے لگ جاتے ہیں۔ ایک گناہ کرتا ہے تو ایک نقطہ لگ جاتا ہے۔ اگر وہ سچی توبہ کر لیتا ہے تو وہ دھل جاتا ہے، ورنہ لگا رہتا ہے۔ اور اگر دوسری مرتبہ گناہ کرتا ہے تو دوسرا نقطہ لگ جاتا ہے۔ یہاں تک کہ جو گناہ نہ چھوڑے تو اس کو اتنے نقطے لگتے ہیں کہ سارے دل کو گھیر لیتے ہیں۔ سارا دل کالا ہو جاتا ہے۔ اس واسطے اس نقطہ کو توبہ سے دھولو۔ پھر مرتے وقت اس کو توبہ کی توفیق بھی نصیب نہیں ہوتی۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس کی مغفرت کے لئے یہ مہینہ مقرر کیا۔ اس میں دوزخ کے دروازے سب بند کر دیئے جاتے ہیں اور بہشتوں کے دروازے سب کھول دیئے جاتے ہیں۔ سرکش بڑے بڑے شیاطین قید کر دیئے جاتے

ہیں، اور لوگوں میں اللہ کی طرف سے فرشتے ندا کرتے ہیں ساری گلی کوچہ، ہر دروازے اور مکان پر **يَا بَاغِي الْخَيْرِ اَقْبِلْ** و **يَا بَاغِي الشَّرِّ اَقْصِرْ**۔ اے نیکی کے طلب کرنے والے تو متوجہ ہو جا اور اے برائی کے طلب کرنے والے تو رُک جا۔ اللہ کے بندے جن کے دل صاف ہیں وہ اس کو سنتے ہیں اور رات کو جاگتے ہیں، بلکہ فرشتوں کا ایک طائفہ ہے، وہ گلیوں میں کھڑا ہوتا ہے۔ وہ سفارش کرتے ہیں کہ اے اللہ! جو اس وقت جاگتے ہیں تو ان کو بخش دینا۔ وہ سفارش کرتے ہیں، تو یہ سیاہی کو دھونے کے لئے جو گیارہ مہینوں میں لگتی ہے تو گیارہ مہینوں کے بعد یہ ایک مہینہ توبہ کے لئے ہے۔ اس مہینے میں اجر و ثواب کو بڑھا دیا جاتا ہے۔ نفلوں کا ثواب باقی مہینوں کے فرض کے برابر ہے اور اس مہینے کے فرض باقی مہینوں کے ستر فرضوں کے برابر ہیں۔ اس واسطے انسان کو چاہئے کہ اس میں غفلت نہ کرے۔ اس میں جتنا نیکی ہو سکے نیکی کرے۔ رمضان اتنا مبارک ہے کہ حق تعالیٰ نے اس کی اپنی طرف نسبت کی ہے: **شَهْرُ اللَّهِ** (اللہ تعالیٰ کا مہینہ) معلوم ہوتا ہے کہ اس مہینے کو بڑی خصوصیت ہے۔ جیسے کہتے ہیں یہ چیز بھائی سرکاری ہے، یہ دردی سرکاری ہے، اس کی عظمت ہوتی ہے۔

تین عشرے ہیں اس مہینے میں: **أَوَّلُهُ رَحْمَةٌ وَأَوْسَطُهُ مَغْفِرَةٌ وَآخِرُهُ عِتْقٌ مِنَ النَّارِ**۔ پہلے دھا کے میں رحمت برستی ہے، دن میں بھی اور رات میں بھی۔ جو آدمی روزے کا حق ادا کرے، کھیتی والے کھیتی کرتے ہیں، نوکری والے نوکری کرتے ہیں، ان کا ہر کام عبادت بن جاتا ہے۔ اس واسطے انسان کو چاہئے کہ اس کے حقوق ادا کرے۔ اڈل زبان کی حفاظت کرے، غیبت نہ کرے، جھوٹ نہ بولے، گالی نہ دے، کوئی بری بات نہ کرے، جھگڑانہ نہ کرے، دوسرے ہاتھوں کو محفوظ رکھے، چوری نہ کرے، ناجائز چیز کو نہ پکڑے اور پیروں سے ناجائز کاموں کی طرف نہ چلے، سینما، تماشا اور فجار کی مجلس کی طرف چلنا گناہ ہے۔ چلے تو مسئلہ پوچھنے کے لئے علماء کے پاس جائے، والدین کی خدمت کرے، نیک کاموں کی طرف چلے۔ تیسرے دل میں برے خیالات نہ لائے، کہیں عبادت کا فکر ہے، کہیں نماز کا فکر ہے۔ تو اس عشرے میں بارش کی طرح اللہ کی رحمت برستی ہے۔ اب بارش کے قطرے نہیں شمار کر سکتے۔ اسی طرح چاروں طرف سے اللہ کی رحمت برستی ہے۔

دوسرا عشرہ جو ہے اس کا نام ہے عشرہ مغفرت، جو گناہ ہوتے ہیں سب معاف ہو جاتے ہیں، بیسویں دن سب معاف ہو جاتے ہیں۔ البتہ حقوق العباد نہیں معاف ہوتے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ اس آدمی کے سامنے جا کے معافی مانگے کہ میں نے تیرا فلاں نقصان کیا ہے، تو معاف کر دے۔ اگر معاف نہ کرے تو رقم ادا کر دے۔ نماز رہی ہوئی ہے تو اس کو قضاء کرے اور روزے رہے ہوئے ہیں تو ان کو بھی قضاء کرے۔ باقی جو گناہ کر لئے ہیں، بد نظری، برائی کر لی ہے، اس کا بدلہ یہ ہے کہ توبہ کر لے۔ تنہائی میں روئے، معاف ہو جائیں گے۔ ہاتھ اٹھائے، وہ خالی نہیں جاتے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے بندے! جس وقت تو ہاتھ اٹھاتا ہے تیرے اتنے گناہ ہیں جن سے آسمان اور زمین کے درمیان جو پول (خلاء) ہے، یہ پول (خلاء) بھی بھر جائے اتنے گناہ ہیں، تو میں ان کو بھی معاف کر دیتا ہوں، مجھے شرم آتی ہے، ہاتھ (خالی) واپس کرتے ہوئے۔

وَ آخِرُهُ عِتْقُ مِنَ النَّارِ (آخری دھا کہ آگ سے آزادی ہے) جو گناہ گار ہوتے ہیں ان کو رمضان کی برکت سے معافی ہو جاتی ہے اور دوزخ سے رہائی ہو جاتی ہے۔ پھر وہ مستحق جنت ہو جاتے ہیں، جو کھاتا پیتا ہے اللہ تعالیٰ کی رحمت یہ ہے کہ دنیا کے جتنے کام ہیں سب کو عبادت میں داخل کرتا ہے۔ بلکہ ایک مسئلہ ہے کہ رات کو پیٹ بھر کے کھا لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک نہ کھانے میں شمار ہے۔ تو یہ ملائکہ اور اللہ تعالیٰ کے مشابہ ہو جاتا ہے۔ فرشتے اور اللہ کھانے پینے سے بری ہیں۔ اس لئے کہ رات کو یہ اس واسطے کھاتا ہے کہ دن کو نہیں کھاؤں گا۔ تو یہ کھانا نہ کھانے کے برابر ہے۔ جیسا کہ دیکھو آپ ۱۷ میں پہلا عمرہ کرنے کے لئے تشریف لے جاتے ہیں۔ آپ ڈیڑھ ہزار آدمی ہمراہ لے جاتے ہیں، آگے کفار کا لشکر ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم آپ کو آگے نہیں آنے دیتے۔ کفار نے کہا اپنے غرور میں، ہوتے ہوتے (قصہ لمبا ہے) پھر صلح ہو گئی۔ بہت گرا ہوا فیصلہ ہوا کہ آپ اس دفعہ مدینے واپس جائیں اور آئندہ سال بھی صرف تین دن کے لئے آئیں، اور فوراً واپس چلے جائیں۔ اور دوسری شرائط بھی لگائیں۔ صلح تام ہو گئی اور پھر آپ واپس ہو گئے۔ راستے میں آیت نازل ہوئی: اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا (بے شک ہم نے آپ کو فتح کھلی دی) حالانکہ فتح دو سال بعد میں ہوئی۔ مکہ ۸ھ میں فتح ہوا، مگر اللہ نے اس کا نام فتح رکھا ہے۔ اس واسطے کہ حضور ﷺ نے صلح اس واسطے کی تھی کہ اللہ تعالیٰ اس سے آگے فتح کرا دے گا۔ تو اسی طرح یہ کھانا نہ کھانے کی نیت سے ہوتا ہے۔ لہذا یہ بھی نہ کھانا ہوا۔ اس واسطے مشابہ ہو جاتا ہے (فرشتوں اور اللہ کے) تو بڑا ثواب ہے۔ اب سوال یہ ہوتا ہے کہ حدیث میں آتا ہے: وَ تَصْفَدُ فِيهِ مَرَدَّةُ الشَّيَاطِينِ. کہ اس میں سرکش شیاطین قید کر دیئے جاتے ہیں۔ جب شیاطین قید کر دیئے جاتے ہیں تو اس کے باوجود لوگ برائی، زنا، بدکاری، چوری کیوں کرتے ہیں؟ علماء نے جواب دیا ہے اور بڑا سچا جواب دیا ہے کہ لفظ ہے مَرَدَّةٌ، صرف شیاطین نہیں کہا۔ مَرَدَّةٌ کہتے ہیں سرکش شیاطین کو۔ تو وہ تو قید کر لئے جاتے ہیں۔ چھوٹے چھوٹے باقی رہ جاتے ہیں۔ وہ وسوسے ڈالتے ہیں اور بُرے خیالات ڈالتے ہیں۔ تو یہ گناہ ان کی وجہ سے ہوتے ہیں۔

شاہِ اہل حق صاحب فرماتے ہیں کہ گناہ دو وجہ سے ہوتے ہیں، ایک شیاطین کی وجہ سے۔ یہ لاحول سے بھاگ جاتا ہے، اذان سے بھاگتا ہے، اقامت سے بھاگتا ہے۔ شیطان بڑا دشمن ہونے کے ساتھ کمزور بھی بڑا ہے۔ دوسری چیز ہے نفس۔ یہ ہر وقت انسان کو رغبت دیتا ہے برائی کی۔ یہ نفس ہر وقت موجود رہتا ہے، لاحول وغیرہ سے بھاگتا نہیں۔ تو اس کی وجہ سے گناہ ہوتے ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ کی دین یہ ہے کہ دوزخ کے دروازے بند کر دیئے تاکہ لوگ نیکی کریں اور دوزخ سے بچیں۔ جب ہم روزہ کھولتے ہیں تو اس وقت اللہ تعالیٰ ساتھ لاکھ گناہ گاروں کو معاف کرتے ہیں روزہ داروں کے روزہ کھولنے کی خوشی میں۔ اور جمعہ کے دن اتنے گناہ گاروں کو بخشتے ہیں جتنے ہفتے میں سارے معاف ہوئے تھے۔ اور تیسویں دن اتنے لوگوں کو بخشتے ہیں جتنے ہر دن میں اور ہر جمعہ میں۔ جیسا کہ یہاں بھی نظام یہی ہے، دنیا میں بھی ہوتا

ہے، جب کوئی بادشاہ جاتا ہے تو بہت سے قیدیوں کو رہا کر دیتا ہے۔ اس آخری دن میں رضاء الہی نصیب ہوتی ہے۔ اور زِبْرُؤَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَکْبَرُ تین تقلیلی ہے۔ تھوڑی سی رضامندی بھی اللہ کی بہت بڑی چیز ہے۔ ہم تو کہتے ہیں کہ جوتیوں میں بھی جگہ مل جائے تو بہت بڑی دولت ہے۔ حدیث میں ہے کہ جس کو سب سے آخر میں معاف کر دیں گے وہ علماء و انبیاء کی سفارش سے معاف کریں گے۔ اللہ پوچھیں گے کہ اور تو کوئی نہیں رہتا۔ انبیاء و علماء کہیں گے کہ نہیں اور کوئی نہیں رہا۔ اللہ کہیں گے میری نظر میں اور بھی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ایک مٹھی بھریں گے۔ بندوں کی طرح مٹھی مت سمجھو اور ہزاروں گنہگاروں کو نکال دیں گے۔ (سب سے آخر میں جس کو جنت میں داخل فرمائیں گے اس سے کہا جائے گا) مانگ تو اپنے منہ سے جو مانگتا ہے۔ فرضیکہ اتنا مانگے گا جتنی دنیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ میں نے تجھے دس گنا زیادہ دے دیا۔ یہ احسان ہو گا سب سے چھوٹے درجے کے جنتی پر۔ اور جو بڑے جنتی ہیں ان کا تو کیا کہنا۔ ان کا تو پوچھنا ہی کیا! جب پل صراط سے گزریں گے تو پل صراط پر پولیس ہوگی۔ ایک پولیس نکٹ کلمہ کا دیکھے گی۔ اگر نکٹ ہوگا تو آگے گزرنے دیں گے، ورنہ وہیں کٹ کر گر جائے گا۔ دوسری پولیس نماز کا نکٹ دیکھے گی۔ اسی طرح سب چیزیں دیکھیں گے۔ کامل مومن ہوا کی طرح وہاں سے گزریں گے۔ تو ایک مومن کہے گا کہ پل صراط تو دیکھ لیں۔ یہ کیا ہے۔ وہ مومن پل صراط کو دیکھنے کے لئے کھڑا ہو جائے گا، تو دوزخ پکار اُٹھے گی، اس کی زبان ہوگی۔ جُزْیَا مُؤْمِنٍ فَإِنَّ نُورَکَ یُطْفِئُ نَارِیَ۔ اے مومن جلدی یہاں سے چلا جا، کھڑا نہ ہو، کیونکہ تیرا نور میری آگ کو بجھا رہا ہے۔ تو جلدی کر۔ دُعا کرو اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق عطا فرماوے۔

(ختم شد)

(۲) دنیا دارِ مجاہدہ اور آخرت دارِ مشاہدہ

(بمقام جامع مسجد خیر المدارس ملتان)

مرتبہ: مولانا قاری محمود احمد صاحب، مدرس جامعہ خیر المدارس ملتان

(خطبہ ماثورہ) اَمَّا بَعْدُ: فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ. بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ. وَالَّذِيْنَ جَاءَلُوْا فَيُنَا لَنَهْدِيْنَهُمْ سُبُلَنَا وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ. (اور جنہوں نے محنت کی ہمارے واسطے، ہم دکھائیں گے ان کو اپنے راستے اور بیشک اللہ ساتھ ہے نیکی والوں کے) جو اللہ کو راضی کرنے کے لئے مجاہدہ کرتے ہیں۔

ایک ہے مجاہدہ اور ایک ہے مشاہدہ۔ یہ سارا عالم دنیا مجاہدہ ہے۔ اس میں اس لئے انسان پیدا کیا گیا کہ بے کار زندگی نہ گزارے، مجاہدہ کرتا رہے۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں: اَشَدُّ النَّاسِ بَلَاءَ الْاَنْبِيَاءِ ثُمَّ الْاَمْثَلُ فَاَلَمْثَلُ. سب سے زیادہ لوگوں میں سے آزمائش کے لحاظ سے انبیاء علیہم السلام ہیں۔ پھر جو ان جیسے ہوں، پھر جو ان جیسے ہوں۔ (انبیاء کو خلوت

میں جلوت میں اتنی مشقت کرنی پڑتی ہے کہ اتنی کسی کو نہیں کرنی پڑتی۔ اسی واسطے نبی کو جو تکلیف ہوتی ہے وہ سب سے زیادہ ہوتی ہے، حتیٰ کہ بخار ہو تو وہ بھی سب سے زیادہ ہوتا ہے۔ لوگ بہت محنت کرتے ہیں، مگر وہ اللہ کو راضی کرنے کے لئے نہیں محنت کرتے۔ تو یہ عالم ہے عالم مجاہدہ۔ اس کے بعد ہوگا مشاہدہ۔ یہ قیامت میں ہوگا۔ یعنی جو اس دنیا میں کمایا ہے اس کا دنیا ہی پھل دیکھے گا۔ اس کی مثال کھیتی کی ہے۔ یہاں جو بوئے گا آخرت میں وہی کاٹے گا۔ حدیث میں ہے: **الْذُّنْيَا مَرْزُوعَةُ الْآخِرَةِ**۔ (دنیا آخرت کی کھیتی کی جگہ ہے) تو دنیا جو ہے دارِ مجاہدہ ہے، اور آخرت دارِ مشاہدہ ہے۔

شریعت پر چلنے کا نام مجاہدہ ہے:

حضور اکرم ﷺ فرماتے ہیں: **الْمُجَاهِدُ مَنْ جَاهَدَ نَفْسَهُ** (بڑا مجاہد وہ ہے جو اپنے نفس سے جہاد کرے) اسی واسطے سب بزرگوں نے محنت کی، صرف اس واسطے کہ اللہ راضی ہو جائے۔ اس میں نفس کو ضبط کرنا ہوتا ہے۔ ہر جگہ شریعت کو دیکھے کہ شریعت کیا چاہتی ہے۔ اس وقت شریعت پر چلنا مجاہدہ ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ ایک کافر کے قتل کے واسطے اس کے سینے پر چڑھ کر بیٹھ گئے۔ اس نے منہ پر تھوک دیا۔ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے چھوڑ دیا۔ لوگوں نے وجہ پوچھی کہ تھوک دینے کے بعد اس مقابلہ میں میرے نفس کی آمیزش ہو گئی تھی، خالص رضائے ہی تھی۔

حضرت ابوالحسن نوری رحمۃ اللہ علیہ ایک بزرگ ہیں۔ انہوں نے دیکھا کہ دس مٹکے شراب کے بادشاہ کے واسطے آئے ہیں۔ تو نو مٹکے توڑ دیئے، ایک چھوڑ دیا۔ دسواں اس واسطے نہ توڑا کہ اس میں نفس کی آمیزش ہو گئی تھی۔ دسویں پر خیال آ گیا تھا کہ لوگ کہیں گے کہ اس نے دسوں کے دس مٹکے توڑ دیئے۔

اور حضرت باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ کو کئی دن سے فاقہ تھا۔ ایک شخص کھانا لایا تو دور سے حضرت کی نظر اس کھانے پر پڑی۔ دل میں خیال آیا کہ یہ میرے واسطے لا رہا ہے۔ جب وہ کھانا پاس لے آیا تو قبول نہ فرمایا۔ کہا کہ اشرف نظر ہو گیا تھا۔ وہ شخص بڑا سمجھ دار تھا۔ اس وقت تو کھانا لے گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد دوسری جانب سے (پیچھے سے) آ کر سامنے رکھ دیا۔ کہا کہ اب تو اشرف نظر نہیں ہے۔ تو حضرت نے قبول فرمایا۔ تو ان حضرات نے مجاہدہ کیا۔ ہر ہر قدم پر شریعت کو دیکھا۔ اگر آدمی ہر کام اللہ کی رضا کے لئے کرے تو ہر کام عبادت ہے۔ حتیٰ کہ پاخانہ کرنا بھی عبادت ہو جاتا ہے۔ جب اللہ کے دربار میں حاضری ہوگی تو اس وقت متر ہزار مسلمان جنت میں بغیر حساب و کتاب کے جائیں گے، اور ستر ہزار کافر روزخ میں بغیر حساب کتاب کے جائیں گے۔ بعض مسلمان گناہ گار ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ ان سے پوچھیں گے کہ تم نے یہ گناہ کئے تھے، اقرار کریں گے۔ اللہ ان سے خوش ہوگا اور معاف کر دے گا۔ اور بعض انکار کریں گے۔ تو اس وقت **الْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلَىٰ أَفْوَاهِهِمْ وَتُكَلِّمُنَا أَيْدِيهِمْ وَتَشْهَدُ أَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ**۔ (آج ہم ان کے مونہوں پر مہر لگا دیں گے اور ان کے ہاتھ ہم سے کلام کریں گے اور ان کے پاؤں شہادت دیں گے جو کچھ یہ لوگ کیا کرتے تھے)۔

لوگ دس صورتوں میں محسور ہوں گے:

پھر حضور ﷺ تشریف لائیں گے۔ وہ عرض کریں گے: وَقَالَ الرَّسُولُ يَرْبِّ إِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوا هَذَا الْقُرْآنَ مَهْجُورًا. (اور رسول کہیں گے کہ اے میرے پروردگار! میری قوم نے اس قرآن کو بالکل نظر انداز کر رکھا تھا) اس آیت کے نیچے تفسیر نقاشی میں ہے کہ اس وقت انسان دس حالتوں پر ہوں گے۔ اور ہر ایک اس حالت پر چلے گا جو اس کی حالت دنیا میں تھی۔ ایک آیت آئی ہے: يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّورِ فَتَأْتُونَ أَقْوَابًا. (جس دن پھونکا جائے گا صور، پس پھر آؤ گے تم گروہ گروہ ہو کر.) حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ لوگ کیسے فوج فوج آئیں گے؟ تو حضور ﷺ کے آنسو آ گئے اور فرمایا کہ لوگ دس صورتوں پر آئیں گے: (۱) نماز بندر کی شکل میں۔ نمبر اور غیبت میں فرق ہے۔ غیبت یہ ہے کہ یوں کہے: فلاں یوں کرتا ہے، فلاں یوں کرتا ہے۔ اس کی قرآن میں بڑی مذمت آئی ہے۔ اَيُّحِبُّ أَخَذَكُمْ أَنْ يَأْكُلَ لَحْمَ أَخِيهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوهُ. (کیا تم میں سے کوئی اس بات کو پسند کرتا ہے کہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھائے، اس کو تو تم برا سمجھتے ہو۔) (تو سمجھ لو کہ کسی بھائی کی غیبت بھی اسی کے مشابہ ہے) جس کی غیبت کی ہے یا تو دنیا میں اس سے معافی لے لیوے یا آخرت میں اس کی نیکیاں اس کو دی جائیں گی۔ سب نیکیاں قرق ہو جاویں گی۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا کہ آپ کو کبھی غیبت کرتے نہیں دیکھا۔ امام صاحب نے فرمایا کہ غیبت کرنی ہوتی تو اپنی ماں کی غیبت کرتا، تا کہ میری نیکیاں ملتیں تو ماں کو تو ملتیں۔

شنیدم کہ در روز امید و بیم : بدایا را بہ نیکان بہ بخشد کریم

(میں نے سنا ہے کہ قیامت میں اللہ تعالیٰ بڑوں کو نیکوں کے طفیل بخشیں گے۔)

اور نمبر اس کو کہتے ہیں کہ اس کی چغلی اُس کے پاس اور اُس کی چغلی اس کے پاس کرنا۔ یہ تمام قیامت کے دن بندر کی شکل میں ہوگا۔ (۲) بعض سوروں کی شکل میں ہوں گے۔ یہ حرام کھانے والے ہوں گے۔ (۳) بعض کے پیٹ میں تنور ہوگا۔ اس میں آگ بھری جائے گی، یہ سود خوار ہوگا۔ (۴) عجب کرنے والا گونگا بہرہ ہوگا۔ یہ صاحب عجب اللہ کا فضل کہیں نہیں سمجھتا، ہر جگہ اپنی خوبی سمجھتا ہے۔ (۵) عالم بے عمل کی زبان منہ سے نکل کر پیٹ تک جائے گی۔ اور پیٹ سے اُٹھ کے سر سے اوپر تک جائے گی۔ اور اس سے بڑی بد بو آئے گی۔ سب نفرت کریں گے۔ (۶) جو حکام بالا کے پاس جا کے محلے والوں کی شکایتیں کرتے ہیں ان کو سولی دی جائے گی۔ (۷) شہوت پرستوں کا بدن بد بودار ہوگا۔ (۸) متکبر کو آگ کا لباس پہنایا جائے گا۔ (۹) ظالم کو اندھا کر کے اٹھایا جائے گا۔ (۱۰) ہمایوں کو جو تکلیف دینے والے ہیں ان کے ہاتھ پاؤں کٹے ہوئے ہوں گے۔

پہل صراط پر سات پولیسیں ہوں گی:

پھر پہل صراط سے گزرتا ہوگا۔ **وَإِنْ مِّنْكُمْ إِلَّا وَارِدُهَا كَانَ عَلَىٰ رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا** (اور تم میں سے کوئی بھی نہیں جس کا اس پر گزرنہ ہو۔ یہ آپ کے رب کے اعتبار سے لازم ہے جو پورا ہو کر رہے گا) مگر گزرتا بھی ایسے ہوگا جیسے اس دنیا میں پولیس ہوتی ہے، وہ پرمٹ دیکھتی ہے گزرنے کے وقت۔ تفسیر خازن میں لکھا ہے کہ سات پولیسیں ہوں گی۔ ایک پولیس کلہ پوچھے گی، دوسری نماز کو، تیسری زکوٰۃ کو، چوتھی روزہ کو، پانچویں حج کو، حج بھی ضروری ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا یہودی ہو کر مرے یا نصرانی ہو کر مرے، مجھے اس کی کوئی پروا نہیں (یعنی جس نے حج نہ کیا) چھٹی پولیس عمرہ کو پوچھے گی، ساتویں حقوق العباد کو پوچھے گی۔ اس سے گزر کر بعض جنت میں جائیں گے اور بعض دوزخ میں۔ جنت اور دوزخ کے درجات ہوں گے۔ جنت کے آٹھ درجات اور دوزخ کے سات۔ اس میں حکمت کیا ہے؟ انسان کے سات جوڑ ہیں۔ یہ جنت میں بھی لے جائیں گے اور جہنم میں بھی۔ اس واسطے ان کے سات درجات ہوں گے اور ایک درجہ جنت کا زاد اللہ کے فضل سے ہوگا۔ اب اللہ چاہتا ہے کہ نیکی کرو، نعمتیں سب تیار ہیں، نیکی کی ضرورت ہے۔ ایک عہدی تھا، سویا ہوا تھا، ایک بیر اُس کے منہ کے پاس پڑا ہوا تھا، اٹھا کے منہ میں نہیں ڈالا، پڑا رہا، کچھ دیر کے بعد ایک سوار گھوڑے کو تیز دوڑاتے ہوئے آ رہا تھا۔ جب اس کے پاس سے گزرا تو اس نے اس کو آواز دی۔ اس نے سوچا کہ پتہ نہیں کیا بات ہے۔ چلو اس کی بات سن لو۔ جب اس کے پاس گیا تو کہا کہ یہ بیر اٹھا کے میرے منہ میں ڈال دو۔ اس نے اس کے چوڑے پر ہنر مارا اور چلا گیا۔

خلاصہ..... مجاہدہ کا نفع:

اس کے بعد ہے: **لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا**۔ ہم ان کو راستہ بتلا دیتے ہیں۔ اسی واسطے بزرگوں کو دل میں جنت نظر آتی ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کہتے تھے: **الْجَنَّةُ تَحْتَ ظِلَالِ الشُّيُوفِ**۔ (جنت کمواروں کے سائے کے نیچے ہے۔) **وَإِنَّ اللَّهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِينَ** (اور بے شک اللہ نیکی کرنے والوں کے ساتھ ہے) یہ جواب ہے سوال مقدر کا۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اللہ وراء الوراء ہے اور بندہ بہت پست۔ اللہ کے لئے بلندی بے انتہاء اور بندہ کے لئے پستی بے انتہاء، تو اس کا کیسے تعلق ہو سکتا ہے اللہ کے ساتھ۔ تو جواب دیا: **وَإِنَّ اللَّهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِينَ** (بے شک اللہ ساتھ ہے نیکی والوں کے) اس کی مثال یوں سمجھو جیسے ایک دفعہ ایک بادشاہ فوت ہو گیا۔ اس کی بادشاہی اس کے لڑکے کو ملنی تھی، مگر اس لڑکے کے چچا نے کہا ہم لڑکے کے جھگڑا ہوا، لوگوں نے کہا عالمگیر بادشاہ کے پاس فیصلہ لے چلو۔ عالمگیر اس وقت حوض پر بیٹھے تھے۔ یہ جو آئے تو لڑکے ہاتھوں سے پکڑ کر حوض میں لٹکا دیا۔ لڑکا ہنسنے لگا۔ بادشاہ کو بڑا تعجب ہوا کہ لڑکا ہنستا کیوں ہے۔ اس وقت تو اس کو فکر ہونا چاہئے تھا اور رونا چاہئے تھا۔ اس سے وجہ پوچھی تو اس نے کہا میں ہنستا اس واسطے تھا کہ میرا ہاتھ تو بادشاہ کے ہاتھ میں ہے، جو کہم ہے، اور کریم لوگ جو ہوتے ہیں کوئی ڈوبتا بھی ہوتا پچا لیتے ہیں۔ عالمگیر بادشاہ بڑا خوش ہوا، اور فیصلہ اس کے حق میں کر دیا۔

اسی طرح اللہ کی مدد ہاتھ پکڑتی ہے بندوں کا۔ اللہ تعالیٰ توفیق دے دیتے ہیں۔ معراج کے موقع پر حضور ﷺ ساتوں آسمانوں کا معراج کر کے آئے تو ابھی آپ ﷺ کے حجرے کا کنڈا ابل رہا تھا۔ یہ کیا نہیں، کرایا گیا۔ اب دعا کرو اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق دے، آمین بحرمۃ سید المرسلین ﷺ وعلی آلہ وصحبہ اجمعین۔

(۳) اللہ تعالیٰ سے تعلق قائم کرنے کا طریقہ

جامع وعظ: جناب صوفی محمد اقبال قریشی صاحب مدظلہ

اکبر الہ آبادی نے خوب فرمایا ہے:

تعلیم مذہبی کا خلاصہ یہی تو ہے سب مل گیا اسے جسے اللہ مل گیا

تعلق مع اللہ پر استاذ العلماء رأس الاقیاء عارف باللہ حضرت مولانا خیر محمد صاحب جالندھری قدس سرہ العزیز بانی و مہتمم خیر المدارس ملتان نے مدرسہ اشرف المدارس ہارون آباد کے سالانہ جلسہ پر ۸ صفر ۱۳۸۷ھ (۱۹ ستمبر ۱۹۶۷ء) شب شنبہ کو بیان فرمایا۔

حضرت والا نے بعد خطبہ مسنونہ یہ آیت تلاوت فرمائی: قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ. وَاللّٰهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ. اور فرمایا کہ اس آیت میں تعلق باللہ قائم کرنے کا طریقہ بتلایا گیا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ سے بندہ کا صحیح تعلق قائم ہو جاتا ہے تو بندہ جو کچھ زبان سے کہتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو پورا فرما دیتے ہیں۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ خود اس کی حفاظت کرتے ہیں۔ ابن الفارض نقشبندی خاندان کے ایک بہت بڑے بزرگ گزرے ہیں۔ جب ان کی موت کا وقت قریب آیا تو آپ کے سامنے جنت کے آٹھوں دروازے کھول دیئے گئے۔ آپ نے ان کو دیکھ کر فوراً منہ پھیر لیا۔ چونکہ آپ شاعر تھے، اس لئے فوراً یہ شعر پڑھا:

اِنْ كَانَ مِنْزَلَتِي فِي الْحَبِّ عِنْدَكُمُ : مَا قَدْ رَأَيْتُ لَقَدْ ضَيَعْتُ اِيَّامِي

یعنی تمہارے پاس محبت کا اجر یہ ہے تو میں نے اپنی عمر ضائع کر دی۔ چنانچہ حق تعالیٰ نے تجلی فرمائی اور آپ کی روح پرواز کر گئی۔ جب اللہ تعالیٰ سے تعلق پیدا ہو جاتا ہے تو خود بخود غیر اللہ سے نفرت پیدا ہو جاتی ہے۔ جیسا کہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی مثال ہے کہ شاہ چین نے آپ کو شیشہ دیا تو آپ نے اپنے گھر میں رکھوا دیا۔ جب آپ گھر میں داخل ہوتے تو خود بخود شیشہ کی طرف نظر پڑ جاتی۔ حالانکہ آپ کو شیشہ دیکھنے کا شوق نہ تھا۔ لیکن بجائے توجہ مع اللہ کے شیشہ کی طرف نظر پڑنے سے اپنی شکل و صورت نظر آتی۔ اتفاق سے وہ شیشہ آپ کے نوکر سے ٹوٹ گیا۔ نوکر بہت گھبرایا کہ آپ سخت ناراض ہوں گے۔ جب آپ تشریف لائے تو اس نے ڈرتے ہوئے کہا:

ع از قضا آئینہ چینی شکست

آپ بہت خوش ہوئے، کیونکہ اتنی دیر اللہ کی طرف سے دھیان ہوتا تھا، جس کا اللہ تعالیٰ نے خود انتظام کر دیا۔ آپ نے درجہ
مصرع فرمایا: ع خوب شد اسباب خود بینی نکست

مقصودا عظم تعلق مع اللہ ہے:

پس تعلق مع اللہ بہت بڑی دولت ہے۔ مقصودا عظم تعلق مع اللہ ہے۔ جب بندہ کا اللہ تعالیٰ سے تعلق پیدا ہو جاتا ہے تو اس کو فکر آخرت پیدا ہو جاتی ہے۔ اللہ کے سوا اسے کسی کا اندیشہ نہیں ہوتا۔ اسے مال یا جان کی حفاظت کی پروا نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ سے تعلق پیدا کرنے کے لئے انبیاء کرام تشریف لائے۔ انبیاء علیہم السلام کا سلسلہ حضرت آدم علیہ السلام سے شروع ہو کر حضور ﷺ پر ختم ہوا، تاکہ تعلق مع اللہ کا سلسلہ قائم رہے۔ تعلق مع اللہ سنت رسول اللہ ﷺ کی اتباع کا نام ہے۔
عالم کی چار قسمیں:

عالم چار ہیں: عالم ارواح، عالم ازل، عالم دنیا، عالم برزخ۔ سب سے پہلے رو میں عالم ارواح میں تھیں اور سب رو میں اللہ تعالیٰ کو دیکھتی تھیں، مگر ان کا دیکھنا غیر اختیاری تھا۔ جیسے تصویر لنگی ہو تو پانی میں خود نظر آتی ہے۔ اسی طرح روح کا دیدار تھا۔ قرآن شریف میں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے پوچھا کہ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ تو جواب دیا گیا: قَالُوا بَلٰی۔ یعنی کیوں نہیں، تو ہمارا رب ہے۔ یہاں سب کا جواب ایک ساتھ نہ تھا۔ جیسا کہ مفسرین نے نقل فرمایا ہے۔ یہود و نصاریٰ کی روحوں نے اس کا جواب نہیں دیا۔ جب سوال کیا گیا تو سب کی رو میں موجود تھیں۔ سب سے پہلے حضور ﷺ کی روح مبارک نے جواب دیا۔ اگر حضور ﷺ کی روح مبارک جواب نہ دیتی تو کوئی بھی جواب نہ دیتا۔ آپ ﷺ کے جواب کے بعد انبیاء علیہم السلام کی روحوں نے جواب دیا۔ اس کے درجہ بدرجہ قطب، اولیاء کی روحوں نے جواب دیا۔ گویا عالم روحانی میں آپ کو استاد بنایا گیا۔ اور آپ کی روح سب کے لئے باعث تقلید بنی۔ اور آپ کے تشریف لانے سے پہلے انبیاء علیہم السلام کو بھیجا گیا۔ جیسے بادشاہ کے آنے کی تاریخ مقرر ہوتی ہے تو چھوٹے چھوٹے اہل کاروں کا انتظام ہوتا ہے، شامیانہ لگایا جاتا ہے، فرش بچھایا جاتا ہے اور شامیانے کو افسردیکھنے کے لئے آتے ہیں کہ بادشاہ کے لائق بھی ہے۔ تو آپ کے لئے آسمان کا شامیانہ لگایا گیا، زمین کا فرش بچھایا گیا، سورج اور چاند کی لالٹینیں لگائی گئیں۔ اور سب انبیاء علیہم السلام شامیانے کو دیکھنے کے لئے آئے اور شامیانہ بدستور رہا۔ اور جب تک ایک آدمی بھی کلمہ تو حید پر ایمان لاتا ہے اور عمل صالح کرتا ہے، شامیانہ بھی اسی وقت تک رہے گا۔ جب یہ سلسلہ ختم ہو گیا تو سورج اور چاند بے نور ہو جائیں گے۔ شامیانہ بھی نہ رہے گا اور قیامت آ جائے گی، دنیا ختم ہو جائے گی۔ کیونکہ اس وقت شامیانے کی ضرورت بھی نہ رہے گی۔ اللہ تعالیٰ نے صرف حضور ﷺ کی حیات کی قسم کھائی ہے۔ اور کسی کی عمر کی قسم نہیں کھائی۔ چنانچہ سورۃ الحجر آیت نمبر ۷۲ میں ہے:
لَعَمْرُكَ إِنَّهُمْ لَفِي سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُونَ

میں حضور ﷺ کے معجزات کو بیان نہیں کرتا۔ اور حضور ﷺ کے اتنے معجزات ہیں کہ ان کا بیان ہو ہی نہیں سکتا۔

ان میں سے ایک معجزہ معراج شریف ہے۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے رکاب تھامی، براق پر سواری کی، زمین سے گزرے، براق زمین اور آسمان کے درمیان چلتا تھا۔ جہاں تک نظر جاتی تھی اس کا ایک قدم ہوتا تھا، خوشبو آنے لگی۔ آپ نے حضرت جبرائیل علیہ السلام سے پوچھا کیا یہ جنت کی خوشبو ہے؟ جبرائیل علیہ السلام نے جواب دیا یہاں سے جنت بہت دور ہے۔ فرعون کی ایک ملازمہ تھی، وہ کنگھی کر رہی تھی، ایک دن کنگھی اس کے ہاتھ سے گر گئی تو اس کے منہ سے کلمہ توحید نکل گیا۔ جب اللہ والے کی زبان سے بات نکلتی ہے، پھر نہیں چھتی۔ بلکہ پہلے سے زیادہ نکلتی ہے۔ کسی نے جا کر فرعون سے کہہ دیا۔ فرعون نے پولیس بھیجی۔ اس پر لڑکی نے کہا میں اس خدا کو مانتی ہوں جس نے مجھے پیدا کیا۔ اس پر فرعون نے اس کے ہاتھ پاؤں کٹوا دیئے۔ اس کے دو بیٹے تھے۔ ایک شیر خوار، دوسرا تین چار سال کا۔ فرعون نے بیٹے کو ذبح کرنے کی دھمکی دی، ماں برابر ڈٹی رہی۔ اس پر فرعون نے بڑے بیٹے کو ذبح کر دیا۔ اور چھوٹے بیٹے کو ماں کے سینے پر رکھ دیا۔ ماں گھبرائی، اس پر اللہ تعالیٰ نے شیر خوار بچے کو زبان دی کہ میرا بھائی جنت میں میرا اور آپ کا انتظار کر رہا ہے۔ ظالم نے ماں اور بیٹے کو ذبح کر دیا۔ آج اس کی قبر سے خوشبو آ رہی ہے جو ساتویں آسمان تک پہنچی ہے۔ ساتویں آسمان پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ملاقات ہوئی۔ اس کے اوپر سدرة المنتہی ہے۔ آپ نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو دیکھا کہ ساتھ نہیں ہیں۔ کیونکہ یہاں اللہ تعالیٰ کی ذات کی تجلیات پڑتی ہیں۔

معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ہی کے سینہ میں وہ طاقت رکھی ہے جو آگے جاسکے۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام فرشتوں میں سب سے افضل ہیں۔ اور یہاں آپ کی فضیلت حضرت جبرائیل علیہ السلام سے بڑھ کر ثابت ہوئی۔ آپ نے جنت اور دوزخ کو دیکھا۔ جب ایک آدی بادشاہ یا اپنے پیر کے پاس جاتا ہے تو سوغات لے کر جاتا ہے۔ آپ یہ سوغات لے کر گئے۔ التَّحِيَّاتُ یعنی قوی عبادت۔ زبان سے اللہ تعالیٰ کی ہی عبادت ہوگی۔ اور زبان سے ہر جملہ اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق ہی نکلے گا۔ وَالصَّلٰوٰتُ سر سے پیر تک کی عبادت اللہ کے لئے ہوگی۔ اپنے نفس کے لئے کچھ نہیں ہوگا۔ قبروں پر بعد نہ ہوگا، بلکہ اللہ تعالیٰ کے لئے ہوگا۔

موحد چہ بر پائے ریزی زرش چہ شمشیر ہندی نہی بر سرش
امید و ہراسش نباشد زکس ہمیں است بنیاد توحید و بس

وَالطَّيِّبَاتُ. پاک مال کی کمائی پیش کی۔ کسی کی چوری کی کمائی نہ ہوگی۔ خرچ میں رضائے الہی ہوگی۔ مدارس اسلامیہ کی امداد ہوگی اور دیگر نیک کاموں میں صرف ہوگی۔ اللہ تعالیٰ نے بھی آپ کے لئے اور آپ کی امت کے لئے تحفہ دیا۔ آپ واپس آئے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے واپس کیا، پانچ نمازیں کم ہوئیں۔ اسی طرح

نور تہ آپ واپس ہوئے۔ بعض احادیث میں جو دس یا بیس کا ذکر آتا ہے وہ دو یا چار کو جمع کر لیا ہے۔ جب پانچ باقی رہ گئیں تو موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ میری امت پر تین نمازیں فرض تھیں۔ انہوں نے وہ نہ پڑھیں۔ آپ نے فرمایا کہ اب تو مجھے شرم آتی ہے، کیونکہ آپ کو اللہ تعالیٰ کی عادت معلوم ہو گئی۔ اگر پانچ بھی معاف ہو جائیں تو امت کے لئے کیا سوغات یا تحفے لے جاتے۔ یہ اللہ کا تحفہ ہے۔ جس طرح آج کل لوگ اپنے دوست کو شادی میں تحفہ بھیجتے ہیں، اگر کوئی تحفہ واپس کر دے تو اللہ تعالیٰ کو کتنا غصہ آئے گا۔ آج کل لوگ بہت کم نمازیں پڑھتے ہیں۔ حضور ﷺ کی امت کے لئے نماز تجویز خداوندی ہے۔ باقی انبیاء علیہم السلام کی نمازیں اپنی تجویز تھیں، اللہ تعالیٰ نے قبول فرمائیں۔ بندہ کی تجویز اور خدا کی تجویز میں فرق ہوتا ہے۔ خدا تعالیٰ نے حضور ﷺ کو آسمان پر بلا کر نماز تجویز فرمائی۔ حضرت آدم علیہ السلام نے گندم کا دانہ کھالیا تھا۔ جب ان کی توبہ قبول ہوئی تو صبح صادق کا وقت تھا۔ انہوں نے اس وقت نماز پڑھی تو ان پر فجر کی نماز فرض ہوئی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کرنے کے لئے منیٰ میں تشریف لے گئے۔ جب آپ کی قربانی ہوئی تو زوال کا وقت تھا۔ آپ نے شکر یہ میں چار رکعت نماز پڑھی۔ اس طرح ان پر ظہر کی نماز فرض ہوئی۔ حضرت عزیر علیہ السلام ایک سو سال کے بعد جب اٹھے تو دن ڈھل چکا تھا۔ آپ نے چار رکعت نماز پڑھی۔ اس لئے ان پر عصر کی نماز فرض ہوئی۔ جب داؤد علیہ السلام کا امتحان ہوا تو سورج غروب ہو چکا تھا۔ آپ نے چار رکعت کی نیت باندھی، لیکن بھول کر تین رکعت نماز پڑھی۔ اللہ تعالیٰ نے قبول فرمائی۔ اور ان کی امت پر مغرب کی نماز فرض ہوئی۔ عشاء کی نماز خاص حضور ﷺ اور آپ کی امت پر فرض ہوئی۔ یہ اللہ تعالیٰ کا خاص احسان ہے۔ سب سے افضل انبیاء علیہم السلام ہیں۔ اور سب فرشتوں سے افضل جبرائیل علیہ السلام ہیں۔ ہمارے حضور ﷺ ان سب سے افضل ہیں۔ مرنے اور قیامت کے درمیان عالم برزخ ہے۔ ہمارا مسلک ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔ جو حضور ﷺ کے روضہ پر جائے، آپ پر درود اور سلام بھیجے، آپ سنتے ہیں۔ آپ کے وسیلہ سے اللہ تعالیٰ سے دُعا مانگئے۔ ہم چشتی ہیں، ہم وسیلہ کے قائل ہیں، سب وسیلہ کے قائل ہیں۔ مناجات مقبول میں جو شجرہ ہے اس کے ہر شعر پر وسیلہ کے ذریعہ دعاء مانگی گئی ہے۔ ہمارے حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دارالعلوم کراچی نے وسیلہ پر ایک مستقل رسالہ لکھا ہے۔ غیر مقلد کے سوا سب وسیلہ کے قائل ہیں۔ معتزلہ وسیلہ کے قائل نہیں۔ وہ اہل سنت والجماعت سے خارج ہیں۔ حضرت تھانویؒ نے وسیلہ پر ایک رسالہ لکھا ہے۔ وسیلہ کے متعلق ایک رسالہ میں نے بھی لکھا ہے، جو خیر المدارس میں موجود ہے۔ قیامت کے دن شفاعت کبریٰ بھی آپ کے لئے خاص ہے۔ آپ کے وسیلہ سے ہی سب کی نجات ہوگی۔ انبیاء علیہم السلام گناہوں سے معصوم ہیں، لیکن وہ عذر کر دیں گے، کیونکہ انہیں بتلایا نہیں گیا۔ حضور ﷺ کو لِيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ خبر دی گئی، تاکہ آپ بھی کہیں کمال بندگی سے عذر نہ کر دیں۔

تعلق مع اللہ اتباع سنت کے طفیل حاصل ہوگا:

بخاری شریف میں ہے کہ میں سجدہ کروں گا اور اللہ تعالیٰ مجھے ایسی دعائیں سکھائیں گے جو کسی کو نہ سکھائی ہوں گی۔ ارشاد ہوگا، اٹھ مانگ! کیا مانگتا ہے؟ علامہ قسطلانیؒ نے لکھا ہے کہ وہ مٹی جو روضہ کے اندر حضور ﷺ کو دیکھتی ہے وہ عرش سے افضل ہے۔ پس جو حضور ﷺ کی اتباع کرے گا اس کا اللہ سے قائم ہوگا، مگر فرق وہی ہوگا جو سرونٹ (Servant) اور آقا میں ہوتا ہے۔ قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ.

جو شخص حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اتباع کرے گا وہ اللہ تعالیٰ کو محبوب ہوگا۔ خواہ اپنے آپ کو زبان سے محبوب کہے یا نہ کہے۔ اکثر اہل اللہ زبان سے اپنے آپ کو محبوب نہیں کہتے۔ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ. اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اتباع کی برکت سے گناہ معاف کر دیں گے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہیں۔

اس کے بعد حضرت مولانا نے دعاء فرمائی کہ اللہ تعالیٰ بدعات سے بچائیں اور اتباع سنت کی توفیق بخشیں اور اپنی رضا و قرب نصیب فرمائیں، آمین۔

(تم الباب)

باب دوازدهم (۱۲)

اسفار

اسفار بزمانہ قیام مشرقی پنجاب:

”نقش حیات“ میں حضرت والا نے اپنے سفروں کا تذکرہ اس طرح فرمایا ہے: ”مشرقی پنجاب کے قیام کے زمانہ میں بے شمار سفروں کی نوبت آئی۔ بعض سفر جلسوں کی شرکت کے لئے اور بعض مناظروں میں شمولیت کے لئے ہوئے۔ اور بعض دوستوں اور بزرگوں کی ملاقات کے لئے۔ ان میں سے اہم جگہوں کے ذیل میں نام درج کئے جاتے ہیں:

- (۱) چک نمبر ۷۰ اڈگری ضلع تھر پارک سندھ، (۲) بہاولپور، (۳) سرسہ ضلع حصار، (۴) زیرہ ضلع فیروزپور، (۵) فیروزپور، (۶) مالیر کوئلہ ریاست، (۷) لودیانہ، (۸) امرتسر، (۹) لاہور، (۱۰) راولپنڈی، (۱۱) گہرکی ضلع فیروزپور، (۱۲) حافظ آباد، (۱۳) قلعہ دیدار سنگھ، (۱۴) گوجرانوالہ، (۱۵) تاندلیانوالہ ضلع لائل پور، (۱۶) جھنگ شہر، (۱۷) دہلی، (۱۸) بیرو ضلع اعظم گڑھ، (۱۹) دیوبند، (۲۰) سہارن پور، (۲۱) تھانہ بھون، (۲۲) کاندھلہ ضلع مظفرنگر، (۲۳) الموڑہ، (۲۴) رانی کھیت، (۲۵) شملہ، (۲۶) بسبھی، (۲۷) کلکتہ، (۲۸) رنگون، (۲۹) چندوسی ضلع مراد آباد، (۳۰) گلاؤنٹی، (۳۱) میرٹھ، (۳۲) ہوشیار پور، (۳۳) بھیرہ ضلع سرگودھا وغیرہ۔“

اسفار بعد ہجرت پاکستان:

ان اسفار کا اس طرح ذکر فرمایا ہے: ”پاکستان آنے کے بعد بھی سفروں کا سلسلہ چلتا رہا، چنانچہ اہم مقامات حسب

ذیل ہیں:

- (۱) احمد پور شرقیہ، (۲) وہاڑی، (۳) چیچہ وطنی، (۴) لائل پور، (۵) مگھیانہ جھنگ، (۶) بورے والا، (۷) مورو، سندھ، (۸) حیدرآباد سندھ، (۹) ٹنڈو آدم، (۱۰) ٹنڈوالہ یار ضلع حیدرآباد، (۱۱) فقیروالی، (۱۲) ڈیرہ اسماعیل خان، (۱۳) شرقپور ضلع شیخوپورہ، (۱۴) کمالیہ، (۱۵) کراچی، (۱۶) خیرپور میرس، (۱۷) تاندلیانوالہ، (۱۸) خیرپور میروال، (۱۹) میاں چنوں، (۲۰) راولپنڈی، (۲۱) بالاکوٹ (تین مرتبہ)، (۲۲) حسن ابدال، (۲۳) ایبٹ آباد، (۲۴) جہلم، (۲۵) دینہ ضلع جہلم، (۲۶) بھیرہ، (۲۷) گوجرانوالہ، (۲۸) بہاولنگر، (۲۹) بہاولپور، (۳۰) رحیم یار خان، (۳۱) چشتیان، (۳۲) لاہور، (۳۳) منٹگمری، (۳۴) پاک پتن، (۳۵) مظفرگڑھ، (۳۶) منڈی یزمان، (۳۷) خان گڑھ، (۳۸) علی پور، (۳۹) لیہ، (۴۰) کوٹ ادو، (۴۱) اوکاڑہ، (۴۲) ٹوبہ ٹیک سنگھ وغیرہ وغیرہ۔“

جیسا کہ ابھی گزرا، حضرت والا کے اسفار کی فہرست کافی طویل ہے۔ یہ اسفار اکثر و بیشتر دینی مقاصد کے لئے ہوتے تھے۔ مثلاً طلب علم، تدریس، مناظرہ، وعظ، اعزہ و اجباء اور اکابر دین کی زیارت، تحصیل سلوک کے لئے اپنے شیخ حضرت حکیم الامتؒ کی خدمت میں حاضری، دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ میں شرکت، دینی مدارس کی دیکھ بھال اور مشورے دینا۔ وحدت یا اتحاد جمعیت علماء اسلام کی کوششیں اور دستور اسلامی کے سلسلہ میں مساعی وغیرہ۔ ان میں سے اکثر کا تذکرہ ان مقاصد کے متعلقہ ابواب میں آیا ہے۔ اس باب میں اسفار میں ان متعلقہ ابواب کے علاوہ بعض مستقل اسفار کا ذکر آ گیا ہے۔ ان میں سے دو سفروں کا تذکرہ حضرت والا ہی کے الفاظ میں ملاحظہ فرمائیے:

بحکم حضرت مہتمم صاحب زمانہ طالب علمی میں سفر برائے چندہ مدرسہ:

”۱۳۳۴ھ (۱۹۱۶ء) میں بحکم حضرت مہتمم صاحب جمعیت مولوی رونق علی صاحب طالب علم سلطان پوری مدرسہ

کے چندہ کے لئے چندویں ضلع مراد آباد، منی تال، رانی کھیت، الموڑہ وغیرہ پہاڑی علاقوں کا سفر کرنا پڑا تھا۔“

مؤاممہ ضلع اعظم گڑھ اور دہلی کے جلسوں میں شرکت:

”مؤاممہ ضلع اعظم گڑھ کے مدرسہ مفتاح العلوم کے جلسہ پر بتاریخ ۲۲، ۲۳، ۲۴ صفر ۱۳۶۴ھ مطابق ۶، ۷، ۸،

فروری ۱۹۲۵ء جانا ہوا۔ وہاں مولانا حبیب الرحمن صاحب علی گڑھی، مولانا فخر الدین صاحب، مولانا احمد سعید صاحب سے

بھی ملاقات ہوئی۔ اور واپسی میں بریلی بھی اتر کر مدرسہ اشاعت علوم میں گیا۔ اور مسکین پور (دہلی) کے جلسہ پر بتاریخ ۲۸، ۲۹،

شوال ۱۳۶۵ھ مطابق ۲۵، ۲۶ ستمبر ۱۹۲۶ء جانا ہوا۔ اسی طرح بہت سے جلسوں اور مناظروں کے سفر ہوتے رہے۔“

دعوت نامہ سرائے میر:

حضرت والا کی خودنوشت سوانح کی بیاض میں ایک مختصر و مجمل یادداشت صرف دعوت نامہ کے متعلق ہے۔ اس

میں سفر کا ذکر نہیں، وہ حسب ذیل ہے:

”دعوت نامہ سرائے میر ضلع اعظم گڑھ، یکم جنوری ۱۹۲۶ء، ۲۳ فروری ۱۹۲۷ء“

اسفار بزمانہ طفولیت:

مندرجہ بالا دو سفروں سے قبل بالکل ابتدائی سفر کا ذکر باب سوم میں ذیلی عنوان ”طفولیت“ کے تحت گزر چکا ہے۔

یہ سفر تخمیناً سات سال کی عمر میں پیش آیا۔

اور اس کے بعد ایک سفر کا تذکرہ باب چہارم (ابتدائی تعلیم) کے تحت ذیلی عنوان ”مراجعت وطن“ کے نام سے

گزر رہے۔ اس وقت حضرت والّا کی عمر تھینا دس سال کی ہوگی۔

اب ہجرت پاکستان کے بعد بعض اسفار کا قدرے تفصیلی تذکرہ کیا جاتا ہے۔ جن میں سے اکثر میں احقر نے مولف نے اپنے مشاہدات کو بھی بیان کیا ہے۔

بعض اسفار میں حضرت والّا کی معیت:

الحمد للہ متعدد بار احقر کو بھی سفر میں حضرت والّا کی خدمت میں حاضر رہنے کی سعادت نصیب ہوئی ہے۔ اور ریل گاڑی کے اور بس کے ذریعہ سفر میں حضرت والّا کی معیت میسر آئی ہے۔ ایک بار تو کراچی سے حیدرآباد سندھ گیا۔ حضرت والّا پہلے ہی کراچی سے حیدرآباد سندھ تشریف لے جا چکے تھے۔ چند بار ٹنڈوالہ یار سے حیدرآباد سندھ حضرت والّا کی خدمت میں حاضر ہوا۔ وہاں حضرت والّا کے مواعظ اور درس قرآن مجید سنے۔ مولانا حافظ منظور احمد صاحب حال استاذ الحدیث مدرسہ خیر المدارس دوران سفر ترویج میں قرآن مجید سناتے تھے۔ اور قیام ایک بار شیخ غلام سلیم صاحب انجینئر کے مکان پر ہوا تھا۔ اس کے علاوہ ہاڑی، بورے والا، ٹنڈوالہ یار ضلع حیدرآباد، میاں چنوں، رحیم یار خان، قنگمری (یعنی ساہیوال)، ٹوبہ ٹیک سنگھ حضرت والّا کی معیت میں سفر نصیب ہوا۔ اور بعض جگہ کسی مدرسہ میں کسی میزبان کے یہاں ٹھہرنا ہوا۔ میاں چنوں حضرت مولانا ابراہیم صاحب کے یہاں تشریف لے گئے تھے۔ ان سے بہت محبت اور بے تکلفی حضرت والّا کی تھی۔ دارالعلوم الاسلامیہ ٹنڈوالہ یار جلسہ تقسیم اسناد کے موقع پر بھی حضرت مولانا ابراہیم صاحب سے حضرت والّا کی ملاقات رہی تھی۔ اور واپسی بھی ساتھ ہی ہوئی تھی۔ حضرت مولانا ابراہیم صاحب بھی بارہا مدرسہ خیر المدارس حضرت والّا کے پاس تشریف لاتے تھے۔ دو ایک بار احقر کو بھی یاد ہے۔ بہت نورانی شخصیت تھی۔ احقر ایک بار ٹنڈوالہ یار سے شہداد پور حضرت والّا کی خدمت میں حاضر ہوا۔ جہاں حضرت والّا مدرسہ حسینہ تشریف لائے ہوئے تھے۔ وہاں مولانا اصغر علی صاحب مدرس تھے، جو پہلے مدرسہ خیر المدارس میں مدرس رہ چکے تھے۔ سکھر بھی ایک بار سے زائد حاضری ہوئی۔ ایک بار تو مولانا محمد احمد صاحب تھانوی مرحوم کے یہاں قیام رہا۔ اس وقت مولانا مرحوم نے احقر سے فرمایا کہ حضرت والّا مدرسہ خیر المدارس کے لئے بطور مبلغ خدمت کرنے کو فرماتے ہیں۔ اور میرا خیال خود مدرسہ شروع کرنے کا ہے۔ اس میں تردد کا اظہار کیا تھا کہ کیا کرنا چاہئے؟ پھر حضرت مولانا مرحوم نے مدرسہ اشرفیہ جاری فرمایا۔ دوسری بار سکھر حضرت والّا کی معیت میں حاضری ہوئی تو مدرسہ اشرفیہ میں ٹھہرنا ہوا تھا۔ سکھر میں حضرت ڈاکٹر حفیظ اللہ صاحب (خلیفہ مخدومنا حضرت مفتی محمد حسن صاحب مخدومنا حضرت ڈاکٹر محمد عبدالحی صاحب صدیقی) و خلیفہ مجاز سیدی مسیح الامت حضرت مولانا شاہ محمد مسیح اللہ صاحب کی دونوں بار زیارت ہونا یاد ہے۔

سفر ٹنڈوالہ یار:

حضرت والّا کا چند بار دارالعلوم الاسلامیہ ٹنڈوالہ یار تشریف لے جانا اور ایک بار رات کو قیام فرمانا بھی یاد ہے۔ ایک بار دن میں کچھ دیر کے لئے حیدرآباد سندھ سے تشریف لائے تھے۔ اور حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانیؒ وغیرہ کی زیارت و ملاقات کر کے واپس حیدرآباد سندھ تشریف لے گئے تھے۔

پہلی بار حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانیؒ کے دارالعلوم الاسلامیہ ٹنڈوالہ یار کے قیام کے بالکل ابتدائی زمانہ میں تشریف لائے تھے۔ یہ ناچیز خادم بھی ساتھ تھا اور حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ ہی کے مکان واقع دارالعلوم الاسلامیہ میں رات کو قیام رہا تھا۔ اگلے روز واپسی ہوئی۔

اس ملاقات کا حاصل جیسا کہ دونوں اکابر کی آپس کی گفتگو سے سمجھ میں آیا، علاوہ زیارت کے یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانیؒ اس وقت تک دارالعلوم کے تعلق سے زیادہ مطمئن نظر نہ آتے تھے۔ اور حضرت والّا نے ان سے ایسی گفتگو فرمائی تھی جس سے وہ وہاں جم کر رہیں۔ دارالعلوم الاسلامیہ جو حضرت مولانا عبدالرحمن صاحب کامل پورٹی، حضرت مولانا سید بدر عالم صاحب اور حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری جیسے اکابر کے چلے جانے سے غیر آباد ہو گیا تھا، وہ پھر سے آباد ہو جائے۔ چنانچہ حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانیؒ دارالعلوم الاسلامیہ میں آخر وقت تک جم کر رہے۔ اور بخاری شریف کا درس دیتے رہے۔ حضرت مولانا کی تشریف سے دارالعلوم الاسلامیہ کی نشاۃ ثانیہ ہوئی اور خلاہ ہو گیا۔

غالباً اسی سفر میں حضرت مولانا مفتی اشفاق الرحمن صاحب کاندھلوی کے مکان پر حضرت والّا کا چائے پینا بھی یاد ہے۔ وہاں حضرت مولانا عثمانیؒ بھی موجود تھے۔ احقر بھی ان اکابر کی زیارت سے حضرت والّا کے طفیل بہرور ہو چکا ہے۔ اور بعد میں حضرت علامہ مولانا ظفر احمد صاحب عثمانیؒ سے پڑھنا بھی حضرت والّا ہی کی بدولت تھا۔ جیسا کہ ان شاء اللہ یہ ناچیز اپنے مختصر تذکرہ میں ذکر کرے گا۔

سفر ٹنڈوالہ یار بر موقع جلسہ تقسیم اسناد دارالعلوم الاسلامیہ:

ایک بار حضرت والّا دارالعلوم الاسلامیہ ٹنڈوالہ یار کے جلسہ تقسیم اسناد پر شوال ۱۳۷۸ھ (مطابق اپریل ۱۹۵۹ء) میں تشریف لے گئے تھے۔ اور اس میں اس وقت کے صدر فیلڈ مارشل ایوب خان کو (غالباً خود ان کی خواہش پر) مدعو کیا گیا تھا۔ اس تقریب کا پہلا اجلاس شب کو حضرت والّا کی صدارت میں جامع مسجد دارالعلوم میں ہوا۔ جس میں پہلے حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہوا۔ ان کے بیان میں آمد و روانی بہت ہوتی تھی۔ تاخیر کے اندیشہ سے حضرت والّا نے اس میں اختصار کا اشارہ فرمایا۔ اس کے بعد حضرت والّا کا مختصر بیان ہوا۔ اگلے روز صبح تقسیم اسناد کا آغاز ہوا، جس میں فیلڈ مارشل ایوب خان آئے تھے۔ شام کو کسی وقت اکابر علماء نے سرکٹ ہاؤس ٹنڈوالہ یار تشریف لے جا کر ایوب خان کو شرف ملاقات بخشا۔

حضرت والّا سے بسم اللہ کرانا:

اس موقع پر حضرت والّا ٹڈ والڈ یار میں میرے غریب خانہ پر تشریف لائے تھے اور احقر کی بیٹی عزیزہ حانظہ رشید بیگم کو تبرکاً بسم اللہ کرائی تھی، اور اس کو دو روپے عطا فرمائے تھے۔ اغلباً یہ تبرک اب تک اس کے پاس محفوظ ہے۔

سفر حج اول:

حضرت والّا نے دو بار حج ادا فرمایا۔ پہلی بار کا ذکر ایک مختصر نوٹ میں اس طرح فرمایا ہے:

”حج بندہ بمع اہلیہ..... مورخہ ۱۲ ذیقعد ۱۳۷۶ھ مطابق ۱۱ جون ۱۹۵۷ء منگل کراچی سے ہوائی جہاز پر روانگی ۱۲

جون ۵۷ء جدہ پہنچے۔ ۱۲ جون بعد نماز عشاء مکہ معظمہ پہنچے۔“

یہ خادم اس زمانہ میں اردو کالج میں شعبہ عربی و اسلامیات میں لیکچرر تھا۔ اور قیام عارضی طور پر دارالعلوم کراچی (نزد کورنگی کالونی) کے مکان میں تھا۔ اس وقت تک غالباً دارالعلوم کورنگی کراچی پوری طرح نئی عمارت میں منتقل نہ ہوا تھا۔ اساتذہ کے لئے جو عارضی مکانات بنے ہوئے تھے ان میں سے بعض مکانات اس وقت خالی پڑے تھے۔ مولانا نور احمد صاحب اکیا بی مرحوم جو اس وقت دارالعلوم کے ناظم تھے، انہوں نے اس ناچیز کو وہاں رہنے کے لئے عارضی طور پر مکان دے دیا تھا، جس میں تقریباً دو تین ماہ تاخیر اپنے اہل و عیال اور والد صاحب مرحوم کے ساتھ رہا تھا۔ ان دنوں غالباً حج کو جانے سے قبل حضرت والّا دارالعلوم کراچی تشریف لائے تھے۔ تو ناچیز کے گھر بھی تشریف لائے اور والد صاحب مرحوم سے بھی ملاقات فرمائی، جو ضعیف العمر اور صاحب فراش تھے۔ اور بصارت سے بھی معذور ہو چکے تھے۔ ہوش و حواس بھی درست نہ تھے۔ حضرت والّا والد صاحب سے مل کر تشریف لے گئے، تو والد صاحب نے بتایا کہ حضرت والّا کے تشریف لانے سے ان کی طبیعت کو بہت سکون و چین محسوس ہوا۔ والد صاحب مرحوم کا ایک اور واقعہ اس پر یاد آیا۔ جو اس واقعہ سے بہت مشابہت رکھتا ہے۔ والد صاحب مرحوم فرمایا کرتے تھے کہ وہ جب آبائی وطن چاند پور سے انبالہ آئے ہوئے تھے (اس کے بعد والد صاحب مع اہل و عیال مدت دراز تک انبالہ شہر رہے) اور والد صاحب کو زراعت اور باغبانی سے بہت دلچسپی تھی۔ چاند پور میں علاوہ اور زمین و باغات کے آموں کا بھی باغ تھا۔ اس سے خاصی دلچسپی تھی۔ والد صاحب فرماتے ہیں کہ انبالہ میں کوئل کی آواز سنی (یہ آموں کے موسم میں آتی اور بولتی تھی اور والد صاحب کے لئے یہ آموں کے موسم کی علامت اور اطلاع تھی) تو چاند پور جانے کے لئے طبیعت بے چین ہو گئی۔ انبالہ شہر میں اس زمانہ میں حضرت سائیں توکل شاہ صاحب بقید حیات تھے۔ اسی بے چینی کی حالت میں والد صاحب کا گزر حضرت سائیں توکل شاہ صاحب کی مجلس کے پاس سے ہوا تو ان کی مجلس میں آ گئے۔ فرماتے ہیں کہ وہ بے چینی بالکل دور ہو کر طبیعت کو پورا سکون ہو گیا۔ حقیقت یہی ہے کہ اللہ کے ذکر سے دلوں کو اطمینان ہوتا ہے اور اہل اللہ کی محبت سے بھی دلوں کو سکون اور چین و اطمینان نصیب ہوتا ہے۔

ذکر حضرت والا کے پہلے حج کا تھا۔ حج کو جاتے ہوئے حضرت والا کو پرانے حاجی کیمپ (نزد جیکب لائن مقبرہ قائد اعظم) سے ایئر پورٹ کراچی جانے کے لئے رخصت کیا گیا۔ رخصت کرنے والوں میں حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری بھی تھے، اور خادم بھی حاضر تھا۔

اس سفر حج سے واپسی پر حضرت والا کو کراچی لینے کے لئے جناب حافظ رشید احمد صاحب مرحوم صاحبزادہ حضرت والا تشریف لائے تھے خادم نے حضرت والا کے کراچی میں ٹھہرنے کے خیال سے حافظ صاحب مرحوم سے مشورہ کر کے اپنے پاک کالونی کے مکان کی کچھ صفائی وغیرہ کی، کیونکہ خالی پڑا ہوا تھا، تاکہ حضرت والا شاید چند دن وہاں ٹھہرنا منظور فرمائیں۔ لیکن پھر غالباً فون سے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ حضرت والا تو آج شام ہی (شاید چناب ایکسپریس سے) ملتان تشریف لے جا رہے ہیں۔ خادم کراچی شہر کے اسٹیشن پہنچا اور لائڈھی کا ٹکٹ لے کر حضرت والا کے ڈبہ میں سوار ہو گیا۔ اور لائڈھی تک حضرت والا کے ساتھ رہا۔ وہاں اتر کر نماز مغرب ایک مسجد میں پڑھ کر دارالعلوم کراچی (واقع کورنگی) کے عارضی رہائش والے مکان پر چلا گیا۔

دوسرا حج:

اس حج میں حضرت والا کے ایک رفیق سفر حاجی قادر بخش صاحب کی روایت ہے کہ حضرت والا نے یہ حج ۶۱-۱۹۶۰ء میں ادا فرمایا۔ ابتداء شوال ہی میں حضرت والا کراچی پہنچ گئے۔ اس ناچیز خادم کو بھی اطلاع تھی۔ چنانچہ حضرت والا کی کراچی تشریف آوری ہوئی اور ادھر مدرسہ (دارالعلوم الاسلامیہ ٹنڈوالہار) بھی تعطیلات رمضان شریف و عید الفطر کے بعد کھل گیا۔ احقر کو مدرسہ کے کام سے کراچی جانا ہی تھا۔ چنانچہ روانہ ہو گیا۔ مدرسہ کا کام بھی جو احقر کے متعلق تھا، کیا۔ اور حضرت والا کے ساتھ جامع مسجد جیکب لائن کی چھت پر (جہاں مستورات جمع کی نماز پڑھتی تھیں اور حضرت مولانا احتشام الحق صاحب تھانوی کا وعظ سنا کرتی تھیں) قیام رہا، اور حضرت والا کی خدمت میں بھی حاضر رہا۔ مدرسہ کے کام سے حضرت والا کے کراچی موجود ہونے کے وقت آنے پر حضرت والا نے حضرت حکیم الامت تھانوی کے زیر تربیت و اصلاح کسی صاحب کا واقعہ سنایا۔ جو خادم کے حضرت والا کی موجودگی کے وقت مدرسہ کے کام سے آنے کے

۱۔ چنانچہ انہوں نے احقر کو بذریعہ گرامی نامہ اطلاع فرمائی کہ "حضرت والا صاحب مدظلہ عجلت بیت اللہ شریف سے واپس ۲۲ یا ۲۱ جولائی ۵۵ء کو ہوائی جہاز سے کراچی اترینگے۔ ان کے لینے کی غرض سے میں ۲۰ جولائی ۵۵ء کو کراچی ہوں گا۔ مولانا احتشام الحق صاحب کے ہاں میرا قیام ہوگا۔ آپ ۲۰ جولائی کو فون کر کے میرا پتہ کر لیجئے۔"

والسلام رشید احمد ناظم دفتر 7157 مدرسہ خیر المدارس، ملتان

۲۔ مکرمی حاجی قادر بخش صاحب زید مجدوم سے زمانہ دراز کے بعد ۱۳۱۱/۱۲۸۴ھ صبح کو مدینہ منورہ میں ملاقات ہوئی۔ (ان کے بیٹے مولوی عبدالمنان صاحب کاسب خیر المدارس (جوان کے ساتھ تھے) احقر کو پہنچانا) سب سے پہلے احقر نے ۱۳۸۳ھ میں حضرت والا کے واعظ دوروں و نیرہ کو ان (حاجی قادر بخش صاحب) کی کے نیپ ریکارڈ پر ضبط کرنا شروع کیا تھا۔ (۱۲)

مشابہ تھا۔ کہ وہ کسی مدرسہ کے کام سے یا جس ملازمت میں بھی تھے اس کے کام سے آئے، سرکاری خرچ پر اور بغیر ذاتی ضرورت کی رخصت لئے۔ اور حضرت حکیم الامتؒ کی زیارت و حاضری خدمت کے موقع سے بھی فائدہ اٹھایا۔ تو حضرت حکیم الامتؒ نے اس پر تنبیہ فرمائی۔

حضرت والّا کو صبح سویرے کراچی بندرگاہ کے لئے برائے سفر حج روانہ ہونا تھا۔ کیونکہ یہ سفر حج بحری جہاز سے فرمایا تھا، خادم کو دو گاڑیاں لینے بھیجا۔ خادم جیکب لائن سے بندر روڈ پر نکل آیا۔ وہاں سے تلاش کرتے کرتے سولجر بازار کی طرف جانا نکلا۔ اور وہاں سے دو گھوڑا گاڑیاں (وکٹوریا) لے کر آیا، صبح سویرے کے وقت ذرا تلاش سے ملیں۔ ادھر روانگی کو تاخیر ہو رہی تھی۔ سنا ہے قاری احترام الحق صاحب تھانوی کو ایک مزاحیہ جملہ سوجھ گیا۔ انہوں نے کچھ ایسا کہا کہ آفتاب صاحب تو غروب آفتاب ہی کے وقت آئیں گے، جس کے نتیجے میں مولوی رحمت اللہ صاحب کو بھیجا گیا۔ جو مولانا احتشام الحق صاحب کے یہاں کام کرتے تھے۔ وہ تو وہاں رہتے ہی تھے، اس جگہ کا تجربہ تھا۔ ان کو صدر سے گاڑیاں جلد ہی مل گئیں۔ ادھر خادم سولجر بازار سے دو گاڑیاں لے آیا تھا، جن کے کوچوان پٹھان تھے۔ مدرسہ خیر المدارس کے سابق مدرس حضرت مولانا جمال الدین صاحب جو حضرت والّا کے حج کے رفیق سفر تھے، انہوں نے ان گاڑی والوں کو کچھ دے دلا کر اور پشتوں میں گفتگو فرما کر رخصت کر دیا۔ غرضیکہ خادم بھی حضرت والّا کے ساتھ بندرگاہ گیا۔ جہاز ویسٹ وہارف کی کسی گودی (برتھ) پر تھا۔ صبح خاصے سویرے پہنچ گئے تھے۔ خادم حضرت والّا کے اور آپ کے سامان کے ساتھ جہاز تک آ گیا۔ لیکن بعد میں رکاوٹ لگا دی گئی اور حافظ رشید احمد صاحب مرحوم آگے نہ آ سکے۔ اور پھر رخصت کی ملاقات نہ ہو سکی۔

اس دوسرے حج سے واپسی پر حضرت والّا کی کراچی تشریف آوری کے وقت احقر دارالعلوم شندو اللہ یار میں تھا۔ حضرت حافظ رشید احمد صاحب نے بذریعہ گرامی نامہ مورخہ ۶/۶/۹۱ مطلع فرمایا کہ (حضرت والّا) جہاز پر سوار ہو گئے ہیں۔ غالباً جہاں ۱۲ یا ۱۳ جون کو کراچی آئے گا۔ میں آج حضرت والد صاحب کو لینے کے لئے کراچی جا رہا ہوں۔

سفر بالا کوٹ:

حضرت والّا کی بیاض میں یکجا و مختصر ”ضروری یادداشتیں“ ہیں۔ ان کے تحت اس سفر کے بارے میں یہ مختصر سائٹ ملتا ہے:

”سفر بالا کوٹ ۲ مرتبہ، مورخہ ۲۱ رجب ۱۳۷۱ھ، ۱۷-۱۸ اپریل ۱۹۵۲ء۔ پھر مورخہ ۱۱ ربیع الاول ۱۳۸۰ھ مطابق ۲

ستمبر ۱۹۶۰ء، شنبہ۔“

بالا کوٹ وہ تاریخی مقام ہے جہاں حضرت مولانا شاہ محمد اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ مع اپنے رفقاء کے سکھوں سے جہاد فرماتے ہوئے شہید ہوئے، اور وہیں حضرت مولانا شہید کی قبر شریف ہے۔ دیگر شہدائے بالا کوٹ بھی غالباً وہیں آرام فرما رہے ہیں۔

بنا کر دند خوش ر سے بخاک و خون غلطیدن : خدا رحمت کند ایس عاشقان پاک طینت را

اس مقام کی زیارت کرنے کی غرض ظاہر ہے، کفار سے قتال و جہاد فی سبیل اللہ کرتے ہوئے جان دے دینے والوں کے موقع جہاد و شہادت کی زیارت باعث تقویت نسبت بھی ہے۔ اور باعث برکت و عبرت بھی۔ اور جذبہ عمل و جذبہ قتال و جہاد فی سبیل اللہ کو ابھارنے والا بھی ہے۔

جان دی دی ہوئی اسی کی تھی
سربقت ذبح اپنا ان کے زیر پائے ہے
بجرم عشق تو ام میکند و غوغا نیست
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا
یہ نصیب اللہ اکبر لوٹنے کی جائے ہے
تو نیز برسر بام آ کہ خوش تماشا نیست

اس سے قبل حیدرآباد اور سکھر کے سفر میں حضرت والا کی معیت کا کچھ مختصر سا تذکرہ آچکا ہے۔ اور حضرت والا کے کراچی کے بعض اسفار کا تذکرہ آپ کی خودنوشت سوانح ”نقش حیات“ سے نقل کیا جا چکا ہے۔ اب کچھ حال کراچی کے اسفار کا اپنی یادداشت سے یہ ناچیز بیان کرتا ہے، جن کی ابتداء حضرت والا کی احقر کو پہلی بار زیارت سے ہوتی ہے:

سفر کراچی، اور پہلی بار حضرت والا کی زیارت:

مولانا حافظ محمد عبدالوحید صاحب کے خط سے معلوم ہوا کہ حضرت والا کراچی میں تشریف فرما ہیں۔ اور مولانا احتشام الحق صاحب تھانوی کے یہاں قیام ہے۔ چنانچہ غالباً یکم ربیع الاول ۱۳۷۲ھ کی شب کو جبکہ لائزز مولانا احتشام الحق صاحب تھانوی کے یہاں جا کر ان ہی سے دریافت کیا تو انہوں نے بتایا اور پہلی بار حضرت والا کی روایت سے مشرف ہوا۔ وقت کے لئے دریافت کیا تو فجر کی نماز ساتھ ہی پڑھنے کے لئے فرمایا۔ چنانچہ یکم ربیع الاول ۱۳۷۲ھ (مطابق ۲۰ نومبر ۱۹۵۲ء) کی صبح عین نماز کی جماعت قائم ہونے کے وقت پہنچا۔ مسجد میں داخل ہوتے ہی شرف روایت و مصافحہ حاصل ہوا۔ بعد نماز حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی کا درس قرآن تھا۔ اس کے بعد حضرت والا سے ملا اور مصافحہ کیا۔ حضرت والا نے نہایت شفقت سے مصافحہ فرمایا اور متبسم رہے۔ اس وقت احقر کو یہ محسوس ہوا کہ جیسے قلب سے ظلمت اور کدورت و غم کی گھٹاسی چھٹ کر دل میں مسرت کی لہر دوڑ گئی ہو۔ وہ کیفیت بالکل صحیح طور پر بیان میں آ نہیں رہی۔

اس مختصر صحبت میں اوّل ہی مولانا حافظ محمد عبدالوحید صاحب شہید کا بھی کچھ تذکرہ آ گیا تھا۔ احقر کو نزہۃ البساتین کے مطالعہ کے لئے ارشاد فرمایا، خواہ مستعار ہی مل جائے۔

دوسرے روز یعنی جمعہ ۲ ربیع الاول ۱۳۷۲ھ کو صبح حاضر نہ ہو سکا۔ بلکہ نماز جمعہ جامع مسجد جبکہ لائن میں پڑھی۔ حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی قبل خطبہ و عطا اسلامی دستور کے متعلق فرما رہے تھے۔ بعد نماز حاضری ہوئی۔ مختصر محبت کے بعد اندر تشریف لے گئے۔ پھر بعد نماز عصر مختصر زیارت ہوئی، جس میں کچھ باتیں دریافت کیں، اور حضرت والا نے کچھ ارشادات و نصائح فرمائے۔ ۳ ربیع الاول ۱۳۷۲ھ کی صبح کو ٹیلی فون پر دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ حضرت والا رات کو تشریف لے گئے ہیں۔

حضرت مولانا سید سلیمان ندوی سے حضرت والا کی ملاقات:

کراچی کے ایک سفر کے موقع پر حضرت والا خادم کے ساتھ (اور اس موقع پر محترم شیخ محبوب الرحمن صاحب مرحوم بھی ساتھ تھے) مخدومی حضرت مولانا سید سلیمان ندوی سے ملنے ان کے مکان پر تشریف لے گئے۔ جو نیو ٹاؤن (حال علامہ بنوری ٹاؤن) کے علاقہ میں تھا۔ اور وہاں پہنچ کر دستی چھڑی سے دروازہ کھٹکھٹایا۔ افسوس ہے حضرت والا کو پہنچاتے ہی خادم رخصت لے کر واپس آ گیا (شاید دفتر وغیرہ جہاں اس وقت ملازمت تھی، جانا ہوگا، اب یاد نہیں رہا) اور ان اکابر کی گفتگو سن سکا۔ خادم صرف حضرت سید صاحب کا دولت کدہ دکھانے گیا تھا۔

چلتے ہوئے تربیت اخلاق:

احقر میں انگریزی تعلیم کے اثر سے اور تربیت اخلاق نہ ہونے سے کبر و تمکنت کا اثر ملاحظہ فرمایا ہوگا تو کراچی میں کئی بار راستہ میں سڑک کو پار کرتے ہوئے یا کسی معمولی سی حاجت سے حضرت والا راستہ میں کبھی کبھی دوڑتے تھے اور دوڑاتے بھی تھے۔ احقر کی سمجھ میں یہ آیا کہ ہو سکتا ہے یہ عمل احقر کے مصنوعی وقار اور تمکنت و کبر کے علاج کے لئے ہو۔

بعض واقعات سفر کراچی اور احقر کے بعض مشاہدات:

”وحدت جمعیت علماء اسلام“ کی سعی کے سلسلہ میں حضرت والا کے کراچی تشریف لانے کا پروگرام معلوم ہوا تو خادم کو تمنا ہوئی کہ قیام کس طرح خادم کے غریب خانہ پر ہو جائے۔

ع شاہاں چہ عجب گر بنوازند گدارا

احقر حضرت مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی (خلیفہ مجاز بیعت حضرت حکیم الامت تھانوی) کی خدمت گرامی میں حاضر ہوا۔ احقر کو کسی وجہ سے گمان ہوا کہ شاید قیام کا انتظام ان کی طرف سے ہو۔ بجز اللہ حضرت مفتی صاحب نے اس مصلحت کی وجہ سے موافقت فرمائی کہ حضرت والا ایسے موقع پر تشریف لا رہے تھے کہ ان کے یہاں یا حضرت مولانا احتشام الحق صاحب تھانوی میں سے کسی کے یہاں ٹھہرنا مصلحت نہیں۔ اور ایک واقعہ بھی ذکر فرمایا کہ ایک بار حضرت مفتی صاحب اور مولانا احتشام الحق صاحب دونوں حضرت والا کے استقبال کے لئے اسٹیشن پہنچے، تو حضرت والا مولانا احتشام الحق صاحب کے ساتھ تشریف لے گئے۔ اس پر شاید حضرت مفتی صاحب کو کچھ شکوہ کا احساس ہوا ہوگا۔ بہر حال حضرت والا نے خادم کے غریب خانہ پر قیام منظور فرما کر مسرور و شرف فرمادیا۔ والحمد لله على ذلك.

کسی نے خوب کہا ہے:

ز قدر و شوکت سلطان نکشت چیزے کم
ز التفات بمہماں سرائے دہقانے
کلاہ گوشہ دہقان بافتاب رسید
کہ سایہ بر سرش انداخت چوں تو سلطانے

خادم کے یہاں قیام کے موقع پر حضرت والا کے ساتھ مولانا مفتی محمد شفیع صاحب (ملتان) مرحوم، مہتمم مدرسہ قاسم العلوم ملتان، مولوی حاجی فتح محمد صاحب مرحوم خلیفہ مجاز حضرت والا اور ایک اور صاحب بھی تھے۔ بعد میں حضرت والا کے ساتھ صرف حاجی فتح محمد صاحب مرحوم رہ گئے تھے۔

خادم کا قیام ان دنوں سندھ مدرسۃ الاسلام سرائے روڈ کراچی کے مکان پر تھا۔ اور احقر اس وقت سندھ مدرسۃ الاسلام سینڈری سکول میں ٹیچر (مدرس) تھا، اور سندھ مدرسہ کی مسجد میں امام بھی تھا۔ امامت کی وجہ سے مکان ملا ہوا تھا۔ مورودی جماعت کے ایک صاحب نے اس مسجد میں جمعہ کی تقریر کا از خود ہی سلسلہ شروع کر رکھا تھا۔ اور عربی پڑھے بغیر ہی آیات قرآنی کی تفسیر بھی اپنی طرف سے بیان کر دیتے تھے۔ حضرت والا نے خادم کو فرمایا کہ حضرت حکیم الامت کے مواعظ میں سے لکھ لیا کرو اور بڑھ کر سنا دیا کرو۔ چنانچہ خادم نے یہ سلسلہ شروع کر دیا۔ پھر درسیات پڑھنے کے بعد مختلف مساجد میں خطبات جمعہ اور تقریر کا موقع ہوا اور کچھ مشق بھی ہو گئی تھی۔

اکابر میں سے اُستاذی المحترم حضرت مولانا مفتی محمد صابر علی صاحب امر وہی، نائب مفتی دارالعلوم کراچی خلیفہ مجاز بیت حضرت حکیم الامت تھانوی نے خادم کے ساتھ سندھ مدرسہ کے مکان میں چند دن قیام فرمانے کا شرف بخشا ہے۔ اور خادم کی امامت میں نماز پڑھی ہے۔ امام القراء حضرت قاری فتح محمد صاحب مہاجر مدنی رحمہ اللہ نے بھی ایک دو بار نماز وہاں خادم کی امامت میں پڑھی۔ اور سورۃ الفاتحہ میں انعمت کا عین واضح ادا کرنے کی ہدایت فرمائی۔ حضرت مولانا سید محمد یوسف صاحب بنوری کبھی اس طرف تشریف لائے تو کبھی امامت کرنا منظور فرمایا اور کبھی ناچیز ہی کو نماز پڑھانے کو فرمایا۔

مخدومنا حضرت خواجہ عزیز الحسن صاحب مجذوب نے جو اشرف السوانح تالیف فرمائی اور اس میں حضرت تھانوی کے سوانح کے ضمن میں اپنے واقعات کا تذکرہ بھی فرمادیا ہے، اس کے بارے میں یوں تحریر فرمایا ہے: ”غرض یہ احقر کے واقعات محض حضرت مولانا رومی کے اس شعر کے مصداق تھے:

خوش تر آں باشد کہ سر دلبراں گفتہ آید در حدیث دیگران“

حالانکہ خود حضرت خواجہ صاحب کے واقعات بھی طالبین اور سالکین کے لئے نہایت درجہ مفید ہیں۔ اس لئے کہ حضرت خواجہ صاحب خود حضرت تھانوی کے بڑے خلفاء میں سے تھے۔ اور ہمارے سلسلہ کے خاص اکابر میں سے ہوئے ہیں۔ لیکن ناچیز نے جو حضرت والا کے سوانح میں اپنے بعض واقعات کا تذکرہ کر دیا ہے، جیسا کہ اوپر کی عبارت میں گزرا، اس کی توجیہ یہ ہو سکتی ہے کہ یہ حضرت خواجہ صاحب کی محض نقل ہے۔ اور اس کا فائدہ صرف بعض یادگار واقعات کا اپنے اور اپنے احباب و متعلقین کی دلچسپی کے لئے محفوظ ہو جانا ہے۔ اور اپنے واقعات کا حضرت والا کے واقعات کے تذکرہ کے ساتھ مذکور ہو جانے جیسا اشرف اور کس جگہ مذکور ہونے سے ہو سکتا تھا۔ قارئین سے دعاء کی درخواست ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے قرب و

رضا کے مقام میں محشر اور آخرت میں بھی حضرت والا کی معیت نصیب فرمائے (آمین)۔

حضرت والا کا خادم کے ہاں قیام اور اکابر علماء کا اجتماع:

غرضیکہ حضرت والا نے قیام منظور فرمایا۔ اور اکابر علماء کا ایک اجتماع بھی وحدت جمعیت علماء اسلام کے سلسلہ میں غریب خانہ پر ہوا۔ شاید یہی موقع تھا کہ حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی نے تلاوت فرمائی۔ اور سورہ اعراف کے آخر کی آیات کیسی بر محل تلاوت فرمائیں۔ **وَاَمَّا يَنْزُغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطَانِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ**۔ (الآیہ) انہی دنوں ایک بار مخدوم صاحب مفتی محمد حسن صاحب امرتسری مہتمم و بانی جامعہ اشرفیہ لاہور اور خاص الخاص خلیفہ مجاز بیعت حضرت حکیم الامت تھانوی جن کا قیام سولجر بازار میں جناب بٹ صاحب کے یہاں تھا، سندھ مدرسہ تشریف لائے تھے۔ حضرت والا اس وقت احقر کے غریب خانہ پر تشریف فرمانہ تھے۔ اور حضرت مفتی صاحب کی ٹانگ سے معذوری کی حالت میں غریب خانہ کے اندر تشریف لانے کی تکلیف گوارا فرمانے کے لئے خادم نے بھی اصرار نہیں کیا۔ گو بہت جی چاہتا تھا۔ حضرت مولانا سید یوسف بنوری صاحب بھی چند بار تشریف لائے۔

مخدومی حضرت مفتی محمد شفیع صاحب اور حضرت مولانا احتشام الحق صاحب تھانوی کی ملاقات:

انہی ایام میں ایک بار حضرت والا نے مخدومی حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب اور حضرت مولانا احتشام الحق صاحب تھانوی دونوں کی یکجا خادم کے یہاں کھانے کی دعوت فرمائی۔ بلکہ دونوں یا کسی ایک کو فون سے خادم کے ذریعہ کہلویا۔ دونوں حضرات نے دعوت منظور فرمائی۔ پہلے حضرت مفتی محمد شفیع صاحب تشریف لائے۔ چونکہ خادم ان کی خدمت میں مسائل دریافت کرنے کے لئے بکثرت اور مدت دراز سے حاضر ہوتا تھا، آتے ہی بے تکلف فرمادیا کہ بھائی آفتاب! مجھے تو جلدی فارغ کر دو۔ خادم نے حضرت والا کی طرف دیکھا۔ حضرت والا خاموش تھے۔ بلکہ انداز سے یہی مفہوم ہو سکتا تھا کہ ابھی نہیں۔ لیکن حضرت مفتی صاحب نے دوبارہ اور شاید سہ بارہ فرمایا۔ خادم حضرت والا سے شاید پوچھنے لگا۔ لیکن حضرت والا اب بھی خاموش تھے۔ آخر ایسے بزرگ مہمان کے خود طلب فرمانے پر خادم کی سمجھ میں اس وقت اور کچھ نہ آیا۔ بلکہ کھانا لے ہی آیا۔ حضرت مفتی صاحب نے کھانا شروع فرمادیا۔ جلدی ہی مولانا احتشام الحق صاحب تھانوی بھی تشریف لے آئے۔ پھر ان کے لئے بھی کھانا لے آیا۔ دونوں حضرات خوب تپاک اور گرمجوشی سے ملے اور بے تکلف باتیں کرتے رہے۔ حضرت والا کا مقصد غالباً کسی حد تک پورا ہو گیا۔ حدیث شریف میں تو نہیں ملا، لیکن غالباً اہل علم و حکمت ہی کا قول ہے کہ جب مسلمانوں میں آپس میں رنجش ہو تو ان کو کھانے پر جمع کرنا چاہئے۔

سفر کراچی بسلسلہ منظور تعمیر مسجد رجب ۷۷ھ مطابق فروری ۱۹۵۸ء:

۴ رجب ۱۳۷۷ھ کو خادم نے ایک عریضہ حضرت والا کی خدمت میں تحریر کیا تھا۔ خادم کی عرض و معروضات اور

حضرت والّا کے ارشادات حسب ذیل ہیں:

عرض خادم: ”مودبانہ عرض ہے کہ پیر کو حضرت والّا کا گرامی نامہ ملا۔ اسی روز مولانا احتشام الحق صاحب کے پاس حاضر ہو کر حضرت والّا کا سلام پہنچایا۔ اور حضرت والّا کا گرامی نامہ پڑھنے اور جواب تحریر کرنے کے لئے عرض کر دیا۔ انہوں نے خادم سے یہ لکھ دینے کو فرمایا کہ اگر وقت نکال سکیں تو حضرت والّا تعمیر مسجد کی منظوری لینے کے سلسلہ میں تشریف لے آئیں۔ اور فرمایا کہ میں تو یہیں ہوں۔ کہیں جا بھی نہیں رہا۔ خود جواب تحریر کرنے کے بارے میں فرمایا کہ آج رات کو میں بھی لکھ دوں گا۔“

ارشاد حضرت والّا: ”مولانا موصوف نے عریضہ کا جواب مفصل تحریر فرما دیا ہے۔“

نوٹ از مولف: یہ تو اضع قابلِ اتباع ہے کہ حضرت والّا مولانا احتشام الحق صاحب کے نام اپنے والا نامہ کو ”عریضہ“ فرما رہے ہیں۔

عرض خادم: ”تشریف آوری کا قصد ہو تو براہِ کرم خادم کو ضرور مطلع فرمائیں۔“

ارشاد حضرت والّا: ”ان شاء اللہ تعالیٰ ۳ فروری ۵۸ء دوشنبہ کو چناب سے سوار ہو کر ۴ فروری کو ساڑھے نو بجے کراچی شہر پہنچنے کا قصد ہے۔“

عرض خادم: ”اور خادم کے یہاں قیام فرمائیں تو بڑی عنایت ہوگی۔“

ارشاد حضرت والّا: ”قیام جیکب لائن میں مولانا کے پاس ہوگا۔“

حضرت والّا کے والا نامہ پر ڈاک خانہ کی مہر ۴ فروری کی ہے۔ جناب حافظ رشید احمد صاحب کا گرامی نامہ بھی حضرت والّا کی تشریف آوری کی اطلاع کے لئے پہنچا۔ لیکن اس پر بھی ڈاک خانہ کی مہر ۴ فروری کی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جب ڈاک سے تشریف آوری کی اطلاع پہنچی، حضرت والّا اس سے قبل جیکب لائن تشریف لا چکے ہوں گے۔ اسی لئے غالباً ۵ فروری ۵۸ء کی صبح جیکب لائن حاضر خدمت ہوا ہوں گا۔

شاہ ظاہر کی ڈگری یا شاہ باطن کی زیارت:

غالباً اسی موقع پر شاہ افغانستان ظاہر شاہ کو کراچی یونیورسٹی کی طرف سے ایل۔ ایل۔ ڈی کی اعزازی ڈگری دی جانے والی تھی۔ اردو کالج میں لیکچرار ہونے کی حیثیت سے احقر کو بھی دعوت نامہ دیا گیا۔ لیکن حضرت والّا کے کراچی تشریف لانے کی اطلاع ہونے پر اسی روز صبح کو جیکب لائن حاضر ہونا تھا۔ چنانچہ احقر نے اپنے دینی شاہ باطن (حضرت والّا) کی خدمت میں حاضری کو شاہ ظاہر کو ڈگری پیش کرنے کے جلسہ (Convocation) میں حاضری پر ترجیح دی اور یہی مناسب دلائل تھے۔

سفر کراچی ۱۳ رمضان المبارک ۱۳۷۷ھ مطابق ۳- اپریل ۱۹۵۸ء:

سفر مذکور کے کچھ بعد ہی اردو کالج میں ملازمت اور پاک کالونی کے مکان پر قیام کے زمانہ میں رمضان المبارک میں حضرت والا ایک بار کراچی تشریف لائے اور غریب خانہ پر ایک رات قیام فرمایا۔

ع کلاہ گوشہ دہقان بافتاب رسید والحمد لله على ذلك.

مولانا حافظ منظور احمد صاحب (حال استاذ الحدیث خیر المدارس) سے پہلی بار ملاقات وہیں ہوئی تھی۔ وہ حضرت والا کے ہم سفر تھے۔ اور سفر میں تراویح پڑھاتے تھے۔ اس بار بھی حضرت والا نے تشریف آوری سے بذریعہ والا نامہ خادم کو مطلع فرمایا تھا۔ اس والا نامہ کی نقل باب متفرقات ضمیمہ باب ۱۵ (افاضہ باطنی) کے تحت مولانا حافظ منظور احمد صاحب موصوف کے تذکرہ میں موجود ہے۔

کراچی کا آخری سفر رجب ۱۳۹۰ھ (۱۹۷۰ء):

آخری بار وصال سے کچھ ہی قبل کراچی کا سفر فرمایا۔ جو غالباً علماء حق کے اتحاد کی مساعی ہی کے سلسلہ میں تھا۔ حضرت والا نے وحدت جمعیت علماء اسلام کے لئے سعی بلیغ فرمائی۔ لیکن جب وحدت باقی نہ رہ سکی تو اتحاد کی انتہائی کوشش فرمائی۔ اور اس بات کی بھی کوشش فرمائی کہ اختلاف زیادہ نہ بڑھے۔ لیکن جب اس میں کامیابی نہ ہو سکی تو حضرت والا اسی جمعیت علماء اسلام کی جانب یکسو ہو گئے جس میں اکابر تھانہ بھون کو ماننے والے تھے۔ یعنی جس میں حضرت علامہ مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی، حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی اور حضرت مولانا احتشام الحق صاحب تھانوی تھے۔ اس سے قبل بھی حضرت والا کی مناسبت تو ظاہر ہے کہ سلسلہ والوں ہی کے ساتھ تھی۔ البتہ طلب جاہ سے حضرت والا دور اور نفور تھے۔ اور صلح کی کوشش فرمانے کی وجہ سے فریق بننا مناسب نہ تھا۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم و علمہ اتم و احکم۔ البتہ حضرت والا حضرت حکیم الامت کے مسلک سے کبھی ایک انج بھی نہ ہٹے۔ لیکن حضرت والا میں اپنے شیخ حضرت تھانوی کی طرح مسلمانوں سے حسن ظن، علماء دین کا اکرام اور اکابر کا احترام بہت تھا۔ خواہ مسلک میں اختلاف بھی ہو۔ حضرت حکیم الامت بھی گروہ بندی کو بہت ناپسند فرماتے تھے۔ اور گوگانگریس کی شرکت مسلمانوں کے لئے مضر جانتے ہوئے کبھی اس سے منہ کرنے میں مدہمت نہ فرمائی۔ تاہم نہ صرف علماء کرام بلکہ عامۃ المسلمین کے ولی احترام اور دلی محبت اور شفقت و خیر خواہی میں کمی نہ آنے دی۔

حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری سے ان کے مدرسہ میں حضرت والا کی ملاقات:

اس بار حضرت والا کی زیارت مدرسہ عربیہ اسلامیہ نیوٹاون میں ہوئی۔ سلام کے بعد مصافحہ و معانقہ کا شرف حسب معمول بخشا۔ کچھ وقت مدرسہ میں حضرت مولانا سید محمد یوسف صاحب بنوری اور دوسرے علماء کے ساتھ گزارا۔

حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی سے حضرت والا کی ملاقات:

پھر حضرت مولانا احتشام الحق صاحب تھانوی کے یہاں جبک لائن تشریف لے جانے لگے۔ ان دنوں مدرسہ میں امتحان ہو رہے تھے۔ خادم حضرت والا کے ساتھ مدرسہ و جامع مسجد نیوٹاؤن کے صدر دروازہ پر آیا۔ حضرت والا نے روانگی سے قبل خلاف عادت چھٹی کے لئے ارشاد فرمایا، بشرطیکہ حرج نہ ہو۔ خادم نے عرض کیا کہ امتحان تو ہو چکا ہے۔ چنانچہ یا تو اجازت حاصل کر کے یادو پہر کو چھٹی کا وقت ہو گیا تھا، حضرت والا کے ساتھ خادم جبک لائن آیا۔ وہاں کافی دیر حضرت مولانا احتشام الحق صاحب تھانوی سے باتیں ہوتی رہیں۔

دیگر اکابر سے حضرت والا کی ملاقات کا پروگرام:

شام کو ایک صاحب کی کار سے حضرت والا ناظم آباد کی طرف روانہ ہوئے۔ یہ خادم بھی ساتھ تھا۔ حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی بھی ان دنوں کراچی تشریف لائے ہوئے تھے اور ناظم آباد میں قیام تھا۔ ان کی اور حضرت ڈاکٹر محمد عبدالحی صاحب اور حضرت مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی مدظلہ کی ملاقات کا پروگرام بن گیا۔

خادم کے غریب خانہ پر حضرت والا کی تشریف آوری:

راستہ میں چورنگی سے ذرا ہٹ کر صنعتی علاقہ سے متصل منگھوپیر روڈ پر پاک کالونی میں خادم کا اپنے مکان میں قیام تھا۔ خادم نے حضرت والا سے غریب خانہ پر تشریف لانے کے لئے عرض کیا۔ کار والے صاحب نے ٹالنا چاہا کہ دیر ہو جائے گی۔ خادم نے شاید دوبارہ عرض کیا۔ حضرت والا نے فرمایا کہ مولانا ظفر احمد صاحب کے یہاں نہیں چلتے، ان کے گھر چلتے ہیں۔ خیر کار والے صاحب راضی ہو گئے۔ اور حضرت والا نے خادم کے گھر تشریف آوری سے مشرف و مسرور فرمادیا۔

خادم کی بیٹی کو تعلیم عربی و ترجمہ قرآن شریف کے لئے حضرت والا کی ہدایات:

خادم کی بیٹی حافظہ رشیدہ بیگم سلمہا کی تعلیم کے بارے میں عرض کیا۔ اس کو مولانا مشتاق صاحب چر تھالوی کی کتب علم الصرف حصہ اول تا چہارم، علم النحو اور روضۃ الادب ختم کراچکا تھا یا قریب الختم تھیں۔ اس کے بعد ترجمہ قرآن مجید پڑھانا تھا۔ لیکن ابھی استعداد کمزور تھی۔ اس لئے کتابیں پختہ کرا کر ترجمہ شروع کرانے کا خیال تھا۔ حضرت والا نے ارشاد فرمایا کہ روضۃ الادب کے بعد ترجمہ قرآن مجید شروع کرادو۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اور اس کی شادی سے پہلے جلدی جلدی ترجمہ قرآن مجید ختم کرایا۔ ورنہ اگر حضرت والا سے استرشاد نہ ہوتا اور شروع نہ کیا جاتا تو ختم نہ ہو سکتا تھا۔

حضرت والا کی خادم پر انتہائی شفقت:

کار والے صاحب کو جو حضرت والا نے فرمایا تھا کہ اچھا مولانا ظفر احمد صاحب کے یہاں نہیں چلتے، اپنے خادم

کے ساتھ حضرت والا کی انتہائی شفقت کا ایک ثبوت ہے۔

حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی سے حضرت والا کی آخری ملاقات:

غرضیکہ حضرت والا نے حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی کی زیارت فرمائی۔ اور واپسی میں رخصت ہو کر حضرت والا دروازہ کے قریب پہنچ کر پھر واپس لوٹے۔ اور دوبارہ حضرت مولانا عثمانی سے ملے۔ خادم اس دوبارہ ملاقات کو دیکھ کر یہ سمجھا کہ اب ان دونوں اکابر کی شاید دنیا میں پھر ملاقات نہ ہو سکے گی۔ اور پھر واقعی ان کی ملاقات اس کے بعد نہ ہو سکی۔

حضرت مفتی رشید احمد صاحب مدظلہ کے یہاں حضرت والا کی تشریف آوری:

وہاں سے حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی مدظلہ کے یہاں تشریف لے گئے۔ ان کا مکان راستہ میں تھا۔

حضرت ڈاکٹر محمد عبدالحی صاحب سے حضرت والا کی ملاقات:

پھر وہاں سے حضرت ڈاکٹر محمد عبدالحی صاحب کے یہاں تشریف لے گئے۔ خادم بھی حاضر خدمت رہا۔ اور حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب مدظلہ بھی ساتھ ہو گئے۔ حضرت مفتی صاحب مدظلہ کے والد ماجد مولانا مولوی الحاج محمد سلیم صاحب کی بھی زیارت ہوئی۔ یہ اب یاد نہیں کہ ساتھ ہی تشریف لے گئے یا قبل یا بعد تشریف لائے تھے۔ وہاں حضرت والا کے ساتھ خاصی دیر تک حضرت ڈاکٹر صاحب کی ملاقات رہی۔

حضرت والا اور حضرت ڈاکٹر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے درمیان ایسی محبت اور بے تکلفی کی باتیں ہوتی رہیں، جیسا کہ کب سے اور کتنے گہرے تعلقات ہیں۔ حالانکہ تھانہ بھون میں تو ملاقات کا احقر کو علم نہیں۔ شاید ہی پاکستان میں اس کے علاوہ اور کبھی ملاقات ہوئی ہو۔

اس ملاقات میں حضرت ڈاکٹر صاحب نے حضرت والا سے ان کے بارے میں اپنا ایک خواب بھی بیان فرمایا کہ حضرت والا نے ان کو اپنا ایک نہایت عمدہ لباس کا جوڑا دکھایا۔ (جو شاید سنہرے رنگ کا فرمایا تھا) اور پھر بہت خوش ہو کر فرمایا کہ میرے پاس ایک اور جوڑا بھی ہے۔ حضرت والا اس خواب کو سن کر بہت متعجب سے رہ گئے۔ پھر حضرت ڈاکٹر صاحب سے سب رخصت ہو کر واپس ہوئے۔ بعد میں سنا کہ غالباً حضرت والا نے اس خواب کی تعبیر اپنا سفر آخرت سمجھا تھا۔

خادم کو حضرت والا کی آخری بار زیارت:

واپسی میں احقر راستہ میں اپنے گھر جانے کے لئے ناظم آباد کی چورنگی پر اتر گیا ہوگا۔ رات کو حضرت والا نے مولانا احتشام الحق صاحب کے یہاں قیام فرمایا ہوگا۔ اگلے روز صبح حضرت والا سے ملنے کے لئے جبکہ لائن مولانا احتشام الحق

صاحب کے یہاں حاضر ہوا۔ حیدرآباد سندھ تک سفر کے لئے ویگن کا انتظام کیا گیا تھا۔ اس میں حضرت والا کے ساتھ جناب عبدالغفور انوری صاحب مرحوم سوار ہوئے۔ مولانا احتشام الحق صاحب نے احقر سے فرمایا بھی کہ اگر ساتھ جانا ہو تو چلے جاؤ۔ کسے معلوم تھا کہ یہ آخری زیارت ہے۔ احقر کی طبیعت بھی کچھ ناساز تھی، نزلہ اور شاید کچھ حرارت تھی، مدرسہ سے چھٹی بھی نہیں لی تھی، گھر پر اطلاع کرنے کا وقت بھی نہ تھا۔ ان وجوہ سے ساتھ نہیں جاسکا۔ اور حضرت والا کی زیارت اور حاضری خدمت اس دنیا کی زندگی میں تو منقطع ہو گئی۔ حضرت والا کے وصال کا مستقل تذکرہ ان شاء اللہ تعالیٰ آئندہ آئے گا۔

اسفار کراچی کے بعض واقعات:

(۱) ایک بار حضرت والا نے کراچی کا سفر اس وقت اختیار فرمایا تھا۔ جبکہ دارالعلوم کراچی کی تعمیر اس احاطہ میں ہونا تجویز ہوا تھا، جہاں بعد میں اسلامیہ کالج کی عمارت بنی۔ اور جہاں شیخ الاسلام حضرت علامہ مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی اور سیدی حضرت مولانا سید سلیمان ندوی کے مزارات ہیں۔ دارالعلوم کے اس موقع پر تعمیر کرنے کے لئے جلسہ کیا گیا، جس میں اکابر امت کے مواعظ ہوئے۔ مخدومنا حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب امرتسری اور حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی کے مواعظ بھی ہوئے۔ ایک جلسہ میں حضرت مولانا سید محمد یوسف صاحب بنوری کا وعظ ہوا، پھر حضرت والا کا وعظ ہوا۔ ایک روز وہاں سے واپسی کے لئے حضرت والا ایک کار میں سوار ہوئے۔ جناب حاجی فتح محمد صاحب جالندھری اور یہ خادم بھی حضرت والا کے ساتھ تھے۔ ہم دونوں کو جگہ نہ مل سکی۔ کیونکہ کار بھر چکی تھی۔ یہ دیکھ کر حضرت والا کار سے اتر گئے۔

اور پھر بعد میں کسی ذریعہ سے تشریف لے گئے۔ خدام کا حضرت والا کو اتنا خیال تھا۔ ایسی شفقت کی مثال کہاں ملے گی؟

(۲) دارالعلوم کے جلسہ میں ایک روز ایک عجیب واقعہ مخدومنا حضرت مفتی محمد حسن صاحب کے وعظ میں یہ پیش آیا کہ حضرت مفتی صاحب وعظ فرماتے فرماتے ایک دم رُک گئے۔ بعض منتظمین جلسہ جو ہمارے بزرگوں کے مذاق سے شاید بالکل واقف نہیں تھے، انہوں نے مائیکروفون پر اصرار کے ساتھ اعلان کیا کہ سب حضرات مفتی صاحب کے وعظ کے مشتاق ہیں۔ وہاں تو بات ہی کچھ اور تھی۔ جس کو بعد میں مولانا عبدالرحمن صاحب زید مجدہم صاحبزادہ حضرت مفتی صاحب نے بیان کیا اور وہی بات دل کو لگی، کہ سامعین میں سے کسی شخص کے دل میں اعتراض پیدا ہو جاتا ہے۔ اس کی نحوست سے بیان میں مضامین کی آمد بند ہو جاتی ہے۔

(۳) حضرت والا کے سفر کراچی کا ایک اور واقعہ بیان کر کے اس باب کو ختم کیا جاتا ہے۔ کراچی سے رات کی کسی گاڑی سے حضرت والا کی واپسی تھی۔ یہ سفر غالباً مدرسہ ہی کی ضرورت سے تھا۔ اور مدرسہ کی ضرورت سے حضرت والا ریل گاڑی کے درجہ سوم میں سفر فرمایا کرتے تھے۔ (سوائے اس کے کہ داعین کبھی اپنی طرف سے اوپر کے درجہ کا ٹکٹ خریدیں تو اور بات ہے) غرض تیسرے درجہ میں باوجود یکہ ہجوم سے زحمت بہت ہوتی تھی، مگر عادت شریفہ یہ تھی کہ خود تکلیف برداشت

فرماتے تھے۔ لیکن مدرسہ کا پیسہ صرف بقدر ضرورت ہی صرف فرماتے تھے۔ چنانچہ درجہ سوم ہی میں سفر فرمایا۔ مولانا حافظ منظور احمد صاحب زاد مجدہ اور جناب عبدالغفور انور صاحب مرحوم بھی ہم سفر تھے۔ احقر بھی کراچی سٹی اسٹیشن پر حاضر تھا۔ گاڑی ابھی پلیٹ فارم پر لگی نہیں تھی۔ انوری صاحب مرحوم نے تجویز فرمایا کہ یارڈ میں جہاں گاڑی کھڑی ہے، قلی کو پیسے دے کر سامان اور آدمی بھیج دیئے جائیں، تاکہ وہ سیٹیں روک لیں۔ حضرت والا خاموش تھے۔ انوری صاحب مرحوم نے اتنی بار اصرار کیا کہ حضرت والا نے پھر منع نہیں فرمایا۔ چنانچہ قلی کے ساتھ بستر وغیرہ کچھ سامان بھیجا گیا اور مولانا منظور احمد صاحب اور احقر ساتھ گئے۔ ابھی گاڑی تک پہنچ کر سامان رکھنے نہ پائے تھے کہ گاڑی پلیٹ فارم کی طرف روانہ ہو گئی۔ قلی نے سامان بستر وغیرہ بمشکل گاڑی کے اندر پھینکا۔ ہم دونوں ساتھ بھاگ رہے تھے۔ لیکن گاڑی تیز ہو گئی اور ہم سوار نہ ہو سکے۔ ہانپتے ہوئے پلیٹ فارم پر پہنچے۔ حضرت والا نے ہم دونوں سے سامان کا دریافت فرمایا۔ ہم نے بتایا حضرت والا نے ہم میں سے ایک کو گاڑی کے آگے والی طرف، دوسرے کو اخیر کی طرف دوڑایا کہ سامان والا ڈبہ تلاش کریں۔ آخر سامان مل گیا۔ اتنے میں گاڑی مسافروں سے بھر چکی تھی۔ تو خدا خدا کر کے سوار ہوئے۔

بعض العبر من هذا السفر:

اس واقعہ سے چند سبق حاصل ہوتے ہیں۔ اول تو یہ کہ مدرسہ کا مہتمم بنا کر، خدمت اور مجاہدہ کا مقتضی ہے۔ اس کا مقصد عہدہ اور جاہ نہیں ہے۔ بلکہ رضائے الہی اور اجرتِ آخرت ہے۔ اور اس کام کو اخلاص و تندہی سے انجام دینا کتنی عظیم دینی خدمت اور کتنے بڑے اجر کا کام ہے۔

دوم: مدرسہ کا مال مسلمانوں کی امانت ہے۔ اس کو اقتصاد و احتیاط سے خرچ کرنا چاہئے۔ خواہ خود مشقت اٹھانی پڑے۔ سوم: اکابر دین خصوصاً جبکہ ان کی عقل و تدبیر اور دیانت و خیر خواہی مسلم بھی ہو ان کی اطاعت ہی میں خیر ہے۔ گو ابتداء میں مصلحت سمجھ میں نہ آئے۔ مگر بعد میں ان ہی کی رائے کا صائب اور انسب ہونا معلوم ہوتا ہے۔ چہارم: ہنگامی حالت میں گھبرانے کی بجائے اختیاری تدبیر کو کام میں لانا چاہئے۔ جیسا کہ حضرت والا نے دونوں طرف آدمی دوڑانے کی تدبیر فرمائی۔

پنجم: مشائخ کا ملین کی خدمت میں حاضری خصوصاً سفر میں مصاحبت سے فوائد کثیرہ حاصل ہوتے ہیں۔

اب حضرات قارئین کا مزید وقت لئے بعبر یہیں اس باب کو ختم کیا جاتا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ ۝

باب سیزدہم (۱۳)

استفاضۂ باطنی

تحصیل سلوک و تصوف

حضرت والا کے استفاضۂ باطنی کے بارے میں قلم اٹھانے کے لئے دو قسم کے علم درکار ہیں۔ ایک تو ظاہری واقعات جو اس سلسلہ میں پیش آئے ہوں گے۔ دوسرے باطنی حالات۔ ذاتی طور پر تو ان دونوں قسم کے علم سے احقر بالکل تہی دست اور کورا ہے۔ باطنی حالات تو حضرت والا کے شیخ و پیر و مرشد حضرت حکیم الامت تھانویؒ ہی سمجھتے ہوں گے۔ یا حضرت حکیم الامت کے بعض اکابر خلفاء جن کا حضرت والا سے کافی رابطہ رہا ہو، یا حضرت والا کے بعض دیگر خاص الخاص احباب اور اکابر امت، گو یہ بھی ضروری نہیں۔ جیسا کہ حضرت حکیم الامت کا قول کہیں پڑھا ہے، جس کا مطلب احقر کو یہ یاد ہے، کہ مشہور ہے: ”ولی را ولی می شناسد“ یہ صحیح نہیں۔ بلکہ صحیح یہ ہے کہ ”ولی را نبی می شناسد“ تو پھر سابق صدی کے مجدد اور اس زمانہ کے شیخ اکبر اور امام سلوک و تصوف حضرت حکیم الامت مولانا مولوی شاہ محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہ العزیز کے اکابر خلفاء میں سے ایک خاص خلیفہ مجاز بیعت کے حالات کو احقر جیسا گرا پڑا شخص کیا سمجھ سکتا ہے۔ اور آپ کے باطنی مقامات اور تعلق باللہ اور معرفت الہیہ اور رُپ نبوی میں سے کس کس بات کا کس کس درجہ میں ادراک کر سکتا ہے۔ دوسرا علم ظاہری واقعات کا۔ اس کا ایک ہی مستند ترین ذریعہ ہے۔ وہ حضرت والا کے خودنوشتہ سوانح میں ”تحصیل سلوک و تصوف“ کا باب ہے۔ اگر وہ نہ ہوتا تو کسی طرح اس باب میں کوئی صحیح بات لکھنا مشکل تھا۔ سوائے اس کے کہ حضرت حکیم الامت کے ملفوظات یا اشرف السوانح میں سے کوئی بات مل جاتی، یا اکابر سلسلہ میں سے جو حضرات باقی ہیں، ان سے کوئی روایت مل جاتی، جس سے کچھ کام نہ چل سکتا تھا۔ چنانچہ اس باب میں زیادہ تر حضرت والا کے خودنوشتہ حالات ہی پر اکتفاء کیا جاتا ہے۔ البتہ حضرت حکیم الامت کے مریدین و مجازین کے احوال باطنی میں سے ایک معتد بہ حصہ تربیت السالک میں ملتا ہے۔ یہ کتاب سلوک و تصوف اور اصلاح باطن کا کامل مطب ہے۔ لیکن اس میں احوال باطنی سب بغیر نام کے دیئے گئے ہیں۔ البتہ حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے عام و خاص مریدین کے احوال کا عام اندازہ کچھ اس کتاب سے ہو سکتا ہے۔ اور دراصل یہ کتاب طالب اصلاح باطن کے لئے نہایت ہی مفید ہے، بلکہ اس کو سالکین کے لازمی نصاب میں داخل سمجھنا چاہئے۔

اب حضرت والاؒ کے استفادہ باطنی یعنی تحصیل سلوک و تصوف کے واقعات جو خود حضرت والاؒ ہی کے تحریر فرمودہ ہیں، ذیل میں نقل کئے جاتے ہیں:

”تحصیل سلوک و تصوف“

”درس نظامی سے فارغ ہونے کے بعد ابتداء میں جب مستقل مدرسہ اشاعت علوم بریلی میں شروع کی تو توفیق الہی سے اپنے نفس کی طرف رجوع کرنے کی توفیق ہوئی۔ جب بھی رجوع کیا تو دل میں کدورت اور ظلمت محسوس ہوئی۔ اس کا علاج یہ سمجھ میں آیا کہ بریلی کو چھوڑ دیا جائے۔ کیونکہ بریلی میں مولوی احمد رضا خان صاحب اور ان کے حواریوں کی وجہ سے بدعات کا روزانہ تذکرہ اور ان کے رد و قدح کا فکر رہتا ہے۔ یہی ظلمت کا سبب ہے۔ چنانچہ بریلی میں استعفاء بھیج کر مدرسہ احیاء الاسلام منڈی صادق گنج ریاست بہاولپور کی مدرسہ اختیاری کی۔ مگر یہاں آنے کے بعد بھی قلب میں صفائی معلوم نہ ہوئی۔ کچھ وقت آج کل میں گزرا۔ آخر ارادہ پختہ کیا کہ کسی بزرگ کی طرف رجوع کیا جائے۔ اور ان کے ذریعہ اپنی اصلاح کرائی جائے۔

قال را بگو اور مرد حال شو پیش مردے کا ملے پامال شو

اس وقت میرے علم میں حقانی مشائخ کرام میں سے اجلہ حضرات موجود تھے۔ مثلاً اُستاذ الحدیث حضرت مولانا محمود حسن صاحب دیوبندی، حضرت مولانا ظلیل احمد صاحب سہارن پوری، حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب رائے پوری، حضرت مولانا محمد صدیق صاحب انہیوئی، حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی، حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمن صاحب دیوبندی، حضرت مولانا حافظ محمد صالح صاحب رائے پوری۔

بریلی کے قیام میں قلب کا میلان اکثر حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف ہوا کرتا تھا۔ مگر اس دربار کا رعب اتنا مانع تھا کہ ہمت نہ پڑتی تھی۔ جب منڈی صادق گنج میں قیام ہوا تو استفادہ کی سہولت اور حصول اصلاح کی آسانی کے لئے قلبی رجحان زیادہ تر حضرت حافظ محمد صالح صاحب رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کی طرف ہوا۔ اس لئے منڈی صادق گنج کے دوران قیام میں اواخر ۱۳۳۷ھ (۱۹۱۹ء) میں وطن حاضر ہو کر حضرت حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت طریقت حاصل کی۔ اور حسب الارشاد کلمہ تجمید کی صبح و شام تسبیح شروع کی، مگر بوجہ عادت نہ ہونے کے بعد اور غلبہ نفس و ہوائے نفس کے آب حیات مقصود کی طرف راہ پانا نصیب نہ ہوا۔

تہی دستان قسمت راجہ سودا زر ہبر کمال کہ خضر از آب حیواں تشنی آرد سکندر را

۱۔ ان کے صاحبزادہ حضرت مولانا عبدالعزیز صاحب چک نمبر ۱۱ ایل چچو وطنی ضلع ساہیوال میں قیام پذیر تھے اور عارف باللہ حضرت مولانا عبدالقادر صاحب رائے پوری قدس سرہ کے مجاز بیعت میں سے تھے۔ اور ماشاء اللہ اصلاح مطلق میں معروف رہے اور طالبین کو ان سے نفع پہنچا رہا۔ (اق۔ جنمیر) اب رحلت فرما چکے ہیں اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے اور درجات بلند فرمائے۔ (آمین) حضرت والاؒ کے صاحبزادہ حضرت مولانا عبدالحق صاحب ان ہی سے بیعت تھے۔ (۱۲)

باوجود انتساب کے عملی غفلت شعاری میں ہی ایام گزرتے گئے۔ حتیٰ کہ ۱۳۳۹ھ (۲۱-۱۹۲۰ء) میں حضرت مرشدی پیک اجل کو لبیک کہہ کر اپنے مسترشدین کو یتیم چھوڑ کر خدا کے پاس پہنچ گئے۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُونَ۔ اللّٰهُم اغفر له مغفرة ظاهرة وباطنة. وادخله جنة نعيم جنة الفردوس.

حضرت حافظ محمد صالحؒ سے بیعت کی کچھ تفصیل:

جیسا کہ پہلے گزرا حضرت والا کی ابتدائی تعلیم و تربیت آپ کے ماموں صاحب مرحوم نے شروع فرمائی تھی۔ اور پھر مدرسہ رشیدیہ نکودر میں داخل کرایا تھا۔ جس کے مہتمم حضرت حافظ محمد صالح صاحب رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ (حضرت گنگوہیؒ کے خلیفہ) تھے۔ ان ہی حضرات کی بدولت حضرت والا کے ماموں صاحب کو حضرت گنگوہیؒ سے بیعت کا شوق ہوا۔ چنانچہ حضرت والا کو بھی ابتداء میں حضرت حافظ محمد صالح صاحبؒ سے انس ہونا قرین قیاس ہے۔ اور جیسا کہ حضرت والا نے خود ذکر فرمایا، سہولت استفادہ کی وجہ سے ابتداء میں ان ہی سے بیعت فرمائی۔ اب قبل اس کے کہ مجدد الملت حضرت تھانویؒ سے استفادہ کا ذکر کیا جائے، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اوّل حضرت حافظ صالح صاحبؒ اور پھر حضرت حکیم الامتؒ سے رجوع کے متعلق ”نقش حیات“ میں جو مختلف جگہ ذکر فرمایا ہے، اس کو یکجا بالترتیب جمع کر دیا جائے۔ چنانچہ عرض ہے:

(۱) حضرت حافظ صاحبؒ کے ساتھ سفر دیوبند:

باب تحصیل علوم میں حضرت والا کے ایک خاص اُستاز محترم حضرت مولانا فقیر اللہ صاحب رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کے تذکرہ میں حضرت حافظ صاحبؒ کے ساتھ حضرت والا کے ایک سفر کا ذکر ان الفاظ میں گزر چکا ہے: ”جب ۱۳۲۸ھ میں جلسہ ۲۷ سالہ دستار بندی منعقد ہوا اور جانے کے لئے ایک وفد تیار ہوا، جس کے پیشرو قدوة الصالحین حضرت حافظ محمد صالح صاحب رحمۃ اللہ علیہ تھے، تو مجھے بھی اس وفد کے ساتھ جانے کے لئے فرمایا۔ چنانچہ ہم سب ایک رات مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور پرے۔ دوسرے روز دیوبند پہنچ کر عالی شان جلسہ دیکھا۔“

(۲) حضرت حافظ صاحبؒ کے ساتھ کھر پڑ بتقریب نکاح برادر عزیز حضرت والاؒ:

یہ سفر ۱۳۳۵ھ میں ہوا، اور اس سفر میں حضرت حافظ صاحبؒ کا ایک خاص واقعہ حضرت والا نے یوں ذکر فرمایا ہے: ”اس سفر میں سیدی حضرت حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تواضع اور ایثار فوق الکرامت عجیب و غریب نمایاں ہوا۔ اسٹیشن رائے ونڈ سے گاڑی بدلا کرتی تھی۔ ٹکٹ اسٹیشن چوکی کے لئے گئے تھے اور وہیں اُترنے کا فیصلہ کیا تھا۔ اور سب ٹکٹ میرے پاس محفوظ تھے۔ حضرت اقدس حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے ظاہر نہ کیا گیا تھا کہ چوکی اسٹیشن پر اُترنا ہے۔ اس سے اگلا اسٹیشن والے راہدارام ذرا کھر پڑ کے قریب پڑتا تھا۔ رائے ونڈ کے اسٹیشن پر ہجوم کی بے پناہ کثرت کی وجہ سے کسی ڈبہ میں ہم

سب کو یکجا جگہ نہ مل سکی۔ اس لئے حضرت صاحبؒ کسی ڈبہ میں اور ہم دوسرے ڈبہ میں سوار ہو گئے۔ جب پتوکی اسٹیشن آیا تو ہم وہاں اتر گئے۔ سواریاں بھی موجود تھیں۔ مگر حضرت صاحبؒ نہ اترے۔ آوازیں بھی دیں۔ لیکن گاڑی چل دی۔ بڑی پریشانی ہوئی۔ اس کا زیادہ سبب یہ تھا کہ ٹکٹ ہمارے پاس ہیں۔ حضرت کو اس کی تکلیف ہوگی۔ پھر کھر پڑ تک پہنچنے میں وقت ہوگی۔ اسی پریشانی میں کھر پڑ پہنچ کر ہم نے گھوڑی سوار کو فوراً اسٹیشن واں رادھا رام بھیجا۔ وہ تلاش کر کے واپس آیا کہ نہیں ملے۔ پریشانی اور بڑھی۔ حقیقت میں حضرت صاحبؒ جب واں رادھا رام اترے تو ٹکٹ کلکٹر بابو ہندو تھا۔ آپ نے سچی بات اور صاف صاف کہہ دی۔ وہ آپ کے نورانی چہرہ کو دیکھ کر سچا سمجھ کر اعزاز کرنے لگا۔ مگر آپ نے اس کو کوئی تکلیف نہ دی۔ بلکہ سیدھے جا کر ایک سرانے میں تھوڑی دیر آرام کیا۔ پھر علی الصبح پیادہ چل کر کھر پڑ پہنچے۔ دیکھنے سے آپ کے چہرہ مبارک پر رات کی تکلیف اور پیادہ سفر کی مشقت کا ذرہ برابر بھی اثر نہ تھا۔ بلکہ مسکراتے ہوئے اپنا واقعہ بیان فرماتے جاتے تھے۔ سبحان اللہ! اہل اللہ کی یہی شان ہوتی ہے۔ حق تعالیٰ جنت الفردوس میں ان کے مراتب بلند کرے اور مقام قرب و رضا عطا فرمائے، آمین۔

انتقال حضرت حافظ صاحبؒ اور حکیم الامت حضرت تھانویؒ کی طرف رجوع:

حضرت والا تحریر فرماتے ہیں: ”شیخ طریقت مرشدی حضرت حافظ محمد صالح صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا بھی انتقال ۱۳۳۹ھ (۱۹۲۱-۱۹۲۰ء) سال ہی میں ہوا۔ پھر قطب العالم حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف رجوع کیا گیا۔ پہلے مکاتبت کا سلسلہ رہا۔ پھر حضرت اقدس کی خدمت میں تین مرتبہ تھانہ بھون حاضری ہوئی اور تجدید بیعت بھی نصیب ہوئی۔“

چنانچہ اس طرح حضرت والا بفضلہ تعالیٰ امام ربانی حضرت گنگوہیؒ کی نسبت کے فیض بواسطہ آپ کے خلیفہ حضرت حافظ محمد صالح صاحبؒ اور حضرت حکیم الامت مجدد تھانویؒ کی نسبت کے براہ راست فیض کے جامع ہوئے، والحمد للہ علیٰ ذلک۔

اشرف المجادلات وخیر المناظرات عن حکم الجمعۃ فی القرئی:

اس کے بعد حضرت والا نے حضرت حکیم الامتؒ سے خود ان کے اذن سے جمعہ فی القرئی کے بارے میں جو طالب علمانہ سوالات کئے، اور حضرت حکیم الامتؒ نے جو محققانہ جواب دیئے، یہ جوابات استفادہ علمی کے علاوہ استفادہ باطنی کو بھی شامل ہیں۔ اس لئے ان کو اسی باب کے تحت درج کیا جاتا ہے۔ یہ غالباً حضرت والا کی تھانہ بھون اول دفعہ حاضری کے موقع کا واقعہ ہے۔ اور حسب ذیل پورا واقعہ حضرت والا کے الفاظ میں مذکور ہے:

۱۔ موالید و وفیات کے موضوع پر حضرت والا کی تحریر فرمودہ یادداشتوں میں حضرت حافظ صاحبؒ کی وفات ۶ شوال ۱۳۳۹ھ بوقت ۱۱ بجے دن ”نیز عمر تھانہ“

۶۰ سال (مذکور ہے) (۱۲)

۲۔ آ۔

۳۔ عنوان از آ۔

۴۔ ابے کہیں کہیں کوئی لفظ ہما سافہ ہونا سمجھ میں آیا تو اضافہ کر دیا ہے۔ (۱۲)

”مسوی و مصفی شرحین موطا امام مالک وغیرہ رسائل کے مطالعہ سے عند الحنفیہ جمعہ فی القرئی کا جواز سمجھ میں آیا اور تخمیناً تین سال اس پر عمل کیا۔ بلکہ ایک تحریر بھی قلمبند کی۔ اسی اثناء میں تھانہ بھون حاضری ہوئی (سفر کی تفصیل یہ ہے کہ) منڈی صادق گنج کے زمانہ قیام میں ایک دفعہ مولانا عبدالواحد صاحب غزنوی کے لڑکے کے ساتھ رنگون جانے کا قصد ہوا۔ رمضان المبارک ۱۳۴۲ھ کے وسط میں ہم براستہ دہلی بمبئی گئے۔ وہاں ایک عرب صاحب جو مولانا عبدالرحیم صاحب غزنوی کے داماد بھائی تھے، ان کے پاس ایک ہفتہ تک قیام رہا۔ پھر وہاں سے مٹھرا ہوتے ہوئے کلکتہ پہنچے۔ دو روز وہاں ٹھہر کر رنگون کو جہاز پر روانہ ہوئے۔ تیسرے یا چوتھے دن جہاز رنگون پہنچا۔ وہاں عشرہ اخیرہ رمضان المبارک اور عید الفطر گزارے۔ واپسی میں بریلی مدرسہ اشاعت علوم میں ایک دو دن قیام کیا۔ پھر عشرہ اولی شوال (۶ مئی ۱۹۲۴ء) تھانہ بھون میں حاضر ہوئے۔ حضرت والا سے ملاقات ہوئی۔ شب کو میں نے حضرت والا کی خدمت میں ایک خط لکھا۔ صبح اس کا جواب ملا۔ اور میرے مرض کی تشخیص کی۔ پھر جواب الجواب میں میں نے اس مرض کو تسلیم کیا۔ تو حضرت والا نے دُعاء دی اور لکھا: ”جی خوش ہوا۔ لیہنک العلم والعمل۔“ پھر ہفتہ ڈیڑھ ہفتہ قیام کے بعد جب واپسی کا ارادہ ہوا تو جی میں آیا کہ سیدنا و مرشدنا حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ العزیز کی خدمت اقدس میں اس کا ذکر کر کے تشفی حاصل کرنی جائے۔ مگر حضرت اقدس کے خدا داد رعب کی وجہ سے بالمشافہ ذکر کی ہمت نہ پڑتی تھی۔ اسی تردد کی حالت میں واپسی کا پختہ ارادہ کر کے دوپہر کے وقت الوداعی مصافحہ کرنا چاہا تو خود فرمایا: ”کچھ پوچھنا تو پوچھ لینا تھا۔“ یہ حضرت والا کی کرامت تھی۔ میں نے عرض کیا: پوچھنا تو تھا، مگر بات لمبی ہے۔ آپ کا وقت عزیز ضائع ہوگا۔ دوسرے رعب بھی مانع ہے۔ میں پوری بات نہ عرض کر سکوں گا۔ فرمایا وہ بات دین کی ہے یا دنیا کی۔ عرض کیا، دین کی ہے۔ فرمایا پھر وقت ضائع کیسے ہوگا۔ میرا تو سارا وقت ہی دین کے لئے ہے۔ دوسری بات کا جواب فرمایا کہ آپ مرعوب بالکل نہ ہوں۔ یوں سمجھو کہ میں دیوار کے سامنے بیٹھا ہوں۔ بے فکر ہو کر اپنے شبہات بیان کرتے جائے اور جواب سنتے جائے۔ حضرت والا کے اس شفقت آمیز لہجہ اور حوصلہ افزاء کلمات طیبات سے دل میں حوصلہ ہوا اور گفتگو شروع ہوئی، جو سوال و جواب کی صورت میں درج ذیل کی ہے:

سوال: قرآن مجید میں یا ایہا الذین آمنوا إذا نودى اہ کا خطاب عام اہل ایمان کو ہے۔ اس میں اہل قرئی بھی مخاطب ہیں؟

جواب: اس آیت میں ”الذین“ اسم موصول عہد خارجی ہے۔ قرینہ اس پر آیت کا نزول مکہ مکرمہ میں ہے۔ لہذا مخاطب اہل ایمان مصری ہیں نہ کہ قروی۔

سوال: احادیث الجمعة واجب علی کل مسلم ۱ ھ جمعوا حیث ما کنتم وغیرہا پیش کی گئیں۔
جواب: ہر ایک کا جواب شافی عطا فرمایا۔

سوال: مسوئی و مصفیٰ میں شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جس گاؤں میں پچاس آدمی ہوں وہ جمعہ نہ پڑھیں تو گنہگار ہوں گے۔ تمام حضرات دیوبند سے حضرت شاہ صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ بڑے ہیں۔ چھوٹے کے مقابلہ میں بڑے کے قول پر عمل کر لینے سے سلسلہ سے بھی انسان خارج نہیں ہوتا۔

جواب: آپ نے اصول ٹھیک بیان کیا۔ مگر انطباق میں غلطی کی۔ حضرات دیوبند جو کچھ کہتے ہیں وہ از خود نہیں کہتے، بلکہ حضرت امام ابوحنیفہ اور صاحبین رحمہم اللہ کی بات نقل کرتے ہیں۔ اب شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا مقابلہ ان حضرات کے ساتھ کیجئے اور چھوٹے کے مقابلہ میں بڑے کے قول کو ترجیح دیجئے۔

الغرض میرے تمام سوالات کے جوابات مناظرانہ رنگ میں دے کر مجھے لا جواب کر دیا۔ مگر قلب میں شرح صدر نہ ہوا۔ میں نے عرض کیا کہ شبہات تو بھم اللہ دور ہو گئے، مگر ابھی شرح صدر نہیں ہوا۔ آپ نے فوراً فرمایا دیکھو آپ نے کنز وغیرہ میں یہ جزئیہ پڑھایا ہوگا کہ اگر مصری تندرست جس پر بافتاق ائمہ حنفیہ جمعہ فرض ہے، اپنے گھر میں ظہر پڑھ لے اور یہ گمان کرے کہ جامع مسجد میں جمعہ ہو چکا ہوگا تو تمام ائمہ حنفیہ کے نزدیک فرض وقتی ساقط ہو جاتا ہے۔ اور جہاں ائمہ حنفیہ میں سے کسی کے نزدیک بھی جمعہ ادا نہیں ہوتا جیسے قرئی صغریٰ تو وہاں ظہر پڑھ لینے سے کیوں فرض وقتی ساقط نہ ہوگا۔

پتہ نہیں یہ کس دل اور کس طرح سے ادا فرمایا تھا کہ فوراً دل صاف ہو گیا اور شرح صدر ہو گیا۔ عرض کیا کہ الحمد للہ شرح صدر بھی حاصل ہو گیا۔ اب جتنے جمعہ قرئی میں پڑھے ہیں حساب لگا کر ظہر قضا کر لوں گا۔ ارشاد فرمایا کہ فی ماہ ۵ جمعہ کا حساب لگانا، کیونکہ کسی ماہ میں ۵ جمعہ بھی آجایا کرتے ہیں۔ چنانچہ بندہ نے رمضان ۱۳۴۳ھ (مارچ ۱۹۲۵ء) میں گاؤں پنج کر مسجد میں اعلان کر دیا کہ مجھے تحقیق ہو گئی ہے۔ میں جمعہ نہیں پڑھا کروں گا۔ جن لوگوں نے میری وجہ سے جمعہ شروع کیا ہو وہ چھوڑ دیں۔ ورنہ مجھ پر بار نہ ہوگا۔ پھر حساب لگا کر ظہر کی نمازیں قضا کر لیں۔ فالحمد للہ علی ذلک۔

اس کے بعد حضرت حکیم الامتؒ سے بیعت ہونے، اجازت بیعت و تلقین ملنے، مکرر بیعت ہونے اور دیگر واقعات کے مختلف نوٹ حضرت والا کے تحریر فرمودہ یکجا نقل کئے جاتے ہیں۔

حضرت حکیم الامتؒ سے اجازت بیعت و تلقین اور اس سے قبل تجدید بیعت:

”اسی اثناء میں قبلہ عالم قطب الارشاد والکونین حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا شاہ اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ العزیز سے بیعت و تلقین کی اجازت مورخہ ۷ رجب المرجب ۱۳۴۷ھ (۳۰ دسمبر ۱۹۲۸ء) کو بمقام خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون چاروں سلسلوں چشتیہ، نقشبندیہ، قادریہ، سہروردیہ میں عطا ہوئی۔ اور اس سے قبل ۹ ذی الحجہ ۱۳۴۳ھ (کیم جولائی ۱۹۲۵ء) میں بعد نماز مغرب کے چاروں سلسلوں میں تجدید بیعت فرمایا۔“

تھانہ بھون حاضری اور اعتکاف:

”اسی اثناء میں چھ مرتبہ تھانہ بھون جانے کا اتفاق ہوا۔ اور ایک مرتبہ وہاں عشرہ اخیرہ رمضان المبارک کا اعتکاف

بھی کیا۔“

حضور ﷺ کے جلال آباد والے جبہ شریف کی زیارت اور مکرر بیعت:

”مورخہ ۷ ربیع الثانی ۱۳۵۸ھ مطابق ۲۷ مئی ۱۹۳۹ء کو تھانہ بھون شریف کے قیام کے زمانہ میں جلال آباد والا جبہ شریف آنحضرت ﷺ کا تھانہ بھون میں گیا۔ اس کے محافظ مسجد حوض والی میں قیام پذیر تھے۔ باجائزت حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ بمعہ حضرت والا مسجد حوض والی میں احقر کو ایک روز جبہ شریف کی زیارت نصیب ہوئی۔ پھر اسی مسجد میں چند آدمیوں کو حضرت اقدس نے بیعت فرمانے کا ارادہ فرمایا۔ تو ہم خدام نے بھی عرض کیا کہ اگر اجازت ہو تو ہم بھی مکرر بیعت کا شرف حاصل کر لیں۔ اس وقت حضرت والا نے حاضرین کو عام اجازت فرمادی۔ اس وقت واقفین میں حضرت مولانا محمد حسن صاحب امرتسری اور ان کے لڑکے مولوی عبید اللہ صاحب اور مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی اور احقر یاد ہیں کہ موجود تھے۔ سب نے مکرر بیعت کا شرف حاصل کیا۔“

دماغ چرائینے کا عجیب دعویٰ:

”مورخہ ۷ جمادی الاولیٰ ۱۳۵۹ھ مطابق ۲۳ جون ۱۹۴۰ء میں اس مقدمہ کی پہلی تاریخ تھی جو مولوی صادق علی سکنہ بستی غذان نے حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا حسین علی صاحب سکنہ واں پگھراں پر دائر کیا تھا کہ میرا دماغ مولانا حسین علی صاحب نے چرائیا ہے۔ اور مولانا تھانوی کو معلوم ہے۔ یہ واپس لے کر مجھے دے سکتے ہیں۔ مگر واپس نہیں دیتے۔ مجھے علاج کرانے میں کافی رقم خرچ ہوئی ہے۔ مجھے یک صدر روپیہ ان سے لے کر دیا جائے۔ جب اس کا نوٹس تھانہ بھون پہنچا تو حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ (نے) اس کی نقل لے کر بلا وصول کئے وہ نوٹس واپس کر دیا۔ اور وہ نقل میرے پاس بھیج کر فرمایا کہ یہ شخص پیسے کا بھوکا ہے۔ اس کو ایک سو روپیہ دے دیا جائے۔ میں نے وکلاء سے مشورہ لیا۔ سب نے کہا کہ ہرگز روپے نہ دیئے جائیں۔ البتہ نوٹس کا جواب دے دیا جائے۔ اور حضرت والا سے مختار نامہ لے کر خود پیش ہو جائیں۔ چنانچہ جالندھر کے وکلاء شیخ محمد شریف صاحب وکیل اور مولوی پیر محمد صاحب مختار نامہ کا مسودہ تیار کر کر بندہ بقصد تھانہ بھون پہلے بہارن پور مولوی منفعت علی صاحب وکیل سے ملا۔ اور ان سے مختار نامہ تصدیق کرا کر تھانہ بھون حاضر ہوا۔ کہنے سننے سے حضرت والا نے مختار نامہ پر دستخط فرمادیئے اور فرمایا کہ اس پر جو کچھ خرچ آئے گا، میں خود ادا کروں گا۔ اور مبلغ ۲۵ روپیہ مجھے دیئے۔ ایک دو پیشی میں وہ مقدمہ خارج ہو گیا۔ اور تین چار روپے خرچ کے کاٹ کر باقی تھانہ بھون واپس کر دیئے۔ یعنی ۲۸ جولائی ۱۹۴۰ء (۲۳ جمادی الثانیہ ۱۳۵۹ھ) میں اس مقدمہ کا فیصلہ بصورت خارج ہونے کے لاہور میں ہو گیا۔“

حضرت والا کے قلم مبارک سے تحریر شدہ تحصیل سلوک و تصوف کا تذکرہ شروع ہوا تھا۔ درمیان میں حضرت والا کے تحریر فرمودہ بعض واقعات آپ کے شیخ اڈل حضرت حافظ محمد صالح صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے آئے۔ اس کے بعد حضرت حکیم الامت سے تعلق و استفادہ اور تھانہ بھون حاضری وغیرہ کے حالات مع بعض دیگر واقعات کے مذکور ہوئے۔ اب پھر بالترتیب حضرت والا کے قلم سے تحصیل سلوک و تصوف کا باقی اور اہم حصہ خصوصاً حضرت حکیم الامت سے تعلق کا، نیز تھانہ بھون حاضری کا مسلسل تاریخ وار تذکرہ نقل کیا جاتا ہے۔

”قطب الارشاد والکونین حکیم الامت مجدد الملت حضرت تھانوی قدس سرہ العزیز سے استفادہ:

پھر ایک عرصہ تک یہی غفلت و بے حسی کا عالم رہا۔ البتہ کبھی کبھی انکاری طلب کی سلگتی رہی۔

ع: ہر شے گویم کہ فردا ترک ایں سودا کنم باز چوں فردا شود امروز را فردا کنم

آخر ۱۳۳۲ھ (۱۹۲۳ء) کے اواخر میں لطیفہ غیبی نے ندادی۔

ع: قال را بگذار و مرد حال شو پیش مرد کاٹے پامال شو

قطب العالم مند و منا و مرشدنا حکیم الامت مجدد الملت حضرت شاہ محمد اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ رحمۃ واسعہ کی طرف قلبی میلان و تقاضا پیدا ہوا۔ اور مکاتبت کا سلسلہ شروع کیا۔ بعدہ حاضری تھانہ بھون کا سلسلہ شروع ہوا۔ غالباً پہلی حاضری اس وقت ہوئی جبکہ میں سفر رنگون سے واپس آیا تھا۔ تمام حاضریوں کی صحیح تعداد اور تاریخیں تو یاد نہیں رہیں۔ البتہ جتنی یاد ہیں ان کو تاریخ وار ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔ اصل یادداشت کا ذریعہ وہ کاغذات اور حضرت والا کے خطوط اور مکاتبت تھے جو مشرقی پنجاب کے فسادات ۱۹۲۷ء (۱۳۶۶ھ) میں تمام یادداشتیں جالندھر میں رہ گئیں۔ حضرت اقدس کے مکاتبت و خطوط کے گم ہونے کا صدمہ دل پر بہت ہے اور مرتے دم تک باقی رہے گا۔ علاوہ اس کے کہ وہ ذخیرہ علوم و معارف کا بحر موانج تھا۔ میرے پاس نجات اخروی کا بھی وہی ذریعہ تھا۔ ورنہ اعمال صالحہ کا پلہ ہمیشہ خالی رہا۔ اور اب جبکہ دنیا سے سفر کا وقت قریب آ گیا ہے، بالکل ہی اعمال صفر ہیں۔ محض اللہ تعالیٰ کی رحمت و فضل پر ہی بھروسہ ہے کہ وہ بزرگوں کی نظر شفقت کے طفیل شاید مراحم خسروانہ فرماویں۔

ای اللہ فنجوائے حدیث المراع من احب

قیامت کے فیصلہ کے وقت تو فنی مسلماً و الحقنی بالصالحین، آمین ثم آمین، ثم آمین۔

حاضری تھانہ بھون شریف:

(۱) پہلی حاضری شوال ۱۳۳۲ھ (مئی ۱۹۲۳ء) کے اوائل میں ہوئی، اور قیام ایک ہفتہ رہا۔ مقیمین کو اس وقت مکاتبت کی اجازت تھی۔ چنانچہ پہلا خط لکھ کر اپنا حال عرض کیا گیا، تو حضرت والا نے مجھ میں تکبر تشخیص کر کے اس مرض کا علاج شروع

فرمایا۔ میں نے دوسرے خط میں تشخص و تجویز دونوں کو تسلیم کیا۔ تو حضرت والا نے جواب میں جو الفاظ تحریر فرمائے، وہ اب تک دماغ میں محفوظ ہیں۔ فرمایا: ”بہت جی خوش ہوا۔ ہنیا لک العلم والعمل“

- (۲) ۲۱ شعبان ۱۳۳۳ھ مطابق ۱۸ مارچ ۱۹۲۵ء، مدت قیام ۸ یوم
- (۳) ۴ ذی الحجہ ۱۳۳۳ھ مطابق ۲۶ جون ۱۹۲۵ء، مدت قیام ۸ یوم
- (۴) ۹ ذی الحجہ ۱۳۳۳ھ مطابق ۲۰ جون ۱۹۲۶ء۔ مدت قیام ۵ یوم
- (۵) ۱۱ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۵ھ مطابق ۷ نومبر ۱۹۲۶ء۔ مدت قیام ۷ یوم
- (۶) ۸ ذی الحجہ ۱۳۳۵ھ (۹ جون ۱۹۲۶ء) مدت قیام ۵ یوم
- (۷) ۲۰ رمضان المبارک ۱۳۳۶ھ (۱۲ مارچ ۱۹۲۸ء) مدت قیام ۹ یوم
- (۸) ۲۵ ربیع الثانی ۱۳۳۷ھ (۱۱/اکتوبر ۱۹۲۸ء) مدت قیام ایک یوم
- (۹) ۱۵ رجب ۱۳۳۷ھ (۲۸ دسمبر ۱۹۲۸ء) مدت قیام ۶ یوم
- (۱۰) ۱۸ رمضان المبارک ۱۳۳۷ھ (۲۸ فروری ۱۹۲۹ء) مدت قیام ۱۳ یوم، اعتکاف عشرہ اخیرہ
- (۱۱) ۸ ذی الحجہ ۱۳۳۷ھ (۱۸ مئی ۱۹۲۹ء)، مدت قیام ۵ یوم
- (۱۲) ۲۶ رمضان المبارک ۱۳۳۷ھ (۲۵ فروری ۱۹۳۰ء) مدت قیام ۶ یوم
- (۱۳) ۸ ذی الحجہ ۱۳۳۸ھ (۷ مئی ۱۹۳۰ء) مدت قیام ۵ یوم
- (۱۴) ۷ صفر ۱۳۳۹ھ (۴ جولائی ۱۹۳۰ء) مدت قیام ۳ یوم۔ اس سفر میں برادر عزیز مولوی غلام محمد مرحوم بھی ہمراہ تھے۔
- (۱۵) ۳ شعبان ۱۳۳۹ھ (۲۳ دسمبر ۱۹۳۰ء) مدت قیام ۵ یوم
- (۱۶) ۴ ربیع الثانی ۱۳۶۰ھ (۲ مئی ۱۹۴۱ء) مدت قیام ۵ یوم
- (۱۷) ۲۰ شعبان ۱۳۶۱ھ (۲ ستمبر ۱۹۴۲ء) مدت قیام ۷ یوم
- (۱۸) ۲۵ ربیع الثانی ۱۳۶۲ھ (یکم مئی ۱۹۴۳ء) مدت قیام ۵ یوم
- (۱۹) ۷ رجب ۱۳۶۲ھ (۲۱ جولائی ۱۹۴۳ء) مدت قیام ۳ یوم

نوٹ: آخری مرتبہ حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد دوسرے روز جانا ہوا۔ اس لئے کہ حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ کا وصال ۱۶ رجب ۱۳۶۲ھ مطابق ۲۰ جولائی ۱۹۴۳ء بجے شب منگل ہوا۔ انا لله وانا اليه راجعون۔“

تجدید بیعت طریقت:

اس کا تذکرہ حضرت والا نے اس طرح فرمایا ہے: ”پہلے بیعت مرشدی حضرت حافظ محمد صالح صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ہوئی تھی۔ اس لئے سیدنا و مرشدنا حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ العزیز نے ابتداء میں بیعت کرنے سے

انکار فرمایا تھا۔ فرمایا کہ سلسلہ قائم ہے، ضرورت نہیں۔ دراصل حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ کا یہ دستور ہے کہ ابتداء میں بیعت نہیں فرمایا کرتے، بلکہ مناسبت ہونے کے بعد بیعت فرماتے ہیں۔ ایک سال بعد تجدید بیعت کی درخواست کی گئی تو قبول فرما کر فرمایا کہ: یہ پرچہ میں اپنے پاس رکھتا ہوں۔ بعد مغرب کے میں خود بلا لوں گا۔ چنانچہ مورخہ ۹ ذی الحجہ ۱۳۳۳ھ (یکم جولائی ۱۹۲۵ء) کو بعد نماز مغرب لیلۃ العید الاضحیٰ میں مسجد خانقاہ امدادیہ میں چاروں سلسلوں (چشتیہ، نقشبندیہ، قادریہ، سہروردیہ) میں بیعت سے دست بدست مشرف فرمایا۔“ (نقش)

حضرت حکیم الامت سے شرف بیعت:

اس طرح حضرت والا کو حکیم الامت حضرت مولانا شاہ محمد اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ سے بیعت کا شرف حاصل ہو گیا، جو بلاشبہ اس صدی کے مجدد تھے۔ ٹھیک چودھویں صدی کے آغاز ۱۳۰۱ھ میں دارالعلوم دیوبند سے فارغ ہو کر خدمت دین اور اصلاح خلق میں مصروف ہو گئے۔ اور ۶ رجب ۱۳۶۲ھ مطابق ۱۹ جولائی ۱۹۴۳ء اس دارقانی سے رحلت فرما گئے۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُونَ۔ دین کا کوئی ایسا شعبہ یا گوشہ باقی نہیں چھوڑا جس پر آپ نے اپنی گراں قدر تصانیف نہ چھوڑی ہوں۔ یہ موقع آپ کے تعارف کا نہیں، بلکہ آپ کی ذات گرامی تعارف کی محتاج بھی نہیں۔ پاک و ہند تو کیا پورے عالم اسلام میں مثل آفتاب و ماہتاب کے مشہور ہیں۔ آپ کی مفصل سوانح آپ کے خلیفہ خاص عارف باللہ حضرت خواجہ عزیز الحسن صاحب مجذوب نے آپ کی حیات طیبہ میں ”اشرف السوانح“ کے نام سے تین جلدوں میں اور پھر اس کا تکرار بعد وفات حضرت حکیم الامت تھانوی چوتھی جلد ”خاتمۃ السوانح“ میں تحریر فرمایا، جس میں وفات کے حالات تفصیل سے مذکور ہیں۔ اس کے علاوہ چھوٹی بڑی متعدد سوانح عمریاں لکھی گئیں، جن میں سے چند ایک کے نام یہ ہیں: ”حیات اشرف“ از ڈاکٹر غلام محمد صاحب، ”سیرت اشرف“ از فاضل عبد الرحمن خان ملتان، مرحوم، ”تلخیص اشرف السوانح“ از مولانا نور احمد صاحب اکیابی مرحوم، ”ترجمۃ المصنف“، ”امداد المقتبین“ از حضرت مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہ، ”جامع الحجہ دین“ از حضرت مولانا عبدالباری ندوی، ”آثار علیہ“ از حضرت مولانا سید سلیمان ندوی، ”حیات اشرف“ از حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی۔ خود اس ناچیز نے چھوٹے بچوں کے لئے مختصر سوانح ”ترجمۃ المصنف جمال القرآن“ کے نام سے قلم بند کی ہے۔

نو تعلیم یافتہ حضرات کے لئے عارف باللہ حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب عارفی رحمۃ اللہ علیہ نے ”بصائر حکیم الامت“ میں جو حضرت حکیم الامت کا مختصر تعارف کرایا ہے وہ کافی شافی ہے۔ یہاں جی چاہتا ہے حضرت رمزی اثاوی کی نظم مقلوبہ بہ سفیر غیب نقل کر دوں، جو انہوں نے حضرت حکیم الامت کی وفات کے بعد تحریر فرمائی تھی۔ یہ گویا حضرت حکیم الامت کی مختصر

۱۔ بقلم جناب ماسٹر محمد اقبال قریشی صاحب مدظلہ

۲۔ یعنی جو صدی ۱۳۰۰ھ کے اختتام پر ختم ہوئی۔

۳۔ غالباً یہ کتاب طبع نہیں ہوئی۔ مگر اس کا ذکر حضرت مولانا عثمانی کی خودنوشت سوانح ”انوار انظری آثار ظفر“ میں ہے۔ (بروایت۔ ا۔ ق)

زین سوانح ہے۔

ناجیز نے جا بجا کچھ عنوانات بھی لگا دیئے ہیں۔

”سفیر“ غیب“

حضرت حکیم الامتؒ نے ساری زندگی اصلاحِ امت میں بسر کی:

اٹھا کر لے گئی آغوش میں جبریل طلعت کو
سوادِ اعظم اسلام کا رخشندہ مہ پارا
گزاری جس نے اپنی زندگی اصلاحِ امت میں
خدا سے ہو گیا واصل خدا کی جستجو ہو کر
حقیقت جس میں روشن ہے تجلی جس میں آوارہ
نظر کو بخشتا ہے دولت انوار نظارہ
یقیناً تربیت گاہ مذاق معرفت کہیے
عجم سے تا حرم ہر سو ہے تیرا شہر ناطق

نہ جانے کیا اچانک موج آئی اس کی رحمت کو
اسی ماحول میں گم ہو گیا ہنتا ہوا تارا
وہ تارا جو رہا ملفوف احرام قیادت میں
بڑھاپے کا تو کیا کہنا مجسم آرزو ہو کر
یہ تیری خانقاہ پاک نور حق کا مینارہ
اُبلتا دیکھتا ہوں کوثر عرفاں کا فوارہ
یہ تیری سہ دری ہے جس کو طاق معرفت کہیے
حکیم ایشیا کہیے تجھے یا عارف مشرق
حضرت حکیم الامتؒ کے مواعظِ حسنہ کی تاثیر:

تجھے اسلام کا اک چلتا پھرتا جامعہ کہیے
بغیر ساز و نغمہ وجد میں سر اپنا دھنتے تھے
سپیدہ جیسے اگتا ہو ریاض صبح صادق میں

تیری تقریر کیا ہوتی تھی کشف سامعہ کہیے
وہ دولت لے کر اٹھتے تھے جو تیرا وعظ سنتے تھے
اُجالا اس طرح کرتا تھا پیدا ذہن فاسق میں

رسومِ جہالت و بدعت مٹانے میں حضرت حکیم الامتؒ کی کامیابی:

کہ جن راہوں میں پوشیدہ جہنم زار ہوتے ہیں
کچل ڈالا تمدن کے شزر انگیز جلووں کو
سمجھ رکھا تھا دنیا نے جسے رازِ وفاداری
روایاتی عناصر، اجنبی باطل عقائد کو
مکدر ہو چکا تھا روغنِ اوہام سے یکسر

اس امت کے قدم نافرستی راہوں سے روکے ہیں
دماغِ جہل سے خارج کیا بے ہودہ رسموں کو
اٹھا دی یک قلم ملت کی وہ رسی رواداری
نیز کر دیا ناموسِ اکبر سے زوائد کو
اُجاگر کر دکھایا دینِ فطرت کا پس منظر

حضرت حکیم الامتؒ نے دین کی حقیقی تماشال کو پیش کیا:

رخ اسلام کو حقانیت کی دھوپ میں دیکھا
سبق تو نے دیا ہم کو محمد ﷺ کی اطاعت کا
دل تاریک روشن کر دیئے تیری نگاہوں نے
اسے تیری بدولت آسمانی روپ میں دیکھا
خلوص آمیز عظمت اور سنجیدہ محبت کا
در توبہ پہ رکھ دی اپنی پیشانی گناہوں نے

حضرت حکیم الامتؒ کی خانقاہی خدمات کا اجمالی خاکہ:

سکھائے فقر کے آداب تو نے بادشاہی کو
سودا آزرستاں سے اندھیرے کو مٹا ڈالا
حضرت حکیم الامتؒ کی دینی خدمات:

نئے فتنے اٹھے اور اٹھ کے تفسیریں بدل ڈالیں
سیاہ کاری نے جب بھی پاؤں پھیلائے بغاوت کے
حضرت حکیم الامتؒ کے چند اوصاف حمیدہ:

چنانچہ حجۃ اللہ بن کر آیا تو زمانے میں
ملی تھی تجھ کو مشکوٰۃ نبوت سے درخشانی
تیری تہذیب اسلامی تیرا کلچر مسلمانی
سیاست تیری فاروقی ہدایت تیری لقمانی
محقق ، مجتہد ، عالم ، محدث ، حافظ و قاری
تواضع ، سادگی ، مردانگی ، زہد و وفائے کیشی
پیامِ رشد پوشیدہ تھا تیرے تازیانے میں
سلیقہ تیرا قدوسی فراست تیری نورانی
ڈسپلن سے تیرے اغیار کو ہے سخت حیرانی
تیری کل زندگی مجموعہ کردار روحانی
بایں اوصاف شہرت سے بری اظہار عاری
محمد ﷺ کے مشن کا ترجمہ تھی تیری پالیسی

حضرت تھانویؒ کا عشق رسول:

نچھاور روح کرنا تھا نشان پائے احمد پر
اتباع سنت و اصلاح امت:

تصور اڑتا رہتا تھا ہمیشہ سبز گنبد پر
قدم راہِ نبی میں اور پنچہ نبض امت پر

حضرت کی زندگی کا نصب العین:

تیرا مقصد کمالاتِ نبوت کی اشاعت تھا
تیرے پیکر میں روشن شعلہ فاروقِ اعظمؓ تھا

تیرے سر پر بجمہ اللہ اکیلؑ سعادت تھا
تیرا غیور جذبہ صورت فولادِ محکم تھا

کمالِ فراست:

بصیرت کو نظر آتا تھا مد و جزرِ انسانی

نظرِ چہرے سے پڑھ لیتی تھی کیفیاتِ پہنانی

حضرت کی تحریر میں اثر اور برکت:

علاجِ معصیت ثابت ہوئیں اکسیرِ تحریریں

کندیں پھینکتی تھیں اہرمنؑ پہ تیری تدبیریں

استغناء اور توکل:

تیرے دست توکل میں تھیں استغناء کی تلواریں

نہ لالچ دے سکیں ہرگز تجھے سکتے کی جھنکاریں

کامل اتباعِ سنت:

تیری ہر نقل و حرکت نقشہ تدبیرِ سنت ہے

کتابِ زندگی کا ہر ورق تصویرِ سنت ہے

صحابی کا نمونہ:

صحابی گو نہیں لیکن نمونہ تھا صحابی کا

شرفِ تجھ کو ملا بزمِ ولا کی باریابی کا

حضرت "حقیقی مومن" تھے:

یقینِ تارِ نفس پر نغمہ توحید گاتا تھا

تیرے پہلو میں نفسِ مطمئنہ کھلکھلاتا تھا

خدا کے ساتھ تیرا رشتہ عشق و وفا مومن

دماغ و دل ترے مومن یہی کیا ہر ادا مومن

حاضرِ جوانی اور بذلہِ سخی:

ترا سادہ سا فقرہ مصرعہ منشور ہوتا تھا

تری حاضرِ جوانی سے ہر اک مسرور ہوتا تھا

کمالِ تحقیق:

جہاں سائنس کا ذہن رسا جانے سے لنگڑائے

تیری تحقیق کے جھنڈے سرِ افلاک لہرائے

فیض یافتہ امداد و محبوب تلمیذ رشید، یعقوب:

نہ کیوں ہوتا کہ آخر دیدہ یعقوب کامل تھا
زمین ہند کا ذرہ ، چراغِ آسمان نکلا

بفیض پر تو امداد حق ہر فن میں کامل تھا
تو شاگرد رشید ایسا کہ استاد جہاں نکلا

صدقاتِ جاریہ:

کہ اک دنیائے ہو چھوڑی ہے اس دنیائے فانی میں
ترا مستقبل تاباں تجھے آواز دیتا تھا

کسے گنجائش شک ہے مبارک کامرانی میں
ترے انجام برتر کا پتہ آغاز دیتا تھا

ذخیرہ ملفوظات و مواعظ:

صحیفے تیرے خطبے اور ملفوظات دیکھے ہیں
ذخیرہ علم دیں کا گنج اسرار نبوت ہے
فضائے روح میں جو نور بن کر پھیل جاتی ہے
اسی دارالبقاء سچے وطن کی یاد آتی ہے
تغافل کیش روحوں کو پیامِ فکر دیتے ہیں

مقدس اسپرٹ کے جوہر و جذبات دیکھے ہیں
کسی میں فلسفہ منطق، کسی میں نورِ حکمت ہے
ترے حکمت بھرے نسخوں سے بولے علم آتی ہے
جنہیں پڑھنے سے عظمیٰ کے چمن کی یاد آتی ہے
مطالب جن کے قاری کو غذائے فکر دیتے ہیں

فوائد مطالعہ ملفوظات:

حجابات اٹھتے جاتے ہیں درتپے کھلتے جاتے ہیں

حریم دل کے میلے آئینے خود ڈھلتے جاتے ہیں

تصنیفی خدمات:

ہمارے واسطے چھوڑا ہے کیا پاکیزہ لٹریچر
کہ نو سو تک پہنچ جاتا ہے تصنیفات کا نمبر
مسلمان حفظ کر لیں کاش ان زریں پیاموں کو

مرقع ہے حدیثوں کا الہیات کا دفتر
تو میدانِ صحافت میں بھی سبقت لے گیا سب پر
لکھے گا وقت آب زر سے تیرے کارناموں کو

تبلیغی خدمات:

تیرے تبلیغ کے ہاتھوں میں فانوسِ ہدایت تھا
یہی وہ عمر تھی جو سرورِ کونین ﷺ نے پائی

جو بچ پوچھو جہاں میں قطب ارشادِ ہدایت تھا
تریٹھ سال تک تو نے ہمیں تبلیغ فرمائی

آپ کے اوصاف کا بیان ناممکن ہے:

یہ رمزی بے بصیرت ہے تیرے رُتبے کو کیا جانے
یہ خدامِ شریعت ہیں جو مانند پیمبر ہیں
اہل اللہ کے آثار مٹ نہیں سکتے:

جہاں سے نقش مٹ سکتا نہیں اللہ والوں کا
تری تعریف سے تعریف ربانی عبارت ہے
عقیدت نے جسے لکھا ہے قرطاسِ محبت پر
کہیں مدت میں ساقی بھیجتا ہے ایسا ستانہ
یہ تیرا مرثیہ کیا ہے قصیدہ ہے کمالوں کا
کہ جس کے پاس جو کچھ ہے وہ اس کی ہی امانت ہے
جسے بے تابیاں پڑھتی ہیں خلوت میں پچشم تر
بدل دیتا ہے جو بگڑا ہوا دستورِ میخانہ

عود الی موضوع البیعة:

غرضیکہ تذکرہ حضرت حکیم الامت سے حضرت والا کے بیعت ہونے کا تھا۔ بیعت کے بعد حضرت حکیم الامت کی توجہ زیادہ ہو کر حضرت والا کے روز بروز نمایاں ترقی محسوس ہوتی گئی۔ چنانچہ حضرت والا خود فرماتے ہیں:

”اسی روز سے حضرت والا کی طرف سے شفقت اور نظرِ عطوفت اور ظاہری و باطنی ترقی میں اضافاً مضاعفہ نمایاں ہونے لگی۔ اور خط و کتابت اور آمد و رفت میں بھی ترقی ہوئی۔ بلکہ ذوق و شوق روزمرہ ترقی پذیر ہوتا چلا گیا۔“

”حصولِ اجازتِ بیعت و تلقین“:

”یہاں تک کہ میرے ایک عریضہ کے جواب میں مورخہ ۷ رجب المرجب ۱۳۴۷ھ (۳۰ دسمبر ۱۹۲۸ء) کو بوقت قیامِ احقر در خانقاہ اشرفیہ امدادیہ اس خاک پائے اہل اللہ سراپا گناہ کو بیعت و تلقین کی اجازت عطا فرمائی۔ اور الفاظ ذیل لکھ کر مجھے اطلاع دی۔“

”بشارتِ ناشیہ از ذوق“

”اب کی بار شروع ہی دن سے ذوقاً مجھ کو یہ محسوس ہو رہا ہے کہ آپ پر خدا تعالیٰ کا وہ فضل شروع ہو گیا جو خواص پر ہوتا ہے۔ اور جن احوال کی مجھ کو احباب سے تمنا ہوتی ہے، ان کی جھلک محسوس ہونے لگی۔ خصوصاً کل کے دن سے۔ اور اس بناء پر توقعِ زیادتِ رسوخِ شب سے قلب پر یہ تقاضا تھا کہ آپ کو بیعت و تلقین کی اجازت دے دوں۔ اس رقعہ سے میرے خیال کی صحت ثابت ہوتی ہے۔ کیونکہ اس رقعہ میں جو حالات آپ نے لکھے ہیں، یہ سب آثار ہیں فناء کے۔ جو اس طریق کا ایک اعتبار سے اول قدم بھی ہے اور ایک اعتبار سے آخر قدم بھی۔ پس اس خیال کی صحت کے بعد تو کل علی اللہ اپنے اس تقاضا کو

پورا کرنا ہوں اور بنام خدا تعالیٰ آپ کو بیعت و تلقین کی اجازت دیتا ہوں۔ ان شاء اللہ تعالیٰ اس میں برکت ہوگی۔ غر اور تواضع نہ فرمائیں۔ اور اپنے خاص تحبین سے اس کا اظہار بھی فرمادیں۔ اور چونکہ میں ان واقعات کو اپنی یادداشت میں تحریراً محفوظ بھی رکھتا ہوں، اس لئے مجھ کو اپنا پتہ ڈاک کا لکھ کر دے دیں۔ میں اپنے پاس محفوظ رکھوں گا۔ اور موقع پر شائع کروں گا۔

اشرف علی اہتبی، ۷ رجب ۱۳۷۷ھ (۳۰-۱۲-۱۸)۔

غایت تواضع کے سبب حضرت والاؒ کا اجازت بیعت و تلقین سے مؤدبانہ اظہار عذر:

”میں نے حسب الحکم اپنا پتہ تو دے دیا، مگر اس اطلاع پر بے انتہا ندامت بلکہ اس قدر حیرت ہوئی۔ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ حضرت والاؒ نے یہ بارگراں میری گردن پر کیسے رکھ دیا۔ میں اس کو برداشت نہیں کر سکوں گا۔ اور مجھے اس کی سمجھ بھی نہیں۔ اور مجھ میں اس کی اہلیت بھی نہیں۔ میں کہاں اور یہ بارگراں کہاں۔ میں انہی خیالات و ترددات میں تھا کہ حضرت والاؒ نے خانقاہ امدادیہ کے ترجمان ماہنامہ رسالہ ”الامداد“ ص ۱۹ پر اس اجازت کو شائع فرما کر ۷ رجب ۱۳۷۷ھ کے والا نامہ میں احقر کو اطلاع فرمادی۔

حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کے قریبی خطوط سے اجازت ملنے کا کچھ ہلکا سا خطرہ گزرا تھا، اس لئے میں نے ۱۸ رجب ۱۳۷۷ھ کو حضرت والاؒ کی خدمت میں ایک شبہ اشرافِ نفس کا عرض کیا۔ اصل مقصود اس سے عذر کرنا تھا۔ حضرت والاؒ نے محققانہ طرز پر جواب عنایت فرمایا۔ یہ شبہ اور اس کا جواب دونوں بعنوان حال و تحقیق ذیل میں درج کئے جاتے ہیں:

اس کا محققانہ جواب:

حال: ”ایک شبہ یہ بھی ہے کہ قبل از وقت اجازت کا خیال دل میں آنا شعبہ اشرافِ نفس کہیں نہ ہو۔ اس سے ڈر معلوم ہوتا ہے۔“ تحقیق: ”اشرافِ نفس اس وقت ہوتا کہ اگر اجازت نہ ملتی تو کلفت ہوتی۔ اور یہ واقع نہیں۔ اس لئے اشرافِ نفس۔ بلکہ بنعمتہ تعالیٰ دلیل ہے تناسب باطنی کی، کہ جو میرے دل میں آیا اس کا اثر آپ کے دل پر پڑ گیا۔ کیونکہ اجمالاً میرے قلب میں پہلے ہی سے تھا۔ یہ دوسری نعمت ہے، جس پر شکر کرنا چاہئے۔ (اہتبی)“

تائید: حسن اتفاق سے اسی شب مولانا مولوی احد بخش صاحب صدر مدرس مدرسہ فیض محمدی جالندھر کو جالندھر میں خواب نظر آیا کہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ جالندھر میں تشریف لائے ہیں۔ انہوں نے یہ خواب تعبیر کے لئے لکھ کر میرے پاس تھانہ بھون بھیجا۔ چونکہ اس تعبیر کا تعلق بظاہر مجھ سے نظر آتا تھا، اس لئے اس کے بیان سے مجھے شرم آئی۔ کسی سے بھی ذکر نہ کیا۔“

خطبہ و طریق بیعت:

”میں نے اپنی کوتاہیوں اور جہالتوں پر نظر کر کے حضرت والا کی خدمت اقدس میں عریضہ لکھا کہ مجھے خطبہ اور طریق بیعت محفوظ نہیں رہا۔ اپنی زبان مبارک سے مجھے املاء کرا دیا جائے۔ جو اب فرمایا کہ مغرب کے بعد میری سہ دری میں آکر املاء کر لیا جائے۔ چنانچہ بعد نماز مغرب کے مورخہ ۱۸ جب ۲۷ھ (۳۱ دسمبر ۱۹۲۸ء) کو سہ دری میں حضرت اقدس مرشدنا و ہادینا حکیم الامت تھانوی قدس سرہ العزیز نے لائین کی روشنی میں خطبہ اور اخذ بیعت کا طریق حسب ذیل املاء فرمایا:

الحمد لله نحمدہ ونستعينه ونستغفره ونؤمن به ونتوكل عليه ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا من يهده الله فلا مضل له ومن يضلل الله فلا هادي له. ونشهد ان لا اله الا الله ونشهد ان محمدا عبده ورسوله. صلى الله عليه وعلى آله وصحبه وسلم تسليما كثيرا. اما بعد فاعوذ بالله من الشيطان الرجيم. بسم الله الرحمن الرحيم. يا ايها الذين آمنوا اتقوا الله وابتغوا اليه الوسيلة وجاهدوا في سبيله لعلكم تفلحون (پ ۶، مادہ) يا ايها الذين آمنوا اتقوا الله وكونوا مع الصادقين (پ ۱۱، توبہ) ان الذين يبايعونك انما يبايعون الله. يدالله فوق ايديهم. فمن نكث فانما ينكث على نفسه ومن اوفى بما عاهد عليه الله فسيؤتيه اجرا عظيما. (پ ۲۶، فتح)

(يا ايها النبي اذا جاءك المؤمنات يبايعنك على ان لا يشركن بالله شيئا ولا يسرقن ولا يزنين ولا يقتلن اولادهن ولا ياتين بهتان يفترينه بين ايديهن وارجلهن ولا يعصينك في معروف فبايعهن واستغفر لهن الله. ان الله غفور رحيم. (پ ۲۸، ممتحنہ)

توبہ کرتا ہوں کفر سے، شرک سے، بدعت سے اور سب چھوٹے بڑے گناہوں سے اور ایمان لاتا ہوں اللہ پاک اور اس کے سچے رسول پر لا اله الا الله محمد رسول الله ﷺ اور عہد کرتا ہوں کہ پانچوں وقت نماز پڑھوں گا، اور رمضان شریف کے روزے رکھوں گا۔ اگر مال ہوگا تو زکوٰۃ دوں گا۔ اگر زیادہ گنجائش ہوگی تو حج کروں گا۔ اور اللہ ورسول کے سب حکموں کو جہاں تک ہو سکے گا، بجالاؤں گا۔ اور جن چیزوں سے اللہ اور رسول نے منع فرمایا ہے، جہاں تک ہو سکے گا ان سے بچوں گا۔ اگر کوئی خطا ہو جائے گی تو فوراً توبہ کر لوں گا۔ توبہ کرتا ہوں اور بیعت ہوتا ہوں چاروں سلسلوں میں چشتیہ اور قادریہ اور نقشبندیہ اور سہروردیہ میں۔ اے اللہ! ان سب خاندانوں کی برکت ہم کو نصیب کر اور قیامت میں ان بزرگوں کے ساتھ اٹھا۔ آمین یا رب العالمین۔ پھر فرغ ایچی کے ساتھ دعاء کی جائے۔

طریق اصلاح باطن:

پھر ارشاد فرمایا: طالب کو قصد اسبیل کا مکرر مطالعہ کرایا جائے۔ حقیقت سلوک (اصلاح و استقامت علی الاعمال)

اور غایت سلوک (رضاء الہی) ذہن نشین کرائی جائیں۔ مثلاً معالجہ غضب میں استفسار کیا جائے، کہ سورۃ طبع (تیزی طبع) (جو غیر اختیاری) ہے، یا اس کے مقتضائے پر عمل (جو اختیاری) ہے۔ اول پر کوئی مواخذہ نہیں، پھر فکر کیا۔ ثانی کا ترک بھی اختیاری ہے۔ ہمت سے کام لینا چاہئے۔ یہ تو ضابطہ کا جواب ہے۔ البتہ طریق تسہیل (گویہ غیر لازم علی الشیخ ہے) یہ ہے کہ ایسے وقت میں قوت و عقاب الہی کا استحضار رکھے، یا قلب کو کسی دوسرے شغل میں مشغول کرے۔ خطرات کی پرواہ مت کرو۔ غرض اس میں تسلی دیا جایا کرے۔ (انتہی)“ (نقش)

حضرت حکیم الامتؒ کی امرتسر، لاہور اور جالندھر تشریف آوری:

حضرت والاؒ بکثرت تھانہ بھون حضرت حکیم الامتؒ کی خدمت میں حاضر ہوتے رہے۔ لیکن جیسا کہ مذکور ہوا حضرت تھانویؒ کے مکاتیب (جو حضرت والاؒ کے پاس تھے) فسادات ۱۹۳۷ء میں ضائع ہو گئے۔ جن کے ساتھ تھانہ بھون حاضری کی یادداشتیں بھی ضائع ہو گئیں۔ محض بعض تاریخیں یاد رہیں، جن کو اوپر درج کیا گیا۔ اس کے علاوہ بھی حضرت والاؒ نے حضرت حکیم الامتؒ کی چند بار زیارت کی اور مواظبت بھی سنے، جیسا کہ باب پنجم زمانہ تحصیل علوم میں گزرا۔

لیکن مندرجہ ذیل واقعہ خود حکیم الامتؒ کی تشریف آوری کا ہے۔ گویہ واقعہ پہلے مذکور ہو چکا ہے، لیکن اس روایت میں انداز بیان مدرسہ خیر المدارس میں اکابر کی تشریف آوری کے سلسلہ کا تھا۔ چنانچہ کی مناسبت سے وہاں درج کیا گیا۔ اور اس روایت کا انداز حضرت والاؒ کے محبوب و معظم شیخ و مرشد کی تشریف آوری کا ہے۔ اور بعض تفصیل ایک روایت میں زائد ہیں اور بعض دوسری میں۔ اس لئے ان شاء اللہ تعالیٰ یہاں اس کے بیان میں قند مکرر سے بھی زائد لطف آئے گا۔ اب واقعہ بتغییر لیسر حضرت والاؒ ہی کے مبارک الفاظ میں ملاحظہ فرمائیے:

۳۰ صفر ۱۳۵۷ھ مطابق یکم مئی ۱۹۳۸ء یوم یکشنبہ کی رات کو ۱۱ بجے شب جب قدوۃ العلماء سند العرفاء قطب الارشاد والتکوین حکیم الامت مجدد الملت سیلنا وھادینا حضرت مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ العزیز ڈاکٹر عزیز احمد صاحب کی کوٹھی پر دانتوں کے علاج کے سلسلہ میں لاہور تشریف لائے تو باجائز حضرت والاؒ مولانا محمد حسن صاحب امرتسری نے بندہ کو بذریعہ کارڈ اطلاع دی۔ چنانچہ کارڈ ملتے ہی احقر لاہور روانہ ہو گیا۔ ۵ مئی ۱۹۳۸ء (۲۴ ربیع الاول ۱۳۵۷ھ) پنجشنبہ شام کو مغرب کے وقت مال روڈ ڈاکٹر صاحب موصوف کی کوٹھی کے اندر پہنچا تو حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ نماز مغرب سے فارغ ہو کر اندر تشریف لا رہے تھے۔ احقر نے سلام کیا، تو آپ نے مصافحہ کیا اور معافقہ کیا۔ پھر فرمایا: جب مولوی محمد حسن صاحب نے آپ کے متعلق اجازت چاہی تو میں نے کہا کہ میں کیوں مناع للخیر بنوں۔ ان کلمات



نے احقر کے قلب میں جو مسرت کی کیفیت پیدا کی، زبان و قلم اس کے بیان سے قاصر ہیں۔

پھر ۷ ربیع الاول ۱۳۵۷ھ مطابق ۸ مئی ۱۹۳۸ء بروز یکشنبہ صبح کے وقت نماز فجر کے بعد حضرت والأ مع چند رفقاء کے کار پر اور احقر گاڑی پر امر ترس گئے۔ وہاں قیام مولانا محمد حسن صاحب کے مکان پر ہوا۔ شام کو واپس لاہور تشریف لائے۔ ۹ مئی کو وہاں ہی قیام رہا۔ ۱۰ مئی کو احقر نے عرض کیا کہ جالندھر کو بھی واپسی میں نزول و قیام سے مشرف فرمادیا جائے تو بڑی مہربانی ہوگی۔ اول تو مسکرا کر فرمایا: کلام اللیل یمحوہ النهار۔ پھر فرمایا: کہ جی تو میرا بھی چاہتا ہے۔ مولانا شبیر علی صاحب سے مشورہ کر کے پروگرام مقرر کر لیا جائے۔ چنانچہ مولانا موصوف نے یہ صورت مقرر فرمائی کہ آج شام گاڑی سے روانہ ہو کر جالندھر اُتر جائے۔ رات کو وہاں قیام کر کے دوسرے روز ۹ بجے صبح کو وہاں سے روانہ ہو کر سہارن پور پہنچا جائے۔ یہ صورت حضرت والأ نے پسند فرما کر جالندھر کا ارادہ فرمایا۔ احقر نے اس سے قبل جالندھر جانے کی اجازت طلب کی تو اجازت فرمادی۔ احقر جالندھر پہنچ گیا۔ حضرت والأ مع رفقاء کے لاہور سے ۱۰ ربیع الاول ۱۳۵۷ھ (۱۱ مئی ۱۹۳۸ء) ۵ بجے شام گاڑی پر سوار ہو کر ٹھیک ساڑھے آٹھ بجے جالندھر اسٹیشن پر پہنچے۔ باوجود اطلاع نہ دینے کے، بلکہ انخفاء کی کوشش کرنے کے ہزاروں کی تعداد میں استقبال کے لئے مجمع موجود تھا۔ ہوشیار پور، نکودر، رائے پور وغیرہ سے لوگ آئے ہوئے تھے۔ ہم نے آپ کو مدرسہ تک لے جانے کے لئے زراعتی فارم کے ایک آفیسر کی کار کا انتظام کیا تھا۔ مگر وقت پر چار کاریں موجود تھیں۔ ہر شخص یہی خواہش کرتا تھا کہ میری کار پر آپ کا قدم ہو۔ مگر آپ نے اسی کار پر راستہ طے کیا جو آپ کے لئے لائی گئی تھی۔ مدرسہ میں پہنچے تو نماز عشاء کا وقت تیار تھا۔ آپ نے وضو فرمایا اور جماعت کرائی۔ پھر مدرسہ کی چھت پر ہمارے مکان میں تشریف لے گئے۔ وہاں آپ نے رفقاء اور چند مدعوین اضياف کے ساتھ کھانا تناول فرمایا، پھر آرام فرمایا۔ عرض کیا گیا کہ کچھ مستورات بیعت کی درخواست کرتی ہیں۔ فرمایا: نماز فجر کے بعد سب آپ کے مکان میں جمع ہو جائیں۔ چنانچہ فجر کی نماز سورۃ تحریم اور سورۃ مراسلات سے پڑھائی۔ پھر مجھے فرمایا کہ چھت پر جا کر عورتوں کو بیعت کر لیں۔ چنانچہ چھت پر تشریف لائے۔ عورتیں ہمارے کوٹھے کے اندر تھیں۔ اور حضرت والأ صحن میں۔ دروازہ کے اندر رومال کا پلہ پکڑا کر فرمایا کہ جس جس کو خاوند یا محرم کی اجازت ہو وہ اس کو دائیں ہاتھ میں پکڑ لے۔ پھر خطبہ مسنونہ پڑھ کر ان کو بیعت فرمایا۔ اور کچھ نصیحتیں تلقین فرمائیں۔ بیعت ہونے والیوں میں میں احقر کی اہلیہ فاطمہ اور مولوی غلام مصطفیٰ صاحب بوٹوی کی اہلیہ اور پیر جی عبداللطیف صاحب کی اہلیہ تھیں۔ پھر عرض کرنے پر نیچے مسجد میں تشریف لے آئے۔ مسجد خوب بھری ہوئی تھی۔ اس لئے فرش پر بیٹھنے سے لوگ اٹھ اٹھ کر آپ کو دیکھ رہے تھے۔ ہر شخص دیدار کا مشتاق تھا۔ مگر ہر ایک کو دیکھنا میسر نہ آ رہا تھا۔ میں نے اب سے عرض کیا کہ ارشاد ہو تو کرسی لے آئیں، تاکہ ہر ایک دیدار کر سکے۔ فرمایا مجمع میں کرسی پر بیٹھتے ہوئے مجھے شرم آتی ہے۔ البتہ وعظ میں اس کو بوجہ ضرورت کے اختیار کر لیا جاتا ہے۔ پھر میں نے عرض کیا کہ چار پائی بچھالی جائے۔ فرمایا یہ بہت

اچھی صورت ہے۔ یہ دیہاتی طرز ہے۔ چنانچہ چار پائی لائی گئی۔ جب اس پر فرش کرنے کا ارادہ کیا تو منع فرما دیا گیا۔ پھر فرمایا کہ میں تنہا نہیں بیٹھوں گا۔ آپ اور مولوی محمد حسن بھی برابر بیٹھیں۔ چنانچہ حضرت والا سرہانے کی طرف اور ہم دونوں پانچٹی کی طرف بیٹھ گئے۔ پھر ملفوظات شروع فرمائے۔ ایک درزی نے بطور ہدیہ ایک ٹوپی پیش کی۔ حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ نے اسے قبول نہ فرمایا۔ بلکہ فرمایا کہ ہم اجنبی شخص سے ہدیہ نہیں لیا کرتے۔ پھر ہدیہ کے آداب (بیان) فرما کر فرمایا کہ ایسا ہی شوق ہے تو جب ہم تھانہ بھون پہنچ جائیں تو وہاں لے کر آنا۔ پھر بھی جی چاہے گا تو لے لیں گے، ورنہ عذر کر دیں گے۔ پھر بطور خوش طبعی کے فرمایا: مزا بھی اسی میں ہوگا کہ چار پیسے کی ٹوپی اور چار روپے کرایہ۔ اسی حالت میں سائیں طور شاہ صاحب مرحوم دو پیسے اور ایک پاؤ پتلی کا پسا ہوا آٹا ہدیہ لے کر حاضر ہوئے۔ میں نے تعارف کرایا۔ فوراً لے لیا۔ اور مولانا شبیر علی صاحب کو آواز دے کر فرمایا یہ ہدیہ تو سر پر رکھنے کے قابل ہے۔ پیسے تو میں اپنے پاس رکھ لیتا ہوں اور یہ آٹا سامان میں رکھ لو۔ تھانہ بھون جا کر دونوں گھروں میں تقسیم کر کے کہہ دینا کہ جب میرے لئے آٹا گوندھا کریں تو روزانہ ایک چنگلی اس میں سے ڈال لیا کریں۔ تاکہ کئی دن تک اس کی برکت حاصل ہوتی رہے۔ پھر اوپر بالا خانہ پر تشریف لے گئے اور برخوردار عبدالحق سلمہ کو ”شیخ عطار“ شروع کرایا۔ پھر راستہ کے لئے کچھ کھانا ساتھ کر دیا گیا۔ اور روانگی کے ارادہ سے ریلوے روڈ پر ایک چار پائی پر تھوڑی دیر بیٹھ گئے۔ زائرین مصافحہ کی دولت حاصل کرتے رہے۔ اتنے میں کار آگئی۔ اسٹیشن پر تشریف لے گئے۔ جب اسٹیشن سے واپسی ہوئی تو گھر میں اہلیہ آبدیدہ تھیں اور کہتی تھیں کہ حضرت اقدس کی شفقت اور جذب کی کیفیت کا یہ اثر تھا کہ دل نکلا جا رہا ہے۔ جس مکان میں حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ نے ایک شب قیام فرمایا تھا، ایک ماہ تک اس میں انوار محسوس ہوتے رہے۔

(ف) بلا اطلاع اور اعلان کے اس قدر ہجوم ہونا اور لوگوں کا دور دراز سے آ کر جمع ہونا حیرت کن اور تعجب خیز تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ حضرت اقدس کی مقبولیت عند اللہ اور جذب عامہ کا اثر تھا۔

الغرض حضرت مرشدنا رحمۃ اللہ علیہ کا آنا اور جانا جالندھر مدرسہ خیر المدارس میں بتاریخ ۱۰-۱۱ ربیع الاول ۱۳۵۷ھ مطابق ۱۱-۱۲ مئی ۱۹۳۸ء بروز بدھ، جمعرات ہوا تھا۔“

وصال حضرت مرشدنا حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

ولادت: ۱۲۸۰ھ (۱۸۶۳ء) وفات: ۱۳۶۲ھ (۱۹۴۳ء)

”مورخہ ۱۶ رجب ۱۳۶۲ھ لیلۃ الثلثاء ۱۱ بجے شب مطابق مطابق ۲۰ جولائی ۱۹۴۳ء حضرت والا نے وصال

فرمایا۔ انا لله وانا اليه راجعون۔ کل عمر ۸۲ سال۔“

مرثیے اور تاریخیں:

حضرت حکیم الامت تھانویؒ کی وفات پر بہت سے مرثیے اور تاریخیں لکھی گئیں۔ جن کا ایک معتد بہ ذخیرہ خاتمہ السوانح میں مل جاتا ہے۔ حضرت والاؒ نے بھی اپنی سوانح کی بیاض میں کچھ درج فرمائی ہیں، جن میں سے بعض خاتمہ السوانح میں ہیں اور بعض ان کے علاوہ ہیں۔ بہر حال یہ انتخاب محفوظ رکھنے کے قابل ہے۔ اس لئے ان کو حضرت والاؒ کی تحریر فرمودہ ایک سطر کی تمہید کے ساتھ نقل کیا جاتا ہے۔ وهو هذا:

”معتقدین اور خدام نے بہت مرثیے اور تاریخیں لکھیں۔ ان میں سے بعض درج ذیل کی جاتی ہیں۔“

”فرغ المجدد“

۸۲ ۱۲۸۰
ھ ۱۳۶۲

۱- مرثیہ قطب عالم مجدد عصر حکیم الامت حضرت مولانا شاہ اشرف علی تھانوی قدس سرہ العزیز

مشتمل بر تاریخ وصال

(الف) بقلم مولانا عظامی (متوفی ۱۳۷۶ھ) تلمیذ حضرت گرامی مرحوم (۱۳ فروری ۱۹۵۷ء)

ندانم آہ در آفاق ایں چه صبح دمید
ندانم از چه شفق غرق شد بموجہ خون
چه شد کہ چنبر افلاک حلقہ حلقہ گست
کدام گل شدہ تاراج از جفائے خزاں
زمانہ آہ نور دید فرش عیش و طرب
نغان اہل زمین شد بلند تا کیواں
چه گوئمت کہ چه پیش آمدست عالم را
باغ حضرت امداد تندباد اجل
ز فوت حضرت اشرف کہ نیست ثانی او
ز دلگدازی ایں واقعہ پیرس کہ ایں
کسینت مہر عنان و شکیب رم کردہ
کدام حضرت اشرف مگر نمیدانی؟

کہ ہست شور قیامت ز ذرہ ذرہ پدید
ندانم از چه سحر جامہ تار تار درید
چه شد کز ہمہ گہوارہ زمین لرزید
کہ خار غم برگ جان ما ہزار خلید
فلک لباس خورش را بہ خم نیل کشید
ز چشم ماہ و ستارہ چه خون ناب چکید
کراست طاقت گفتن کراست تاب شنید
چناں و زید عظامی کہ پیش زیں نوزید
چه گوئمت بخدائے بجان ما چه رسید
بجا نگدازی محشر چه خط تیغ کشید
دلم زدیدہ خونبار قطرہ قطرہ چکید
حکیم امت مرحوم از شقی و سعید

فلک بماتم آن پیر من بحکم درید
 زگریه دیدہ انجم سپید گشت سپید
 گرفتہ شد دل غنچہ زیں غمی کہ رسید
 ندیدہ است کسے و کسے نخواہد دید
 ہم است راست اگر خویش مثل فرید
 بسوہم عملے زو نیامست پدید
 کسے نہ دیدہ دنی ، بیچ کس تواند دید
 بنائے سنت غرا از و بمان رسید
 کہ از مے بہ تن مرد گانش روح دمید
 نظر او بچمانے نہ چشم احوال دید
 کہ ہست نزد خرد کار تو ز عقل بعید
 شہید گشت و شہید است زندہ جاوید
 الف کشیدہ بگفتم شہید گشتہ شہید

۱۳۶۳ - ۱ = ۱۳۶۲ھ

زیں برزردہ خاکے بسو گوارے وی
 کلاہ زد بزیں آفتاب زیں ماتم
 شکست کاکل سنبل بخت چہرہ گل
 چناں فقیہ و محدث چناں مجدد وقت
 جنید وقت اگر گوئمش مبالغہ نیست
 خلاف سنت خیر البشر بہ عمر گبے
 زیبا نگاہ علوش چہ گوئمت کہ حدش
 زیبا فکندہ عمارات شرک و بدعت را
 بحق اُمت مرحوم آن میجا بود
 نیا ورید مثالش بدھر آئینہ
 سزد نہ نوحہ عظامی بزندگان خاموش
 تراز حضرت اشرف کہ گفت مرد کہ او
 بیاد سال وصالش شنو زمن کہ منم

ایضاً

(ب)

آن ساقی میخانہ عقل آفرین من عرف
 از گوہر جان خودش پرداختہ تن را صدف
 زیں واقعہ کز وئے بلا ہا آمد سے بہتہ صف بہ صف
 حلم و حیا، لطف و عطا، رُشد و ہدئی، فضل و شرف

۳۰ + ۱۰ + ۹ + ۹ + ۳۰۰ + ۳ + ۸۰۰ + ۲۰۰

۱۳۶۲ ہجری

دردا حکیم اُمت مرحوم شہ اشرف علی
 بر بست محمل زیں جہاں و رفت در باغ جناں
 ہاتف بگوش من عظامی گفت تاریخی بگو
 گفتم کہ از دست اجل چوں بے سرو پا گشت حیف

۲- مرثیہ و تارخ از حضرت مجذوب رحمۃ اللہ علیہ

(الف)

حق پر بوقت مرگ بھی کتنا ثابت ہے
مرتے ہوئے بھی دین کی ہے جو بھی بات ہے
اب بھی ادائیگی حقوق و صلوات ہے
سوئے مرض نہ سوئے تعب التفات ہے
ساری دیانت اہل دیانت کی مات ہے
کہیں نہ اس کو موت یہ عین حیات ہے
سب کو خدا نصیب کرے کیا وفات ہے
ہاتف پکار اٹھا یہی خیر الممات ہے

۱۳۶۲ھ

اشرف جہاں سے حضرت اشرف کی ذات ہے
طاری ہے نزع پھر بھی مگر دین کی ہے دُھن
اُکھڑا ہوا ہے دم مگر اللہ رے چنگی
ایسے میں کر رہے ہیں حوالے امانتیں
یہ ہے دیانت ایسی دیانت کے سامنے
یہ کیسی اچھی موت ہے کیا خوب ہے یہ موت
یہ خاتمہ نہیں ہے یہ ہے حسنِ خاتمہ
مجذوب کو خیال جو تارخ کا ہوا

ایضاً

(ب)

یہ رحلت ہے کس آفتاب ہڈی کی
کہ دنیا ہے تاریک صدق و صفا کی
جدائی ہے یہ آج کس دلربا کی
ہوئی ہے وفات آج کس رہنما کی
قیامت سے پہلے قیامت پنا کی
تلاش ان کو ہے کس کے ذہن رسا کی
یہ کس قلب کی آج جو یاں ہے پاکی
طلب گار ہے آج کس ناخدا کی
صدا کیوں ہے ہر سمت آہ و بکا کی
کہ حالت ہے نازک دل بتلا کی
یہ کیوں ٹوٹ پڑتی ہے خلقت خدا کی
یہ میت اٹھی کس شہید وفا کی
یہ رحلت ہے آج اشرف الاولیاء کی

۶۲ ھ ۱۳

یہ ہر سمت ظلمت ہے کیوں اس بلا کی
یہ کس قطب الارشاد نے منہ چھپایا
کلیجے ہیں کیوں آج شق اہل دل کے
یہ دنیائے دیں میں ہے کیوں آج ہلچل
یہ کس نے جہاں سے گزر کر جہاں میں
معارف ، حقائق ، معانی ، دقائق
یہ کس ہاتھ کی آج امانت ہے خواہاں
یہ بحرِ حوادث میں کشتی اُمت
اٹھا کون عالم سے محبوب عالم
یہ منہ کس میجا نے مجذوب موڑا
یہ اس دھوم سے کس کا نکلا جنازہ
فرشتے بچھاتے ہیں پر ، حور آنکھیں
میں حیران ہی تھا کہ ہاتف پکارا

۳- (الف) تاریخ وفات از حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی:

ما مات من ابقى كالف مصنف	تزهو على افق العلى صفحاته
فى الحى والقيوم قام مشمرًا	خلدت الى خلد الزمان حياته
كرم عظيم للاله حياته	فرغ المجدد عمره ووفاته
۱۲۸۰ھ	۸۲ ۱۲۸۰
	۱۳۶۲ھ

(ب)

واشرف قبر ضم اعظم اشرف	مجدد دين الله هل من مشارف
ونادت بى الاشواق مهلاً فهذه	منازل من تهوى وروضة عارف
	۱۳۶۲ھ

۴- (الف) تاریخ وفات از حضرت مولانا مفتی جمیل احمد صاحب (لاہور):

اذا جاز الاله هداة قوم	جزى عنا له خير الجزاء
وليد مغرم حيا امام	وذو الوصفين حين الانقضاء
۱۲۸۰	۱۲۸۰
۸۲	۱۳۶۲ھ

(ب)

فان سالوك عن عام ارتحال	فقل لا ريب ختم الاولياء
	۱۳۶۲ھ

(ب)

يا رب بجميل هم عطا كن	تا بے ز تجلى جمالى
تاريخ اكر كسے بهر سد	گو رحلت اشرف الاعالى
	۱۳۶۲ھ

۵- اے سفیران کا تو لکھ یوں مصرع سال وصال

چل دیئے اب سوئے جنت مولوی اشرف علی

۱۳ ۶۲ھ

یا الہی بخش فردوس بریں
واقعی تھے حامی دین میں

۶- یہ دعاء دن رات کرنی چاہئے
واقف اسرار فخر کائنات

۱۳۶۲ھ

- سال رحلت اس طرح احسان لکھ
- ۱- اشرف اتقیائے اہل خرد
۱۹۳۳ء
- ۸- جس سے سننے وہی یہ کہتا ہے
- ۹- اس کمی کا قلق ہے البتہ
- ۱۰- ہے سرایماں سے یہ سال وفات
- ۱۱- سچ یہ احسان نے کہا مجذوب
- ۱۲- ای ہمائے عزت و اقبال جاہ
- ۱۳- نذا فضل کریم آمدہ زسال وفات
- ۱۴- دست بردار و دعائے کن زدل
- ۱۵- مکرم گفٹ سال رحلت او
- ۱۶- یہ کہہ رہا ہے پرستار بادۂ عرفاں
- کسے چاہیں نگساری کون ہے اب چارہ ساز
- مرد کمال ساکن خلد بریں
۱۳۶۲ھ
- خاتم اولیائے ربانی
۱۳۶۲ھ
- حل ہوں اب کس سے مشکلات طریق
۲۲ ہجری ۱۳
- ہوگئی خالی مسد تقویٰ
۱۳۶۲ھ
- قطب عالم داخل جنت ہوئے
۱۳۶۲ھ
- بجھ گیا ہے چراغ اہل اللہ
۱۳۶۲ھ
- آشیانہ گلشن قدس الہ
۱۳۶۲ھ
- حکیم امت احمد مکاں بجنّت کرد
۱۳۶۲ھ
- جاوید خالق بفرودس بریں
۱۳۶۲ھ
- وقت پاک شمس العارفینے
۱۳۶۲ھ
- کہ شمع انجمن میکشاں ہوئی خاموش
۱۹۳۳ء
- وائے دنیا میں نہیں ہیں آج شہ اشرف علی
۱۳۶۲ھ

مادہ ہائے تاریخی

مولانا حاجی شاہ محمد اشرف علی قطب بور	۱۲- مولائی عاش حمیداً فات شہیداً
۱۳۶۲ھ	۱۳۶۲ھ
آفتاب جہاں - مولانا اشرف علی	اشرف علی نور اللہ مرقدہ
۱۳۶۲ھ	۱۳۶۲ھ
نادانہ قد فاز فوزاً عظیماً	ہادی عالم رضی اللہ عنہ
۱۳۶۲ھ	۱۳۶۲ھ
سنہ ولادت کرم عظیم	مقرب عظیم
۱۲۸۰ھ	۱۳۶۲ھ

حضرت والا کے احوال استفاضہ باطنی:

جیسا کہ حضرت والا نے خود ذکر فرمایا ہے کہ حضرت حکیم الامت سے جو حضرت والا کی مکاتبت اصلاح نفس اور استفاضہ باطنی کے سلسلہ میں ہوئی وہ تمام مکاتبت مشرقی پنجاب کے فسادات ۱۹۳۷ء میں جالندھر رہ گئے۔ یہ مکاتبت دراصل بہت بڑا ماخذ حضرت والا کے تحصیل سلوک اور بتدریج ترقی باطن کے احوال کے بارے میں تھے۔ ان کے ضائع ہونے کے بعد حضرت والا کے استفاضہ باطنی کے تفصیلی حالات معلوم کرنے کا کوئی ذریعہ نہ رہا۔ خصوصاً جبکہ یہ سوانح حضرت والا کے وصال کے بعد مرتب کی جا رہی ہے۔ اور حضرت والا کے سامنے بھی مرتب ہوتی تب بھی حضرت والا کی عبدیت و فنائیت اور اخفاء احوال باطنیہ کی عادت سے خدام کی سمجھ میں یہی آتا ہے کہ آپ کے تفصیلی استفاضہ باطنی کا ادراک بہت مشکل تھا۔ اور حضرت والا کے خدام خصوصاً احقر مؤلف جیسوں کی کیا مجال تھی کہ حضرت والا سے سوال کرتا کہ حضرت حکیم الامت سے استفاضہ باطنی کی کیا کیفیت ہوتی تھیں؟ قبض وسط، ہیبت و انس اور فنائیت و عبدیت کے کن کن حالات اور گھائیوں سے گزرنا ہوا؟ محبت الہی اور حب رسول ﷺ کے غلبہ کی کیا حالت تھی۔ کیا گزری؟ کیا حال عرض کیا اور کیا جواب ملا؟

انکوں کرا دماغ کہ پرسدز باغبان بلبل چہ گفت و گل چہ شنید و صبا چہ کرد

البتہ آپ کے بعض کمالات جو اکابر امت کے مقالات اور تعزیتی کلمات طیبات نیز حضرت والا کے ساتھ ان کے معاملات سے معلوم ہوئے ہیں، ان سے کچھ اندازہ ان کے سبب کا ہو سکتا ہے کہ یہ کمالات کیسے کچھ کامل استفاضہ باطنی اور تزکیہ نفس کا نتیجہ ہیں۔ تفصیل تو اکابر کے مقالات میں آئے گی۔ یا بعض محاسن کا تذکرہ تعزیتی خطوط وغیرہ میں آئے گا، تاہم ذیل میں ”ذکر خیر“ ص ۱۶ پر بعنوان ذیلی ”بیعت و خلافت“ سے کچھ نقل کیا جاتا ہے۔ مثلاً:

”ہندوستان میں اس وقت حضرت حکیم الامت تھانویؒ کی ذات اقدس مرجع خواص و عام تھی۔ ان کی ذات بابرکات سے خانقاہ امدادیہ اشرفیہ تھانہ بھون کو وہ مرجعیت حاصل تھی جو گیارہویں صدی کے آخر میں مجدد الف ثانیؒ کی ذات اقدس سے سرہند کو تھی۔ اس چودھویں صدی میں اللہ تعالیٰ نے حضرت تھانویؒ سے تجدید دین کا کام جس عظیم الشان طریق پر لیا وہ اہل نگاہ سے پوشیدہ نہیں۔ اس خانقاہ اشرفیہ کا تربیت یافتہ ہر شخص ایک درنشین اور گوہر نایاب ثابت ہوا۔ حضرت مولانا جالندھریؒ بھی اسی خانقاہ کے ایک موتی تھے۔“

شیخ الاسلام حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی قدس سرہ ”تربیت السالک“ ج ۲ ص ۶ پر فرماتے ہیں کہ ”حضرت مولانا خیر محمد صاحبؒ کی ذات تعارف کی محتاج نہیں۔ حضرت حکیم الامتؒ کے خلفاء میں ان کا بلند مقام ہے۔“

(ذکر خیر، ص ۲۳، ۲۴)

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ اور دیگر اکابر کے تفصیلی اقوال و مقالات جن سے حضرت والاؒ کے کمالات پر کچھ روشنی پڑتی ہے، ان کے مواقع پر ملاحظہ فرمائیے۔

بعض اکابر کا حضرت والاؒ کے ساتھ ادب و احترام کا معاملہ:

”شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوری قدس سرہ ایک مرتبہ حضرت جالندھریؒ کے ساتھ سفر کر رہے تھے۔ حضرت جالندھریؒ ریل کے ڈبہ میں قضائے حاجت کے لئے جانے لگے تو حضرت لاہوریؒ اٹھے اور اس وقت تک نہ بیٹھے جب تک حضرت جالندھریؒ نے بیت الخلاء کا دروازہ بند نہ کر لیا۔ واپسی میں حضرت لاہوریؒ پھر کھڑے ہو گئے اور اس وقت تک نہ بیٹھے جب تک حضرت جالندھریؒ اپنی نشست گاہ پر واپس تشریف نہ لے آئے۔ (اس سے حضرت لاہوریؒ کے دل میں حضرت جالندھریؒ کا احترام ظاہر ہوتا ہے۔)“ (جیس بڑے مسلمان) (ذکر خیر، ص ۲۳)

خانمہ الباری:

حضرت والاؒ کے بارے میں ایک آخری بات جو مخدوم العلماء حضرت مولانا مفتی جمیل احمد صاحب تھانویؒ فرماتے ہیں، اسی پر اس باب کو ختم کیا جاتا ہے:

”حضرت مولانا خیر محمد صاحبؒ بڑے عالم اور بڑے بزرگ تھے۔ علم کے پرکھنے کے لئے تو ان کی تالیفات اور درس و تدریس، خیر المدارس کی بنیاد، مناظرے، تبلیغ اسلام کے مواعظ، مجلسی گفتگو، حاضر و بعید سب کے لئے شاہد عدل ہیں۔ مگر برفن والا ہی فن والے کے درجہ کو پہچان سکتا ہے۔ اس لئے اہل علم ہی ان کے علمی مرتبہ کو پہچان سکتے ہیں۔ جیسے ہرن کے ماہر کو اس کے فن والے ہی ماہر ہونا اور کس درجہ کا ماہر ہے، پہچان لیتے ہیں، درنہ دوسروں کے لئے تو سب یکساں ہی معلوم ہوا

کرتے ہیں۔ یہ قاعدہ سب کے نزدیک تسلیم شدہ ہے۔ حضرت جالندھریؒ کی علمی مہارت اہل علم میں معروف و مشہور ہے۔ مگر بزرگی کا کیا درجہ ہوگا، اس تک ہر اہل علم بھی نہیں پہنچ سکتا۔ ”ولی را ولی می شناسد“ ایک صحیح قاعدہ ہے۔ باطن میں کیا درجہ ہے۔ اس کو اہل باطن بزرگ ہی پہچان سکتے ہیں۔ دوسروں کے بس کا کام نہیں۔ اس کے لئے حضرت تھانویؒ قدس سرہ جو زمانہ حال میں اور خصوصاً علوم باطنہ کے مجدد تسلیم شدہ ہیں، ان کا بیعت و تربیت کی اجازت دینا اور مرض وفات میں جن خلفاء کا انتخاب برائے تربیت مجمع فرما کر اعلان فرمایا تھا، جو ”اشرف السوانح“ میں درج ہے۔ اس میں حضرت مولانا خیر محمد صاحبؒ کا نام نامی درج ہونا ان کے باطنی مرتبہ کی عظیم شہادت ہے۔ بلکہ ایک دفعہ فرمایا کہ ”انجن تو چھوٹا سا ہے، مگر گاڑیاں بہت کھینچتا ہے۔“ چونکہ مولانا کی ظاہری جسامت بہت مختصر تھی، اس کی طرف اشارہ فرما کر باطنی قوت و فوقیت کو انجن کے زبردست اسٹیم سے تشبیہ دے کر باطنی مرتبہ ظاہر فرمایا ہے۔

حضرت حکیم الامت مجدد الملت کی ان دو شہادتوں کے سامنے اور کسی تعریف و ستائش پر پوری کتاب میں بھی اس پایہ کی تعریف نہیں ہو سکتی۔“ (ذکر خیر، ص ۲۴-۲۵)

اسی پر اکتفاء کرتے ہوئے اس باب کو بند کیا جاتا ہے۔

۱۔ باوجود تلاش ”مجمع فرما کر اعلان“ کا ذکر اشرف السوانح۔ خاتمہ السوانح یا ”سیرت اشرف“ میں نہیں مل سکا۔ البتہ ”سیرت اشرف“ ص ۱۶۴ پر ۱۱ حضرات مجازین کی فہرست ہے۔ حضرت حکیم الامتؒ کی ۱۹۳۸ء میں سخت علالت کی وجہ سے جب اطباء نے سخت تاکید کی ساتھ مکمل آرام کا مشورہ دیا۔ تو حضرت حکیم الامتؒ سالکین کو ایک مطبوعہ تحریر کے ذریعہ ان حضرات خلفاء سے رجوع کرنے کا مشورہ اس ارشاد کے ساتھ دیتے رہے۔ کہ ”نمونہ کے طور پر بعض ان اصحاب کے نام لکھ دیئے ہیں جن سے جواب جلد مل جانے کی توقع غالب ہے۔“ احقر مؤلف کو چند روز کئی گھنٹے فریج کرنے کے بعد ”سیرت اشرف“ (مؤلفہ جناب فشی عبدالرحمن خاں صاحب) میں یہ فہرست ملی۔ شاید اس اعلان سے یہی مراد ہو۔ یا حضرت مفتی جمیل صاحب مدظلہ کو خود اپنے سامنے زبانی اعلان ہونا بھی یاد ہوگا۔ واللہ اعلم۔ (۱۲)

باب چہارم، (۱۳)

لقائے بزرگان

تمہید:

جیسا کہ شروع میں ذکر آچکا ہے، حضرت والا صرف اپنے اکابر ہی کو اپنا بزرگ نہیں سمجھتے تھے، بلکہ اپنے معاصرین اور اپنے خوردوں کو بھی بزرگ ہی سمجھتے تھے، جو کہ درحقیقت انتہائی تواضع، فنا اور عبدیت کی علامت اور قابلِ اتباع صفت ہے۔ نیز حضرت والا باوجود یکہ اپنے شیخ کے رنگ میں رنگے ہوئے تھے، اور خالص اتباع سنت اور دین خالص آپ کا مسلک اور طریقہ تھا، لیکن دوسرے سلسلہ کے بزرگوں ہی نہیں بلکہ مختلف مشرب و مسلک والے بزرگوں کے ساتھ بھی حسن ظن اور ادب کا معاملہ تھا۔ چنانچہ بزرگانِ دین کی فہرست میں مختلف الوان و اذواق اور مسلک و مشرب کے بزرگوں کے ساتھ بھی حسن ظن اور ادب کا معاملہ تھا۔ جن میں سے بعض خود حضرت والا سے مستفید و مستفیض ہوتے تھے۔ جیسے حضرت سائیں طور شاہ صاحب جن کا ذکر حضرت تھانویؒ کے جالندھر تشریف آوری کے تذکرہ میں آچکا ہے، کہ حضرت والا ہی نے حضرت حکیم الامتؒ سے ان کا تعارف کرایا تھا اور وہ اخیر عمر تک حضرت والا کی خدمت اقدس میں مدرسہ خیر المدارس ملتان میں قیام پذیر رہے۔ اور حضرت والا کے درس میں حاضر خدمت رہتے تھے۔ اور سائیں طور شاہ صاحب کو جاننے والے ان کی بزرگی کے معترف تھے۔

حضرت سائیں طور شاہ صاحب:

برسبیل تذکرہ سائیں طور شاہ صاحب کی زیارت احقر نے کی ہے۔ اور ابتداء میں حضرت والا کی خدمت میں حاضر ہوا تھا تو ان کی بعض باتیں بھی سنی ہیں۔ ایک بار طلباء کی ایک جماعت مدرسہ خیر المدارس کے صحن میں حضرت والا کی منتظر تھی، موسم سرما تھا، اس لئے دھوپ میں بیٹھے تھے۔ سائیں صاحب نے احقر کو فرمایا کہ اس طرف بیٹھ جاؤ۔ احقر نے عذر کیا۔ کہ یہاں سے حضرت والا پر احقر کا سایہ پڑے گا۔ تو حضرت والا کے تشریف لانے پر سائیں صاحب نے غالباً پنجابی میں حضرت والا سے تمسین کے طور پر عرض کیا کہ میں نے آپ کے مرید کو کہا تھا کہ اس طرف بیٹھ جاؤ۔ اس نے کہا کہ یہاں سے آپ پر سایہ پڑے گا۔ اس لئے دوسری طرف بیٹھا۔

حضرت والا نے حضرت سائیں طور شاہ صاحب کا تذکرہ اپنی موالید و وفیات کی حیات میں بھی فرمایا ہے۔ اور خادم کے ایک عریضہ کے جواب کے ساتھ بھی بروز شہر اشوال ۱۳۱۷ھ کو ان کے دنات پانے کی اطلاع فرمائی تھی۔ اللهم اغفر له مغفرة ظاهرة و باطنة و ارحمة واسعة و ادخله جنات النعيم (آمین) (۱۲)

دوسرا واقعہ سائیں صاحب کا یہ ہے کہ ایک بار حضرت والا نے سائیں صاحب سے جن والا واقعہ بیان کرنے کو فرمایا۔ سائیں صاحب نے کسی مکان کے کمرہ کا ذکر کیا، کہ اس میں اوپر چھت کی طرف جن کے غالباً گھومنے سے سائیں صاحب کی آواز آتی تھی۔ انہوں نے حکیم الامت تھانویؒ سے عرض کیا۔ حضرت تھانویؒ نے فرمایا کہ جب آئندہ ایسا ہو تو وہاں جا کر کہنا کہ ”جب اللہ ہمارے ساتھ ہے تو پھر ہمیں کس کا ڈر ہے۔“ سائیں صاحب کہتے ہیں کہ میں نے ایسا ہی کیا، تو اس جن نے ڈرانا چھوڑ دیا۔ یا وہ مکان ہی چھوڑ دیا۔

ادب و احترام باوجود اختلافِ مسلک:

بہر حال ذکر یہ تھا کہ حضرت والا بزرگوں کا ادب بہت فرماتے تھے۔ خواہ مسلک و مشرب میں اختلاف ہی ہو۔ جیسا کہ حضرت حکیم الامت تھانویؒ مثلاً علامہ حافظ ابن تیمیہ کے ساتھ بہت ادب و احترام اور حسن ظن کا معاملہ فرماتے تھے۔ اسی طرح ہمارے حضرت والا مختلف المسلك والمشرَب بزرگوں کا بھی بہت ادب و احترام فرماتے تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ہمارے بزرگوں کے ہاں ادب و احترام کا بہت اہتمام ہے۔

حضور ﷺ کی امام غزالیؒ کو خواب میں تنبیہ:

اس پر ایک واقعہ یاد آیا، جس کا ذکر حضرت تھانویؒ کے کسی ملفوظ میں ہے، کہ حضرت امام غزالیؒ خواب میں حضور ﷺ کی زیارت سے مشرف ہوئے، تو حضور ﷺ نے امام غزالیؒ کی طرف سے رُخ مبارک پھیر لیا (یا ہاتھ بڑھایا تو مصافحہ نہیں فرمایا) امام غزالیؒ سخت گھبرائے۔ عرض کیا کہ حضور کیا خطا ہوئی؟ فرمایا تم فلاں شخص سے کیوں ناراض ہو؟ عرض کیا حضور میرے اُستاد سے اس کا ایسا معاملہ ہے (یعنی ناراض ہے یا اعتراض کرتا ہے، ونحو ذلک) فرمایا کہ ہم سے تو تعلق رکھتا ہے۔ خیر امام غزالیؒ نے معافی چاہی۔ اور معافی مل گئی۔ اس واقعہ سے حضرت حکیم الامتؒ نے اپنے ملفوظ مبارک میں جو مضمون مستنبط فرمایا ہے، اس کا حاصل احقر یہ سمجھتا ہے کہ ہر مسلمان کا اکرام ضروری ہے۔ کیونکہ وہ حضور ﷺ کا امتی ہونے کے اعتبار سے ہر مسلمان سے اس کے ساتھ قوی علاقہ رکھے جانے اور اکرام مسلم کے حقوق کا مستحق ہے۔ نیز اس سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی بزرگ مسلک و مشرب میں اختلاف بھی رکھے، اور بعض اجزاء دین میں ان سے غلطی بھی ہو، تب بھی ان کی دوسری خوبیوں پر نظر رکھتے ہوئے اور حضور ﷺ سے ان کے تعلق کی وجہ سے ان کا ادب و احترام ضروری ہے۔

سیاسی عقائد کے جزئی اختلاف کے باوجود حسن ظن اور ادب و احترام:

ادب و احترام اختلاف کے ساتھ بھی جمع ہو سکتا ہے۔ اسی لئے تو کہا جاتا ہے کہ محقق جامع بین الاضداد ہوتا ہے۔

۱۔ یہ واقعہ کافی قدیم ہے۔ احقر نے اپنی یادداشت سے اپنے الفاظ میں لکھا ہے۔ واقعہ تقریباً صحیح یاد ہے۔ (۱۲)

۲۔ یہ واقعہ اپنے الفاظ میں حسب یادداشت لکھ دیا ہے۔ اس سے جو مضمون مستنبط کیا گیا ہے۔ اس کے لئے جتنا کچھ یاد ہے وہ کافی ہے۔

عرض ہے کہ حضرت حکیم الامت تھانوی صاف طور پر ظاہر فرما چکے تھے کہ مسلمانوں کے لئے کانگریس میں شرکت سخت مضر ہے، اور جو علماء اس میں شریک تھے ان کے سیاسی مسلک سے بھی بیزاری و براءت کا اعلان فرما چکے تھے۔ اس کے باوجود جیسا کہ احقر نے حضرت والا سے کئی بار سنا، حضرت والا نے حضرت حکیم الامت کی خدمت میں عرض کیا کہ میرا معاملہ حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی اب بھی ویسا ہی ادب کا ہے۔ تو حضرت حکیم الامت نے جواب میں تاکیداً ارشاد فرمایا کہ "ایسا ہی ہونا چاہئے۔"

یہ تو سیاسی اختلاف کے ساتھ ادب کو جمع کرنے کی مثال تھی۔ دوسری مثال عقیدہ کے معمولی اختلاف کے ساتھ حسن ظن اور ادب کو جمع کرنے کی ہے۔ حضرت مولانا عین القضاة رحمۃ اللہ علیہ نے علم غیب کے مسئلہ میں مبتدعین کا رد فرمایا۔ لیکن محفل میلاد کے بارے میں رسالہ اطفال المیلاد تحریر فرمایا اور اس کو جائز قرار دیا۔ حضرت حکیم الامت تھانوی کے ایک خاص مرید محترمی الحاج عبدالوحید خاں صاحب مرحوم کی روایت ہے کہ حضرت تھانوی نے حضرت مولانا عین القضاة کے بارے میں فرمایا کہ وہ بزرگ ہیں۔ اس پر جناب عبدالوحید خاں صاحب فرماتے ہیں کہ بس رجسٹری ہوگئی۔ یعنی جب حضرت حکیم الامت نے اتنی تاکید سے ان کا بزرگ ہونا فرمایا تو ان کا بزرگ ہونا مسلم و مؤکد ہو گیا۔ (یہ روایت بھی حسب یادداشت احقر بالمعنی ہے)۔

ذکر رسول اکرم ﷺ..... رسمی محفل میلاد اور حضرات فقہاء حنفیہ کی دور رس و عمیق نظر:

یہاں محفل میلاد کے بارے میں اس کے شائقین سے ایک تو یہ امر قابل گزارش ہے کہ کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مقدسہ میں ولادت مبارکہ کے سوا اور کوئی بات قابل اعتناء نہیں؟ آپ کی ولادت مبارکہ بلکہ اس سے قبل قریب زمانہ میں جن واقعات اور برکات کا ظہور ہوا، اس وقت سے لے کر حضور ﷺ کی وفات شریف تک بلکہ حشر میں پل صراط اور میزان عمل کے پاس آخرت میں سب ممکنہ اوقات کے متعلق حضور ﷺ کا ذکر مبارک ہونا چاہئے، بلکہ سب سے اول اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کے نور یعنی روح مبارک کو پیدا فرمایا۔ ذکر شریف حضور ﷺ کا وہاں سے شروع ہوتا ہے۔ سیرت مبارک اتنا وسیع موضوع ہے۔ چنانچہ ہمارے حضرت حکیم الامت تھانوی نے نشر الطیب فی ذکر النبی الحبيب میں وہیں سے ذکر شریف شروع فرمایا ہے۔ پھر صرف ولادت شریفہ تک محدود کیوں کیا جائے؟ کیا اس کی نظیر صحابہ کرام و تابعین و تبع تابعین، ائمہ دین اور دیگر اکابر امت و سلف صالحین میں ملتی ہے۔ پھر تم کیسے محبت رسول ہو کہ آپ کی پوری سیرت مبارکہ کو ترک کر کے صرف ایک جزء پر اکتفاء کر کے محبت کے دعوے کرتے ہو۔ ذرا کبھی غور بھی فرمایا ہے؟

محفل میلاد کے بارے میں دوسری تحقیقی بات حضرت حکیم الامت تھانوی کے ایک ملفوظ اور حضرت مفتی محمد شفیع صاحب کی تشریح سے استفادہ کرتے ہوئے حسب ذیل یادداشت پیش خدمت ہے۔ وہ یہ کہ فی نفسہ تو حضور ﷺ کا ذکر

مبارک کیسی بابرکت اور لذیذ عبادت ہے۔ اس میں س کو کلام ہو سکتا ہے۔ بلکہ حضرت حکیم الامت کے خلیفہ اور سابق ناظم تعلیمات دارالعلوم دیوبند رئیس المناظرین ابن شیر خدا حضرت مولانا سید مرتضیٰ حسن چاند پوریؒ فرماتے تھے کہ حضور ﷺ کے نعل مبارک کا ذکر بھی عبادت ہے۔ اب رہا یہ کہ مروّج محفل میلاد میں بہت سے منکرات شامل ہوتے ہیں۔ حتیٰ کہ ذکر مبارک کے متعلق روایات بھی اکثر و بیشتر موضوع اور ایسی خرافات ہوتی ہیں کہ سیرت مبارکہ کا ادنیٰ مبتدی طالب علم بھی ان کا موضوع ہونا جانتا ہے۔ تو اس کے متعلق اصول حضرات شافعیہ کے یہاں یہ ہے کہ جس مستحب عمل کے ساتھ منکرات شامل ہو جائیں، اس مستحب کو ترک نہ کیا جائے، بلکہ منکرات کو ترک کیا جائے، لیکن حضرات حنفیہ کی نظر دور تک پہنچتی ہے۔ ان کا اصول ہے کہ جس مستحب میں منکرات شامل ہو جائیں، یا جس مستحب کے ساتھ واجب کا سا معاملہ کیا جانے لگے، حدود شریعت کے احترام میں اس مستحب ہی کو ترک کر دینا چاہئے۔ یہ اصول اہل علم و فہم کے لئے قابل غور ہے۔ بہر حال ہمارے یہاں شائقین میلاد شریف خیر سے حنفیت کے بھی بڑے مدعی ہیں۔ اس لئے ان سے توقع ہے کہ یہاں بھی وہ حنفی اصول کو ترک نہ کریں گے۔ پھر جب لوگ منکرات کو ترک کر دیں تو بخوشی اس مبارک شوق کو پورا فرمائیں اور حضور ﷺ کی سیرت مبارکہ کو بیان کیجئے۔ اور اس سے اپنی اور دوسرے اہل السنّت والجماعت کی عملی اصلاح کی کوشش کرتے رہئے۔

بات میں بات نکلتی چلی آئی۔ یہ باب ہمارے حضرت والّا کے بزرگوں سے ملاقات و زیارت کے تذکرہ کا ہے۔ چنانچہ اس قدر طویل تمہید کے بعد حضرت والّا کے الفاظ میں اس کو نقل کیا جاتا ہے۔

”لقائے بزرگان“

”اپنی زندگی میں جن بزرگان دین اور علماء ربانی متین سے ملاقات یا صحبت کا شرف حاصل ہوا، ان کے اسماء

گرامی ذیل میں درج کئے جاتے ہیں:

(۱) مرشدی و مولائی حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ

(۲) حضرت مولانا شیخ الہند محمود حسن صاحب دیوبندیؒ

(۳) حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوریؒ

(۴) حضرت مولانا خلیل الرحمن صاحب سہارن پوریؒ

(۵) حضرت مولانا عزیز الرحمن صاحب، مفتی دارالعلوم دیوبند

(۶) حضرت مولانا سید اصغر حسین صاحب دیوبندیؒ

(۷) حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحب، مہتمم دارالعلوم دیوبند

- (۸) حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب، "مہتمم دارالعلوم دیوبند"
- (۹) حضرت مولانا سید محمد انور شاہ کشمیری
- (۱۰) حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی
- (۱۱) حضرت مولانا سید مرتضیٰ حسن صاحب، ناظم تعلیمات دیوبند
- (۱۲) حضرت مولانا حافظ عبداللطیف صاحب، "مہتمم مظاہر علوم سہارن پور"
- (۱۳) حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب کاندھلوی
- (۱۴) حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کاندھلوی
- (۱۵) حضرت مولانا اعجاز علی صاحب، مدرس دارالعلوم دیوبند
- (۱۶) حضرت مولانا اشفاق الرحمن صاحب کاندھلوی
- (۱۷) حضرت استاذی مولانا محمد یحییٰ صاحب، "مہتمم مدرسہ اشاعت علوم بریلی"
- (۱۸) حضرت صوفی عبدالرحمن صاحب مراد آبادی
- (۱۹) استاذی حضرت مولانا محی الدین صاحب، "مہتمم مدرسہ منبع العلوم گلاؤنھی"
- (۲۰) استاذی حضرت مولانا کریم بخش صاحب، مدرس مدرسہ گلاؤنھی
- (۲۱) مرشدی حضرت مولانا حافظ محمد صالح صاحب رائے پوری
- (۲۲) حضرت مولانا محمود صاحب گنجوی، ضلع گجرات
- (۲۳) حضرت مولانا محمد احمد خان صاحب، سکنہ کنڈیاں
- (۲۴) حضرت مولانا حسین علی صاحب، سکنہ واں پھراں
- (۲۵) حضرت مولانا محمد عبداللہ صاحب سلیم پوری
- (۲۶) حضرت مولانا غلام محمد صاحب گھوٹی، شیخ الجامعہ بہاولپور
- (۲۷) حضرت مولانا اللہ بخش صاحب بہاولنگری
- (۲۸) حضرت منشی رحمت علی صاحب بہروی، ضلع جالندھر
- (۲۹) استاذی حضرت مولانا فضل احمد صاحب رائے پوری، چک نمبر ۱۱، چیچہ وطنی
- (۳۰) استاذی حضرت مولانا مفتی فقیر اللہ صاحب رائے پوری
- (۳۱) حضرت خواجہ عزیز الحسن صاحب مجذوب
- (۳۲) حضرت سائیں طور شاہ صاحب جالندھری
- (۳۳) حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب امرتسری، لاہور

- (۳۳) حضرت مولانا حامد اللہ صاحب سندھی، ہالنجی، سندھ
- (۳۵) حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی دیوبندی
- (۳۶) حضرت مولانا محمد موسیٰ صاحب مدنی
- (۳۷) حضرت مولانا سید شیر محمد صاحب گھونکی مدنی
- (۳۸) حضرت مولانا سید فخر الدین گھونکی
- (۳۹) حضرت مولانا بدر عالم صاحب میرٹھی ثم مدنی
- (۴۰) حضرت مولانا عبدالغفور صاحب ہزاروی مدنی
- (۴۱) حضرت مولانا عبدالقادر صاحب رائے پوری
- (۴۲) استاذی مولانا غلام نبی صاحب ہزاروی
- (۴۳) استاذی حضرت مولانا سلطان احمد صاحب پشاورئی
- (۴۴) استاذی حضرت مولانا سلطان احمد صاحب گجراتی
- (۴۵) حضرت مولانا سید سلیمان صاحب ندوی
- (۴۶) حضرت مولانا عبدالغنی صاحب پھولپوری

خاتمہ:

حضرت والا کے ترتیب فرمودہ بزرگان دین کی فہرست تمام ہوئی۔ اس سے قبل باب پنجم (زمانہ تحصیل علوم) کے تحت عنوان ذیلی "شرکت جلسہ ۲۷ سالہ دارالعلوم دیوبند زیارت بزرگان" کے ضمن میں دیوبند پہنچ کر بہت سے بزرگوں کی زیارت کا شرف حاصل ہونے کا ذکر آچکا ہے۔ اور وہاں آٹھ اکابر کے نام جو یاد تھے، مذکور ہیں۔ ان میں حضرت مولانا محمود الحسن صاحب دیوبندی کا اسم گرامی سب سے اوّل مذکور ہے۔ اور مزید دو اکابر کے ناموں کے بعد حضرت حکیم الامت تھانوی کا اسم گرامی ہے۔ یہاں بھی اور وہاں بھی جو اسماء گرامی یاد آئے، کیسے اتفاق ان کا تذکرہ فرما دیا ہے۔ ان فہرستوں سے حضرت والا کے قلب مبارک میں ان اکابر کے درجات کی ترتیب کا اندازہ نہ لگایا جائے۔ حضرت مولانا محمود الحسن صاحب تو حضرت حکیم الامت کے استاد محترم تھے۔ لیکن وہ بنفس نفیس حضرت حکیم الامت کا بہت احترام فرماتے تھے۔ اب بعد والوں کو ان کے درجات کے بارے میں قیاس آرائیاں کرنا اچھا نہیں لگتا۔ بلکہ حضرت والا کی فہرست میں بعض بڑے درجہ کے اکابر کا ذکر جو بعد میں ہے، اس سے یہی سبق ملتا ہے کہ اپنی اپنی جگہ سب ہی اکابر کا ادب و احترام کرنا چاہئے۔ اور کسی کے بارے میں ادب و احترام میں کمی یا درجہ میں کم سمجھنے سے احتراز کرنا چاہئے۔ خود حضرت حکیم الامت کا یہی مسلک سمجھ میں آتا ہے۔

واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم و علمہ اتم و احکم۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ ۝

باب پانزدہم (۱۵)

ارشاد و افاضہ باطنی

ہمارے حضرت والا کے لئے حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب نے ”جامع الخیرات“ کا لقب استعمال فرمایا ہے، جو نہایت ہی بجا اور منطبق ہے۔ درحقیقت حضرت والا جامع الخیرات والحنات، جامع الشریعت والطریقت، جامع ظاہر و باطن اور جامع معقول و منقول تھے۔ علماً و عملاً خیر ہی خیر تھے۔ اور مختصراً جامع الکمالات تھے۔ اپنے زمانہ کے خیر اکالمین تھے۔ آپ سے علمی اور اصلاحی دونوں نوع کا نفع بہت پہنچا۔ خیر الناس من ینفع الناس کا عین مصداق تھے۔ ایک طرف آپ کامل اُستاد، شیخ الحدیث و التفسیر اور ماہر و کامل مفتی تھے، دوسری طرف کامل ترین شیخ طریقت، اعلیٰ درجہ کے محقق، مرشد کامل اور اصلاح و تربیت باطنی کے بہترین مصلح و مربی تھے۔ آپ کی محبت و شفقت والدین کی سی تھی۔ اور آپ کی سیاست بادشاہوں جیسی تھی۔ آپ کے مدرسہ کے ایک طالب علم جو بعد میں دارالعلوم الاسلامیہ ٹنڈوالڈیاری میں مدرس بھی رہے تھے، کہتے تھے یا کسی اور صاحب سے نقل کرتے تھے کہ اتنا بارُعب شخص نہیں دیکھا جو اتنا خوش مزاج بھی ہو۔

برسکے جام شریعت برکے سندان عشق ہو ہوسنا کے نڈاند جام و سنداں باخترن

اول بار زیارت:

اول بار حضرت والا کی زیارت اس وقت ہوئی جبکہ آپ حضرت مولانا احتشام الحق صاحب تھانوی کی دعوت پر کراچی تشریف لائے۔ اس موقع پر ہر طبقہ کے نمائندہ علماء کو کراچی میں مدعو کیا گیا تھا۔ اور اس اجتماع کے نتیجے میں نمائندہ علماء کے اتفاق سے ”اسلامی مملکت کے بنیادی اصول“ مرتب کئے گئے تھے۔ جیسا کہ اس کا ذکر باب ”متفرقات“ میں آ رہا ہے۔

حضرت والا کی تشریف آوری کی اطلاع مولانا حافظ محمد عبدالوحید صاحب کے خط سے ہو چکی تھی۔ اور قیام مولانا احتشام الحق صاحب کے ہاں ۵۶۔ جبکہ لائن کراچی میں تھا۔ وہاں مولانا احتشام الحق صاحب کی پرانی نشست گاہ میں ہی

۱۔ حضرت والا کے لئے یہ لقب حضرت مولانا سید محمد یوسف صاحب بنوری نے بھی بیانات کے ادارہ میں استعمال فرمایا ہے۔ (ملاحظہ ہو باب ۲۱۔ زیر عنوان ”وفات حضرت آیات پراکیر علماء کے تاثرات“) نیز حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی ت کے مقالہ سے جو اقتباس لیا گیا ہے اس میں بھی یہ لقب ہے (ملاحظہ ہو باب ۲۰

افعال و ماوات۔ زیر عنوان حضرت والا کا مقام بزرگان دین کی نظر میں) (۱۲)

۲۔ یہاں شعر کی تطبیق محض جامعیت کی صفت میں ہے۔ گو درحقیقت جامعیت مذکورہ فی الشعر تو صاحب سوانح پر اپنی جگہ پوری طرح منطبق ہے ہی۔ (۱۲)

حضرت والا کی اوّل بار زیارت ہوئی۔ اور حضرت مولانا احتشام الحق تھانویؒ ہی سے دریافت کرنے پر تعارف ہوا۔ اور حضرت والا کے دریافت فرمانے پر احقر نے اپنا نام بتایا۔ بعد میں حضرت مولانا حافظ محمد عبدالوحید صاحب شہیدؒ سے ذکر ہوا، تو انہوں نے احقر کی اس کوتاہی پر افسوس کیا۔ کیونکہ نام پوچھنے سے پہلے از خود بتانا چاہئے تھا۔ اس وقت احقر کو ابتدائی ضروری آداب کا بھی کچھ پتہ نہ تھا۔ یہ آداب معاشرت میں سے ہے کہ طالب کو شیخ پر ضروری تعارف کے لئے سوال کا بار ڈالنا اور انتظار کرنا نہ چاہئے۔

عجیب اتفاق ہے کہ حضرت والا کی آخری بار زیارت بھی ۵۶-جیکب لائن کراچی میں حضرت مولانا احتشام الحق تھانویؒ کے یہاں ہی ہوئی۔ جیسا کہ باب دوازدهم "اسفار" کے تحت عنوان "کراچی کا آخری سفر" اور اس کے ذیلی عنوان "خادم کو حضرت والا کی آخری زیارت" کے ضمن میں اس کا ذکر آچکا ہے۔

اوّل بار حاضری ملتان:

غالباً سکول کی ملازمت کے دوران ربیع الثانی ۱۳۷۲ھ (دسمبر ۱۹۵۲ء) کی تعطیلات موسم سرما میں بذریعہ عریض حضرت والا سے ملتان حاضر خدمت ہونے کی اجازت حاصل کر کے ملتان مدرسہ خیر المدارس حاضر ہوا۔ اس بار یعنی پہلی حاضری کے موقع پر حضرت مولانا حافظ محمد عبدالوحید صاحب شہیدؒ پہلے سے موجود تھے۔ ان سے بھی ملاقات ہوئی۔ اور گین تھلہ کی قدیم عمارت جو مدرسہ کوالاٹ ہوئی تھی، اس کے ایک کمرہ میں قیام رہا، جس کو حضرت والا نے دارالاہتمام بنایا اور وہ اخیر تک حضرت والا کے زمانہ میں دارالاہتمام ہی رہا۔

طرز تربیت:

حضرت والا کی تربیت کی یہ ایک خصوصیت تھی کہ حضرت والا کی شفقت و محبت کا طالب اصلاح کو ظاہر اپنے نہ چلتا تھا۔ آپ کی محبت و شفقت مصلحت اصلاح کے تحت بسا اوقات تنبیہ و عتاب سے مستور ہو جاتی تھی۔ حقیقتاً تو یہ اپنے شیخ و مرشد سلوک و اصلاح کے امام حضرت حکیم الامتؒ کا طرز تھا۔ لیکن حضرت حکیم الامتؒ کی خدمت میں حاضر ہونے والے بڑے قوی طلب والے حضرات تھے۔ اور حضرت حکیم الامتؒ کی محبوبیت بھی خداداد اپنے زمانہ میں بے مثل ہی تھی۔ اس لئے حضرت والا کے طرز تربیت میں حضرت تھانویؒ کا اتباع اجتہاد کے ساتھ مرکب تھا۔ وجہ یہ ہے کہ طریقہ اصلاح کا اجتہاد فقہی اجتہاد کی طرح نہیں ہے، بلکہ محقق اور کامل مشائخ جن حضرات کو بیعت و اصلاح کی اجازت اور خلافت دیتے ہیں، ان میں طریق اصلاح میں اجتہاد کی صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے، یا پیدا ہونا متوقع ہوتی ہے، تب اجازت دیتے ہیں۔ کیونکہ اصلاح و تربیت کا اجتہاد ماہر اطباء کے اجتہاد کی طرح ہے۔ جس کے بغیر نہ معالجہ بدن ہو سکتا ہے نہ علاج و اصلاح باطن۔ چنانچہ حضرت تھانویؒ اور حضرت والا کا طرز اصلاح حقیقتاً ایک ہے۔ لیکن صورت تربیت میں کچھ فرق ہے۔ وہ یہ ہے کہ حضرت تھانویؒ

تو طالب اصلاح کی آتے ہی اصلاح و تربیت شروع فرمادیتے۔ اور شروع میں ذرا سی گڑبڑ ہونے پر بھی خوب تنبیہ فرماتے، کہ اگر طالب صادق نہ ہوتا تو بھاگ کھڑا ہوتا۔ یہاں تک کہ ایک ملفوظ میں خود فرماتے ہیں کہ (جو طالب اصلاح ہوتا ہے) میں اس کا اٹھنا بیٹھنا مشکل کر دیتا ہوں۔ پھر جب وہ اس امتحان سے گزر جاتا ہے تو حضرت تھانویؒ کے الطاف و عنایات اور شفقت و محبت کی باتیں سننا ہوں (اور معلوم کرنا ہوں) تو ان کے کسی مرید سے پوچھے، یا اشرف السوانح پڑھ لیجئے۔ ہاں حضرت تھانویؒ کے یہاں اگر کوئی طالب اصلاح ہو کر نہ آتا، بلکہ مہمان ہوتا، یا کسی اور بزرگ سے تعلق رکھنے والا ہوتا تو اس کے ساتھ اکرام ضیف کا حق ادا ہوتا تھا۔ ہمارے حضرت والاؒ کے پاس ہمارے جیسے ضیف بھی آتے۔ ماہر طبیب اور مجتہد فن کا کام یہ ہے کہ وہ صرف کامل اطباء کی تقلید نہ کرے بلکہ اپنے مریض اور طالب کو بھی دیکھے۔ چنانچہ حضرت والاؒ پہلے شفقت کا برتاؤ فرماتے۔ مانوسی ہونے اور طلب دیکھنے پر اصلاح کے لئے تنبیہ عتاب اور زجر و توبیخ بھی حسب ضرورت فرماتے۔ غرضیکہ حضرت والاؒ کا طرز تربیت حضرت حکیم الامتؒ کے طرز پر بھی ہے، کیونکہ بہر حال ان کے قبیح تو تھے ہی، لیکن ساتھ ہی ساتھ فن کے مجتہد بھی تھے۔ اور طرز تربیت و اصلاح میں حضرت حکیم الامتؒ کی محض ظاہر نقل نہ فرماتے تھے۔

طرز تربیت کا نمونہ دیکھنا ہو تو مکاتیب سے بہت کچھ اندازہ ہو سکتا ہے۔ حضرت والاؒ کے طرز تربیت میں استغناء نمایاں تھا۔ طالبین اصلاح عریضہ ارسال خدمت کرتے تو ان کے جواب میں اصلاح اور تربیت ہوتی تھی۔ اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے کہ خیر الکاتب مرتب ہو کر شائع ہو جائیں اور اللہ تعالیٰ اس مجموعہ کو مقبول و مفید بناویں (آمین)۔

حضرت والاؒ کی خدمت میں حاضری اور صحبت سے فیض اس طرح ہوتا تھا کہ مدرسہ میں درس کے وقت کوئی طالب اصلاح ہوتا تو حاضر خدمت رہتا۔ اسی طرح دارالافتاء میں حضرت والاؒ کوئی انتظامی کام کرتے یا طالبین اصلاح کے خطوط کے جواب دیتے۔ خواہ باہر تخت پر یا چارپائی پر تشریف فرما ہوتے۔ طرفین سے خاموشی ہوتی۔ اور حضرت والاؒ طبعاً بھی خاموش طبع تھے۔ بس اسی خاموشی میں جو کچھ ملنا ہوتا مل جاتا تھا۔ انسان میں فطرتاً نقل کی عادت ہے۔ بزرگوں کی صحبت سے خاموشی میں بھی بہت کچھ فائدہ ہوتا ہے۔ نہ صرف مکاتیب کافی ہے، نہ صرف صحبت میں بیٹھنا، بلکہ ان دونوں سے مل کر پورا فائدہ ہوتا ہے اور اصلاح ہوتی ہے۔ جبکہ اطلاع کے ساتھ اتباع بھی ہو اور شیخ کی تجویز پر اعتماد کے ساتھ انقیاد ہو۔ جس کا خلاصہ حضرت والا تھانویؒ کے یہاں اس مختصر نسخہ میں ہے:

”اطلاع و اتباع و اعتماد و انقیاد“

حضرت حکیم الامت تھانویؒ فیض کا دریا تھے، تو حضرت والاؒ اسی دریا کی نہر تھے۔ اصولاً جو تربیت حضرت تھانویؒ کے یہاں ہوتی تھی، اسی کا حصہ حضرت والاؒ کو ملا تھا۔ غلو سے اللہ تعالیٰ محفوظ رکھیں۔ اس سوانح سے غرض حضرت والاؒ کی مدح سرائی نہیں، بلکہ یہ دعاء ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو مفید بناویں۔ احقر کو ایک بار پھر اس باب کے بارے میں اپنے عجز کا اقرار کرنا

پڑتا ہے، کیونکہ احقر حضرت والا کے طرز تربیت کو بیان کرنے سے عاجز ہے۔ بس حضرت حکیم الامت کے طرز تربیت اور تعلیم و تلقین کا باب بعنوان ”ارشاد و افاضہ باطنی“ اشرف السوانح جلد دوم میں مطالعہ فرمایا جائے، تو اس سے ان شاء اللہ تعالیٰ بقدر ضرورت بصیرت پیدا ہو جائے گی۔ بلکہ سلوک و طریقت اور اصلاح نفس و تصوف کی حقیقت ہی واضح ہو جائے گی۔ ای کا ایک نمونہ حضرت حکیم الامت کے خلفاء میں ملتا ہے، اور بحمد اللہ حضرت والا میں بدرجہ اتم ملتا ہے۔

اب ان چند حروف کے بعد حضرت والا کے چند حروفی بیان پر اکتفاء کیا جاتا ہے، جو حضرت والا نے غایت تواضع، فنائیت و عبدیت کے ساتھ بیان واقعہ کے طور پر ذکر فرمایا ہے۔ اور اس کے بعد ہی خلفاء مجازین بیعت کی فہرست دی جاتی ہے۔ تحریر فرماتے ہیں:

”مرشدی و مولائی حکیم الامت مجدد الملت حضرت تھانوی قدس سرہ العزیز کے حکم کی تعمیل میں سلسلہ بیعت و تلقین بھی کسی قدر شروع ہوا۔ اور بعض مخلصین درجہ اجازت تک بھی پہنچے۔“

جن بارہ حضرات کو حضرت والا نے اجازت فرمائی، اب یہاں ان کی فہرست نقل کی جاتی ہے۔ (حضرت والا کی تحریر فرمودہ فہرست کی فوٹو کاپی بھی اس کے ساتھ دی جا رہی ہے) فہرست حسب ذیل ہے:

”اسماء حضرات مجازین از بندہ خیر محمد“

- (۱) مولوی عبدالسلام صاحب ہوشیار پوری، لائل پور
تاریخ اجازت: صحیح تاریخ اجازت جیسا کہ مولانا عبدالسلام سے تحقیق کی تھی اور حضرت والا کی ایک تحریر سے بھی اس کی تصدیق ہوئی۔ مورخہ ۸ جمادی الاولیٰ ۱۳۷۱ھ مطابق ۵ فروری ۱۹۵۲ء ہے۔ (از ”نقش“ ۱۷-۱۸)
- (۲) مولوی عبدالعزیز صاحب، چک نمبر ۴۴، ڈاک خانہ چشتیاں ضلع بہاولنگر
تاریخ اجازت: ۱۹ رجب ۱۳۷۶ھ (۲۰ فروری ۱۹۵۷ء چہار شنبہ)
- (۳) مولوی فتح محمد صاحب، محلہ حسین آگاہی، ملتان شہر
تاریخ اجازت: ۲۹ شوال ۱۳۷۶ھ (۳۰ مئی ۱۹۵۷ء پنجشنبہ)
- (۴) سید قمر الدین صاحب، ڈیرہ غازی خان، سنٹرل جیل ملتان
تاریخ اجازت: ۲۱ ربیع الثانی ۱۳۶۹ھ مطابق ۱۱ فروری ۱۹۵۰ء (از نقل اجازت بیعت۔ ۱۷-۱۸)
- (۵) مولوی شمس الدین صاحب، وہڈوہ، پتاس، پٹہ (مشرقی پاکستان)

.....
(۶) مولوی عبدالوحید صاحب ہوشیار پوری، لطیف کاشن فیکٹری، رینالہ خورد، ضلع منٹگمری

تاریخ اجازت: ۱۹ رمضان ۸۲ھ

(۷) مولوی عبداللہ صاحب، امام مسجد کوٹلی اللہ یار، ڈاک خانہ کالہ گوجراں، ضلع جہلم

تاریخ اجازت: ۷ جمادی الاخریٰ ۱۳۸۲ھ، مطابق ۶ نومبر ۱۹۶۲ء

(۸) حافظ عطا محمد صاحب، لاہور، ملازم راولپنڈی

تاریخ اجازت: ۴ جمادی الاخریٰ ۱۳۶۱ھ مطابق ۱۹ جون ۱۹۴۲ء، بروز جمعہ

(۹) شیخ بشیر احمد صاحب پشتر ہوشیار پوری، کچہری روڈ ملتان شہر

تاریخ اجازت: ۲۶ جمادی الثانیہ ۱۳۸۲ھ مطابق ۲۵ نومبر ۱۹۶۲ء (از "نقش" ۱۲)

(۱۰) مولوی غلام حیدر صاحب جالندھری، میاں چنوں ضلع ملتان

تاریخ اجازت: ۲۳ رمضان ۸۲ھ

(۱۱) سید محمد شفیع صاحب ہوشیار پوری، مقام چک نمبر ۲۹ ج ب ڈاک خانہ چک نمبر ۵۶ ج ب گھیالہ

.....

(۱۲) مولوی آفتاب احمد صاحب، ایم. اے۔ مدرس دارالعلوم الاسلامیہ ٹنڈوالہ یار ضلع حیدرآباد سندھ

تاریخ اجازت: ۶ شوال ۱۳۸۳ھ ہے۔ (از اجازت بیعت۔ ۱۲)

مرہم اور آپریشن:

احقر کے تجربہ میں آیا کہ حضرت والا کے طریق تربیت میں اول و آخر شفقت ہی شفقت تھی۔ البتہ درمیان میں اصلاح کی ضرورت سے اس کا اظہار ہمیشہ نہ ہوتا تھا۔ بلکہ تشبیہ اور زبرد تو بیخ بھی ہو جاتی تھی۔ لیکن یہ تشبیہ و زجر یا اظہار ناراضگی صرف وقتی اور بہت کم مدت کے لئے ہوتی تھی۔ اور پھر وہی اصل شفقت و مہربانی کا برتاؤ عود کرتا تھا۔ ضرورتاً اور علاجاً عارضی سختی کا اظہار ہوتا تھا۔ اس لئے کہ اگر ہمیشہ صرف مرہم ہی سے کام لیا جائے اور آپریشن نہ کیا جائے تو مادہ فاسدہ کا اخراج نہیں ہوتا۔ لیکن محقق طبیب یہ بھی دیکھتا ہے کہ مریض آپریشن کو برداشت بھی کر لے گا اور اس کے لئے اس کو تیار بھی کر لیا جاتا ہے۔

استغناء اور شفقت:

حضرت والا کے طریقہ اصلاح کی ایک خصوصیت بہت استغناء کا برتاؤ تھا۔ خدام کے ساتھ اپنی شفقت و محبت کو ظاہر نہ ہونے دیتے تھے، تاکہ ناز پیدا نہ ہو۔ جس سے طالبین عموماً بگڑ جاتے ہیں۔ بلکہ سالکین کے ساتھ آپ کے برتاؤ سے بہت استغناء کا ظہور ہوتا تھا۔

محبت و شفقت کا تو یہ حال تھا کہ جب سی اینڈ ایم ہسپتال میں آپریشن ہوا (جس کی کچھ تفصیل ”باب طویل علالت و سفر آخرت“ میں آرہی ہے) اور خادم عیادت کے لئے حاضر ہوا، تو فرمایا بہت دیر لگائی (احقر کو کسی صاحب سے اچانک کافی تاخیر سے اطلاع ملی تھی) نیز چونکہ سفر سے آتے ہی حاضر ہو گیا تھا، اور کپڑوں پر گرد و غبار کا اثر ملاحظہ فرمایا ہوگا، تو فرمایا کہ غسل کر لو، غسل خانہ اچھا ہے۔ (آپریشن کی سخت تکلیف کی حالت میں بھی اپنے خدام کا اتنا خیال!) اور جب عیادت کے لئے بیٹھ کر تھوڑی سی دیر کے بعد اٹھنے لگا (جیسا کہ عام ادب یہی ہے کہ مریض کے پاس زیادہ دیر نہ بیٹھے، تاکہ وہ اکتائے نہیں۔ یا کوئی حاجت ہو تو پابند نہ رہے) تو مخدوی حضرت حاجی محمد شریف صاحب جو عیادت کے لئے تشریف لائے ہوئے تھے، انہوں نے خادم کو ابھی بیٹھے رہنے کا امر فرمایا۔ تھوڑی دیر کے بعد پھر اٹھنے لگا تو پھر بٹھا دیا۔ شاید تین بار ایسا ہوا۔ جس سے یہ ظاہر فرمایا کہ حضرت والا چاہتے تھے کہ خادم ابھی اور بیٹھے۔ یعنی حضرت والا اس ناکارہ سے اکتاہٹ کے بجائے انیسیت محسوس فرماتے تھے۔ یہ تو حضرت والا کی شفقت و محبت تھی جو اس موقع پر ظاہر بھی ہو گئی۔ ورنہ خدام کو ذرا محسوس نہ ہوتا تھا، بلکہ حضرت والا کے خداداد رعب کی وجہ سے باوجود بے حد محبت کے ڈرتے ہی رہتے تھے۔ واقعی بادشاہوں والی سیاست پدرانہ محبت و شفقت کے ساتھ اسی طرح جمع ہوتی ہے۔

حسن التربیت کا سنہری اصول:

بلکہ مخدومنا حضرت حاجی محمد شریف صاحب رحمۃ اللہ علیہ (مجاز بیعت حضرت مجدد تھا نومی قدس سرہ) نے ایک بار ہمارے حضرت والا سے اپنے زیر تربیت کسی طالب کے بارے میں مشورہ لیا، تو حضرت والا نے تحریر فرمایا:

”السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

چونکہ مجھے معلوم نہیں کہ تربیت کس طرح کی گئی، اس لئے مشورہ سے قاصر ہوں۔ البتہ ایک اصول عرض کرتا ہوں جو حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا معمول تھا۔ وہ یہ کہ کسی طالب کو اپنے دلی تعلق خاص کی اطلاع نہیں فرمایا کرتے تھے، تاکہ ناز کا وقت نہ آنے پائے۔ بلکہ ہر شخص کو ظاہری استغناء اور اندرونی توجہ سے تربیت فرمایا کرتے تھے۔ معلوم ہوتا ہے آپ سے اس کی رعایت نہ رہ سکی۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۲۰ نومبر ۱۹۶۹ء“

اس کے بعد حضرت حاجی صاحب کے دو بار استرشاد کے جواب میں حضرت والا کے دو والا نامے مزید اس کتاب میں (برصغیر ۳۳ تا صفحہ ۳۳۹) دیئے گئے ہیں۔ (جن کو وہاں دیکھا جاسکتا ہے)

ابتداء جمعہ مسجد بدر رخ شاہ:

ان دو میں سے دوسرا والا نامہ حضرت حاجی صاحب کی مسجد (بدر رخ شاہ، طارق روڈ ملتان) میں نماز جمعہ شروع

کرنے کے بارے میں ہے۔ احقر مؤلف کو یاد ہے کہ حضرت والا خادم کو ساتھ لے گئے تھے۔ اور خادم مسجل (ٹیپ ریکارڈر) اپنے ساتھ لے گیا تھا۔ ٹیپ کی ریل کے ساتھ رکھی ہوئی تحریری یادداشت میں ہے کہ اول حضرت والا کا وعظ ہوا۔ پھر حضرت حاجی محمد شریف صاحب نے بیان فرمایا۔ یہ بھی تحریر ہے کہ ”حضرت والا نے اس خادم کو خطبہ و نماز پڑھانے کا حکم دیا، جس کی تعمیل کی گئی۔“ اور یہ بھی یاد ہے کہ نماز پڑھانے کے لئے محراب میں کھڑے ہونے پر حضرت والا نے خادم کو پورے قدم محراب سے باہر نکالنے کا حکم فرمایا تھا۔

خیر المساجد کا لکڑی کا منبر:

اس پر حضرت والا کی ایک اور مشفقانہ عنایت و ذرہ نوازی یاد آئی۔ خیر المساجد (یعنی جامع مسجد خیر المدارس) تعمیر ہونے پر خطبہ جمعہ کے لئے پہلے لکڑی کا منبر تیار کرایا گیا تھا۔ پہلی بار اس پر جمعہ کے خطبہ کے لئے حضرت والا نے وعظ فرمانے کے بعد اس خادم (احقر مؤلف) کو مائیکروفون پر آواز دے کر بلایا (کیونکہ خادم سامنے موجود نہ تھا، بلکہ غالباً مسجد کے صحن میں تھا) اور خطبہ جمعہ پڑھنے کا حکم فرمایا۔ جس کی تعمیل ہوئی۔ نماز جمعہ کس نے پڑھائی، یہ یاد نہیں۔ غالباً حضرت مولانا حافظ رشید احمد صاحب موجود ہوں گے تو انہوں نے پڑھائی ہوگی۔

تزکیہ نفس اور مطالعہ مواعظ و ملفوظات حضرت مجدد تھانویؒ اور بعض دیگر اہم مولفات

سلوک یعنی وصول الی اللہ تعالیٰ کا راستہ طے کرنے میں دو جزاء اہم ہیں۔ اول صحیح راستہ معلوم ہونا، دوم ہمت کر کے راستہ پر چلنا۔ یعنی قوت علمیہ اور قوت عملیہ۔

ہر قسم کے عمل کے لئے پہلے اس کا علم ضروری ہوتا ہے۔ یہی بات سلوک میں ہے۔ بلکہ تحصیل تصوف و سلوک کے لئے تو علم بالخصوص اشد ضروری ہے۔ تصوف سے علم کو جدا کر دیا جائے تو الحاد و زندقہ پیدا ہوا ہے۔ چنانچہ حضرت والا علم دین، فہم سلیم اور ذوق صحیح پیدا کرنے کے لئے طالبین اصلاح کے لئے حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے مواعظ و ملفوظات کے مطالعہ کی ہدایات فرماتے تھے۔

تزکیہ نفس یا اصلاح نفس کے معنی رذائل نفس کا علاج اور فضائل کا اکتساب ہے۔ چنانچہ جیسا کہ پہلے گزرا، حضرت والا طالب اصلاح کو تبلیغ دین کا مطالعہ کر کے جن رذائل کا نفس میں موجود ہونا سمجھ میں آئے، ان کی فہرست بنا کر ایک ایک کا علاج دریافت کرتے رہنے کی ہدایت ابتداء مکاتبت ہی میں فرمادیتے تھے۔ اس کے علاوہ تصحیح عقائد اور دین کا صحیح فہم پیدا ہونے کے لئے نیز اصلاح نفس اور اس کے لئے ہمت پیدا ہونے وغیرہ جیسے اہم مقاصد کے لئے حضرت تھانویؒ کے مواعظ و ملفوظات کا مطالعہ تجویز فرماتے تھے۔

نیز تصوف و سلوک کی حقیقت سمجھنے اور زوائد و فضولیات اور مقاصد میں امتیاز پیدا کرنے کے لئے تاکہ سیدھا راستہ نظر آ جائے، پھر ہمت کر کے چلنا ہی ہے۔ اس مقصد کے لئے نیز ہمت پیدا کرنے کے لئے بھی مواعظ و ملفوظات اور قصداً السبیل، تبویب، تربیت السالک، اشرف السوانح اور اکمال الشیم وغیرہا کا مطالعہ بھی تجویز فرماتے تھے۔ ان میں سے آخر الذکر کتاب معرفت الہیہ میں ترقی کے لئے بہت عمدہ ہے۔

(نوٹ: حضرت حکیم الامت تھانویؒ کی کتب (برائے تصحیح عقائد و اعمال اصلاح نفس اور عقل سلیم و فہم صحیح پیدا ہونے کے لئے) جو یکجا اصلاحی نصاب کے نام سے مرتب کی گئی ہیں، بہت ہی مفید و مناسب اقدام ہے۔ البتہ کسی ناشر نے اس میں خصوصاً حیوۃ المسلمین کے بعض عنوانات (ارواح کے ناموں) میں بہت نامناسب تغیر کیا ہے۔ پھر اس کے بعض دوسرے ناشرین نے بھی ان کی تقلید میں ان ہی غلط عنوانات کے ساتھ شائع کر دیا۔ اس میں قرآن حکیم کی آیات بینات اور احادیث نبویہ کے احکام اور ان کے بعض حکم و منافع دینی و دنیوی کے ٹھوس حقائق و معارف کو ”رموز“ بلکہ ”فلسفہ“ جیسی گھٹیا شے سے تعبیر کرنا بڑی نادانی اور حقیقتاً (بوجہ ناواقفیت) علوم و معارف الہیہ و نبویہ کی سخت بے ادبی ہے۔ اللہ تعالیٰ مجلس صیانت المسلمین میں عملی خدمت کرنے والے حضرات کو وسائل اور توفیق عطا فرمائیں کہ وہ اس نصاب کو اپنی نگرانی میں حضرت حکیم الامت تھانویؒ کی ابتدائی شائع شدہ کتب کو مہیا کر کے ان سے ملا کر تصحیح فرمائیں۔ اور ان کتب کے اپنے اصلی عنوانات اور صحیح مضامین کے ساتھ شائع کرائیں، تاکہ صحیح کتب سے بخوبی استفادہ ہو سکے۔ اور آئندہ کے لئے بھی صحیح ریکارڈ کتب کا محفوظ ہو۔ تاکہ ناشرین آئندہ بھی صحیح شائع کرتے رہیں۔

اس یکجا شائع شدہ اصلاحی نصاب (مشتمل بر مؤلفات حضرت تھانویؒ) اور اکمال الشیم وغیرہ کے علاوہ بہشتی زیور یعنی اس کا حصہ دینیات (علاوہ معاشیات و طب وغیرہ) بھی بہت اہم و ضروری ہے۔ اور عقائد، عبادات، معاملات، معاشرت و اخلاق اور ترغیب و ترہیب سب کو حاوی ہے۔)

درمیان میں جملہ معترضہ آ گیا تھا۔ تذکرہ حسب عنوان تذکرہ نفس کے لئے مطالعہ مواعظ و ملفوظات کی اہمیت کا تھا۔ جیسا کہ ابواب خیر المدارس میں ”آج کا خیر المدارس“ کے زیر عنوان گزر چکا۔ اب پھر اس کی اہمیت کے پیش نظر اعادہ کیا جاتا ہے، کہ حضرت والائے مواعظ و ملفوظات کے بارے میں ایک دفعہ خادم کو تحریر فرمایا: ”ما شاء اللہ یہ تو حقیقی مرشد و رہنما ہیں۔“ ماضی قریب یعنی اسی قرن کے مختلف سلسلوں کے اہل حق بزرگان دین اور کبار مصلحین اپنے مریدین اور طالبین اصلاح کو حضرت حکیم الامتؒ کی کتب اور بالخصوص مواعظ و ملفوظات کے مطالعہ کی ہدایت فرماتے رہتے تھے۔ اور غالباً اب

۱۔ عنوانات کے علاوہ مضامین و مسائل کی نقل صحیح ہونے کی جانچ بھی ضروری ہے۔ کیونکہ ایسا ہو چکا ہے۔ کہ بہشتی زیور کے مسائل کسی ناشر نے شائع کئے تو اختصار پسندی کی وجہ سے مسائل و احکام کی عبارت کو مختصر کر دیا۔ اور اس میں حج و عمرہ کے کچھ مسائل کا اپنی طرف سے اضافہ کر دیا۔ ان میں بعض مسائل بالکل غلط تھے۔ جن کو ہالف بہشتی زیور اور صاحب امداد الفتاویٰ جیسے فقیر الامت اور امام وقت جو قرن سابق کے مجدد تھے ان کی طرف منسوب کیا جا رہا ہے۔ ان اللہ الخ۔ (۱۲)

بھی یہ سلسلہ جاری ہے۔ ان بزرگان دین میں شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت پیر عبدالملک صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں تو احقر کو بھی اس وقت یاد ہے، اور اکابر کو بھی اسی پر قیاس فرمایا جائے۔ کیوں نہ ہو کہ حضرت شیخ الحدیث صاحب کے شیخ محمد و منا حضرت مولانا ظلیل احمد صاحب سہارن پوری رحمۃ اللہ علیہ جو امام ربانی حضرت گنگوہی قدس سرہ کے اکابر خلفاء میں ممتاز مقام رکھتے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ حضرت تھانوی کے مواعظ سے نسبت باطنی پھلتی ہے۔ تقریباً یہ الفاظ احقر نے حضرت سہارن پوری کے تلمیذ رشید اور خلیفہ مجاز بیعت استاذی المعظم حضرت العلامة مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی سے بھی سنے ہیں۔ اور قدرے زور دار الفاظ میں یہ روایت اشرف السوانح میں بھی موجود ہے۔ اور خود امام ربانی حضرت گنگوہی نے ایک بار جبکہ غالباً گنگوہ میں حضرت تھانوی کا وعظ ہو رہا تھا، اپنے پاس بیٹھے ہوئے خدام کو ارشاد فرمایا کہ یہاں بیٹھے کیا لیتے ہو۔ ایک عالم ربانی کا وعظ ہو رہا ہے، وہاں جاؤ۔

مزید تفصیل کے لئے اشرف السوانح کا مطالعہ ان شاء اللہ تعالیٰ نہایت ہی مفید ہوگا۔ اور وہ صرف گزشتہ صدی کے مجدد کی سوانح ہی نہیں، بلکہ سلوک و تصوف پر عجیب و غریب فوائد سے بھر پور اور خواجہ صاحب کے آتش عشق سے روشن کتاب ہے۔ کیا عجب کہ اس کے مطالعہ سے عشق الہی کی لو اس طرح لگ جائے جیسا کہ ایک چراغ سے دوسرا چراغ جل جاتا ہے۔ مجلس ملفوظات میں حضرت والا اور سب حاضرین مجلس نہایت سکون و سکوت کے ساتھ سماعت فرماتے تھے۔ کبھی کسی بات کی وضاحت ضروری ہی ہوتی تو حضرت والا مختصر سی بات فرما دیتے تھے۔ کیونکہ یہ طالب علمانہ قیل و قال اور چون و چرا کی مجلس نہ تھی، بلکہ خانقاہی حلیم اور استفادہ و استفادہ کی مجلس تھی، جس میں زمانہ کے فہن اور تحریکات سے یکسوئی کے ساتھ تعلق باللہ اور رضائے الہی کی طلب پیدا ہوتی تھی۔ بلکہ عاشق الہی کی لوگتی اور چراغ سے چراغ جلانے والا کام ہوتا تھا۔ اہل مجلس خصوصاً طالبین اصلاح محبت الہی سے اپنے سینوں کو گرما کر اٹھتے تھے۔ اور دنیاوی وہمی مصلحتوں اور تاویلات فاسدہ کو آگ لگانا سیکھتے تھے۔ ہنگامی مغربی سیاست کے بجائے صحابہ کرام والی سیاست کے شیدائی بن جاتے تھے، جس کا حاصل یہ تھا:

مصلحت دیدن آنت کہ یاراں ہمہ کار بگذارند و خم طرہ یارے گیرند

نیز ان ملفوظات میں دین کے ایک اہم شعبہ اصلاح معاشرت کی تعلیم بھی بڑی تاکید کے ساتھ ملتی ہے، جس کو عوام الناس ہی نے نہیں بلکہ خواص نے بھی ترک کر رکھا تھا۔ بلکہ عموماً اس کا دین سے کچھ تعلق ہی نہیں سمجھا جاتا تھا۔ مواعظ و ملفوظات سے کیا ملتا ہے؟ جو شخص اللہ تعالیٰ ہی کی رضا کا جو یاں ہو، اس کی صحیح رہنمائی ہو جاتی ہے۔ رضائے الہی جس کا مقصود ہو اور اس کے راستہ کی طلب ہو، اس کو راستہ معلوم ہو جاتا ہے۔ اور یہی نہیں بلکہ طلب صادق بھی پیدا ہو جاتی ہے۔

۱۔ یہاں روایات بمعنی ہیں اور غالباً اشرف السوانح میں ملیگی۔ (۱۷)

۲۔ یہاں روایات بمعنی ہیں اور غالباً اشرف السوانح میں ملیگی۔ (۱۷)

ہمت کے حصول کا طریقہ :

ایک صاحب کی روایت ہے کہ انہوں نے حضرت والا سے عرض کیا کہ بزرگ اپنے مریدوں کو اعمال صالحہ کے کرنے اور معاصی سے بچنے میں ہمت سے کام لینے کا حکم فرماتے ہیں۔ اس ہمت کے حصول کا کیا طریق ہے؟ فرمایا: ”جب کسی کام کی اہمیت اور وقعت دل میں آجاتی ہے تو خود بخود اس کے لئے ہمت ہو جاتی ہے۔ جیسے کہیں ضروری سفر کرنا ہو اور گاڑی آدھی رات کو جاتی ہو تو خود بخود اس کی ہمت ہو جاتی ہے۔“

یعنی ہمت پیدا کرنے کے لئے اس کام کی اہمیت و وقعت دل میں آ جانے کی ضرورت ہے۔ حضرت والا نے گویا سائل کو دعوتِ فکر دی کہ وہ اب غور کرے اور سوال کرے کہ وہ اہمیت و وقعت دل میں کیسے آئے، تاکہ ہمت پیدا ہو۔ چنانچہ حضرت والا ہی کی تعلیم و تلقین اور ارشادات کے فیض سے اس سوال کا جواب اور اس متن متین کی شرح یہ عرض ہے: کہ دین کے کام کی اہمیت و وقعت حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے مواعظ و ملفوظات کے مطالعہ سے دل میں پیدا ہوتی ہے۔ اور پھر اس سے ہمت پیدا ہو جاتی ہے۔ بتوفیقہ تعالیٰ۔ جیسا کہ حضرت والا ہی کے اصلاحی ارشادات میں جا بجا ملتا ہے۔ (۱۲)

چنانچہ جیسا کہ ابواب خیر المدارس میں ”آج کا خیر المدارس“ کے زیر عنوان گزر چکا، مخدومنا حضرت مولانا فقیر محمد صاحبؒ نے احقر کے اسی کے مثل سوال کے جواب میں یہی ارشاد فرمایا تھا کہ حضرت تھانویؒ کی کتابوں یا مواعظ و ملفوظات سے دین کے کاموں کی ہمت پیدا ہوتی ہے۔ (یا یہ فرمایا کہ دین کی طلب پیدا ہوتی ہے) بہر حال دونوں میں سے جو کلمہ بھی فرمایا ہو، حاصل ایک ہی ہے۔ یعنی ابتداء میں طلب اور انتہاء میں (مگر عمل سے قبل) ہمت کی ضرورت ہے۔ اور اسی پر دار و مدار ہے۔ اور حقیقتاً یہ سب کچھ اللہ جل جلالہ و عزاسمہ کی توفیق اور مشیت سے ہوتا ہے۔ اور سب دار و مدار اور انحصار اسی پر ہے۔ اور اسی کے در پر ناک اور ماتھا رگڑنے اور اسی کے آگے بصدعجز و نیاز ہاتھ پھیلانے کی ضرورت ہے۔ اور دراصل کام اسی سے بنتا ہے۔

مزید تاکید کے لئے ابواب خیر المدارس میں گزرے ہوئے حضرت والا کے ملفوظات بھی یہاں مکرر نقل کئے جاتے ہیں: ملفوظات کے دوران فرمایا کہ حضرت تھانویؒ کے ملفوظات اور مواعظ ہر خاص و عام کے لئے یکساں مفید ہیں۔ (ملفوظ (۲) بروایت مولانا حافظ عبدالشکور صاحب)

ایک دفعہ فرمایا: ”جس شخص کو بھی اپنی اصلاح مقصود ہو، حضرت تھانویؒ کے ملفوظات و مواعظ کو زیر مطالعہ رکھے، اور اگر پڑھ نہ سکے تو کسی سے سن لیا کرے۔ (ملفوظ (۳) ایضاً)

• خاتمۃ السوانح میں بھی حضرت حکیم الامتؒ کی وفات کے بعد ان کا فیض حاصل کرنے کے لئے ان کی تالیفات

اور مواعظ و ملفوظات اور بالخصوص ملفوظات کو مطالعہ میں رکھنے کی بہت تاکید ملتی ہے۔

مکاتیب اصلاحیہ

اصلاحِ نفس سے متعلق نوعِ بنوع اور نو بنو حقائق و معارف کا کچھ نمونہ تو مولانا عبدالعزیز صاحب مدظلہ کے مقالہ میں ملے گا، جس میں حضرت والا کے متنوع موضوعات پر مکاتیبِ اصلاحیہ میں سے کچھ نمونہ لیا گیا ہے۔

احقر نے اصلاحِ طلبِ احوال میں چند مکاتیب سے عموماً ان ارشادات کو لیا ہے، جن میں مطالعہ کے ذریعہ اصلاح فرمائی گئی ہے۔ اور خاص طور پر اصلاح کے لئے مواعظ و ملفوظات کے مطالعہ کا امر فرمایا ہے۔ کہیں کہیں کوئی اور اہم اصلاحی ارشاد بھی شامل کر لیا ہے۔ (بہر حال تفصیلی حقائق و معارف اور علوم متعلقہ اصلاح و تزکیہ نفس تو ان شاء اللہ تعالیٰ خیر المکاتیب کے مرتب ہو کر شائع ہو جانے پر ہی سامنے آسکیں گے)

اقتباسات از بعض مکتوبات مشتمل بر استرشادات و ارشادات

ارشادات بجواب ابتدائی عریضہ..... اصلاحِ نفس کی فرضیت اور مطالعہ ”تبلغ دین“:

چونکہ ابھی آپ دماغی محنت میں لگے ہوئے ہیں، اس لئے وظیفہ میں لگانا آپ کو مناسب نہیں۔ البتہ اصلاحِ نفس ہر وقت فرض ہے۔ اس لئے آپ تبلغ دین کا اس طرح مطالعہ کریں کہ اخلاقِ رذیلہ میں سے جو اپنے اندر محسوس کریں ان کو بطور فہرست قلمبند کرتے جائیں اور اخلاقی حسنہ میں جس کی کمی اپنے اندر محسوس کریں ان کو بھی بطور فہرست لکھتے جائیں۔ پھر ایک ایک کا علاج پوچھ کر اصلاح کراتے جائیں۔ (دستخط) خیر محمد (۱-۳-۴) ھ

ایک مرید کی اہلیہ کے لئے مطالعہ کتب اور خود احقر کے لئے مطالعہ ”ترجمان السنہ“:

السلام علیکم! فہرست کتب نظر سے گزری۔ مزید مطالعہ کی بھی ضرورت ہے۔ ترتیب وار لکھتا ہوں: تعلیم الدین، اصلاح الرسوم، حقوق الاسلام، انفاس عیسیٰ، نزہۃ البساتین، پھر عربی کا مختصر نصاب پڑھ کر ترجمہ قرآن مجید۔ اللہ تعالیٰ ان کو علم و عمل کی توفیق مع الثمرات عطا فرمائیں۔

اگر ہمت ہو سکے تو آپ خود مولانا بدر عالم صاحب کی تصنیف ”ترجمان السنہ“ ہر دو جلد کا مطالعہ بھی کر لیں۔

والسلام (دستخط) خیر محمد ملتان (۱۳-۳-۷۴) ھ

مواعظ و ملفوظات

عرض حال: اس ذرا سے احساس کے بقا اور ترقی کے لئے دعاء فرمائیں اور احساس پیدا کرنے کا طریقہ ہدایت

فرمائیں۔ بڑی مہربانی ہوگی۔

ارشاد: مواعظ و ملفوظات کا مطالعہ

مطالعہ کتب کو ترجیح

عرض حال: عشاء کے بعد گنجائش ہے۔ اگر مناسب ہو تو مزید ذکر تعلیم فرمایا جاوے۔ (عریضہ ۷۴-۵-۲۰) ہ
 ارشاد: بجائے ذکر مزید کے مطالعہ کتب کو ترجیح دی جائے۔

استعمال ہمت اور مطالعہ مواعظ

عرض حال: نظر الی الاجنبیات سے احتیاط کی ہمت نہیں ہوتی..... یہ کوتاہی معمولی بات محسوس ہوتی ہے... اس
 معصیت کی مضرت کا احساس کم رہ گیا ہے۔ براہ کرم حضرت والا اس کا علاج فرمادیں۔
 ارشاد: ہمت کو استعمال میں لایا جائے اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے مواعظ کا روزانہ مطالعہ جاری رکھا جائے۔

ہمت اور کثرت استغفار

حال: اصلاح کے کام میں سست رفتاری اور قوت فیصلہ کی کمزوری کا کیا علاج کیا جائے؟
 ارشاد: ہمت اور کثرت استغفار علاج ہے۔

ملفوظات کا مطالعہ اور استحضار

حال: بعض معاصی جن کی طرف طبعی میلان بکثرت ہوتا تھا..... اب الحمد للہ طبعی نفرت محسوس ہونے لگی۔ لیکن اس حالت
 کے بقاء کا خادم کو اعتبار نہیں..... براہ کرم اس میں رسوخ کی تدبیر اور دُعا فرمادیجئے۔
 ارشاد: اہتمام سے حضرت والا کے ملفوظات کا مطالعہ اور استحضار۔

معاصی سے طبعی اور عقلی نفرت

حال: بعض خاص معاصی سے طبعی نفرت بھی زیادہ ہو گئی تھی۔ اب پھر بار بار غفلت ہو کر وساوس آتے رہتے ہیں۔ اور اس
 طبعی نفرت میں کمی محسوس ہوتی ہے۔
 ارشاد: وساوس غیر اختیار یہ کا خود آنا اور طبعی نفرت نہ ہونا مہتر نہیں، جبکہ عقلاً نفرت موجود ہو۔

مطالعہ کا قلب پر اثر مطلوب ہے، عدم استحضار کا مضائقہ نہیں

حال: ملفوظات کا مطالعہ جاری ہے۔ اور اس کا فائدہ بالکل ظاہر ہے۔ اس سلسلہ میں مزید ہدایات و نصائح ارشاد فرمائیں تو
 امید ہے ان شاء اللہ اصلاح ہوگی۔

ارشاد: مطالعہ کے مضامین کا اگر استحضار باقی نہ رہے تو بھی مضائقہ نہیں۔ اس کا ایک اثر قلب پر پڑتا ہے۔ وہ باقی رہتا
 ہے۔ وہی مطلوب ہے۔

قراءت اور نماز کی طرف ابتداء میں توجہ کافی ہے

حال: کوشش کرتا ہوں کہ قراءت اور نماز کی طرف توجہ رہے، لیکن تھوڑی دیر میں پھر غفلت اور بے توجہی ہو جاتی ہے۔

ارشاد: ابتداء کی توجہ کافی ہے۔ جب تک قصد خلاف توجہ کا نہ ہو وہ توجہ باقی سمجھی جاتی ہے۔

تبلیغ دین دیکھ کر اپنے امراض باطنی معلوم کرنا

حال: براہ کرم حضرت والا خادم کا ایسا علاج فرمائیں کہ خود رانی اور جو امراض اس کا منشاء ہوں وہ دور ہو جائیں، اور فنا و عبدیت کی نعمت و دولت حاصل ہو جائے۔

ارشاد: رسالہ تبلیغ دین دیکھ کر اپنے امراض باطنی معلوم کرو۔

مطالعہ ملفوظات و مواعظ

حال: آیا ملفوظات و مواعظ یا ان میں سے کسی ایک کا مطالعہ خادم کے لئے بطور معمول کے ہے۔ اور اس کو بہر حال باقی رکھے۔ (الخ)

ارشاد: ملفوظات یا مواعظ کا مطالعہ یا دونوں کا جاری رہے، بشرطیکہ فرصت ہو تو بہت اچھا ہے۔

مطالعہ تبلیغ دین اور عوارف المعارف

حال: اس کے مطالعہ کے دوران اپنی کوتاہیوں میں سے بہت کم کسی کسی کوتاہی کو نوٹ کیا۔ تبلیغ دین کا مطالعہ شاید صحیح..... نہیں ہوا۔ تو کیا خادم دوبارہ مطالعہ شروع کر دے؟

ارشاد: دوبارہ مطالعہ کی ضرورت نہیں۔ البتہ اخلاقی رذیلہ میں اور اخلاقی حسنہ میں سے جس میں کوتاہی نظر آئے اس کا علاج دریافت کرنا چاہئے۔ پھر عوارف المعارف کا مطالعہ کرنا چاہئے۔

حال: (مندرجہ بالا استرشاد کے تقریباً ڈیڑھ سال بعد پھر اس کا حوالہ دے کر عوارف المعارف کا مطالعہ ابھی شروع کرنے نہ کرنے کے بارے میں دریافت کیا)

ارشاد: تبلیغ دین اور عوارف المعارف کا مطالعہ جاری کریں۔

معمولات اور مطالعہ

حال: (اسی مذکورہ بالا عریضہ میں معمولات کا ذکر اور بسا اوقات بوجہ سستی اور نیند پوری نہ ہونے کے وقت ضائع ہو جانے پر دعاء اور ہدایات کی درخواست کی تھی)

ارشاد: میں دعاء کرتا ہوں۔ ہمت سے کام لو۔ حتی الوسع معمولات کو پورا کیا کرو۔ جب کبھی فرصت ہو تو کتاب کا مطالعہ کیا کرو۔ اور دعاء بھی کرتے رہیں۔ والسلام

حال: (یہ آخری عریضہ سے ایک عریضہ قبل والا ہے) تبلیغ دین کا مطالعہ شروع کیا تھا اور عوارف المعارف کا مطالعہ نامہ کے بعد پھر شروع کیا ہے۔ مواعظ و ملفوظات کا مطالعہ بھی اکثر ہو جاتا ہے۔

ارشاد: مطالعہ کے ساتھ معمولات بھی ادا ہونے چاہئیں۔ دعاء کرنا ہوں۔

آخری ارشادات.... بعض اہم کتب برائے مطالعہ

۱۵ رجب ۱۳۹۰ھ (۷ اکتوبر ۱۹۷۰ء) کو آخری عریضہ تحریر خدمت والا کیا۔ جس کا آخری استر شاد و حال اور آخری

ارشاد حسب ذیل ہیں:

حال: عوارف المعارف اصل عربی کا مطالعہ جاری ہے۔ عجیب نفیس و لطیف اور عالی مضامین ہیں۔ لذیذ و مفید لیکن بلا دت و جہل کی وجہ سے کتنے ہی مضامین سمجھ میں نہیں آتے۔ جتنا سمجھ میں آ جاتا ہے، خادم اسی کو غنیمت سمجھتا ہے۔

ارشاد: بس اسی پر کفایت چاہئے۔

حال: اردو ترجمہ شعبہ عربی کراچی یونیورسٹی کے کسی استاد کا بازار میں ملتا ہے۔ لیکن اس سے زیادہ نفع کی توقع نہ ہونے کے خیال سے نہیں لیا۔ اطلاعاً عرض کیا۔ شاید مزید استفادہ کی صورت ارشاد فرمائیں۔

ارشاد: ہم ضعفاء ہیں۔ ایسوں کے لئے اکمال الشیم، معرفت الہیہ، التکشف، تبلیغ دین، شریعت و طریقت ملفوظات وغیرہ کافی ہیں۔ قدامت کی طویل کتب ہمارے بس کی نہیں ہیں۔ (دستخط) خیر محمد

اس عریضہ کے جواب پر ڈاک خانہ کراچی کی مہر ۲۲ ستمبر ۱۹۷۰ء کی ہے۔ اس کے بعد ۲۰ شعبان ۱۳۹۰ھ مطابق

۲۲- اکتوبر ۱۹۷۰ء یعنی پورے ایک ماہ بعد حضرت والا کا وصال ہو گیا۔

بعض اکابر کا اپنے مریدوں کو حضرت والا سے استفادہ کے لئے ارشاد

بعض اوقات بعض بزرگان دین نے اپنے مریدوں کو حضرت والا سے استفادہ و استفادہ کے لئے ارشاد فرمایا ہے۔ مثلاً شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ایک مرید کے خط کے جواب میں تحریر فرمایا کہ ”پاکستان میں حضرت حکیم الامت کے خلیفہ حضرت مولانا خیر محمد صاحب موجود ہیں۔ ان سے صحبت اور فیض حاصل کرو۔“ (ذکر خیر، ص ۲۱)

مخدوم الامت حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب امرتسری رحمۃ اللہ علیہ اپنے ایک مرید حاجی عبدالسلام لائل پوری کو تحریر فرماتے ہیں: ”اب حق تعالیٰ کو منظور ہوا کہ ملتان میں برکت نازل فرمائیں۔ حضرت مولانا خیر محمد صاحب کی ملاقات نعمت ہے۔ اس سے نفع حاصل کرو۔ حق تعالیٰ نے موقع عنایت کیا ہے۔“

(القول العزیز، جلد ۲، ص ۱۲۸) “(ذکر خیر، ص ۲۲)

اب اس کے بعد حضرت والا کے اندازِ تربیت کے بارے میں مکرمی ماسٹر محمد اقبال قریشی صاحب زید مجدہ کی تحریر

ملاحظہ فرمائیے:

حضرت والا کا اندازِ تربیت:

حضرت والا کا اندازِ تربیت بالکل اپنے پیرومرشد حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی قدس سرہ کی طرح تھا، کہ پہلے روزی سے کام میں لگا دیتے۔ اگر قلب شہادت دیتا تو فوراً بیعت فرمالیتے۔ ورنہ طالب کی درخواست پر تعلیم کا سلسلہ فوراً شروع فرمادیتے۔ اول اخلاقِ رذیلہ کے امالہ کی ترغیب دیتے۔ بعدہ اخلاقِ حمیدہ کے حصول کی طرف مائل فرماتے۔ اس سلسلہ میں حجۃ الاسلام حضرت امام غزالی رحمہ اللہ کی کتاب اربعین کی چالیس فصول میں سے تیس فصلوں کا اردو ترجمہ موسومہ ”تلخیص دین“ کے مطالعہ کا امر فرماتے کہ ان میں تمہارے اندر جو اخلاقِ رذیلہ موجود ہیں ان کی فہرست بنالو۔ پھر ایک ایک کا علاج مجھ سے پوچھ کر ان پر عمل کرتے رہو۔ اور بذریعہ خط و کتابت اپنے حالات سے مطلع کرتے رہا کرو۔ طالبین کو اخلاق کی اصلاح کے لئے زیادہ زور دیتے۔ مگر بعض طالبین کو ساتھ ساتھ کچھ نہ کچھ پڑھنے کے لئے بھی بتلاتے۔ گویا اخلاق کی اصلاح کے علاوہ اوراد و اشغال بھی ساتھ ساتھ تعلیم فرماتے۔ مثلاً ذکر اسم ذات (اللہ) پانچ سو مرتبہ۔ استغفار ایک تسبیح، درود شریف ایک تسبیح، تلاوت قرآن پاک، اور ایک منزل مناجات کی روزانہ پڑھنے کے لئے بتلاتے۔ بعض کو صرف کلمہ سوم ایک تسبیح کے لئے ارشاد فرماتے۔ اس کے علاوہ احکام شریعت پر چلنے، نماز باجماعت ادا کرنے، رمضان المبارک کے روزے رکھنے، حج یا زکوٰۃ فرض ہو تو اس کے ادا کرنے کی تلقین فرماتے۔

طالبین کے خطوط کے جوابات کا خاص اہتمام تھا۔ چنانچہ آخر وقت تک باوجود ضعیفی و پیرانہ سالی کے تربیتی خطوط کا جواب خود تحریر فرماتے۔

حضرت والا باوجود یکہ مجسمہ شفقت اور سراپا خیر و برکت تھے، ان کی مبارک مجلس میں بدون حرکت بھی برکت ہی برکت ملتی تھی۔ اور وہ عموماً مشفقانہ انداز ہی میں طالبین کی تربیت فرماتے تھے۔

ہم نے اُلفت کی نگاہیں دیکھیں جانیں کیا چشم غضبناک کو ہم

مگر اصلاح اور تربیت کے معاملہ میں کسی کی رعایت نہ فرماتے۔ ایک بار اس ناچیز نے چند روزہ قیام کا عزم ظاہر کیا تو ارشاد فرمایا: ”اگر رہنا ہے تو کام کرو، پازاروں میں فضول وقت ضائع نہ کرو۔“ اسی طرح ایک بار اس ناچیز نے لکھا کہ مجھے سانس اور بلغم کی شکایت رہتی ہے، جس کے سبب آواز سے تلاوت نہیں کر سکتا۔ البتہ تفسیر بیان القرآن کا مطالعہ کرتا رہتا ہوں۔ اس پر تحریر فرمایا: ”تلاوت علیحدہ کرو اور اس کا مطالعہ الگ کرو۔“ باقی بوجہ علالت آواز سے تلاوت نہ ہو سکے تو آہستہ

کرنے کی اجازت فرمادی۔ غرض نفس کے جس قدر حیلے میں نے پیش کئے ان سب کا علاج فرمایا۔

دولطائف:

تر بیت کے سلسلہ میں اس ناچیز کے ساتھ دولطائف پیش آئے، جنہیں تفریحاً لکھتا ہوں۔ اس ناچیز کو بیعت کی حقیقت معلوم نہ تھی۔ اور بچپن میں بعض بزرگوں کو بیعت کرتے بھی دیکھا تھا۔ اس لئے خیال تھا کہ بیعت ہاتھ میں ہاتھ دینے کا نام ہے۔ مگر بعد بیعت جب حضرت والا نے نماز تہجد پڑھنے کی تاکید کی اور تبلیغ دین امام غزالیؒ کے مطالعہ کے بعد اصلاح نفس کا ارشاد فرمایا تو یہ ناچیز حیرت و استعجاب کی نگاہوں سے حضرت والا کو دیکھنے لگا کہ اچھا پھنس گیا۔ میں تو سمجھتا تھا کہ ہاتھ میں ہاتھ دے کر بیعت ہونے کے ساتھ ہی چھٹی (اور فراغت) ہو جائے گی۔ مگر حضرت والا تو بیعت کے ساتھ ہی پہلے روز سے کام میں لگا دیتے تھے۔

مکتب عشق کے انداز نرالے دیکھے اس کو چھٹی نہ ملی جس نے سبق یاد کیا

غرض حضرت والا طالبین کی اصلاح و تربیت میں کوئی کسر باقی نہ رکھتے۔ ان کے طلب اصلاح کے لئے خطوط کے جواب بھی تحریر فرماتے۔ اوراد و اشغال بھی تعلیم فرماتے۔ تبلیغ دین کے علاوہ تسہیل قصد السبیل، اکمال الشیم فی اتمام النعم اور شریعت و طریقت وغیرہ کے مطالعہ کا بھی امر فرماتے۔ بالخصوص حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ کے مواعظ حسنا اور ملفوظات کے مطالعہ کی توجہ تاکید فرماتے اور فرماتے کہ اس سے اصلاح میں بڑی مدد ملتی ہے۔

دوسرا طیف: اس ناچیز کو حضرت والا نے پہلی حاضری میں بعد بیعت استغفار ایک تسبیح پڑھنے کی تعلیم فرمائی تھی۔ یہ ناچیز **اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ، اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ** پڑھ کر تسبیح پوری کرتا رہا۔ دوسری حاضری میں اس بارے میں عرض کیا تو حضرت والا اپنے مخصوص انداز میں کئی دیر تک ہنستے رہے۔ پھر **اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ الَّذِیْ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ وَاَتُوْبُ اِلَیْهِ** پڑھنے کا امر فرمایا۔ اور تین بار اپنی زبان مبارک سے یہ کلمات پڑھے۔ جب احقر نے عرض کیا کہ یہ مجھے یاد ہیں تو خاموش ہو گئے۔ باقی احقر کا از خود اسے نہ پڑھنا اور صرف **اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ** سے تسبیح پوری کرنا نفس کا حیلہ ہو سکتا ہے۔

درویش شریف: ایک بار احقر نے لکھا کہ کونسا درویش شریف پڑھنا چاہئے؟ تو تحریر فرمایا کہ درویش ابراہیمی یا یہ درویش شریف

پڑھا کرو: **اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِهِ وَاَصْحَابِهِ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ**۔
یہ بھی قارئین کے لئے ایک تحفہ ہے۔

حضرات مجازین:

تر بیت فرماتے وقت جب حضرت والا کو اس بات کا علم ہوا کہ یہ حضرات اب اس قابل ہو گئے ہیں کہ یہ دوسرے طالبین کی تربیت اور رہنمائی کر سکتے ہیں۔ تو ایسے حضرات کو تو کلاً علی اللہ بیعت و تلقین کی اجازت فرمادی۔ حضرات مجازین کو

اس سے خود اپنی اصلاح میں بھی مدد ملتی ہے۔

نوٹ: یہاں پر حضرت مولانا عبدالعزیز صاحب مدظلہ کا مقالہ ”میرے شیخ کامل“ درج کیا جا رہا ہے۔ جس میں اکثر مضامین حضرت والّا کے افاضہ باطنی پر روشنی ڈالتے ہیں۔ اس کے بعد ایک ملفوظ اور باقی حضرت والّا کے مکاتیب اصلاحیہ میں مذکور ارشادات کو بیان فرمایا گیا ہے۔ یہ ملفوظ اور مکاتیب والے ارشادات اس مقالہ کا حصہ دوم ہیں۔ ان سب سے نہ صرف حضرت والّا کے طرز اصلاح کا بقدر ضرورت نمونہ سامنے آتا ہے بلکہ طالب اصلاح سلوک کے بہت سے حقائق اور علوم مفیدہ سے مستفید ہو سکتا ہے۔ (۱۲)

میرے شیخ کامل (حصہ اول)

از حضرت مولانا الحافظ عبدالعزیز صاحب دامت برکاتہم
مہتمم مدرسہ عربیہ اشاعت العلوم جامع مسجد منڈی چشتیاں یکے از خلفاء حضرت والّا قدس سرہ

حضرت سے ابتدائی تعلق ہی کلید سعادت معلوم ہوا:

احقر جب ۱۳۶۹ھ میں دورہ حدیث سے فارغ ہوا تو دل میں اصلاح نفس کا خیال پیدا ہوا۔ اس سلسلہ میں احقر نے اپنے استاذ الکل، فخر الامثل حضرت مولانا خیر محمد صاحب کی خدمت میں ایک جوابی عریضہ تحریر کیا، کہ میں اصلاح نفس کے لئے کسی بزرگ کے ساتھ اصلاحی تعلق قائم کرنا چاہتا ہوں۔ حضرت والّا نے جواب میں تحریر فرمایا کہ میں چند بزرگوں کے نام تحریر کرتا ہوں، جس کی طرف رجوع میں آسانی ہو، رجوع کر لیا جاوے۔ اس جواب میں بزرگوں کے نام تحریر فرمانے کے دیگر جواب طلب امور کا جواب تحریر فرمایا۔ غالباً بزرگوں کے نام لکھنے سے سہو ہو گیا۔ اور اس خط کے بعد میرا ذاتی رجحان بھی حضرت والّا کی طرف ہی ہو گیا، تو میں نے پھر دوبارہ آپ سے اس معاملہ میں دریافت کرنا مناسب نہ سمجھا، کہ وہ کون سے حضرات تھے جن کے نام آپ تحریر فرمانا چاہتے تھے۔ بہر حال پھر احقر نے زبانی طور پر بیعت ہونے کے متعلق عرض کیا، تو حضرت والّا نے فرمایا کہ آپ میرے مشورہ سے کام شروع کر دیں، تو ان شاء اللہ تعالیٰ آپ کو مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ نَفْعٍ ہوگا۔ سب سے پہلے حضرت والّا نے قصد السبیل جو حضرت تھانوی کی راہ سلوک میں مختصر سی کتاب ہے، مطالعہ کرنے کے لئے ارشاد فرمائی۔ بندہ نے از اول تا آخر دو تین مرتبہ اس کا مطالعہ کیا۔ اس کے مطالعہ سے راہ سلوک میں کافی اُلجھنیں اور شکوک دور ہو گئے۔

حضرتؒ میں شیخ کامل کی جملہ علامات موجود تھیں:

- اس میں شیخ کامل کے عنوان سے جو علامات تحریر کی گئی ہیں وہ ہمارے شیخ میں بھی کامل درجہ میں پائی گئیں۔
- اول: مثلاً بقدر ضرورت علم دین رکھتا ہو۔
- دوم: عقائد و اعمال میں شرع کا پابند ہو۔
- سوم: دنیا کی حرص نہ رکھتا ہو، کمال کا دعویٰ نہ کرتا ہو کہ یہ شعبہ دنیا ہے۔
- چہارم: کسی شیخ کامل کی صحبت میں چند دن رہا ہو۔
- پنجم: اس زمانہ کے منصب علماء و مشائخ اس کو اچھا سمجھتے ہوں۔
- ششم: بہ نسبت عوام کے خواص یعنی فہیم دین دار لوگ اس کی طرف زیادہ مائل ہوں۔
- ہفتم: اس سے جو لوگ بیعت ہیں ان میں اکثر کی حالت باعتبار اتباع شرع و قلت حرص دنیا کے اچھی ہو۔
- ہشتم: وہ شیخ تعلیم و تلقین میں اپنے مریدوں کے حال پر شفقت رکھتا ہو اور ان کی بری بات سنے یا دیکھے تو ان کو روک ٹوک کرتا ہو۔ یہ نہ ہو کہ ہر ایک کو اس کی مرضی پر چھوڑ دے۔
- نہم: اس کی صحبت میں چند بار بیٹھنے سے دنیا کی محبت میں کمی اور حق تعالیٰ کی محبت میں ترقی محسوس ہوتی ہو۔
- دہم: خود بھی وہ ذاکر شافل ہو کہ بدون عمل یا عزم عمل تعلیم میں برکت نہیں ہوتی۔ (ماخوذ از قصد السبیل)
- یہ علامات شیخ کامل کی محض اس واسطے نوٹ کر دی ہیں تاکہ ہر شخص راہ سلوک کو اختیار کرنے میں ان علامات کو ملحوظ رکھ کر کسی کے ہاتھ میں ہاتھ دے۔ بہر حال مذکورہ علامات حضرت والاؒ میں بدرجہ اتم پائی جاتی تھیں۔ اس واسطے بندہ نے حضرت والاؒ کے مشورہ کے ساتھ باقاعدہ طور پر تعلیم شروع کر دی۔ اور گرمیوں کی رخصتوں میں اور اسی طرح آخری عشرہ رمضان المبارک میں حاضری شروع کر دی۔

حضرتؒ کی توجہ سے دنیا سے دل سرد ہو گیا:

”قصد السبیل“ کے مطالعہ کے بعد حضرتؒ نے نزہۃ البساتین کا مطالعہ کرنے کے لئے ارشاد فرمایا، جس میں بزرگوں کی تقریباً ایک ہزار صحیح حکایات درج ہیں۔ اس کے دیکھنے سے میرا دل دنیا سے بالکل سرد ہو گیا۔ یہ محض میرے شیخ کامل کی توجہ کا اثر تھا۔ اس کے بعد حضرت والاؒ نے تبلیغ دین محشی ہدیہ عنایت فرمائی۔ اور فرمایا کہ اس میں اپنے امراض روحانی کو دیکھ کر علاج کرایا جائے۔ اور کتاب میں جو علاج تحریر کئے گئے ہیں وہ بہت سخت ہیں۔ وہ پہلے زمانے کے لوگوں کے لئے تھے۔ بہر حال بندہ نے پھر باقاعدہ مکاتبت شروع کر دی۔ ہر ماہ میں ایک جوابی کارڈ ضرور لکھ دیا کرتا تھا۔ مکاتبت کا مضمون لکھنے کے سلسلہ میں بھی میں نے پریشانی کا تحریر کیا۔ جس کے جواب میں حضرت والاؒ نے ”تربیت السالک“ مطالعہ میں رکھنے

کے لئے ارشاد فرمائی۔ پھر دن بدن میرا ذوق شوق بڑھتا رہا۔ اور حضرت والا کی تو جہات اور عنایات میں اضافہ ہوتا رہا۔ اس ضمن میں یعنی آمد و رفت کے سلسلہ میں ایک مرتبہ رمضان المبارک میں حاضری کا اتفاق ہوا، جس میں اللہ تعالیٰ نے ایک خصوصی انعام احقر پر فرمایا کہ استاد محترم جناب قاری رحیم بخش صاحب مدظلہ اپنی مسجد سے چند ایک شاگردوں کے ساتھ شینہ میں قرآن پاک پڑھنے کے لئے تشریف لائے۔ پہلے حافظ رشید احمد صاحب آپ کے بڑے صاحبزادے پڑھ رہے تھے۔ ان کے فارغ ہونے کے بعد قاری صاحب مدظلہ نے قرآن پاک کی منزل پڑھی۔

حفظ قرآن پاک کا شوق:

حضرت قاری صاحب مدظلہ کی دعاء سے مجھے حفظ قرآن پاک کا شوق ہو گیا۔ چنانچہ گھر واپس آ کر از خود ہی حفظ شروع کر دیا۔ تقریباً ڈیڑھ سال کے عرصہ میں میں نے قرآن پاک حفظ کر لیا۔ بعد میں جب احقر نے حضرت قاری صاحب مدظلہ سے حقیقت حال عرض کی تو حضرت قاری صاحب مدظلہ نے فرمایا کہ میں نے اس رات یہ دعاء کی تھی کہ اے اللہ! کسی کے دل میں قرآن پاک حفظ کرنے کا شوق پیدا فرما دے۔

حضرت والا کے وعظ کی تاثیر:

وعظ میں تو ایسی تاثیر دیکھی کہ حضرت والا کی باتیں دل میں اترتی جاتی تھیں۔ ایک مرتبہ حضرت والا نے نواں شہر ملتان میں وعظ فرمایا اور اس میں بغض و کینہ رکھنے کی وعیدیں بیان فرمائیں۔ بندہ کی مدرسہ میں ایک دو ساتھیوں سے ناراضگی کی وجہ سے بات چیت بند تھی۔ بس حضرت والا کے وعظ کا اتنا اثر ہوا کہ فوراً مدرسہ میں آ کر رات کو ان سے مصالحت کر لی۔ حضرت کے وعظ میں عموماً علمی سادہ باتیں ہوتی تھیں اور بہت اثر رکھتی تھیں۔ جیسے ہلکی ہلکی پھو اور وار بارش برسی ہے اور زمین میں جذب ہوتی جاتی ہے۔ اس طرح آپ کے وعظ کی تاثیر تھی کہ مردہ دلوں میں حیات پیدا ہو جاتی تھی اور بڑے بڑے صاحب کمال بھی حضرت سے فیض یاب ہو کر جاتے تھے۔

حضرت والا بلاشبہ خیر مجسم تھے:

ایک مرتبہ جالندھر میں مدرسہ میں ایک عرب صاحب تشریف لائے تو انہوں نے مختصر سا خطاب فرمایا کہ اسم بانی خیر محمد اور اسم مکتب خیر المدارس، اور یہ کہ میں بھی یہاں سے خیر لینے آیا ہوں اور خیر ہی لے کر جاؤں گا۔ اور یہاں خیر ہی خیر ہے۔ کیوں نہ ہو۔ جبکہ مدرسہ کا نام بھی حضرت تھانویؒ کا تجویز شدہ ہو۔ جو بھی یہاں آیا خیر سے بہرور ہو کر گیا۔

حضرت حکیم الامت کے محبوب خلیفہ:

آپ حضرت تھانویؒ کے محبوب خلفاء میں سے تھے۔ حضرت تھانویؒ کے ہاں آپ کا بڑا احترام تھا۔ آپ کے چہرہ

۱۔ اس تقریر کی وقت حضرت قاری صاحب بقید حیات تھے۔ غفرلہ وار حمد اللہ حمہ وسلم۔ (۱۷)
۲۔ اس دعا سے جملہ کاتبانی حصہ مسودہ کی فونو کاپی میں نہیں ملا اس لئے جملہ انداز پورا کیا ہے۔ (۱۷)

کی نورانیت، ہونٹوں کی شگفتگی، نظروں کی شفقت، لبوں کی مسکراہٹ اور اخلاق کی وسعت جمال اشرفی کی زندہ تصویر تھی۔ اخیر عمر میں آپ کو دور و گدردہ کی سخت تکلیف رہتی تھی۔ ایک مرتبہ گردوں کا آپریشن بھی ہوا۔ اس کے باوجود آپ کو مدد سے خیر المدارس جیسے وسیع تعلیمی ادارہ کی انتظامی مشغولی درس و تدریس کی مصروفیتیں اور طویل سفروں کی صعوبتیں برداشت کرتے دیکھ کر ان کے متعلق ایک مرتبہ حضرت تھانوی قدس سرہ کا قول یاد آیا جو آپ نے ارشاد فرمایا تھا جب کہ چند رفقاء کے ساتھ آپ تھانہ بھون آستانہ پر حاضر ہوئے تھے کہ انجن چھوٹا سا ہے، مگر گاڑیاں بہت سی کھینچے لارہا ہے۔

حضرت مرجع الخلاق تھے:

انتظامی امور میں تو آپ کو اللہ تعالیٰ نے وہ ملکہ عطا فرمایا تھا کہ بڑے بڑے علماء و مشائخ مثلاً حضرت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ جیسے حضرات فرماتے تھے کہ اگر انتظامی امور کسی نے سیکھے ہوں تو حضرت مولانا خیر محمد صاحب سے جا کر سیکھے۔ انتظامی امور کا ہی یہ اثر تھا کہ سب اساتذہ کرام آپس میں شیر و شکر کی طرح رہتے تھے۔ ایک دوسرے کا نہایت ادب و احترام کرتے تھے۔ ہر ایک اپنے آپ کو دوسرے کی خدمت کرنے کا موقع تلاش کرتا رہتا تھا۔ اور ہر مکتبہ فکر کے لوگوں کی نظروں میں آپ مرجع الخلاق تھے۔

حضرت کو فن تصوف میں بھی بڑا ملکہ حاصل تھا:

فن تصوف میں بھی آپ کو اللہ تعالیٰ نے خاص ملکہ عطا فرمایا تھا۔ ایک مرتبہ حضرت واللاً چشتیاں کے علاقہ میں تشریف لائے۔ چک نمبر ۴۴ سے ہو کر چک نمبر ۴۶ بھی جانا ہوا۔ یہاں چشتیاں سے ایک میانوالی کے بہت بڑے عالم بھی زیارت کے لئے تشریف لے گئے۔ انہوں نے موصوف سے تصوف کے بارے میں چند ایک سوال کئے، جن کے حضرت واللاً نے تسلی بخش جواب دیئے۔ جس کی وجہ سے انہیں قائل ہونا پڑا کہ آپ فن تصوف میں پورے کامل ہیں۔ مثلاً انہوں نے ایک سوال کیا کہ یہ امراض غصہ، کبر، کینہ وغیرہ کا علاج ایسا ہو جائے کہ یہ امراض بالکل ہی ختم ہو جائیں۔ اگر غصہ (مثلاً) بالکل ہی ختم ہو جائے تو جہاد میں یا بڑے لوگوں کی اصلاح پھر کیسے کی جائے؟ تو حضرت واللاً نے ارشاد فرمایا کہ اصلاح سے امراض کا ازالہ مقصود نہیں، بلکہ امالہ مقصود ہوتا ہے۔ جیسے شکاری کتاب جو سدھارا ہوا ہو کہ جہاں مالک نے حکم یا تو چل پڑا، ورنہ کان ڈھیلے کر کے پڑا رہا۔

اجازت بیعت:

۱۹ رجب ۱۳۷۶ھ کو حضرت واللاً سے میرے ایک خط کے جواب میں کامل شفقت سے اجازت بیعت مرحمت فرمائی۔ بندہ نے اس کے جواب میں تحریر کیا کہ بندہ اپنے اندر بالکل اہلیت نہیں پاتا۔ لہذا مجھے معذور تصور فرما کر اس بارہا گراں

سے سبکدوش کر دیا جائے۔ آپ نے پھر دوبارہ جواب میں تحریر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ آپ سے اصلاح خلق کی خدمت لیں گے۔ بہت سارے لوگوں کو آپ سے نفع ہوگا۔ آپ بلا تکلف کام شروع کر دیجئے۔ پھر بندہ نے بیعت کے متعلق استفسار کیا۔ تو حضرت والا نے اپنے دست مبارک سے حضرت تھانویؒ سے جس طرح بیعت ہوئی اور پھر اجازت مرحمت ہوئی، پورا مفصل طور پر دو صفحہ کا خط تحریر فرما کر ارسال فرمایا۔ جو میرے خطوط میں محفوظ ہے۔ صرف اطلاع اجازت کی نقل یہاں دی جا رہی ہے:

(اطلاع) چونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے غایت فضل و کرم سے آپ پر ایک درجہ میں معرفت کا دروازہ کھول دیا ہے، اور مقام فنا و بقا نصیب ہونا شروع ہو گیا ہے۔ اس لئے بار بار قلبی تقاضا کے بعد تو کلاً علی اللہ آپ کو بیعت و تلقین کی اجازت دیتا ہوں۔ آپ اس کو دینی خدمت سمجھ کر تو کلاً علی اللہ شروع کر دیں۔ اللہ تعالیٰ آپ سے بہت سے لوگوں کو نفع دے گا۔ اور بلا تکلف اپنے دوستوں کو اس کی اطلاع کر دیں۔ والسلام خیر محمد ملتان (۱۹ رجب ۱۳۷۶ھ)

میرے شیخ کامل (حصہ دوم)

از مولانا عبدالعزیز صاحب مدظلہ

(نوٹ: اس حصہ میں مولانا عبدالعزیز صاحب مدظلہ نے حضرت والا کے زبانی اقادات بصورت ملفوظ درس وغیرہ اور مکاتیب اصلاحیہ کے اقتباسات کو لیا تھا، لیکن اس ترتیب میں اتنا تصرف کیا گیا ہے کہ اصلاحی حصہ تو باب ارشاد و افاضہ باطنی کی نسبت سے اس میں باقی رہا۔ اور افادہ علمیہ کا حصہ اس سے متعلق جگہ شامل کر دیا گیا ہے۔ آ۱)

مجلس شیخ میں بیٹھنے کے آداب:

مجلس شیخ میں ذکر کے بارہ میں ایک مرتبہ استفسار پر فرمایا کہ جب شیخ گفتگو فرما رہا ہو تو اس وقت ذکر بند کر کے اس کی باتیں سننا چاہئیں۔ اور جب اپنے کسی کام میں مشغول ہو تو سالک کو ذکر لسانی خفی میں مشغول ہونا بہتر ہے۔ چنانچہ بندہ اس کے مطابق ہمیشہ عمل کرتا رہا۔

اب حضرت قدس سرہ کے چند مکتوبات کے اقتباس پیش کرتا ہوں، جس سے آپ کے شیخ کامل ہونے کا اندازہ ہوگا۔

نماز میں وساوس کا علاج:

نماز میں وساوس کی شکایت کے علاج کے بارہ میں تحریر فرمایا کہ نماز کی ابتداء میں توجہ الی اللہ سے نیت کر کے شروع کرنے کے بعد اگر خود وساوس و خیالات آتے رہیں تو یہ مضرت نہیں۔ ان کا فکر کرنا اور اس طرف التفات کرنا البتہ مضر ہو جایا کرتا ہے۔ اس لئے بے التفات رہنا اور قصد اپنے کام میں لگے رہنا ہی علاج ہے۔

۱۰ کیونکہ بیعت کرنے کا طریقہ اور خطبہ بیعت اس سے قبل "نقش حیات" سے نقل کیا جا چکا ہے۔ اس لئے اس کو یہاں نقل نہیں کیا گیا۔ (۱۲)

تفویض و توکل اور رضاء بالقضاء کے ساتھ دعاء کا اہتمام رکھنے کی تعلیم:

احقر گھر کے قریب چشتیاں میں مدرس تھا۔ گھر سے دور خانقاہ عبدالحق پر تبدیلی ہوئی۔ احقر نے اس کی اطلاع حضرت قدس سرہ کو دی تو جواباً تحریر فرمایا: ”آپ کی تبدیلی معلوم ہو کر صدمہ ہوا تھا۔ مناسب ہے کہ دعاء کرتے رہنا چاہئے۔ اور اس کو بھی حکمت الہیہ پر محمول کرنا چاہئے۔ ایک حکمت بعض امراض باطنہ کا علاج اور اصلاح باطنی بھی ہے۔ دوسرے انسانی ارادہ و سعی پر مشیت الہیہ کا غلبہ، معرفت حق تعالیٰ میں اضافہ کا موجب بھی ہے وغیر ہا من الفوائد۔ تبدیلی کے لئے بندہ بھی دُعا کرتا ہے۔“

روزانہ اپنے عیوب کا مطالعہ بڑا مفید ہے:

ایک والا نامہ میں ارشاد فرمایا روزانہ ایک وقت اپنے عیوب کا مطالعہ اور عین وقت پر عیوب و نقائص کا استحضار اور اعتبار عند الحاتمہ کا تصور ان شاء اللہ تعالیٰ مفید ہوگا۔

امر بالمعروف و نہی عن المنکر غیبت ممنوع میں داخل نہیں:

احقر کے ایک عریضہ کے جواب میں تحریر فرمایا: ”امر بالمعروف و نہی عن المنکر غیبت ممنوعہ میں داخل نہیں۔ البتہ بلا ضرورت تذکرہ و شکوہ ممنوع ہے یا فضول۔ اس سے ہمت کر کے بچنا چاہئے۔“

مجاہدہ کے ثمرہ میں مشاہدہ حق موعود ہے:

ایک عریضہ کے جواب میں ارشاد فرمایا: ”غصہ کا آنا امر طبعی ہے۔ اس کا مضا لقمہ نہیں۔ البتہ اس کے مقتضی پر عمل کرنے میں عجلت نہ کرنی چاہئے۔ بلکہ حتی المقدور ضبط کرنے کا مجاہدہ کیا جائے۔ مجاہدہ کے ثمرہ میں مشاہدہ حق موعود ہے۔ اس کو پیش نظر رکھا جائے۔ چند بار مقتضی پر عمل کرنا مشکل نظر آئے گا، پھر آہستہ آہستہ سہل ہو جائے گا۔“

دورِ حاضر میں حسن کی طرف قصداً میلان قلبی درست نہیں:

احقر نے ایک بار ع ”نتواں نہفتن در داز طہیاں“ کے پیش نظر اپنا ایک مرض حضرت قدس سرہ کی خدمت میں لکھا کہ جب کسی عینہ پر نظر پڑ جاتی ہے تو کافی دیر تک اس کا خیال دل میں آتا رہتا ہے۔ حتی الوسع چلتے وقت نگاہ نیچی رکھتا ہوں۔ پھر بھی کبھی خیال آ جاتا ہے۔ ہر ممکن کوشش کرتا ہوں کہ سوائے خدا کے تصور کے کوئی خیال نہ آئے۔ مگر نفس شریر غالب آ جاتا ہے اور خیال نہیں ہٹتا۔ اس کے جواب میں تحریر فرمایا: ”السلام علیکم! ماشاء اللہ آپ کے حالات اچھے ہیں۔ حسن کی طرف قلبی میلان بڑا نہیں۔ بشرطیکہ غیر اختیاری ہو، یا حق تعالیٰ کی معرفت کا ذریعہ ہو۔ مگر اس زمانہ میں اس کا قصد یا قلبی مطالعہ کرنا سخت خطرناک ہے۔ اس واسطے بچیوں کی طرف قصداً نظر نہ کی جائے۔ اور بعد نظر اول کے قلب میں سوچا جائے،

بلکہ اس کی وعید کو مستحضر کیا جائے۔ یا فوراً اپنی محرمات کی صورت کی طرف ذہن کو منتقل کر دیا جائے۔ کچھ روز مشق کرنے سے ان شاء اللہ تعالیٰ نفع ہوگا۔“

خطرات کا آنا ایمان کا مقتضی ہے، مگر ان کی طرف سے بے التفاتی مفید ہے:

احقر نے لکھا بعض دفعہ ایسے خطرات آتے ہیں کہ ایمان کا خطرہ لاحق ہو جاتا ہے۔ تحریر فرمایا: ”ایسے خطرات کا آنا خود ایمان کی نشانی ہے، جو موجب مسرت و تشکر ہے۔ اور خدائی رحمت وسیعہ پر نظر کر کے دل میں ان کا اثر نہ لینا اور مایوسی کو قریب نہ آنے دینا ایمان کا مقتضی ہے۔ اس لئے بے التفاتی سے کام لیتے رہیں۔“

امور غیر مشروعہ کے ملاحظہ کے وقت عجیب اعتدال کی تعلیم:

ایک بار احقر نے لکھا کہ خلاف شرع امور میں اگر کوئی شخص مصروف ہو تو اس پر بہت جلد غصہ آ جاتا ہے۔ بخلاف امور دنیا کے کہ اس پر کوئی نقصان کر دے تو اتنا غصہ نہیں آتا۔ اس کے جواب میں عجیب اعتدال کی تعلیم دی، جو قابل ملاحظہ ہے اور حضرت کے شیخ کامل ہونے کی بین دلیل ہے۔ فہو ہذا۔ تحریر فرمایا: ”امور غیر مشروعہ دیکھ کر غصہ آنا اور نفرت کرنا جذبہ ایمان ہے، جو محمود ہے۔ البتہ اس کے مقتضی پر اس طرح عمل کرنا کہ ان کو حقیر سمجھا جائے، یا ان سے سلام و کلام ترک کیا جائے، یہ مذموم ہے۔ اس سے احتراز کرنا لازم ہے۔ بہ تکلف سلام و دعا سے کام لیا جائے اور نیت ہدایت کی کی جائے کہ شاید مانوس ہونے سے وہ ہدایت پر آ جائیں۔ البتہ وہ اختلاط جو ان کی معصیت و فسق کے لئے قوت و دلیل کا موجب ہو وہ مذموم ہے۔ نیز ایسے وقت میں اپنے عیوب کا استحضار اور ان کے من وجہ محاسن کا استحضار کر لیا جائے، تاکہ ان کو حقیر سمجھنے کی نوبت نہ آسکے۔“

حُب جاہ کا علاج:

احقر نے ایک بار لکھا کہ دل یوں چاہتا ہے کہ لوگ میری تعریفیں اور ثنائیں بیان کیا کریں۔ اور میرے معتقد ہو جائیں۔ چنانچہ اگر کوئی شخص میری تعریف کرتا ہے تو دل میں ایک قسم کی فرحت اور خوشی ہوتی ہے۔ بخلاف اس کے کہ اگر کوئی مذمت کرے تو یہ نہایت ناگوار گذرتی ہے۔ جواب میں ارشاد فرمایا کہ: ”یہ تمام باتیں کبر سے ناشی ہوتی ہیں۔ حق تعالیٰ کی عظمت کے استحضار سے ان شاء اللہ تعالیٰ مضحل ہو جائیں گی۔ مزید برآں یہ کہ تخیلہ کے وقت ۵-۱۰ منٹ مراقبہ موت کرتے ہوئے یہ تصور کیا جائے کہ نہ مدح کنندگان رہیں گے اور نہ مذمت کنندگان۔ پھر دونوں سے تاثر مہوم ہوا۔ ایسی مہوم چیز پر غرور و بھروسہ سخت نادانی ہے۔“

ریا کی تعریف اور اس کا علاج:

ریا کی تعریف اور علاج کے متعلق فرمایا: ”ریا کہتے ہیں غیر اللہ کی مدح و نفع کی غرض سے قصداً کوئی کام کرنا۔ اگر

تاریخ حضرت ایشہ کامل، محقق کامل تو حسی، بیخارج دلیل نہیں یہاں تصدق حضرت والا کی مدح نہیں، بلکہ تصدق یہ ہے کہ ان تعلیمات کے نشر سے اسلامی نفع عام ہو (آ)

قصہ نہ ہو تو محض خیال کا آنا یا نہیں۔ بلکہ شبہ ریاء ہے، جو مضرت نہیں۔ بس اس کا علاج وہی بے التفاتی ہے۔“

تقاضا غیر اختیاری کچھ مضرت نہیں:

احقر نے ایک بار حسن کی طرف میلان طبعی اور اس کی جانب تقاضائے نفس کے بارے میں مکرر عرض کیا تو جواباً تحریر فرمایا: ”تقاضا غیر اختیاری کچھ مضرت نہیں۔ البتہ مقتضی پر عمل کرنا مضرت ہے، جس کی مقاومت کرنا ہمت کے استعمال سے اختیاری عمل ہے۔ یہ مجاہدہ گو صورتِ سخت اور نفس پر شاق ہے، مگر حقیقۃً فحوائے والذین جاہدوا فینا لنہدینہم سبلنا۔ قلب میں نورِ ہدایت اور معیت مع اللہ کا سبب ہے، جو دولتِ عظیمہ ہے۔ جو علاج جاری ہے وہ جاری رکھتے ہوئے قلب کو التفات سے بالکل خالی رکھ کر عام دعا پر اکتفاء کیا کریں۔ دعا کے وقت اس کا خصوصی استحضار بھی نہ کیا کریں۔“

دعاء رضاء بالقضاء کے منافی نہیں:

ایک بار احقر نے لکھا کہ جب اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے بندوں پر ماں باپ سے زیادہ شفیق ہیں اور بندہ کو جب آخرت میں کوئی ایسا درجہ عطا فرمانا چاہتے ہیں جو وہ اپنے عمل سے حاصل نہیں کر سکتا تو اللہ تعالیٰ اس کو غم و حزن اور مصائب میں مبتلا کر دیتے ہیں۔ تو اس مصیبت و تکلیف کے ازالہ کی دعا کرنا تو رضاء بالقضاء کے منافی معلوم ہوتا ہے۔ اس کے جواب میں تحریر فرمایا: ”چونکہ غیر نبی کو اس درجہ کے مستحق تو بنانے کا علم یقینی نہیں دیا جاتا، بلکہ ہر مکلف کے نزدیک یہ درجہ احتمال کا ہوتا ہے، ادھر دعاء مطلقاً مامور و ماثور اور پسندیدہ خدا ہے۔ نیز دعاء میں اظہارِ عجز ہے۔ اس لئے رضاء بالقضاء کے خلاف نہیں۔ یا یوں سمجھئے کہ دعاء مامور بہ بجالا کر جو حالت پیش آوے اس پر رضاء بالقضاء ذہنی چاہئے۔“

زُہد اسبابِ دنیویہ کے منافی نہیں:

ایک بار احقر نے زُہد کا علاج و طریق تسہیل دریافت کیا تو تحریر فرمایا: ”زُہد کی حقیقت دنیوی مرغوباتِ مباحہ میں تقلیل اختیار کرنا اور ان سے بہتر اخروی امور کی طرف بکثرت مائل ہو جانا ہے۔ دراصل زُہد ایک نور ہے جو حق تعالیٰ کی طرف سے قلبِ مومن میں القاء ہو جاتا ہے، جس کی بدولت شرح صدر نصیب ہوتا ہے۔ دنیا کی حقارت و فنا کا اور آخرت کی پائیداری اور عزت کا طریق تحصیل یہ ہے کہ دنیا کے عیوب و فنا کو اور آخرت کے بقاء و منافع کو سوچا جائے۔ زُہد اسبابِ دنیویہ کے منافی نہیں۔ بلکہ نظر اسباب پر نہ ہو۔ نظر صرف حق تعالیٰ پر ہو۔ اور جو حالت من عند اللہ پیش آئے اس پر قانع رہے۔“

کسی فعل غیر مشروع سے بغض رکھنا علامتِ ایمان ہے:

ایک بار ایک شخص نے مسجد میں ایک ایسی حرکت کی کہ سب نمازیوں کو اور خود مجھے سخت پریشان کیا۔ اس پر بندہ نے بھی اسے دو چار سخت کلمے کہہ دیئے۔ مگر بعد میں ندامت ہوئی تو استغفار کیا اور حضرت ”کو لکھا تو جواباً تحریر فرمایا: ”غصہ کے

متقاضی پر عمل نہ کرنا ہی غصہ کو دبانا ہے۔ وسوس وادہام قابل التفات نہ ہونے چاہئیں۔ کسی کے فعل غیر مشروع سے بغض رکھنا یارہنا علامت ایمان ہے۔ فاعل سے نہ ہونا چاہئے (بلکہ فعل سے ہو)۔“

علامت رقت قلب:

احقر نے لکھا کہ حج کے موقع پر خاص مقامات پر رونے کی کوشش کی۔ مگر بڑی مشکل سے دو چار آنسو نکلے۔ ظاہری رونا، آنسوؤں کا نکلنا نصیب نہ ہوا۔ اس کے جواب میں تحریر فرمایا: ”کبھی رونا قلب کا ہوتا ہے۔ وہ آنسو کے تابع نہیں۔ اس لئے قساوت کا شبہ بے کار ہے۔ نیز تحریر فرمایا کہ قلب کا متاثر ہونا یہ بھی رقت قلب کی علامت ہے۔ قساوت کا شبہ نہ کیا جائے۔“

بغض فی اللہ کے سبب سلام نہ چھوڑنا چاہئے:

ایک بار احقر نے لکھا کہ بغض فی اللہ کی وجہ سے اپنے متعلقین اور دوسرے عام لوگوں پر جو خلاف شرع کام کرتے ہیں بڑا غصہ آتا ہے۔ حتیٰ کہ ان کو سلام کرنے کو بھی جی نہیں چاہتا۔ اس کے جواب میں تحریر فرمایا: ”غصہ کا آنا اور پھر اس کو ضبط کرنا بے حد دین کی بات ہے۔ مگر ایسے لوگوں کے لئے دعاء نہ کرنا بری بات ہے۔ اور سلام دعا ہے، اس کو ترک نہ کیا جائے۔ یہ بھی ایک طرح سے مجاہدہ ہوگا۔ اور ادھر تعمیل ہوگی علیٰ من عرفت اولہم تعرف کی۔“

عجیب تسلی آمیز تعزیت نامہ:

احقر کے برخوردار مرحوم کی وفات پر حسب ذیل محبت بھرا تعزیت نامہ تحریر فرمایا: ”یہ تصور کیا جائے کہ زندہ رہتا تو آپ کی پرورش میں ہوتا۔ اب وہ اس سے بہتر مربی کی پرورش میں چلا گیا۔ یہ اس کا فائدہ ہوا۔ اگر زندہ رہتا تو آپ اس کو دیکھ کر خوش ہوتے۔ اب اس کے عوض میں ثواب آخرت اور جنت ملی، جو نعمت عظمیٰ باقیہ ہے۔ یہ آپ لوگوں کا فائدہ ہوا۔ ہاں جدائی کا صدمہ ضرور ہوا، جو غیر اختیاری ہے۔ اس کا صبر و ضبط مجاہدہ اختیاری ہے۔ بہر حال رضاء بالقضاء کو ہاتھ سے نہ جانے دیا جائے۔ اِنَّا لِلّٰہ کے مضمون کا استحضار کیا جائے۔ سب متعلقین کی خدمت میں یہ تعزیت نامہ پیش ہے۔“

حضرت ؑ والا کی شفقت و الطاف کی بعض یادیں:

حضرت والا نے ملتان سے کچھ فاصلے پر اپنی سابقہ اراضی خرید کی ہوئی تھی۔ شروع شروع میں ۱۵ یا ۲۰ یوم کے بعد وہاں جانا ہوتا تو بندہ ہی حضرت والا کے سائیکل کی ڈرائیوری کا کام سرانجام دیتا۔ اور راستہ میں دوران سفر بہت سے مسائل

۱۔ سبحان اللہ! حضرت عباسؓ کی وفات پر حضرت ابن عباسؓ کی تعزیت جو ایک اعرابی نے اشعار میں کی تھی۔ جس کو انہوں نے سب سے بڑھ کر تسلی بخش تعزیت فرمایا تھا اس کے مضمون کو حضرت والا نے کس عمدگی سے بیان فرمایا کہ اس پر مزید تلقین ممبر فرمائی ہے۔ وہ دو شعر یہ ہیں۔

اصبر لکن بک صابرين فانما . صبر الرعية بعد صبر الراس
خير من العباس اجرک بعدہ . والله خير منك للعباس. (۱۲)

آپ سے دریافت کرتا رہتا۔ اور حضرت والاؒ بہ کمال شفقت جواب عنایت فرماتے، جس سے پوری تسلی ہو جاتی۔ منزل مقصود پر پہنچ کر حضرت اس ناچیز کے کھانے پینے کا خاص خیال فرماتے۔ اور اکثر خود ہی کھانا اپنے ہاتھ سے اٹھلاتے۔ حضرت والاؒ کی شفقت و عنایت کی کس کس بات کا تذکرہ کروں۔ بعد اجازت بیعت و تلقین حضرت والاؒ نے احقر کو کتاب شریعت و طریقت مطالعہ کرنے کے لئے تجویز فرمائی۔ چنانچہ بندہ نے اول تا آخر اس کا لفظ بلفظ مطالعہ کیا۔ یقیناً حضرت والاؒ کی توجہ کا اثر تھا کہ اس کے مطالعہ سے ہزاروں عقدے حل ہو گئے اور شریعت اور معرفت اور طریقت کی صحیح حقیقت اچھی طرح واضح ہو گئی۔ پھر تو حضرت والاؒ کی دُعاء و برکت سے حضرت تھانویؒ کے مواعظ اور کتابیں دیکھنے کا اس قدر شوق پیدا ہوا کہ محل کھانا کھاتے وقت بھی کوئی رسالہ پڑھتا رہتا تھا۔ غرض حضرت والاؒ کی شفقت و الطاف کے واقعات یادوں کے جھروکوں سے یاد آتے جا رہے ہیں اور دل چاہتا ہے کہ ”میرے شیخ کامل“ کے عنوان سے قلم اپنی جولانیاں دکھاتا رہے۔ مگر طوالت کے خوف سے یہیں ختم کرتا ہوں۔

ایں سخت رائیست ممکن اختتام پس سخن کوتاہ باید والسلام

ضمیمہ میرے شیخ کامل

از ماسٹر محمد اقبال قریشی صاحب زید مجددہ

(تمہید) بعد الحمد والصلوة احقر عرض رساں ہے کہ برادر م حضرت مولانا عبدالعزیز صاحب مدظلہم مہتمم مدرسہ اشاعت العلوم چشتیاں ضلع بہاولنگر نے احقر کی درخواست قبول فرما کر مفصل مضمون ”میرے شیخ کامل“ تحریر فرمادیا۔ اس لئے مولانا کے کلام کو نظر بد سے بچانے کے لئے چند صفحات میں ”ضمیمہ میرے شیخ کامل“ لکھتا ہوں۔ جس طرح گل کے پہلو میں خار اور بہار کے ساتھ خزاں کا وجود لازمی ہے، اگر میری یہ سطور بھی مقبول ہوئیں تو مولانا کی تحریر کی برکت اس کا سبب ہوگی۔ جس طرح دھاگہ مصری کے ساتھ اور ڈی کاغذ مٹھائی کے بھاؤ تل جاتا ہے۔

(نوٹ:!) مکرزی ماسٹر اقبال قریشی صاحب کی اس تحریر کی ابتداء کے شاید دو چار جملے حذف ہو گئے ہیں۔ اس لئے مندرجہ ذیل تمہید کا اضافہ کیا جا رہا ہے۔ (آ)

جیسا کہ اس سے قبل بعنوان ”حضرت والاؒ کا انداز تربیت“ مکرزی ماسٹر محمد اقبال قریشی صاحب زاد مجددہ بیان فرما چکے ہیں کہ حضرت والاؒ اصلاح نفس کے لئے تبلیغ دین (الاربعین للامام الغزالی) کی تیس فصلوں کے اردو ترجمہ) کا مطالعہ کرنے اور اس میں سے رذائل نفس کی فہرست بنا کر ایک ایک کا علاج پوچھ کر عمل کرتے رہنے کی ہدایت فرماتے تھے۔ چنانچہ اسی سلسلہ میں فرماتے ہیں:

دوسرے ہی عریضہ میں احقر نے حسب الحکم تبلیغ دین اُردو، امام غزالیؒ کے مطالعہ کے بعد نفس میں جو اخلاقِ رذیلہ محسوس ہوئے ان کی فہرست بنا کر بھیجی، جس میں ”جھوٹ“ بھی شامل تھا۔ مگر لکھا کہ جھوٹ تو الحمد للہ اکثر کم بولتا ہوں، مگر بعض اوقات مصلحت کی بناء پر جھوٹ بولنا ہی پڑتا ہے۔ اس کے جواب میں تحریر فرمایا: ”کذب ہر طرح گندہ ہے۔ مصلحت آمیز ہو یا غیر مصلحت آمیز۔ امور اختیار یہ سے بچنا بھی اختیار میں ہے، ہمت سے کام لیجئے۔“

احقر نے خط پڑھ کر دل میں سوچا کہ دروغ مصلحت آمیز کو تو حضرت شیخ سعدی شیرازیؒ نے جائز لکھا ہے۔ ”دروغ مصلحت آمیز بہ از راستی فتنہ انگیز۔“ لیکن حضرت والاؒ کے ارشاد کی اس وقت قدر معلوم ہوئی جب ایک ایسے صاحب سے واسطہ پڑا جو جھوٹ کثرت سے بولتے اور چند دن یا گھنٹوں کے بعد خود ہی اس کے جھوٹ ہونے کا اپنی زبان سے اعتراف کرتے کہ اس جھوٹ میں یہ مصلحت تھی اور یہ مصلحت تھی۔ اس طرح اپنے جھوٹ بولنے کی سوسو مصلحتیں بیان کرتے۔ اسی بناء پر دروغ مصلحت آمیز سے روکنا حضرت والاؒ کے شیخ کامل ہونے کی تین دلیل ہے، تاکہ نفس جھوٹ بولنے کی خاطر تاویل میں اور مصلحتیں نہ سوچتا رہے۔

اسی طرح ایک بار احقر نے لکھا کہ میرے اندر حقد کا مرض ہے۔ اس کا علاج تحریر فرمایا جائے۔ حضرت والاؒ نے جواباً تحریر فرمایا کہ حقد کس کو کہتے ہیں۔ احقر کی نادانی ملاحظہ ہو کہ تعلیم الدین سے بقیدہ صفحہ حقد کی تعریف مع معالجہ کے لکھ بھیجی۔ گویا نعوذ باللہ شاید حضرت کو معلوم نہیں تھا، اس لئے دریافت فرمایا۔ مگر حضرت والاؒ کی غایت کرم و شفقت ملاحظہ ہو کہ اس پر کچھ عتاب نہیں فرمایا۔ بلکہ نصف فقرے میں بڑا شافی و کافی جواب تحریر فرمایا، جس سے آپ کے شیخ کامل ہونے کا اندازہ ہوتا ہے۔ سوال و جواب دونوں عرض اور ارشاد کے عنوان سے نقل کرتا ہوں:

عرض: تعلیم الدین میں ہے کہ جب بدلہ لینے کی قدرت نہیں ہوتی تو اس کے ضبط کرنے سے دل پر گرانی محسوس ہوتی ہے۔ اس کو حقد کہتے ہیں۔ (معالجہ) اس کا قصور معاف کر دے۔ اور اس سے میل جول شروع کر دے۔ گو بھگت ہی چند روز میں حقد دل سے نکل جائے گا۔ (احقر نے پوچھا) کسی سے متعلق حقد دل میں ہو اور وہ سامنے موجود نہ ہو تو کیا کرنا چاہئے؟ ارشاد: ”اس کو خط لکھ کر معاملہ معافی کا کرے۔“

اسی طرح ایک بار احقر نے ۱۲ ربیع الثانی ۱۳۹۰ھ کو عریضہ میں لکھا کہ حاضری کے لئے از حد شوق بلکہ اضطراب ہے، لیکن محترمی والد صاحب کی شدید علالت اور پیشاب کی بندش اور بوا سیر کے سبب حاضری سے محروم ہوں، اور اپنے آپ کو حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب امرتسری نور اللہ مرقدہ کے ایسے ہی موقع پر لکھے ہوئے شعر کو پڑھ کر تسلی دیتا ہوں۔ وہ شعر یہ ہے:

چوں بر بند و بر میخت بستہ باش چوں کشاید چابک و برجستہ باش

۱۔ بانی دریافت فرمانے کی اصل وجہ حضرت والاؒ کا طرز تربیت تھا جس کا علم مجھے بعد میں ہوا کہ حضرت حکیم الامت کا طرز تربیت بھی ایسا تھا کہ بعض اوقات خود سائل سے پوچھ لیتے تھے تاکہ معلوم ہو کہ سائل کی مراد کیا ہے (احقر قریشی غفرلہ)

اس کے جواب میں تحریر فرمایا: ”یہ انقباض اور مشقت ذریعہ ترقی درجات ہے۔ اس پر شکر ادا کرنا چاہئے۔“
سبحان اللہ! اس انداز میں تسلی دینا شیخ کامل کا ہی کام ہے۔ اختصار کے پیش نظر مزید دیگر مکتوبات نقل نہیں کرتا، کیونکہ الحمد للہ مولانا عبدالعزیز صاحب کے نقول خطوط میں بہت کچھ آ گیا۔ اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق بخشیں، آمین۔

حضرت والا سے اُستاذی المحترم حضرت مولانا محمد شریف صاحب جالندھریؒ کی اصلاحی مکاتبت

(نوٹ: اُستاذی المحترم حضرت مولانا محمد شریف صاحب جالندھریؒ حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ (مہتمم دارالعلوم دیوبند) کے مرید تھے اور مجاز بیعت بھی ہوئے۔ حضرت قاری صاحبؒ نے ان کو اصلاح کے لئے حضرت والاؒ ہی کے سپرد فرمایا تھا۔ غالباً اسی زمانہ کی مکاتبت سے یہ اقتباسات لئے گئے ہیں۔ آ۱)

شیخ کاملؒ باپ کے خطوط..... سالک راہ بیٹے کے نام

نماز میں حصول اطمینان کا طریقہ

حال: نماز میں اطمینان کے لئے کوئی علاج تجویز فرمادیں۔

ارشاد: علاج اس کا یہ ہے کہ حتی الوسع خود دل لگا کر نماز کو شروع کیا جائے۔ پھر جو کچھ ہو اس کی پروا نہ کی جائے۔

پریشانیوں کی فکر کی بجائے ان کے اسباب کا ازالہ کیا جائے

حال: ظاہری و باطنی بیماریوں کی وجہ سے تمام اوقات پریشانی میں گزر رہے ہیں۔

ارشاد: پریشانی طبیعت کو مضمحل کر دیتی ہے۔ اس لئے زیادہ فکر نہیں کرنا چاہئے۔ البتہ پریشانی کے سبب پر غور کرنا چاہئے۔

اصلاح احوال کا طریقہ

حال: بندہ اصلاح احوال کا طالب ہے۔

ارشاد: رسالہ تبلیغ دین میں اخلاقِ رذیلیہ کا مطالعہ کیجئے۔ ان میں سے جو اپنے اندر محسوس کریں ان کی فہرست بنالیں اور

ایک ایک کا علاج پوچھ کر اصلاح کراتے جائیں۔

ازالہ کبر کا آسان طریقہ

حال: بندہ میں کبر کا مرض کسی وقت غالب آ جاتا ہے، اس کا علاج فرمادیں۔

ارشاد: آسان طریقہ یہ ہے کہ مراقبہ بعد المغرب کیا جائے اور اپنے عیوب کا مطالعہ کیا جائے اور پھر توبہ کی جائے۔ اور حق

تعالیٰ سے دُعا کی جائے۔

کبر کا علاج

حال: تکبر کے آثار مختلف صورتوں میں ظاہر ہوتے ہیں۔ جیسے دوسروں کو حقیر سمجھنا اور راستہ میں دوسرا سلام نہ کرے تو غصہ ہوتا۔

ارشاد: اس کا علاج یہ ہے کہ جس کو حقیر سمجھے اس کی خوبیوں پر نظر کرنا اور غصہ کے وقت اپنے نقائص اور عیوب کو یاد کرنا اور خدا کی بڑائی کو دل میں متحضر کرنا۔

غیبت کا علاج

حال: غیبت کا علاج فرما کر اصلاح فرمائی جائے۔

ارشاد: غیبت حق العباد ہے۔ اگر ممکن ہو تو مغتاب علیہ سے معافی طلب کرے۔ اور ناممکن ہو تو اس کی تعریف کرے اور اس کے لئے دعا کرے اور آئندہ احتیاط کرے۔ اگر پھر بھی غیبت ہو جائے تو چار رکعت نفل جرمانہ کے پڑھا کرے۔ ان شاء اللہ یہ ترک ہو جائے گی۔

حسد کا علاج

حال: حسد کا علاج تجویز فرمایا جائے۔

ارشاد: مراقبہ موت چند منٹ کیا جائے، اس سے حسد جاتا رہے گا۔

معرفتِ الہیہ کا مطالعہ

حال: اگر کسی خاص کتاب کا مطالعہ زیادہ مفید ہو اور تسکین خاطر کا سبب ہو تو ارشاد فرمادیں۔

ارشاد: ”معرفتِ الہیہ“ کا مطالعہ مفید ہوگا، ان شاء اللہ تعالیٰ۔

حال: اگر کسی خاص کتاب کا مطالعہ مختصر وقت میں اگر مناسب ہو تو تجویز فرما کر مشکور فرمایا جائے۔

ارشاد: حسبِ گنجائش ”شریعت و طریقت“ کا مطالعہ مناسب ہوگا۔

غصہ برائے نہیں، مگر.....

حال: اپنے اندر غصہ بہت پاتا ہوں۔ کبھی دنیاوی امور میں اور اکثر خلاف شرع کے دیکھنے پر۔

ارشاد: غصہ برائے نہیں ہوتا۔ البتہ غصہ کے مقتضا کو فوراً جاری نہ کیا جائے۔ جب غصہ فرو ہو جائے پھر سوچا جاوے اور مقتضا پر

عمل کیا جاوے۔ تِلْكَ عَشْرَةٌ كَامِلَةٌ.

حضرت والّا سے حضرت حاجی ماسٹر محمد شریف صاحب (خلیفہ مجاز بیعت

حضرت حکیم الامت تھانویؒ کی اصلاحی مکاتبت

حضرت سیدی حاجی محمد شریف صاحب نے اپنی خودنوشت (سوانح مکتوبات اشرفیہ) میں حضرت والّا سے اپنی خط و کتابت سے چند خاص خاص خطوط بھی درج فرمائے ہیں۔ ان میں سے چند والا نامہ جات کا انتخاب کرتا ہوں:

جس چیز کے مشتبہ ہونے کا ظن غالب ہو، اس سے بچا جائے:

السلام علیکم ورحمۃ اللہ! دینے والے دُنیوی غرض سے ملازمین کو بلا طلب یا مع الطلب جو چیز دیتے ہیں وہ رشوت کہلاتی ہے۔ سو پٹواریوں کی زانداز مشاہرہ آمدنی اسی کا مصداق ہے۔ اس لئے کھانے پینے کی اشیاء سے اجتناب کرنا ہی احوط ہے۔ البتہ اس کے ماسوا اشیاء میں وساوس پچھے لگنے کی حاجت نہیں۔ ہاں جس چیز کے مشتبہ ہونے کا ظن غالب ہو اس سے اجتناب مناسب ہے۔ باقی کا تدارک استغفار سے کیا جاسکتا ہے۔ واللہ اعلم۔ از جالندھر ۲۹ رجب ۱۳۶۲ھ

دینی مقصداء کو مقام تہمت اور مواقع شک و تردّد سے اجتناب ضروری ہے:

ایک مرتبہ سیدی حضرت حاجی محمد شریف صاحب نے حضرت والّا کو خط لکھا، جس میں تحریر فرمایا: ”ایک انسر چاہتے ہیں کہ میں ان کی ہمشیرہ کو ٹیوشن پڑھاؤں۔ لڑکی بالغ ہونے کے قریب ہے۔ اگر انکار کروں تو اندیشہ ہے کہ نقصان پہنچائیں گے۔ کوشش کروں گا کہ لڑکی موٹے کپڑے پہن کر پاس بیٹھے۔ ارشاد فرمائیں کہ کیا کروں۔ حسب ارشاد دل و جان سے عمل کروں گا۔“

اس کے جواب میں حضرت والّا نے جو والا نامہ ارسال فرمایا، اس کی نقل ملاحظہ ہو:

”مکرمی زید فیصکم! وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ! حق گوئی وحق جوئی سے دل بہت خوش ہوا۔ حق تعالیٰ مزید توفیق ترقی ارزانی فرماوے۔ جو اب مختصر تحریر ہے کہ قرآن مجید میں آیت کریمہ وَلَا تَقْرُبُوا الزِّنَا یعنی ”زنا کے قریب مت جاؤ“ میں اسباب و ذرائع دواعی و وسائل زنا کو حرام اور ممنوع قرار دے کر ان سے نہی فرمائی گئی ہے۔ اس لئے دوسری آیت میں مرد و عورت کو نظر پست رکھنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اور حدیث میں ناگہانی نظر کو معاف فرمایا گیا ہے۔ ان سب نصوص سے معلوم ہوتا ہے کہ اجنبی مرد کا اجنبی عورت سے قصد تخلیہ میں بیٹھنا، آواز سننا، ہم کلام ہونا ناجائز ہے۔ ایسے مقام میں بیٹھنا قصد اہمال گاہے گاہے نظر پڑ جاتی ہے، معافی میں داخل نہیں، بلکہ قصد نظر کے حکم میں ہے۔ معافی اس صورت میں ہے کہ خود کسی اجنبی کے قریب کا قصد نہ کیا گیا ہو۔ پھر اتفاق سے سامنا پڑ جائے، یا اچانک نظر پڑ جائے وہ معاف ہے۔ اس لئے آپ کا معاملہ میری نظر میں مشکوک ہے، خلاف تقویٰ ہے۔ مرشدنا حضرت حکیم الامت قدس سرہ العزیز اس پر مطلع ہوتے تو اجازت نہ فرماتے۔ علاوہ ازیں دینی مصلحت کے بھی خلاف ہے۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے دینی مقصداء کا عہدہ عطا فرمایا ہے۔ مقصداء کے

لئے مقام تہمت و مواضع شک و تردد سے اجتناب ضروری ہے، تاکہ دوسرے معتقدین غیر جائز مواقع میں اس کو حجت نہ بنا سکیں، اور مخالفین بدنام کر کے ایک دینی مسلک سے عوام کو نہ ہٹا سکیں۔ فقط

یہ میرا خیال ہے۔ آگے آپ خود متقی ہیں۔ دین میں فہیم ہیں۔ تحری اور استخارہ فرمائیں۔ اور بحکم حدیث دَعُ مَا بَرِيكَ الٰہی مَا لَا يَرِيكَ یعنی مشکوک کو چھوڑ کر غیر مشکوک کو اختیار کیا جائے۔ احتیاط پر عمل فرمائیں۔ والسلام

خیر محمد عنی عنہ از خیر المدارس ملتان

۲۲ ذی الحجہ ۱۳۷۰ھ

حضرت حاجی محمد شریف صاحب اس خط کی نقل کے بعد تحریر فرماتے ہیں: ”حسب ارشاد حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ میں نے لڑکی کو پڑھانا قبول نہ کیا۔ مولانا کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے عجیب فضل فرمایا کہ اس افسر نے مجھے کہا کہ آپ کی اسی بات نے مجھے آپ کا گرویدہ بنا لیا ہے۔ پھر انہوں نے خاص کوشش سے مجھے دو تین پیشل گریڈ دلوائے۔“ (مکتوبات اشرفیہ، ص ۹۳ تا ص ۹۵)

اصلاح کے چند اصول

اطلاع و اتباع اور انقیاد و حب شیخ

حضرت والا کے چند ملفوظات (بروایت حضرت مولانا عبدالشکور صاحب زید مجددہ)

اطلاع:

(۱) ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ شاگرد کو اپنے استاد سے اور مرید کو اپنے شیخ سے کوئی بات چھپانی نہیں چاہئے، تاکہ اس کی بہتر اصلاح ہو۔ (ملفوظ نمبر ۳۶)

اتباع:

(۲) ایک مجلس میں فرمایا کہ اگرچہ مجھے مناظرے کا بہت شوق تھا، لیکن صرف اپنے شیخ (یعنی حضرت حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ) کے کہنے سے اس کو ترک کر دیا۔ جس سے شیخ کی اطاعت و رضا مقصود ہے۔ (ملفوظ نمبر ۳۳)

(۳) ایک مجلس میں فرمایا جس کام میں شیخ یا استاد راضی نہ ہو وہ کام خواہ کتنا ہی اچھا ہو اس میں برکت نہیں ہوتی۔ (ملفوظ نمبر ۳۴)

۱۔ یہاں مکتوبات و ملفوظات اشرفیہ (پانچواں ایڈیشن) میں ص ۳۳۷، ص ۳۳۸ زیر عنوان ”مقتدیان دین کے لئے اصول شرعی“ ایک دو جملہ مزید تفصیل کے ساتھ مذکور ہے۔ (۱۲)
۲۔ بواسطہ ان۔ عنوانات و ترتیب از آ۔

القیاد:

(۴) ایک دفعہ فرمایا جس کام کا شیخ یا استاد حکم دے اس کے لئے تیار نہ ہو تو بھی اس کو شروع کر دیا جائے۔ (ملفوظ نمبر ۳۵)

حب شیخ:

(۵) ایک دفعہ جامعہ اشرفیہ لاہور کے جلسہ کے موقع پر گنگا رام ہسپتال کے متصل حضرت مفتی جمیل احمد تھانوی صاحب کے مکان پر گئے اور اندرون خانہ دس روپے بھجوائے۔ پھر فرمایا اپنے شیخ یا استاد کے اہل خانہ سے بھی محبت رکھنا شیخ سے تعلق و محبت کی علامت ہے۔ (ملفوظ نمبر ۳۷)

اصلاح کا ایک اور اصول

”یک را گیر و محکم گیر“

اور اپنے سلسلہ والوں سے ملنے کی اجازت

سیح الامت سیدی و مولائی حضرت مولانا شاہ محمد مسیح اللہ صاحب نور اللہ مرقدہ ثنڈ والہ اللہ یا تشریف لائے تو حضرت والہ

سے اس کا تذکرہ اور استرشاد کیا۔ استرشاد و ارشاد حسب ذیل ہیں:

عرض حال: یہ ترڈ تھا کہ مختلف بزرگوں کی صحبت خادم کے لئے مضر نہ ہو۔ لیکن خادم کو کھانے پر بلایا گیا۔ اور خادم نے بھی حضرت مولانا مدظلہ العالی اور اپنے اساتذہ کو ناشتہ پر تکلیف دی۔ اور دو تین بار مستقل بھی مجلس میں بیٹھا کہ اچھی باتیں سننے میں آئیں گی۔ چنانچہ دُعاؤں میں بھی شرکت ہوئی۔ اور حضرت والہ ہی کے فیض سے مجلس میں دل بھی لگا۔ الدرالمصنوع حضرت مولانا مدظلہ العالی نے پڑھ کر سنائی۔ ترڈ داس لئے بھی تھا کہ حضرت والا کا ارشاد ”یک را گیر و محکم گیر“ یاد رہتا ہے۔ لیکن حضرت والہ نے حضرت مفتی محمد حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں بیٹھنے کا بھی ارشاد فرمایا تھا۔ اس لئے بھی خیال ہوا کہ یہ اس ارشاد کے خلاف نہ ہوگا۔ تاہم حضرت والہ ارشاد فرمائیں کہ آئندہ خادم کو مختلف بزرگوں (خصوصاً اپنے سلسلہ ہی کے) سے ملنا چاہئے، یا اس کی حاجت نہیں۔

ارشاد: اپنے سلسلہ والوں سے سب سے ملنے کی اجازت ہے۔ صحبت کی برکت اور دعاء کی قبولیت کی امید رکھنی چاہئے۔

(اقتباس از عریضہ مورخہ ۱۱/۵/۸۳ھ، جس کے جواب میں والا نامہ ۲۲/۵/۸۳ھ کو وصول ہوا)

مذکورہ بالا استرشاد و ارشاد سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ اپنے شیخ کامل سے تعلق پختہ ہونے کے بعد اپنے ہی سلسلہ کے

مختلف بزرگوں کی زیارت ”یک را گیر و محکم گیر“ کے خلاف نہیں۔ ویسے مختلف سلاسل کے مختلف بزرگوں کی زیارت جیسا کہ

بعض کو شوق ہوتا ہے، مبتدی کے لئے تشویش کا باعث ہو سکتی ہے۔ اور یکسوئی سے اپنے شیخ سے استفادہ میں مانع ہو سکتی ہے۔ اسی لئے پہلے ”یک را گیر و محکم گیر“ فرمایا تھا۔ پھر اپنے سلسلہ کے بزرگوں کی زیارت کی اجازت دے دی۔

معنی الحدیث و محل الوعید المذکور فی الحدیث

ایک اہم استر شاد و ارشاد

الحدیث: لَا يَحِلُّ لِمُسْلِمٍ أَنْ يَهْجُرَ أَخَاهُ فَوْقَ ثَلَاثِ لَيَالٍ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

ترجمہ: کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں کہ وہ اپنے (مسلمان) بھائی سے تین دن سے زائد کلام کرنا چھوڑ دے۔

(ف) مولانا عبدالعزیز صاحب نے اپنے چھوٹے بھائی کو بارہا نماز کی تاکید کی اور بڑے کاموں سے روکا۔ مگر جب وہ باز نہ آیا تو قطع تعلقی کر لی اور حضرت والا سے پوچھا کہ کہیں بندہ کا یہ فعل اس وعید میں تو داخل نہیں، جو مذکورہ حدیث پاک میں مذکور ہوئی۔ اس پر تحریر فرمایا: ”نہیں، وہ وعید دنیوی امور میں ہے۔ دینی امور میں نہیں۔“

خیر الکلام (ما قل و دل) لصاحب بیت اللہ الصرام

ایک عازم حج کو مخلصانہ، جامع اور مختصر نصیحت

حکیم حافظ عبدالجید صاحب نابینا کے نام ایک مکتوب میں تحریر فرمایا: ”الدِّينُ النَّصْحُ. بس اتنا ہی خیر خواہانہ مشورہ ہے کہ سطح نظر صرف حج بیت اللہ و زیارت روضہ پاک و زیارت مسجد نبوی ہونی چاہئے۔ عملاً بھی ہر قدم پر ہر قول و فعل اسی مقصد کا مظہر ہو۔ اور بجز استغفار اور ادعیہ مسنونہ و تلاوت قرآن پاک کے دوسری قیل و قال اور توجہات جلوس و جلسات بلکہ وعظ و تقریر سے اپنے آپ کو ضبط میں رکھا جائے۔ (۲ سوال ۷۷۵)

حضرت والا کی ایک پسند فرمودہ کتاب:

احقر نے مولانا محمد علی صاحب جالندھری مرحوم صدر مجلس تحفظ ختم نبوت پاکستان ملتان سے سنا کہ ایک بار میں جیل میں تھا۔ میں نے سنا کہ حضرت والا کا ارادہ میری ملاقات کی خاطر تشریف لانے کا ہے تو میں نے خط لکھا کہ حضرت والا کوئی ایسی کتاب ساتھ لائیں جو حضرت والا کو پسند ہو۔ چنانچہ مولانا فرماتے تھے کہ حضرت والا نے بوقت ملاقات اشرف السوانح کی تین جلدیں مجھے عطا فرمائیں۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ”اشرف السوانح“ حضرت والا کی پسندیدہ کتاب تھی۔“

احقر نے مولانا مرحوم سے سنا کہ جب میں نے ”اشرف السوانح“ میں یہ واقعہ پڑھا کہ حضرت حکیم الامت مولانا

تھانوی قدس سرہ نے اپنے والد مرحوم کے حق مہر کو بڑے اہتمام سے ان کے وارثین کو پہنچایا تو مجھے بھی یاد آیا کہ میرے والد مرحوم نے بھی رواج کے مطابق اپنی بیویوں کا حق مہر ادا نہیں کیا تھا۔ اس لئے میرے دل میں بھی ان کی ادائیگی مہر کا داعیہ پیدا ہوا۔ اور میں نے مستحق وارثین کو حق مہر ادا کر دیا۔

سبحان اللہ! حضرت والا کے طفیل مولانا محمد علی صاحب کو اپنے والد مرحوم کے ایک حق کی ادائیگی کے عمل کی توفیق نصیب ہوئی۔ فَالْحَمْدُ لِلَّهِ عَلَى ذَلِكَ.

(نوٹ:- اس میں حضرت نہیں ایک دو کے اثبات سے باقی کی نفی نہیں ہوتی بلکہ موقع پسندیدگی میں قاری کیلئے مفید ہونا بھی مد نظر ہوتا ہے۔ حضرت والد کی کی پسندیدہ اور بھی کتب تھیں۔ خصوصاً حضرت حکیم الامت کی تالیفات اور مواعظ و ملفوظات وغیرہا اور دیگر کتب تصوف اور علوم و فتون کی کتب۔ اشرف السوانح کی پسندیدگی کی وجہ بھی ظاہر ہے کہ آپ کے اپنے محبوب و معظم شیخ کی سوانح اور اس کے مؤلف شیخ کے ایسے عاشق زار اور خود بھی مجاز بیعت اور کامل شیخ..... (۱۲) طلباء کی اصلاح اور تزکیہ نفس مع تعلیم!:

حضرت والا ”تعلیم کے ساتھ طلباء کی اخلاقی و روحانی تربیت اور رذائل نفس کی اصلاح پر پوری توجہ فرماتے۔“ (اسی عنوان سے اس کی کچھ تفصیل باب ۱۱ تعلیم و تدریس میں گزر چکی ہے)

خیر المدارس مدرسہ ہونے کے ساتھ ساتھ خانقاہ بھی تھا۔ جہاں خاموشی سے تعلیم دین کے ساتھ تزکیہ نفس کا کام بھی جاری تھا۔ چنانچہ حضرت والا کے شاگردوں میں خاصی تعداد ایسے باعمل علماء حق کی پائی جاتی ہے جو حضرت والا سے یا دوسرے اہل حق صاحب سلسلہ مشائخ سے بیعت بھی ہوئے اور سلوک طے کیا۔ بلکہ مجاز بیعت بھی ہوئے۔ جیسے مولانا عبدالعزیز صاحب وغیرہ۔

حضرت والا کے اصلاحی اثرات:

حضرت والا کے اصلاحی اثرات معلوم کرنا ہوں تو حضرت سید قمر الدین شاہ صاحب مدظلہ سے معلوم کیجئے۔ وہ فرماتے ہیں (جیسا کہ باب کرامت و استقامت میں قدرے تفصیل سے آرہا ہے) ”پہلے عریضہ سے ہی یہ بے نمازی، نمازی ہو گیا۔ اور منہ پر داڑھی بھی آگئی۔ سنت کی پیروی، دین سے محبت، دینداروں سے محبت، خوف خدا، شوق اصلاح، فکر آخرت، دنیا سے بے رغبتی روز بروز شروع ہو گئی۔ اور ہر دن قدم آگے ہی آگے۔ یہ سب حضرت والا کی دعاء اور توجہ کا اثر تھا۔“

احقر مؤلف عرض کرتا ہے کہ حضرت والا کے فیض صحبت اور مکاتبت سے اور جامع اصول اصلاح ”(۱) اطلاع،

(۲) اتباع، (۳) اعتماد، (۴) انقیاد پر بتوفیقہ تعالیٰ عمل کرنے سے رفتہ رفتہ غفلت کے پردے ہٹتے جاتے تھے۔ آہستہ آہستہ حالت بدلتی جاتی تھی۔ جوں جوں اپنی رائے کو شیخ کے ارشادات کے آگے فنا کیا جائے اتنا ہی دین کا راستہ صاف اور واضح نظر آتا جاتا ہے۔ اس کے بعد ہمت کو استعمال کر کے چلنا ہی رہ جاتا ہے۔ ہمت پیدا کرنے کا طریقہ بھی گزر چکا۔ غرضیکہ شیخ کامل کے سامنے اپنی رائے کو مٹانا، اور مذکورہ اصول پر عمل کرنا، حسبِ تعلیم شیخ ذکر اور دیگر معمولات کی پابندی کرنا۔ بس آگے راستہ صاف ہے۔ جلد بازی اور جوش کے بجائے ہوش سے کام لیا جائے۔ جذبات کا اتباع نہ کیا جائے تو رفتہ رفتہ سب کام بن جاتا ہے۔ اور بتوفیق الہی اصلاحِ نفس کا کام آسان ہوتا جاتا ہے۔

تصحیح عقیدہ:

جیسا کہ پہلے بھی اس طرف اشارہ کیا جا چکا ہے کہ تحصیلِ علم دین فرض و لازم ہے۔ اسی سے عقیدہ صحیح ہو سکتا ہے۔ اور بنیادی عقائد کی تصحیح تو فرضِ اولین ہے۔ (یہاں یہ بھی عرض کرنے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ بعض حضرات صوفی اور بزرگ سب کچھ بن جاتے ہیں، لیکن علم دین کی کمی کی وجہ سے بعض ضروری عقائد تک درست نہیں ہوتے۔ اس کی طرف توجہ کرنے کی سخت ضرورت ہے)

حضرت والّا کا مثال دے کر ایک صاحب کے عقیدہ کی اصلاح فرمانا:

یہاں پر بنیادی عقیدہ کے بارے میں ایک واقعہ عرض کیا جاتا ہے۔ کراچی کے ایک دینی انگریزی رسالہ کے ادارہ میں کام کرنے والے ایک صاحب نے حضرت والّا کا ذکر آنے پر فرمایا کہ ”اللہ تعالیٰ نے ان کے ذریعے میرا تو ایمان بچا لیا۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت جنت اور وہاں کی نعمتوں کا جو ذکر آتا ہے یہ تو پرستان کی سی قصہ کہانی معلوم ہوتی ہے۔ عقل اور سمجھ میں تو آتی نہیں۔ حضرت والّا نے ارشاد فرمایا کہ جب بچہ ماں کے پیٹ میں ہوتا ہے تو وہ ماں کے پیٹ ہی کو پوری کائنات سمجھتا ہے۔ بالفرض اس کے سامنے دنیا کا ذکر کیا جائے، کہ اس پیٹ سے نکل کر اتنی وسیع و عریض کائنات نظر آئے گی، تو وہ اس کا کبھی یقین نہ کرے۔ اسی طرح اس دنیا میں عالم آخرت کی اشیاء انسان کی عقل میں نہیں آتیں۔ عالم آخرت کے مقابلہ میں عالم دنیا کی مثال ایسی ہی ہے جیسا کہ عالم دنیا کے مقابلہ میں اس بچہ کی ماں کا پیٹ۔ جس طرح اس بچہ کی سمجھ میں عالم دنیا کا آنا مشکل ہے، اسی طرح دنیا میں آخرت اور نعماء جنت وغیرہ کا سمجھ میں آنا مشکل ہے۔ ان صاحب نے احقر مؤلف سے فرمایا کہ حضرت کے سمجھانے سے میری سمجھ میں آ گیا اور میرا تو ایمان بچ گیا۔“

اور اسی پر اکتفاء کرتے ہوئے اخیر میں شجرہ طیبہ دے کر اس باب کو ختم کیا جاتا ہے۔

شجرہ طیبہ

چشتیہ، امدادیہ، اشرفیہ، خیریہ، منظومہ^۱

حم ہے سب تیری ذاتِ کبریا کے واسطے اور درود و نعت ختم الانبیاء کے واسطے
 فضل کر ہم پر الہی مجتبیٰ کے واسطے
 در بدر پھرتی ہے خلقت التجاء کے واسطے آسرا تیرا ہے مجھ بے نوا کے واسطے
 رحم کر مجھ پر الہی اولیاء کے واسطے
 ان بزرگوں کو شفیع لایا ہوں میں ہو کر ملول کیجیو یہ عرض میری ان کی برکت سے قبول
 ہاتھ اٹھاؤں جب ترے آگے دُعا کے واسطے
 ہاتھ پھیلائے ہوئے ہوں تیرے در پر اے خدا حصہ وافر مجھے ہر خیر کا تو کر عطا
 ۲۰ شعبان ۱۳۹۰ھ حضرت خیر محمد باخدا کے واسطے^۱ ملتان
 کر مجھے علم و عمل سے اے خدا آراستہ باب عرفاں کا کشادہ ہووے مجھ پر راستہ
 ۶ رجب ۱۳۶۲ھ حضرت اشرف علی شمس الہدیٰ کے واسطے تھانہ بھون مظفرنگر
 دین و دنیا میں نہ کھاؤں ٹھوکریں اے کبریا عاجز و مسکین ہوں طالب تری امداد کا
 ۱۲ جمادی الاخریٰ ۱۳۱۷ھ حاجی امداد اللہ پارسا کے واسطے مکہ معظمہ، جنۃ البقیٰ
 پاک کر ظلمات عصیاں سے الہی دل مرا کر منور نور عرفاں سے الہی دل مرا
 ۳ رمضان المبارک ۱۲۵۹ھ حضرت نور محمد پر ضیا کے واسطے جھنجھانہ ضلع مظفرنگر
 ایسے مرنے پر کروں قربان یا رب لاکھ عید اپنی تیغ عشق سے کر لے اگر مجھ کو شہید
 ۲۷ ذیقعدہ ۱۲۳۶ھ حاجی عبدالرحیم اہل غزا کے واسطے پنجار ملک ولایت
 کرو پیدا درد و غم میرے دل افکار میں بار پاؤں جس سے اے باری ترے دربار میں
 ۱۱ شعبان جمعہ ۱۲۳۶ھ شاہ عبدالباری شہ بے ریا کے واسطے اردوہ ضلع مراد آباد
 شرک و عصیان و ضلالت سے بچا کر اے کریم کر ہدایت مجھ کو اب راہ صراطِ مستقیم
 جمعہ ۳ رمضان المبارک ۱۱۹۰ھ شاہ عبدالہادی پیر ہدیٰ کے واسطے اردوہ ضلع مراد آباد

۱ یہ شجرہ (بتصرف) بیرون مذکورہ ذیل "شریعت و تصوف" سے نقل کیا گیا ہے۔ (۱۲)

- دین و دنیا کی طلب عزت نہ سرداری مجھے اپنے کوچہ کی عطا کر ذلت و خواری مجھے
 ۱۱۷۲ھ رجب ۱۱۷۲ھ شاہ عضدالدین عزیز دوسرا کے واسطے امر وہہ ضلع مراد آباد
- دے مجھے عشق محمد اور محمدیوں میں گن ہو محمد ہی محمد درد میرا رات دن
 ۱۱۷۲ھ رجب ۱۱۷۲ھ شہ محمد اور محمدی اتقیا کے واسطے
- حب حق ، حب الہی ، حب مولیٰ ، حب رب الغرض کردے مجھے محو محبت سب کا سب
 ۱۰۵۸ھ رجب ۱۰۵۸ھ شہ محبت اللہ شیخ باصفا کے واسطے الدآباد
- گرچہ میں غرق شقاوت ہوں سعادت سے بعید پر توقع ہے کرے مجھ سے شتی کو تو سعید
 بو سعید سعید اہل ورئی کے واسطے گنگوہہ ضلع سہارن پور
- قال ابتر، حال ابتر، سب مرے ابتر ہیں کام لطف سے اپنے مرے کر ملک دیں کا انتظام
 ۱۰۰۵ھ رجب ۱۰۰۵ھ شہ نظام الدین بلخی مقتدا کے واسطے بلخ
- ہے یہی بس دین میرا اور یہی سب ملک و مال یعنی اپنے عشق میں کر مجھ کو باجاہ و جلال
 ۱۰۹۹ھ ذی الحجہ ۱۰۹۹ھ شہ جلال الدین جلیل اصفیا کے واسطے قنایر
- حب دنیاوی سے کر کے پاک مجھ کو اے حبیب اپنے باغ قدس کی کر میر تو میرے نصیب
 ۹۲۳ھ جمادی الاخریٰ ۹۲۳ھ عبد قدوس شہ قدوس و صفا کے واسطے گنگوہہ شریف
- کر معطر روح کو بوئے محمد سے میری اور منور چشم کو روئے محمد سے میری
 ۸۹۸ھ رجب ۸۹۸ھ اے خدا شیخ محمد رہنما کے واسطے رودی
- کر عطا راہ شریعت روئے احمد سے مجھے اور دکھا نور حقیقت خوئے احمد سے مجھے
 ۸۸۲ھ رجب ۸۸۲ھ شیخ احمد عارف صاحب عطا کے واسطے رودی
- کھول دے راہ حقیقت قلب پر یا حق میرے کر تجلی حقیقت قلب پر یا حق میرے
 ۸۳۷ھ جمادی الثانیہ ۸۳۷ھ احمد عبدالحق شہ ملک بقا کے واسطے رودی
- دین و دنیا کا نہیں درکار کچھ جاہ و جلال ایک ذرہ درد کا یا حق میرے دل میں تو ڈال
 ۷۲۵ھ رجب ۷۲۵ھ شہ جلال الدین کبیر الاولیاء کے واسطے پانی پت
- ہے مکدر ظلمت عصیاں سے میرا شمس دیں کر منور نور سے عرفاں کے میرا شمس دیں
 ۷۱۲ھ رجب ۷۱۲ھ شیخ شمس الدین ترک شمس الضحیٰ کے واسطے پانی پت

اے میرے اللہ! رکھ ہر وقت لیل و نہار
عشق میں اپنے مجھے بیتاب و بے صبر و قرار

۱۳ ربیع الاول ۶۹۰ھ شیخ علاء الدین صابر با رضا کے واسطے
بیران کبیر شریف

دے حلاوت مجھ کو با تمکینی ایمان سے
اور حلاوت بخش گنج شکر عرفان سے

۵ محرم ۶۶۵ھ یا ۶۶۹ھ یا ۶۹۰ھ شہ فرید الدین شکر گنج بقا کے واسطے
پاک پٹن

عشق کی رہ میں ہوئے جو اولیاء اکثر شہید
خجتر تسلیم سے اپنے مجھے بھی کر شہید

ربیع الاول ۶۳۳ھ خواجہ قطب الدین مقتول ولا کے واسطے
دل

بے ترے ہے نفس و شیطان درپے ایمان و دین
جلد ہو آ کر میرا یا رب مددگار و معین

۶ رجب ۶۳۲ھ شہ معین الدین حبیب کبریا کے واسطے
اجیر شریف

یا الہی بخش ایسا بے خودی کا مجھ کو جام
جس سے جز عشق نبی ہووے نہ مجھ کو اور کام

۵ شوال ۵۹۷ھ یا ۶۳۳ھ خواجہ عثمان با شرم و حیا کے واسطے
مکہ معظمہ متصل مکان شریف

دور کر مجھ سے غم موت و حیات مستعار
زندہ کر ذکر شریف حق سے اے پروردگار

۵۸۳ھ شہ شریف زندگی با اتقا کے واسطے
آتش شوق اس قدر دل میں مرے بھراے و دود

ہر بن مو سے مرے نکلے تری الفت کا دور
۵۵۲ھ یا ۵۷۷ھ خواجہ مودود چشتی پارسا کے واسطے
پشت

مست اور بے خود بنا بوئے محمد سے مجھے
محترم کر خواری کوئے محمد سے مجھے

ربیع الاول ۳۱۱ھ بو محمد محترم شاہ ولا کے واسطے
پشت

حد سے گزرا رنجِ فرقت اب تو اے پروردگار
کر مری شام خزاں کو وصل سے روز بہار

ربیع الاول یا آخر ۳۲۹ھ شیخ ابو اسحاق شامی خوش ادا کے واسطے
مکہ از بلاد شام

شادی و غم سے دو عالم کے مجھے آزاد کر
اپنے درد و غم سے یا رب دل مرا آباد کر

محرم ۲۹۹ھ خواجہ ممشاد علوی بوالعلاء کے واسطے
ہے مرے تو پاس ہر دم لیک میں اندھا ہوں پر

شوال ۲۷۵ھ بوہبیرہ شاہ بصری پیشوا کے واسطے
بہرہ

عیش و عشرت سے دو عالم کے نہیں مطلب مجھے
چشم گریاں ، سینہ بریاں کر عطا یا رب مجھے

۱۵۲ھ شیخ حذیفہ مرثی شاہ صفا کے واسطے
بہرہ

نے طلب شاہی کی نہ خواہش گدائی کی مجھے
بخش اپنے در تک طاقت رسائی کی مجھے

۱۶۶ھ شیخ ابراہیم ادہم بادشاہ کے واسطے
درشام علی الاصح

راہزن میرے ہیں دو قزاق باگرز گراں
تو پہنچ فریاد کو میری کہیں اے مستعان

۱۸۷ھ شہ فیضیل ابن عیاض اہل دُعا کے واسطے
مکہ مکرمہ

کرمے دل سے تو اے واحد دئی کا حرف دور
دل میں اور آنکھوں میں بھر دے سر بسر وحدت کا نور

۲۶۶ھ تا ۱۸۶ھ خواجہ عبدالواحد بن زید شاہ کے واسطے

کر عنایت مجھ کو توفیق حسن اے ذوالسمن
تا کہ ہوں سب کام میرے تری رحمت سے حسن

۳۴۰ھ شیخ حسن بصری امام الاولیاء کے واسطے
بصرہ

دور کر دل سے حجاب جہل و غفلت میرے رب
کھول دے دل میں در علم حقیقت میرے رب

۱۲ رمضان المبارک ۴۰ھ ہادی عالم علی شیر خدا کے واسطے
نجف اشرف

کچھ نہیں مطلب دو عالم کے گل و گلزار سے
کر مشرف مجھ کو تو دیدار پر انوار سے

۱۱ھ سرور عالم محمد مصطفیٰ کے واسطے
مدینہ طیبہ زاد اللہ نور ہا

آپڑا در پر ترے میں ہر طرف سے ہو طول
کر تو ان ناموں کی برکت سے دُعا میری قبول

یا الہی اپنی ذات کبریا کے واسطے

ان بزرگوں کے تئیں یا رب غرض ہر کار میں
کر شفاعت کا وسیلہ اپنے تو دربار میں

مجھ ذلیل و خوار و مسکین و گدا کے واسطے

نے فقیری چاہتا ہوں، نے امیری کی طلب
نے عبادت، نے زہد، نے خواہش علم و ادب

درد دل پر چاہئے مجھ کو خدا کے واسطے

عقل و ہوش و فکر اور نعمائے دنیا بے شمار
کی عطا تو نے مجھے پر اب تو اے پروردگار

بخش وہ نعمت جو کام آدے سدا کے واسطے

گرچہ یہ ہدیہ نہ میرا قابل منظور ہے
پر جو ہو مقبول کیا رحمت سے تیری دور ہے

کشتگان تیغ تسلیم و رضا کے واسطے

عد سے ابتر ہو گیا ہے حال مجھ ناشاد کا
کر مری امداد اللہ وقت ہے امداد کا

اپنے لطف و رحمت بے انتہا کے واسطے

۱۔ نین سہول کی یہ مثلث حضرت دلا کے تیز رشید و مدبر سعید محترمی محی حضرت مولانا عبدالجید صاحب انور مدظلہ نے انگریزی درخواست پر حضرت والا خیر محمد صاحب جالندھری کے تلمیذ کے لئے تحریر فرمائی ہے۔ طجزاہ اللہ تعالیٰ خیر الجزاء۔ (۱۶)

باب شانزدهم (۱۶)

معمولات

تمہید

ایک ضروری بات:

معمولات کے بارے میں ایک ضروری بات یہ ہے کہ اپنے شیخ کے معمولات دریافت کرنے سے یہ مقصد نہ ہونا چاہئے کہ طالب ان کی نقل شروع کر دے۔ بلکہ اپنے عمل کے لئے تو اپنے مصلح کو اپنے حالات کی اطلاع دینا اور اس کی ہدایت و ارشاد کا اتباع کرنا چاہئے۔ البتہ اپنے شیخ کے معمولات معلوم کرنے سے یہ فائدہ ہے کہ اس سے سبق ملے گا۔ اور عمل کا ذوق و شوق پیدا ہوگا، جو کہ بزرگان دین کی سوانح و تذکرہ کے مطالعہ سے بھی حاصل ہوتا ہے۔ لیکن چونکہ اپنے پیرو مرشد سے براہ راست تعلق اور محبت کا علاقہ زیادہ ہوتا ہے، اس لئے یہ بات اپنے مرشد کے سوانح کا مطالعہ کرنے سے اور زیادہ حاصل ہوگی۔ اور اس سے یہ درس ملے گا کہ اللہ تعالیٰ کی مرضیات کے مطابق کیسے زندگی گزاری جاتی ہے۔ اور اتباع سنت عملاً کس طرح کیا جاتا ہے۔

احقر کا مشاہدہ:

چنانچہ حضرت والّا کے معمولات کے بارے میں جو مشاہدہ سے معلوم ہوا ہے، اس کا ذکر کیا جاتا ہے۔ اس سلسلہ میں حضرت والّا کی خودنوشت سوانح میں معمولات کا کوئی عنوان نہیں ہے۔ نہ کوئی ایسا تذکرہ ملتا ہے، اس لئے فی الحال صرف اپنے محدود مشاہدہ کے تذکرہ پر اکتفاء کیا جاتا ہے۔

تقسیم اوقات:

معمولات کو اوقات پر تقسیم کرنے کے لئے ہر نماز کے بعد کا معمول ذکر کیا جاتا ہے۔ چونکہ مشاہدہ تقریباً پچیس تیس سال قبل کا ہے اور محدود بھی ہے، اس لئے حسب یادداشت ذکر کیا جاتا ہے۔

۱۔ محرمی، سزا قبل قریشی صاحب کے سوانح میں بھی دوانا حانفہ عبدالملک صاحب نے یہ مہم خدام خاص حضرت والّا کے تحریر فرمودہ قدر سے مصلح معمولات مل گئے تھے۔
۲۔ اپنے تحریر و اس کی تمہید قرار دیا۔

ابتداءِ یوم:

چونکہ اسلامی یوم و تاریخ مغرب سے شروع ہوتی ہے، اس لئے اسی وقت سے ابتداء کی جاتی ہے۔

نماز مغرب:

نماز مغرب کے لئے مسجد میں تشریف لاتے (اور تعمیر مسجد سے قبل دولت کدہ کے متصل سابق دارالحدیث کے ہال میں جہاں نماز ہوتی تھی) اور نماز پڑھ کر دولت کدہ پر تشریف لے جاتے تھے۔ رمضان المبارک میں ایک دو طالب اصلاح یا مہمانوں کے ساتھ دولت کدہ کے اس کمرہ میں تشریف لے جاتے تھے جو ہال سے متصل ہے۔ اور ہال کے اندر ہی اس کا دروازہ ہے۔ افطار کے لئے عموماً کھجور یا کچھ شیرینی ہوتی اور چائے اور حضرت والا ایک پیالی نوش فرماتے۔ یہ موسم سرما کا ذکر ہے۔ کیونکہ حضرت والا کی حیاتِ طیبہ کے اخیر دور میں رمضان المبارک موسم سرما ہی میں تھا، اس لئے وہ نسبتاً زیادہ یاد ہے۔

بعد مغرب:

بعد نماز مغرب کھانا تناول فرماتے۔ اور اکثر اوقات کوئی نہ کوئی مہمان بھی ساتھ ہوتا تھا۔ خواہ اعزہ و اقارب میں سے یا طالبین اصلاح یا مریدین میں سے یا تلامذہ میں سے یا علماء میں سے یا ان کے علاوہ۔ تعمیر مسجد کے بعد جبکہ عشرہ اخیرہ رمضان المبارک میں اعتکاف فرماتے، تو افطار کرنے والے حضرات بھی کچھ زائد ہوتے۔ رمضان المبارک کے علاوہ مغرب و عشاء کے درمیان اور کوئی خاص معمول معلوم نہیں، یا یاد نہیں رہا۔

بعد نماز عشاء:

کسی سال رمضان المبارک میں بعد نماز عشاء درس قرآن مجید کا معمول ہوا۔ اور کبھی درس قرآن مجید کا معمول بعد نماز فجر ہوتا تھا۔ رات کو رمضان المبارک میں چونکہ پہلے ہی تراویح و درس قرآن میں کافی وقت ہو چکا ہوتا تھا، اس لئے اس کے بعد استراحت فرمانے میں مزید تاخیر نہ فرماتے تھے۔ نماز عشاء کے بعد باتیں کرنے کی عادت نہ تھی۔ الا یہ کہ سفر میں کسی مدرسہ میں قیام ہوا، اور مدرسہ یا اہل مدرسہ کی حاجت و مصلحت یا رعایت سے گفتگو ہوتی رہی۔ یا زائرین کی حاجت یا مصلحت سے بوقت ضرورت و بقدر ضرورت جاگنا ہوا تو اس کو خندہ پیشانی سے گوارا فرماتے۔ یا کوئی اور دینی مصلحت خصوصاً مسلمانوں کی دینی ضرورت ہوتی تو عشاء کے بعد گفتگو فرمانے اور جاگنے میں کوئی عذر نہ ہوتا۔ اور سنت بھی یہی ہے کہ بعد عشاء دنیا کی باتیں نہ کی جائیں۔ دینی ضرورت سے بات کرنا مستثنیٰ ہے۔

زیارت تہجد:

اخیر عمر کے کئی سال یہ معمول رہا کہ تہجد میں سحری سے کافی پہلے رات کو تقریباً دو اڑھائی بجے سے ایک پارہ قرآن

مجید سنتے تھے۔ مولانا حافظ منظور احمد صاحب حال اُستاد حدیث خیر المدارس قرآن مجید سناتے تھے۔ اس سے قبل سالوں کا اور غیر رمضان کا معمول معلوم نہیں۔ غالباً رمضان شریف میں تنہا سحری سے کافی پہلے اور غیر رمضان میں صبح صادق سے کافی پہلے سے تہجد سے فارغ ہو لیتے ہوں گے۔ سفر میں احقر نے تہجد پڑھتے نہیں دیکھا۔ کیونکہ احقر کو کافی دیر سے اُٹھنے کی عادت تھی۔ اس لئے یہ بیان محض احقر کے مشاہدہ پر مبنی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

چائے اور ناشتہ:

صبح ناشتہ کے ساتھ اور شام کو، بس یہ دو وقت چائے پینے کی عادت تھی۔ دوپہر اور رات کو کھانا تناول فرماتے تھے۔ ناشتہ غالباً مختصر ہوتا تھا۔ کھانا بھی بہت کم کھانے کی عادت تھی۔

تلاوت و مناجات:

تلاوت اور مناجات مقبول کا معمول غالباً صبح کو تھا۔ سفر میں ملاقاتوں اور خلق خدا کی دینی خدمات و ضروریات کی وجہ سے ان میں تقدیم و تاخیر بھی ہو جاتی تھی۔

اوقاتِ مدرسہ:

مدرسہ کے اوقات میں اہتمام و تدریس کی مشغولیت تھی۔ اس کے علاوہ دن میں اصلاحی خطوط بھی تحریر فرماتے تھے۔ کیونکہ طالبین اصلاح کے عریضے آتے رہتے تھے۔ اور ان کے جوابات بہت جلد لکھے جاتے تھے۔ اسی دوران میں طالبین اصلاح حاضر خدمت ہوتے اور شرفِ صحبت سے مشرف ہوتے تھے۔

تالیف شرح بخاری شریف:

اخیر عمر کے چند سال (رمضان المبارک ۱۳۸۳ھ تا ۲۶ جمادی الاخریٰ ۱۳۸۷ھ) تالیف شرح بخاری شریف میں بھی مشغولیت رہی۔ جب موقع ملتا تحریر فرماتے رہتے تھے۔ اس کی قدرے تفصیل تصنیف و تالیف کے باب میں آئے گی، ان شاء اللہ تعالیٰ۔

ملفوظات:

بعد نماز عصر دارالاہتمام میں حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے ملفوظات پڑھے جاتے تھے۔ مدرّسین یا طلباء میں سے کوئی صاحب پڑھتے تھے اور حاضرین مع حضرت والاؒ با ادب ان کو سنتے تھے۔ حاضرین کی تعداد کافی ہوتی تھی۔ دارالاہتمام تقریباً ہوتا تھا۔ طالبین اصلاح کے علاوہ اساتذہ مدرسہ اور درجہ تکمیل کے طلباء حاضر ہوتے تھے۔

الحمد للہ حضرت والاؒ کے اس معمول کا اتباع اب بھی جاری ہے۔ جس میں حضرت حاجی سید قمر الدین احمد صاحب

مدظلہ العالی اور حضرت حاجی ڈاکٹر عبدالمجید صاحب^۱ پابندی سے حاضر ہوتے تھے۔ البتہ اب ملفوظات جامع مسجد میں پڑھے جاتے ہیں۔ افسوس ہے حاضرین کی تعداد اب بہت ہی کم رہ گئی ہے۔ ضرورت ہے کہ اہل مدرسہ اس کی اہمیت اسی طرح سمجھیں جیسے حضرت والا سمجھتے تھے۔

اس کے بعد حضرت والا دولت خانہ پر تشریف لے جاتے تھے اور نماز مغرب کے لئے باہر تشریف لاتے تھے۔ الا یہ کہ کسی ضرورت سے باہر نکلیں یا قدرے ٹھہر جائیں۔

تدریس بخاری شریف (جلد ثانی):

بعد نماز مغرب اور بعد نماز عشاء کا معمول پہلے مذکور ہوا۔ البتہ جب بخاری شریف جلد ثانی کی تدریس شروع ہوتی تو اس کے ختم تک بعد نماز عشاء اس کی تدریس کا وقت ہوتا تھا۔

کام کا اہتمام:

حضرت والا ہر وقت کسی نہ کسی ضروری کام میں مشغول رہتے تھے۔ معمولی بیماری نزلہ زکام وغیرہ حضرت والا کے لئے کام سے مانع نہ ہوتا تھا۔ آرام بقدر ضرورت ہی فرماتے تھے۔

مقاصد اور وسائل:

وسائل پر ان کی اہمیت کے بقدر غالباً محدود ہی وقت صرف فرماتے تھے۔ مقاصد کا اہتمام شدت سے تھا۔ اس کا اندازہ احقر نے ایک واقعہ سے لگایا۔ خادم کو حضرت والا نے اپنے ذاتی کتب خانہ کی ترتیب دینے کے لئے ہدایات فرمائیں۔ مثلاً فن دار اور نمبر وار ان پر چٹیں لگانا، یا ان پر کتاب کا نام لکھنا وغیرہ، ایسا کوئی کام یاد پڑتا ہے۔ اور فرمایا کہ آج ظہر سے پہلے ختم کر لو۔ لیکن کام ختم ہونے سے قبل ظہر کی اذان ہو گئی۔ چنانچہ خادم جلدی جلدی کام ختم کرنے کی سعی کرنے لگا۔ حضرت والا نے اذان کے بعد ہی کام بند کرنے کو فرمادیا۔ خادم نے چاہا کہ جلدی سے کام پورا کر کے ہی بند کروں۔ اس پر تنبیہ فرمائی۔ اس سے اندازہ ہوا کہ ترتیب کتب تو وسائل میں سے ایک کام تھا۔ اس کے لئے محدود وقت کافی نہ ہوا تو اس وقت کام بند فرمادیا۔ اور نماز باجماعت جو نہایت ضروری مقاصد میں سے ہے، اس میں تاخیر ہونے کے اندیشہ کو ذرا بھی گوارا نہ فرمایا۔ یہ نہایت درجہ اعتدال کی حالت ہے، جس کے اتباع کی ضرورت ہے۔ اس لئے یہ واقعہ ذکر کیا۔

حضرت والا کا ایک نہایت اہم اور خاص قابل اتباع معمول..... مجلس ملفوظات حضرت حکیم الامت:

حضرت والا کا ایک خاص اہم اور قابل پیروی معمول مجلس ملفوظات حضرت حکیم الامت تھانوی کی پابندی ہے۔ یہ

^۱ افسوس ہے حضرت حاجی ڈاکٹر عبدالمجید صاحب وفات پا چکے ہیں اللہم اغفر لہ۔

^۲ الحمد للہ باقاعدہ جس کی نماز کے بعد تسبیحات فاطمی پڑھ کر تمام طلباء اور اساتذہ اور نمازیوں کے سامنے ملفوظات پڑھے جاتے ہیں، ساری مسجد بھری ہوتی ہے بعد ازاں دعا کی ہوتی ہے، محمود احمد غفرلہ۔

مجلس سوائے یوم جمعہ کے روزانہ بعد نماز عصر منعقد ہوتی تھی۔ اور تقریباً بیس پچیس منٹ رہتی تھی۔ اس میں کوئی صاحب خانہ اکثر حضرت مولانا محمد صدیق صاحب مدظلہ (حال صدر مدرّس و شیخ الحدیث) اور جمعہ کے روز حضرت ڈاکٹر حاجی عبدالحمید صاحب ملفوظات پڑھتے تھے۔

ملفوظات کی اہمیت:

حکیم الامت مجدد الملت حضرت تھانویؒ کے ملفوظات میں کیا ہے؟ اُمت کے امراض کی تشخیص اور ان کے علاج کی تجویز، نیز ان کے علاج کی فکر اور دھن پیدا ہو جانا، ان میں غور و فکر کی دعوت، بلکہ بار بار تنبیہات بھی ہیں۔ اس لئے کہ غور و فکر ہی تو اصلاح کی مفتاح ہے۔ اصلاح معاشرت بھی ہے، جس سے آپس میں محبت و اتفاق پیدا ہو (جو کہ کامیابی کے عناصر میں سے بہت بڑا اور اہم عنصر ہے) مغربی سیاست سے ہٹ کر مصطفوی اور صحابہ کرامؓ والی سیاست کی طرف لانا بھی ہے، جس سے اُمت قعر مذلت سے نکل کر رفعت اور عزت و شوکت سے سر بلند ہو۔ سلوک و تصوف میں حقائق سے دور جو باتیں محض رسم کے درجہ میں رہ گئی تھیں ان کی اصلاح بھی ہے۔ غزالی وقت اور صدی کے مجددی کے دین کا کوئی شعبہ نہیں چھوڑا جس میں اصلاح نہ فرمائی ہو۔ علماء، صوفیاء، مشائخ و مریدین سب کی اصلاح فرمادی۔ اساتذہ کو درس دینے کا طریقہ بتادیا۔ طلباء کو استعداد پیدا کرنے کی تدبیر بیان فرمادی۔ ”اختیاری“ و ”غیر اختیاری“ کی اصل سے بے شمار الجھنیں سلجھادیں۔ علاوہ ازیں علمی تحقیقات، نکات، غلط فہمیوں کا ازالہ، قرآن و حدیث کے معانی، غرض کونسا علم اور کونسی عملی اصلاح ہے جو ملفوظات میں نہیں ہے۔ یہاں پر ان کی اجمالی فہرست دینا بھی دشوار ہے۔ اس لئے بس ان ہی چند اشارات پر اکتفاء کیا جاتا ہے۔

اور یہ سب کتاب و سنت سے اخذ اور استنباط فرما کر جس طرح کتاب اللہ کی شرح سنت رسول ﷺ ہے، اور فقہ کتاب و سنت کی شرح ہے، کوئی نئی چیز نہیں ہے بلکہ کتاب و سنت کو فہم صحیح اور عقل سلیم سے قواعد شریعت اسلامیہ کے مطابق سمجھ کر ان سے احکام کا استخراج و استنباط کر کے ان کی تدوین و ترتیب خاص یہی فقہ ہے۔ (اور یہی کام ائمہ مجتہدین عظام نے پورا فرما کر عوام و خواص اور علماء اُمت کا کام آسان فرما دیا، فجزاہم اللہ تعالیٰ خیر الجزاء)۔

اب یہ بات قابل غور ہے کہ حضرت والاؒ نے حضرت حکیم الامتؒ کے ملفوظات کی کتب کو مدرسہ کے کتب خانہ میں ترتیب موضوع کے اعتبار سے فقہ کے تحت داخل فرمایا تھا۔ (ملاحظہ ہوں وارر جسٹر کتب خانہ خیر المدارس) اہل فہم اسی سے سمجھ سکتے ہیں کہ ان میں کس قسم کی تعلیم ہے۔ دراصل ان سے صحیح دینی فہم پیدا ہوتا ہے۔ ان سے قرآن و حدیث کی تعلیمات کی روشنی میں حالات حاضرہ کی جزئیات کا حکم صحیح طور پر معلوم ہو جاتا ہے۔ کتاب و سنت کی تطبیق، موجودہ پیش آمدہ مسائل میں معلوم ہو جاتی ہے۔ اور صحیح عمل کا جذبہ اور خالص دینی ذوق پیدا ہو جاتا ہے۔

۱۔ حسب روایت مولانا حافظ محمد عبدالشکور صاحب زاد مجدد۔ تحت عنوان معمولات پومیہ (لیل و نہار)

۲۔ ایک عاقل دیہاتی کا ایک عجیب قول سنا گیا کہ ”بس نیک رہو اور ایک رہو پھر کوئی تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا“۔ گویا نصف دیگر اعمال صالحی میں۔

دل یہ چاہتا ہے کہ کسی طرح آجکل ہمارے دینی مدارس کے سربراہ حضرات اس فضاء کو سمجھ لیں جو ان ملفوظات کے پڑھنے سے پیدا ہوتی تھی۔

یہ خیال نہ فرمایا جائے کہ اپنے شیخ کے ملفوظات سب ہی کو محبوب ہوتے ہیں۔ اور معارفِ دینیہ کی پوری تعلیم کتاب و سنت اور فقہ کے ذریعہ مدارس میں دی جا رہی ہے۔ پھر یہ اپنے سلسلہ کے ایک بڑے شیخ کے ملفوظات پڑھنے کی کیا ضرورت ہے۔ کیونکہ علماء تو کتاب و سنت کو سمجھتے ہی ہیں اور درس و تدریس میں مشغول ہیں جو کہ مقصودِ اصلی ہے۔ اور ملفوظات میں کیا ہے؟ دراصل یہی بات سمجھ لینے کی ہے کہ اصل الاصول تو کتاب اللہ ہے۔ اور اس میں سب علوم ہیں۔ لیکن حضرت امام شافعیؒ نے کیا خوب فرمایا ہے:

جميع العلم في القرآن لكن تقاصر عنه افهام الرجال

(قرآن پاک میں سب علوم ہیں، لیکن ان کے سمجھنے سے لوگوں کے فہم قاصر ہیں)

تو یہ صحیح ہے۔ لیکن حدیث شریف اس کی ضروری شرح ہے۔ جس کے بغیر قرآن پاک کو صحیح سمجھا نہیں جاسکتا۔ اور قرآن و حدیث دونوں کی شرح اور تدوین و ترتیب فقہ میں ہے۔ تو قرآن و حدیث و فقہ مختلف نہ ہوئے بلکہ ایک ہی ہیں۔ اسی طرح جن ملفوظات سے قرآن و حدیث کا صحیح فہم پیدا ہو، اور اس زمانہ میں قرآن و حدیث پر عمل کرنے کا جس سے صحیح جذبہ اور خالص دینی ذوق پیدا ہوتا ہے، مسائلِ حاضرہ میں ان کی تطبیق کتاب و سنت کی روشنی میں معلوم ہوتی ہے، وہ بھی کتاب و سنت سے جدا نہیں۔ بلکہ ان ہی تعلیمات کی شرح اور جزئیات کی تطبیق ہے۔ اور جس طرح متون فقہ کے بعد بھی فتاویٰ کی ضرورت رہتی ہے، اسی طرح صحیح دینی فہم پیدا کرنے کے لئے ان ملفوظات کی ضرورت ہے۔

حضرت والاؤتوبانی مدرسہ مہتمم اول صدر المدینہ اور شیخ الحدیث و مفتی سب ہی کچھ تھے۔ مدرسہ میں وہ خود کتاب و سنت و فقہ وغیرہ کی تعلیم دینے کے باوجود مجلس ملفوظات کی ایسی پابندی فرماتے تھے، اور درجہ تکمیل کے طلباء کے لئے مجلس ملفوظات کی حاضری لازمی ہوتی تھی (جیسا کہ حضرت والاؤ کے خادم خاص حضرت مولانا حافظ محمد عبدالشکور صاحب زید مجدہم نے تحریر فرمایا ہے) اس کی وجہ وہی ہے جو اوپر بیان ہو چکی ہے۔

افراد کی اصلاح اور ان کا تعلق باللہ اور دارین کی فلاح و بہبود، دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی چین والی زندگی کیسے حاصل ہو؟ دنیا و آخرت کی کامیابی کس بات میں ہے؟ اور اجتماعی طور پر امت کی فوز و فلاح اور صلاح و بہبود کس طرح حاصل ہو؟ قرونِ اولیٰ کے مسلمان سب کی نظروں میں سب سے بڑھ کر معزز تھے۔ اور آج اس کے برعکس سب سے زیادہ بدنام اور ذلیل و خوار مسلمان ہی کیوں سمجھے جاتے ہیں۔ اس کا جواب ملفوظات میں ملے گا۔ اور اس کا علاج مواعظ سے ہوگا، ان شاء اللہ تعالیٰ۔

اللہ تعالیٰ ہمیں فہم صحیح اور عقل سلیم عطا فرمائیں اور عمل کی توفیق ارزاء فرمائیں۔ (آمین ثم آمین)

اتباع و عدم اتباع معمولات شیخ:

معمولات شیخ کے اتباع کے سلسلہ میں شروع میں کچھ عرض کیا جا چکا ہے۔ درمیان میں حضرت والا کے ایک نہایت اہم اور قابل اتباع اصلاحی معمول یعنی مجلس ملفوظات کا ذکر آیا۔ یہ معمول تو قابل اتباع ہے۔ کیونکہ یہ شیخ کے ذاتی عبادت کی قسم کے معمولات میں سے نہیں ہے۔ بلکہ اجتماعی اصلاحی معمول ہے۔ اور حضرت والا طالبین اصلاح کو مواعظ و ملفوظات کے مطالعہ کے لئے عموماً تاکید بھی فرماتے تھے۔ البتہ اخیر میں شیخ کے ذاتی معمولات کے بارے میں حضرت خواجہ مجذوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ایک محققانہ ”تنبیہ“ نقل کی جاتی ہے۔ یہ ”تنبیہ“ انہوں نے ”اشرف السوانح“ میں حضرت حکیم الامت کے معمولات کا باب ختم کرنے سے قبل تحریر فرمائی ہے۔ اور اس کا اکثر حصہ حضرت حکیم الامت ہی کے ایک ملفوظ پر مشتمل ہے۔ وهو هذا:

☆ تنبیہ ☆

”معمولات متذکرہ بالا صرف وہ ہیں جو عبادت سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور وہ اس لئے بیان کئے گئے کہ ان کا اتباع ہو سکتا ہے۔ اب ممکن ہے کہ بعض ناظرین کو حضرت والا کے ان معمولات کا بھی انتظار ہو جن کا تعلق عبادت سے ہے۔ اس لئے ایسے معمولات کے متعلق حضرت والا کا ایک ملفوظ ذیل میں نقل کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے، جو نہایت کارآمد اور ایک نہایت مفید تحقیق پر مشتمل ہے۔“

”ایک اہل علم نے احقر کو لکھا کہ حضرت والا کے جو معمولات رمضان شریف میں ہوں وہ احقر حضرت والا سے پوچھ کر انہیں لکھ بیجئے۔ حضرت والا کے حضور میں جب احقر نے صاحب ممدوح کی یہ درخواست پیش کی تو فرمایا کہ اذل تو معمولات بزرگوں کے ہوتے ہیں۔ میں تو ایک طالب علم آدمی ہوں۔ بجز اوراق سیاہ کرنے کے میرے معمولات ہی کیا ہوتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ اگر کوئی صاحب معمولات بھی ہو تو اس کے معمولات کی تفتیش اس لئے بھی عبث ہے کہ اتباع امتی کے افعال کا نہیں ہوتا، صرف انبیاء علیہم السلام کے افعال کا ہوتا ہے، یا جس کے افعال کے اتباع کا سنت میں امر وارد ہوا ہو، جیسے حضرات خلفاء راشدین کا یا اکابر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم مثلاً۔ غرض باستثناء مذکور غیر نبی کی تعلیمات قولیہ کا اتباع ہوتا ہے، نہ کہ اس کے معمولات فعلیہ کا، کیونکہ ممکن بلکہ غالب ہے کہ اس کے معمولات فعلیہ اس کی خصوصیات میں سے ہوں اور وہ اتباع کرنے والے کے مناسب حال نہ ہوں۔ مثلاً! اگر ان کی مقدار زیادہ ہو، اور تبع کے تحمل سے باہر ہوئی، تو اس کو وہ مضربوں گے۔ اسی طرح اگر کسی صاحب معمولات کے معمولات اس کی خصوصیت حال کی وجہ سے کم ہوئے تب بھی ان کا اتباع دوسروں کو مضرب ہوگا۔ کیونکہ مثلاً کتابوں میں لکھا ہے کہ ابدال کی نماز بہت مختصر ہوتی ہے۔ مگر بلا نقص اور ان کے ظاہری اعمال نافلہ بھی بہت کم ہوتے ہیں۔ تو جو اس درجہ کا نہ ہوگا اس کے لئے یہ کمی معمولات مضرب ہوگی۔“

”بہر حال کسی کے معمولات فعلیہ کا اتباع نہیں چاہئے۔ اور جب اتباع نہیں کرنا تو پھر پوچھنا بھی ایک فعل عبث ہے۔ بلکہ اس تفتیش میں صاحب معمولات کے انقباض کا احتمال ہے۔ کیونکہ ممکن ہے وہ اپنی بعض عبادات کو اوروں سے پوشیدہ رکھنا چاہتا ہو۔ اس لئے تفتیش نہیں چاہئے۔ اتفاق سے علم ہو جائے تو اور بات ہے۔ لیکن اس صورت میں بھی بلا پوچھے ان پر عمل ہرگز نہ کرے۔ البتہ انبیاء کے اقوال و افعال سب متبوع ہیں، تا وقتیکہ کوئی تخصیص کی دلیل قائم نہ ہو۔“ اھ

(اشرف السوانح، جلد سوم، ص ۱۹، مطبوعہ ملتان)

احقر کی تمہید کے بعد اور حضرت خواجہ صاحب کی تنبیہ (بشمول ملفوظ حضرت حکیم الامت) کی روشنی میں قدرے مفصل معمولات حضرت والا کے ایک خادم خاص مولانا حافظ محمد عبدالشکور صاحب زید مجدہم کے تحریر فرمودہ ملاحظہ فرمائیے:

☆ لیل و نہار ☆

حضرت نور اللہ مرقدہ کے دن رات کے معمولات

از مولانا حافظ عبدالشکور صاحب مدظلہم (خادم خاص حضرت والا)

قبل فجر:

حضرت والا کی عادت مبارکہ تھی کہ آپ صبح جلدی بیدار ہوتے تھے۔ موسم سردی کا ہو یا گرمی کا، حضرت کا معمول یہ تھا کہ آپ بلا ناغہ غسل فرماتے۔ غسل سے فارغ ہو کر آپ نماز تہجد ادا فرماتے۔ اور پھر تلاوت قرآن پاک فرماتے۔ اس کے بعد اگر صحت اچھی ہوتی تو آپ کسی نہ کسی کتاب کا مطالعہ فرماتے۔ یا پھر اپنے کسی زیر تحریر رسالہ کی تکمیل فرماتے۔ صبح کی نماز سے پہلے آپ تھوڑی دیر کے لئے بستر پر لیٹ جاتے، جو کہ سنت رسول اللہ ہے۔

فجر کی سنتیں کمرے میں ہی ادا فرما کر جماعت سے نماز ادا کرنے کے لئے مسجد میں تشریف لے جاتے۔ مسجد میں آپ کے لئے کوئی جگہ مخصوص نہیں ہوتی تھی، جہاں جگہ ملتی آپ نماز کے لئے کھڑے ہو جاتے۔

بعد نماز فجر:

نماز سے فارغ ہو کر آپ سیدھے اپنے کمرے میں تشریف لاتے، اور کبھی پہلے گھر تشریف لے جاتے اور بعد میں کمرے میں تشریف لاتے۔ کمرے میں آ کر آپ قرآن پاک کی تلاوت فرماتے یا پھر کسی کتاب کا مطالعہ فرماتے۔ اور کبھی آئے ہوئے خطوط کا جواب تحریر فرمایا کرتے، جو کہ بہت مختصر مگر جامع ہوتے۔ اور تھوڑی دیر کے بعد کمرے میں ہی ناشتہ فرمایا کرتے۔ لیکن جب حضرت کی صحت خراب رہنے لگی تو حضرت والا کا یہ معمول ہو گیا تھا کہ آپ فجر کی نماز

سے فارغ ہو کر اپنے کمرے (دارالاہتمام) میں آ کر لیٹ جاتے، اور میں (حافظ محمد عبدالشکور) کمر اور ٹانگیں دبا تا رہتا۔ جب ناشتہ آتا تو حضرت اٹھ کر ناشتہ فرماتے۔

ناشتہ:

حضرت والا کا روزانہ کا ناشتہ سادہ اور مختصر ہوتا تھا۔ چائے کے ساتھ ایک یا دو اچھی قسم کے رس ہوتے یا پھر ایک چائے کی حضرت دو پیالی نوش فرماتے، جس میں دودھ ذرا زیادہ ہوتا اور چینی مناسب ہوتی۔

مہمان:

اگر مہمان آئے ہوں تو ان تمام کا ناشتہ بھی حضرت والا کے گھر سے آتا اور وہ سب ناشتہ کے وقت حضرت کے ساتھ شریک ہوتے۔ مہمانوں کے بارے میں کوئی امتیاز نہ تھا۔ مہمان کوئی بھی ہو، خواہ حضرت کے مریدین میں سے ہو، متعلقین و احباب میں سے ہو یا حضرت کا شاگرد ہو۔

اسباق:

ناشتہ وغیرہ سے فارغ ہو کر حضرت والا گھر تشریف لے جاتے۔ پڑھائی کا وقت شروع ہو جاتا تو حضرت والا کا بخاری شریف پڑھانے کا وقت دوسرا گھنٹہ ہوتا تھا۔ سبق سے تھوڑی دیر پہلے حضرت دفتر میں تشریف لے آتے۔ وہاں مدرسہ کا کوئی کام ہوتا یا کسی کا غزو وغیرہ پر دستخط کرنا ہوتے یا کسی کام پر کسی کو کہیں بھیجنا ہوتا تو آپ احکام صادر فرماتے۔ جب سبق کا وقت ہو جاتا تو آپ پابندی کے ساتھ صحیح وقت پر دارالحدیث تشریف لاتے اور بخاری شریف کا درس دیتے۔

سبق کی پابندی:

حضرت والا کا معمول تھا کہ بلا وجہ بغیر عذر کے آپ سبق کا ناغہ نہیں فرمایا کرتے تھے۔ اور فرمایا کرتے تھے کہ میرے ایک ناغے سے طلباء کا بہت زیادہ نقصان ہوتا ہے۔ اگر کہیں مجبوراً جانا بھی پڑتا تو آپ دوسرے وقت میں اگلے دن کا سبق پڑھا کر تشریف لے جاتے۔

بخاری شریف کے سبق سے فارغ ہو کر آپ پھر دفتر جاتے اور وہاں سے اپنے کمرے میں آتے۔ اب باہر سے آئے ہوئے خطوط کے جوابات تحریر فرماتے، یا پھر اگر پہلی کسی جماعت کا کوئی سبق رکھا ہوا ہو تو وہ پڑھاتے۔ جیسے تسہیل المبتدی، تیسیر المنطق، تیسیر الابواب وغیرہ۔ اس کے بعد آپ تعلیم النساء میں لڑکیوں کو بخاری شریف پڑھانے کے لئے تشریف لے جاتے۔

دوپہر:

تعلیم النساء سے فارغ ہو کر تشریف لاتے تو دوپہر ہو جاتی۔ آپ گھر آ کر کھانا کھاتے، اور کبھی کمرے میں ہی منگوا لیتے۔

خوراک:

آپ کی خوراک بہت ہلکی تھی۔ پتلی پتلی سی دو چپاتیاں ہوتیں۔ اور کبھی ان میں سے بھی بچ جاتی۔ پانی آپ جب بھی پیتے تو خوب ٹھنڈا پیتے۔ کھانے سے فارغ ہو کر آپ کمرے میں ہی آرام کے لئے لیٹ جاتے۔

ظہر:

ظہر کے وقت آپ بیدار ہوتے تو پہلے غسل فرماتے ظہر کی چار سنتیں کمرے میں ہی ادا فرماتے۔ کیونکہ آپ کی ہمیشہ سے عادت مبارکہ تھی کہ آپ سنتیں کمرے میں ہی ادا فرمایا کرتے۔ سنتیں ادا کرنے کے بعد اگر نماز میں کچھ وقت باقی ہوتا تو آپ تلاوت فرمایا کرتے اور اگر وقت نہ ہوتا تو آپ مسجد میں نماز باجماعت ادا فرمانے کے لئے تشریف لے جاتے۔ جماعت سے فارغ ہو کر آپ واپس کمرے میں تشریف لے آتے۔ آپ سنت اور نوافل کمرے میں ہی ادا فرماتے۔

ظہر کے بعد:

نماز سے فارغ ہونے کے بعد آپ چائے پیتے، بغیر کسی لوازم کے۔ (یہ دو وقت کی چائے صبح کے بعد اور ظہر کے بعد آپ کا معمول تھا۔ خواہ آپ سفر پر ہوں یا گھر میں) اس وقت بھی اگر کوئی مہمان آیا ہوتا تو حضرت کے ساتھ چائے میں شریک ہوتا۔ اس کے بعد آپ اس وقت میں مختلف فرائض سرانجام دیتے۔ کبھی تو اس وقت میں مختلف جماعتوں کے اسباق ہوتے۔ مثلاً درجہ تکمیل کا کوئی سبق ہوتا، یا ابتدائی عربی کا کوئی سبق ہوتا۔ یا پھر اس وقت میں حافظ سعید احمد بن حافظ رشید احمد صاحب مرحوم اور حافظ شمس الحق بن حافظ مولانا عبدالحق صاحب زید مجدہم، دونوں کو مختلف اسباق پڑھائے جاتے۔

فتاویٰ:

اس کے علاوہ اس وقت میں عموماً حضرت مولانا مفتی عبدالستار صاحب یا مفتی محمد اسحاق صاحب اور کبھی دونوں حضرت والا کی خدمت اقدس میں حاضر ہوتے اور روزمرہ کے آئے ہوئے فتاویٰ کے جوابات حضرت کو دکھلا کر حضرت سے

۱۔ حکیمانہ بھی ہے۔ اور حضرت والا کے مرشد حضرت حکیم الامت تھانوی کو حضرت حاجی صاحب کی نصیحت بھی تھی کہ میاں اشرف علی پانی جب بو ٹھنڈا پیو۔ کہ برسن منہ سے الحمد للہ نکلے گا۔ اور پانی ٹھنڈا نہ ہوگا۔ تو زبان الحمد للہ کہے گی مگر دل ساتھ نہ دے گا۔ (اوکما قال۔ روایت بالمعنی) (سبحان اللہ یہ محقق امام سلوک کی باتیں ہیں۔ زاہد خٹک غیر عالم درویش تو نفس کو پریشان کرنے کیلئے گرم پانی پینے کو مجاہدہ سمجھا گا۔ آ) ۱

۲۔ عمل از عمیر دوبارہ غسل غائبانہ گرمی کی وجہ سے موسم گرمی میں ہوتا ہوگا۔ (آ) ۱

۳۔ یہ مولانا نے اپنا مشاہدہ بیان فرمایا ہے۔ غالباً اس کا التزام نہ ہوگا۔ بلکہ خادم کو اس کے التزام سے منع فرمایا تھا۔ تاکہ التزام بالیلزم میں داخل نہ ہو (آ) ۱

دستخط کرواتے۔ اور اگر کوئی مسئلہ حل طلب ہوتا تو حضرت والا اس کی وضاحت فرمایا کرتے۔

انتظامی امور:

اور اسی وقت طلباء اپنی اپنی درخواستیں لے کر حاضر ہوتے۔ کبھی کسی نے رخصت پر جانا ہوتا تو حضرت رخصت دیتے۔ اور اگر کسی غلطی یا سزا کے طور پر کھانا بند کر دیا جاتا تو حضرت لنگر سے کھانا جاری ہونے کی اجازت فرماتے۔ ظہر کے بعد سے عصر کی نماز تک حضرت والا اسی طرح مصروف و مشغول رہتے۔

جمعہ کا دن:

جمعہ کے دن آرام کرنے کے بعد غسل سے فارغ ہو کر آپ تقریر کرنے کے لئے تشریف لے جاتے اور جمعہ کا خطبہ جناب حافظ رشید احمد صاحب مرحوم پڑھا کرتے۔ اور آخر زمانہ میں جمعہ کی تقریر حضرت مولانا محمد شریف صاحب فرمایا کرتے۔ اور اگر کسی سفر پر ہوتے تو کسی استاد کو مقرر کر جاتے۔

نماز سے فارغ ہو کر حضرت کمرہ میں تشریف لا کر باقی سنن و نوافل ادا فرماتے۔ اس کے بعد جمعہ کے دن مجلس عام ہوتی۔ ہر کسی کو شرکت کی اجازت ہوتی۔ اور تمام حاضرین مجلس کو حضرت کی طرف سے چائے پلائی جاتی۔ چائے سے پہلے حضرت حکیم الامت مولانا تھانویؒ کے ملفوظات پڑھے جاتے، جو کہ عموماً جناب ڈاکٹر عبد المجید صاحب پڑھا کرتے تھے۔ یا پھر آپ حضرت خواجہ عزیز الحسن صاحب کے اشعار سنایا کرتے۔ تقریباً گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ یہ مجلس قائم رہتی۔

اس کے بعد حضرت گھر تشریف لے جاتے اور عصر کی نماز کے بعد آپ قبرستان تشریف لے جایا کرتے اور فاتحہ خوانی کر کے واپس آتے۔ یہ یوم جمعہ کے معمولات تھے۔

بعد عصر (مجلس ملفوظات حضرت حکیم الامت تھانویؒ):

جمعہ کے علاوہ روزانہ عصر کی نماز کے بعد حضرت کمرے میں تشریف لاتے اور تقریباً تمام اساتذہ کرام بھی حاضر خدمت ہو جاتے اور حضرت تھانویؒ کے ملفوظات پڑھے جاتے۔ جناب استاذی حضرت مولانا محمد صدیق صاحب لائل پوری ملفوظات پڑھا کرتے۔ اس ملفوظات کی مجلس میں درجہ تکمیل کے طلباء کا شریک ہونا ضروری ہوتا تھا۔ دورہ حدیث شریف وغیرہ کے بعض طلباء بھی شریک ہوا کرتے تھے۔ بہر حال یہ مجلس ہر ایک کے لئے مفید ہوتی تھی۔ بہت سے علمی نکات حل ہوتے۔ بہت سی باتیں جو نہ پڑھی نہ سنی تھیں، اس مجلس کے طفیل معلوم ہوتیں۔

ملفوظات کی مجلس کے بعد حضرت والا کبھی تو گھر تشریف لے جاتے۔ اگر کوئی تکلیف یا ضرورت ہوتی تو آپ کسی ڈاکٹر یا حکیم کے پاس جاتے۔

بازار جانا ہوتا تو حضرت پیدل ہی تشریف لے جاتے۔ پیدل چلنے میں حضرت چھوٹے چھوٹے قدموں کے ساتھ تیز رفتاری سے چلتے۔ دوسرا ساتھ چلنے والا عموماً حضرت کے ساتھ نہ چل سکتا اور دوڑ کر ساتھ ملنا پڑتا۔ اسی طرح پیدل ہی حضرت واپس تشریف لاتے۔ مغرب کی نماز واپس مدرسہ میں آ کر ادا فرماتے۔

بعد مغرب:

مغرب کی نماز سے فارغ ہو کر آپ دارالاہتمام میں تشریف لاتے۔ اگر کوئی مہمان آیا ہوتا تو گھر سے اس کے لئے کھانا لاتے۔ ورنہ خود گھر تشریف لے جاتے اور کھانے سے فارغ ہو کر واپس کمرے میں اپنی کسی زیر تحریر تصنیف کی تکمیل فرماتے۔ اور اگر طبیعت ناساز ہوتی تو آپ آرام فرماتے اور اگر کوئی خاص مہمان ہوتا تو آپ اپنا بھی کھانا ساتھ ہی کمرے میں لے آتے اور مہمان کے ساتھ کھانا کھاتے۔ اکثر مجھے بھی کھانے میں شریک فرمایا کرتے۔

مہمان کے لئے بستر وغیرہ کے انتظام کا حکم فرماتے۔ یہ آپ کی عادت مبارکہ تھی کہ جو بھی کام ہو اس کی خوب تسلی فرماتے کہ آیا یہ کام مکمل ہو گیا یا نہیں؟ ہوا تو کس طرح؟ مثلاً تسلی فرماتے کہ بستر وغیرہ بچھ گئے ہیں؟ مہمان کے آرام کی ہر چیز موجود ہے؟ اور اگر کوئی کمی ہوتی تو گھر سے لا کر اس کمی کو پورا فرماتے۔ عشاء کی نماز کا وقت ہوتا تو نماز کے لئے مسجد میں تشریف لے جاتے۔

بعد عشاء:

عشاء کی نماز سے فارغ ہو کر آپ پہلے گھر تشریف لے جاتے۔ پھر کمرے میں آتے۔ اگر مہمان آئے ہوئے ہوں تو پہلے ان کے آرام کا انتظام کراتے۔ اس کے بعد آپ بستر پر لیٹ جاتے۔ دارالاہتمام کے سامنے ہی بڑی بڑی دو چار پائیاں بچھادی جاتیں۔ ایک حضرت کے لئے ہوتی اور ایک میرے لئے۔ حضرت کے آرام کے لئے اور بوقت ضرورت خدمت کے لئے میرا بستر حضرت کے پاس ہی ہوا کرتا تھا۔

جونہی حضرت آرام کے لئے لیٹتے تو چند طالب علم اور بھی خدمت کے لئے آ جاتے۔ کوئی سر پر تیل لگاتا اور کوئی ہاتھ پاؤں دبانے میں مصروف ہو جاتا۔ سر پر تیل لگانے کے لئے مختلف زمانے میں مختلف ساتھی مقرر رہے ہیں، جو عین موقع پر خود بخود حاضر ہوتے یا پھر بوقت ضرورت ان کو طلب کر لیا جاتا۔ مثلاً پہلے قاری عبدالرحمن صاحب ہوا کرتے تھے۔ اور اسی طرح ہم نے پہلے حافظ محمد الدین صاحب کو تیل لگاتے دیکھا۔ اسی طرح مجھ سے پہلے عام و خاص خدمت کے لئے بھی حافظ محمد یوسف صاحب کھرونی ہوا کرتے تھے۔ ہم چونکہ ایک ہی کمرے میں رہا کرتے تھے۔ اس لئے اکثر اکٹھے اٹھتے بیٹھتے تھے۔ جس وجہ سے وہ اکثر مجھے کسی نہ کسی کام کے لئے بلا لیتے تھے۔

ادھر خود ہمیں بھی شوق ہوتا کہ کسی طرح حضرت کی خدمت کریں۔ مگر حضرت کے زُعب و دبدبہ کی وجہ سے اکثر

نزدیک جانے سے خوف کھاتے اور دور سے ہی حضرت کو دیکھ کر چھپ جاتے یا پھر راستہ بدل جاتے۔ اس وقت مولوی محمد اسلم صاحب میلسوی حضرت کے تیل لگایا کرتے تھے۔ وہ درجہ تکمیل میں پڑھا کرتے تھے۔ میں نے اسی دوران میں کبھی کبھی ڈرتے ڈرتے حضرت کی خدمت میں آنا جانا شروع کر دیا۔ طالب علم خدمت کیا کرتے تو حضرت ان سے کبھی علمی باتیں پوچھتے رہتے، یا پھر کبھی مزاح فرماتے۔ میں تھوڑی دیر تک پاؤں دباتا، پھر واپس آ جاتا۔ اس کے بعد کوئی اور دوسرا ساتھی یہ خدمت سرانجام دیتا۔ پھر میں کبھی جاتا اور کبھی نہ جاتا۔

ایک دن ایسا ہوا کہ مولوی محمد اسلم صاحب میلسوی جو کہ حضرت کے تیل لگانے کی خدمت کیا کرتے تھے، وہ میرے ماموں زاد بھائی تھے۔ ایک دن میں نہ گیا تو وہ مجھے کہنے لگے کہ حضرت نے آج پوچھا تھا کہ جوڑ کا کبھی کبھی آ کر پاؤں دباتا ہے وہ کون ہے؟ کس جماعت میں پڑھتا ہے؟ جب میں نے بتا دیا تو حضرت نے فرمایا کہ اس کو کہو یا تو ہر روز آیا کرے یا پھر نہ آئے۔ وہ پاؤں بہت اچھے دباتا ہے۔ جس دن نہیں آتا تو تکلیف ہوتی ہے۔ اس لئے تم ہر روز جایا کرو۔ اس روز کے بعد میں ہر روز خدمت میں حاضر ہونے لگا۔ بہت دفعہ ایسا بھی ہوا کہ سب ساتھی چلے گئے اور حضرت والا بھی آرام سے بستر پر لیٹ گئے، مگر میں ابھی تک پاؤں دباتا رہا۔ حتیٰ کہ حضرت آرام کی نیند سو گئے۔ جب کبھی آنکھ کھلی تو فرمایا تم ابھی تک بیٹھے ہو، شاباش جاؤ، سو جاؤ۔

۱۹۶۵ء میں حافظ محمد یوسف سکھروی مدرسہ سے چلے گئے تو حضرت نے مستقل طور پر اپنے پاس مجھے بلا لیا۔ اس کے بعد ہر وقت میں حضرت کے پاس رہا۔ سفر میں بھی اور حضر میں بھی۔ ان دنوں مولوی عبدالشکور مظفر گڑھی یا پھر مولوی مقصود یا کوئی اور تیل لگاتے اور چلے جاتے۔ ہر روز سونے سے پہلے تیل لگوانا حضرت کا معمول تھا اسی طرح سوتے وقت دودھ استعمال کرنے کا بھی معمول تھا۔ سفر پر ہوں یا گھر، موسم گرما میں برف ڈال کر اور سردی میں ویسے ہی۔

اسی طرح حضرت کا یہ بھی معمول تھا کہ سوتے وقت آپ سرمہ ضرور استعمال فرماتے۔ خواہ آپ سفر پر ہی کیوں نہ ہوں۔ جب کہیں سفر پر جانا ہوتا تو مجھے حکم تھا کہ سامان کے ساتھ سرمہ ضرور رکھوں۔

تقلیمی سال کے آخر میں آپ بخاری شریف کا سبق عشاء کے بعد بھی پڑھایا کرتے تھے، تاکہ کتاب ختم ہو جائے۔ اور کبھی ایسے بھی ہوتا کہ اگر نیند نہ آرہی ہو تو مجھے حکم دیتے کہ فلاں کتاب جو آئی ہوئی ہے وہ مجھے پڑھ کر سناؤ۔ کافی دیر تک وہ کتاب پڑھ کر سنا تا رہتا۔ اور کبھی ایسا بھی ہوتا کہ مالش وغیرہ کرا کر جب دوسرے طالب علم چلے جاتے تو آپ آرام کرنے کی بجائے کسی کتاب کے مطالعہ میں مصروف ہو جاتے۔ حضرت والا کا یہ بھی معمول و دستور تھا کہ عشاء کے بعد جلد سو جاتے اور صبح جلدی بیدار ہوتے۔

(تم الباب)

۱۔ آپ ہمیشہ سوسن کا تیل استعمال کرتے یا پھر روغن کدو اور خشکاش ملا کر اور جسم پر لگانے کیلئے روغن زیتون سے جسم پر مالش صرف میں کیا کرتا تھا۔



باب ہفت و ہم (۱۷)

تصنیف و تالیف

حضرت ^۱والا کی عمر کا زیادہ حصہ درس و تدریس اور نظم و اہتمام مدرسہ میں اور حصول سلوک و استفادہ باطنی اور ارشاد و اصلاح اور افادہ باطنی اور تبلیغ و دعوت بذریعہ وعظ و درس قرآن مجید میں گزرا۔ اس کے باوجود تصنیف و تالیف کا میدان بھی وسیع ہے۔ تالیف فرمودہ کتب و رسائل کے علاوہ مواعظ اور دوران تدریس کی تقاریر اور درس قرآن مجید ضبط کئے جاتے تو تعداد کتب و رسائل کی بہت زیادہ بن جاتی۔ چنانچہ چند سال احقر مؤلف کو رمضان المبارک میں جمعہ کے وعظ اور بعد فجر یا بعد عشاء کے بعض دروس شیپ ریکارڈر کے ذریعہ ضبط کرنے کی بھلائی تو فیق بھی ہوئی۔ لیکن قید تحریر میں لانے کی نوبت کم آئی۔ البتہ تین وعظ حضرت والا کے ضبط تحریر میں لائے ہوئے ملے، جن کو باب مواعظ میں شامل کیا ہے۔ اور اب وہ ”آثار خیر“ میں بھی شائع ہو گئے ہیں۔ بہر حال حضرت والا کی تمام تالیفات نہایت نافع ہیں۔ اور ان کا نفع علماء و طلباء اور عوام سب ہی کے لئے عام اور تام ہے۔

اب ان تالیفات کا ذکر کیا جاتا ہے:

(۱) خیر^۲ الاصول فی حدیث الرسول:

علم اصول حدیث میں نہایت سہل اور مختصر ہونے کے باوجود نہایت مفید اور جامع قابل حفظ رسالہ ہے، جو نہ صرف مبتدئین حدیث کے لئے بے حد نافع ہے، بلکہ طلباء و علماء حدیث کے لئے نادر تحفہ ہے۔ متعدد مدارس دینیہ میں داخل نصاب ہے۔ خود حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی نے مدرسہ امداد العلوم خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون میں اسے مشکوٰۃ شریف سے پہلے پڑھانے کے لئے داخل نصاب فرمایا دیا تھا، اور ۱۲ محرم الحرام ۱۳۳۶ھ کے والا نامہ میں حضرت والا کو مطلع بھی فرما دیا تھا۔ اور اپنی وصیت (نمبر ۱۵، رابعۃ التابۃ، مضمون ہفتم) میں تحریر فرمایا: ”حدیث شروع کرنے والوں کے لئے رسالہ ”خیر الاصول فی حدیث الرسول“ اصطلاحات و اصول حدیث میں مؤلفہ مولانا خیر محمد صاحب داخل نصاب کیا گیا۔“

(اشرف السوانح، حصہ سوم، باب ۲۳ و صایا، ص ۲۶۵، مطبوعہ لاہور)

(۲) خیر التقدید فی سیر التقلید:

اس رسالہ میں ائمہ مجتہدین کی تقلید شخصی کے دلائل ہیں۔ تقلید و اتباع کے دلائل کتاب و سنت، آثار صحابہؓ اور

بزرگانِ دین کے اقوال سے حتیٰ کہ بعض اہل حدیث علماء کے اقوال سے بھی دیئے گئے ہیں۔ اگر قائلین عدم تقلید اس کو نظر تحقیق سے دیکھ لیں اور عدم تقلید میں تقلید سے کام نہ لیں تو امید ہے کہ تحقیق کے بعد ائمہ مجتہدین کی تقلید ہی کو ترجیح دیں گے۔ (ملفوظ) بروایت حضرت مولانا حافظ منظور احمد صاحب زید مجدہ "تقلید شخصی کے اثبات میں استدلال فرماتے ہوئے حضرت والائے ارشاد فرمایا: وَاتَّبِعْ سَبِيلَ مَنْ أَنَابَ إِلَيَّ سِوَى تَقْلِيدِ شَخْصِي كَاشُوتٍ وَاضِحٌ هُوَ۔"

رسالہ "خیر التقلید" کے بارے میں مکرمی ماسٹر اقبال قریشی صاحب تحریر فرماتے ہیں: "اس رسالہ میں محققانہ دلائل سے قرآن و حدیث، حضرات صحابہ کرام، فقہاء و محدثین اور صوفیاء و مجتہدین کے ارشادات کی روشنی میں، نیز آثار و تعامل خیر القرون اور اجماع امت سے ائمہ مجتہدین کی تقلید شخصی کو ثابت کیا گیا ہے۔ سلف صالحین کے ارشادات اور ہر دلیل عقلی و نقلی کے ساتھ آخر میں فرقہ اہل حدیث کے مجتہد نواب صدیق حسن خان صاحب بھوپالی، مولانا محمد حسین صاحب بنالوی و دیگر اکابر اہل حدیث کے ارشادات کو بھی بطور ثبوت و دلیل بیان کیا گیا ہے۔ گویا آخر میں غیر مقلدین حضرات سے نصیحت فرمائی ہے:

اپنے من میں ڈوب کر پا جا سراغ زندگی

تو اگر میرا نہیں بنتا نہ بن اپنا تو بن

قابل دید رسالہ ہے۔ اس کا اندازہ پڑھنے کے بعد ہی ہو سکتا ہے۔ مع شنید کے بودا مانند دیدہ

لفظ بیگانہ بھلا کیا ترجمانی کر سکیں

شوق بے اندازہ پیچیدہ جو میرے دل میں ہے

رسالہ کے آخر میں حضرت حکیم الامت "کافتوی" "الکلام الفرید" "من وعن نقل کر دیا ہے۔ اور حضرت والائے

حواشی میں اس کی تسہیل بھی فرمادی ہے، تاکہ کم تعلیم یافتہ نوجوان طبقہ بھی اس سے مستفید اور مستفیض ہو سکے۔

(۳) خیر المصاحح فی عدد التراویح:

اس میں تقریباً تیرہ (۱۳) احادیث کے علاوہ فقہاء کرام کے ارشادات اور تعامل و توارث سے بیس رکعات تراویح کا ثبوت دیا گیا ہے۔ اور یہ ثابت کیا گیا ہے کہ عہد فاروقی سے بارہویں صدی کے اوائل تک کسی مسجد میں آٹھ رکعت تراویح نہیں پڑھی گئیں اور نہ آٹھ رکعت کا ثبوت کسی مرفوع روایت میں موجود ہے۔ آخر میں اکابر علماء اہل حدیث سے بیس رکعات تراویح کا ثبوت دیا ہے، جو اس کا مصداق ہے:

تھیں میری اور رقیب کی راہیں جدا جدا

آخر کو دونوں ہم درِ جاناں پہ جا ملے

۱۔ اس نسخے کا تعارف حضرت والائے ارشاد میں خیر البرہمن کے ضمن میں ملاحظہ فرمائیے (۱۲)

۲۔ ابق نے اپنے ایک گرامی نامہ مورخہ ۱۸ نومبر ۱۳۹۱ھ مطابق ۱۶ مارچ ۱۹۱۷ء میں تحریر فرمایا تھا۔ کہ "علامہ خالد محمود صاحب سیالکوٹی نے گذشتہ جلسہ خیر المدارس پر کہا تھا کہ "بیس

۳۔ ابق کا نام "غنیہ لیسر۔"

۴۔ کتاب حضرت نے تقلید پر لکھی ہے۔ اتنی جامع کتاب کسی نے نہیں لکھی۔" (۱۲)

(۴) خیر الجواب فی ایصال الثواب:

اخبار ”المنیر“ جو جزانوالہ ۱۸/ اگست ۱۹۳۵ء میں ولی احمد پنشنرز کا فتویٰ شائع ہوا تھا، جس میں ملا علی قاری کے فتویٰ اوز جندی کی من گھڑت حدیث سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی تھی کہ خود حضور ﷺ نے اپنے صاحبزادہ حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کے ایصالِ ثواب کے لئے طعام سامنے رکھ کر فاتحہ دی تھی۔ ”خیر الجواب“ میں حضرت والآن نے یہ ثابت فرمایا کہ فتاویٰ اوز جندی ملا علی قاری کی تصنیف نہیں۔ نیز مذکورہ من گھڑت حدیث کسی معتبر کتاب حدیث میں موجود نہیں، اور نہ سند کے لئے اس میں راویوں کے نام بیان کئے گئے ہیں، تاکہ اسماء رجال سے ان کا پتہ چل سکے۔

نیز مذکورہ فتویٰ جو ملا علی قاری کی طرف منسوب کرنے کی کوشش کی گئی تھی اس کی تردید کے لئے حضرت ملا علی قاری رضی اللہ عنہ کے ارشادات ان کی معتبر تصانیف شرح مشکوٰۃ اور شرح نقایہ سے نقل کئے گئے ہیں، جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ فتویٰ ان کا بالکل نہیں اور وہ بزبانِ حال فرما رہے ہیں:

سر نہاں کہ عارف و سالک بہ کس نہ گفت

در خیر تم کہ بادہ فروش از کجا شنید

آخر میں سات علماء کرام کی تصدیقات شامل ہیں۔

(۵) خیر الوسیلہ:

اس رسالہ میں توسل کی حقیقت آیت قرآن مجید، ۱۵/ احادیث مبارکہ کے علاوہ امام شافعی، علامہ عینی، حافظ ابن حجر عسقلانی، علامہ شوکانی، قاضی عیاض، ملا علی قاری، علامہ سمودی، علامہ سبکی، شاہ محمد اسحاق دہلوی اور اکابرین دیوبند رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کے ارشادات کی روشنی میں انبیاء علیہم السلام اور اولیاء عظام کے توسل سے دُعا مانگنے کا جواز ثابت کیا گیا ہے۔ قلب عالم حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی، حضرت حکیم الامت تھانوی اور دیگر اکابرین دیوبند کے مصدقہ فتویٰ المہند علی المہند کی عبارت نقل فرمانے کے بعد تنبیہ کے عنوان سے ص ۱۶ پر تحریر فرماتے ہیں: ”مذکورہ بالا تحریرات سے یہ امر روز روشن کی طرح واضح ہو گیا کہ ہمارے مغربی پاکستان میں منشیین دیوبند میں سے جو اہل علم توسل بالاسماوات یا توسل بالذوات کا مطلقاً انکار کرتے ہیں بلکہ اس کو حرام یا شرک کہتے ہیں وہ ہرگز ہرگز دیوبندی المسلک نہیں، بلکہ اس کو بدنام کرنے والے ہیں۔ وَاللّٰهُ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ اِلَى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ.“

اس کے علاوہ خیر الوسیلہ میں استعانت کی پانچ قسمیں بیان کی گئی ہیں۔ جس میں پہلی اور دوسری قسم کو کفر و شرک، تیسری اور چوتھی قسم کو حرام اور پانچویں صورت کو مباح و جائز بیان فرمایا ہے۔ آخر میں گیارہ علماء کرام کی تصدیقات شامل ہیں،

جس میں حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب، "مہتمم دارالعلوم دیوبند بھی شامل ہیں۔

"غرضیکہ اس رسالہ میں بتایا گیا ہے کہ وسیلہ کے بارے میں کیا اعتقاد شرک ہے، اور کیا بدعت و غلو اور حرام ہے اور شرک کی طرف مفطی ہے۔ اور عقیدہ صحیح کیا ہے؟ اور وسیلہ کی جائز و مباح صورت کیا ہے؟ اس میں افراط و تفریط کے درمیان اعتدال کا بیان ہے اور دونوں طرف سے غلو کا رد کیا گیا ہے۔ اور اس کے دلائل کتاب و سنت سے دیئے گئے ہیں۔"

(۶) تیسیر الابواب:

عربی کے مبتدی طلباء کے لئے صرف کا نہایت مفید رسالہ ہے۔ اس میں ابواب ثلاثی و رباعی مجرد و مزید نیک صرف صغیر و صرف کبیر دی گئی ہیں۔ اس رسالہ پر محنت کرنے سے صرف کے صیغوں کی تفصیلی مشق ہو کر بنیاد مضبوط ہو جاتی ہے۔ اور صیغے نکالنے بھی آسان ہو جاتے ہیں۔ شروع میں صرف کی ضروری اصطلاحات بھی سمجھادی گئی ہیں۔

(۷) تسہیل المبتدی (فارسی کے قواعد):

حضرت والا نے طلباء کی سہولت اور ضرورت کا خیال فرما کر تیسیر المبتدی قدیم، صفحہ المصادر اور رسالہ نادرہ کے انتخاب سے اس طرح تسہیل المبتدی قلم بند فرمائی کہ اس میں ہر سہ رسائل کے صیغوں، گردانوں اور فعلوں کے بنانے کے قاعدوں کو یک جا جمع فرمادیا۔ جس سے عجیب جامع رسالہ ہو گیا۔ اور مذکورہ تینوں رسالوں کو دیکھنے کی حاجت نہ رہی۔ بہت سے دینی مدارس میں داخل نصاب ہے۔

(۸) نماز حنفی:

جیسی سائز کی اور مختصر، مگر بہشتی زیور اور تعلیم الاسلام کی طرح بے حد کارآمد اور مفید تالیف ہے۔ اور اس کا قائل ہے کہ سفر و حضر میں ساتھ رکھی جائے۔ اس میں احادیث شریفہ اور آثار صحابہ کرام سے تاکید صلوة و مسائل نماز کے علاوہ نصاب اذان العرب و اعجم حضرت حاجی امداد اللہ صاحب قدس سرہ العزیز، نیز اسماء حسنی، چھ کلمے، ایمان مفصل و مجمل، ادعیہ مسنونہ، اذان، نماز، تراویح، نماز جنازہ (یہ سب مترجم ہیں) ان کے علاوہ خطبہ نکاح، خطبہ جمعہ و عیدین ہیں۔ اور اخیر میں مختصر رسالہ حفظ المومنین ہے۔ جس کے چند صفحات میں پنجابی اشعار میں (عقائد، نماز اور وضو و غسل وغیرہ کے متعلق) مختصر دینی تعلیم ہے (جو قابل حفظ ہے)۔

اس کے مندرجات حدیث و فقہ کی جن صحیح و مستند کتب سے لئے گئے ہیں ان کا حوالہ بھی دیا گیا ہے۔ چنانچہ تالیف نہ صرف دیندار عوام میں بلکہ اہل علم میں بالخصوص مقبول ہے۔ یوں تو حضرت والا کی اکثر تصانیف بار بار شائع ہو چکی ہیں، مگر نماز حنفی کو اللہ تعالیٰ نے بہشتی زیور کی طرح مقبولیت عامہ کا درجہ عطا فرمایا ہے۔ متعدد ناشر حضرات نے اسے شائع کیا

ہے۔ اور اکثر شیخ العقیدہ حضرات اور علماء کرام کے پاس یہ کتاب موجود ہوتی ہے۔ ضروری ہے کہ سب مسلمان بچوں اور بچیوں کے پاس نماز حنفی مترجم موجود ہو۔

(۹) تبوی تربیت السالک:

حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی رحمہ اللہ کے متوسلین، معتقدین اور مریدین کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ ان طالبین نے حضرت حکیم الامت سے اپنی باطنی عقدہ کشائی کے لئے تحریراً جو احوال پیش کئے اور حضرت حکیم الامت نے ان امراض باطنہ کے جو علاج فرمائے، جو سالکین کے لئے نسخہ شفا اور تیر بہدف ثابت ہوئے، اس طب روحانی کی قرابادین کا نام ”تربیت السالک“ ہے، جو بلاشبہ حضرت حکیم الامت کے تجدیدی کارناموں میں بڑا کارنامہ ہے۔

پہلے یہ کتاب ماہنامہ ”النور“ تھانہ بھون میں بالاقساط شائع ہوئی تھی۔ پھر جب حضرت مولانا عبدالمجید صاحب پھر ایونی نے اسے کتابی صورت میں شائع فرمانا چاہا تو تبویب کے لئے ان کی نظر انتخاب حضرت والا پر پڑی۔ جن حضرات نے اس کتاب کا مطالعہ فرمایا ہے، وہی اندازہ فرما سکتے ہیں کہ اس ضخیم و طویل کتاب کی حضرت والا نے کس عرق ریزی سے بطریق احسن تبویب فرمائی ہے کہ پہلے اس کو ابواب میں تقسیم فرمایا۔ پھر فصول قائم کیں، پھر ہر فصل کے ہر مکتوب پر عنوان قائم کر کے نہایت دلکش انداز میں ترتیب دی۔ اس کی جلد اول حضرت حکیم الامت کی حیات طیبہ میں شائع ہوئی تھی جو ۱۲۷۲ بڑے صفحات پر مشتمل تھی۔ یہ جلد شوال ۱۳۲۹ھ سے ۱۳۵۰ھ تک کے مضامین پر مشتمل تھی۔ پھر قیام پاکستان کے بعد اس کی دوسری جلد کی تبویب بھی عارف باللہ حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب عارفی رحمۃ اللہ علیہ کی فرمائش پر حضرت والا نے فرمائی۔ یہ مضامین ۱۳۵۱ھ سے ۱۳۶۲ھ کی تحریرات پر مشتمل ہے۔ یہ جلد حال ہی میں ادارہ تالیفات اشرافیہ واقع اندرون جامعہ اشرافیہ مسلم ٹاؤن لاہور سے شائع ہوئی ہے۔

اس کی تبویب کے بارے میں مفتی اعظم پاکستان حضرت اقدس سیدی و مرشدی مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی قدس سرہ فرماتے ہیں: ”بالخصوص حکیم الامت مجدد ملت سیدی حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ کی کتاب تربیت السالک کی جو خدمت تبویب آپ نے انجام دی وہ ایک بڑا کارنامہ اور طالبین صدق و اخلاص کے لئے ایک بے نظیر مجموعہ ہو گیا۔“

اسی طرح حضرت شیخ الاسلام مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی نے تحریر فرمایا تھا: ”ان کی تبویب بہت خوب ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو اجر عظیم عطا فرمائیں اور عامۃ المسلمین، خصوصاً ذاکرین شاغلین طالبین کو اس سے منتفع فرمائیں۔“

(۱۰) خیر الافادات:

”اس میں حضرت والا نے اپنے پیر و مرشد حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے عجیب و غریب عارفانہ ارشادات اور حکیمانہ کلمات جمع فرمائے ہیں۔ جس میں قرآنی معارف، احادیث کی بے مثل شرح، اصلاحی کارآمد باتیں اور علمی پیش قیمت نوادر محفوظ ہیں۔ حضرت کے وصال کے بعد یہ رسالہ ماہنامہ ”بینات“ کراچی میں بالاقساط شائع ہوا تھا۔ بعد میں کتابی صورت میں شائع ہوا۔“

احقر مؤلف عرض کرتا ہے کہ یہ ملفوظات مشتمل بر فوائد علم و حکمت اور حکایاتِ نافعہ حضرت والا کی وفات کے بعد طبع ہوئے ہیں۔ اور اس وقت ان کے طبع کرانے کی اجازت حضرت حکیم الامت یا حضرت والا سے نہ لی جاسکتی تھی (یہ تو معلوم ہی ہوگا کہ حضرت تھانوی کی تالیفات یا مواعظ و ملفوظات ان کے نظر فرمانے کے بعد اجازت ہی سے شائع ہوتے تھے) چنانچہ ”خیر الافادات“ کے نام سے شائع ہونے والے ملفوظات پر نظر ثانی کی ضرورت باقی رہی۔ کئی ملفوظات و حکایات کے تو صرف ارشادات ہیں جو یادداشت کی غرض سے تحریر فرمائے گئے تھے۔ بعض جگہ تحریر سے مترشح ہوتا ہے کہ تنگ وقت میں استعجالاً لکھا گیا ہے۔ اور اس وقت صرف اشارات لکھنا اور بعد میں مفصل لکھنا مقصود تھا۔ ان حالات میں سہو و تسامحات اور زلات قلم کا امکان بہت قوی ہوتا ہے۔ چنانچہ ایک جملہ مثال کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔ حضرت والا کے بعض اہل علم تلامذہ نے بھی اس کو ویسے ہی نقل ہونے دیا، یا التفات نہ ہو سکا کہ حضرت والا کی طرف کیا عبارت منسوب ہو رہی ہے۔ وہ جملہ یہ ہے: (اور وہ ملفوظ ۲۱ میں ہے) لہ اذین کا زین المرجل۔ اس کے معنی اہل علم میں معروف ہیں۔ (یعنی نماز کے وقت حضور ﷺ کے سینہ مبارک سے پکنے والی ہانڈی کے کھولنے کی سی آواز نکلتی تھی) اس کے ترجمہ کے بجائے ملفوظات کے استعجالاً نوٹ فرمانے میں کچھ اور تحریر ہو گیا ہے۔ جو بظاہر اس سے متعلق نہیں ہے۔ ظاہر ہے کہ حضرت والا اس کو شائع کرنے کی اجازت دیتے تو نظر ثانی فرما کر اس کی تصحیح فرمادیتے۔ بہر حال اب حضرت والا کے بعد یہی کیا جاسکتا تھا کہ یا تو اس جملہ کو حذف کر دیا جاتا، اور سب سے بہتر یہی صورت سمجھ میں آتی ہے، یا ایسے بعض جملوں کی بضرورت تصحیح کی جسارت کر لی جاتی اور حاشیہ پر کلمہ ”بغیر یسر“ وغیرہ کچھ لکھ کر اس طرف اشارہ کر دیا جاتا اور جہاں صرف اشارات تھے یا مجمل عبارت تھی، اس کو نقل کر کے اس کی تفصیل لکھ دی جاتی۔“

۱- اق۔ ۲- آ۔

۳- اب یہ بات معرفت رسول ﷺ سے حکم وافر رکھنے والے حضرات ہی شاید بتائیں کہ یہ آواز علم و معرفت اور عشق و محبت الہی کے جوش سے تھی۔ یا عنک ونبت الہی وغیرہ سے یا یہ سب مع وجود کے مثلاً شفقت علی الخلق اور رافت ورحمت بالمؤمنین۔ اس کے بعد کتاب ”آثار خیر“ دیکھی تو اس میں ص ۳۰۳ تا ۳۰۴ حضرت مجدد تھانوی کے ملفوظ بعنوان خیر الاخبار فی خبر الاختیار میں لہ کا زین کا ذیر المرجل کے معنی مع سبب یہ ملے۔ ”آپ کے سینہ مبارک کی بوجہ بظرف ونبت کے ایسی حالت ہوتی تھی۔ کہ جیسے کوئی ہانڈی چولہے پر چڑھی ہوئی ہو۔ اور اس میں ابال آ رہا ہو۔ اور کھد بکھد آواز ہو رہی ہو“ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم (آ)

۴- ”خیر الافادات“ کے متعلق مزید ”آثار خیر“ کے تعارف میں آ رہا ہے۔ حضرت والا کے بعض رسائل (جن میں ”خیر الافادات“ بھی شامل ہے) کا مجموعہ جوشائع ہوا ہے۔ ”آثار خیر“ اسی کا نام ہے۔ (۱۲)

(۱۱) آثار خیر!

جیسا کہ پہلے گزرا، یہ کتاب حضرت والا کے بعض رسائل کا مجموعہ ہے۔ ان میں سے بعض تو شائع ہو چکے تھے اور دستیاب تھے۔ بعض شائع ہی نہیں ہوئے، یا پہلے کبھی شائع ہو کر اب دستیاب نہیں رہے تھے۔

بڑی خوشی کی بات ہے کہ اب یہ کتاب ۱۴۱۵ھ (۱۹۹۴ء) میں شائع ہو گئی ہے۔ اور اس کتاب میں بعض وہ رسائل بھی شامل ہو گئے جو پہلے شائع ہوئے تھے لیکن اب نہیں ملتے تھے۔ تاہم اب بھی بعض ایسے رسائل باقی رہ گئے جو شاید مل نہ سکے ہوں گے، اس لئے شامل نہ ہو سکے۔ (نیز شرح بخاری شریف عربی ابھی تک شائع نہیں ہوئی، قلمی موجود ہے۔ اسی طرح "نقش حیات خیر محمد" یعنی حضرت والا کی خودنوشت سوانح ابھی تک قلمی موجود ہے۔ اس کا جتنا حصہ یا خلاصہ جو کئی بار شائع ہوا ہے اور "آثار خیر" میں بھی شامل ہے، وہ اصل قلمی نقش حیات کے شاید نسخ یا سبس سے بھی کم ہوگا۔ اور اصل نقش حیات کامل کا اکثر حصہ اس تالیف "خیر السوانح" کی اساس ہے)۔

لیکن اس میں ایک رسالہ "خیر الافادات" جس کا کچھ تعارف پہلے گزر چکا ہے۔ اس کو "آثار خیر" میں بعینہ نہیں اغلاط کے ساتھ ایک بار پھر دیکھ کر بہت ہی افسوس ہوا۔ "خیر الافادات" کتابی صورت میں شائع ہوئی تو اس میں ملفوظات پر عنوانات لگا دیئے گئے۔ لیکن بعض جگہ عنوان اور ملفوظ میں تضاد ہے، کہ ایک میں کسی بات کا اثبات ہے تو دوسرے میں اس بات کی نفی، بعض جگہ کتابت کی اغلاط بھی افسوس ناک ہیں۔ اس کے علاوہ قوسین میں کسی لفظ کے معنی لکھے ہیں تو وہ صحیح نہیں۔ پھر زیادہ افسوس کی بات یہ ہے کہ ہر بار ناشرین بغیر دیکھے غلط نسخے کی فونٹوں لے کر بار بار اس اغلاط سے بر کتاب کو شائع کئے جا رہے ہیں۔

علاوہ ازیں "آثار خیر" میں ایک افسوس ناک کوتاہی یہ بھی ہو گئی ہے کہ بعض رسائل میں عبارت ختم ہونے سے قبل دوسرا رسالہ یا مضمون شروع ہو گیا ہے۔ مثلاً رسالہ "خیر الارشاد الی التقلید والا جتہاد" کے صفحہ ۲۱۲ پر عربی عبارت اور اس کا اردو ترجمہ دونوں ناتمام رہ گئے ہیں۔ آگے ص ۲۱۳ پر "مسئلہ تقلید پر بعض شبہات اور ان کے جوابات" کے عنوان سے دوسرا مضمون شروع ہو جاتا ہے۔ نیز اس کے صفحات از ص ۴۳۱ تا ص ۴۳۴ بے ترتیب اور غلط ہیں۔

ضرورت ہے کہ آئندہ یہ کتاب کسی معتمد و محتاط عالم کی پوری توجہ سے مکمل تصحیح کے بعد ہی شائع ہو اور تصحیح اغلاط کی ایک فہرست طبع کر کر سابقہ نسخوں کے ساتھ رکھی جائے۔ نیز اعلان ہو کہ جن کے پاس یہ نسخہ ہو وہ تصحیح اغلاط کی فہرست طلب فرمائیں۔ وما علینا الا البلاغ۔

اللہ تعالیٰ حضرات ناشرین کتب کو اہل حق کی کتب کی صحت کتابت اور تصحیح کے زیادہ سے زیادہ اہتمام کی زیادہ سے زیادہ توفیق عطا فرمائیں، (آمین ثم آمین)۔

(۱۲) خیر الاختبار فی خبر الاختیار:

”یہ ان ملفوظات طیبہ کا مجموعہ ہے جن کو جناب مولوی خیر محمد صاحب جالندھری نے ۱۳۵۱ھ میں قلمبند فرمایا تھا۔“
(احقر مؤلف نے مدرسہ عربیہ نیوٹاؤن (حال جامعہ دارالعلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن) کراچی کے کتب خانہ سے عاریت لیتے ہوئے ”اشرف السوانح“ حصہ سوم کے ایک قدیم نسخہ کی جلد کے ساتھ ملحقہ ایک رسالہ ”تالیفات اشرفیہ“ ص ۵۴ سے یونٹ کیا تھا۔ اب یہ ملفوظات ”آثار خیر“ میں شائع ہو گئے ہیں۔ ۱۲)

(۱۳) ایقاظ المسلمین:

ستمبر ۶۵ء کی جنگ کے دوران پاکستان کی سرحدوں پر بھارت کی فوجیں جمع ہونے کے موقع پر یہ رسالہ تحریر فرمایا تھا، جس میں مسلمانوں کو جان و مال سے جہاد کی ترغیب کے علاوہ یہ بھی نصیحت فرمائی کہ ایسے موقع پر مسلمانان پاکستان کا کیا فرض ہے اور انہیں کیا کرنا چاہئے۔

اس کتاب میں پاکستان کے دفاع، دشمن سے مقابلہ کے لئے تیاری اور جہاد و قتال اور شہادت کے بارے میں کتاب و سنت سے ہدایات اور مسائل و فضائل کا بیان ہے۔ آخرت میں قنوت نازلہ بھی ہے۔

(۱۴) نصاب و طریقہ تعلیم خیر المدارس:

یہ رسالہ حضرت والدؒ نے اپنے طویل تعلیمی و تدریسی تجربہ اور دیگر باہرین تعلیم تجربہ کار اساتذہ کرام سے اصلاح نصاب کے متعلق بارہا مراجعت کے نتیجہ میں تحریر فرمایا ہے، جس میں آٹھ سالہ نصاب درجہ عربی، ایک سالہ نصاب درجہ فارسی، اردو، دینیات، نصاب عربی سہ سالہ، نصاب تعلیم درجہ پرائمری اردو و دینیات اور نصاب عربی فارسی برائے مدرسہ تعلیم النساء خیر المدارس، نصاب تعلیم (اردو و دینیات) برائے مدرسہ تعلیم النساء خیر المدارس شامل ہیں۔ اس میں ہر سال کے لئے علیحدہ علیحدہ نقشہ نصاب تعلیم کے علاوہ ہر درجہ کے استاذ اور طالب علم کے لئے زریں ہدایات اور طریقہ تعلیم شامل ہیں، جن پر عمل کرنے سے معتمنین اور متعلمین علمی و عملی افادات سے اپنی جھولیاں بھر سکتے ہیں۔

آخر میں درجہ حفظ، تجوید و قراءت اور ناظرہ کے تمام نصابات کا طریقہ تعلیم اور ہدایات درج ہیں۔ میرے خیال میں ہر دینی طالب علم اور استاذ کے پاس اس رسالہ کا ہونا ضروری ہے، تاکہ وہ گاہ گاہ ان ہدایات کو پڑھیں اور عمل کی کوشش فرمائیں۔ باوجود ان محاسن کے حضرت والدؒ نے اس رسالہ کو حرف آخر کے طور پر پیش نہیں فرمایا، بلکہ اہل الرائے حضرات کی خدمت میں اپنے مفید مشوروں سے نوازنے کی دعوت عام بھی فرمائی ہے۔

۱ آ۔ ج یہ صحیح معنی "۱۳۵۱ھ" "۱۳۵۲ھ" "۱۳۶۳ھ" کے مطابق کی گئی۔ (پہلے غلطی سے صرف ۱۳۵۱ھ نقل کیا تھا) (۱۲)

(۱۵) آئینہ آئین وقواعد مدرسہ خیر المدارس:

مدرسہ خیر المدارس ملتان کے مسلک و مشرب، مقاصد اور جملہ قواعد و ضوابط پر مشتمل یہ رسالہ اپنی مثال آپ ہے، جس کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ مدرسہ میں ہر چیز یا ہر کام کے لئے مستقل ضابطہ موجود ہے، جس کی خلاف ورزی ہر معلم و معلم کے قابل گرفت ہے۔ اس رسالہ کے مطالعہ سے حضرت والا کی شان انتظام و اہتمام کا اندازہ ہوتا ہے۔ دیگر دینی مدارس کے مہتمم حضرات کے لئے بھی اس رسالہ کا مطالعہ ان کے اہتمام و انتظام کی سہولت کا سبب ہوگا۔

(۱۶) نقش حیات خیر محمد:

حضرت والا کی خودنوشت غیر مطبوعہ سوانح حیات ہے۔ اور اس ”خیر السوانح“ کا اصل ماخذ یہی ہے۔ چنانچہ بکثرت واقعات اسی سے اقتباسات لے کر تحریر کئے گئے ہیں۔ بعض مطبوعات مثلاً ”بزم اشرف کے چراغ“ اور ”غیر الافادات“ کے شروع میں یا ”ابلاغ“ اور ”الخیبر“ وغیرہ میں جو حضرت والا کی تحریر فرمودہ سوانح حیات ہے، وہ بالکل ہی فقیر ہے۔ اصل ”نقش حیات“ کے خمس یا سدس سے بھی کم۔

(۱۷) خیر المملفوظات:

یہ حضرت والا کے تقریباً ساٹھ مملفوظات کے مجموعہ کا مسودہ ہے، جن کو مختلف حضرات نے روایت کیا ہے۔ یعنی حضرت حاجی ڈاکٹر عبد المجید صاحب ریواڑی والے، مخدومنا حضرت حاجی محمد شریف صاحب، حضرت مولانا سید عطاء المعتم صاحب بخاری مدظلہ، حضرت مولانا وکیل احمد صاحب شیروانی مدظلہ، حضرت مولانا حافظ عبدالشکور صاحب زید مجدہ (خطیب بہاولپور) اور حضرت صوفی ماسٹر محمد اقبال قریشی صاحب زید مجدہ (ہارون آبادی)۔ ان مملفوظات میں سے بعض ”خیر السوانح“ کے بعض ابواب میں نقل بھی کئے جا چکے ہیں۔ ان ہی سے ان کی افادیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ (یہ مملفوظات ترمذ اقبال قریشی صاحب سے حاصل ہوئے ہیں)

(۱۸) شرح بخاری شریف (عربی):

حضرت والا کے درس بخاری شریف کے دوران آپ کے کسی قدیم تلمیذ رشید نے آپ کی تقریر کو ضبط کیا، جس کو حضرت والا نے پسند فرمایا۔ اور سالہا سال درس کے وقت اس کو پاس رکھتے۔ لیکن یہ بہت مختصر تھی، اور غالباً بخاری شریف کے صرف بعض اجزاء کے درس پر ہی مشتمل تھی۔ اخیر سالوں میں اس تقریر سے اور مختلف شروع بخاری شریف سے یہ شرح مرتب فرماتے رہے۔ اور ساتھ ساتھ احقر کو اس کے صاف کرنے کے نقل کرنے کا شرف بخشا۔ چنانچہ یہ قلمی شرح بخاری شریف نو (۹) جلدوں میں پوری ہوئی۔ رمضان شریف ۱۳۸۳ھ میں لکھنا شروع فرمایا اور ۲۶ جمادی الاخریٰ ۱۳۸۷ھ کو مکمل ہوئی۔ اور اس

کی آخری قسط نقل کر کے ۳۰ رجب ۱۳۸۷ھ کے عریضہ کے ساتھ حضرت والا کی خدمت میں ارسال کر دی تھی۔ تقریباً دو صفحات تبرکاً مدینہ منورہ حرم نبوی شریف مواجہ شریف میں نقل کرنے کا شرف بھی حاصل ہوا۔ **اللہ الحمد وبنعمہ نعم الصالحات**۔ اس شرح کے تیار ہونے پر حضرت والا اسی کو درس بخاری شریف میں سامنے رکھتے تھے۔ اہل علم کے لئے علمنا اور شیوخ الحدیث، اساتذہ حدیث شریف اور دورہ کے طلباء کے لئے خصوصاً نہایت مفید شرح اور قابل قدر نعمت ہے۔

اس تالیف لطیف کے نام کے بارے میں حضرت مولانا مفتی سید عبدالشکور صاحب ترمذی مدظلہ تحریر فرماتے ہیں: ”اپنی تالیف بزبان عربی شرح بخاری کے بارے میں ایک مرتبہ فرمایا کہ یہ بے نام کی کتاب ہے۔ اس کا نام تجویز کر دیں۔ احقر نے ”الخیر الجاری“ نام عرض کیا تو فرمایا کہ اس نام کی شرح تو پہلے سے بھی ہے۔ احقر نے عرض کیا کہ ایک ہی نام پر کئی کتابوں کا ہونا بھی کوئی غیر معمولی بات نہیں ہے۔ اگر نام میں امتیاز ہی مطلوب ہے تو پھر ”الخیر الساری“ اس کا نام تجویز کر لیا جائے۔ حضرت مولانا مرحوم نے اس کو پسند کرتے ہوئے فرمایا کہ اس پر غور کر لیا جائے۔“

عجیب تو ارد ہے کہ حضرت والا نے احقر مؤلف کو بھی نام کے بارے میں فرمایا تو خادم نے ”الخیر الجاری“ عرض کیا تھا۔ اور حضرت والا نے اس پر وہی فرمایا جو اوپر گزرا۔ اور آپ نے ”الخیر الساری“ نام ذکر فرمایا۔ اور حضرت والا کی رائے غالباً اسی کے راجح ہونے کی تھی۔ لیکن محترمی ماسٹر اقبال قریشی صاحب کے مسودہ سوانح میں شرح بخاری شریف کا مندرجہ ذیل تعارف سے نام ملتا ہے۔ اور یہ تحریر غالباً استاذی المحترم حضرت مولانا محمد شریف صاحب جالندھریؒ کے خود اپنے ہاتھ کی معلوم ہوتی ہے۔ (وہو ہذا):

”خیر الباری علی تقریر البخاری:

بخاری شریف کی نہایت محققانہ انداز میں، آسان اور سلیس عربی میں جامع شرح فرمائی ہے۔ تقریباً ۹ جلدوں پر مشتمل ہے۔ حضرت والا بخاری شریف کا سبق پڑھانے سے قبل اس کو ایک نظر دیکھ لیتے تھے۔ ابھی طبع نہیں ہوئی، قلمی موجود ہے۔“

مندرجہ ذیل دو قلمی رسائل کا تعارف باب ۱۱ ”مواعظ حسنہ اور مناظرات“ کے ذیلی عنوان ”اہل حدیث سے مناظرے اور تصنیف رسائل“ کے تحت آچکا ہے۔ تاہم اس باب کی مناسبت سے یہاں ان دونوں کا مختصر تذکرہ مناسب معلوم ہوتا ہے۔

(۱۹) خیر التذکار فی تحریم الغناء بالمزمار:

”اس میں سماع بالمزمار کی تردید کی گئی تھی۔ مشرقی پنجاب کے فسادات ۱۹۴۷ء میں وہ رسالہ قلمی وہاں رہ گیا۔“

۱۔ یہ ان کے مقالہ ”مردم العلماء، حضرت مولانا خیر محمد جالندھریؒ سے لیا گیا ہے جو ”ذکر خیر و یاد شریف“ میں شائع ہوا ہے۔

۲۔ منقول از نقش ”در سوانح مذہب باب الاحوال مذکورہ

(۲۰) خیر الخطاب:

”اسی طرح مسئلہ قراءت خلف الامام میں ایک رسالہ ”خیر الخطاب“ دو جلد میں تصنیف ہوا۔ پہلی جلد میں حنفی مذہب کے دلائل اور دوسری میں غیر مقلدوں کے جوابات دندان شکن درج کئے گئے تھے۔“
 گو اس رسالہ کا نام ”خیر الخطاب“ تحریر ہے، لیکن حضرت والا ہی کے فرمانے سے معلوم ہوا کہ نام میں مغالطہ ہوا۔ جیسا کہ آگے آرہا ہے۔ صحیح نام رسالہ مع تعارف درج ذیل ہے:

(۲۱) خیر الکلام فی تحقیق القراءۃ خلف الامام:

یہ ایک قلمی رسالہ ہے، جس میں قراءۃ خلف الامام کے بارے میں حنفیہ کے دلائل ہیں۔ اس کا ایک قلمی نسخہ چاند پور ضلع بجنور میں حضرت مولانا سید مرتضیٰ حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے کتب خانہ میں تھا۔ احقر جب ۱۹۵۴ء میں والد صاحب مرحوم سے ملنے چاند پور گیا تو حضرت والا نے تحریر فرمایا تھا کہ وہاں سے لے کر نقل کر لیا جائے۔ حضرت مولانا سید مرتضیٰ حسن صاحب ”تو وفات پا چکے تھے، ان کے صاحبزادوں میں سے ایک صاحب سے عرض کیا تھا۔ انہوں نے رجسٹر میں نام بھی دیکھا، لیکن جلدی میں نہ نکالا جاسکا۔ یہاں تک کہ احقر کی پاکستان واپسی ہو گئی۔ افسوس ہے رسالہ نقل نہ ہو سکا۔ پاکستان میں غالباً کسی کے پاس موجود نہ ہوگا۔“ حضرت والا کا نسخہ پاکستان ہجرت فرمانے کے وقت مشرقی پنجاب ہی میں رہ گیا تھا۔ احقر کے پاکستان آنے کے بعد بھی حضرت مولانا سید محمد احسن صاحب (ابن حضرت مولانا سید مرتضیٰ حسن صاحب) کی خدمت میں حضرت والا کو یہ رسالہ مستعار بھیجنے کی درخواست کی گئی، لیکن یہ رسالہ حاصل نہ ہو سکا۔ اس کے نام اور تعارف کے بارے میں مزید وضاحت کے لئے حضرت والا سے اس سلسلہ میں خادم کی جو مراسلت ہوئی، اس کا کچھ حصہ نقل کیا جاتا ہے۔ حضرت والا نے خادم کے ایک عریضہ کے جواب میں یہ تحریر فرمایا تھا: ”مولانا محمد احسن صاحب سلمہ کی خدمت میں بعد سلام مسنون عرض کر دیجئے کہ کتاب قلمی ہے۔ اس کا نام ”خیر الخطاب“ مسئلہ ترک قراءت خلف الامام کے متعلق ہے۔“

اس کے بعد خادم کے عریضہ مورخہ ۱۱ محرم ۱۳۷۶ھ (۱۱/ اگست ۱۹۵۶ء) کے جواب میں ۲۶/ اگست ۱۹۵۶ء کو تحریر فرمایا: ”..... نام میں مغالطہ ہوا۔ جو کتاب ”خیر الکلام فی تحقیق القراءۃ خلف الامام“ قلمی ہے، وہی مطلوب ہے۔ وہ میری ہی تالیف ہے۔ اس وقت تک نام مصنف درج نہ کیا گیا تھا۔“

کتاب کے بارے میں مزید تفصیل دریافت کرنے پر تحریر فرمایا: ”وہ بندہ کی تالیف ہے، مگر اس ہیئت میں قابل طباعت نہیں۔ بلکہ تفصیل و ترتیب کے بعد قابل اشاعت ہے۔ وہ تو چند یادداشتیں ہیں، جن کو حضرت مولانا مرحوم نے پسند

۱۔ منقول از ”نقش“ رسوائی ہذا باب ۱۱، قول مذکورہ ج ۳، ہم قوی احتمال ہے کہ یہ دو مختلف تالیفات ہوں جیسا کہ آگے آرہا ہے۔ (۱۷)
 ۲۔ البتہ ہماری اقبال قریشی صاحب نے آگے ذکر فرمایا ہے۔ کہ ”العدل“ میں شائع ہوا ہے۔ اس لئے اگر اس کے وہ شمارے مل جائیں تو رسالہ حاصل ہو سکتا ہے۔ (۱۷)
 ۳۔ یعنی محمد ولی حضرت مولانا سید مرتضیٰ حسن صاحب چاند پوری رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعہ۔

فرما کر نقل کروایا تھا۔“

چونکہ باب ۱۱ میں آچکا ہے کہ رسالہ ”خیر الخطاب“ کے لئے تحریر فرمایا تھا: ”دو جلد میں تصنیف ہوا۔“ اور یہاں ارشاد ہے: ”وہ تو چند یادداشتیں ہیں“ اس سے کچھ شبہ ہوتا ہے کہ شاید ”خیر الخطاب“ اور ”خیر الکلام“ ایک ہی موضوع پر دو مختلف رسائل ہوں۔

اور مکرمی ماسٹر اقبال قریشی صاحب زاد مجدہم نے ”العدل“ میں مطبوعہ رسائل کا تعارف کراتے ہوئے رسالہ ”خیر الکلام فی عدم وجوب القراءة خلف الامام“ کے نام سے ذکر فرمایا ہے، جو آگے آ رہا ہے۔ اس نام میں صرف دو ایک الفاظ کا فرق ہے۔ بہر حال عدم وجوب القراءة خلف الامام کے مسئلہ پر حضرت والا کے رسالہ یا رسائل کے بارے میں چند اختلافات ہیں، جن میں توافق کی صورت ابھی تک پوری طرح واضح نہیں ہوئی۔ یہ تو معلوم ہو گیا کہ ایک رسالہ کا صحیح نام ”خیر الکلام“ ضرور ہے۔ اب نام کا باقی حصہ ”فی عدم وجوب القراءة الخ“ ہے یا ”فی تحقیق القراءة الخ“ (راجح بہر حال ثانی ہی ہے، کیونکہ اس کی حضرت والا نے تائید بھی فرمائی) دوسری بات یہ کہ یہ رسالہ ”العدل“ میں طبع ہوا، یا قلمی اور ”چند یادداشتیں“ ہیں یا ”دو جلد میں تصنیف ہوا“ اس سے توافق کی صورت یہی سمجھ میں آتی ہے کہ ایک سے زائد رسائل ہوں۔ اور غالباً یہی راجح ہوگا۔

باب ۱۱ میں مذکورہ قلمی رسائل کا ذکر تمام ہوا۔ اب حضرت والا کی باقی تالیفات کا تذکرہ آتا ہے۔

(۲۲) خیر البراہین فی رد غیر المقلدین:

حضرت والا کی رحلت سے مدت دراز کے بعد ۱۴۰۱ھ میں اس نام سے رسالہ کی شکل میں شائع ہو گیا ہے۔ یہ نام بھی حضرت والا کے بعد ہی تجویز کیا گیا۔ ورنہ محترمی ماسٹر اقبال قریشی صاحب اس کا نام ذکر فرماتے۔ کیونکہ انہوں نے اس کے شائع ہونے سے قبل اس کے تعارف میں یہ تحریر فرمایا تھا:

”کچھ تصانیف کے مسودات بھی خیر المدارس میں محفوظ ہیں۔ مثلاً حضرت والا نے متعدد ایسے مسائل کی یادداشت مرتب کی ہے جن پر غیر مقلدین کا عمل ہے۔ اور اس کا ثبوت کسی بھی صحیح حدیث میں موجود نہیں، جو بالکل اس کا مصداق ہے: سر نہاں کہ عارف وزاہد بکس نکلقت در حیرتم کہ بادہ فروش از کجا شنید“

اس رسالہ کا مقدمہ محترم مولانا مفتی محمد انور صاحب زید مجدہم نے تحریر فرمایا ہے۔ اور اکابر کی تحریرات سے مزین کرنے سے مفتی انور صاحب کا نورانی مقدمہ نہایت وغایت درجہ کا انور ہو گیا ہے۔ ”تقلید شخصی پر حضرت قاسم العلوم والذہبات نور اللہ مرقدہ کا محققانہ تبصرہ“ جو اہر علم سے بھرپور اور بالکل عام فہم ہے۔ اس کے بعد ایک تحریر ”الکلام الفرید فی التزام التقليد“

ہے۔ ہمارے حضرت والاؒ ہی کے الفاظ میں (اور اس سے بہتر تعارف کون کرائے گا؟) ”اثبات تقلید کے متعلق یہ وہ فیصلہ کن دورہ نادرہ ہے، جس کو حجۃ العارفین، سراج المفسرین، مجدد المملکت، حکیم الامت سیدی حضرت مولانا شاہ محمد اشرف علی صاحب قانوی چشتی حنفی دامت برکاتہم نے ایک استفتاء کے جواب میں بزمانہ قیام مدرسہ جامع العلوم کانپور ۱۳۱۲ھ میں تحریر فرمایا تھا۔ اور اہقر کی درخواست کرنے پر مندرجہ بالا نام بھی آج کل تجویز فرمایا۔“

ان علوم کی لذت واقعی وجد لانے والی ہے۔ علم کی لذت کے طالب کو تو ایک بار یہ تحریر پڑھ ہی لینی چاہئے۔ واقعی یہ مختصر اور جامع تحریر ایسی فیصلہ کن ہے کہ ذرا بھی فہم سلیم ہو اور طبیعت میں انصاف کا کچھ مادہ ہو تو تسلیم کئے بغیر چارہ ہی ہیں۔ اہقر مؤلف کی زبان سے تو یہ نکلا کہ امام غزالیؒ بھی اس پر لکھتے تو اس سے زیادہ کیا لکھ سکتے تھے؟

اس کے بعد مناظر اسلام حضرت مولانا سید مرتضیٰ حسن صاحب چاند پوری رحمۃ اللہ علیہ کے ایک دلچسپ مضمون ”التقلید والتنفید“ سے ”تبرائی غیر مقلدین سے سترہ (۱۷) سوالات“ شامل کئے گئے ہیں۔ وہ بھی نہایت دلچسپ، مسکت اور قابل مطالعہ ہیں۔ نیز ”ایک غیر مقلد کی امامت کے بارے میں اہم فتویٰ“ بھی شامل ہے۔ ان سب مقالات کے بعد ہمارے حضرت والاؒ کا اصل رسالہ ”خیر البراہین“ ہے۔ اس میں حضرت والاؒ نے غیر مقلدین کی کتب کے حوالہ سے ان کے نزدیک حلال و حرام، جائز و ناجائز، واجب و غیر واجب کے مسائل بیان فرمائے ہیں۔ آخر میں خود ان کے اکابر کے باہمی مسائل متعارضہ کو بیان کیا ہے۔ اس کتاب میں حضرت والاؒ نے غیر مقلدین کے بیان کردہ مسائل پر رد کرتے ہوئے کتاب و سنت سے ان کے دلائل کا مطالبہ فرمایا ہے۔ حالانکہ وہ ان سب اقوال کی دلیل میں کتاب و سنت کو چھوڑ کر شوکانی یا دیگر رجال ہی کے اقوال نقل کرتے ہیں، یا قیاس کرتے ہیں، یا زید عمرو کے بنائے ہوئے قاعدہ کی پناہ لیتے ہیں، یا حضرت حسن بصریؒ، داؤد ظاہریؒ یا ابن حزمؒ کے اقوال پیش کرتے ہیں۔ اور ائمہ اربعہ مجتہدین میں سے امام شافعیؒ و امام مالکؒ کے اقوال لیتے ہیں۔ یا حضرت ابن عباسؒ اور ضحاکؒ و حماد و ابراہیم نخعیؒ وغیرہ کے مذہب کی آڑ لیتے ہیں۔ حضرات صحابہؓ کرامؓ اور اکابر تابعین کے بعد پوری امت میں سے منتخب اکابر ائمہ مجتہدین کی تقلید کو شرک و کفر کہنے والے علماء متاخرین کی تقلید کی پناہ لیتے ہیں۔ قیاس کے بارے میں ”اول من قاس ابلیس“ کا نعرہ لگانے والے ائمہ مجتہدین (جن میں سے امام اعظمؒ تابعی اور بائی ائمہ خلافت تابعین میں سے ہیں) کے قیاس صحیح کو ابلیس کے قیاس فاسد پر (جو مخالف نص تھا) قیاس کرتے ہیں۔ یعنی قیاس صحیح کا انکار خود اپنے قیاس فاسد کے ذریعہ کرتے ہیں (تو کیا غیر مقلدین کے نزدیک بدگمانی اور قیاس فاسد حلال اور

۱۔ یہاں سے عالی غیر مقلدین کے طرز عمل پر اہقر مؤلف کا تبصرہ ہے۔ اس کے نقل ”خیر البراہین“ کے مضامین کی طرف اشارہ تھا (۱۲)

۲۔ ذوقندہ ۱۳۱۱ھ کی کوئی شب تھی۔ بعد نماز عشاء حرم نبوی شریف سے باب مجیدی کی طرف سے نکل کر جاتے ہوئے ایک صاحب تصانیف عالم سے گفتگو فرماتے ہوئے اہقر نے اس طبقے کے اس قیاس فاسد کا ذکر کیا جس کو انہوں نے بہت سراہا اور فرمایا کہ آپ کا یہ نکتہ بہت خوب ہے۔ اس کو کہیں نہ کہیں (اپنی کسی تالیف میں) لاؤ گا۔ (اب دیکھئے وہ اس نکتہ کو ماخذ کے ساتھ

ذکر کرتے ہیں یا بدوں ماخذ کے) (وہذہ النکتہ من المواہب الواردة فی الحرم النبوی الشریف بعد الاحد ۱۴/۲۶/۱۳۱۱ھ)

قیاس صحیح حرام ہے؟

اسی طرح تقلید ائمہ مجتہدین کو اپنے قیاس فاسد کے ذریعہ کفار و مشرکین کے کفر و شرک اور بت پرستی میں اپنے آباؤ اجداد کی تقلید پر قیاس کرتے ہیں۔ حالانکہ سبیل نبیب کے اتباع کا حکم کتاب اللہ میں صریح ہے۔ اور حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے آباؤ اجداد حضرت یعقوب و حضرت اسحاق و حضرت ابراہیم علیہم الصلوٰۃ والسلام کی ملت کا اتباع کرنے کا ذکر فرمایا، جیسا کہ کتاب اللہ میں فرمایا گیا ہے۔

(۲۳) خیر الفتاویٰ (جلد اول تا پنجم):

حضرت والّا کے تحریر فرمودہ یا حضرت والّا کے زیر اہتمام کام کرنے والے مفتی حضرات خصوصاً حضرت مفتی عبداللہ صاحب کے تحریر فرمودہ اور حضرت والّا کے مصدقہ، نیز حضرت والّا کے بعد حضرت مفتی عبدالستار صاحب مدظلہ العالی اور ان کے نائبین جو افتاء کا کام کر رہے ہیں، جن میں موجودہ مفتی حضرت مولانا مفتی محمد انور صاحب زاد مجید، خصوصاً اہل ذکر ہیں، جو مرتب خیر الفتاویٰ بھی ہیں۔ ان حضرات کے فتاویٰ اس کتاب میں شامل ہیں۔ نیز دارالافتاء میں بطور نائب و محین مفتی حضرت مولانا مفتی محمد اسحاق صاحب و حضرت مولانا محمد صدیق صاحب مدظلہم و حضرت مولانا اصغر علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت والّا کے زمانہ میں افتاء کا کام کیا ہے۔

”خیر الفتاویٰ“ دارالافتاء خیر المدارس کے زیر اہتمام شائع کیا گیا ہے۔ فی الحال پانچ جلدیں آچکی ہیں۔ اس کتاب کی اہمیت کا اندازہ لگانے کے لئے اس کے اصل مفتی ہمارے حضرت والّا کا اسم بارک ہی کافی ہے۔ گو ترتیب تو اب دی گئی ہے۔ لیکن اس کے اصل مؤلف تو حضرت والّا ہی ہیں جن کے تحریر فرمودہ یا مصدقہ و صحیح فتاویٰ اس میں شامل ہیں۔ بحیثیت ”مفتی اول“ مؤلف خیر الفتاویٰ کا تعارف شعبان رمضان ۱۴۰۷ھ کے مجلہ ”الخیر“ میں ”خیر المدارس کے ارباب افتاء“ کے زیر عنوان آچکا ہے۔ اور ”الخیر“ کی بعض اشاعتوں اور بعض رسائل میں کتاب شائع ہونے سے قبل و بعد جو اعلان آچکا ہے اس میں بھی اس کتاب کا مختصر تعارف ہے۔

(۲۴) خیر الارشاد فی اثبات التقليد والاجتهاد:

شعبان و رمضان ۱۴۰۷ھ ہی کے مجلہ ”الخیر“ میں ص ۵۸ پر حضرت والّا کی تالیفات میں اس کا ذکر بھی ہے۔ اگرچہ احقر مؤلف نے ابھی تک نہیں دیکھا، لیکن اس کا مضمون عنوان ہی سے ظاہر ہے کہ اس میں ضرورت تقلید اور شروط اجتهاد وغیرہ میں خیر و رشد سے بھرپور ہدایات اور مفید معلومات ہوں گی۔ جن سے بہت کچھ خیالات و عقائد کی اصلاح ہوتی ہے۔ (شاہ پہلے کبھی شائع ہو کر ختم ہو گیا یا ابھی تک طبع ہی نہ ہوا ہو) اب جو ”آثار خیر“ میں ”خیر الارشاد فی التقليد والاجتهاد“ کے نام سے

شائع ہوا ہے، وہ غالباً یہی رسالہ ہے۔ کیونکہ اس کے مضامین وہی ہیں جو مذکور ہوئے۔

(۲۵) رضا خانی افتراءت پر ایک نظر:

اس عنوان سے حضرت والّا نے ایک یادداشت بھی تحریر فرمائی۔ نیز حاضر و ناظر اور علم غیب کے مسئلہ پر تحریری مناظرہ کے دلائل موجود ہیں۔ اور ایسی آیات و احادیث سے ان مسائل کو مدلل فرمایا ہے کہ سطحی نظر سے ان کے ثبوت کا گمان نہیں ہوتا۔

اخبار ”العدل“ جو جرناوالہ میں حضرت والّا کی یہ تصانیف شائع ہوئی ہیں۔

(۲۶) مسئلہ توسل کی حقیقت:

”آثار خیر“ میں حضرت والّا کا ایک رسالہ ”مسئلہ توسل کی صحیح حیثیت“ کے نام سے شائع ہوا ہے۔ اور شاید یہ وہی رسالہ ہو جس کے متعلق آگے آ رہا ہے کہ حضرت والّا نے حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے ”رسالہ الادراک والتوصل“ کو اپنی عبارت میں شائع کرنا شروع کر دیا۔“

(۲۷) ثبوت بیعت طریقت:

غیر مقلدین کے جواب میں بذریعہ حدیث صحیح بیعت طریقت کو ثابت فرمایا۔ اخبار ”العدل“ ۱۱ فروری ۱۹۲۹ء میں حضرت والّا کا یہ مضمون موجود ہے۔

(۲۸) كشف الغطاء عن استدلال الثناء:

مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری کے رسالہ کے جواب میں گاؤں میں جمعہ کا عدم جواز ثابت فرمایا ہے۔ ”العدل“ ۱۹۲۸ء میں چھپا ہے۔ دورانِ بحث تحریر فرماتے ہیں: (جس سے حضرت والّا کی شان رجوع الی الحق اظہر من الشمس ہے) ”بے شک آزادی نفس کی وجہ سے میں نے چار سال تک تعامل زمانہ نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے خلاف عمل کرنے میں غلطی کی تھی، لیکن ببرکت تقلید امام اعظم اعانت الہی کی دستگیری سے مجدد الملت، محقق کامل، راسخ العلم والعمل کی صحبت سے معمور ہوا، جس سے تمام شکوک مرتفع ہو کر رجوع الی الحق نصیب ہوا۔ فالحمد لله علی ذلک۔“

۱۔ اقی۔ منہج میر۔

۲۔ غالباً یہی رسالہ ہے جس کا ذکر باب ۱۱ (سوا عطا حسن اور مناظرات) کے ذیلی عنوان ”الجمہر سے مناظرے اور تصنیف رسائل“ کے تحت یوں فرمایا ہے۔ کہ ”مسئلہ جملتی القزی میں ایک تحریر حضرت ضیفہ کے موافق حکم بند کرنے کی نوبت آئی تھی۔ یہ رسالہ ”آثار خیر“ میں نہیں ملا۔ البتہ ”جمہدنی القزی“ کے عنوان سے حضرت حکیم الامت کے ساتھ حضرت والّا کی ایک گفتگو اس موضوع پر شائع ہوئی ہے۔ یہ گفتگو باب ۱۳ (استفاضہ باطنی) میں بعنوان ”اشرف الامارات و خیر المناظرات من علم الجمہدنی القزی“ گذر چکی ہے۔ (۱۷)

خیر الکلام فی عدم وجوب القراءة خلف الامام:

اس میں احناف کے اس عمل کو قرآن وحدیث کے استدلالات سے ثابت فرمایا ہے کہ امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ نہیں پڑھنا چاہئے۔ ”العدل“ ۱۹۳۱ء اور ۱۹۳۲ء کے متعدد شماروں میں یہ رسالہ طبع ہوا ہے۔

(۲۹) مسافر کی نماز:

مسافر کی نماز کا مستند احادیث سے ۲۸ میل کی مسافت پر قصر کا ثبوت دیا ہے۔ اور مدت اقامت ثابت فرمائی ہے۔ مدعیان عمل بالحدیث کے لئے قابل دید رسالہ ہے۔ اخبار ”العدل“ میں ۲۰/ اگست ۱۹۳۰ء سے ۲۳ ستمبر ۱۹۳۰ء تک پانچ شماروں میں یہ مضمون طبع ہوا ہے۔

(۳۰) فرقہ اہل حدیث کی متعصبانہ تیرھویں ذی الحجہ کی قربانی:

”العدل“ ۸ جون ۱۹۳۲ء میں چھپا ہے۔

کاش! کوئی ناشر ان رسائل کو کتابی صورت میں شائع کرنے کی کوشش کرے تو یہ ایک مستحسن علمی خدمت ہوگی۔

تالیف مذکورہ درخیر السوانح (باب ۷، تصنیف وتالیف) جو ”آثار خیر“ میں آنے سے رہ گئی ہیں:

ان کی فہرست یہ ہے: (۱) تیسیر الابواب، (۲) تیسیر المبتدی (فارسی) (یہ دونوں درسی کتب ہیں، اس لئے ان کو قصداً نہیں لیا گیا)، (۳) تبویب ترتیب السالک (اس کی ترتیب وتبویب اور عنوانات وذیلی عنوانات وغیرہ لگانے کا کام حضرت والا نے فرمایا تھا۔ بہر حال اتنی ضخیم کتاب کو تو ”آثار خیر“ میں شامل نہیں کیا جاسکتا تھا)۔ (۴) ایقظ المسلمین، (۵) نصاب وطریقہ تعلیم خیر المدارس (اس کے بجائے عام نصاب تعلیم کا رسالہ ”آثار خیر“ میں آیا ہے، جو خاصاً مفصل ہے)۔ (۶) آئینہ آئین وقواعد خیر المدارس۔ (۷) نقش حیات خیر محمد ”آثار خیر“ میں بہت ہی مختصر شائع ہوئی ہے۔ مفصل حضرت والا کی تحریر فرمودہ خاصی ضخیم موجود ہے)۔

(۸) خیر الباری علی تقریر البخاری (شرح بخاری شریف، عربی) یہ ۹ جلدوں میں قلمی موجود ہے۔ اور ”آثار خیر“ یا کسی اور مجموعہ میں شامل ہونے سے مستغنی مستقل ضخیم وعظیم کتاب ہے)۔ (۹) خیر الملقونات (اس عنوان کے تحت ”آثار خیر“ میں ”فرمودات الخ“ کے ذیلی عنوان سے صرف دس ملفوظات ان ملفوظات میں سے آئے ہیں، جن کا تعارف

۱ نام اور موضوع سے یہی رسالہ سمجھ میں آتا ہے۔ جس کا ذکر مستقل تالیفات کے تعارف میں نمبر ۲۱ پر گذرا۔ اس کی تفصیل وہاں ملاحظہ فرمائیے۔ (۱) لے اس پر مستقل تالیف، نمبر نہیں ڈالا گیا۔ (۱۲)

۲ الحمد للہ بعض مذکورہ سابقہ رسائل تو ”آثار خیر“ میں شائع ہو چکے ہیں۔ لیکن جو رسائل ”آثار خیر“ میں شائع ہونے سے رہ گئے ہیں۔ ”العدل“ کے حلقہ شمارے یا جو بھی ان کے ماخذ ہوں۔ ان کے ملنے پر وہ ان شاء اللہ شائع ہو سکتے ہیں۔ محقر نے ان رسائل کے مجموعہ کا نام ”خیر الواسائل فی مہمات المسائل“ تجویز کیا تھا۔ محقر کا خیال ہے کہ اب ان بقیہ رسائل کے ملنے پر ہمارے مجموعہ ختم ہو سکیں نام کھدیا جائے۔ خواہ ان کو ”آثار خیر“ کی آئندہ اشاعت میں شامل کر لیا جائے۔ (۱۲)

بالیف نمبر (۱۷) میں ”خیر المفوظات“ کے تحت کرایا گیا ہے، جن کی تعداد تقریباً ساٹھ ہے۔ باقی جو ”آثار خیر“ میں اس عنوان یعنی خیر المفوظات کے تحت ہیں، ان میں سے دو مفوظ ”خیر الافادات والحسنات“ کے نام سے ہیں۔ باقی کچھ اصلاحی کتابیں وغیرہ ہیں۔ اور کچھ مفوظات حضرت حاجی شریف صاحب کے ساتھ گفتگو کی صورت میں ہیں۔ یا جمعہ فی القرئی کے زیر عنوان حضرت حکیم الامت تھانوی کے ساتھ علمی گفتگو ہے۔ (۱۰) خیر التذکار فی تحریم الغناء بالزمار، (۱۱) خیر الخطاب، (۱۲) خیر الکلام فی تحقیق القراءۃ خلف الامام۔ (۱۳) خیر الفتاویٰ جلد اول تا پنجم (یہ خود ہی خیر الآثار سے زیادہ ضخیم ہے۔ اور ایک جلد کا مجموعہ تالیفات اس کو شامل کرنے کا متحمل نہیں ہو سکتا)۔ (۱۴) رضا خانی افتراءات پر ایک نظر۔ (۱۵) کشف الغطاء عن استدلال الشفاء۔ (۱۶) مسافر کی نماز۔ (۱۷) فرقہ اہل حدیث کی متعصبانہ تیرہویں ذی الحجہ کی قربانی۔

حضرت والا کی جن تالیفات کا ذکر اس باب میں نہیں آیا تھا اور

اب ”آثار خیر“ سے اضافہ کیا جا رہا ہے

ان کی فہرست اور مختصر تعارف حسب ذیل ہے:

(۱) تالیف نمبر ۳۱..... تفسیری نکات:

حضرت والا قرآن مجید کا درس دینے کے لئے مختلف تفاسیر کے اشارات نوٹ فرمایا کرتے تھے۔ یہ ان اشارات کا پیش بہا علمی خزانہ ہے، جن سے ذی استعداد صاحب علم حضرات مفصل تفسیر بھی تیار کر سکتے ہیں۔ اور درس قرآن مجید دینے کے لئے بھی بھرپور استفادہ کر سکتے ہیں۔ شروع میں تمہید کے اشارات ہیں، یعنی مبادی متعلقہ ترجمہ قرآن مجید، ال کے بعد سورہ فاتحہ کی تفسیر کے اشارات ہیں۔ اور تعوذ و تسمیہ سے شروع ہوتے ہیں۔ اس کے بعد سورہ بقرہ شروع ہوتی ہے۔ اور پارہ اول کے اواخر (آیت نسخ وغیرہ) تک کے تفسیری اشارات ہیں۔ یہ اشارات کتاب کے ص ۳۰ سے ص ۱۱۳ تک آئے ہیں۔ اور حضرت والا کی اپنی تحریر کا عکس لیا گیا ہے۔ مختصر تعارف میں ان کی افادیت کو بیان کرنے کا حق ادا کرنا مشکل ہے۔ اہل علم ان کو دیکھ کر خود ہی اندازہ لگا سکتے ہیں۔ ان تفسیری اشارات نے ”آثار خیر“ کی زینت کو چار چاند لگا دیئے ہیں۔ چنانچہ حضرت مولانا محمد حنیف صاحب زید مجدہ نبیرہ حضرت والا دہمتم جامعہ خیر المدارس نے اپنے پیش لفظ کے ص ۲۳ پر ان کے تعارف میں خوب فرمایا ہے کہ ”حضرت والا کے تفسیری افادات میں پارہ اول کی غیر مطبوعہ تفسیر اہل علم کے لئے نہایت مفید اور نفع بخش کے لئے پیش بہا علمی خزانہ ہے، جس میں متقدمین کی تفسیری کتب کا عطر و خلاصہ نہایت جامعیت سے آ گیا ہے۔“

(۲) تالیف نمبر ۳۲..... درس قرآن مجید:

یہ صرف چار صفحات کا ایک درس ہے، جو تفسیر کی تمہید کے طور پر بیان کیا گیا ہے۔ لیکن ناتمام ہے۔ اس کے ماقبل بھی کوئی درس گزرا ہے، جو شاید ضبط نہ ہوا ہوگا۔ اور اس کے مابعد کا حصہ بھی باقی ہے۔ بہر حال یہ مبادی متعلقہ تفسیر قرآن مجید

کے درس کا ایک نمونہ ہے۔ غالباً تفسیری نکات (اشارات سے اس کی تکمیل کی جاسکے)۔

مندرجہ ذیل تالیفات کا نام ہی تعارف کے لئے کافی ہے۔ اس لئے صرف اسی پر اکتفاء کیا جاتا ہے:

(۳) تالیف نمبر ۳۳..... مسئلہ تقلید پر بعض شبہات اور ان کے جوابات۔

(۴) تالیف نمبر ۳۴..... بیس رکعت تراویح سنت ہیں۔

(۵) تالیف نمبر ۳۵..... مسائل صلوٰۃ تراویح۔

(۶) تالیف نمبر ۳۶..... خیر الافادات والحسنات:

یہ (خیر الافادات والحسنات) دو اہم ملفوظ دو صفحات میں ہیں۔ ایک صفائی معاملات اور دوسرا اہل اللہ پر اعتراض کے وبال سے متعلق ہے۔ یہ ان ملفوظات کے علاوہ ہیں جن کا ذکر اس باب میں تالیف نمبر ۷ پر کیا ہے۔

(۷) تالیف نمبر ۳۷..... ارشادات:

یہ حضرت حاجی محمد شریف صاحب کی تالیف ”مکتوبات و ملفوظات اشرفیہ“ سے لئے گئے ہیں۔ ان میں بعض حضرت حاجی محمد شریف صاحب کے مکاتیب کے جواب میں حضرت والا کے اصلاحی ارشادات، بعض مسائل اور بعض دوستانہ گفتگو پر مشتمل ہیں۔ ان میں سے بعض ”خیر السوانح“ کے متعلقہ ابواب میں نقل بھی کئے گئے ہیں۔

(۸) تالیف نمبر ۳۸..... جمعہ فی القریٰ:

اس کا ذکر اب تک اس باب میں بطور تالیف تو نہیں آیا تھا، البتہ باب ۱۳/ استفاضہ باطنی میں اس موضوع پر حضرت والا کے سوالات اور حضرت حکیم الامت کے جوابات بعنوان ”اشرف المجادلات وخیر المناظرات“ آئے ہیں۔

(۹) تالیف نمبر ۳۹..... فقہ حنفی کی امتیازی شان

(۱۰) تالیف نمبر ۴۰..... فقہ حنفی کی خصوصیات

(۱۱) تالیف نمبر ۴۱..... حضرت امام اعظم کے مختصر حالات

(۱۲) تالیف نمبر ۴۲..... اساتذہ مدارس عربیہ کی خدمت میں چند معروضات اور طریق تعلیم درجات عربیہ

(۱۳) تالیف نمبر ۴۳..... رمضان المبارک کے حقوق و فضائل

(۱۴) تالیف نمبر ۴۴..... اللہ تعالیٰ سے تعلق قائم کرنے کا طریقہ

(۱۵) تالیف نمبر ۴۵..... دنیا دار مجاہدہ ہے اور آخرت دار مشاہدہ ہے

(اگر مواضع ضبط ہوتے تو خاصی بڑی تعداد ہو جاتی، تاہم جو ضبط ہوئے ہیں وہی شائع ہو جائیں تب بھی خاصی تعداد ہو سکتی ہے)

(۱۶) تالیف نمبر ۳۶..... الخیر دائمی جنتری:

لمتان اور گردونواح والوں کے لئے میقات الصلوٰۃ والصیام ہے، یعنی نماز اور سحری و افطار کے اوقات دیئے گئے ہیں۔ اور پاکستان کے دوسرے شہروں سے جو فرق ہے وہ بھی ذکر کیا گیا ہے۔^۱

خاتمة الباب^۲

اس کے علاوہ آپ کے خادم خاص مولانا حافظ عبدالشکور صاحب سے معلوم ہوا کہ اواخر عمر میں غیر مقلدین سے متعلق حضرت والا کوئی نئی تصنیف تحریر فرما رہے تھے اور فارغ اوقات میں اکثر اوقات اس پر صرف فرماتے۔ لیکن غالباً یہ کتاب مکمل نہ فرما سکے اور نہ ہی یہ کتاب طبع ہوئی^۳ ہے۔ اس کے علاوہ ”اشرف السوانح“ ج ۳، ص ۶۹۷ پر حضرت حکیم الامت سے یہ منقول ہے: ”مولوی خیر محمد صاحب نے ”الاقتصاد“ کی تسہیل کا عزم ظاہر کیا۔“ (معلوم نہیں ہوسکا یہ کونسا رسالہ ہے۔ تالیف نمبر ۲۳ پر جو ”خیر الارشاد الخ“ کا ذکر آیا ہے، قافیہ سے شبہ ہوتا ہے کہ شاید یہی ”الاقتصاد“ کی تسہیل ہو، واللہ اعلم۔ ۱۷)

” (۱۱۶) نیز موصوف نے رسالہ ”الادراک والتوصل“ کو اپنی عبارت میں شائع کرنے کا سلسلہ شروع کر دیا۔^۴

در اصل حضرت والا کا رجحان تصنیف و تالیف کی طرف چنداں زیادہ نہ تھا۔ فرمایا کرتے تھے کہ حضرت حکیم الامت قانوی نے جس قدر تصانیف فرمائی ہیں وہ ایک صدی تک کے لئے کافی ہیں۔ پھر کتاب تصنیف کرنے میں کیوں دماغ سوزی کی جائے۔ تاہم حضرت والا نے جس قدر تصانیف چھوڑیں ان کے بارے میں آپ کے خوب جوش حضرت عارف باللہ سیدی و مرشدی مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی نور اللہ مرقدہ کا یہ جملہ آب زر سے لکھنے کے قابل ہے: ”آپ کی علمی تصانیف بھی سبھی اہل علم و عوام کے لئے ایک بیش بہا علمی خزانہ ہیں۔“

۱۔ انکے شروع میں کچھ مسائل بھی دیئے ہیں لیکن وہ حضرت والا کی طرف سے نہیں ہیں بلکہ محترم مولانا مفتی محمد انور صاحب نے تحریر فرمائے ہیں۔ ۱۲-ع۔

۲۔ جو کہ ہے ”خیر البرصین“ جو حضرت والا کے بعد شائع ہوئی۔ (۱۲)

۳۔ یہ مولانا نور کے ناشر ایم ثناء اللہ خان اینڈ سنز والے نسخہ کا ہے۔ اور تالیفات اشرفیہ لمتان والے نسخہ میں ص ۳۷۰ ہے (اب متفرقات۔ زیر عنوان فہرست تالیفات ذیلی عنوان ”تفصیل التالیفات“ حضرت صاحب سوانح ص ۱۱۵، ۱۱۶۔ ۱۲)

۴۔ جیسا کہ پہلے تالیفات نمبر (۲۶) گذرا۔ غالباً یہ وہی رسالہ ہے جو ”آثار خیر“ میں حضرت والا کی عبارت میں مسئلہ توسل کی صحیح حیثیت کے نام سے شائع ہوا۔ اصل رسالہ ”الادراک والتوصل الی حقیقۃ الاشراک والتوصل“ نام سے یو اور انوار حصہ دوم میں ص ۷۰۶ تا ۷۱۱ پر ہے (۱۲)

باب ہیز و ہام (۱۸)

کرامت و استقامت

أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ. بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ. إِنَّ الدِّينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلَائِكَةُ أَنْ لَا تَخَالُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَبْشِرُوا بِالْجَنَّةِ الَّتِي كُنْتُمْ تُوعَدُونَ. نَحْنُ أَوْلِيَاكُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ. وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَشْتَهُى أَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَلْعَوْنَ. نَزَّلْنَا مِنْ غَفُورٍ رَحِيمٍ. (حَمَّ السَّجْدَةِ ۴۱، آيَات ۳۰-۳۲)

(ترجمہ) ”جن لوگوں نے اقرار کر لیا کہ ہمارا رب اللہ ہے، پھر مستقیم رہے، ان پر فرشتے اتریں گے، کہ تم نہ اندیشہ کرو اور نہ رنج کرو۔ اور تم جنت پر خوش رہو جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا۔ ہم تمہارے رفیق تھے۔ دنیوی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی رہیں گے۔ اور تمہارے لئے اس میں جس چیز کو تمہارا جی چاہے گا موجود ہے۔ اور نیز تمہارے لئے اس میں جو مانگو گے موجود ہے۔ یہ بطور مہمانی کے ہوگا غفور الرحیم کی طرف سے۔“

اہل سنت و الجماعت کا عقیدہ ہے کہ کرامات اولیاء اللہ برحق ہیں۔ لیکن اس زمانہ میں جہلاء اور زانقین و مبتدعین نے کرامات وضع کرنے کا باب کھول دیا ہے۔ اور ان کی تشہیر تجارتی انداز میں کر کے اس پاکیزہ شے کو بدنام کر دیا ہے۔ اور ایک دینی بات کو دنیا سمیٹنے کا ذریعہ بنا لیا ہے۔ نیز اس بارے میں عقیدہ میں بہت غلو اور افراط و تفریط میں ابتلاء عام ہو رہا ہے۔ اور چونکہ ان کا تذکرہ لذیذ ہے اور کچھ کرنا بھی نہیں پڑتا، اس لئے اصل اعمال اعتقادی و عملی سے توجہ ہٹا کر ان باتوں کی طرف لگا رکھی ہے۔ اس لئے احقر نے حضرت والا کی سوانح میں کشف و کرامات کا کوئی باب نہیں رکھا، جیسا کہ ”اشرف السوانح“ میں بھی نہیں ہے۔ البتہ اس میں تنقیح کشف و کرامات کا باب ہے۔ مناسب ہے کہ اس باب کو وہاں ملاحظہ فرمایا جائے، تو اس بارے میں کافی بصیرت ہو سکتی ہے۔

ایک بار استاذی المعظم مخدومی حضرت العلامہ مولانا ظفر احمد صاحب عثمانیؒ سے دریافت کیا گیا کہ پہلے بزرگوں میں کرامات (حیہ) کا ظہور بہت ہوتا تھا۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ انہوں نے جو بتایا اس کا حاصل یہ تھا کہ پہلے لوگوں کے توئی بہت مضبوط ہوتے تھے۔ اور سخت مجاہدہ پر حسی کرامات بھی بہت ظاہر ہوتی تھیں۔

عوام میں وہی بزرگ صاحب کرامات سمجھے جاتے ہیں جن سے حسی کرامات کا ظہور ہوتا ہو۔ حالانکہ حسی کرامات

معنوی کرامات کا درجہ زیادہ ہے۔ اور جو اکابر اولیاء اللہ مثلاً مجددین اور ائمہ مجتہدین ہوئے ہیں، ان کی بھی حسی کرامات سے معنوی کرامات زیادہ ہیں۔ مثلاً حضرت حکیم الامت تھانویؒ، حضرت سید احمد بریلویؒ، حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ، حضرت مجدد الف ثانیؒ، حضرت غوث اعظم سید عبدالقادر جیلانیؒ، حضرت امام غزالیؒ اور حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ جیسے مجددین یا ائمہ فقہاء اربعہ۔ البتہ حضرت سید عبدالقادر جیلانیؒ استقامت اور معنوی کرامات کے ساتھ حسی کرامات کے بھی جامع تھے۔ یعنی حسی کرامات بھی آپ سے بکثرت ظاہر ہوئیں۔ لیکن آپ کا بھی علمی، اصلاحی اور تبلیغی خدمات اور معنوی کرامات واستقامت کا درجہ ظاہر ہے آپ کی حسی کرامات سے بڑھا ہوا ہے۔ البتہ مبتدعین نے جو بعد میں آپ کی کرامات تصنیف کر لی ہیں، یہاں وہ خارج از بحث ہیں۔

”اشرف السوانح“ میں ہے: ”اکابر نے تصریح کی ہے کہ کرامت کا درجہ ذکر لسانی سے بھی متاخر ہے۔“

البتہ معنوی کرامت حسی کرامت سے بڑھ کر ہے۔ اور وہ بزرگوں کی علمی، دینی، اصلاحی و تبلیغی خدمات ہیں۔ اور ان کی صحبت کی برکت ہے جس کے اثر سے انسان کی جلد ہی کا پلٹ جاتی ہے۔ بشرطیکہ اس میں کم از کم ادنیٰ درجہ کی طلب تو ہو۔ یعنی طلب اصلاح، طلب آخرت اور تعلق باللہ پیدا ہونے کی طلب ہو۔

محققین کے نزدیک اصول مسلمہ میں سے ہے کہ الاستقامة فوق الكرامة. استقامت کرامت سے بڑھ کر ہے۔ استقامت کی وہ فضیلت ہے جس کا ذکر مذکورہ بالا آیات کریمہ میں کیا گیا ہے۔

حضرت جنید بغدادیؒ جیسے ولی کامل اور شیخ محقق کامل کی خدمت میں ایک شخص عرصہ دراز تک رہا۔ آخر رخصت ہونے لگا تو کہا کہ میں تو آپ کی شہرت سن کر آیا تھا، لیکن میں نے آپ میں کوئی کرامت نہیں دیکھی۔ آپ نے دریافت فرمایا کہ کیا تم نے اتنے عرصہ میں میرے اندر کوئی بات خلاف سنت دیکھی۔ عرض کیا کہ نہیں۔ فرمایا: پھر اس سے بڑھ کر کیا کرامت ہوگی کہ اتنے عرصہ میں کوئی بات خلاف سنت نہیں دیکھی۔

گویہ واقعہ مشہور و معروف ہے، لیکن توضیح و بصیرت کے لئے نقل کر دیا ہے۔ ہم نے اپنے حضرت والاؒ کو کبھی اس نظر سے نہیں دیکھا کہ کوئی کرامت تلاش کریں۔ اس لئے کہ آپ کی پوری زندگی اتباع سنت کا نمونہ تھی۔ اور علمی، دینی، اصلاحی، تبلیغی و تدریسی خدمات میں گزری۔ عمر بھر ایسی استقامت پر ہزار ہا کرامتیں قربان ہیں، جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو پھلائی فرمایا منظور ہوتا ہے، اس کو دینی سمجھ عطا فرما دیتا ہے۔ من یرد اللہ بہ خیراً یفقهہ فی الدین۔

رسالہ تعلیم الدین میں حضرت حکیم الامت مجدد تھانویؒ فرماتے ہیں: ”فضیلت کا مدار قرب الہی و اخلاص عبادت پر ہے۔۔۔۔۔ خرق عادت کا رتبہ ذکر قلبی سے بھی کم ہے۔ صاحب عوارف نے غیر اہل خوارق کو اہل خوارق سے افضل کہا ہے۔“

۱۔ آئے تعلیم الدین سے اقتباس میں آ رہا ہے۔ کہ ”خرق عادت کا رتبہ ذکر قلبی سے بھی کم ہے۔“ لیکن ان دونوں میں تضاد نہیں بلکہ توافق اس طرح سمجھ میں آتا ہے۔ کہ ان دونوں میں سے ہر طرح کے ذکر کا رتبہ کرامت و خرق عادت سے بڑھ کر ہے۔ (آ۱)

عارفین کی بڑی کرامت یہ ہے کہ شریعت پر مستقیم ہوں اور بڑا کشف یہ ہے کہ طالبان حق کی استعداد معلوم کر کے اس کے موافق ان کی تربیت کریں۔“

چنانچہ ہمارے حضرت والا کی روز روشن کی طرح واضح دین میں استقامت اور دینی برکت، افادات و اناضات اصلاحیہ و علمیہ و عملیہ اور معنوی کرامات تعلیم اور تبلیغ و دعوت اور تزکیہ نفوس کے ہوتے ہوئے حسی کرامات کے تلاش کرنے کی ضرورت تو نہیں، تاہم بعض عجیب واقعات انعامات الہیہ، مبشرات منامیہ اور بیداری کے بعض عجیب واقعات ذکر کئے جاتے ہیں، یا گزشتہ اوراق میں آچکے ہیں، یا آئندہ کسی باب میں آنے والے ہیں۔ تو ان کی طرف مختصر اشارہ کیا جاتا ہے۔ علاوہ ازیں دینی فیض و برکت وغیرہ اور بعض معنوی کرامات کی طرف بھی اشارہ ہو جائے گا۔ وہی ہندہ:

(۱) بچپن میں تماشے سے حفاظت:

طقویت کا واقعہ باب سوم میں گزر چکا ہے کہ تقریباً سات سال کی عمر میں سفر کے دوران جنگلی لوگ تماشا کر رہے تھے، تو حضرت والا کو سخت نیند آئی اور بتوفیق الہی منجانب اللہ بیہودہ تماشا دیکھنے سے بچپن میں محفوظ رہے۔ اور سرد رکانات علیہ السلام کے بچپن کے واقعہ سے شبہ نصیب ہوا۔ اتباع سنت والی زندگی گزارنے والے کو بچپن ہی میں بے اختیار اتباع سنت بطور براءۃ الاستہلال کے نصیب ہوا۔ والحمد للہ۔

(۲) جنات میں وعظ:

باب یازدہم (مواعظ حسنہ اور مناظرات) میں گزرا کہ جنات میں حضرت والا کا وعظ ہوا۔

(۳) حضرت والا کی معنوی کرامات (حضرت سید قمر الدین احمد صاحب مدظلہ کا تجربہ):

حضرت والا کے خلیفہ مجاز بیعت حضرت سید قمر الدین احمد صاحب دام ظلہم العالی تحریر فرماتے ہیں:

”بفضلہ تعالیٰ حضرت والا میں حق تعالیٰ نے عجیب قسم کا فہم برکت اور اثر رکھا تھا۔ اس ناکارہ کا تعلق ۱۹۳۶ء میں جانندھر خط و کتابت سے شروع ہوا۔ پہلے عریضہ سے ہی یہ بے نمازی، نمازی ہو گیا۔ اور منہ پر داڑھی بھی آگئی۔ سنت کی پیروی، دین سے محبت، دینداروں سے محبت، خوف خدا، شوق اصلاح، فکر آخرت، دنیا سے بے رغبتی روز بروز شروع ہو گئی۔ اور ہر دن قدم آگے ہی آگے۔ یہی سب حضرت والا کی دعاء و توجہ کا اثر تھا۔ بن دیکھے یہ ایک عجیب کرامت تھی جسے میں اپنے اندر موجزن پاتا تھا۔ اور کسی قسم کی کرامت کا وہم و خیال بھی ساری زندگی نہ آیا۔ بفضلہ تعالیٰ حضرت والا سے محبت و تعلق اور حضرت والا کی معرفت ذریعہ بنتی گئی اپنی اصلاح اور فکر آخرت کا۔ گوجیسی پہچان اور قدر چاہئے تھی اس ناکارہ سے نہ ہو سکی اور یہی حال اصلاح کا ہے۔“

(۴) معنوی کرامت (حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب لدھیانویؒ کے ذہنی انقلاب کا سنگِ بنیاد):

حضرت مفتی صاحب مدظلہ کی تحریر جو باب ۲۲ ”چند خصوصی مقالات“ میں آرہی ہے، اس میں مذکور ہے کہ حضرت والا کا ایک جملہ ارشاد فرمایا کہ ”قلب میں اس کی اہمیت نہیں“ ان کے ذہنی انقلاب کا سنگِ بنیاد ہے (تفصیل ان کے مقالہ میں ملاحظہ فرمائیے) جس کے بعد وہ تصوف کی طرف متوجہ ہوئے اور پھر تو ماشاء اللہ حضرت مولانا شاہ عبدالغنی صاحب پھول پوری نور اللہ مرقدہ کے خلیفہ مجاز بیعت ہوئے۔ اور پھر ”دارالافتاء والا ارشاد“ (ناظم آباد کراچی) میں تعلیم افتاء اور تربیت سالکین دونوں کام کرتے رہے۔ فجزاھم اللہ تعالیٰ خیر الجزاء۔

(۵) جناب منشی عبدالرحمن خان صاحب مرحوم کا مشاہدہ:

محترم منشی صاحب مرحوم نے اپنے مقالہ ”نمونہ اخلاق محمدی“ میں ایک واقعہ کا ذکر فرمایا ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ وہ ایک بار رات کو حضرت والا کے مہمان تھے اور حضرت والا کے کمرہ میں سوئے۔ تہجد حضرت والا کی جائے نماز پر پڑھی۔ صبح کو حضرت والا نے ان کو ایک کتاب دی، جس سے معلوم ہوا کہ اپنے مرشد کی جانماز پر نماز نہ پڑھنی چاہئے۔ جس سے انہوں نے یہ استنباط فرمایا ہے کہ حضرت والا کو کشف سے معلوم ہو گیا تھا۔ گو اس میں یہ احتمال ہو سکتا ہے لیکن عموماً ہمارے سلسلہ میں کشف کوئی بہت کم سنا گیا ہے (کشف کوئی یہ کہ بعد مکانی یا زمانی اس کے حجاب نہ رہے۔ کسی چیز کا حال معلوم ہو جاوے۔ تعلیم الدین، سلوک و مقامات تیسرا باب) اور اس کا درجہ بھی ہمارے حضرت والا کے رفیع حالات سے بہت فرور ہے۔ بلکہ یہ ہو سکتا ہے کہ الہام یا القاء ہو کہ یہ ہمارے اکابر میں بکثرت پایا گیا ہے۔ (الہام یہ ہے کہ صوفی کے دل پر اطمینان کے ساتھ کوئی علم القاء ہو۔ کبھی ہاتھ غیبی کی آوازیں لیتا ہے، تعلیم الدین، ایضاً) اور ہمارے حضرات کے رفیع حالات کے مناسب بھی ہے۔ البتہ جیسا کہ پہلے گزرا، تعلیم الدین میں یہ بھی ہے: ”بڑا کشف یہ ہے کہ طالبان حق کی استعداد معلوم کر کے اس کے موافق ان کی تربیت کریں۔“ چونکہ اس واقعہ کو تربیت میں دخل ہے، اس لئے یہ کشف البتہ تربیت میں مفید ہونے کی وجہ سے شیخ کامل کی شان کے مناسب و لائق ہو سکتا ہے۔

(۶) احقر کی بھانجی کے لئے دُعاے صحت و خیریت:

احقر کی ہمشیرہ کالندن سے تار آیا کہ ان کی لڑکی (احقر کی حقیقی بھانجی) کی زندگی کے لئے دعا کرو اور کراؤ۔ ۲۱ جمادی الثانیہ ۱۳۹۰ھ کے عریضہ میں حضرت والا سے اس کے لئے دعاء کی درخواست کی۔ جواب میں تحریر فرمایا: ”اللہ تعالیٰ عمر دراز کرے اور نیک کرے، آمین۔“ اس کے بعد احقر نے آخری عریضہ ۱۵ رجب ۱۳۹۰ھ کو تحریر خدمت کیا تھا۔ اس میں

۱۔ کشف کوئی یہ کہ بعد مکانی یا زمانی اس کے لئے حجاب نہ ہے۔ کسی چیز کا حال معلوم ہو جاوے۔ (تعلیم الدین، سلوک و مقامات تیسرا باب)
۲۔ (الہام یہ ہے کہ) صوفی کے دل پر اطمینان کے ساتھ کوئی علم القاء ہو۔ کبھی ہاتھ غیبی کی آوازیں لیتا ہے۔ (تعلیم الدین، ایضاً)۔

ہے: ”خادم نے گزشتہ عریضہ میں اپنی بھانجی کے لئے دعاء کرائی تھی، بجز اللہ اس کے بعد ہی تار اور پھر خط خیریت کا آگیا، جزاکم اللہ تعالیٰ۔“

(۷) رحلت سے قبل بعض عجیب واقعات:

آخری سفر کراچی میں بعض عجیب باتیں ہوئیں اور آخری عریضہ کے جواب میں بھی۔ ان کی تفصیل تو باب علامات سفر آخرت میں آئے گی۔ یہاں صرف اشارہ کیا جاتا ہے:

(۱) آخری عریضہ ۱۵ رجب ۱۳۹۰ھ کو تحریر خدمت کیا تھا۔ اس کے جواب کی آخری ہدایت برائے مطالعہ اکابر جامع شریعت و طریقت صوفیاء عظام کی چند کتب کی فہرست ہے۔ گویا یہ جامع وصیت ہو گئی۔ اور آخر میں حضرت والہ کے دستخط ہیں جو اصلاحی خطوط کی جوابی ہدایات میں عام معمول نہیں تھا، بلکہ ایسا بہت کم ہی ہوتا تھا۔

(۲) حضرت والہ نے خادم کو مدرسہ نیوٹاؤن سے رخصت لے کر ساتھ چلنے کو فرمایا۔ یہ حضرت والہ کے عام معمول کے خلاف بات تھی۔

(۳) شام کو خادم کی درخواست پر خادم کے غریب خانہ پر تشریف لے جانے کا فیصلہ فرمایا، حالانکہ وقت تنگ تھا اور جن صاحب کی کار تھی وہ ٹالنا چاہتے تھے۔ خادم پر یہ شفقت بھی عجیب ہے۔

(۴) حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ کی زیارت فرما کر رخصت ہونے کے بعد دروازہ سے واپس لوٹ کر دوبارہ رخصت ہوئے۔ (خادم نے سمجھ لیا کہ یہ ان دونوں بزرگوں کی اس دنیا میں آخری ملاقات ہے۔)

(۵) حضرت ڈاکٹر محمد عبدالحی صاحبؒ نے جو حضرت والہ کے بارے میں اپنا خواب بیان فرمایا، سنا ہے حضرت والہ نے اس کی تعبیر یہ لی تھی کہ سفر آخرت قریب آ گیا ہے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

(۶) کراچی سے روانگی سے قبل حضرت والہ سے خادم نے رمضان شریف میں حاضر خدمت رہنے کے لئے اجازت چاہی تو فرمایا کہ تین دن کے لئے آ جانا۔ خادم تو پورے ماہ کے لئے حاضر ہوا کرتا تھا۔ حیرت ہوئی۔ اور وفات کے بعد تین ہی روز کے لئے حاضری ہوئی۔ تب اس کے معنی سمجھ میں آئے۔

(۷) سفر آخرت سے قبل کی عجیب باتوں میں سے اپنی وفات کی خبر دینا بھی ہے۔ حضرت مولانا عبدالحی صاحبؒ کا ۱۳، ۱۲، ۱۱ ذیقعدہ ۱۳۹۰ھ کا گرامی نامہ سامنے ہے۔ اس میں حضرت والہ کے ایک والا نامہ کی نقل بھی ہے جو یہاں درج کی جاتی ہے:

حضرت مولانا عبدالحی صاحب مرحوم (ابن الحاج حافظ عبد الولی صاحب مجاز محبت حضرت حکیم الامت تھانویؒ) نے از کرم حضرت والہ کے اور اپنے آپ کی تعلقات و مراسم اور حضرت والہ کی شفقت و محبت وغیرہ کے کئی واقعات احقر کو تحریر فرمائے تھے۔ لیکن گرامی نامہ میں تحریر واضح ہونے کے علاوہ سیاہی بھی بہت اچھی ہے۔ یاد پڑتا ہے ان دنوں ان کی نگاہ بہت ضعیف ہو چکی تھی۔ اور اب احقر لطف خیر السوانح کی نگاہ بہت کمزور ہو چکی ہے۔ اس لئے اس گرامی نامہ کو باوجود دلچسپی ہونے کے پڑھنا بہت دشوار ہے۔ گویہ واقعات تو لکھنے والے اور پڑھنے والے دونوں کی معذوری کی وجہ سے ہے۔ لیکن عام حالات میں ایسی تحریر سے پرہیز کرنا ضروری ہے۔ جس کا پڑھنا دشوار ہو۔ بلکہ ایسے حالات میں مختصر پراکتفاء کرنا چاہئے۔ (۱۲)

انقل خط مولانا خیر محمد صاحب ناظم خیر المدارس ملتان شہر بنام مولانا ظہور الحسن صاحب کسولوی
مہتمم خانقاہ امدادیہ اشرفیہ تھانہ بھون

مکرم و محترم حضرت مولانا صاحب زادت فیوضکم العالیہ..... السلام علیکم ورحمۃ اللہ
گرامی نامہ پہنچا۔ خیر و عافیت معلوم ہو کر بیکراں مسرت ہوئی، جزاکم اللہ تعالیٰ۔ اللہ تعالیٰ آپ کو تادیر زندہ رکھے
اور آپ کے فیوض کو عام و تام کرے۔ آپ کی وجہ سے آنحضرت حکیم الامت قدس سرہ کی جگہ آباد ہے۔ حق تعالیٰ آپ کے
درجات بلند کرے گا۔ میں کشتی آخرب (پر) سوار ہونے والا ہوں، بے سامان ہوں۔ اعمال صالحہ اور خاتمہ علی الایمان کی
زما کا سخت محتاج ہوں۔ والسلام

عزیزان رشید احمد، محمد شریف، عبدالحق سلام مسنون عرض کرتے ہیں اور دعاؤں کی درخواست کرتے ہیں۔ والسلام
احقر خیر محمد عفا اللہ عنہ از ملتان

۲۹ رجب ۱۳۹۰ھ

اس والا نامہ کی نقل تحریر فرما کر مولانا عبدالحق صاحب فرماتے ہیں: ”۲۰ شعبان ۱۳۹۰ھ کو روانہ ہونے والے مسافر
کس اطمینان و یقین سے ۲۰ یوم قبل یعنی ۲۹ رجب ۹۰ھ کو اپنے مرشد^۱ قدس سرہ کو اپنی حاضری کی اطلاع دے رہے ہیں
(اس سے حضرت مولانا عبدالحق صاحب مرحوم کا ذوق سمجھ میں آتا ہے۔ ویسے حضرت والا کے اس گرامی نامہ میں اپنے مرشد^۲
کو اطلاع دینا تو ظاہر نہیں ہوتا۔ والا نامہ تو اپنے مرشد کی خانقاہ کے مہتمم صاحب کے نام ہے۔ واللہ اعلم۔ آ)“

اولئک آبائی فجئنی بمثلہم اذا جمعنا یا جریر المعجم

بعد وفات بشارات منامیہ کے علاوہ دو واقعات بیداری کے معلوم ہوئے، جن میں سے اول خصوصاً اہم ہے اور
اس میں الحمد للہ بڑی بشارت ہے۔

(۸) بیداری میں حکیم سید ابراہیم صاحب کا مشاہدہ:

حضرت حکیم سید ابراہیم صاحب رزمی نے بیداری میں نماز پڑھتے ہوئے حضرت والا کے جنازہ پر حضور ﷺ کو
کچھ نبوی شریف کی محراب میں نماز جنازہ پڑھاتے ہوئے دیکھا۔ اس واقعہ کی تفصیل ”باب علالت و سفر آخرب“ کے آخر
میں ملاحظہ فرمائیے۔

۱ لفظ (پر) کا اضافہ آزاد۔

۲ حضرت مولانا عبدالحق صاحب مرحوم کا ذوق سمجھ میں آتا ہے۔ ویسے حضرت والا کے اس گرامی نامہ میں اپنے مرشد کو اطلاع دینا تو ظاہر نہیں ہوتا۔ والا نامہ تو اپنے مرشد کی خانقاہ
کے مہتمم صاحب کے نام ہے۔ واللہ اعلم (۱۲)

(۹) ڈاکٹر محسن رضا صاحب زاد مجدہ کی روایت:

اس کی تفصیل بھی باب علالت و سفر آخرت کے آخر میں ملاحظہ فرمائیے کہ ڈاکٹر محسن رضا صاحب زاد مجدہ حضرت والا کی قبر کی زیارت کرنے گئے تو بیداری میں حضرت والا کو اپنی طرف آتے ہوئے دیکھا۔ ڈاکٹر صاحب نے مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھائے تو حضرت والا غائب تھے۔

(۱۰) حکیم امیر علی قریشی صاحب کی روایت:

لیکن چلتے چلتے ایک روایت حکیم امیر علی قریشی (عرف استغفر اللہ) مدظلہ مقیم مدینہ منورہ کی بھی ملاحظہ فرماتے جائیے۔ وہ فرماتے ہیں: ”سائیں طور شاہ صاحب کی وفات کے بعد حضرت مہتمم صاحب نے مجھے ان کے کمرہ میں بلایا اور میری جتنی چیزیں تھیں جو میں نے ہدیہ ویسے سائیں طور شاہ صاحب کو دی ہوئی تھیں وہ سب کی سب مجھے واپس فرمادیں۔ ایک دفعہ حضرت لاہورئی جب آئے تو سائیں طور شاہ صاحب نے مجھ سے ایک ڈیڑھ روپیہ لے کر ہدیہ دیا تھا، وہ بھی مجھے حضرت مہتمم صاحب نے واپس کر دیا اور ایک گرم ٹوپی تھی اور ایک نسخہ کریم اور خدام الدین کے رسائل، یہ سب چیزیں مہتمم صاحب نے مجھے واپس کیں۔ میں حیران ہوا کہ یا اللہ! یہ ہم یا سائیں صاحب جانتے تھے۔ مہتمم صاحب کو کیسے پتہ چلا؟ اس طرح چھانٹ کر دیں جیسے علیحدہ رکھی ہوئی ہوں۔“

احقر مؤلف کہتا ہے کہ حضرت والا کے منسبین کو کرامات کی فہرست تطویل کرنے کا بالکل شوق نہیں۔ اس واقعہ کی علت کو کشف یا الہام ہونا ممکن ہے، لیکن یہ بھی احتمال ہے کہ حضرت سائیں طور شاہ صاحب نے حضرت والا کو وصیت کر دی ہو کہ یہ اشیاء فلاں فلاں حضرات کی ہیں، ان کو پہنچا دیجئے۔

اصلی اور وزنی کرامات وہی معنوی کرامات اور استقامت ہیں۔ ایسی حسی کرامات ان کے سامنے ہیج ہیں۔ البتہ ان میں حقوق العباد کی ادائیگی کا اہتمام ضرور اہم ہے۔ اس طرح ہمارے اکابر کی حسی کرامات بھی معنوی سے مرکب ہو جاتی ہیں۔

اس باب سے متعلق مکرئی بھائی ماسٹر اقبال قریشی صاحب زاد مجدہ نے جو تحریر فرمایا ہے، اب وہ ملاحظہ فرمائیے:

کرامت:

اتباع سنت خیر الانام صلی اللہ علیہ وسلم پر مداومت سے بڑھ کر کوئی کرامت نہیں۔ اَلْاِسْتِقَامَةُ فَوْقَ الْكِرَامَةِ مگر بزرگوں سے بعض اوقات اتباع سنت کے ثمرہ میں حق سبحانہ و تعالیٰ کرامت کا ظہور بھی کر دیتے ہیں، جس سے انکار کی بھی کوئی گنجائش نہیں۔ گو خدام نے حضرت والا کو کبھی اس نظر سے نہیں دیکھا، مگر کچھ واقعات اس قسم کے ہوئے جن سے آپ

کی کرامت کا اندازہ بھی ہو سکتا ہے۔ مثلاً حضرت قمر الدین شاہ صاحب لکھتے ہیں:

میری تبدیلی نیوسنٹرل جیل ملتان سے روالپنڈی ہو گئی تو میں نے عریضہ لکھا کہ میرا جی ملتان واپس آنے کو چاہتا ہے۔ حضرت نے تحریر فرمایا: ”ان شاء اللہ ایسا ہی ہوگا۔“ پس اس دُعا کے بعد میرے آرڈر نیوسنٹرل جیل ملتان میں واپسی کے ہو گئے۔ اسی طرح مولانا حافظ عبدالشکور صاحب کی شادی میں آپ کو جانا تھا۔ آپ کے بازو میں شدید تکلیف تھی۔ آپ نے دو اکانے کے بعد چلتے ہوئے فرمایا ”ان شاء اللہ اب درد نہیں ہوگا۔“ واقعی اس کے بعد بازو میں درد کبھی نہیں ہوا۔ اسی طرح حضرت سید قمر الدین شاہ صاحب کو اللہ پاک نے ایک لڑکا دیا تو انہوں نے اس کی طول عمری، عالم باعمل ہونے کی دُعا کے ساتھ نام تجویز کرنے کی درخواست کی، تو حضرت والا نے صرف اس قدر تحریر فرمایا: ”فخر الدین احمد یا قمر الدین احمد۔“ حضرت شاہ صاحب مدظلہ کے دل میں خیال آیا کہ چونکہ حضرت والا نے دُعا نہیں فرمائی۔ اس لئے بیٹا یا باپ دونوں میں سے ایک اس فانی دنیا سے چلا جائے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ کچھ عرصہ بعد بچہ کا انتقال ہو گیا۔ انا اللہ وانا الیہ راجعون۔ اسی طرح حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ بندہ نے ممتاز آباد کالونی ملتان میں ڈی ٹائپ کوارٹر لٹ کر لیا۔ اور چھوٹے سے پلاٹ میں پانچ چھوٹے کمرے تعمیر کرائے۔ اس پر حضرت والا نے مزاحاً فرمایا: ”آپ نے تو کوٹھی تعمیر کرنی۔“ اس طرح اس دن سے وہ کوارٹر کوٹھی کے نام سے پکارا جانے لگا۔ اور حیرت یہ ہے کہ اس کا کرایہ بھی آج تک کوٹھی ہی کے برابر مل رہا ہے۔
والحمد لله على ذلك۔

بڑی معنوی کرامت..... مدرسہ خیر المدارس کا قیام:

عارف باللہ حضرت حاجی شیر محمد صاحب (خلیفہ ارشد حضرت حکیم الامت تھانوی) نے اپنے والا نامہ میں اس ناچیز کو تحریر فرمایا تھا: ”باقی ان کی کرامت کا بڑا واقعہ احقر کے خیال ناقص میں مدرسہ خیر المدارس کا قیام ہے۔ اس مدرسہ سے بالندھ اور ملتان میں بفضلہ تعالیٰ جو کام ہوا ہے اور ہو رہا ہے، یہ ان کی میرے خیال ناقص میں بہت بڑی کرامت ہے۔“

باب نوز و ہام (۱۹)

اہل و عیال (خیر العیال)

ازواج محترمت:

حضرت والّا نے کل تین نکاح فرمائے۔

نکاح اوّل اور محترمہ زوجہ اولیٰ مرحومہ سے حضرت والّا کی اولاد:

نکاح اوّل کا حال حضرت والّا نے اس طرح تحریر فرمایا ہے: ”اسی سال ۱۳۲۳ھ (۱۹۰۶ء) میں میری شادی سہ ماہی اللہ دی بنت عموی کرم الدین صاحب سے ہوئی تھی۔ عمر وال بلہ کی مسجد میں نکاح حضرت مولانا عبداللہ صاحب چند بانوی مدرس مدرسہ رشیدیہ نکودر نے پڑھایا۔ ہمارے گاؤں میں ماموں شاہ محمد صاحب مرحوم کی کوشش سے یہ پہلی شادی رسومات مروجہ سے خالی ہوئی تھی۔ من سن سنة حسنة فله اجرها واجر من عمل بها۔ رات کو ماموں صاحب مرحوم کے مکان کی چھت پر مولانا غلام رسول صاحب سکنہ ہر ووسنگہ کا وعظ ہوا، جس میں سنت طریق کے مطابق شادی کے طریق و آداب بتلائے گئے تھے۔“

حضرت والّا نے اپنی بیاض میں دوھیال کے زیر عنوان اپنے عم محترم کی اولاد کے تذکرہ کے ضمن میں اپنے نکاح کا سال ۱۳۲۳ھ تحریر فرمایا ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ نکاح اوّل ۱۳۲۳ھ یا اوّل ۱۳۲۴ھ میں ہوا ہوگا۔ جیسا کہ آگے لکھی تخمیناً ۱۳۲۳ھ تحریر فرمایا ہے۔ چنانچہ عموی صاحب کرم الدین کے تذکرہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ ان کی صرف ایک صاحبزادی تھیں، جن کا ”نکاح تخمیناً ۱۳۲۳ھ میں احقر خیر محمد عفا اللہ عنہ سے ہوا تھا۔ اس کے بطن سے تین لڑکے رشید احمد، محمد شریف، عبدالحق پیدا ہوئے تھے۔“ اور ایک لڑکی جس کا نام عائشہ تھا، وہ بچپن میں فوت ہو گئی تھی۔“

اس کے بعد مذکور ہے ”۱۹۳۰ء (۱۳۴۸-۴۹ھ) میں کرم الدین نے اپنی زمین عمر وال بلہ والی اپنی لڑکی (یعنی اہلیہ محترمہ حضرت والّا) کے نام ہبہ کر دی، جو اس کے انتقال کے بعد احقر کے تینوں لڑکوں رشید احمد، محمد شریف، عبدالحق کے نام منتقل ہو گئی۔ پاکستان بننے کے بعد اسی کے عوض میں بستی نوضلع ملتان میں زمین ملی۔“

وفات زوجہ اولیٰ:

حضرت والّا نے اپنی زوجہ اولیٰ محترمہ کی وفات کا حال اس طرح تحریر فرمایا ہے: ”۱۳۵۱ھ، ۱۹۳۲ء، ۱۳۵۲ھ

۱۔ ان کے علاوہ فرزند چہارم انوار الحق بچپن ہی میں فوت ہو گئے تھے جیسا کہ آگے ”اولاد اخیار“ کے تذکرہ میں آ رہا ہے۔

۱۹۳۳ء میں زوجہ ام اولیٰ چک نمبر ۴۰ فتح علاقہ چشتیاں میں فوت ہوئی۔ اللہم اغفر لہا۔“

عقد ثانی:

حضرت والّا کے برادر عزیز حضرت مولانا حافظ غلام محمد صاحب نے حضرت والّا کو چند وصیتیں کی تھیں، جن میں

ایک یہ بھی تھی:

”اپنی اہلیہ کے متعلق وصیت کی کہ اس کی رعایت اور نگہبانی رکھنا۔ اگر یہ خود چاہے تو والد صاحب کے پاس اس کو

چک نمبر ۴۰ فتح اس کو کٹھا جدا ہنا دینا۔“

پوری رعایت اور نگہبانی پردہ میں دشوار ہے۔ محرم ہو کر بدرجہ اتم نگہداشت ہو سکتی ہے۔ چنانچہ ہو سکتا ہے کہ یہ

وصیت ہی اس کا باعث ہو کہ حضرت والّا نے ان سے نکاح فرمایا، جس کا تذکرہ حضرت والّا نے اس طرح فرمایا ہے: ”اسی

اثناء میں ۲ شعبان ۱۳۳۹ھ مطابق ۲۳ دسمبر ۱۹۳۰ء بروز سہ شنبہ شام کو بعد نماز عشاء بموجودگی ہر دو مولوی محمد علی صاحبان کے

احقر کا عقد ثانی..... بیوہ برادر م عزیز مرحوم سے ہوا۔ اس وقت جالندھر میں عموی کرم الدین صاحب مرحوم بھی موجود تھے۔

انہوں نے اجازت تو دے دی مگر عقد کے وقت پاس بیٹھنا خلاف مصلحت سمجھا۔“

حضرت والّا کی اولاد از محترمہ زوجہ ثانیہ مرحومہ:

ان سے تین صاحبزادیاں ہوئیں (اور ایک صاحبزادہ جو کہ بچپن ہی میں فوت ہوئے تھے) چھوٹی صاحبزادی

حضرت والّا کے ربیب عبداللطیف اختر صاحب کے نکاح میں ہیں۔ منجھلی جو وفات پا گئیں، ان کا نکاح حضرت مولانا صوفی

محمد سرور صاحب مدظلہ سے ہوا تھا۔ بڑی صاحبزادی مولانا حبیب الرحمن صاحب مرحوم (ابن حضرت مولانا محمد علی صاحب

جالندھری) کے نکاح میں تھیں۔^۱

وفات زوجہ ثانیہ:

حضرت والّا نے ”حوادثات“ کے زیر عنوان اپنی زوجہ ثانیہ محترمہ کی وفات کا حال اس طرح تحریر فرمایا ہے:

”مورخہ ۷ صفر ۱۳۷۱ھ مطابق ۸ نومبر ۱۹۵۱ء بروز پنجشنبہ زوجہ ثانیہ ام..... فوت ہوئی۔ اس سے قبل ۱۸ دن سولہ

^۱ کون سے اجازت لینا ضروری نہ تھا۔ ہم محترم اور زوجہ اولیٰ محترمہ کے والد ماجد ہونے کی وجہ سے احتراماً وہاں سے اجازت لی۔ رشتہ میں بڑوں کے احترام کی تعلیم کیلئے یہ مثال قابل اتباع ہے۔ (۱۲)

^۲ ان کے سوا خیر السوانح میں ایک صاحبزادہ کے بچپن میں ہونے کا ذکر حضرت مولانا محمد شریف صاحب جالندھری کے قلم سے لکھا ہے۔ (۱۳) مفسر مرحوم تھا جیسا کہ آ کے آرہا ہے۔ (۱۲)

^۳ حضرت والّا کے ایک یادداشت میں بڑی صاحبزادی اور منجھلی صاحبزادی مرحومہ کے نکاح کی تاریخ آپ نے تحریر فرمائی ہے۔ ”عقد نکاح صلیبہ درتہ مورخہ ۲۹ فروری ۱۹۵۲ء مطابق ۲۴ مئی ۱۳۷۱ھ“ (۱۲)

ہسپتال ملتان میں رہی۔ پھر ایک ہفتہ گھر میں رہ کر فوت ہوئی۔ "اللہ تعالیٰ مغفرت فرمائے (آمین)۔
ان وفات کے تذکروں کے بعد اخیر میں یہ دُعاء ہے:

"اللهم اغفر لهم مغفرة ظاهرة وباطنة وادخلهم مدخل صدق وجنة."

نکاح ثالث:

حضرت والّا ہی کے الفاظ میں: "یہ نکاح ثالث مورخہ ۲۰ جمادی الاخریٰ ۱۳۷۱ھ مطابق ۷ مارچ ۱۹۵۲ء بروز
ہوا۔ نکاح بمقام بستی نو قاری عصمت اللہ صاحب اور فتح محمد اور پیر بخش کی موجودگی میں ہوا۔"
حضرت والّا کی کوئی اولاد زوجہ ثالثہ محترمہ حضرت پیرانی صاحبہ مدظلہا سے نہیں ہے۔

اولاد اخیر

"جیسا کہ پہلے گزرا حق تعالیٰ نے حضرت والّا کو کل پانچ صاحبزادے اور چار صاحبزادیاں عطا فرمائیں جن
میں سے اس وقت صرف ایک صاحبزادی بقید حیات ہیں۔ حق سبحانہ و تعالیٰ ان کی عمر میں برکت فرمائیں اور انہیں حضرت والّا
کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق بخشیں (آمین)۔"

حضرت والّا کے دو صاحبزادوں انوار الحق مرحوم اور منظور الحق مرحوم نے ایک ہی سال کی عمر میں داعی اجل کو لبیک
کہا، انا لله وانا اليه راجعون۔"

چونکہ حضرت والّا کی اولاد ذکور کبار محترمہ زوجہ اولیٰ مرحومہ ہی سے تھی اور اولاد ذکور کبار ہی کا تذکرہ قدرے تفصیل
سے مناسب ہے۔ اس لئے یہاں اصالتاً ان ہی کا قدرے مفصل تذکرہ درج کیا جاتا ہے۔ اور تبعاً ان کے علاوہ باقی اولاد کا
ذکر بھی آ گیا ہے۔ محترمہ زوجہ ثانیہ مرحومہ سے اولاد اناث اور ایک صاحبزادہ (جو بچپن ہی میں فوت ہو گیا تھا) کا مختصر تذکرہ
ازواج محترمت کے زیر عنوان گزر چکا ہے۔ اس لئے یہاں اعادہ کی ضرورت نہیں رہی۔

حضرت والّا کی اولاد از محترمہ زوجہ اولیٰ مرحومہ:

محترمہ زوجہ اولیٰ مرحومہ سے حضرت والّا کے کل چار صاحبزادے ہوئے جن میں سے چوتھے صاحبزادے بچپن ہی
میں فوت ہو گئے تھے۔ بعد میں ایک صاحبزادی بھی بچپن میں فوت ہو گئی تھی۔ جیسا کہ ازواج محترمت کے تذکرہ میں بذیل
نکاح اڈل گزر چکا ہے۔ اب ان میں سے ہر ایک کا مختصر تذکرہ مستقلاً لکھا جاتا ہے، وباللہ التوفیق۔

حضرت مولانا حافظ رشید احمد صاحب جالندھری

حضرت والّا نے اپنی مولید و وفیات کی بیاض میں ان کی ولادت کا ذکر اس طرح فرمایا ہے:

ولادت: ”مورخہ ۱۹ جمادی الاخریٰ ۱۳۳۳ھ مطابق ۴ مئی ۱۹۱۵ء بروز شنبہ بوقت صبح بمقام عمر وال بلہ تحصیل کھور ضلع

جالندھر بر خوردار رشید احمد سلمہ کی ولادت ہوئی، جبکہ احقر مدرسہ اشاعت علوم بریلی میں تحصیل علم میں مشغول تھا اور ہنوز فارغ التحصیل نہ ہوا تھا۔ بر خوردار مذکور کا تاریخی نام محمد مختار ہے۔“

”نقش حیات“ میں یہ جملہ بھی ہے کہ ”اس کی اطلاع سب سے پہلے مولانا مولوی احمد بخش صاحب باہموری نے

بذریعہ خط دی تھی۔“

نیز ایک یادداشت حضرت والّا کی تحریر فرمودہ یہ ملی:

ختم قرآن شریف: ”ختم قرآن رشید احمد سلمہ، مورخہ ۱۶ محرم ۱۳۴۶ھ مطابق ۱۷ جولائی ۱۹۲۷ء بروز یکشنبہ۔“

نکاح: حافظ رشید احمد صاحب مرحوم کے نکاح اول و دوم کے بارے میں ”نقش حیات“ سے کچھ معلوم نہیں ہو سکا۔ البتہ

ان کے نکاح ثالث کے متعلق یہ یادداشت ملی:

”نکاح ثالث رشید احمد سلمہ۔ میانی افغاناں (ضلع ہوشیار پور، انڈیا) میں مورخہ ۲ محرم ۱۳۶۱ھ۔“

اس کے بعد نکاح رابع کی تفصیل بھی معلوم نہیں۔ البتہ حضرت والّا کے برادر عزیز مرحوم کی بڑی صاحبزادی عائشہ

۱۳۷۰ھ میں بیوہ ہو گئی تھیں۔ اور بروایت حضرت مولانا عبدالحق صاحب مدظلہ ”حافظ رشید احمد صاحب کا نکاح خامس عائشہ بی بی

سے سب سے آخر میں ہوا۔ اور عائشہ بی بی کی وفات بھی سب سے آخر میں ہوئی۔“

تعلیم: حافظ صاحب نے مشکوٰۃ شریف تک تعلیم حاصل کی۔ جیسا کہ آگے مکتبہ ماسٹر اقبال قریشی صاحب نے ذکر فرمایا

ہے۔ اور حضرت والّا نے اپنے تلامذہ میں مدرسہ خیر المدارس جالندھر کے طلباء کی فہرست میں نمبر ۵ پر ان کا ذکر فرمایا ہے۔

مدرسہ کی خدمت اور سادہ زندگی:

حافظ رشید احمد صاحب مرحوم مدرسہ خیر المدارس کے ناظم دفتر تھے۔ اور شروع میں دفتر کا کام نبھا کرتے تھے۔ بعد

میں ان کے دوسرے معاون بھی ہوئے۔ مدرسہ کی خدمت میں عمر گزری۔ نہایت سادہ زندگی تھی۔ سائیکل پر آیا جایا کرتے

تھے۔ مدرسہ ہی میں کچے کچے سے مکان میں رہتے تھے جو حضرت والّا کے مکان کے پیچھے کنویں کے قریب تھا۔ کرتہ، شلوار اور

گونا گونے کی بچھلی ٹوپی پہنتے تھے۔ اور کبھی عمامہ بھی باندھتے تھے۔ خاموش طبع اور مرنجاں مرنج تھے۔ مدرسہ خیر المدارس کی

جامع مسجد میں جمعہ کا خطبہ دیتے اور نماز پڑھایا کرتے تھے۔ بلکہ پنج وقتہ نماز بھی پڑھاتے تھے۔ اور تراویح میں شہر کی کسی مسجد میں قرآن مجید سناتے تھے۔

بیعت اور اصلاحی تعلق:

حضرت مجدد الملت حکیم الامت تھانوی نور اللہ مرقدہ سے بیعت تھے اور اصلاحی تعلق مجدد و منا حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب امرتسری رحمۃ اللہ علیہ سے تھا۔

وفات: احقر مؤلف کو ان کی وفات کی خبر سب سے پہلے حضرت سید قمر الدین احمد صاحب مدظلہ العالی نے اپنے ۸ مارچ ۷۷ء کے گرامی نامہ میں (جو بندہ کو ۲۸ محرم ۱۳۹۲ھ کو ملا) اس طرح تحریر فرمائی: ”حضرت مولانا حافظ رشید احمد صاحب کے انتقال کی خبر تو آپ کو معلوم ہوگئی ہوگی۔ اچانک دل کا دورہ پڑا۔ دس پندرہ روز ہو گئے، اس دار فانی سے تشریف لے گئے ہیں۔“ مکرری ماسٹر محمد اقبال قریشی صاحب زید مجد ہم تحریر فرماتے ہیں: ”حضرت حافظ رشید احمد صاحب مرحوم ۱۹ جمادی الاخریٰ ۱۳۳۳ھ کو پیدا ہوئے۔ مدرسہ فیض محمدی جالندھر میں قرآن پاک حفظ فرمایا۔ اس کے بعد مدرسہ خیر المدارس جالندھر میں مشکوٰۃ شریف تک تعلیم پائی اور قیام پاکستان سے ۷، ۸ برس قبل خیر المدارس کے ناظم و محاسب بنے۔ امامت و خطابت کے فرائض بھی آپ ہی کے ذمہ تھے۔ البتہ وعظ حضرت والا یا مولانا محمد شریف صاحب جالندھری فرماتے تھے۔ قیام پاکستان کے بعد خیر المدارس ملتان میں بھی ناظم و محاسب رہے۔ آپ کے تقویٰ و دیانت پر حضرت والا کو پورا اعتماد تھا۔ آخر وقت تک یہی فرائض سرانجام دیتے رہے۔ بروز جمعہ المبارک ۹ محرم ۱۳۹۲ھ کو اچانک دل کا دورہ پڑنے سے رات ہی عدم ہوئے، اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ اپنے والد ماجد نور اللہ مرقدہ کے پہلو میں آرام فرما ہیں۔“

اللہم اغفر له وارحمہ رحمة واسعة (۱۲)

۱ بروایت حضرت مولانا حافظ عبدالحق صاحب جالندھری و حضرت سید قمر الدین احمد صاحب مدظلہ (۱۲)

۲ جغییرہ نمبر۔ (۱۲)

مخدومی المکرم استادی المحترم حضرت مولانا حافظ محمد شریف صاحب جالندھری

حضرت والّا نے اپنی سوانح ”نقش حیات“ میں ان کی ولادت کا تذکرہ اس طرح فرمایا ہے: ”اسی سال یعنی ۲ جمادی الاخریٰ ۱۳۳۶ھ مطابق ۱۶ مارچ ۱۹۱۸ء بروز شنبہ میرا دوسرا بیٹا محمد شریف سلمہ بمقام عمر وال بلہ ضلع جالندھر پیدا ہوا۔

تاریخی نام منظور العلی بن سکتا ہے۔ بشرطیکہ ’الف‘ کو کالعدم قرار دیا جائے۔“

قرآن شریف کی ابتداء کا حال ایک یادداشت میں اس طرح تحریر فرمایا ہے: ”محمد شریف سلمہ نے منڈی صادق منجج میں قرآن پ ۳۰ عم سے شروع کیا۔ مورخہ ۲ ربیع الاول ۱۳۳۲ھ مطابق ۲۳ ستمبر ۱۹۲۵ء چار شنبہ۔“

حضرت والّا کے برادر عزیز حضرت مولانا غلام محمد صاحب کی منجھلی صاحبزادی سے ان کی زندگی میں خطبہ ہو چکا تھا۔ بعد میں ان سے نکاح ہوا۔

پاکستان ہجرت کرنے کے بعد لاہور میں ریس کورس روڈ پر کونٹری نمبر ۱۵ میں قیام ہوا تھا۔ یہیں حضرت مولانا محمد شریف صاحب کی صاحبزادی کی ولادت ہوئی۔ حضرت والّا کے الفاظ میں اس کا ذکر یوں ہے:

”برخورداری..... بنت برخوردار محمد شریف سلمہ اسی کونٹری میں..... سلمہا سے مورخہ ۶ ذیقعدہ ۱۳۶۶ھ مطابق ۲۲ ستمبر ۱۹۲۷ء بروز دو شنبہ پیدا ہوئی۔“

اور حضرت مولانا کی اہلیہ محترمہ کے انتقال کا ذکر ”حوادث“ کے زیر عنوان حضرت والّا نے اس طرح فرمایا ہے:

”۱۳ ذیقعدہ ۱۳۷۰ھ مطابق ۱۷/ اگست ۱۹۵۱ء بروز جمعہ برخورداری..... فوت ہوئی۔“

حضرت مولانا محمد شریف صاحب جالندھری رحمۃ اللہ علیہ سے حضرت والّا کے صاحبزادہ ہونے کی وجہ سے تعلق ہے ہی، وہ احقر کے استاد بھی تھے۔ اور حضرت والّا کی ہدایت پر رمضان المبارک ۱۳۷۸ھ کی تعطیلات میں احقر نے ان سے علامہ محمد بن علی ظہیر نیوی کی تالیف ”آثار السنن“ جس میں حنفیہ کے دلائل کی احادیث اور ان کی تشریح ہے، انہیں سے پڑھی تھی۔

ماشاء اللہ حضرت استادی المحترم کا مختصر مختصر تذکرہ ”ذکر خیر و یاد شریف“ میں کئی اہل علم و اہل قلم حضرات نے تحریر فرمادیا ہے، جس کو جناب حافظ اکبر شاہ صاحب بخاری زاد مجدد نے ترتیب دیا ہے۔ اور یہ کام استادی المحترم رحمۃ اللہ علیہ کے خلف الرشید حضرت مولانا حافظ قاری محمد حنیف صاحب جالندھری سلمہ مہتمم جامعہ خیر المدارس کے زیر اہتمام بخوبی انجام پایا اور حضرت مولانا کی مختصر سوانح شائع ہونے کا یہ کام بہت جلد اور عمدگی سے پورا ہو گیا، والحمد للہ۔

چنانچہ استادی المحترم کا تذکرہ مطالعہ کرنے کے لئے اسی کتاب کا حوالہ دینے پر اکتفاء کیا جاتا ہے۔

البتہ مکرمی ماسٹر محمد اقبال قریشی صاحب زید مجد ہم نے جو ان کے مختصر سوانح تحریر فرمائے ہیں ان کو تو بہر حال لینے کو ضروری چاہتا ہے۔ نیز ان کو نقل کرنے سے قبل ان کی یاد اور ذکر کے لئے دو ایک باتیں تو عرض کرنا ہی ہیں۔

۱۹۸۰ء میں جامع مسجد خیر المدارس میں ان کی زیارت ہوئی، وہ غالباً آخری ملاقات تھی۔ جبکہ انہوں نے احقر کو فرمایا کہ آپ کو صیانت المسلمین کے اجتماع میں شرکت کے لئے لاہور جانا چاہئے تھا۔ احقر نے عرض کیا کہ میری اہلیہ بے ہوش ہو گئی تھیں (فروری ۸۰ء میں چھوٹی اہلیہ کی بڑی بیٹی فوت ہو گئی تھیں۔ پھر ملتان آنے پر اہلیہ ایک روز صدمہ سے بے ہوش ہو گئی تھیں) تاہم انہوں نے فرمایا کہ آپ کو شرکت تو ضرور کرنا چاہئے تھی۔ اس کے بعد جب احقر جدہ نئی ملازمت پر واپس آیا تو ایک جمعہ کو استاذی المحترم حضرت مولانا عتیق الرحمن صاحب مدظلہ کی احقر کو حرم مکی شریف میں زیارت ہوئی۔ انہوں نے فرمایا کہ آپ کو مولانا شریف صاحب کا معلوم ہوا۔ عرض کیا کہ نہیں۔ فرمایا کہ ان کا تو انتقال ہو گیا۔ اس طرح ان کے مکہ مکرمہ میں (۷ ذوقعدہ ۱۴۰۱ھ مطابق ۷ ستمبر ۸۱ء) کو رحلت فرمانے کا حال معلوم ہوا۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُونَ۔

اب حسب سابق مکرمی ماسٹر محمد اقبال قریشی صاحب زید مجدہم کے تحریر فرمودہ مخدومی حضرت مولانا محمد شریف صاحب جالندھری کے مختصر حالات کو جنحیریسیر نقل کیا جاتا ہے:

حضرت مولانا حافظ محمد شریف صاحب جالندھریؒ

مہتمم ثانی جامعہ خیر المدارس ملتان

آپ ۲ جمادی الاخریٰ ۱۳۳۶ھ کو پیدا ہوئے۔ حضرت والد نے اپنی ایک یادداشت میں آپ کے یہ تاریخی نام تحریر فرمائے ہیں: مرغوب حلیم، ظہیر قانع، خیر اشکور، منظور الکل وغیرہ۔

ابتدائی تعلیم و تربیت خیر المدارس ہی میں پائی۔ البتہ مدرسہ رائے پور گوجراں میں چند ابتدائی فارسی کتب پڑھیں۔ قرآن پاک بھی خیر المدارس ہی میں حفظ فرمایا۔ سوائے دورہ حدیث شریف کے بقیہ درس نظامی کی کتب عربی مدرسہ خیر المدارس جالندھر میں مکمل کیں۔ اور آپ نے شوال ۱۳۶۰ھ میں جامعہ قاسمیہ دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لے کر پاکستان بننے سے قبل ہی ۱۳۶۱ھ میں دورہ حدیث کر کے سند فراغ حاصل کی۔ آپ کے اساتذہ میں شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ، شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی، صدر مہتمم، شیخ الادب حضرت مولانا اعجاز علی صاحب، جامع المعقول والمنقول حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب بلیاوی اور مفتی اعظم پاکستان حضرت اقدس سیدی مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی رحمۃ اللہ علیہم اجمعین جیسے اکابر اور نادر روزگار ہستیاں شامل ہیں۔

حضرت والد کے ایماء اور اجازت سے آپ نے اصلاح و بیعت کا تعلق حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند سے قائم فرمایا۔ وصال سے دو سال قبل خود حضرت والد نے بھی آپ کو دست بدست بیعت کی سعادت عظمیٰ سے مشرف فرمایا۔ حضرت والد کے وصال کے بعد حضرت حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحب نے آپ کو اجازت

بیت و تلقین بھی عطا فرمادی۔ فالحمد لله على ذلك.

آپ کا تدریسی تجربہ تقریباً ۳۶ برس کے لگ بھگ بلکہ اس سے بھی زائد ہوگا۔ حضرت والا کے وصال سے تقریباً سات آٹھ برس پہلے سے خیر المدارس کا اہتمام حضرت والا کی زیر نگرانی آپ ہی سرانجام دیتے تھے۔ اور نائب مہتمم کے عہدہ جلیلہ پر فائز تھے۔ حضرت والا کے وصال کے بعد خیر المدارس جیسی عظیم ترین دینی درسگاہ کے اہتمام کی ذمہ داری آپ ہی پر پڑی۔ اور بفضلہ تعالیٰ آپ نے اسے باحسن وجوہ نبھایا۔ آپ کے زمانہ میں خیر المدارس میں تعلیمی ترقی کے علاوہ تعمیر ترقی بھی کافی ہوئی اور متعدد کمروں کا اضافہ ہوا۔ اس امر کی شہادت حضرت حکیم الاسلام کی رائے سے ہوتی ہے جو آپ نے خیر المدارس ملتان کو اپنے قدوم مینست لزوم سے شرف بخشنے کے بعد تحریر فرمائی۔ فہو ہذا:

”بسم الله الرحمن الرحيم. نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم. آج بتاریخ ۲۳ جمادی الاولیٰ ۱۳۹۸ مدرسہ خیر المدارس میں حاضری ہوئی۔ مقصد حضرت مولانا خیر محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تعزیت تھی۔ ضمناً مدرسہ کا عظیم الشان جلسہ بھی رکھا گیا جس میں طلباء کی ایک کثیر تعداد کی دستار بندی ہوئی۔ خوشی اس بات کی ہے کہ بانی مدرسہ حضرت مولانا خیر محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد ان کے اخلاف رشید نے اس علمی کارخانہ کو اسی آب و تاب کے ساتھ قائم رکھا بلکہ ترقی دی۔ مولانا محمد شریف صاحب خلف الرشید حضرت مولانا مرحوم کی سیادت میں بھی مدرسہ بدستور ترقی پذیر ہے، الحمد لله ثم الحمد لله۔ دُعا ہے کہ حق تعالیٰ اس صدقہ جاریہ کو قائم و دائم رکھے، آمین۔“

محمد طیب

رئیس جامعہ دارالعلوم دیوبند

“ ۲۳-۵-۹۸ھ

جامع مسجد خیر المدارس میں آپ ہی بروز جمعہ وعظ بیان فرماتے تھے۔ حضرت والا کی حیات طیبہ کے آخری دور میں یہ خدمت آپ ہی کے ذمہ تھی۔ نیز حضرت مولانا جہاں اپنے والد ماجد کے لگائے ہوئے پودے (خیر المدارس) کی آبیاری فرماتے رہے ہیں، وہاں حضرت والا کے اصلاح و تربیت کی نیابت کا حق بھی ادا فرماتے تھے۔ حضرت والا کی حیات طیبہ کے زمانہ کی طرح آپ کے بعد بھی حضرت مولانا نے اپنے زیر نگرانی حضرت حکیم الامت مولانا تھانویؒ کے مواعظ و لفظات پڑھا کر سننے اور مجلس کرنے کا سلسلہ بھی باقی رکھا۔

اے خدا میں سلسلہ قائم بدارا فیض او جاری بود لیل و نہار

۱۔ خدا کرے موجود مہتمم حضرت مولانا قاری حافظ مولوی محمد حنیف صاحب زید محمد بھی اس مفید سلسلہ کو اسی اہمیت کے ساتھ جاری رکھیں۔ جس اہمیت کے ساتھ ان کے والد ماجد اور خصوصاً دادا جان نور اللہ مرقدہ نے جاری رکھا (آمین ثم آمین) ان شاء اللہ بہت جلد اس کے مفید ثمرات سے مستفید ہو گئے۔ (۱۲)

حضرت مولانا حافظ عبدالحق صاحب جالندھری رحمۃ اللہ علیہ

جائے ولادت:

حضرت والد کے تیسرے فرزند مولانا عبدالحق صاحب موضع عمر وال بلہ خورد (تحصیل نکودر ضلع جالندھر) میں پیدا ہوئے۔ آپ (اولاد ذکور میں سے رضاعت میں فوت ہونے والے) فرزند چہارم انوار الحق مرحوم کے سوا سب سے چھوٹے فرزند تھے۔

تاریخ ولادت:

آپ کی تاریخ ولادت اور تاریخی ناموں کا تذکرہ حضرت والد نے اس طرح فرمایا ہے: ”مورخہ ۲۲ صفر ۱۳۴۱ھ مطابق ۱۳/ اکتوبر ۱۹۲۲ء بروز شنبہ تیسرا لڑکا بر خوردار عبدالحق سلمہ پیدا ہوا، جس کے تاریخی نام حسب ذیل ہیں: قاری فیاض الدین، محمد منظور احمد، غازی انوار اللہ، غازی عصمت پاشا۔

ابتدائی تعلیم اور حضرت حکیم الامت تھانوی سے تبرکاً تلمذ کا شرف عظیم:

جیسا کہ باب ۱۳/ استفاضہ باطنی میں گزرا، ۱۹۳۸ء میں حضرت مجدد تھانوی نے جالندھر تشریف لانے کے موقع پر مولانا عبدالحق صاحب کو تبرکاً پند نامہ شروع کرایا۔ اس سے قبل وہ حفظ قرآن مجید اور اردو دینیات کی کتابیں مکمل کرنے کے بعد فارسی کی ابتدائی کتب شروع کر رہے تھے۔

پھر ۱۹۴۱ء میں حضرت والد جب تھانہ بھون حضرت تھانوی کی خدمت میں حاضر ہوئے تو مولانا عبدالحق صاحب بھی ہمراہ تھے۔ اس موقع پر ان کو اصول الشاشی کا آغاز حضرت تھانوی نے کرایا۔

نکاح اول:

حضرت مولانا مرحوم کا پہلا نکاح حضرت والد کے برادر عزیز حضرت مولانا غلام محمد صاحب یعنی مولانا عبدالحق صاحب کے چچا کی وصیت کے مطابق ان کی چھوٹی صاحبزادی سے ہوا۔ اہلیہ اولیٰ کی تاریخ پیدائش ۲۰ ربیع الاول ۱۳۴۳ھ مطابق ۹/ اکتوبر ۱۹۲۵ء بروز جمعہ ہے۔

وفات اہلیہ اولیٰ:

حضرت والد نے ان کی وفات کا ذکر ”حوادث“ کے زیر عنوان اس طرح فرمایا ہے: ”مورخہ ۲۲ ربیع الثانی ۱۳۷۵ھ

۱. ماخوذ من ”الخیر“ بابت رمضان المبارک ۱۳۷۳ھ (مارچ ۱۹۹۳ء) ج ۲ ماخوذ من ”الخیر“ بابت رمضان المبارک ۱۳۷۳ھ (مارچ ۱۹۹۳ء)۔

۲. ماخوذ من ”الخیر“ بابت رمضان المبارک ۱۳۷۳ھ (مارچ ۱۹۹۳ء)۔

مطابق ۸ دسمبر ۱۹۵۵ء بروز پنجشنبہ بر خورداری.... فوت ہوئی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُونَ۔“

عقد ثانی:

عقد ثانی کا حال حضرت والا نے یادداشت کے پرچہ پر اس طرح تحریر فرمایا ہے: ”عقد ثانی عبدالحق سلمہ با.....
پک نمبر ۲۳ گ ب، مورخہ ۲۶ رجب ۱۳۷۶ھ مطابق ۱۲ فروری ۱۹۵۷ء چہار شنبہ۔“
تحصیل علم اور سند حدیث:

حضرت والا کی ”نقش حیات“ کے مطابق ”مدرسہ خیر المدارس ملتان میں جن علماء نے حدیث پڑھی اور سند لی“ کے زیر عنوان فہرست میں دوسرا ہی نام مولانا عبدالحق صاحب کا ان الفاظ کے ساتھ موجود ہے: ”مولوی حافظ عبدالحق سلمہ جالندھری ملتان“ اور ”الخیر“ میں ہے: ”مولانا حافظ عبدالحق جامعہ خیر المدارس کے اولین فضلاء میں سے تھے۔ ۱۳۶۵ھ (۱۹۴۶ء) میں جامعہ سے درس نظامی کی تکمیل کی۔“ اس کے بعد والے صفحہ پر ہے:

”۱۹۳۶ء میں جب آپ دورہ حدیث میں پہنچے تو اس موقع پر مدرسہ خیر المدارس کے سالانہ جلسہ پر حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب قاسمی قدس سرہ تشریف لائے ہوئے تھے۔ چنانچہ آپ کو بخاری شریف اور ترمذی شریف کی پہلی احادیث حضرت قاری صاحب ہی سے پڑھنے کی سعادت نصیب ہوئی۔“

اس سے معلوم ہوا کہ باقی درسی کتب جالندھر میں پڑھ کر صرف حدیث ملتان آ کر پڑھی۔ اور سند بھی ملتان ہی آ کر لی۔ کیونکہ ۱۹۴۷ء میں حضرت والا نے مع اہل و عیال ہجرت فرمائی تو دورہ حدیث ملتان آ کر ہی پورا ہوا۔
تدریسی زندگی کے آغاز سے نیابت اہتمام تک:

”ملتان“ میں ”خیر المدارس“ کی نشاۃ ثانیہ کے بعد ۱۹۴۸ء میں درجہ قرآن کے مدرس مقرر ہوئے۔ ۱۹۵۱ء میں آپ کو محکمہ بحالیات حکومت پنجاب نے مہاجر طلباء کا انچارج و اُستاد مقرر کر دیا۔ چنانچہ ۱۹۶۲ء تک آپ سرکاری طور پر تدریسی خدمات انجام دیتے رہے۔ ۱۹۶۳ء میں جامعہ میں اُستاد عربی کے طور پر تقرر ہوا۔ اور ناظم دفتر، خازن، خطیب جامعہ خیر المدارس اور ناظم کتب خانہ کے مناصب پر کام کرنے کے بعد نیابت اہتمام کے عہدہ جلیلہ پر فائز ہوئے۔ جامعہ خیر المدارس کے نائب مہتمم ہونے کے باوصف مولانا کی مسکنت و تواضع میں ذرہ بھر فرق نہ آیا۔ بلکہ بقول شیخ سعدی

ع نہد شاخ پر میوہ سر بر زمین“

شہادت، طبیعت اور بیعت:

جسمانی اعتبار سے حضرت والا کی شہادت پائی جاتی تھی۔ طبیعت خاموشی پسند اور مرنبجاں مرنج تھی۔ مخدومنا

حضرت مولانا عبدالقادر صاحب رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ مجاز حضرت مولانا عبدالعزیز صاحب رائے پوری سے ملتان میں بیعت ہوئے تھے۔^۱

بعض تلامذہ:

جامعہ خیر المدارس کے موجودہ اساتذہ میں سے حضرت مولانا شیر محمد صاحب (استاذ حدیث)، مولانا عبدالغفور صاحب، مولانا خدا بخش صاحب، مولانا عبداللہ صاحب، قاری محمد اسحاق صاحب اور حافظ محبوب احمد صاحب آپ کے تلامذہ میں سے ہیں۔^۲

لقائے بزرگان دین:

ان میں حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا شاہ اشرف علی تھانوی، شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی، حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ مفتی اعظم ہند، عارف باللہ حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوری اور شیخ الاسلام حضرت مولانا علامہ شبیر احمد عثمانی خصوصاً قابل ذکر ہیں۔

سفر آخرت:

۶ شعبان ۱۳۱۳ھ بروز چہار شنبہ بعد نماز مغرب سینے میں تکلیف محسوس ہوئی۔ ڈاکٹر محسن رضا صاحب (رکن مجلس شوریٰ خیر المدارس) کے مشورہ سے حضرت مولانا صدیق صاحب مدظلہ کی معیت میں نشتر ہسپتال لے جایا گیا۔ لیکن آخر کار ۷ شعبان ۱۳۱۳ھ بروز پنجشنبہ صبح ساڑھے آٹھ بجے وقت موعود آ پہنچا۔ انتقال کی خبر پورے شہر میں پھیل گئی۔ نماز عشاء کے بعد جامعہ خیر المدارس میں نماز جنازہ ادا کی گئی۔ وفات کے بعد چہرے پر سکون اور نورانیت محسوس کی گئی۔ باوجود تعطیلات کے تقریباً تمام اساتذہ نماز جنازہ میں شریک تھے۔ شہر سے بھی بہت بڑا مجمع شریک جنازہ ہوا۔ حضرت والا کے پہلو میں دارالحدیث کے عقب میں پر و خاک کیا گیا۔ اللهم اغفر له مغفرة ظاهرة وباطنة وارحمه رحمة واسعة (آمن)

۱ احقر نے یہ خود مولانا مرحوم سے مسجد نبوی شریف میں تحقیق کیا تھا۔ جب وہ ۱۳۱۳ھ میں آخری بار حج کیلئے تشریف لائے تھے۔ (۱۲)

۲ ماخوذ من الخیر۔ ج ماخوذ من الخیر رمضان المبارک ۱۳۱۳ھ

۳ ماخوذ من الخیر رمضان المبارک ۱۳۱۳ھ

فرزند چہارم..... انوار الحق مرحوم

حضرت والد کی اہلیہ اولیٰ مرحومہ سے چوتھے فرزند انوار الحق پیدا ہوئے، جن کا تذکرہ حضرت والد نے ”نقش حیات“ میں اس طرح فرمایا ہے: ”بندہ کا چوتھا بیٹا انوار الحق ۱۳/ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۶ھ مطابق ۹ نومبر ۱۹۲۷ء کو پیدا ہوا۔ اور مورخہ ۱۱ جمادی الاخریٰ ۱۳۳۷ھ مطابق ۲۵ نومبر ۱۹۲۸ء کو فوت ہوا۔ انا لله وانا الیہ راجعون۔“

یعنی چوتھے صاحبزادہ کی عمر قمری سال کے حساب سے صرف ایک سال اٹھائیس یوم ہوئی اور شمسی حساب سے صرف ایک سال سولہ یوم۔

پہلی صاحبزادی مرحومہ:

اہلیہ اولیٰ مرحومہ ہی سے پہلی صاحبزادی ہوئیں، جن کا تذکرہ اس طرح فرمایا ہے: ”میری پہلی لڑکی عائشہ ۱۳ جمادی الاخریٰ ۱۳۳۹ھ مطابق ۲۱ فروری ۱۹۲۱ء میں پیدا ہوئی۔ پھر ۲۰ صفر ۱۳۳۰ھ مطابق ۱۵/ اکتوبر ۱۹۲۱ء (۸ ماہ عمر) میں فوت ہو کر منڈی صادق گنج ہی میں دفن ہوئی۔“

اس سے معلوم ہوا کہ صاحبزادی اولاد میں تیسری تھیں اور مولانا عبدالحق صاحب ان سے مؤخر ہیں اور فرزند چہارم ان سب میں چھوٹے تھے اور وہ اولاد میں پانچویں تھے۔

(تم الباب)

باب ہستم (۲۰)

اخلاق و عادات

(خیر السمائل و الفصال)

جیسا کہ حضرت والا کے استفاضہ باطنی پر قلم اٹھانا ہی احقر جیسے عاجز کے لئے نہایت دشوار تھا اور اس کا حق تو کیا ادا ہو سکتا تھا۔ اسی طرح حضرت والا کے اخلاق و صفات فاضلہ کے بارے میں کچھ احاطہ تحریر میں لانا دشوار ہے۔ اور احقر اپنے آپ کو اس بارے میں بالکل عاجز پاتا ہے اور عاجزی کا مقرر ہے۔ تاہم ما لا یدرک کلہ لا یتروک کلہ خلق تو صفت باطنی ہے۔ لیکن اس کے آثار میں سے جو کچھ معلومات حاصل ہو سکیں، محفوظ رہ سکیں اور وقت پر یاد آ گئیں، انہیں کے ذکر پر اکتفاء کرنا پڑتا ہے۔

صاحب اخلاق فاضلہ کا درجہ قائم اللیل و صائم النہار کی طرح ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے مقرب بندوں کے اخلاق بہت عالی اور وسیع ہوتے ہیں۔ کامل ترین اخلاق سے تو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام متصف ہوتے ہیں۔ پھر ان میں درجہ بدرجہ اعلیٰ سے اعلیٰ صفات کمال سے مزین و محلی ہوتے ہیں۔ امام الانبیاء والمرسلین، سید الاولین والآخرین پر تو تمام کمالات، جمیع صفات فاضلہ و اخلاق کاملہ منتہی ہوتے ہیں جو کسی مخلوق میں ہونا ممکن نہیں۔ اس لئے کہ انسان اشرف المخلوقات ہے، اور آپ سید الاشراف و سید السادات اور سید الکملین ہیں، جن کی شان میں اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا ارشاد ہے: **وَ اَنْتَ لَعَلٰی خُلِقَ عَظِیْمٌ** (سورۃ القلم) ”اور بے شک آپ اخلاق (حسنہ) کے اعلیٰ پیمانہ پر ہیں“ (بیان القرآن)

اب اصولی اور اجمالی طور پر حضرت والا کے اخلاق فاضلہ اور صفات کاملہ کو سمجھنا اس طرح آسان ہوگا کہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے اخلاق عالیہ میں سے تو کسی کو کچھ حصہ ملنے کی حرص ہونا فضول ہے۔ حضرت حکیم الامت تھانویؒ نے کسی بزرگ کا قول نقل فرمایا ہے کہ انہوں نے رسول کا ترجمہ کیا ہے: ”خیر خواہ دشمنان“ سبحان اللہ! جو دشمنوں کا خیر خواہ ہو اس کے اخلاق کا کیا کوئی اندازہ کر سکتا ہے۔

دوستاں را کجا کنی محروم تو کہ با دشمنان نظر داری

البتہ کتاب و سنت کی تعلیمات سے خصوصاً ہمارے اکابر نے ایک عظیم اصول کو مضبوط پکڑ لیا ہے۔ سو وہ یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم محبوب رب العالمین ہیں، جو آپ کی نقل کرے گا اور اتباع سنت کرے گا وہ بھی اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا محبوب

ہو جائے گا۔ اب یہ دعوت عام ہے۔ جو چاہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کرے اور اللہ تعالیٰ کا مقرب بن جائے اور رضاء الہی حاصل کرے۔ اتباع سنت وہ اصول ہے جو وصول الی اللہ اور ولایت کا مختصر ترین اور سہل راستہ ہے۔ چلنا شرط ہے۔

ہمارے حضرت والا کو اللہ تعالیٰ نے اتباع سنت کے ذوق سے حظ وافر عطا فرمایا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ اس کی برکت سے کہاں سے کہاں تک پہنچ گئے۔ اس کا ہم عاجزوں کو کیا اندازہ ہو سکتا ہے۔

امید ہے کہ ان سے حضرت والا کے اخلاقِ فاضلہ کی بھی کچھ وضاحت ہو سکے گی۔ قبل اس کے کہ مختلف اخلاقِ فاضلہ کے عنوانات کے تحت جو کچھ میسر ہے وہ درج کیا جائے، بعض اوقات مختلف اوصاف و کمالات پر مشتمل ایک اقتباس پیش کیا جاتا ہے:

حضرت مولانا فضل محمد صاحب مہتمم مدرسہ عربیہ قائم العلوم فقیر والی تحریر فرماتے ہیں: ”حسن سیرت کے ساتھ ساتھ حق تعالیٰ نے حضرت کو حسن صورت سے بھی نوازا تھا۔ نورانی چہرہ، ستواں ناک، کشادہ آنکھیں، گفتگو کرتے وقت منہ سے پھول جھرتے۔ لہجہ میں متانت، زبان میں فصاحت، گفتگو میں طاقت، چہرے میں نلاحت، آنکھوں میں تبسم و سکرانہ، طبیعت میں مروّت و شرافت، غرضیکہ حضرت بے شمار اوصاف و کمالات اور امتیازات و اختصاصات کے مالک تھے، جن کا شمار احقر کے حیظ امکان سے باہر ہے۔“

اب بطور نمونہ حضرت والا کے بعض اخلاقِ فاضلہ میں سے جو سمجھ میں آئے یا ان کو ظاہر کرنے والے بعض واقعات کا تذکرہ جو باآسانی میسر ہوئے مختلف عنوانات کے تحت کیا جاتا ہے۔ البتہ ان واقعات کے تذکرہ سے قبل تمہیداً عرض ہے کہ مجرد واقعات جو حضرت والا نے خود ہی ”نقش حیات خیر محمد“ میں تحریر فرمادیئے، ان سے بعض کمالات جھلکنے کی وجہ سے خود بخود ظہور ہو جائے تو اور بات ہے، ورنہ حضرت والا کی تواضع، فنا اور عبدیت کی وجہ سے اظہار تو کیا ظہور بھی اصحاب بصیرت باطنی پر ہی کچھ ہو سکتا ہو تو ہو، ورنہ حضرت والا کے باطنی کمالات زیادہ تر مستور ہی رہے، سوائے اس کے کہ جو دعوت و تبلیغ اور تعلیم و تزکیہ نفوس کا افادہ و افاضہ فرمانے سے اُمت مسلمہ کو دینی فائدہ پہنچا۔ اس سے البتہ بعض کمالات کا کچھ اندازہ ہو سکتا ہے، اور کچھ اندازہ درج ذیل بعض واقعات سے ہو سکتا ہے:

تواضع اور فنا سیرت و عبدیت:

رذائلِ نفس میں سے کبر اُم الامراض ہے۔ اسی طرح اس کی ضد تواضع فضائل میں سے نہایت ممتاز فضیلت و خوبی کی بات ہے۔ بندہ کا کام ہی بندگی و سرافگندگی ہے۔ سلوک اور اصلاحِ نفس میں فنا ہی پہلا قدم ہے اور فنا ہی آخری قدم ہے۔ ابتداء بھی فنا سے ہوتی ہے اور انتہاء بھی یہی ہے کہ فنا حاصل ہو کر وہ بھی فنا ہو جائے، یعنی اپنے فانی ہونے کی طرف التفات بھی نہ رہے۔ یہی فنا الفناء ہے۔ (اللہ ہمیں بھی اس کا کچھ حصہ نصیب فرمائے، آمین ثم آمین) اور جو شخص یہ سمجھے کہ وہ

کچھ ہو گیا ہے، اسے ابھی تک کچھ حاصل نہیں ہوا۔ خواجہ صاحب نے کیا خوب فرمایا ہے:

سمجھے جو خود کو منتہی وہ ابھی مبتدی نہیں

اور کسی نے کیا خوب فرمایا ہے:

خواجہ پندار دکہ وارد حاصلے حاصل خواجہ بجز پندار نیست

یہاں پر حضرت والا کی صفت فنائیت و عبدیت کا تذکرہ مقصود ہے، جو احقر کی نظر میں حضرت والا کی خصوصی صفت تھی۔ الحمد للہ سبحانہ و بفضلہ تعالیٰ ہمارے حضرت والا میں (جہاں تک ہم مسکینوں کی سمجھ میں آتا ہے) فنائیت و عبدیت کے درجات ہماری نظر اور سمجھ سے آگے ہی تھے۔ جو شخص اپنے آپ کو اتنا مٹائے کہ بظاہر اس میں اور ایک عالمی میں کوئی فرق نظر نہ آئے، اس کی تواضع اور فنائیت و عبدیت کا پورا اظہور کیسے ہو۔ اظہار تو وہاں ہے ہی نہیں۔ لیکن بعض واقعات سے حقیقت کا بکر ظہور ہو جاتا ہے۔ چنانچہ یہاں مثال کے طور پر چند واقعات کا ذکر کیا جاتا ہے:

(۱) احقر مؤلف جب خیر المدارس ملتان میں ٹھہرا ہوا تھا تو کئی بار حضرت والا کو دیکھا کہ اپنے کسی مہمان کے لئے جو عموماً آپ کے خدام ہی میں سے ہوتا تھا، گھر سے کھانے یا چائے کی ٹرے سب کے سامنے اٹھا کر لاتے ہوئے مدرسہ کے کچن میں چارپائی وغیرہ تک جہاں مہمان موجود ہوتے یا سابقہ دارالاجتہام تک پہنچتے۔ یہ فنائیت اور اکرام ضیف حضرت والا کی طبیعت ثانیہ بن چکا تھا، جس میں کوئی غیر معمولی بات محسوس ہی نہ فرماتے تھے۔

(۲) جبکہ لائن کراچی میں حضرت مولانا احتشام الحق صاحب شہانوی کے مکان پر جہاں علماء کرام کا اجتماع تھا (غالباً بسلسلہ مساعی دستور اسلامی) تو حضرت مولانا ادریس صاحب کاندھلوی کوئی چیز شاید کتاب وغیرہ اوپر کسی الماری وغیرہ میں سے اٹھانے کے لئے کھڑے ہوئے تو حضرت والا جو قریب ہی موجود تھے ان کے پاؤں (پنڈلیاں) دبانے لگے۔ یہ خود احقر مؤلف کا مشاہدہ ہے۔ اور حضرت والا کی انتہائی بے نفسی، تواضع اور فنائیت کی دلیل ہے۔

(۳) اب ایک واقعہ ”الخیر“ شعبان و رمضان ۱۴۰۷ھ سے نقل کیا جاتا ہے:

”کمال تواضع:

حضرت میں غایت درجہ تواضع و بے نفسی پائی جاتی تھی جو اہل اللہ کی علامت اور اصحاب معرفت کا امتیاز خاص ہے۔ ایک دفعہ علامہ مولانا سید سلیمان ندوی جامعہ کے سالانہ جلسہ پر تشریف لائے، برآمدہ میں چارپائی پر آرام فرماتے۔ حضرت قدس سرہ سب کے سامنے سید صاحب کے پاؤں دباتے رہے۔ یہ خدام کو ادب و تواضع اور اکرام ضیف کا عملی درس تھا۔

(۵) ایک اور واقعہ ان سے بھی بڑھ کر ہے، جس کو اُستاد القراء حضرت مولانا قاری محمد طاہر صاحب مدظلہ (تلمیذ رشید حضرت مولانا قاری رحیم بخش صاحب) نے روایت کیا۔ احقر نے یہ روایت لکھ کر ان کو سنادی اور بقدر یسر انہوں نے اس کی

اصلاح بھی فرمادی۔ واقعہ یہ ہے:

ایک بار حضرت مولانا سید اسعد مدنی صاحب مدظلہ ملتان تشریف لائے ہوئے تھے۔ حضرت والّا کی دعوت پر خیر المدارس بھی تشریف لائے۔ جب حضرت مولانا اسعد صاحب جو تارکدار الحدیث میں داخل ہونے لگے تو حضرت اقدسؒ نے ازراہ تواضع و اکرام ضیف جناب موصوف کا جو تارکدار اپنے دست مبارک سے اٹھایا اور پھر حضرت والّا ہی نے وہ جوتے دوسرے دروازہ کے باہر رکھ دیئے جہاں سے باہر نکلنا تھا۔ اس کا ہم سب حاضرین نے مشاہدہ کیا، جس میں قطعاً کسی تکلف کا شائبہ بھی نہ تھا۔ مولانا قاری طاہر صاحب فرماتے ہیں کہ وہ حضرت والّا کے تلامذہ کے درجہ کے تھے۔ پھر بھی حضرت والّا نے ان کے جوتے اٹھائے۔ احقر مؤلف عرض کرتا ہے کہ اس کی مثال اس زمانہ میں ڈھونڈنے سے بھی ملنا مشکل ہے۔ البتہ اکابر دیوبند و تھانہ بھون میں ایسی مثالیں مل سکتی ہیں۔ چنانچہ اس پر امام ربانی حضرت گنگوہی نور اللہ مرقدہ کا ایک واقعہ یاد آیا (جو غالباً حضرت مجدد تھانوی کے ملفوظات میں مذکور ہو گا یا شاید ارواحِ ثلاثہ میں ہو) یہاں اس کا خلاصہ عرض ہے:

حضرت گنگوہیؒ شاید مسجد یا مکان کے صحن میں درسِ حدیث میں مشغول تھے۔ درس کے دوران بارش آگئی تو طلباء اپنی اپنی کتابیں لے کر دوڑے کہ اندر حجرہ وغیرہ میں جائیں اور درس جاری رہے۔ طلباء تو کتابیں اٹھا کر لے جانے میں مشغول تھے اور حضرت گنگوہیؒ نے طلباء کے جوتے جمع فرمائے اور اندر لے گئے تاکہ بھیگ نہ جائیں۔ اللہ اللہ! یہ فنائیت! یہ عبادت! پھر یہ حضرات صادقین میں سے تھے۔ وہاں تکلف کا نام و نشان بھی نہ تھا۔ نہ حضرت والّا کو یہ خیال بھی گزرا ہو گا کہ ان کی عبادت نے دیکھنے والوں کو کیسا تر پادیا۔

(اور حضرت گنگوہیؒ کے تلامذہ کرام جو اس زمانہ کے طلباء تھے ان میں کالمین بھی تو کیسے کیسے ہوئے ہیں۔ مثلاً حضرت مولانا خلیل احمد سہارن پوریؒ۔ ان اکابر کے جوتے پہلے ہی ہمارے سروں پر رکھنے کے لائق تھے۔ امام ربانی کے اٹھانے سے تو وہ اور بھی زیادہ متبرک ہو گئے)

اب ”الخیر“ کے اسی شمارہ سے حضرت والّا کی تواضع اور بے نفسی کے دو مزید واقعات درج کئے جاتے ہیں:

(۵) تواضع:

”خیر المدارس کے سالانہ جلسہ کے دنوں میں جیسے باقی اساتذہ کی درس گاہیں مدعوین علماء کرام کے لئے خالی کر دی جاتی ہیں، حضرت والّا بھی دارالاہتمام خالی فرمادیتے، نہ اپنے لئے کوئی خاص کمرہ متعین فرماتے تھے۔

معمول یہ تھا کہ رات کو تمام مہمانوں کے راحت و آرام سے مطمئن ہو کر خدام سے دریافت فرماتے کہ ”کوئی لینے کی جگہ ہے۔“ آپ کے معمول سے واقف ہونے کی وجہ سے خدام اکثر اہتمام کرتے کہ آپ کے لئے کوئی کمرہ خالی رہے۔ ایک دفعہ حسب معمول مولانا محمد صدیق صاحب سے پوچھا ”کوئی جگہ ہے؟“ انہوں نے عرض کیا: ”کوئی جگہ خالی نہیں، تمام

کروں میں مہمان آرام فرماہیں۔“ رضا کاروں کے کمرے میں ایک کونے میں کچھ جگہ تھی۔ حضرت نے دیکھ کر فرمایا: ”یہ بھی تو جگہ ہی ہے۔“ چنانچہ وہیں لیٹ گئے۔ تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ بعد اٹھ کر ذکر میں مشغول ہو گئے اور صبح تک ذکر کرتے رہے۔“

(۶) بے نفسی:

”اسی انتخابی فضا میں ہندوستان سے حضرت مولانا سید اسعد مدنی مدظلہ تشریف لائے۔ جمعیت علماء اسلام کی طرف سے جلسہ کا اہتمام کیا گیا۔ غالباً حضرت والا کے مرکزی جمعیت کے اکابر سے مجاہد اور مشفقانہ تعلقات کی وجہ سے جلسہ میں شرکت کی دعوت نہ دی گئی۔ مگر جب آپ کو جلسہ کا علم ہوا تو خود تشریف لے گئے اور یہی آپ کی تواضع اور بے نفسی کی شایان شان تھا۔ رحمہ اللہ تعالیٰ و نور مرقدہ۔“

(۷) تواضع، ایثار اور شفقت:

تواضع، ایثار اور شفقت پر مشتمل ایک اور واقعہ حضرت والا کے ساتھ اس خادم (احقر مؤلف) کے سفر کا یاد آیا۔ غالباً وہاڑی یا بورے والا کے کسی مدرسہ میں بذریعہ بس تشریف لے گئے تھے۔ واپسی کے وقت بس میں سیٹوں سے مسافروں سے ملے۔ حضرت والا نے پہلے اس خادم کو ایک سیٹ پر بٹھا دیا اور آگے دو سیٹوں کے درمیان ایک لکڑی کا تختہ لگا ہوا تھا، خود اس پر تشریف فرما ہوئے۔ خادم نے درخواست کی کہ حضرت سیٹ پر تشریف رکھیں۔ تو ذرا تیزی سے فرما دیا کہ نہیں تم بیٹھے رہو۔ امتثالاً للامر خاموش رہا۔ لیکن یہ کیسے گوارا ہوتا۔ خادم نے تھوڑی دیر بعد پھر عرض کیا۔ پھر قدرے سخت لہجے سے بیٹھے رہنے کا امر فرمایا۔ تیسری یا چوتھی بار اور بھی سختی سے حکم فرمایا۔ بہر حال اب تو چارہ ہی نہ تھا۔ تو یہ اپنے نفس کو پامال کرنا، خدام کو راحت پہنچانا اور خود تکلیف اٹھانا۔ تواضع، ایثار اور شفقت کے کن کن اوصاف حمیدہ کو جمع فرمایا۔

کمال انکسار اور تواضع:

(۸) ”الخیر“ کے مذکورہ شمارہ ہی میں ہے: ”آپ نسبت اشرفیہ کے ایک بلند پایہ شیخ تھے۔ مگر ایک دفعہ حضرت مولانا عبدالرحمن صاحب کامل پوری خلیفہ مجاز حضرت حکیم الامت کی موجودگی میں طلباء سے خطاب کرتے ہوئے جوش میں فرمایا: ”حضرت (حکیم الامت تھانوی) کے اقوال سننے ہیں تو ہم سے سن لو اور افعال و عمل دیکھنا ہے تو مولانا عبدالرحمن صاحب کو دیکھو۔“

یہ الفاظ حضرت کے کمال انکسار اور تواضع کو ظاہر کر رہے ہیں۔

اب حضرت سید قمر الدین احمد صاحب قریشی مدظلہ العالی کے تحریر فرمودہ واقعات ملتان سنٹرل جیل کے قیام

خدمت ہیں۔ ان سے حضرت والا کے جن اوصاف پر روشنی پڑتی ہے، وہ عنوانات میں مذکور ہیں:

(۱) غیرت دینی اور حاضر جوابی (دندان شکن جواب):

”حضرت مولانا عبدالشکور صاحب کیمبل پوری اُستاذ الحدیث خیر المدارس بروز اتوار چھٹی کے دن نیوسنٹرل جیل ملتان میں تشریف لے جاتے اور قیدیوں کو جیل کی ایک بیرک میں اکٹھا کر کے پھر وہاں پر اصلاحی وعظ ہوتا۔ شعبان ورمضان مدرسہ میں چھٹیوں کے دن تھے۔ مولانا اپنے گھر چلے گئے۔ حضرت والا نیوسنٹرل جیل تشریف لائے۔ جیل میں تمام سپاہیوں، گارڈز (کانسیبلوں) کا بڑا آفسرانچارج چیف ہیڈ وارڈر ہوتا ہے، جس کے پاس تمام قیدیوں، گارڈ اور جیل کا چارج ہوتا ہے۔ (اس دوران میں جیل میں کھیلوں وغیرہ کے لئے آئے دن قیدیوں کو باجے، ڈھول وغیرہ کے ساتھ اکٹھا کر کے ایک بیرک میں جمع کر کے کشتیاں، کھیلیں وغیرہ بھی ہوا کرتی تھیں) تو اس چیف ہیڈ وارڈر نے حضرت والا کو مزاحاً کہا کہ ”مولانا! آپ ڈگڈگی بھی ساتھ لے آیا کریں کہ قیدی اکٹھے ہو جایا کریں۔“ حضرت والا نے فوراً جواب ارشاد فرمایا کہ ”آپ پھر ٹھکری پہن کر ناچیں گے۔“

اس پر سکتہ طاری ہوا اور چپ سا اپنا منہ لے کر رہ گیا۔ مجھے بڑی خوشی ہوئی کہ حضرت والا نے عجیب وغریب اور فی الفور جواب عنایت فرمایا۔“

(احقر مؤلف اس پر عرض کرتا ہے کہ جب کبھی کوئی متکبر بڑا افسر اپنے عہدہ کے گھمنڈ میں اہل دین اور علماء حضرات سے بدتمیزی اور تمسخر کرے (اور اگر مناسب جواب سمجھ میں آجائے) تو اس کو ایسا ہی منہ توڑ جواب دینا چاہئے، تاکہ ان خردماغوں کو معلوم ہو جائے کہ علماء میں بھی اسپ دماغ ہیں۔) (آ)

(۲) فہم سلیم، فراست صادقہ:

”تحریک ختم نبوت کے دوران حضرت مولانا محمد علی جانندھری رحمۃ اللہ علیہ، قاضی احسان احمد شجاعبادی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ جیسے بڑے بڑے اکابر جیل (نیوسنٹرل جیل ملتان) میں آگئے۔ میں نے اس خوشی میں کہ بزرگوں کی خدمت کا موقع ملا ہے، اپنی ملازمت جیل کو غنیمت سمجھ کر حاضری دینا شروع کر دی اور مختلف خدمتیں کرتا۔ حضرت مولانا محمد علی رحمۃ اللہ علیہ نے میری معرفت پیغام بھیجا (حضرت والا کی خدمت میں) کہ انہیں میری طرف سے عرض کر دیں کہ ”اب آپ کا وقت نہیں کہ آپ باہر رہیں۔ بلکہ گرفتاری دے کر جیل میں آجائیں۔“ چونکہ اس وقت لوگ گرفتاری دے کر روز بروز جلوس نکلتے تھے اور لوگ حضرات علماء کرام جیلوں میں جا رہے تھے۔ حضرت والا نے اس بات کا جواب تو یہ دیا کہ ”میرا بستر بندھا پڑا ہے۔ جب کوئی مجھے لینے آوے گا تو میں فوراً ساتھ ہو جاؤں گا۔“

اور مجھے بڑے رازداری کے انداز میں خلوت میں یہ بات سمجھائی کہ ”تمہاری ملازمت کا معاملہ ہے، اپنے آپ کو بچا کر رکھنا۔“

اس وقت یہ بات میری سمجھ میں نہ آئی کہ حضرت والا مجھے کیوں روک رہے ہیں۔ لیکن ”قلندر ہر چہ گوید دیدہ گوید“ مجھے تو اس سے بھی زیادہ یقین تھا کہ حضرت والا کا فرمان یقیناً میرے لئے نافع دارین ہے۔ خیر میں خدمت تو ان حضرات کی کرتا رہا لیکن اپنے آپ کو بچا کر بہت ہی محتاط طریقہ سے۔

بعد میں بہت سے میرے ملازم بھائی بلکہ آفیسر جیل، جنہوں نے اس تحریک کے دوران سیاسی قیدیوں اور تحریک ختم نبوت والوں سے میل جول رکھا، معطل ہوئے۔ محکمانہ طور پر قسم قسم کی سزائیں پائیں، بعض کی تنزیلی ہوئی، بعض غالباً ڈسپانچ بھی ہوئے۔ محکمانہ طور پر انہیں چارج شیٹیں ملیں اور مصیبتوں میں پھنسے۔ پھر اس ناکارہ کی آنکھیں کھلیں کہ حضرت والا نے کیوں منع فرمایا تھا۔ اصل میں اس وقت انسپکٹر جنرل جیل خانہ جات ایک مرزا کی تھا۔ جس اہل کار کا تعلق ان سیاسی قیدیوں سے اسے معلوم ہوا بعد تحریک کے اس نے سزائیں دیں اور انہیں پریشان کیا۔“

اب اس کے بعد حضرت والا کے اخلاق و عادات مبارکہ کے بارے میں حضرت مولانا حافظ منظور احمد صاحب مدظلہ اُستاد جامعہ خیر المدارس نے جو تحریر فرمایا ہے وہ پیش کیا جاتا ہے:

۱۔ حفظ حدود:

”ہر معاملے میں حفظ حدود آپ کی طبیعت ثانیہ تھی۔“

۲۔ دل شکنی سے احتراز:

(یہ واقعہ قدرے مفصل ”الحیر“ میں بعنوان ”بلند نظر فی کی عجیب مثال“ مذکور ہے۔ یہاں حضرت مولانا نے اس کو بقدر ضرورت اور مختصر بیان فرمادیا ہے)

”حضرت والا بورے والا تشریف لے گئے۔ ایک مخلص نے ناشتہ کی دعوت کی۔ اس کے گھر والوں نے طلوہ تیار کیا، مغالطے سے چینی کی جگہ نمک ڈال دیا۔ حضرت والا نے رغبت سے کھایا۔ کچھ بچ رہا تو میزبان نے کھایا، تو ایک چمچ بچ گیا۔ کھایا گیا۔ لیکن حضرت نے ایک لفظ بھی سخت نہ کہا۔ اس نے بعد میں معذرت چاہی۔“

۳۔ ”سفر میں نماز باجماعت:

اس کا اس قدر اہتمام رہتا کہ قطب نما، لوہا، مصلیٰ ساتھ رکھتے اور چلتی گاڑی میں نماز باجماعت پڑھتے۔ اکثر بلند راقم امام بنتا۔ حتیٰ کہ تراویح بھی گاڑی میں پڑھی جاتی اور کئی پارے سنتے۔“

۴۔ استغناء، سیر چشمی، تقویٰ، طہارت:

اس واقعہ کو مولانا منظور احمد صاحب نے اس عنوان سے تحریر فرمایا ہے: ”مال غیر سے پرہیز۔“

”حضرت“ کے ایک مخلص مجاز حضرت کے لئے ایک ڈبہ میں دہی گھی ہدیہ لے آئے۔ کمرہ میں رکھا، لیکن حضرت کو یہ کہنا بھول گئے کہ یہ آپ کے لئے ہے۔ بہت دنوں بعد حضرت نے ان کو لکھا کہ آپ کا ڈبہ یہاں پڑا ہے، جو کہ آپ بھول گئے۔ تب انہوں نے معذرت کی کہ حضرت یہ تو آپ کے لئے بطور ہدیہ لایا تھا، مگر بتانا بھول گیا۔“

۵۔ ”نسبت تھانہ بھون کا احترام:

حضرت کی اہلیہ کی وفات ہوئی۔ اس دن قدرتی طور پر حضرت علامہ سید سلیمان ندوی اور مولانا احتشام الحق مرحوم بھی موجود تھے۔ مگر نماز جنازہ حضرت نے مولانا تھانوی سے پڑھوائی۔ انہوں نے قدرے معذرت بھی کی کہ سید صاحب موجود ہیں۔ فرمایا کہ ٹھیک ہے، مگر آپ کی نسبت میرے شیخ کی نسبت ہے، یعنی تھانوی۔ اس لئے جنازہ آپ پڑھائیں۔“

”الخیر“ کے اسی مذکورہ شمارہ سے تین واقعات اور ایک تبصرہ جن میں حضرت والا کے بعض اوصاف مذکور ہیں، درج

ذیل کیا جاتا ہے:

(۱) ”اکرام ضیف:

مَنْ كَانَ يَوْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيَكْرِمِ ضَيْفَهُ ارشاد نبوی ہے۔ حضرت والا اس پر کھل عامل تھے۔ مہمان کی مدارات اور ہر طرح سے اس کی راحت کا خیال خصوصی مذاق تھا۔ سالانہ جلسوں پر مہمانوں کے اکرام پر خاص توجہ فرماتے۔ اگر چہ اساتذہ کی نگرانی میں خدام طلباء ہر ایک مہمان کی خدمت پر متعین ہوتے، مگر آپ اس کام کو صرف خدام پر نہ چھوڑتے، ذمہ داریاں تقسیم کرنے کے باوجود ہر مہمان کے پاس خود تشریف لے جاتے اور ضرورت و راحت کے انتظام کی تسلی فرماتے۔

حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی رحمہ اللہ تہجد کے بعد نماز فجر سے قبل چائے پینے کے عادی تھے۔ مہموف صاحب جلسہ پر تشریف لاتے تو حضرت والا اس خیال سے کہ دن رات دوڑ دھوپ کرنے والے تھکے ماندے رضا کاروں کے لئے ایسے وقت میں چائے کا اہتمام مشکل ہو جائے گا، خود دولت کدہ سے تہجد کے وقت چائے بنا کر لاتے اور مولانا کاندھلوی کو پیش فرماتے۔

حضرت مولانا محمد صدیق صاحب مدظلہ کو ایک دفعہ حضرت والا کی اس مشقت کا علم ہوا تو عرض کیا:

”حضرت! ہم خدام کے ذمہ لگا دیں، اس خدمت کو ہم سرانجام دیں گے۔ حضرت والا نے اعتماد فرمایا اور یہ خدمت مولانا کے سپرد کر دی۔ لیکن اس لطم کے باوجود بھی بے فکر نہیں ہوئے بلکہ مولانا کاندھلوی کی آمد پر نماز فجر سے قبل ان کے کمرے میں تشریف لے جا کر معلوم فرماتے کہ چائے پہنچی ہے یا نہیں؟ ایک دفعہ عجیب لطیفہ ہوا۔ حضرت والا حسب معمول تشریف لائے۔ مولانا کاندھلوی اور مولانا شمس الحق افغانی کے کمرے ساتھ ساتھ تھے۔ آپ حضرت مولانا افغانی کے

کمرے میں کھڑے تھے کہ حضرت مولانا کاندھلوی کا خادم نظر آیا۔ پوچھا ”چائے پلا دی۔“ اس نے عرض کیا ابھی لاتا ہوں۔ حضرت یہ فرما کر کہیں اور تشریف لے گئے۔ خادم نے غلطی سے چائے لا کر مولانا افغانی کی خدمت میں پیش کر دی۔ وہ سمجھے میرے لئے آئی ہے، نوش فرمائی۔ حضرت والا تھوڑی دیر کے بعد مولانا کاندھلوی کے کمرے میں تشریف لے گئے اور دریافت فرمایا: ”چائے پی لی۔“ انہوں نے کہا ”بچہ ہی نہیں۔“ فوراً مولانا محمد صدیق صاحب کی جواب طلبی ہوئی۔ انہوں نے عرض کیا آدھ گھنٹہ گزر چکا ہے۔ خادم چائے لے گیا ہے۔ اب تو مطبخ میں دودھ بھی نہیں۔ حضرت معاملہ سمجھ گئے۔ ان سے فرمایا تم قبوہ بنا کر لاؤ۔ میں گھر سے دودھ لاتا ہوں۔ چنانچہ گھر سے بنفس بنفیس دودھ اٹھا کر لائے اور مولانا کاندھلوی کو حسب معمول نماز فجر سے قبل چائے پلا دی۔“

۲۔ ”رعایت حقوق:

انہی دنوں میں مرکزی جمعیت کے اکابر (جن کی اکثریت حضرت حکیم الامت کے متوسلین کی تھی) نے ملتان میں جلسے کا نظم طے کیا۔ ان کا ارادہ تھا کہ جلسہ احاطہ خیر المدارس میں ہو۔ حضرت والا بعض مصالح کے پیش نظر اسے مناسب نہ سمجھتے تھے۔ اس لئے جلسہ کی اجازت تو نہ دی، البتہ یہ فرمایا کہ جلسہ کے دن ہم آپ کی مہمانی کر دیں گے۔ جو حضرات علماء باہر سے تشریف لائیں وہ ماحضر ہمارے پاس تناول فرمائیں۔ یوں حضرت والا نے فریقین کی رعایت فرمادی اور طبقہ علماء میں کسی کو ناراض بھی نہ فرمایا۔“

۳۔ ”فرست مومنانہ:

استاذ القراء حضرت قاری رحیم بخش قدس سرہ دار العلوم دیوبند کے فاضل تھے۔ ابتداء میں آپ درس نظامی کی کتابیں پڑھانا چاہتے تھے۔ اتفاق سے جس سال آپ نے کچھ بچوں کو صرف و نحو پڑھائی، اسی سال حفظ کا نتیجہ کمزور آیا۔ حضرت والا نے بلا کر صرف تحفیظ و تجوید قرآن کا کام آپ کے سپرد کیا۔ حضرت قاری صاحب فرمایا کرتے تھے کہ میں نے سوچا کہ بچوں کو قرآن پاک یاد کروا کر کون استاد میرے پاس تجوید کے لئے بھیجے گا؟ لیکن ایک وقت آیا کہ صبح کے لئے اتنے حفاظ آنے لگے کہ داخلہ کے لئے قرعہ اندازی کرنا پڑتی۔

یہ حضرت والا کی دوراندیشی، مزاج شناسی اور فراست تھی کہ ہر شخص کی صلاحیت و مذاق کا صحیح اندازہ فرماتے تھے۔“

جامعیت:

الغرض حضرت والا بے شمار فضائل اخلاق کے جامع تھے، جن میں سے بعض کا ذکر ”الخیر“ میں بطور خلاصہ اس طرح کیا گیا ہے: ”حضرت والا علوم نبوت کے وارث و امین اور اخلاق نبوت کا آئینہ تھے۔ ارشاد و ہدایت، خلوص و اللہیت، تقویٰ و طہارت، تدبیر و فراست، اعتدال و استقامت، زہد و قناعت جیسے اُن گنت محاسن و محامد کی تصویر تھے۔“

اب چند ایسے واقعات کا ذکر کیا جاتا ہے جن سے حضرت والا کے بعض فضائل پر روشنی پڑتی ہے۔ ان کو بھی ایک

صاحب نے روایت کیا ہے:

(۱) دینی غیرت و حمیت:

علاج کے لئے اولاً ملٹری ہسپتال ملتان میں داخل ہوئے، مگر آپریشن کرنے والے ڈاکٹر نے کہہ دیا "میں احمدی ہوں۔" تو حضرت والا کی حمیت و دینی نے اس سے آپریشن کرانا گوارا نہ فرمایا۔ پھر ڈاکٹر محسن صاحب کی مساعی سے ان کے استاد کے زیر علاج میو ہسپتال لاہور میں داخل ہوئے۔ وہاں آپریشن ہوا۔

(۲) بعض اکابر کے خاندان میں صلح اور اصلاح:

مذہب و منا حضرت حاجی محمد شریف صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنی بیٹی کو کسی عذر کے باعث اس کے گھر لاہور نہیں بھیج رہے تھے۔ اس سلسلہ میں حضرت حاجی صاحب کے داماد ڈاکٹر احسان صاحب مرحوم بہت کوششیں کر چکے تھے۔ آخر جامعہ اشرفیہ لاہور کے مہتمم صاحب وغیرہ حضرت والا کی خدمت میں حاضر ہوئے اور قصہ عرض کیا۔ اتفاقاً جناب عبدالغفور انوری صاحب مرحوم سابق ناظم دفتر خیر المدارس وہاں موجود تھے۔ ان کو حضرت والا نے فرمایا کہ ابھی حاجی شریف صاحب کو فون کرو اور کہو کہ فوراً آتے ہو یا نہیں، دو ٹوک جواب دو۔ حضرت حاجی شریف صاحب نے فرمایا: جو حضرت فرمائیں گے عمل کروں گا اور ان شاء اللہ کل ہی حضرت کے پاس پہنچ جاؤں گا۔ جب حضرت حاجی صاحب حضرت والا کے پاس پہنچے تو فقط ایک منٹ میں اپنی بیٹی کو اس کے گھر بھیجنے کے لئے راضی ہو گئے۔ جامعہ اشرفیہ والے حضرات بہت ہی خوش ہوئے اور فرمایا کہ شاید اللہ تعالیٰ نے حضرت کو لاہور اسی فیصلہ کے لئے پہنچایا تھا۔

(۳) استغناء اور غیرت:

ڈاکٹر منیر صاحب حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کی مزاج پرسی کے لئے میو ہسپتال میں حاضر ہوئے۔ حالات کا جائزہ لے کر عرض کیا کہ اس مرض کے ماہر معالج ڈاکٹر رشید صاحب نشتر ہسپتال ملتان میں قابلیت کے ساتھ ساتھ بااخلاق، علماء دست اور کسی دینی درس گاہ کے تربیت یافتہ بھی ہیں۔ وہاں علاج کرانا زیادہ مناسب ہے۔ چنانچہ موجودہ معالج اور ڈاکٹر رشید صاحب کو اپنے گھر لے گئے اور عرض کی کہ لاہور کے علاج وغیرہ پر جس قدر خرچ ہوا بندہ ادا کرتا ہے، مگر حضرت والا راضی نہ ہوئے اور جملہ اخراجات حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ نے ادا کئے۔

(۴) نماز تراویح کی پابندی:

"ماہ رمضان المبارک تھا۔ حضرت والا اپنے خادم کی اقتداء میں اشارہ سے تراویح پڑھتے رہے۔"

احقر مؤلف عرض کرتا ہے کہ یہ ہسپتال میں داخل ہو کر زیر علاج رہنے کے زمانہ کی بات ہے۔ تراویح سنت مؤکدہ ہے۔ لیکن اس کا اتنا اہتمام کہ نماز اشارہ سے پڑھنے کی حالت میں بھی ترک نہ ہوئی۔ یہ خاص مقبولانِ الہی کے لئے اللہ تعالیٰ کی توفیق اور اس کا فضل و انعام ہے۔

(۵) مالی تصرفات میں احتیاط:

حضرت والا جب کہیں امتحان یا وعظ وغیرہ کے لئے جاتے تو جو مخصوص کرایہ لیتے، حتیٰ الوسع اسے اسی مصرف میں خرچ کرتے۔ حتیٰ کہ تانگہ سے مدرسہ کے دروازہ پر اترتے اور وہاں سے قیام گاہ تک کسی طالب علم نے بیگ اٹھایا تو اس طالب علم کو بھی کرایہ کی رقم میں سے قدرے دے دیئے۔

ایک صاحب کے روایت کردہ واقعات کا تذکرہ ختم ہوا۔

بلا خوف لومة لائم صاف گوئی، پابندی اصول اور نظم و ضبط:

خیر المدارس کے ابواب میں سے باب نہم میں بعنوان ”دورانِ تعلیم دیگر اہم مشاغل و بیہ سے بھی یکسوئی“ ایک واقعہ گزر چکا ہے کہ حضرت والا نے حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کاندھلوی امیر جماعت تبلیغ کی خیر المدارس میں تقریر کے جواب میں تقریر فرمائی۔ اس سے حضرت والا کی پابندی اصول، نظم و ضبط، تعلیم میں یکسوئی کی تلقین اور دورانِ تعلیم تبلیغ جیسے اہم مقاصد سے بھی یکسوئی^۱ (یعنی تبلیغی جماعت کے ساتھ دورانِ تعلیم باہر نکلنے اور زیادہ انہماک سے یکسوئی نہ کہ مطلق تبلیغ سے) خیر خواہی، رضاء حق اور صاف گوئی اور اخلاقی جرأت جیسے خیر الصفات پر روشنی پڑتی ہے۔

جزئی امور میں اصلاح کا اہتمام:

حضرت والا جزئی امور اور چھوٹی چھوٹی باتوں کی نگرانی اور اصلاح کا بھی بطور خود اہتمام فرماتے تھے۔ یہاں تک کہ مثلاً عیدین کی نماز کے لئے مسجد کے میدان میں صفیں سیدھی رکھنے کے لئے چونے سے لائیں لگوانا اور عیدین وغیرہ کی نماز کے لئے صفوں کا بچھوانا اور بس اتنا ہی نہیں بلکہ چٹائی کی صفیں جو عرض میں کناروں پر ایک دوسرے پر چڑھ جاتی ہیں ان پر بندہ کرنا مشکل ہوتا ہے، تو ایک بار احقر نے دیکھا کہ حضرت والا ان کو خود درست فرما رہے تھے۔ اسی ایک جزئی سے دوسری باتوں کو بھی قیاس کیا جاسکتا ہے۔

جو دو کرم اور ایثار:

ایک حکیم صاحب جو حضرت والا کے تلمیذ تھے، انہوں نے حضرت والا کو سونے کا کشتہ ہدیہ تھا۔ حضرت والا کے

ایک دوسرے تمیز جو آپ کے خادم خاص بھی تھے وہ بیمار ہو گئے (تو غالباً بیماری سے شفاء ہو جانے پر طاقت کے لئے) وہ سونے کا کتبہ حضرت والّا نے ان کو عطا فرمادیا۔

مہمان نوازی:

ایک دو مہمان تو اکثر و بیشتر تقریباً روزانہ حضرت والّا کے پاس آتے ہی رہتے۔ اور حضرت والّا کے گھر سے ان کے لئے کھانا آتا۔ بلکہ حضرت والّا اکثر اپنے ساتھ ہی کھلاتے۔ خصوصاً رمضان المبارک میں اور اس کے بھی عشرہ اخیرہ میں تو حضرت والّا کے دسترخوان پر افطار کرنے والے کئی حضرات ہوتے جو کھانا بھی حضرت والّا کے ساتھ ہی تناول فرماتے۔ احقر مؤلف کو بھی تقریباً اسی سال رمضان المبارک میں مہینہ بھر اور کبھی کچھ زائد حضرت والّا کے ساتھ ہی کھانا کھانے کا شرف حاصل ہوتا رہا۔

حسن انتظام و اہتمام:

اس کے بارے میں باب نہم (ہجرت پاکستان اور خیر المدارس ملتان) میں قدرے تفصیل سے آچکا ہے۔ وہاں ملاحظہ فرمایا جائے۔

ورع و تقویٰ، حفظ لسان و قلب:

اپنے حسب استطاعت مختصر عرض ہے کہ عموماً سب سے زیادہ مشکل زبان کی حفاظت ہے۔ جس کے بارے میں بہت کم ہی خاص لوگ ہیں جو موفق من اللہ ہیں اور اس بارے میں محفوظ ہیں۔ اس کے متعلق اتنا ہی کہنا کافی ہے کہ حضرت والّا بہت کم گو تھے۔ ضرورت کے وقت مختصر ضروری کلام فرماتے تھے۔ (لیکن اتنا اختصار بھی نہیں کہ ضروری بات واضح نہ ہو اور دوسرے کو ضیق و تنگی ہو)

آپ کی مجلس میں کسی کو غیبت، بد گوئی، چغلی، شکوہ و شکایت کرنے کی مجال نہ تھی۔ کجا کہ خود اس میں ابتلاء یا اس کا ارتکاب ہو۔ وہ تو بہت ہی بعید تھا۔ (البتہ آپ کے دائرہ اختیار میں شرعی حدود کے اندر کسی زیادتی یا غلطی کی شکایت اور اس کا ازالہ اس میں داخل نہیں)

باب ۱۵- ارشاد و افاضہ میں حضرت والّا کے ایک مجاز حاجی فتح محمد صاحب مرحوم کے مختصر سوانح میں آچکا ہے اور اس کی اہمیت کے پیش نظر یہاں اس کا اعادہ کیا جاتا ہے کہ انہوں نے ایک بار علماء کے اختلافات کے بارے میں حضرت والّا سے عرض کیا کہ علماء کا اختلاف کبھی رحمت ہوا کرتا تھا، مگر اب تو زحمت بن گیا۔ حضرت والّا نے فرمایا کہ علماء کے اختلافات کے بارے میں اپنی زبان کو غیبت سے بچانا زبان کی عبادت ہے۔ اور دل کو بدگمانی سے بچانا دل کی عبادت ہے۔ (یہ روایت بالمعنی ہے)

امر واقعہ یہ ہے کہ واقعات و حالات تو بہت ہیں جن کا استقصاء نہ ہو سکتا ہے نہ مطلوب ہے، بلکہ اختصار ہی مطلوب ہے۔ اس لئے نمونہ کے طور پر چند واقعات و حالات اور اقوال متعلقہ اخلاق و عادات مبارکہ حضرت والا کو لے لیا گیا ہے۔ جو بعض واقعات وغیرہ یاد آتے رہتے ہیں لیکن اب اسی پر اکتفاء کرتے ہوئے فی الحال اس مضمون کو تو اس شعر پر ختم کیا جاتا ہے۔

نہ حسنش غایتے دارد نہ سعدی را سخن پایاں
بمیرد تشنه مستقی و دریا بچنناں باقی

البتہ بعض علماء و صلحاء کے اقوال و روایات اور بعض خاص بزرگان دین کے بعض مقالات سے اقتباسات وغیرہ حضرت والا کے اخلاق و صفات اور کمالات کے بارے میں آگے آ رہے ہیں۔ ان کے بعد حضرت ماسٹر صوفی اقبال قریشی صاحب زاد مجدہ اور حضرت مولانا عبدالشکور صاحب زاد مجدہ تلمیذ و خادم خاص حضرت والا کے مضامین آگے دیئے جا رہے ہیں۔ ان کے علاوہ باب ۲۱ میں تعزیت ناموں اور تعزیتی مقالات وغیرہ سے اور باب ۲۲ خصوصی مقالات سے بلکہ اس سوانح کے اکثر حصے سے حضرت والا کے اخلاق و کمالات کے بارے میں کچھ اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

حسب استطاعت ان سب کو پیش خدمت کرتے ہوئے کیا یہ بجا نہ ہوگا کہ حضرت والا کے بارے میں وہی شعر عرض کر دوں جو حضرت خواجہ مجذوب صاحب نے حضرت حکیم الامت کے بارے میں عرض کیا تھا، یعنی۔

میں بھی اس پر مر مٹا ناصح تو کیا بے جا کیا
اک مجھے سودا تھا دنیا بھر تو سودائی نہ تھی

حضرت والا کے اخلاق و صفات کے بارے میں بعض علماء و صلحاء کے اقوال و روایات

(۱) حضرت والا کے ایک تلمیذ رشید و مرید سعید حضرت مولانا عبدالجید صاحب انور مدظلہ العالی (استاذ الحدیث جامعہ علوم شرعیہ ساہیوال) فرماتے ہیں کہ ان کو حضرت والا کی دو صفات خاص طور پر نمایاں معلوم ہوئیں جن سے وہ متاثر ہوئے۔ ایک تو یہ کہ جو آپ کو دیکھتا مرعوب ہو جاتا تھا۔ اور ملنے جلنے پر محبت کرنے لگتا تھا۔ دوسرے یہ کہ آپ کا ہر ملاقاتی یہ محسوس کرتا کہ آپ مجھ پر سب سے زیادہ مہربان ہیں۔ اور یہ دونوں صفات حضور ﷺ کے اسوۂ حسنہ کے عین مطابق ہیں۔ جیسا کہ ”شیم الحبیب“ میں ہے کہ ”من راہ بداهة ہابۃ و من خالطہ معرفة احبۃ“ (جو شخص آپ کو اول و بلہ میں ملے دیکھتا تھا مرعوب ہو جاتا تھا، اور جو شخص شناسائی کے ساتھ ملتا جلتا تھا آپ سے محبت کرتا تھا) اور یہ بھی ہے: حتی لا یحب

۱۔ یہ سب روایات ہمعنی ہیں۔ (۱۱)

۲۔ حضور ﷺ کے شامل مبارکہ پر مشتمل یہ رسالہ شامل ترمذی وغیرہ سے لیا گیا ہے۔ اور اس رسالہ کو نشر الطیب میں نقل کیا گیا ہے۔ احقر نے ازالہ الوسن سے نقل کیا تھا۔
اس میں بھی نشر الطیب ہی سے لیا گیا ہے۔ کیونکہ اردو ترجمہ نشر الطیب ہی کے مطابق ہے۔ (۱۲)

جلسہ ان احذا اکرم علیہ منہ (یہاں تک کہ آپ کا ہر جلسہ یوں سمجھتا کہ مجھ سے زیادہ آپ کو کسی کی خاطر عزیز نہیں) حضرت مولانا محمد حنیف صاحب جالندھری زید مجدہم (مہتمم جامعہ خیر المدارس و نیرہ حضرت والا) نے "آثار خیر" کے پیش لفظ میں اس کتاب کا تعارف کراتے ہوئے حضرت والا کے بارے میں مختصر اور جامع بات خوب تحریر فرمائی ہے کہ "برصغیر کے علمی و دینی حلقے استاذ العلماء حضرت مولانا خیر محمد صاحب قدس سرہ کے نام، کام اور مقام سے بخوبی متعارف ہیں۔ حضرت والا ایک جلیل القدر عالم ربانی، محدث کبیر، فقیہ عصر، ظاہر و باطن کے جامع اور نابذ روزگار ہستی تھے۔ آپ کی پوری زندگی تعلیمی، تدریسی، تالیفی اور اصلاحی خدمات سے عبارت تھی۔ اختصار و جامعیت آپ کی تحریر و تقریر اور تدریس کی امتیازی خصوصیت تھی۔" چونکہ یہاں حضرت والا کے بعض رسائل پر مشتمل کتاب کا تعارف کرایا گیا ہے، اس لئے ملی پہلو کو نمایاں کیا ہے۔ اصلاح باطن اور سلوک و تصوف کے شعبہ کی طرف صرف "جامع ظاہر و باطن" اور "اصلاحی خدمات" وغیرہ سے اشارہ فرما دیا ہے۔

(۳) حضرت والا کے ایک مرید اور حضرت حکیم الامت کے بعض خلفاء سے اجازت یافتہ حضرت الحاج مولوی نصرت علی صاحب صدیقی رحمۃ اللہ علیہ نے جدہ سے اپنے گرامی نامہ مورخہ ۲۰ شوال ۱۳۹۰ھ (۱۹ دسمبر ۱۹۷۰ء) میں تحریر فرمایا تھا: "حضرت مولانا خیر محمد صاحب علیہ الرحمۃ امت کے لئے سراپا خیر ہی تھے۔ ہر ایک سے اس قدر محبت اور شفقت کا برتاؤ فرماتے تھے کہ معلوم ہوتا تھا حضرت ہمارے اوپر سب سے زیادہ مہربان اور کرم فرما ہیں۔"

(اس میں سنت کے موافق اسی خلق کا ذکر ہے جو نمبر ۱ میں مذکور ہوا)

مولوی نصرت علی صاحب مرحوم ہی نے اپنے گرامی نامہ مورخہ ۱۲/۶/۱۳۹۱ھ (مطابق ۱۸/۸/۱۹۷۱ء) میں مکہ مکرمہ سے تحریر فرمایا تھا: "حضرت والا کا چہرہ نورانی سامنے آ گیا۔ احقر نے بارہا مشاہدہ کیا۔ حضرت والا کو دیکھ کر معلوم ہوتا تھا کہ جیسے کوئی روشنی (نور) سارے جسم مبارک خصوصاً رخ نور سے اہل رہی ہے۔"

(۴) حضرت والا کے ایک مرید (جن کا نام غالباً عبدالعزیز مرحوم تھا اور وہ سابقاً پٹواری تھے) انہوں نے احقر مؤلف سے بیان کیا کہ ایک دن حضرت والا کھانا کھانے بیٹھے۔ اتنے میں ایک فقیر آ گیا اور اس نے کھانا مانگا۔ آپ نے کھانا اس کو سے دیا اور اپنے لئے اور کھانا منگوا دیا۔ اسی اثناء میں ایک اور سائل آ گیا اور اس نے کھانے کا سوال کیا۔ آپ نے پھر کھانا اس کو دے دیا اور اپنے لئے اور کھانا منگوا دیا۔ اس بار پھر کوئی فقیر آ گیا اور اس کو کھانا دے دیا۔ آخر حضرت والا نے فرمایا کہ مجھے کھانا نہیں کھانا۔ (اس واقعہ سے حضرت والا کا ایثار و سخاوت ظاہر ہے)

(۵) حضرت مولانا عتیق الرحمن صاحب زید مجدہ (استاذ جامعہ بنوریہ سائٹ، کراچی) ربیع الثانی یا جمادی الاولیٰ ۱۳۷۶ھ میں عمرہ و زیارت کو آئے ہوئے تھے۔ انہوں نے مسجد نبوی میں ایک روز احقر سے یہ واقعہ بیان فرمایا کہ "تحریک ختم نبوت کے بعد خیر المدارس کے سالانہ جلسہ پر حضرت مولانا احتشام الحق صاحب تھانوی کا بیان ہونا تھا۔ چونکہ مولانا نے

تحریک ختم نبوت میں مجلس تحفظ ختم نبوت کے ساتھ مل کر حصہ نہیں لیا تھا، مجلس والے حضرات ان سے ناراض تھے اور حضرت والا کو معلوم ہوا کہ ان کا یہ پروگرام ہے کہ مولانا احتشام الحق صاحب کو تقریر نہیں کرنے دیں گے۔ اب حضرت والا کی حکمت عملی ملاحظہ ہو کہ حضرت والا نے حضرت مولانا محمد علی جالندھری کو اس اجلاس کا صدر بنایا جس میں مولانا احتشام الحق تھانوی کی تقریر ہونا تھی۔ چنانچہ یہ مسئلہ ہی حل ہو گیا۔ جب جلسہ ہی ان کی صدارت میں ہے تو ان کے کارکن تقریر کو کیوں روکنے لگے۔ اور اس جلسہ میں کسی قسم کے ہنگامہ وغیرہ کا سوال ہی نہ رہا۔ کیونکہ حضرت مولانا محمد علی جالندھری امیر شریعت حضرت مولانا عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری کے دست راست تھے اور ان کے بعد عمر بھر مجلس تحفظ ختم نبوت کے صدر رہے۔

حضرت والا کا مقام اور اخلاقِ حسنہ بزرگانِ دین کی نظر میں

حضرت والا کے متعلق ”ذکر خیر و یاد شریف“ میں اکابر علماء اور بزرگانِ دین کے مقالات سے ذیل میں اقتباسات دیئے جا رہے ہیں، جن سے معلوم ہوگا کہ ان حضرات کے نزدیک حضرت والا کا مقام کیا تھا، اور آپ کیسے اخلاقِ فاضلہ متصف تھے (ان کے علاوہ باب ۲۲ میں تو مستقل مقالات ہی حضرت والا کے بارے میں ہیں)

عالم ربانی مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی کی نظر میں:

(حضرت مفتی صاحب کا مستقل تعزیتی ادارہ آئندہ باب ۲۱، علالت و سفر آخرت میں آ رہا ہے)

سید المفسرین حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی کی نظر میں:

”حضرت مولانا خیر محمد صاحب جالندھری رحمۃ اللہ علیہ تو جامع کمالات تھے۔ ان کے اوصاف و کمالات کا ذکر کس انداز میں کیا جائے۔ ان کی زندگی کا ہر لمحہ علمِ دین کی خدمت میں گزرا ہے۔ وہ اپنی زندگی میں ایک ایسا چشمہ علم جاری فرمائے ہیں جو ان کی نجات کے لئے کافی ہے۔ باقی کمالات علمی و روحانی الگ ہیں۔“

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب قاسمی رحمۃ اللہ علیہ کی نظر میں:

”حضرت مولانا خیر محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ ایک جید عالمِ دین اور شیخ العصر تھے۔ قدیم بزرگوں کی سادگی کا پیکر، تواضع و انکساری کا مجسمہ، خوش اخلاق اور اسلاف کی یادگار تھے۔ رُشد و ہدایت اور دینی فیضان کا منبع و سرچشمہ تھے۔ اور حضرت حکیم الامت تھانوی کے اجل خلفاء میں ایک ممتاز شخصیت و حیثیت کے مالک تھے۔“

”اپنے حسن اخلاق اور حسن تدبیر ہی سے آپ نے حضرت حکیم الامت قدس سرہ کی زیر سرپرستی ایک دینی مدرسہ جالندھری میں قائم کیا..... اور دراصل حضرت مولانا مرحوم کا حسن اخلاق، عمیق علم اور اس پر حسن نیت و اخلاص اس مدرسہ کی اساس ہے.....“

محدث العصر حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ کی نظر میں:

(حضرت مولانا بنوریؒ کا مستقل رسالہ (بینات کا ادارہ) آئندہ باب ۲۱ "علاقت و سفر آخرت" میں آرہا ہے)

شمس العلماء حضرت مولانا شمس الحق صاحب افغانیؒ کی نظر میں:

"حضرت مولانا جالندھری رحمۃ اللہ علیہ اپنے کمالات علمی اور روحانی کے اعتبار سے علم و عرفان کے ایک روشن چراغ تھے۔ اور علوم ظاہرہ میں کامل و مکمل اور مقامات باطنیہ میں بہت بلند مقام پر فائز تھے۔ آپ معقولات و منقولات کے اس وقت امام تھے، اور علوم دینیہ کے خزانہ تھے۔"

ذلیب پاکستان حضرت مولانا احتشام الحق صاحب تھانویؒ کی نظر میں:

"گزشتہ دنوں خیر العلماء، افضل العلماء حضرت مولانا الحاج خیر محمد صاحب جالندھری بانی مدرسہ عربیہ خیر المدارس دہرپور مرکزی جمعیت علماء اسلام پاکستان کی اچانک وفات کا ایک ایسا عظیم سانحہ پیش آیا جس نے پاکستان بھر کے تمام اسلامی و علمی حلقوں کو شدید صدمہ سے نڈھال کر کے رکھ دیا اور کمر ہمت توڑ کر رکھ دی۔ اور آج تمام علماء کرام اپنے آپ کو یتیم محسوس کر رہے ہیں وہ اس وقت تمام علماء میں سب سے زیادہ افضل اور قابل احترام تھے اور علمائے سلف کی یادگار تھے۔ حضرت مولانا خیر محمد صاحبؒ کی آنکھ کیا بند ہوئی، یوں محسوس ہوتا ہے کہ خیر کا ایک چشمہ تھا جو یک لخت سوک گیا۔ آپ عالم اسلام کی ان گنی جینی شخصیات میں سے ایک تھے جو ملت اسلامیہ کے لئے سرمایہ ناز کی حیثیت رکھتے ہیں۔ آپ جیسی جامع علم و عمل ہستی کی کمی آئندہ آنے والے زمانوں میں شاید صدیوں تک محسوس کی جاتی رہے....."

شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحبؒ کی نظر میں:

استاذ العلماء حضرت مولانا خیر محمد صاحب قدس سرہ برصغیر پاک و ہند کے چند ممتاز و جید علماء میں سے تھے۔ ان کی وفات سے علم و عرفان کا چراغ بجھ گیا ہے..... حضرت مولانا جس طرح اپنے اخلاق باطنہ میں بلند مقام کے مالک تھے اسی طرح علوم ظاہرہ تفسیر و حدیث، فقہ و کلام اور منطق و فلسفہ کے بھی اعلیٰ مقام پر فائز تھے۔ اور وہ جامع علم و عمل اور تصوف و سلوک کے کامل شیخ تھے۔ آپ جیسے مخلص، پاک باز اور اہل دل بزرگ کہیں قرونوں میں وقوع پذیر ہوتے ہیں۔ وہ خلوص و للہیت کا بہترین نمونہ اور زہد و تقویٰ کا مجسمہ تھے۔ ان کا ہمارے درمیان سے اٹھ جانا ایک بہت بڑی مصیبت اور عظیم نقصان ہے۔"

حافظ الحدیث حضرت مولانا محمد عبداللہ در خواستی صاحبؒ کی نظر میں:

"حضرت مولانا خیر محمد جالندھریؒ کا سانحہ ارتحال ایک عظیم سانحہ ہے۔ وہ ایک جید عالم دین، عظیم محدث، محقق،

مدبر اور شیخ کامل تھے۔ وہ علماء سلف کی زندگی کا بہترین نمونہ تھے۔ مولانا مرحوم کی ساری زندگی تبلیغ دین، درس و تدریس اور تربیت و اصلاح میں صرف ہوئی۔ پاکستان بھر کے علماء میں بلند مقام رکھتے تھے۔ ان کی وفات سے جو خلا پیدا ہوا ہے وہ مشکل ہی سے پُر ہوگا۔“

حضرت والا کے چند خاص فضائل

اتباع سنت:

حضرت والا کی ساری زندگی اتباع سنت کا مظہر تھی۔ قدم قدم پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نقش قدم کے اتباع کا اہتمام تھا۔ کوئی بات آپ کے یہاں خلاف سنت نظر نہیں آتی تھی بلکہ خلاف سنت امور کو حضرت والا برداشت نہ فرما سکتے تھے۔ سنت خیر البشر کی پیروی تیرا کمال

یہی وہ خیر الخصال والکمال صفت ہے جس کے بعد مزید کچھ لکھنے کی گنجائش باقی نہیں رہی۔ آپ کے اخلاق حسنہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اخلاق حسنہ کا ایک نمونہ تھے۔ اسی لئے حضرت والا کو نمونہ سلف صالحین کہا جاتا ہے۔

عشق رسول ﷺ:

حضرت والا کی سرکارِ دو عالم ﷺ سے از حد عشق و محبت کا اندازہ آپ کے اتباع سنت سے ہی ہو سکتا ہے۔ نیز جس نے تازیت صحیح بخاری شریف کا درس دیا اس کی محبت رسول کے لئے مزید ثبوت کی کیا ضرورت ہو سکتی ہے۔ نیز اس کا اندازہ اس سے بھی کیجئے کہ آپ نے رحمت کائنات کا مطالعہ فرمایا تو مولانا سید قاضی زاہد الحسینی صاحب مدظلہ کو تحریر فرمایا تھا ”اس کتاب کے مطالعہ سے احقر اپنے قلب میں محبت نبویہ میں ترقی اور اضافہ محسوس کرتا ہے۔“

تبحر فی العلم:

حضرت والا کی جہاں تقدس و تقویٰ میں شان نمایاں تھی، وہاں علم و فضل میں بھی بڑا ممتاز مقام پایا تھا۔ تفسیر، حدیث، فقہ، منطق، فلسفہ، غرض ہر علم میں ماہر تھے۔ اس کا اندازہ تو آپ کے ہزار ہا شاگرد علماء کو ہوگا۔ باقی احقر کو اس کا اس وقت اندازہ ہوا اور حافظہ پر حیرت ہوئی (کیونکہ طویل علالت اور تین آپریشنوں کے بعد اٹھے تھے) کہ مئی ۷۰ء میں کسی نے علماء اہل حدیث سے جمعہ کے بارے میں اختلاف کا ذکر کیا۔ اس وقت حضرت والا گھر تشریف لے جا رہے تھے۔ اسی عالم میں کھڑے کھڑے متعدد احادیث کے حوالے ارشاد فرمائے۔ یہاں تک کہ خود غیر مقلدین کی اپنی معتبر کتاب کا حوالہ دیا، جس نے احقر کو بڑی حیرت ہوئی۔

سر ایاز شفیقت و محبت:

حضرت والا کی ذات بابرکات سراپائے شفقت و مجسمہ رافت تھی کہ ہر ایک یہ گمان کرتا کہ حضرت والا کی شفقت و عنایت کا ایسا خصوصی تعلق میرے سوا کسی اور سے نہ ہوگا۔

اظلاق کا یہ عالم کہ ہر اک یہ سمجھتا تھا مجھ سے جو تعلق ہے اوروں سے نہیں ایسا حالانکہ حقیقت یہ تھی کہ حضرت والا انتہائی مشفق ہونے کی وجہ سے ہر ایک کے ساتھ شفقت و عنایت کا برتاؤ فرماتے تھے۔ چنانچہ اس ناچیز و ناکارہ نے بیعت کے لئے ملتان حاضر ہونے کے لئے خط لکھا اور یہ اس ناچیز کا سب سے پہلا و فیض تھا۔ تو اس کے جواب میں تحریر فرمایا: ”بیعت خط سے بھی ہو سکتی ہے۔ جب لکھو گے بیعت کر لیا جائے گا۔“ سبحان اللہ! ایک اجنبی طالب کے ساتھ اس قدر شفقت کا برتاؤ کہ بیعت کی خاطر ملتان کے سفر کی زمت دینا بھی گوارا نہیں۔

ہم نے اُلفت کی نگاہیں دیکھیں جانیں کیا چشم غضبناک کو ہم اسی طرح حضرت مولانا عبدالعزیز صاحب مدظلہم (مہتمم اشاعت العلوم چشتیاں) کو دسمبر میں سخت سردی کی بناء پر ملتان حاضر خدمت ہونے سے منع فرما دیا تھا۔ شفقت و مہربانی کی یہ حالت تھی کہ مہمانوں کے آرام کا خود خیال فرماتے۔ دو دن اپنے ساتھ بلا کر چائے پلاتے، کھانا کھلاتے اور خاص خیال رکھتے۔ بارہا اس ناچیز کو حاضری کی سعادت نصیب ہوئی، مگر کسی بھی حاضری میں یہ تاثر نہیں ملا کہ حضرت والا تو تعلیم یافتہ حضرات کو بُرا سمجھتے ہوں، بلکہ ہمیشہ ایسے محسوس ہوا کہ حضرت والا کی جس قدر شفقت و توجہ میرے ساتھ ہے دوسروں کے ساتھ شاید ایسی نہیں ہوگی۔ ہمیشہ وداعی مصافحہ کے وقت بے شمار دعاؤں دیتے اور فرماتے کہ گھر پہنچ کر خط لکھو، تاکہ بعافیت پہنچنے کا اطمینان ہو۔ دورانِ قیام ہمیشہ دونوں وقت اہتمام سے پائے ساتھ پلاتے اور ایک بار پہلی مرتبہ کھانا بھی کھلاتے۔ اس خصوصی شفقت و عنایت کا تعلق بجز اللہ آخر تک رہا۔

یاد آں روزے کہ در میخانہ منزل داشتیم

جائے بردست و جانان بر مقابل داشتیم

اور اس شفقت و محبت اور اپنی ناکارگی کا جب خیال آتا ہے تو کلیجہ منہ کو آتا ہے۔

جب تمہارا خیال آتا ہے دل کا ہر تار جھنجھاتا ہے

کوئی آنسو سے برسرِ پیکار کوئی اشکوں میں ڈوب جاتا ہے

حضرت والا کے بعض اخلاق و عادات

بقلم حضرت مولانا عبدالشکور صاحب زاد مجده^۱ (تلمیذ و خادم خاص حضرت والا)

تقویٰ:

تقویٰ کے اعتبار سے حضرت نور اللہ مرقدہ کی ذات اقدس اپنی مثال خود آپ تھے۔

(اس کے دلائل ان شاء اللہ تعالیٰ امید ہے کہ آئندہ سطور سے معلوم ہوں گے)

اتباع سنت:

بسا اوقات کسی کام کے وقت فرماتے احادیث میں یوں آتا ہے کہ یہ کام حضور اکرم ﷺ نے اس طرح کیا ہے (یہ غالباً اپنے خدام کی تعلیم کے لئے فرماتے)

خورد و نوش:

کھانا ہمیشہ سادہ اور تھوڑا استعمال فرماتے۔ پانی مناسب مقدار میں استعمال فرماتے۔ سوائے دو وقت کی چائے کے اور کسی چیز کی عادت نہ تھی۔ جو ملتا استعمال فرماتے۔

لباس اور دھلائی:

لباس ہمیشہ سادہ ہوتا۔ کپڑے عموماً میں خود ہی دھویا کرتا تھا، مگر استری دھوبی سے کروالیتا یا کبھی خود کر لیتا۔ حضرت والا مجھے وقتاً فوقتاً پیسے دے دیتے یا پھر میرے بھائی حافظ محمد حنیف کو دیدیتے جو میرے ساتھ ہی رہا کرتا تھا۔ اسی طرح اگر کوئی اور چیز میں خود حضرت کے لئے یا کسی مہمان کے لئے لے آتا تو حضرت اس کی قیمت ادا فرمادیتے تھے۔

نماز:

صوم و صلوٰۃ کی آپ شدت سے پابندی فرماتے تھے۔ جب آپ ایبٹ آباد میں بیمار ہوئے تو آپ بدستور نماز ادا فرماتے رہے۔ اگر اٹھ بیٹھ نہ سکے تو اشارے سے ہی نماز کو ادا فرمایا۔

اور پھر جب آپ پریشن ہونے والا تھا تو مجھے کہا جاؤ بازار سے ایک کاپی لے کر آؤ۔ میری جو نماز بھی قضا ہو وہ تاریخ اور وقت کے ساتھ لکھ لو، پھر مجھے بتاؤ۔ چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا۔ جب بھی حضرت کو کچھ افادہ ہوتا تو آپ قضا نماز ادا فرماتے۔

اسی طرح سفر کے دوران ریل گاڑی میں بھی باجماعت نماز ادا فرماتے تھے۔ بہت دفعہ ایسے ہوا کہ سفر میں میں ساتھ ہوتا۔ چلتی گاڑی میں ہی ہم کو وضو کرتے دیکھ کر اور لوگ بھی تیار ہو جاتے تو حضرت جماعت کرانے کے لئے مجھے آگے کر دیتے۔ میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ حضرت نے کبھی بھی چلتی گاڑی میں بیٹھ کر نماز ادا کی ہو، بلکہ کھڑے ہو کر ہی نماز ادا فرمائی۔

لین دین:

اسی طرح حضرت لین دین کے معاملات میں بہت صاف تھے۔ اگر کسی کا کوئی پیسہ دینا ہوتا تو فوراً ادا فرماتے۔ حتیٰ کہ حضرت نے اپنی زندگی میں ہی فیروزہ والی زمین فروخت کی تو تمام اولاد کو حصص تقسیم کر کے اپنی ڈائری میں مجھ سے نوٹ کرا لیا۔

انتظام:

اسی طرح اگر کبھی خود یا اہل خانہ میں سے کسی کو سفر پر جانا ہوتا تو آپ وقت سے پہلے تیار ہو جاتے اور فرماتے کہ ریل گاڑی ہماری محتاج نہیں بلکہ ہم اس کے محتاج ہیں۔ وقت سے پہلے جانا چاہئے اور اگر کوئی سواری فوری طور پر نہ ملتی تو آپ سواری کا انتظار کرنے کے بجائے پیدل ہی چل پڑتے۔ جہاں سے سواری مل جاتی، سوار ہو جاتے۔ اپنے ساتھ سفر میں ہمیشہ مختصر سامان رکھتے۔ سفر کے دوران کھانے کی اشیاء استعمال کرنے میں احتیاط فرماتے۔ سفر میں آرام کی بجائے مصلحت کو پیش نظر رکھتے۔ ایک دفعہ ہمیں لاہور سے واپس ملتان آنا تھا تو حضرت نے گاڑی میں سفر کرنے کے بجائے بذریعہ لاری سفر کیا۔ رات ساہیوال جامعہ رشیدیہ میں قیام فرمایا۔ پھر وہاں سے صبح ہی بذریعہ لاری روانہ ہوئے، تاکہ جلدی ملتان پہنچ جائیں۔ کیونکہ چھوٹی بچی نے سفر پر جانا تھا۔ اس کو زحمت کرنا تھا۔ اس لئے اپنے آرام کو ترک فرما دیا۔

اللہم اھدنا اتباعہم.

حضرت والا کے خدو خال اور صفات و کردار کا مختصر خاکہ

(بقلم شاگرد و خادم خاص حضرت والا مولانا حافظ عبدالشکور صاحب مدظلہ خطیب بہاولپور)

درمیانہ قد، خوبصورت چہرہ، کشادہ پیشانی، گندمی رنگ، داڑھی کے بال بالکل سفید مگر علیحدہ علیحدہ، بات کرتے تو چہرے کی نورانیت اور زیادہ نکھر جاتی۔ نرم گفتار، لبوں پر مسکراہٹ، کم گو مگر گفتگو اخلاق و شانستگی سے بھرپور، طبیعت میں سلاستی اور مزاج میں اعتدال، نظم و ضبط میں بے مثال، افتراق و انتشار سے یکسو، تعصب و تعزب سے بے نیاز، ہر ایک کے قابل اعتماد، ہر ایک کے لئے قابل احترام، اتحاد و اتفاق کے داعی، علم و وقار کا مجسمہ، زہد و اتقاء، خدا ترسی اور للہیت کا بہترین نمونہ، عقل و متانت و تدبیر و تفکر اور مکارم اخلاق کی زندہ تصویر تھے۔

چہرہ کی نورانیت، بشرہ کی شگفتگی، علوم و فنون کی مہارت، اصلاح و تربیت کی نفاست، گفتار و کردار کی لطافت، زہد و تقویٰ کی امانت کے امین تھے۔ بولتے تو یوں محسوس ہوتا کہ موتی بکھیر رہے ہیں۔ پوری مجلس کا متکلم ایسی جامع الصفات شخصیت ہیں بلکہ کوئی بے تکلف دوست ہیں۔ غرض یہ کہ آپ کی ذات و شخصیت ان تمام صفات و کمالات کی جامع تھی۔

اگر واقف و اجنبی بھی دیکھتا تو پہلی ہی نظر میں آپ کا گرویدہ ہو جاتا۔ چہرے پر نور پاشی یوں ہوتی کہ نظر ہانے کو دل نہ چاہتا۔

اندازِ گفتگو:

خداوند قدوس نے جہاں حضرت والا کو جلال و جمال کی صفات سے نوازا تھا وہیں ان کی ذات میں اخلاقی حسنا اور شگفتہ اندازِ گفتگو بھی خوب وافر مقدار میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوتا تھا۔ چہرہ پر قدرتی رُعب اور دبدبہ تھا۔ واقف و اجنبی ہر ایک قریب جانے سے کتراتا مگر جو بھی قریب جاتا تو حضرت والا کو حسن اخلاق کا پیکر پاتا۔ دورانِ گفتگو اس کو یہ بھی احساس نہ ہوتا کہ میں کس شخصیت سے محو گفتگو ہوں۔ بالکل بے تکلفی کے ماحول میں آپ مخاطب کی بات سنتے اور پھر نرم و شیریں آواز میں مخاطب کی بات کا جواب دیتے۔ بلکہ ہر مخاطب سے اس کی طبیعت کے مطابق گفتگو فرمایا کرتے۔ آپ ہمیشہ نرم اور آہستہ آواز میں بات کرتے۔ بات کرتے وقت چہرہ پر نورانیت اور زیادہ نکھر جاتی۔ لبوں پر ہلکی ہلکی مسکراہٹ ہوتی۔ آنے والوں سے پوچھتے کہاں سے آئے؟ کب آئے؟ کھانا کھایا ہے یا نہیں؟ آپ طویل گفتگو نہ فرماتے تھے، بلکہ مخاطب کی بات کا مختصر مگر جامع جواب دیتے۔

اندازِ تحریر:

یہی انداز آپ کی تحریر میں بھی تھا۔ جب بھی کسی خط کا جواب دیتے تو نہایت مختصر۔ کوئی کام کسی کو بتلایا، وقت پر یا صحیح طور پر نہ ہوا تو خود شروع فرما دیتے۔ غصہ کی حالت میں کوئی آپ سے بات نہ کر سکتا تھا۔ ہاں اگر اپنی غلطی کا اقرار کر کے معافی مانگ لے تو آپ فوراً معاف کر دیتے اور کبھی دل میں کوئی بات نہ رکھتے۔

لباس اور چال ڈھال:

آپ کا لباس عموماً سفید^۱ کرتہ اور شلوار ہوتا تھا اور کبھی کبھار خانے دارنگی پہنتے۔ سر پر پنج کلی کپڑے کی گول ٹوپی ہوتی۔ سربیا جمعہ کے بیان میں پشاور کی کلمہ پر ہلکے زرد رنگ کا عمامہ باندھا کرتے۔ پاؤں میں جوتا ہمیشہ چمڑے کا کھس پہنتے۔ بعض اوقات صرف مدرسہ میں سلپر پہنتے۔ چلتے تو چال میں متانت نمایاں ہوتی جیسے اوپر سے نیچے کو اتر رہے ہوں۔ داڑھی کے بال بالکل سفید اور بہت زیادہ چمکیلے تھے۔ دندان مبارک متوازن، باہم پیوست مثل دانہ انار۔ آنکھوں کی بینائی آخر وقت تک اچھی تھی۔ باریک سے باریک خط یا کتاب آسانی سے پڑھ لیتے تھے۔ قوتِ سمع میں ذرا فرق نہیں آیا تھا۔ گویا جسم کے تمام اعضاء متوازن و صحیح سالم تھے۔ مجموعی حیثیت سے جسم لطیف و نازک تھا۔

رافت و رحمت اور شفقت و محبت^۲:

حضرت والا کے شاگرد رشید اور خادم خاص حضرت مولانا حافظ عبدالشکور صاحب مدظلہ تحریر فرماتے ہیں^۳ "ذاتی مشاہدات و تجربہ کی بناء پر میں کہہ سکتا ہوں کہ حضرت والا ایک انتہائی مشفق سے مشفق ماں سے بھی زیادہ شفیق تھے۔

حضرت والا جس کمرے میں سویا کرتے تھے دو پہر کو میں بھی قریب ہی نیچے دری یا قالین پر لیٹ جاتا۔ اگر حضرت والا جلدی بیدار ہوتے اور نماز میں کافی وقت ہوتا یا پھر حضرت نے کسی کام کے لئے گھر جانا ہوتا تو مجھے دری سے اٹھا کر اپنے بستر پر لٹا دیتے اور کبھی ایسا بھی ہوا کہ میں سو رہا تھا اور بجلی بند ہو گئی۔ آنکھ کھلی تو دیکھا حضرت والا خود ہاتھ میں پکھالے کر مجھے ہوا کر رہے ہیں۔ حضرت والا اگر کمرے میں کھانا کھاتے تو مجھے بھی ساتھ شریک کر لیتے اور جب گھر میں کوئی اچھی چیز یا مہمانوں کا کھانا پکاتا تو میرے لئے خود لے کر آتے۔ اسی طرح حضرت کی خدمت میں کوئی تحفہ آتا تو حضرت خود استعمال کرنے سے پہلے حاضرین کو دیتے اور اگر میں اس وقت موجود نہ ہوتا تو میرے لئے سنبھال کر رکھ لیتے جس طرح ماں اپنے بچے کے لئے چیز سنبھال کر رکھتی ہے۔ اور جب کبھی حضرت کے ساتھ سفر پر جانا ہوتا تو فرماتے کہ اپنی فلاں فلاں کتاب ساتھ لے چلو، میں خود پڑھاؤں گا تا کہ سفر میں سبق کا نقصان نہ ہو۔ چنانچہ قصیدہ بدء الامالی، مشکوٰۃ شریف، ہدایہ اولین، نور الانوار،

^۱ سردیوں میں کرتے کے اوپر صدری پہنتے اور کرتے کے نیچے ہلکی بنائی کا بادی رنگ کا سویر ہوتا اور سخت سردی میں گرم اچکن بھی پہنا کرتے تھے۔

^۲ ذیلی عنوان از آقا۔

شرح جامی، دیوان متنبی، الفوز الکبیر کا کچھ کچھ حصہ میں نے حضرت سے سفر ہی میں پڑھا۔

اور جب ۱۹۶۹ء کے موسم گرما میں حضرت مخدوم المکرم ایبٹ آباد جانے کے لئے تیار ہوئے تو اس وقت میں بیمار ہونے کی وجہ سے گھر آیا ہوا تھا، تو حضرت نے میرے ایک ساتھی مولوی بشیر احمد لائل پوری کو خط دے کر گھر بھیجا کہ امید ہے کہ آپ کی صحت اب اچھی ہوگی۔ میں ہر وقت آپ کے لئے دُعا کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جلدی صحت دے۔ اپنی خیریت کی اطلاع دیں۔ چند دنوں تک میرا ارادہ ایبٹ آباد جانے کا ہے۔ اگر آپ ساتھ ہوتے تو اچھا ہوتا۔ اس لئے اگر آپ کی صحت کچھ ٹھیک ہو تو واپس آ جائیں اور میرے ساتھ چلیں۔ آپ کی صحت بھی ٹھیک ہو جائے گی۔

یہ حضرت کی شفقت و عنایت کی ادنیٰ مثال ہے۔ ورنہ ساتھ لے جانے کے لئے حضرت والا کے لئے ایک نہیں ہزاروں موجود تھے۔

اسی طرح ایک بار میں بیمار ہو کر گھر آ گیا تو آپ نے میرے والد کے نام شفقت بھرا خط ارسال کیا کہ اللہ تعالیٰ عزیز کو جلد صحت دے۔ ان کے نہ آنے سے تعلیم کا بہت حرج ہو رہا ہے۔ سلم العلوم، ہدیہ سعید یہ کی بجائے ملا حسن، میمنہ شریع ہو گئی ہیں۔ اس لئے صحت ہونے پر بہت جلد آ جانا چاہئے۔ عزیز اپنی حالت سے جلد جلد اطلاع دیتا رہے۔

اسی طرح ۱۹۶۷ء میں جب میری شادی ہوئی، ان ہی دنوں حضرت پر فالج کا حملہ بھی ہو چکا تھا۔ اور شادی کے روز بالخصوص حضرت کی طبیعت بہت ناساز تھی۔ مگر انتہائی شفقت ملاحظہ ہو کہ اسی عالم میں سفر اختیار فرمایا اور وہ بھی ایسے چمک کا جہاں کبھی تشریف نہیں لے گئے تھے۔ اور جانے سے پہلے مجھے بوسکی رنگ کی بھڑک دار شیر وانی عطا فرمائی کہ تم اسے شادی پر پہننا۔ اسی طرح ایبٹ آباد سے یہ خصوصی والا نامہ تحریر فرمایا:

”عزیز حافظ عبدالشکور صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! میری حالت وہی ہے جو پہلے تھی۔ کوئی تفاوت معتدبہ نہیں آیا۔ یہاں کوئی نمایاں سردی نہیں۔ بارش نہ ہونے کی وجہ سے کوئی چنداں سردی نہیں۔ البتہ عصر کے بعد ترجمہ قرآن مجید شروع ہے اور ملفوظات کا سلسلہ بھی جاری کر رکھا ہے۔ اس میں بہت سے آدمی شریک ہوتے ہیں۔ دل لگا رہتا ہے۔ جہاں گھڑیاں ہیں وہ مقام یہاں سے ایک سو پچاس میل دور ہے۔ ایک کو بھیجا ہوا ہے۔ امید ہے کہ ڈیڑھ سو تک عمدہ گھڑی لے کر آئے گا، ان شاء اللہ۔ تمہارے واسطے دُعا کرتا ہوں۔ محنت کیا کرو اور کمرے کی حفاظت کرو۔“

۱۵ شعبان ۱۳۹۰ھ مطابق ۱۷ اکتوبر ۱۹۷۰ء کو میں حضرت والا کے دست شفقت پر بیعت ہوا۔ میرا سالانہ امتحان

ہو چکا تھا اور میں گھر جانے کی تیاری کر رہا تھا کہ حضرت والا خود کھانا اٹھا کر لائے اور فرمایا تم گھر جا رہے ہو۔ چلو آج کھانا اکٹھے کھاتے ہیں۔ کھانے کے بعد گھر تشریف لے گئے اور ایک رنگ دار پتھر کی تسبیح، دو کتابیں سیرت مصطفیٰ اور شریعت لریقت اور کچھ رقم عنایت فرمائی۔ پھر کھڑے ہو کر اس شفقت و محبت سے سینے سے لگایا، بغل گیر ہونے کے بعد فرمایا جس

وقت جس چیز کی ضرورت ہو، فوراً بتلا دینا۔ میں ان شاء اللہ پوری کروں گا۔ اپنی خیریت کی اطلاع جلد جلد دیتے رہنا۔ سب گھروالوں کو دعاً سلام کہنا۔

میرے گھر جانے کے پانچ دن بعد حضرت کا وصال ہو گیا، فراق ہو گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ ہائے افسوس و حسرت کے ساتھ رخصت فرماتا تھا کہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے آخری بار رخصت فرمادیا۔“

احقر مؤلف^۱ تقاضائے قلب سے حضرت مجذوب^۲ کا شعر پھر دہراتا ہے:

میں بھی اس پر مر مٹا ناصح تو کیا بے جا کیا
اک مجھے سودا تھا دنیا بھر تو سودائی نہ تھی

۱ مولانا حافظ عبدالشکور صاحب مدظلہ (بہاولپور) کی تحریر ختم ہوئی۔ انتہائی طوالت کے خوف کے سبب بعض جگہ احقر نے عبارت مختصر لکھ دی۔ احقر قریشی غفرلہ
۲ ا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلَا اِنَّ اَوْلِیَاءَ اللّٰهِ لَا خَوْفَ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ .

مَنْ اَحَبَّ لِقَاءَ اللّٰهِ اَحَبَّ اللّٰهُ لِقَاءَهُ (الحديث)

اولیاء اللہ اشتیاق لقاہ اللہ میں زبان حال سے فرماتے ہیں:

خرم آں روز کزیں منزل ویراں بروم راحت جاں ظلم و زپئے جاناں بروم
نذر کردم کہ گر آید بسر ایں غم روزے تا در میکده شاداں و غزلخواں بروم
اور اولیاء اللہ کے سفر آخرت کے وقت ان کے عشاق زبان حال سے یوں کہتے ہیں:

سرو سیمینا بصرامی روی سخت بے مہری کہ بے ما میروی
اے تماشا گاہ عالم روئے تو تو کجا بہر تماشا می روی

باب بست وکیم (۲۱)

علالت و سفر آخرت

حضرت والائے اپنے سلسلہ علالت کو بھی ”نقش حیات“ میں بیان فرمایا ہے، جو حسب ذیل ہے:

درِ دگرده کے دورے:

ملتان آنے کے بعد درِ دگرده کے دورے ہر سال بڑھتے گئے۔ اس کی ابتداء تو پاکستان بننے سے ایک دو سال پہلے اس وقت ہوئی تھی جبکہ میں خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون شریف میں مقیم تھا۔ تقریباً رات کے ایک بجے درِ دگرده شروع ہوا، بہت تکلیف دہ تھا۔ دربان نے میری تکلیف کا احساس کر کے فوراً حضرت مولانا شبیر علی صاحب کو اطلاع دی۔ وہ فوراً اپنے مکان سے کچھ دو اور حقنہ لے کر آئے۔ آتے ہی ایمنہ کیا۔ پھر دوادی۔ آدھ گھنٹہ بعد اللہ تعالیٰ نے آرام دیا، مگر کمزوری پیدا ہوگئی۔ اس کے بعد جب پاکستان میں اقامت ہوئی تو ہر سال دو تین دورے درِ دگرده کے آنے شروع ہو گئے۔ اور ہر لاحق دورہ سابق سے طویل و مدید ہوتا رہا۔ حتیٰ کہ ایک دورہ تو ۱۵ یوم رہا، اور اکثر دورے کی ابتداء سفر میں ہوتی رہی۔ چنانچہ تین دورے شدید سفر میں یاد ہیں:

(۱) کوٹ اڈو میں سخت دورہ آیا۔ میں ایک دفعہ بھکر ضلع میانوالی کے جلسہ پر جا رہا تھا، انٹر کلاس میں سوار تھا۔ شیر شاہ اسٹیشن پر دردمشروع ہوا، مظفر گڑھ گزر کر بہت سخت ہو گیا، طبیعت بے قرار ہو گئی۔ اتفاق سے اسی ڈبہ میں مولوی دوست محمد ملتانی سوار تھے۔ ان سے کہا کہ جس اسٹیشن پر ہسپتال ہو وہاں مجھے اتار دو اور آپ بھی سفر کا ارادہ ملتوی کر دو، بلکہ میرے ساتھ رہو۔ انہوں نے منظور کیا۔ جب گاڑی کوٹ اڈو کے اسٹیشن پر پہنچی تو مولوی عبدالغفور صاحب مع چند احباب کے، ملنے کی غرض سے اسٹیشن پر آئے ہوئے تھے۔ وہاں اتر اور ان احباب نے اسٹیشن سے قریب ایک مکان کا انتظام کر کے جلد ڈاکٹر کو بلا یا اور ایسہ کرایا۔ پھر دوادی۔ ظہر کے بعد درد رز کا مگر اٹھنے کی ہمت نہ تھی۔ مولوی دوست محمد اسی حالت میں لے کر اسٹیشن پر آئے۔ تین بجے شام گاڑی میں لٹایا۔ ملتان پہنچ کر ڈاکٹر مقبول احمد صاحب سے دوالی، پھر گھر پہنچا۔ تقریباً ہفتہ عشرہ کے بعد چلنے پھرنے کی ہمت ہوئی۔

(۲) ۲۳/۲۳ مارچ ۱۹۵۵ء (۲۹-۳۰ رجب ۱۳۷۴ھ) بروز بدھ جمعرات کی درمیانی شب لائل پور میں چوہدری محمد رمضان کے مکان پر ٹھہرا ہوا تھا۔ صبح اٹھ کر چنیوٹ کے جلسہ پر جانا تھا۔ رات کے ایک دو بجے دردِ گردہ شروع ہوا۔ بہت تکلیف دیکھ کر چوہدری صاحب ڈاکٹر صاحب کو لائے۔ ٹیکہ اور دوا کا استعمال کرایا گیا تو قدرے آرام ہوا۔ صبح کے بعد حافظ حکیم عبدالجید صاحب بھی تشریف لائے۔ انہوں نے بھی کچھ دوائیں دیں، کچھ فائدہ ہوا۔ مگر اطمینان کی صورت نہ تھی۔ اس لئے احباب کے مشورہ سے شام کی گاڑی سے ملتان واپسی ہوئی۔ کئی دن کے علاج کے بعد تکلیف سے آرام آیا۔

(۳) ۱۶/۱۵ جون ۱۹۵۵ء (۲۴-۲۵ شوال ۱۳۷۴ھ) کو میں چوہدری سردار محمد صاحب، پرنسپل کے مکان پر جامعہ اشرفیہ لاہور میں مقیم تھا کہ دردِ گردہ کا شدید دورہ آیا۔ ڈاکٹر ضیاء الدین خان صاحب نے علاج شروع کیا، جب آرام نہ آیا تو انہوں نے ۱۷ جون ۱۹۵۵ء کو گنگرام ہسپتال میں داخل کرایا۔ کئی روز اس میں علاج ہوتا رہا۔ درد کی شدت تو رک گئی، مگر درد کا اثر اور نقاہت بہت تھی۔ حتیٰ کہ چلنا پھرنا بھی مشکل تھا۔ اسی حالت میں محمد شریف سلمہ بمعہ اہلیہ احقر و بر خور داری..... سلمہ لاہور ہسپتال پہنچ گئے۔ پھر ۲۵ جون شام کو فرسٹ کلاس کے ٹکٹ سے گاڑی پر سوار ہو کر ۲۶ جون ۱۹۵۵ء صبح کو ملتان پہنچا۔ ملتان آ کر تکلیف اور نقاہت کا سلسلہ بہت طویل رہا۔ حکیم عطاء اللہ صاحب کا ڈیڑھ ماہ تک علاج جاری رہا۔ پھر تخفیف ہوئی۔ طبیعت میں ضعف کافی ہو گیا تھا۔ اس کے بعد اس سے ہلکے درجہ کے دورے دردِ گردہ کے آئے، مگر اس درجہ تکلیف وہ نہیں ہوا۔ البتہ کمر کے بائیں پہلو میں درد کی شکایت اب تک باقی ہے۔ کبھی زیادہ ہو جاتا ہے، کبھی کم۔ مگر اکثر رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ شفاء کامل عاجل عطا فرمائے، آمین۔

لیکن دردِ گردہ کے دورے اس کے بعد بھی رُکے نہیں، بلکہ بار بار ہوئے، یہاں تک کہ کبائٹنڈ سول اینڈ ملٹری ہسپتال (سی.ایم. ایچ) ملتان میں اور نشتر ہسپتال ملتان میں داخل ہو کر دو بار بڑے بڑے آپریشن ہوئے، جن سے بہت

نقاہت ہوئی، نیز فالج بھی ہوا۔ ان عوارض سے ضعف و نقاہت بہت ہوئی۔ لیکن اس کے باوجود بھی جب تک تن میں جان رہی کام کی پابندی، مدرسہ کی نگرانی اور نماز باجماعت کی پابندی ماشاء اللہ ہوتی رہی۔ بالآخر کب تک۔ حتیٰ کہ رفتہ رفتہ یہی علالت و نقاہت سفر آخرت کا پیش خیمہ ہو گئی۔

احقر مولف کا ایک خط جو مدرسہ خیر المدارس ملتان سے اہلیہ اولیٰ کو ٹنڈوالہار کے پتہ پر لکھا تھا، محفوظ ہے۔ یہ خط بروز جمعہ ۲۲ جمادی الثانیہ ۱۳۸۹ھ (۵ ستمبر ۱۹۶۹ء) کو لکھا تھا۔ اسی سے حضرت والا کے آپریشن کا کچھ حال معلوم ہوتا ہے۔ اس میں سے متعلقہ اقتباسات حسب ذیل ہیں:

”بمجد اللہ بخیریت کل صبح ۶ بجے ملتان پہنچا۔ تیز گام سے مدرسہ پہنچا تو تھوڑی ہی دیر میں ہسپتال گیا۔ حضرت والا کا آپریشن بدھ ۳ ستمبر کو ہو گیا تھا۔ دو پتھریاں بائیں طرف سے نکلیں۔ داہنی طرف ایبٹ آباد میں آپریشن ہوا تھا، اس میں تین پتھریاں نکلی تھیں۔ وہاں کمزوری بے حد تھی، یہاں اب منگل و بدھ کی درمیانی شب میں زیادہ تکلیف و بے چینی رہی۔ نیند کے انجکشن لگا دیتے ہیں۔ کل صبح حضرت والا نے خود ہی باتیں کیں۔ یہ بھی فرمایا کہ بہت دیر لگائی۔ شام کو پھر گئے، اس وقت انجکشن کے اثر سے غنودگی تھی۔ کچھ برائے نام سی خوراک دی جانے لگی ہے۔ بتاتے ہیں کہ آپریشن ٹھیک ہو گیا ہے۔“

اس کے چند سطر بعد ہے:

”ابھی واپسی کے بارے میں کچھ طے نہیں۔ حضرت والا کے بغیر مدرسہ میں دل تو لگ نہیں رہا۔ باوجود اتنے تعلقات کے۔ اور ہر طرح کا آرام ہونے کے، قدرے افاقہ ہونے پر جلدی ہی ارادہ ہے۔ بہر حال اس خط کے پہنچنے سے پہلے پہنچنا مشکل ہے۔“

اس سے بہت پہلے جب کوئی آپریشن ہونے کا بھی علم نہیں۔ حضرت والا کراچی تشریف لائے ہوئے تھے۔ ان دنوں احقر سندھ مدرسہ الاسلام سیکنڈری سکول سرائے روڈ کراچی میں سکول ٹیچر بھی تھا اور سندھ مدرسہ کی مسجد میں امامت و خطابت کی وجہ سے مکان بھی ملا ہوا تھا۔ اسی مکان میں حضرت والا قیام فرماتے تھے کہ رات کو درد گردہ شروع ہو گیا تھا اور گرم پانی سے سنکائی (ٹکور) کی گئی۔ یہ ربیع الثانی ۱۳۷۳ھ (دسمبر ۱۹۵۳ء) کی بات ہے جب احقر دارالعلوم الاسلامیہ سے تعلق ہونے پر ٹنڈوالہار گیا تو وہاں سے جو عریضہ بروز بدھ ۱۷ شوال ۱۳۷۷ھ کو لکھا تھا۔ اس کے جواب میں وہاں جو پہلا ہدایت نامہ پہنچا اس میں خیریت کا حال دریافت کرنے پر یہ جواب تحریر فرمایا تھا:

”حضرت مولانا احتشام الحق صاحب کے ملتان سے واپسی کے بعد مجھے درد گردہ کی تکلیف شروع ہو گئی تھی۔ ڈیڑھ ہفتہ بعد اب آرام آیا ہے، الحمد للہ۔“

ٹنڈوالہار ہی سے ایک عریضہ حضرت والا کی خدمت بابرکت میں ۲۰-۶-۱۹۷۸ء کو تحریر کیا تھا۔ عریضہ کا اقتباس یہ ہے:

”عرض ہے کہ آج حضرت مولانا احتشام الحق صاحب مدظلہ یہاں تشریف لائے ہوئے تھے۔ ان سے معلوم ہوا کہ حضرت والا چند روز میں کراچی تشریف لانے والے ہیں۔“

اس کا جواب یہ تحریر فرمایا تھا:

”جنوری کے عشرہ اولیٰ میں کراچی جانے کا قصد تھا، مگر ناگاہ ایک ہفتہ سے درد گردہ کا شکار ہو گیا ہوں۔ آج بفضلہ تعالیٰ تخفیف ہونے سے سہارا لگا کر ڈاک لکھنا شروع کی ہے۔ ایک ہفتہ تک کراچی جانا ہوگا۔ واپسی میں ان شاء اللہ تعالیٰ نذواللہ یار بھی حاضری کا قصد ہے۔ تعین ہونے پر تاریخ کی اطلاع دوں گا۔ والسلام

(دستخط) خیر محمد (۱-۷-۱۳۷۸ھ، یوم الاحد)

جمعہ ۲۹-۲-۱۳۷۹ھ (۳-۹-۱۹۵۹ء) کے عریضہ میں درخواست کی ہے کہ ”براہ کرم حضرت والا اپنی صحت و عافیت سے مطلع فرمائیں۔“ اس کے جواب میں ارشاد فرمایا ہے ”بہت دنوں درد گردہ کا دورہ رہا۔ اب افاقہ ہے۔ مگر قدرے چمک باقی ہے۔“

جمعہ ۵-۳-۱۳۷۹ھ (مطابق ۹-۱۰-۱۹۵۹ء) کو دریافت حالت صحت کے جواب میں فرمایا ہے۔ ”بفضلہ تعالیٰ صحت یاب ہوں اور کام کر رہا ہوں۔“

اس کے بعد جمعہ ۹ ذیقعدہ ۱۳۷۹ھ (۶ مئی ۱۹۶۰ء) کو صحت و عافیت دریافت کرنے پر تحریر فرمایا: ”کئی ایام سے صحت خراب ہے۔ درد کمرو غیرہ کی تکلیف ہنوز باقی ہے۔ دعاء صحت کرتے رہیں۔“

پھر جمعہ ۲۶ محرم ۱۳۸۰ھ (۲۲ جولائی ۱۹۶۰ء) کو صحت و عافیت سے مطلع فرمانے کی درخواست پر تحریر فرمایا ہے: ”ابھی پوری صحت نہیں، بلکہ کمر میں درد رہتا ہے۔ اس لئے سفر عموماً بند کر رکھا ہے۔“

احقر نے شنبہ ۱۹ صفر ۱۳۸۰ھ کے عریضہ میں لکھا ہے: ”حضرت والا کی ناسازی طبع کا حال معلوم ہوا تھا، افسوس ہوا۔“

ارشاد: ”تکلیف بدستور ہے، مگر بفضلہ تعالیٰ مجبور کنندہ نہیں۔“

عرض: ”یہ خادم بھی دعاء کرتا رہتا ہے، کہ اللہ تعالیٰ حضرت والا کو جلد صحت کاملہ عطا فرمائیں۔“

ارشاد: ”حق تعالیٰ آپ کی دعاؤں کو قبول فرمائے، آئندہ بھی دعاء سے فراموش نہ فرمائیں۔ بندہ بھی دعاء گو ہے۔“

اس کے بعد جمعہ ۸-۴-۱۳۸۰ھ (۳۰ ستمبر ۱۹۶۰ء) کے عریضہ میں لکھا ہے: ”اور اہلیہ حضرت والا کی صحت کو بھی دریافت کرتی ہیں۔“ اس کے جواب میں تحریر فرمایا ہے: ”ایسی اچھی نہیں، جیسی چاہئے۔“

۱۔ دست طریقی اصلاحی مکتبہ میں سے حضرت والا کی غلات کے حالات اور طلب خیریت و حالت صحت کے متعلق استفسارات اور حضرت والا کے جوابات اور متعلقہ اقتباسات کو باہر تصدقاً انصار کے اس لئے باقی رکھا گیا کہ حضرت والا کے جوابات میں خواہ وہ اپنی حالت صحت ہی کے بارے میں ہوں تاہم غالب اصلاح کے لئے بہت کچھ استفادہ کا موقع ہے۔ ظاہر کہ غلات کا حال اس طرح بتانا کہ بقدر ضرورت امر واقعہ کا اظہار بھی ہو جائے جس میں نہ خلاف واقعہ بیان یا بے ضرورت اخفا، نہ ضرورت سے زائد اس طرح اظہار ہو جس سے بہتر نہیں کسی کو پائی جاتے اور خدا کو تشویش بھی ہو۔ بلکہ بقدر ضرورت قوت ہونے پر کام میں مشغول رہنا ان سب باتوں میں طالبین اصلاح کیلئے سبق ہے۔ (۱۲)

جمعہ ۱۳-۵-۱۳۸۰ھ (۳ نومبر ۱۹۶۰ء) کے عریضہ میں صحت کا حال دریافت کرنے پر جواب ارشاد فرمایا ہے: ”پہلو کمر میں درد رہتا ہے۔ اتنا جو ضروری کاموں سے تو مانع نہیں ہے۔ الحمد للہ علی ذلک“

جمعہ ۹ محرم ۱۳۸۱ھ کے عریضہ کا جواب جو ۱-۱-۱۳۸۱ھ کو تحریر فرمایا ہے، اس میں ہے: ”بفضلہ تعالیٰ خیریت سے ہوں۔“
جمعہ ۱۱-۳-۱۳۸۱ھ کے عریضہ میں دریافت صحت کے جواب میں ہے: ”بس کام چل رہا ہے۔“

فالج کا اثر:

ایک عریضہ جو جمعرات ۲۲ جمادی الاولیٰ ۱۳۸۱ھ (۲ نومبر ۱۹۶۱ء) کو تحریر خدمت کیا تھا، اس کے جواب میں عریضہ کی باتوں کے جواب کے بعد فالج کے اثر کی اطلاع یہ تھی:

”میری حالت یہ ہے کہ آج ایک عشرہ ہوا کہ زبان صاف نہیں چلتی اور دماغ میں ضعف آ گیا ہے۔ طبیب کی تشخیص، یہ فالج کا اثر ہے۔ خیر علاج شروع ہے۔ (دستخط) خیر محمد ملتان“

فالج کے اثر سے تحریر بھی صاف نہیں تھی۔ کئی لفظ بمشکل پڑھے گئے۔ اچانک فالج کی خبر سے بہت صدمہ اور فکر ہوا۔ اس کے بعد حضرت والا کا ایک شفقت نامہ اور تسلی نامہ آیا۔ جس کے ساتھ خادم کا کوئی عریضہ نہیں ہے۔ اس سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ از خود ہی تحریر فرمایا ہے۔ کسی عریضہ کے جواب میں نہیں ہے (یا عریضہ صرف دریافت خیریت کے لئے تحریر خدمت کیا ہوگا۔ اس لئے اس کو واپس نہیں فرمایا، کیونکہ اس پر تحریر نہیں فرمایا۔ البتہ کوئی لفافہ ایسا اس کے ساتھ موجود نہیں جس پر حضرت والا کے قلم سے پتہ تحریر ہو) اس والا نامہ کی نقل حسب ذیل ہے:

حضرت والا کا شفقت نامہ برائے اطلاع افاقہ:

مکرمی محترمی جناب مولوی آفتاب احمد صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ

السلام علیکم! میں نے ڈاکٹری علاج چھوڑ کر یونانی اختیار کیا ہے۔ اسی لئے میانوالی شہر گیا تھا۔ وہاں ایک حکیم صاحب پرانے ماہر سنے جاتے ہیں۔ ان کے پاس دو دن رہا۔ انہوں نے تشخیص کی تو ساتھ شکر کی تشخیص ہوئی۔ اب ان کی دوائی استعمال کر رہا ہوں۔ اب پہلے سے اچھا ہوں۔ کمزوری ہے بدن میں۔ رفتہ رفتہ چلی جائے گی۔ تم کوئی فکر مت کرو۔ حضرت مولانا ظفر احمد صاحب مدظلہ کو اطلاع کر دو کہ آگے طبیعت اچھی ہے۔ بہت کچھ افاقہ ہے۔ دعاء کرتے رہو۔ سویر پہنچ گیا ہے، اسی وقت سے پہن لیا ہے۔ بہت مناسب ہے۔ دل سے دعاء کی بنانے والی کے لئے۔ ان کو میری طرف سے سلام

مکاتبت متعلق حال صحت حضرت والا:

اس کے بعد حضرت والا کی خدمت بابرکات میں عریضہ تحریر کیا، جس سے ابتدائی حصہ کا اقتباس درج ذیل ہے اور
ساتھ ساتھ حضرت والا کے ارشادات ہیں:

(بعد البسملة) ”سیدی و مولائی الکریم دامت فیوضکم و برکاتکم و دام ظلمکم العالی

السلام علیکم ورحمة اللہ وبرکاتہ!

ارشاد: السلام علیکم

عرض: حضرت والا کے تسلی آمیز والا نامہ یکم رجب (جس میں حضرت والا نے اپنے افاقہ کا حال تحریر فرمایا ہے) سے خادم
شرف ہوا۔ اس نالائق کے حال پر حضرت والا کی شفقت و عنایات اور تسلی کے کلمات مبارکہ پڑھ کر خادم کو رونا آ گیا۔ اور
کافی حد تک طبیعت کو سکون ہوا۔ حسب ارشاد حضرت والا، حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی مدظلہ کو حضرت والا کے افاقہ کی
اطلاع کر دی تھی۔ حضرت مولانا عثمانی صاحب نے حضرت والا کو سلام کہا تھا اور یہ فرمایا تھا کہ دعاء کر رہے ہیں۔

ارشاد: ان کی دعاء کی برکت ہے۔ ان کی خدمت میں سلام کہنا۔

عرض: حضرت مولانا حافظ رشید احمد صاحب مدظلہ کے خط (مورخہ ۶ شعبان) سے معلوم ہوا کہ حضرت والا کی طبیعت دن
بدن اچھی ہوتی جا رہی ہے۔ الحمد للہ اس سے اب پھر قدرے اطمینان ہوا۔

ارشاد: اب بہت اچھا ہوں۔

اس کے بعد بروز اتوار ۱۶ ذیقعدہ ۱۳۸۱ھ (۲۲ اپریل ۱۹۶۲ء) کے عریضہ میں صحت بدنی کا حال دریافت کرنے
پر ارشاد فرمایا ہے: ”بہ نسبت پہلے سے اچھی ہے۔“ لیکن چہار شنبہ ۲۹-۶-۱۳۸۲ھ (۲۸ نومبر ۱۹۶۲ء) کے عریضہ میں صحت و
عافیت کا حال دریافت کرنے پر تحریر فرمایا ہے: ”آج کل انفلونزا کے بعد درد کمر شروع ہوا ہے۔ دعاء فرمادیں کہ اللہ تعالیٰ
صحت عطا فرماوے۔“

اس کے بعد شنبہ یکم شعبان ۱۳۸۲ھ (۲۹ دسمبر ۱۹۶۲ء) کے عریضہ میں تحریر خدمت کیا ہے: ”براہ کرم حضرت والا
اپنی صحت جسمانی کے حال سے مطلع فرمائیں۔ دعائے صحت برابر جاری ہے۔“ اس کے جواب میں ارشاد فرمایا ہے: ”آپ
کی ہمدردی کا شکر گزار ہوں۔ اب پہلے سے میری طبیعت اچھی ہے۔ مگر ضعف بہت ہے۔ سفر کے قابل نہیں۔“

بروز جمعرات ۲۰ شعبان ۱۳۸۲ھ (۱۷ جنوری ۱۹۶۳ء) کے عریضہ میں رمضان المبارک میں حاضر خدمت رہنے
کی اجازت طلب کرنے پر ارشاد فرمایا ہے: ”میں آج کل بیمار ہوں۔ شروع رمضان میں بشرط صحت ایک ہفتہ کا دورہ سکھرو
حیدرآباد کا ہے۔ پھر یہیں رہنا ہے۔ آگے آپ جیسا منشاء ہو کریں، آجائیں۔“

جمعہ ۱۱ شوال ۱۳۸۳ھ (۸ مارچ ۱۹۶۳ء) کے عریضہ میں دریافتِ صحت و عافیت پر تحریر فرمایا ہے: ”اب قریب صحت کے ہے۔“

اس کے بعد جمعہ ۱۹ صفر ۱۳۸۳ھ کو جب کہ احقر بکار مدرسہ کراچی گیا ہوا تھا، وہاں سے صرف خیر و عافیت دریافت کرنے کے لئے عریضہ تحریر خدمت کیا۔ اس کے جواب میں تحریر فرمایا: ”میں بحمد اللہ خیریت سے ہوں اور دعا کرتا ہوں۔“ اس کے بعد دارالعلوم الاسلامیہ ٹنڈوالہار سے ۵ ربیع الثانی ۱۳۸۳ھ کے عریضہ میں تحریر خدمت کیا ہے: ”نہایت ادب سے درخواست ہے کہ براہ کرم حضرت والا اپنی صحت و عافیت سے مطلع فرمائیں۔“ اس کے جواب میں تحریر فرمایا ہے: ”میری صحت آج کل گری ہوئی ہے۔ دردِ گردہ کا دورہ کئی دنوں سے ہے۔ اب کچھ تخفیف ہے۔ اللہ تعالیٰ صحت تادریغ فرماوے، آمین۔“

یکشنبہ ۲۲ جمادی الاولیٰ ۱۳۸۳ھ (۱۵ دسمبر ۱۹۶۳ء) کے عریضہ میں اجازت چاہی ہے کہ خادم رمضان شریف میں حضرت والا کی خدمت میں حاضر رہے۔ اس کی اجازت بخوشی عطا فرمائی ہے۔ لیکن احقر کو راولپنڈی وغیرہ بھی جانا تھا۔ وہاں جانے سے قبل ۱۰ شعبان کو ملتان پہنچنے کے پروگرام کے جواب میں ارشاد فرمایا ہے: ”میں ۱۱ شعبان سے ۱۶ شعبان تک باہر کے مدارس میں امتحان لینے جا رہا ہوں۔ بشرطیکہ تندرست ہوں۔ آج تین روز سے کمر میں درد ہے۔ جس کی وجہ سے سزے معذور ہوں۔“

حضرت والا کی شرح بخاری شریف کی نقل کا کام یہ خادم کر رہا تھا۔ مسودہ کے اوراق کا انتظار تھا۔ اس بارے میں دو شنبہ ۱۳-۱-۱۳۸۳ھ کو عریضہ تحریر خدمت کیا تھا، اور صحت و عافیت کی طرف سے بھی فکر و تشویش کا اظہار کیا تھا، جس کا جواب آیا: ”آخری تقریر اور آپ کا خط ملا۔ میں ایبٹ آباد سے ۱۶ دن کے بعد آیا تھا۔ مگر کچھ داڑھوں کا عارضہ ہوا۔ دو ٹکڑا دیں، جڑے میں درد اب تک ہے۔ کمر میں درد ہے، اس لئے طبیعت پریشان رہی اور گرمی سخت ہے، اس لئے تقریر کا کوئی حصہ ضبط نہ کر سکا۔ اب ارادہ ہے کہ ہفتہ عشرہ میں بھیجوں گا۔ بادلِ نحواستہ سبق بخاری شریف پڑھا لیتا ہوں۔ اب طبیعت کچھ سنبھلی ہے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ ڈاک سے فارغ ہو کر تقریر شروع کروں گا۔ دعا کرتے رہیں۔ والسلام۔ برخوردار کو پیار و دعا۔ اہل خانہ کو سلام مسنون و دعا۔ (دستخط) خیر محمد از ملتان (۱۳۸۳/۲/۲۳)ھ

اس کے بعد حضرت والا کی طرف سے والا نامہ بمعہ اوراق تقریر بخاری شریف صادر ہوا۔ یہ ۱۸-۳-۱۳۸۳ھ کا ہے۔ اس میں تحریر فرمایا ہے: ”میری طبیعت دردِ گردہ وغیرہ کی وجہ سے کچھ خراب رہی، اب اچھی ہے۔“ پھر ۲۸/۴/۱۳۸۳ھ کے عریضہ کے جواب میں ہے: ”باقی اب اچھا ہوں۔ الحمد للہ۔“

دوشنبہ ۶ صفر ۱۳۸۵ھ کے عریضہ کے جواب میں ہے: ”میں کئی دنوں سے علیل الطبع ہوں۔ وجع القاصل اور درد کمر اکثر رہتا ہے۔“ اس کے بعد ۷-۳-۱۳۸۵ھ کے والا نامہ میں تحریر فرمایا ہے: ”آج درد کمر میں کافی افادہ ہے، الحمد للہ علی ذلک۔“

جمعہ ۲۳ ربیع الاول ۱۳۸۵ھ (۲۳-۷-۱۹۶۵ء) کے عریضہ پر یہ تحریر فرمایا ہے: ”(اطلاع) درد کمر دو ماہ سے ہے۔ ابھی تک آرام نہیں آیا۔ علاج ڈاکٹری شروع ہے۔ تخفیف پہلے سے ہے۔ دعاء کریں۔“

(دستخط) خیر محمد ۲۹-۳-۱۳۸۵ھ

عریضہ دوشنبہ ۷ ربیع الثانی ۱۳۸۵ھ (۱۶/ اگست ۱۹۶۵ء) میں طلب خیریت کے جواب میں تحریر فرمایا ہے: ”اب درد کمر (سے) قریب صحت ہے۔“

عریضہ جمعہ ۱۹-۶-۱۳۸۵ھ (۱۵/ اکتوبر ۱۹۶۵ء) کے جواب میں تحریر فرمایا ہے: ”درد کمر ابھی تک ہے۔“
عریضہ جمعرات ۱۸/۱۹ شوال ۱۳۸۵ھ (۱۰ فروری ۱۹۶۶ء) جو احقر نے سفینہ عرب پر ملازمت کر کے سفر حج پر روانہ ہونے سے قبل تحریر خدمت کیا تھا۔ اس میں دریافت صحت و عافیت کے جواب میں تحریر فرمایا ہے: ”میں خیریت سے ہوں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو بے فکر یہ سفر مبارک طے کرائے، آمین۔“

جمعہ ۲ ربیع الثانی ۱۳۸۶ھ (۲۲-۷-۱۹۶۷ء) کے عریضہ میں عرض کیا ہے: ”کراچی میں مولانا انوری صاحب سے حضرت والا کی طبیعت ناساز ہونے اور افادہ کا حال معلوم ہوا تھا۔ اب مزاج مبارک کیسا ہے؟“ جواب ارشاد فرمایا ہے: ”اب افادہ ہے، دعا کرتے رہیں۔“

سہ شنبہ ۱۹ جمادی الاولیٰ ۱۳۸۶ھ (۶ ستمبر ۱۹۶۶ء) کے عریضہ میں احقر نے تحریر کیا ہے: ”بصد آداب خدمت بارات میں نیاز مندانہ عرض ہے کہ براہ کرم حضرت والا اپنی صحت و عافیت کے حال سے مطلع فرمائیں۔“

جواب ارشاد فرمایا: ”گا ہے چنیں گا ہے چناں“

اس کے بعد عریضہ یکشنبہ ۹ جمادی الثانیہ ۱۳۸۶ھ (۲۵ ستمبر ۱۹۶۶ء) پر بطور اطلاع تحریر فرمایا ہے:

”اور تقریر لکھی نہیں، کیونکہ اکثر بیمار رہتا ہوں، فرصت نہیں ہوتی۔ (دستخط) خیر محمد۔“

اس کے بعد والے والا نامہ کی نقل حسب ذیل ہے:

”السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! شرح بخاری از ص ۸۲ تا ص ۱۱ مع نقل از ص ۲۰۱ تا ۳۰۰ پہنچ گئی ہے، اطمینان فرمادیں۔ میری طبیعت اچھی نہیں اور کچھ فرصت نہیں۔ اس لئے مزید تقریر بخاری لکھنی شروع نہیں کی۔ شاید رمضان میں موقع ملے۔ دعا کرتا ہوں اور یہی چاہتا ہوں۔“

۳ رجب ۱۳۸۶ھ

(دستخط) خیر محمد از ملتان

عریضہ جمعرات ۹ محرم ۱۳۸۷ھ پر از خود حالت صحت کا حسب ذیل ذکر فرمایا ہے:
 ”(اطلاع) آج کل میرے شکم میں رت پیدا ہو کر تکلیف رہتی ہے۔ والسلام

(دستخط) خیر محمد از ملتان ۱۳-۱-۱۳۸۷ھ

پیر ۳ صفر ۱۳۸۷ھ (۱۵ مئی ۱۹۶۷ء) کے عریضہ پر جواب کے بعد تحریر فرمایا ہے:

”(اطلاع) میں آج ریاست بہاول پور کے علاقہ میں ایک ہفتہ کے لئے جا رہا ہوں۔ واپس آ کر شرح بخاری لکھ کر بھیجوں گا۔ انتظار نہ کرنا۔ کئی دنوں سے مجھے زکام کی شکایت ہے اور کچھ کمر میں درد بھی ہے۔ شاید ہوا بدلی سے جاتا رہے۔ گھر میں کچھ افراد بیمار ہیں۔ دعاء صحت کرنا۔ گھر میں سلام مسنون کہہ دینا۔ والسلام

(دستخط) خیر محمد از ملتان ۶ صفر ۱۳۸۷ھ

اس کے بعد سہ شنبہ ۲۶ صفر ۱۳۸۷ھ (۶ جون ۱۹۶۷ء) کے عریضہ میں ریاست بہاول پور کے علاقہ سے واپسی پر صحت و عافیت کا حال دریافت کرنے پر تحریر فرمایا:

”میں وہاں سے واپس ہوا تو زکام اور درد شکم و کمر میں مبتلا ہوا۔ کئی دن کے بعد اب خلاصی ہوئی ہے۔ اب ۱۵ جون کو کچھ مدت کے لئے ایبٹ آباد جا رہا ہوں۔ تقریر بخاری کا کام بند رہے گا۔ پتہ وہاں کا یہ ہے: مدرسہ امداد العلوم عزیز، لورڈ ملک، ایبٹ آباد (ہزارہ) معرفت مولانا عزیز الرحمن صاحب۔ اہل و عیال بھی بندہ کے ہمراہ ہوں گے۔“

اس کے بعد جمعہ ۱۹/۴/۱۳۸۷ھ کے عریضہ پر جواب کے بعد کوئٹہ کے سفر کا ذکر فرمایا ہے۔ غالباً یہ بھی صحت کی وجہ سے تبدیلی آب و ہوا کے لئے اختیار فرمایا ہوگا۔ اور وہ حسب ذیل ہے:

”میں اب کچھ دنوں کے لئے کوئٹہ جا رہا ہوں، پتہ یہ ہے: مدرسہ مطلع العلوم، بروہی روڈ، کوئٹہ (بلوچستان)

(دستخط) خیر محمد

دوبارہ فالج کا حملہ:

سہ شنبہ ۲۶ رجب ۱۳۸۷ھ کے عریضہ پر حضرت والا کی طرف سے کسی صاحب کے قلم سے لکھا ہوا جواب آیا، اس میں یہ تھا: ”مجھے آج کل فالج کا خفیف سا حملہ ہے۔ اس لئے لکھنے سے معذور ہوں۔“

جواب پہنچنے سے پہلے ہی شرح بخاری شریف کی آخری قسط نقل ہونے پر نیز تعطیلات رمضان شریف میں ملتان حاضر خدمت ہونے کی اجازت طلب کرنے کے لئے بروز ہفتہ ۳۰ رجب ۱۳۸۷ھ کو عریضہ تحریر خدمت کیا۔ جس کے جواب میں حضرت والا کی طرف سے حضرت مولانا محمد شریف جالندھریؒ کے قلم سے لکھا ہوا والا نامہ آیا، جس کی نقل حسب ذیل ہے:
 ”السلام علیکم! میں نے کہیں نہیں جانا۔ جب آؤ گے، یہیں پاؤ گے۔ اب کچھ لکھنے کی ہمت نہیں۔ والسلام

از حضرت مولانا صاحب بقلم محمد شریف جالندھریؒ

چونکہ شرح بخاری شریف کی آخری قسط ارسال خدمت کرتے ہوئے عریضہ میں یہ درخواست بھی کی تھی، کہ اب کب حدیث شریف میں سے کسی اور کی شرح تحریر کرنا شروع فرمادیں۔ اسی کے جواب میں یہ املا کرایا ہوگا کہ ”اب کچھ لکھنے کی ہمت نہیں۔“ نیز ایک جوابی پوسٹ کارڈ کے نصف حصہ پر بھی یہ درخواست کی تھی کہ شرح بخاری شریف کے یہ صفحات ارسال خدمت ہیں۔ پہنچنے پر اطلاع فرمادی جائے۔ پوسٹ کارڈ پر اس کا یہ جواب آیا:

(کارڈ پرنٹڈ واللہ یارڈاک خانہ کی مہر ۱۳ نومبر ۱۹۶۷ء سمجھ میں آتی ہے)

”السلام علیکم! کتاب پہنچ گئی ہے۔ میں نے کہیں نہیں جانا۔ جب آؤ گے ان شاء اللہ تعالیٰ ہمیں پاؤ گے۔ اب کچھ لکھنے کی ہمت نہیں۔ والسلام از سیدی حضرت والد صاحب مدظلہ، بقلم محمد شریف جالندھری“

ضعف:

اس کے بعد چہار شنبہ ۲ محرم ۱۳۸۸ھ (۳ اپریل ۱۹۶۸ء) کے عریضہ میں خیریت دریافت کرنے پر اپنے قلم سے تحریر فرمایا ہے: ”سوائے ضعف کے اور کوئی بیماری نہیں، بحمد اللہ“

اور عریضہ جمعرات ۲۱ ربیع الثانی ۱۳۸۸ھ میں صحت و عافیت کا حال دریافت کرنے پر تحریر فرمایا ہے:

”مجھے ضعف بہت ہو گیا ہے۔ طبیعت کبھی اچھی، کبھی خراب، مختلف حالات ہیں۔ ویسے میں پڑھاتا ہوں۔“

بروزہ شنبہ ۸ ربیع الثانی ۱۳۸۹ھ کے عریضہ میں صحت و عافیت کے حال سے مطلع فرمانے کی درخواست پر یہ

جواب تحریر فرمایا:

”الحمد للہ! خدا کے فضل و کرم سے صحت کی طرف سے اطمینان ہے۔ البتہ ضعف دن بدن بڑھتا جا رہا ہے۔

دھرے ملتان گرمی کی شدت ہے۔ اس لئے ۳ جولائی کو ایبٹ آباد جا رہا ہوں۔“

ایبٹ آباد میں آپریشن:

اغلباً یہی سفر ایبٹ آباد تھا جس میں داہنی طرف آپریشن ہوا تھا، اور تین پتھریاں نکلی تھیں، اور اس سفر سے واپسی پر

ملتان ۳ ستمبر ۱۹۶۹ء کو آپریشن ہوا تھا، اور دو پتھریاں بائیں طرف نکلی تھیں۔ اس کا حال اس باب (علاقت و سفر آخرت) کے

نردا میں آچکا ہے، جہاں احقر نے اپنے ایک محفوظ رکھے ہوئے خط سے اقتباس نقل کیا ہے۔

شعبان ۱۳۸۹ھ میں احقر ٹنڈوالہ یار سے کراچی منتقل ہو گیا تھا، اور ڈیفنس سوسائٹی کی مسجد طوبیٰ میں خطیب تھا،

ناید بھایا سامان لینے کے لئے ٹنڈوالہ یار گیا ہوا تھا، وہاں کسی نے حضرت والا کا آپریشن کا ذکر کیا تو احقر کراچی آ کر چھٹی

لے کر ملتان گیا، اور حضرت والا کی ہسپتال میں زیارت کی، وہاں سے واپسی پر کچھ روز بعد حضرت والا کا گرامی نامہ (کارڈ)

لاہ جس کی نقل حسب ذیل ہے:

”السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! مجھے اب آپریشن سے تو آرام ہے۔ مگر کمر اور اعضاء میں درد کافی ہو رہا ہے۔ کئی ماہ تک اچھا ہوں گا، ان شاء اللہ تعالیٰ۔ عزیزم عبدالحق سلمہ ایک ہفتہ سے کراچی گیا ہوا ہے۔ کوئی (اطلاع) نہیں دی۔“

والسلام (دستخط) خیر محمد از ملتان ۱۹ شوال ۱۳۸۹ھ

اس کے بعد احقر نے کراچی ہی سے شب دو شنبہ ۲۶ شوال ۱۳۸۹ھ کے عریضہ میں لکھا ہے:

”آپریشن سے آرام ہونے سے ایک گونہ اطمینان ہوا۔ والحمد للہ۔ کمر اور اعضاء کے درد کی فکر ہے۔“

اس پر تحریر فرمایا ہے: ”اللہ تعالیٰ اس سے بھی آرام دے گا۔“

آخری عریضہ جس میں صحت و عافیت کے حال سے مطلع فرمانے کی درخواست کی ہے، پیر ۲۸/۱۰/۱۳۹۰ھ

(۶ اپریل ۱۹۷۰ء) کا ہے، اس میں تحریر فرمایا ہے: ”میری طبیعت پوری اچھی نہیں، بدن میں درد کافی رہتا ہے، خصوصاً صبح کے وقت۔“

آخری دو عریضے اور حضرت والا کے جوابات:

اس کے بعد صرف دو عریضے اور تحریر خدمت والا کئے، جن کے جوابات خود تحریر فرمائے۔ آخری عریضہ ۱۵ رجب

۱۳۹۰ھ (۱۷ اکتوبر ۱۹۷۰ء) کا لکھا ہوا ہے۔ یہ آخری تینوں عریضے پاک کالونی کے مکان میں رہائش کے زمانہ کے ہیں۔ سب

سے پہلا عریضہ بھی پاک کالونی کے مکان میں رہائش کے زمانہ میں تحریر خدمت کر کے حضرت والا سے اصلاحی تعلق شروع

کرنے کی توفیق ہوئی تھی، اور آخری عریضہ بھی وہیں سے لکھا ہے۔

یہ آخری عریضہ حضرت والا کے سفر آخرت سے ۳۵ یوم یعنی ایک ماہ پانچ یوم قبل تحریر خدمت والا کیا گیا تھا۔ کیونکہ

تاریخ وفات ۲۰ شعبان ۱۳۹۰ھ (مطابق ۲۲ اکتوبر ۱۹۷۰ء) ہے۔

حضرت والا کے آخری سفر کراچی اور آخری بار زیارت کا ذکر تو باب اسفار میں آچکا ہے، اور آخری عریضہ کا ذکر

اوپر گزرا۔ آخری عریضہ سے پہلا عریضہ جو ۲۱ جمادی الثانیہ ۱۳۹۰ھ کو تحریر خدمت کیا تھا، اس کا قریبی باعث اور محرک حضرت

مولانا فقیر محمد صاحب مدظلہ العالی کا ارشاد گرامی ہوا تھا کہ اپنے شیخ کی خدمت میں خط لکھو۔ چنانچہ عریضہ میں اس کا ذکر بھی

کیا ہے، جو حسب ذیل ہے:

”حضرت مولانا فقیر محمد صاحب مدظلہ العالی (خلیفہ مجاز بیعت از حضرت والا تھانوی) جو مدرسہ نیوٹاؤن میں مہمان

تھے۔ تقریباً دو ہفتے قبل انہوں نے حضرت والا کی خدمت میں سلام لکھنے کو فرمایا تھا، ان کا سلام مسنون عرض ہے۔“

۱۔ یہاں کوئی لفظ ”خبر“ یا ”اطلاع“ لکھنے سے رہ گیا ہے۔

۲۔ پاکستان میں حضرت حکیم الامت تھانوی کے آخری خلیفہ مجاز بیعت تھے۔ یہ عریضہ لکھنے کی وقت بقید حیات تھے۔ السوس ۲۳ ربیع الاول ۱۳۱۲ھ کو ملت فرما گئے۔ (اللہم اعلم

اس پر حضرت والا نے سلام کا جواب ”علیکم السلام“ تحریر فرمایا ہے۔ اس کے بعد عرض کیا ہے: ”انہوں نے خادم کو صرف یہ نصیحت فرمائی تھی کہ حضرت والا کی خدمت میں عریضہ لکھوں۔“

حضرت والا کے وصال سے قبل مخدومنا حضرت مولانا فقیر محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا یہ القاء عجیب تھا، جس کی برکت سے قبل وصال دو عریضے تحریر خدمت کرنے کی توفیق ہو گئی، اور سب سے آخری تعلیم و تلقین بھی (جو آخری عریضہ کے جواب کا آخری حصہ ہے) گویا جامع الوصایا اور خیر الوصایا ہے، جو حسب ذیل ہے (آخری سوال بھی عوارف المعارف کے مطالعہ کے سلسلہ میں تھا، جس کا مطالعہ اس سے قبل احقر کے لئے تجویز فرمایا تھا):

”ہم ضعفاء ہیں، ایسوں کے لئے اکمال الشیم معرفت الہیہ، الکشف، شریعت و طریقت، ملفوظات وغیرہ کافی ہیں، تداء کی طویل کتب ہمارے بس کی نہیں ہیں۔“
(دستخط) خیر محمد۔

اس میں یہ تلقین ہو گئی کہ ان کتب سے علم و معرفت اور عمل کے لئے علم اور جذبہ و ہمت حاصل کرتے رہو۔ اور عمل کرتے رہو۔

آخری حالات اور سفر آخرت:

جیسا کہ پہلے گزرا، آخری سفر کراچی میں بھی بعض عجیب باتیں دیکھنے میں آئیں، جو اس سے قبل دیکھنے میں نہیں آئی تھیں۔ مثلاً حضرت والا کے ساتھ چلنے کے لئے مدرسہ نیوٹاؤن سے اجازت لینے کو فرمایا۔ احقر کے غریب خانہ پر تشریف لے جانے کا فیصلہ فرمایا، جبکہ وقت تنگ تھا اور جن صاحب کی گاڑی تھی وہ پہلو تہی کر رہے تھے۔ اُستادی المعظم حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی سے رخصت ہوتے ہوئے دوبارہ ملنے کے لئے ان کے دروازہ پر پہنچ کر واپس لوٹنا اور اس کے علاوہ خود مولانا حضرت ڈاکٹر محمد عبدالحی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جو خواب حضرت والا کے بارے میں دیکھا تھا، بعد میں معلوم ہوا کہ حضرت والا نے اپنے گھر میں جو تعبیر ذکر فرمائی تھی، اس کا حاصل یہ تھا کہ سفر آخرت کا وقت قریب آ گیا ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت والا نے اپنے لئے قبر کی جگہ بھی حاصل کر لی تھی اور سنا ہے کہ ایسا کچھ فرماتے تھے کہ مجھے بھی تو اپنا گھر بنانے دو۔

حضرت والا کی کراچی سے روانگی سے قبل مولانا احتشام الحق صاحب کے یہاں خادم نے رمضان شریف کی تعطیلات میں حاضر ہونے کی اجازت چاہی، تو اجازت دے دی اور فرمایا کہ تین روز کے لئے آ جانا، خادم تو پورے ماہ کی اجازت لے کر حاضر ہوا کرتا تھا، حیران ہوا کہ تین روز کیوں فرما رہے ہیں۔ استفساراً عرض کیا کہ حضرت کہیں تشریف لے جانے والے ہیں؟ فرمایا کہ نہیں، حیرت تو ہوئی، مگر مزید کھود کر یہ کرنے کی جرأت نہ تھی۔ خاموش رہا۔ کیا معلوم تھا کہ حضرت والا کے وصال پر تین ہی روز کے لئے حاضری ہوگی۔ چنانچہ یہی ہوا۔ ملتان جانے کی تیاری میں اس دفعہ کافی وقت پیش آئی، اور شوار معلوم ہوا۔ مکان کے کمرہ کی چوکھٹ خراب اور غیر محفوظ تھی، وہ بنوائی، پھر چند روز طبیعت میں سخت ٹھن محسوس ہوئی

آخر جمعہ کا دن تھا اور قیامت کا دن بھی جمعہ ہی کا ہوگا۔ نماز جمعہ کے بعد جامع مسجد نیوناؤن کے صحن سے باہر حضرت مولانا مفتی ولی حسن صاحب مدظلہ^۱ ملے۔ فرمایا بہت افسوس ہوا، مولانا کا انتقال ہو گیا۔ میں نے پوچھا کن مولانا کا؟ دوبارہ یہی فرمایا نام نہیں لیا۔ پھر شاید سہ بارہ بھی نام نہیں لیا۔ افسوس کا اظہار کیا۔ میں نے پوچھا مولانا بنوری کا؟ فرمایا نہیں مولانا خیر محمد صاحب کا۔

احقر سکتے کی حالت میں کھڑا رہ گیا۔ آخر مفتی صاحب نے فرمایا: جائے مسجد میں لوگ ایصالِ ثواب کے لئے تلاوت کر رہے ہیں۔ مسجد میں چلا گیا۔ بمشکل تھوڑی سی تلاوت کر سکا۔ پھر حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا۔ انہوں نے مجھے دیکھ کر دو تین بار انا اللہ الخ پڑھا۔ اس سے مقصود احقر کو صبر کی تلقین تھی۔

احقر کو اطلاع جمعہ کو ہوئی۔ حالانکہ وفات پنجشنبہ بوقت چاشت ۲۰ شعبان ۱۳۹۰ھ مطابق ۲۲ اکتوبر ۱۹۷۰ء کو ہوئی۔ احقر گھر پہنچا تو ملتان سے ہمشیرہ کا تاروفات کی اطلاع کا پہنچ چکا تھا۔ ملتان غالباً تین ہی روز میں واپس آ گیا۔ افسوس ہے احقر کو اطلاع بھی نہ ہو سکی۔ فون پر حضرت مولانا احتشام الحق صاحب تھانوی کو اطلاع کی گئی تھی۔ وہ اور حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی مدظلہ العالی بذریعہ طیارہ لاہور پہنچے (ملتان کی پرواز نہ تھی) وہاں سے بذریعہ کار ملتان آئے، اور جنازہ میں شریک ہو گئے۔ نماز جنازہ حضرت مولانا شمس الحق صاحب افغانی نے پڑھائی۔

حضرت سید قمر الدین احمد صاحب مدظلہ نے بہت کہا کہ آفتاب کو اطلاع کر دو۔ فون پر کہا گیا تو قاری احترام الحق صاحب نے کہا کہ ہم اطلاع کر دیں گے، مگر کون اطلاع کرتا ہے۔ کسی نے اطلاع نہیں کی۔

معلوم ہوا کہ ہجوم کی وجہ سے جنازہ کو بانس باندھے گئے، اور نماز جنازہ قلعہ پر ہوئی۔ اندازہ ہے کہ ایک لاکھ سے زائد مسلمانوں نے نماز جنازہ میں شرکت کی۔ مدرسہ خیر المدارس کے احاطہ میں دارالحدیث کے متصل سپرد خاک کیا گیا۔

خبر پھیلنے ہی معقدین و متعلقین دور و نزدیک سے شرکت جنازہ وغیرہ کے لئے روانہ ہونا شروع ہو گئے۔ تعزیت کے خطوط جن سے حضرت والا سے اکابر معاصر علماء و مشائخ اور دیگر معقدین کی محبت اور عقیدت و عظمت کا اظہار ہوتا ہے، اور حضرت والا کے بعض اخلاق فاضلہ اور صفات کمالیہ پر روشنی پڑتی ہے وہ اسی باب میں آ رہے ہیں۔ یہاں پر صرف حضرت مولانا حاجی عبدالسلام صاحب ہوشیار پوری خلیفہ مجاز حضرت والا کے گرامی نامہ کا اقتباس پیش کیا جاتا ہے، جن سے ان کا آثار خیر الحماہمات و خیر الوفات کے مشاہدہ کا حال معلوم ہوتا ہے۔ حضرت مولانا عبدالسلام صاحب مدرسہ عربیہ اشاعت العلوم لائل پور کے ناظم تھے، افسوس ہے کہ ترتیب سوانح کے وقت وہ بھی رحلت فرما چکے ہیں^۲، اور اس عالم سے منتقل ہو کر ان شاء اللہ

۱۔ استاذی الحرم حضرت مفتی ولی حسن صاحب کئی سال ہوئے وفات پا چکے ہیں۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعة و ادخلہ جنة النعیم (آمین) (۱۲)

۲۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعة (آمین) (۱۳)

قال اپنے شیخ کی خدمت میں حاضر ہو گئے ہوں گے۔ ان کے خط کا اقتباس حسب ذیل ہے:

”جی ہاں، روئے گل سیرندیدیم و بہار آ خر شد۔ حضرت والا کی آخری زیارت چہار شنبہ ۷ رجب ۱۳۹۰ھ (۹ ستمبر ۱۹۷۰ء) کو بمقام میاں چنوں ہوئی۔ جب کہ حضرت والا، حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب کی نماز جنازہ میں شرکت کے لئے تشریف لائے ہوئے تھے، حضرت والا کے انتقال کی خبر یہاں لائل پور جمعرات کو دوپہر میں پہنچ گئی تھی۔ مجھے اذان ظہر کے وقت اطلاع ہوئی۔ نماز کے بعد ٹیلی فون سے تصدیق کی۔ شہر میں احباب کو فون سے اور عوام کو بذریعہ لاؤڈ سپیکر دو رکشاؤں پر اطلاع کروائی۔ شام کو بعد مغرب شاہین ایکسپریس سے بمبہ احباب روانہ ہو کر گیارہ بجے شب میں ملتان پہنچے۔ مدرسہ حاضر ہوا۔ چہرہ انور کی زیارت سے مشرف ہوا۔ مجھے تو چہرہ مبارک پر حیات سے بھی زیادہ تازگی معلوم ہوئی:

پیشانی پر بوس دیا۔ قدموں کو آنکھوں سے ملایا۔ اپنی محرومیوں پر آنسو بہائے۔

تہی دستان قسمت را چہ سود از رہبر کامل
کہ خضر از آب حیواں تشنه می آرد سکندر را

دوسرے دن جمعہ کی صبح جنازہ اور پھر تدفین میں شرکت رہی۔ بوقت تدفین وہ شعر یاد آیا جو حضرت اقدس قطب العالم گنگوہی قدس سرہ کی تدفین میں کسی نے پڑھا تھا۔

دباتے ہو کیا سمجھ کر زمیں میں یہ ہم دمو
گنجینہ علوم ہے یہ عین زر نہیں
جمعہ پڑھا۔ بعد عشاء تعزیتی اجلاس میں شرکت ہوئی۔ اگلی صبح بعد فجر قبر اظہر کی زیارت کی۔ یونہی معلوم ہوا کہ جیسے اندر کمرے میں بیٹھے ہیں، مدرسہ سے رخصت ہوا اور واپس یہاں آ گیا۔

گفت جانم از مجاہد دور نیست لیک بیروں آمدن دستور نیست
حضرت کی حیات میں ان کے تصور سے جو حال تھا، الحمد للہ وہی اب بھی ہے۔ دعاء فرمائیں، میدان محشر میں بھی
حضرت کا ساتھ نصیب ہو۔“

اس باب (علالت و سفر آخرت) میں احقر مؤلف کا بیان ختم ہوا۔ اب اس کے بعد حضرت والا کی طویل علالت اور وفات وغیرہ

کی جو بعض تفصیلات حضرت صوفی ماسٹر محمد اقبال قریشی صاحب مدظلہ نے بیان فرمائی ہیں، ان کو ملاحظہ فرمائیے:

۱۔ الحمد للہ یہ حروف سجد نبوی شریف کے دالان میں تحریر کرنے کی سعادت نصیب ہوئی۔ جہاں سے قبہ خضراء کا رواج پرور اور جانفزا قرآن العظیم نازل ہوا ہے۔ والحمد لله
والله اشکر الوفاء لآلاف مرة (۱۷)

۲۔ کمال شہو۔ ہرگز نمیرد آنکہ دلش ز منہ شد عشق حبت مست بر جریدہ عالم دوام با۔

۳۔ جس کا دل اٹنی سے حیات قلب جاودانی مل گئی ہو۔ جس نے عقیدہ حیات النبی ﷺ اور اس کی تفصیل کو وضع کیا ہوا اور حضرت مافوتوی کے بعد اس عقیدہ کی اتنی خدمت کی ہو تو نصیب کے چہرہ مبارک پر حیات سے بھی زیادہ تازگی کیوں نہ معلوم ہو۔ پھر یہ روایت بھی حضرت مولانا حاجی عبدالسلام صاحب جیسے نبیم اور شہرادی کی ہے۔

طویل علالت

یوں تو حضرت والا تقریباً تین چار سال قبل کمر کے درد میں مبتلا تھے اور اکثر بیمار رہتے تھے، لیکن ۱۹۶۹ء میں موسم گرما بسر کرنے کے لئے ایبٹ آباد تشریف لے گئے تو وہاں گردہ کا درد شدید ہوا۔ حضرت والا نے مولانا حافظ رشید احمد صاحب اور حضرت مولانا محمد شریف صاحب کو تار دے دیا کہ فوراً پہنچو۔ معلوم ہوا کہ حضرت آپریشن سے بہت ڈرتے تھے۔ اور اگرچہ بیماری عرصہ سے تھی، لیکن ہمیشہ حکیم سے علاج کراتے تھے، اور اسی سبب سے تار دیا تھا، لیکن اتفاق سے جس ہوائی جہاز سے مولانا حافظ رشید احمد صاحب روانہ ہوتے وہ جا چکا تھا، اس لئے مجبوراً ٹرین سے سفر کرنا پڑا۔ لیکن تکلیف شدید ہونے کے پیش نظر مولانا کے پہنچنے سے قبل ہی آپ کے مریدوں نے ایبٹ آباد میں آپریشن کرایا۔ اور ہسپتال سے فارغ ہونے پر ۹ اگست ۱۹۶۹ء کو واپس تشریف لائے۔ جیسا کہ مولانا رشید احمد صاحب، ناظم خیر المدارس نے اپنے مکتوب میں مجھے تحریر فرمایا تھا: ”حضرت والد صاحب ۹ اگست ۱۹۶۹ء بروز شنبہ بذریعہ ہوائی جہاز ایبٹ آباد سے ملتان تشریف لائے۔ اب طبیعت ماشاء اللہ اچھی ہے۔ صرف پیشاب کی کچھ تکلیف ہے۔ وہ بھی ان شاء اللہ رفع ہو جائے گی۔ دعائے صحت جاری رکھیں اور سب خیریت ہے۔“ تحریر ۲۳ اگست ۱۹۶۹ء۔

لیکن پیشاب کی تکلیف باقی رہی۔ اس لئے فوجی ہسپتال ملتان میں دوسرا آپریشن کرایا، جیسا کہ حضرت نے ۱۱ رجب ۱۳۸۹ھ کو خود اپنے مکتوب گرامی میں اس ناکارہ کو تحریر فرمایا تھا:

”ایبٹ آباد سے آنے کے بعد فوجی ہسپتال ملتان میں دوسرا آپریشن کرایا، ایک ماہ سے زائد عرصہ ہوا، ابھی تک فوجی ہسپتال ملتان میں ہوں۔ کچھ تکلیف باقی ہے۔ ہفتہ عشرہ مزید رہوں گا۔“

فوجی ہسپتال ملتان سے واپسی کے بعد پیشاب آپریشن کے ناکوں سے آنے لگا، جس سے تکلیف بہت بڑھ گئی، اس لئے میو ہسپتال لاہور لے جایا گیا، لیکن وہاں آپریشن کے لئے کہا گیا تو صاحبزادگان نے مناسب یہی سمجھا کہ نشتر ہسپتال ملتان میں آپریشن کرایا جائے۔ کیونکہ گھر قریب ہونے کی وجہ سے سامان لانے لے جانے میں سہولت رہے گی۔ چنانچہ تیسرا آپریشن نشتر ہسپتال ملتان میں ہوا۔ آپریشن ہوتے ہی آپ کا سارا خون نکل گیا۔ ڈاکٹروں نے مشورہ دیا کہ دوسرا خون دلوائے بغیر جان بچتا مشکل ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ اگر کسی کا خون میرے جسم میں ڈالا گیا تو بروز قیامت میں اپنی اولاد اور ڈاکٹروں سے اس کا حساب لوں گا۔ لیکن ڈاکٹروں کے اصرار اور مقامی علماء کے فتویٰ جواز پر اس کو بادل نخواستہ منظور فرمایا۔ چنانچہ آپ کے جسم میں خون ڈالا گیا تو فوراً اٹھ کر بیٹھ گئے۔ نشتر ہسپتال ملتان میں حضرت کے قیام کے دوران ۲۷ رمضان ۱۳۸۹ھ کو احقر حاضر ہوا تو حضرت کو نیند کی گولی دی گئی تھی، اس لئے حضرت مولانا محمد شریف صاحب نے احقر سے فرمایا، رات میرے پاس قیام کرو، صبح حضرت سے بات کر کے ہی جانا، آج ہم خود ہی بات نہیں کر رہے۔ الحمد للہ اب حضرت

رو بہ صحت ہیں۔ ایک گروہ جس میں پتھری تھی نکال دیا گیا ہے۔ کل حضرت کو مایوسی ہو گئی تھی، لیکن اب بفضلہ تعالیٰ صحت ہونے کی قوی امید ہے۔“

۲۸ رمضان المبارک ۱۳۸۹ھ کو حضرت مولانا محمد شریف صاحبؒ نے احقر کے ہمراہ حضرت کے لئے دودھ بھی روانہ کیا، تاکہ ہسپتال میں دودھ لے جانے کے بہانے داخل ہوسکوں، کیونکہ ہسپتال میں ملاقات کے وقت مقررہ کے علاوہ اندر جانے کی اجازت نہیں ہوتی۔ احقر داخل ہوا تو حضرت نے پانی مانگا، پانی کا گھونٹ پلاتے ہی حضرت کی چیخیں نکل گئیں اور کراہتے ہوئے ”اللہ میرا“ فرمایا۔ انوری صاحب جو پاس بیٹھے تھے ان کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ بعد میں حضرت نے پانی پیا۔ احقر اور احقر کی اہلیہ جو ہمراہ تھیں اور انہی کے اصرار پر میں ان کو لے کر گیا تھا، فرمایا کہ ”اللہ تعالیٰ سے میری صحت کے واسطے دُعا کرو کہ اللہ تعالیٰ صحت اور آرام سے رکھے، تکلیف دور فرمائے۔“

حضرتؒ کی اس تکلیف کو دیکھ کر احقر کا دل بھر آیا۔ خود بھی ہر نماز بلکہ ہر وقت دُعا کرتا رہا۔ مساجد میں بھی دُعا میں کرائیں اور مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا محمد شفیع صاحبؒ، اُستاذ العلماء حضرت مولانا رسول خان صاحبؒ، بقیۃ السلف حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانیؒ، حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ اور سہارن پور حضرت مولانا محمد اسعد اللہ صاحبؒ کو حضرت کی صحت کی دعا کے لئے خطوط لکھے کہ بطور خاص حضرت کی صحت کے لئے دعا فرمائیں۔

حکیم الاسلام حضرت قاری محمد طیب صاحبؒ نے جو جواب ارسال فرمایا وہ درج ذیل ہے:

”محترم القام زاد مجدکم

سلام مسنون نیاز مقرون! گرامی نامہ نے ممنون یاد آوری فرمایا۔ حضرت مولانا خیر محمد صاحب کی علالت کا سن کر بے حد فکر ہوا، اور قلق ہوا۔ مجھے اس سے پہلے مولانا کی علالت کی کوئی اطلاع نہیں ملی۔ حق تعالیٰ مولانا کو صحت عطا فرمائیں۔ آپ بطور خاص اگر مولانا تک پہنچنا ممکن ہو تو خود تشریف لے جا کر میری طرف سے مزاج پرسی فرمادیں اور اگر یہ دشوار ہو تو یہ عریضہ اپنے گرامی نامہ کے ساتھ وہاں تک پہنچادیں۔ ہم سب مولانا کے لئے دُعا میں کر رہے ہیں۔ حق تعالیٰ انہیں صحت کاملہ عاجلہ عطا فرما کر مسلمانوں کے سروں پر قائم رکھے، آمین۔ وقت اس کا تھا کہ میں خود حاضر ہو کر مزاج پرسی کرتا، مگر آنا قبضہ میں نہیں۔ تاہم سعی کرتا ہوں، اللہ تعالیٰ کے قبضہ کی بات ہے۔ موقع حاضری میسر فرمائیں۔ یہاں کے حضرات مولانا کی مزاج پرسی فرما رہے ہیں۔ حضرت مولانا کے متعلقین سے اتنا ضرور فرمادیں کہ مولانا کی صحت کے بارے میں اگر ہنسنہ دار کارڈ ڈالیں تو یہاں ہم لوگوں کو ایک گونہ تسلی رہے گی۔ بواپسی جناب خود یا کسی سے فرمادیں کہ مولانا کی کیفیت سے مطلع فرمادیں۔ ورنہ سخت فکر رہے گا۔ امید ہے کہ آپ مع الخیر ہوں گے۔ والسلام

(حضرت مولانا) محمد طیب ازدیوبند ۱۸/۱۸/۱۳۸۹ھ

احقر اپنی گھریلو مجبوریوں کے سبب خود تو حضرت کے پاس نہ جا سکا، کیونکہ گھر پر رہنے والا کوئی نہ تھا۔ حضرت قاری صاحب کا مکتوب گرامی لفافہ میں تو کلا علی اللہ ارسال کر دیا۔ الحمد للہ حضرت تک پہنچ گیا اور حضرت نے یہ جواب تحریر فرمایا، جو میرے لئے زادِ سعادت ہے:

”مکرمی محترمی جناب ماسٹر محمد اقبال صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

آپ کے خط مع حضرت قاری صاحب کی تحریر کو دیکھ کر دل باغ باغ ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ کا بہت بہت شکر ادا کیا۔ اذیل مجھ ناچیز کے لئے احباب سے دُعا میں طلب کرنا، خاص کر حضرت قاری صاحب کو اطلاع دینا اور ان کا ہمدردی سے دریافت حال کرنا، کس زبان سے اس کا شکر یہ ادا کروں، اللہ تعالیٰ آپ کو جزاءِ عظیم دے۔ مجھے اب آپریشنوں کی تکلیف نہیں ہے، صرف کمزوری بے حد ہے اور کمر میں درد رہتا ہے، جو انشاء اللہ تعالیٰ چلا جائے گا۔ آپ دُعا کرتے رہیں۔ حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مدظلہ کو لکھ دیں کہ تسلی رکھیں۔ میں آج ہی اپنے ہاتھ سے ان کو بھی خط لکھ رہا ہوں۔ تفصیل اس سے بھی معلوم ہو جائے گی۔ والسلام خیر محمد عفا اللہ عنہ از ملتان

۳ ذی قعدہ ۱۳۸۹ھ مطابق ۱۳ جنوری ۱۹۹۷ء

حضرت کی علالت کی تفصیل اور حضرت قاری صاحب کا خط پہنچانے کی اطلاع احقر نے حضرت قاری صاحب کو دی تو حضرت قاری صاحب نے درج ذیل مکتوب گرامی بنام احقر تحریر فرمایا:

”محترمی و مکرمی زید مجدکم

سلام مسنون نیاز مقرون۔ گرامی نامہ مورخہ ۲۸ شوال ۱۳۸۹ھ باعث شرف ہوا۔ حضرت مولانا خیر محمد صاحب مدظلہ کی کیفیت مزاج کی اطلاع ہوئی اور اس سے خوشی ہوئی کہ آپ نے میرا عریضہ مولانا تک پہنچا دیا۔ جزاکم اللہ تعالیٰ۔

مولانا کے بار بار آپریشن ہونے کی اطلاع سے دلی دکھ ہوا۔ لیکن اس سے قدرے تسلی ہوئی کہ خون دیئے جانے سے بدن میں قوت کا احساس ہوا۔ الحمد للہ۔ گو یہ مولانا کے مزاج کے خلاف ہوا اور ظاہر ہے کہ ان کے تقویٰ و طہارت کے پیش نظر انہیں یہ چیز گراں ہونی بھی چاہئے تھی۔ مگر الضرورات تبیح المحظورات۔ حق تعالیٰ انہیں صحت کاملہ عاجلہ مستمرہ عطا فرمائے اور ہم سب کے سروں پر قائم رکھے۔ پاکستان کی طرف دو ہی ہستیوں کی طرف (نظر) ہوتی تھی، ایک حضرت مولانا محمد حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور ایک مولانا ممدوح۔ اللہ تعالیٰ انہیں عمر نوح دے اور دین کے سلسلے ان کے دم سے بیش از بیش جاری رہیں۔ آپ کو تکلیف تو ہوگی لیکن اگر چوتھے پانچویں ایک کارڈ سے مختصر حال لکھ دیا کریں تو ہم دو افتادوں کے لئے باعث تسلی ہوگا۔ مولانا کی خدمت میں بندہ کا سلام عرض فرمادیں اور خط کا مضمون پیش کر دیں، اور سب

حضرت کی خدمات میں سلام مسنون۔ یہاں بحمد اللہ خیریت ہے، ہم سے دعائے صحت کر رہے ہیں۔ حق تعالیٰ شانہ انہیں صحت و قوت دے اور ہم سب کے اس دینی سہارے کو تادیر قائم رکھے، آمین۔ والسلام

(دستخط) محمد طیب ازدیوبند ۱۳۸۹/۱۱/۱۰ھ یکشنبہ

حضرت کی صحت کے لئے کچھ اپنی فکر اور کچھ حضرت قاری صاحب کو اطلاع دینے کے لئے احقر نے حضرت کے صاحبزادہ جناب حافظ رشید احمد صاحب کو خط لکھا تو انہوں نے جواباً تحریر فرمایا کہ ”حضرت والد ماجد مولانا خیر محمد صاحب مدظلہ کی طبیعت اب ماشاء اللہ اچھی ہے۔ صبح کو ۹ بجے دن کے مدرسہ کے وسیع احاطہ میں دھوپ کے اندر بیٹھ جاتے ہیں اور لئے والے حضرات ملاقات کرتے رہتے ہیں۔ کمر میں حضرت کے درد کبھی زیادہ اور کبھی ہلکا ہلکا رہتا ہے۔ کمزوری اور ضعف زیادہ ہے۔ فی الحال اتنی قوت نہیں کہ کوئی کام کر سکیں۔ بس دعائے صحت کرتے رہیں۔ (تحریر ۱۳ جنوری ۱۹۷۰ء)“

احقر نے اس کی اطلاع اور حضرت تک ان کا خط پہنچنے اور جواب آنے کی اطلاع حضرت قاری صاحب کو کی تو انہوں نے جواباً احقر کو والا نامہ ذیل ارسال فرمایا:

”محرمی محترم زید مجدکم

سلام مسنون و دعا مقرون! گرامی نامہ باعث تسلی ہوا۔ حضرت خیر العلماء کی خیر و عافیت سے تسلی ہوئی۔ اللہ تعالیٰ مولانا کو تادیر زندہ سلامت رکھے۔ آمین۔ اور باقی ماندہ عوارض ہائے درد کم دور فرمائے۔ آپ کا شکر گزار ہوں کہ آپ نے اطلاع دہی کی تکلیف فرمائی۔ جزاکم اللہ۔ مولانا کا والا نامہ دستی رقم (کردہ) بھی پہنچ گیا۔ میں نے جواباً عرض کیا ہے کہ صاحبزادوں میں سے کوئی بھی ایک کارڈ فی اسبوع بھیج دیا کرے، تاکہ تسلی رہے۔ امید ہے کہ آپ بعافیت ہوں گے۔

والسلام محمد طیب ازدیوبند ۱۳۸۹/۱۱/۱۹ھ

احقر نے غالباً ایک اور مرتبہ خود حضرت علیہ الرحمہ سے صحت کے متعلق دریافت کر کے حضرت قاری صاحب کو اطلاع دی۔ نیز اس امر کی بھی اطلاع دی کہ مجلس اتحاد کمیٹی کی سرپرستی فرماتے ہوئے حضرت مرکزی جمعیت علماء اسلام اور جمعیت العلماء اسلام میں صلح کی کوشش فرما رہے ہیں، تو حضرت قاری صاحب نے درج ذیل گرامی نامہ ارسال فرمایا:

”محرمی زید مجدکم

سلام مسنون۔ گرامی نامہ نے مشرف فرمایا۔ مصالحت کی سعی سے سرت ہوئی۔ اللہ تعالیٰ اس سعی حسنہ کو کامیاب اور بار آور فرمائے۔ نتیجہ سے ضرور مطلع فرمایا جائے۔

حضرت مولانا کی مزاج پرسی کے بعد سلام مسنون عرض کر دیں۔ اللہ تعالیٰ حضرت ممدوح کو جلد از جلد شفا کے کامل

محمد طیب، مہتمم دارالعلوم دیوبند ۱۳۸۹/۱۲/۱۷ھ

والسلام

عطا فرمائے۔

احقر نے یہ کارڈ حضرت کو ارسال کیا (اور نقل رکھ لی، کیونکہ حضرت قاری صاحب کا پہلا موصولہ خط حضرت نے رکھ لیا تھا۔ احقر نے اس کی بھی نقل رکھ لی تھی۔ لیکن اس مرتبہ حضرت نے حضرت قاری صاحب کا یہ کارڈ واپس فرمادیا) تو حضرت نے احقر کو تحریر فرمایا:

حضرت والا کا ایک اور والا نامہ:

”السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! میں دل سے دعا کرتا ہوں (احقر نے رضائے قرب الہی کی درخواست کی تھی) حضرت قاری صاحب مدظلہ کا ویزہ نہیں بنا، ورنہ وہ ضرور آتے۔ اللہ تعالیٰ خیریت سے (ان کو) رکھے، آمین۔

(دستخط) خیر محمد ازملتان

دیگر کوائف:

اس کے بعد احقر مدرسہ خیر المدارس کے سالانہ جلسہ ۱۹۶۹ء پر حاضر ہوا۔ حضرت مولانا محمد شریف صاحب نے بطور خاص احقر کا تعارف کرایا کہ یہی ہیں جنہوں نے سب سے پہلے حضرت قاری صاحب مدظلہ کو آپ کی علالت کی اطلاع دی تھی۔ حضرت نے نہایت شفقت سے مجھے دیکھا اور کھانے کو پوچھا۔ حالانکہ بوقت عشاء میں پہنچا تھا اور اسی وقت حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی تشریف لائے تھے۔ حضرت ان کے کھانے کا اہتمام فرما رہے تھے۔ اور دسترخوان خود لائے تھے۔ حضرت مولانا محمد شریف صاحب نے بتلایا کہ حضرت تو بالکل صاحب فراش ہو گئے تھے، اٹھنے کی امید نہ رہی تھی۔ عید الاضحیٰ سے مسجد تک آنے جانے لگے ہیں اور اب ماہ محرم الحرام ۱۳۹۰ھ سے تو بفضل تعالیٰ پڑھانا بھی شروع کر دیا ہے۔ حضرت کی صحت اچھی ہوتی گئی یا حضرت خود بتلاتے نہیں تھے اور حق تعالیٰ شانہ کی مرضی پر راضی تھے۔ جب کبھی کوئی فون یا بذریعہ خط حال دریافت کرتا تو ”الحمد للہ طبیعت اچھی ہے“ فرماتے۔

وفات:

۱۹ شعبان ۱۳۹۰ھ کو مولانا محمد علی صاحب جالندھری تشریف لائے اور مدرسہ سے لے جا کر حضرت کو واپس گھر چھوڑ گئے (کیونکہ حضرت کی طبیعت ناساز تھی) بعد میں کسی کام سے مولانا محمد علی صاحب جالندھری حضرت کے گھر تشریف لے گئے تو حضرت آنکھیں بند کئے ہوئے تھے۔ اس لئے مولانا جالندھری یہ سمجھ کر کہ حضرت اب آرام فرما رہے ہیں، واپس چلے گئے۔ حضرت کے جاگنے پر حضرت پیرانی صاحبہ مدظلہ نے اس امر کی اطلاع کی تو فرمایا محمد علی کو بلاؤ۔ چنانچہ طالب علم اذہ پر دیکھنے گیا تو مولانا محمد علی صاحب لاری میں سوار ہو کر جا چکے تھے۔ اسی شب حضرت کو دورہ قلب پڑا۔

۱۔ اس بات کا علم مجھے اس وقت ہوا کہ جب میرے سامنے حضرت مولانا محمد شریف صاحب جالندھری نے چائے کے ساتھ گولی لینے کے بعد پوچھا اس سے کوئی آرام محسوس ہوتا ہے تو فرمایا اس قدر تکلیف ہے جیسے کوئی سوئیاں محمود رہا ہو۔ باقی ہر ایک کے سامنے اس کا اظہار مناسب ہوگا۔

انقرنے یہ بھی سنا کہ آپ نے مولانا محمد شریف صاحب سے فرمایا کہ اپنے بچے وغیرہ سسرال چھوڑ آؤ۔ چنانچہ ۱۹ شعبان ۱۳۹۰ھ بروز بدھ خود سوار کرا کر آئے اور مغرب و عشاء کی نماز باجماعت پڑھی۔ شب پنجشنبہ بوقت ساڑھے گیارہ بجے دل کا دورہ پڑا۔ ڈاکٹروں کو بلایا گیا۔ انہوں نے دس بارہ ٹیکے لگائے اور کھانے کی دوا بھی دی۔ رات کے اڑھائی بجے تک شدید تکلیف رہی۔ تکلیف کے سبب نماز فجر جماعت سے پڑھنے مسجد نہ آسکے، گھر ہی میں پڑھی۔ ۹ بجے ناشتہ کیا، چائے کی چائے بھی دی گئی۔ انگوڑیے گئے تو فرمایا کڑوے لگ رہے ہیں۔ چنانچہ انار دیئے گئے۔ اس کے بعد ذکر اللہ میں مشغول ہوئے۔ اللہ اللہ کر رہے تھے کہ ساڑھے گیارہ بجے دن بروز جمعرات دل کا دوسرا دورہ پڑا اور جاں بحق تسلیم ہو گئے، انا اللہ وانا

یہ راہجون۔ باوجود دینی مدارس کی تعطیلات کے ایک لاکھ سے زائد سوگواروں نے نماز جنازہ پڑھی، جن میں بڑے بڑے مشائخ عظام اور علماء صالحین بھی شامل تھے۔ شمس العلماء والفضلاء حضرت مولانا شمس الحق صاحب افغانی نے نماز جنازہ پڑھائی اور آپ کی وصیت کے مطابق دارالحدیث خیر المدارس کے پیچھے آپ کے زرخیز قطعہ زمین میں سپرد خاک کئے گئے۔

مقدور ہوں تو خاک سے پوچھوں کہ اے لئیم! تو نے یہ گنج ہائے گراں مایہ کیا کئے

مٹی میں کیا سمجھ کے چھپاتے ہو دوستو

گنجینہ علوم ہے یہ گنج زر نہیں

بچی وہیں یہ خاک جہاں کا خمیر تھا:

حدیث پاک میں ہے انسان اسی مقام پر دفن ہوتا ہے جس مقام کی مٹی سے پیدا کیا گیا ہو۔ ملتان جنت نشان کی ٹما سے حق تعالیٰ شانہ نے بکثرت اولیاء پیدا فرمائے۔ حضرت مرشدی علیہ الرحمہ کا وجود بھی دارالحدیث خیر المدارس ملتان کے پشت کی مٹی سے بنا تھا۔ وہیں پہ آپ مدفون ہوئے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعة کثیرۃ

مرض و فوات میں حقوق العباد کا اہتمام:

حضرت حکیم الامت کا مرض و فوات میں یہ معمول تھا اور حقوق العباد کا اتنا خیال تھا کہ خط لکھنے والے کو جواب میں لکھواتے اور اپنی بیماری کا اظہار فرماتے اور یہ بھی لکھواتے کہ ضعف اتنا ہے کہ ایک ماہ تک طاقت و قوت آنے کی توقع نہیں رہنا ہذا واپس ہے۔ حضرت نے بھی مولانا حافظ رشید احمد صاحب کو فرما کر اسی طرح گزشتہ سال اپنی طویل علالت میں خطوط واپس کروائیے تھے۔ بطور نمونے کے ایک خط میرے پاس موجود ہے جو مولانا رشید احمد صاحب نے ۱۱ نومبر ۱۹۶۹ء کو لکھا تھا کہ ”میرے والد ماجد حضرت مولانا خیر محمد صاحب مدظلہ عرصہ سے بیمار چلے آ رہے ہیں۔ اب تین دن سے صحت نہیں ہو رہی ہے، کمزوری بے حد ہے۔ دعا صحت کرتے رہیں۔ والسلام

(محترم صوفی ماسٹر اقبال قریشی صاحب زاہد مجدلی کی تحریر ختم ہوئی)

وفات حسرت آیات پر اکابر علماء کے تاثرات

مسافرانِ آخرت:

موت العالم موت العالم

حضرت مولانا خیر محمد صاحب، بانی خیر المدارس ملتان کی وفات

علم و عمل کے حلقوں میں صفِ ماتم

تحریر فرمودہ: حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی، صدر دارالعلوم کراچی

آج ۲۰ شعبان ۱۳۹۰ھ بروز جمعرات اس خبر نے تمام مدارس اسلامیہ اور علمی حلقوں میں ایک زلزلہ ڈال دیا، کہ حضرت مولانا خیر محمد صاحب بانی خیر المدارس اچانک دل کا دورہ پڑنے سے جاں بحق ہو گئے، انا اللہ وانا الیہ راجعون۔ حضرت مولانا خیر محمد صاحب جن کے نام کے ساتھ آج رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ لکھنے پڑ رہے ہیں، پاکستان کے علماء و اولیاء کی صف میں ایک بلند اور ممتاز مقام رکھنے والے تھے۔ ایسی جامع علم و عمل باخدا ہستیاں قرونوں میں کہیں پیدا ہوتی ہیں۔ پاکستان بننے کے فوراً بعد مغربی پاکستان میں علوم اسلامیہ کا سب سے بڑا مرکزی مدرسہ ملتان شہر میں آپ ہی کے دست مبارک سے بنا۔ اور ان شاء اللہ تاقیامت آپ کی یادگار اور صدقہ جاریہ بن کر جاری رہے گا۔ جہاں سے اس عرصہ میں سینکڑوں علماء، فضلاء، صلحاء، حفاظ و قراء فارغ ہو کر ملک کے مختلف خطوں میں دینی خدمات میں مشغول ہیں۔ پاکستان بننے سے قبل یہ مدرسہ مولانا نے اپنے وطن اصلی جالندھر شہر میں قائم کیا تھا، اور حضرت سیدی حکیم الامت تھانوی قدس سرہ نے اس کا نام خیر المدارس تجویز کیا تھا، جو آج اپنی ظاہری اور معنوی حیثیت سے حقیقی طور پر خیر المدارس ثابت ہوا۔ حضرت مولانا خیر محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے میرا ابتدائی تعلق اب سے چوالیس برس پہلے ۱۳۳۶ھ میں اس وقت ہوا جب ہم دونوں خانقاہ امدادیہ میں حضرت حکیم الامت سیدی حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ کی خدمت میں تربیت باطنی کے ایک طالب علم کی حیثیت سے جمع ہوئے۔ مولانا کے علمی اور عملی کمالات اور بزرگی کے سامنے یہ کہتے ہوئے بھی شرم آتی ہے کہ میں بھی کسی مکتب میں ان کا ہم سبق تھا۔ بجز اس کے کہ

ما و مجنوں ہم سبق بودیم دردیوان عشق

او بصحرا رفت و مادر کوچھا رسوا شدیم

اس چوالیس سالہ طویل تعلق و صحبت کے بعد رخصت ہونے والے خیر رفیق کی رحلت نے آج آنکھوں کے

سامنے بے شمار واقعات و حالات کے دفتر کھول دیئے جو اس عرصہ میں ان کی بزرگی اور فضل و کمال، زہد و تقویٰ کے سلسلہ میں

مشاہدہ میں آتے رہے۔ آپ کی بے پناہ شفقت و عنایت کی یاد آج زخمِ دل و جانِ بنی ہوئی ہے۔ مگر زبان و قلم دونوں گم ہیں۔

زدل می خیزد و بر دل ہی ریزد سحابِ غم

دمید از اندرون کشتی من موجِ طوفانم

اس غم میں تعزیت کریں تو کس کس کی، مولانا کی وفات سے صرف ان کے صاحبزادے اور اہل و عیال ہی یتیم و بے سہارا نہیں ہو گئے، بلکہ علمی دنیا کے لاکھوں افراد اس غم میں شریک ہیں۔ بس اب اس ذکر کو دعاء پر ختم کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ حق تعالیٰ مرحوم کی بال بال مغفرت فرماویں۔ اور جنت الفردوس میں مقامِ عالی عطا فرماویں۔ آپ کے اہل و عیال اور امت کو آپ کی خیر و برکات سے کبھی محروم نہ فرمادیں۔ آپ کے صاحبزادگان مولانا محمد شریف، مولانا محمد رشید وغیرہ کو ان کا سچا جانشین بناویں اور ان کی یادگار خیر المدارس کو تمام ظاہری اور باطنی فتنوں سے محفوظ رکھیں۔ ان فی اللہ عزاء من کل فائت وانما المحروم من حرم الثواب۔ دکھے دل سے ایک مادہ تاریخ بھی اتفاتی نکل آیا۔ اس پر دو شعر بھی موزوں ہو گئے۔ وہ لکھتا ہوں، اور یہ بھی اتفاتی امر ہے کہ آج ہی احقر کی عمر کے پچھتر سال پورے ہو کر چھتر ویں منزل شروع ہو رہی ہے۔ سابقین اولین اپنی منزل پر پہنچ چکے ہیں، اپنا انجام معلوم نہیں۔ اگر باقی لمحات زندگی خالص مرضیاتِ الہی میں صرف ہو کر گزشتہ کا کفارہ بن جاویں تو بہت بڑی نعمت ہے۔ ورنہ حسرت ہی حسرت، واللہ المستعان وعلیہ التکلان۔

وفات جس کی ہے بے شک علم و عمل یہ کیسی ہستی بے مثل کھو گئی تاریخ

سرالم سے پکارا جو آج ہاتف نے وفات خیر محمد ہی ہو گئی تاریخ

(ماہنامہ البلاغ، کراچی، رمضان المبارک، ۱۳۹۰ھ)

تعزیت از مسیح الامت حضرت مولانا شاہ محمد مسیح اللہ خان صاحب:

سیدی حضرت مولانا شاہ محمد مسیح اللہ صاحب کی خدمت میں حضرت والا کے وصال کی اطلاع اور آپ کا جواب (احقر مؤلف نے عشرہ اخیرہ رمضان المبارک ۱۳۹۰ھ آپ کے عریضہ میں یہ اطلاع کی تھی اور حضرت کے جواب

سے ۱۹ شوال ۱۳۹۰ھ (۱۹ دسمبر ۱۹۷۰ء) کو مشرف ہوا تھا۔)

عرض خادم:

”خادم کے مشفق و کریم مربی شیخ و مرشد حضرت مولانا خیر محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ۲۰ شعبان کو وصال ہو گیا۔ جیسا کہ حضرت کو حضرت والا کے صاحبزادگان کے خط سے معلوم ہو گیا ہوگا۔ (اور وہ عریضہ خادم ہی کے ہاتھ سے لکھوایا گیا تھا)“

جواب سیدی حضرت مولانا محمد مسیح اللہ صاحب:

”جی ہاں، عزیزم مولوی وکیل احمد خاں جو اپنا بھانجا ہے، لاہور جامعہ اشرفیہ مسلم ٹاؤن، ان کے خط سے بھی معلوم ہوا تھا، طلال ہوا، خاصا ملال ہوا، کہ فیوض و برکات ہی ہستیاں جا رہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے کرم و رحمت کی نظر سے نوازیں۔“

۱۔ یہ ادارہ کسی طرح سے پہنچایا نہیں کہاں سے نقل کیا۔ البتہ اسکے بعض عنوانات ”ذکر و یاد شریف“ سے لئے گئے ہیں۔ (۱۷)

جامع الکمالات شخصیت

بصائر و عبر، اداریہ ماہنامہ ”بینات“ کراچی، شوال ۱۳۹۰ھ
تحریر فرمودہ: حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ تعالیٰ

الحمد لله الذي له البقاء وكتب على غيره الفناء والصلوة والسلام على خاتم النبيين
وسيد الرسل الاتقياء محمد وآله الاصفياء وصحبه الاذكياء مادام تهمني العيون بالبكاء وتسلي
القلوب بالعزاء وبعد:

۲۰ شعبان ۱۳۹۰ھ مطابق ۲۲ اکتوبر ۱۹۷۰ء بروز جمعرات بوقت ساڑھے گیارہ بجے حضرت مولانا خیر محمد صاحب
جانندھری بانی خیر المدارس ملتان اس عالم فانی سے رحلت فرمائے عالم آخرت ہوئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ بلاشبہ
موت و حیات اس عالم کون و فساد کا خاصہ ہے، یہاں جو آیا وہ رہنے کے لئے نہیں آیا، بلکہ جانے ہی کے لئے آیا۔ آنا اور جانا
سنت بنی آدم ہے، اور کل نفس ذائقة الموت حق تعالیٰ کا تکوینی امر ہے جس سے کسی کو مخلص نہیں۔ یہاں صبر و ضبط، تسلیم
و انقیاد اور رضاء بالقضاء کے بغیر کوئی چارہ نہیں۔ ان للہ ما اخذ ولہ ما اعطى وکل شیء عنده باجل مسمى۔
تاہم بعض شخصیتیں قافلہ ہستی کے لئے منارہ نور ہوتی ہیں۔ ان کے وجود مسعود سے علم دانش، زہد و تقویٰ اور یقین و
معرفت کی بنیادیں استوار ہوتی ہیں۔ اور ان کے دم قدم سے علوم نبوت کا وقار قائم رہتا ہے۔ ان کے جانے کے بعد ایسا غما
پیدا ہو جاتا ہے کہ مستقبل میں اس کے پُر ہونے کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔ حضرت مولانا مرحوم کا شمار انہی جامع الکمالات
ہستیوں میں تھا۔ وہ نہ صرف اپنے دور کے جید اور ممتاز عالم تھے، بلکہ بڑے عاقل و متین اور مدبر و منتظم تھے، علم و وقار کا مجسمہ اور
خدا ترسی و للہیت کا بہترین نمونہ تھے۔ ان کی موت عقل و دانش، حلم و وقار، تدبیر و انتظام اور مکارم اخلاق کی موت ہے، ان
کے وجود سے علم اور علماء کا وقار قائم تھا، خانقاہ کی عظمت باقی تھی۔ ارشاد و تلقین کی شمعیں روشن تھیں اور اصلاح و تربیت کی مجلسیں
آباد اور بارونق تھیں۔ پاکستان کے مرکزی اور تاریخی شہر ملتان میں ان کا مدرسہ خیر المدارس اسم با مسمیٰ تھا، جہاں تعلیم و تدریس
کے ساتھ تزکیہ نفوس، اصلاح اخلاق اور تربیت قلوب کی طرف بھی توجہ تھی، صورت اس کے ساتھ روح بھی تھی۔ صفائی
معاملات میں خصوصی امتیاز تھا۔ یوں تو حضرت مرحوم کی شخصیت تھانہ بھون اور دیوبند سے تعلق کی وجہ سے شہرہ آفاق تھی، آپ
حضرت حکیم الامت قدس اللہ سرہ کے خلیفہ مجاز اور دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ کے رکن رکین تھے، لیکن حضرت مرحوم کو
قریب سے دیکھنے اور سمجھنے کا موقع اس وقت ملا جبکہ دینی درسگاہوں کی تنظیم ”وفاق المدارس“ کی بنیاد پڑی اور وفاق المدارس

کے اجتماعات میں ان سے مصاحبت و ہم نشینی کے مواقع میسر آئے۔ انہیں جذبات سے بالا تر اور طیش و غضب سے پاک دیکھا۔ ان کے رگ و ریشہ میں عقل و دانش اور حلم و تدبر کوٹ کوٹ کر بھرا تھا، خفیف الجسم لطیف الروح تھے۔ بڑی قابلِ قدر ہستی تھی۔ حق تعالیٰ ان کو عفو و مغفرت اور رحمت و رضوان کے اعلیٰ ترین مقام پر فائز فرمائے، صاحبزادگان گرامی مولانا حافظ شہد احمد، مولانا حافظ محمد شریف اور مولانا حافظ عبدالحق کو حضرت مرحوم کا صحیح جانشین بنائے اور ان کے آثار باقیہ کو قائم و دائم رکھے۔

(ماہنامہ بینات کراچی، شوال ۱۳۹۰ھ)

چند تعزیتی ادارے اور قراردادیں

نقش آغاز، ماہنامہ 'الحق' اکوڑہ خٹک، شعبان ۱۳۹۰ھ:

تحریک فرمودہ حضرت مولانا سمیع الحق مدظلہ پاکستان کی سر زمین پچھلے دنوں کئی ایک اکابر علم و فضل سے محروم ہو گئی۔ ۲۲ اکتوبر کو حضرت علامہ مولانا خیر محمد صاحب جالندھری مرحوم بانی خیر المدارس ملتان کا سانحہ وفات پیش آیا۔ مرحوم کی ساری زندگی دین اور علوم دین کی خدمت میں گزری۔ سلامت طبع، میانہ روی، معتدل مزاج، نظم و ضبط وغیرہ صفات میں آپ اپنے پیرومرشد حضرت تھانویؒ کا نمونہ تھے۔ افتراق و انتشار کے اس گھمبیر ماحول میں بھی آپ حتی الوسع فکری تعصب اور گروہی تحرب سے اپنا دامن بچاتے ہوئے علماء حق کے باہمی اتحاد و اتفاق کے لئے کوشاں رہے، وہ ان گنے چنے افراد میں سے تھے جن کی طرف ایسے حالات میں نگاہیں اٹھتی رہیں۔ تقسیم سے قبل جالندھر اور بعد میں ملتان میں بیٹھ کر انہوں نے خیر المدارس کی شکل میں علوم نبویہ کی عظیم الشان خدمات انجام دیں۔ ان کی وفات سے علمی و دینی حلقوں میں جو خلاء پیدا ہو گیا ہے وہ شاید مدتوں پُر نہ ہو سکے۔

حضرت والا قومی اخبارات کی نظر میں

اداریہ روزنامہ 'کوہستان' ملتان، مورخہ ۲۳ اکتوبر ۱۹۷۰ء:

”آج یہاں ملک کے نامور عالم دین اور مدرسہ خیر المدارس کے مہتمم اور بانی حضرت مولانا خیر محمد صاحب مرحوم کو ایک لاکھ سے زائد سوگواروں کے ہجوم میں نہایت عقیدت و احترام کے ساتھ مدرسہ کے احاطہ میں سپرد خاک کر دیا گیا۔ مولانا مرحوم کل ساڑھے گیارہ بجے صبح اچانک حرکت قلب بند ہو جانے کے سبب انتقال کر گئے تھے۔ مولانا کی نماز جنازہ آج صبح ساڑھے آٹھ بجے ابن قاسم باغ میں شیخ التفسیر جامعہ اسلامیہ بہاولپور مولانا شمس الحق صاحب افغانی کی امامت میں ادا کی گئی۔ ایک اندازہ کے مطابق نماز جنازہ میں شرکاء کی تعداد ایک لاکھ سے زائد تھی۔ ان میں اڑھائی ہزار سے زائد وہ افراد تھے جنہوں نے مولانا مرحوم کے انتقال کی خبر سن کر علی الصبح ملتان پہنچے تھے۔ ملک کے اطراف و اکناف سے آنے والے ان ہزاروں افراد

میں جید علماء کرام، مولانا مرحوم کے تلامذہ کے علاوہ اس کو آگے لے جائیں سنت و الجماعت کے افراد بھاری تعداد میں شامل تھے۔ جن علماء کرام نے ملتان کے بیرونی علاقوں سے آ کر مولانا مرحوم کی نماز جنازہ میں شرکت کی، ان میں نمایاں نام یہ ہیں: کراچی سے مولانا احتشام الحق صاحب تھانوی، مفتی رشید احمد لدھیانوی، رحیم یار خان سے مولانا عبداللہ درخوئی، لاہور سے مولانا محمد ادریس کاندھلوی، مولانا عبدالرحمن جامعہ اشرفیہ لاہور، جڑانوالہ سے مولانا محمد امین، شجاع آباد سے مولانا عبداللہ بہلوی، مولانا عبدالشکور دین پوری اور لاکل پور سے مولانا انیس الرحمن، مولانا ضیاء القاسمی وغیرہ۔

مولانا مرحوم علم و فضل اور تقدس و بزرگی کی وجہ سے ایک مرکزی شخصیت کی حیثیت رکھتے تھے۔ وہ اکابر علماء جن کی یادگار تھے۔ آج اگرچہ مولانا دنیا سے رخصت ہو چکے ہیں لیکن ان کے علمی کارنامے اور عظیم دینی و قومی خدمات ہمیشہ زندہ رہیں گی۔ انہوں نے علم و عرفان کا جو چشمہ خیر المدارس کی شکل میں جاری کیا ہے اس سے قیامت تک دنیا فیض یاب ہوتی رہے گی۔ مولانا مرحوم کی وفات سے جو خلاء پیدا ہوا ہے وہ شاید کبھی پُر نہ ہو سکے گا۔ مولانا کی موت ایک تبحر عالم دین اور ایک بطل جلیل کی موت نہیں، بلکہ یہ قومی حادثہ علم و عمل اور زُہد و تقویٰ اور نیکی و پارسائی کے ایک پورے دور اور ایک مکمل عہد کی موت کا سانحہ ہے۔ جسے امت مسلمہ کبھی فراموش نہیں کر سکتی۔ ادارہ روزنامہ 'کوہستان' اس صدمہ جانکاہ میں پوری امت مسلمہ اور مولانا مرحوم کے عزیزوں اور عقیدت مندوں کا شریکِ غم ہے اور ان سے ہمدردی و تعزیت کا اظہار کرتے ہوئے دعاء کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے، اور ان کے پسماندگان خصوصاً مولانا کے صاحبزادگان کو ہر جمیل کی توفیق عطا فرمائے۔“

چند تعزیتی قراردادیں

حضرت والا کے سانحہ ارتحال پر بے شمار تعزیتی قراردادیں پاس ہو کر شائع ہوتی رہیں، بطور نمونہ کچھ قراردادوں کی

نقل پیش خدمت ہے:

کل پاکستان مرکزی جمعیت علماء اسلام و نظام اسلام پارٹی کا ایک تعزیتی اجلاس جامعہ اشرفیہ لاہور میں زیر صدارت مولانا احتشام الحق تھانوی منعقد ہوا، جس میں ایک قرارداد کے ذریعہ حضرت مولانا خیر محمد صاحب جالندھری رحمۃ اللہ علیہ کی وفات پر گہرے رنج و غم کا اظہار کرتے ہوئے مولانا مرحوم کو زبردست خراجِ تحسین پیش کیا گیا، جس میں کہا گیا کہ حضرت مولانا مرحوم نے نصف صدی سے زیادہ کتاب و سنت کی شاندار علمی خدمات انجام دی ہیں، وہ زُہد و تقویٰ اور عبادت و خشیتِ الہی میں خلوص کا مجسمہ تھے۔ ریا کاری اور بناوٹ سے کوسوں دور تھے۔ ان کے تصوف میں حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ کے تصوف کا رنگ جھلکتا تھا۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کا اتباع ان کی زندگی کا مشن تھا۔ ان کی وفات ملک و ملت کے لئے ایک ناقابلِ تلافی نقصان ہے۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو درجائے عالیہ نصیب فرمائے اور ان کے چشمہ فیض

کو ہمیشہ جاری و ساری رکھے۔ (بحوالہ ہفت روزہ صوت الاسلام)

جمعیت توحید و سنت پاکستان کا ایک تعزیتی اجلاس مولانا سید عنایت اللہ شاہ صاحب بخاری کی زیر صدارت منعقد ہوا۔ جس میں حضرت مولانا کی وفات پر گہرے رنج و غم کا اظہار کرتے ہوئے کہا گیا کہ مولانا مرحوم کی زندگی ہمارے لئے مشکل راہ تھی اور ایسی ہستیاں اب ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملتیں۔ (روزنامہ کوہستان، ملتان)

مندرجہ بالا تعزیتی قرارداد و اجلاس کے علاوہ اور بھی تعزیتی قراردادیں منظور کی گئیں، جن میں سے دو کا ذیل میں ذکر کیا جاتا ہے (ان کا ماخذ بھی غالباً دفتر خیر المدارس میں واردہ خطوط ہی ہیں):

- (۱) قرارداد تعزیت از ناظم مرکزی دفتر جمعیت علماء اسلام سرگودھا ڈویژن
 - (۲) قرارداد تعزیت از ناظم مرکزی جمعیت علماء اسلام ضلعی آفس میرپور خاص
- (بقلم مولوی حافظ اشرف علی صاحب زاد مجدہ)

بشاراتِ منامیہ

بعد وصال حضرت والّا، مولانا قاری محمود احمد صاحب مدرس جامعہ خیر المدارس ملتان نے حضرت والّا کو خواب میں دیکھا کہ خیر المدارس کے قدیم دارالحدیث کے برآمدہ میں حضرت رونق افروز ہیں اور کسی اونچی چیز پر کھڑے ہیں اور لباس بالکل سفید خوبصورت زیب تن فرمایا ہوا ہے۔ اور کالے رنگ کی صدری بھی پہنی ہے جو سفید کپڑوں پر نہایت خوبصورت نظر آ رہی ہے (حضرت والّا اپنی زندگی میں بھی ایسی صدری پہنا کرتے تھے۔ اس کے بعد حضرت دارالحدیث کے سامنے باہر پاٹ میں تشریف لائے اور اپنے عزیز بچوں کے ساتھ خوش طبعی کی باتیں فرمانے میں مصروف ہو گئے۔

ف: مقام بلند پر کھڑا ہونا حضرت والّا کے علوم مقام پر دلالت کرتا ہے۔ کما قال تعالیٰ ورفعناہ مکاناً علیا۔
لاہرے لباس سفید موافق حدیث صحیحہ و رقبہ کے علامتِ جنتی ہونے کی ہے، تیسرے حضرت کی شفقت اور تفریحی گفتگو بچوں کے ساتھ جو کہ انبساط اور حصول اطمینان و سکون پر موقوف ہوتی ہے اس سے لا تخافوا ولا تحزنوا کے مضمون کا ظہور بخوبی عیاں ہے۔

اسی طرح وصال کے نصف گھنٹہ بعد حضرت مولانا خدابخش صاحب مرحوم مجاز بیعت حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب امرتسری نے خواب میں دیکھا کہ حضرت والّا نے ان سے فرمایا کہ میرا حج کا ٹکٹ منظور ہو گیا۔ (وصال سے پہلے عہد نے حج کی درخواست بھی بھیج رکھی تھی)

دیگر بشارت یہ ہے کہ سکھر میں ایک صاحب نے حضرت والّا کے وصال سے دو دن پہلے خواب میں دیکھا کہ مسجد نماں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجمع کثیر کے ساتھ کسی کا جنازہ پڑھا، صاحب رویا کے دریافت کرنے پر حضور ﷺ

نے فرمایا: ”یہ مولانا خیر محمد صاحب کا جنازہ ہے۔“

ف: سبحان اللہ! کیسا شرف، کیسی سعادت، کیسی بشارت!

حضرت قمر الدین شاہ صاحب تحریر فرماتے ہیں: ”زندگی میں حضرت والا کے ساتھ خوب لپٹ کر معائنہ کرنے کی تمنا تھی، لیکن خفا ہونے کے ڈر سے یہ جرأت نہ کر سکا۔ بعد وصال خواب میں کیا دیکھتا ہوں کہ حضرت جامع مسجد خیر المدارس تشریف لائے اور خوب پُر زور معائنہ فرمایا، جیسے بالکل زندہ ہوں۔“

بیداری کے بعض عجیب واقعات

(۱) ڈاکٹر محسن رضا صاحب کا واقعہ:

اسی طرح کا ایک واقعہ ڈاکٹر محسن رضا خان صاحب کو پیش آیا، جو حضرت کے عقیدت مندوں میں سے ہیں، فرمایا کہ میں حضرت کے وصال کے بعد روزانہ مرقد مبارک پر ایصالِ ثواب کے لئے حاضر ہوا کرتا تھا۔ ایک روز کیا دیکھتا ہوں کہ میں کھڑا پڑھ رہا تھا اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ اپنا عصا مبارک پکڑے ہوئے میری طرف چلے آ رہے ہیں۔ میں آگے بڑھتا کہ مصافحہ کروں، لیکن اچانک حضرت غائب تھے۔ ڈاکٹر محسن رضا صاحب فرماتے ہیں کہ اس وقت بالکل بیداری کی حالت میں تھا۔

(۲) حضرت حکیم سید محمد ابراہیم صاحب کا مشاہدہ:

دوسرے واقعہ بیداری کا وہ ہے جو بتاریخ ۱۱ شوال ۱۳۹۰ھ کو برادرِ الحاج مولوی نصرت علی صدیقی صاحب کے بھائی جناب لطافت علی صاحب ہما صدیقی مدظلہ کے مکان واقع ناظم آباد کراچی میں خود صاحب واقعہ سکھروالے حضرت حکیم سید محمد ابراہیم صاحب نے احقر مؤلف کو املا کرایا تھا، اس کے مشابہ سکھر ہی میں ایک صاحب کے خواب کا واقعہ پہلے گزر چکا۔ چونکہ مندرجہ ذیل واقعہ تو صاحب واقعہ نے خود املا کرایا ہے، ہو سکتا ہے کہ اصل واقعہ صرف یہ بیداری ہی کا ہو، اور ہو سکتا ہے کہ خواب کا واقعہ دوسرا ہو اور کسی اور صاحب کا ہو، کیونکہ یہ خواب کا واقعہ دو دن پہلے کا بیان کیا گیا ہے۔ بہر حال اب حکیم صاحب والا واقعہ پیش خدمت ہے، فرماتے ہیں:

”حضرت کا جس روز وصال ہوا ہے، اس روز عصر کی نماز مدرسہ اشرفیہ (سکھر) میں مولوی محمد احمد صاحب تھانوی مدظلہ کے پیچھے پڑھ رہا تھا، میرے بائیں طرف محترم ڈاکٹر حفیظ اللہ صاحب مدظلہ تھے۔ میں نے حالت نماز میں یہ دیکھا کہ مسجد نبوی میں مولانا خیر محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا جنازہ عین محراب کے پیچھے رکھا ہے اور سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نماز

۱۔ مآثر الذکر یہ دونوں خواب ”ذکر خیر“ میں جناب فشی عبدالرحمن خان صاحب ملتانی مرحوم کے مقالہ ”خیر مجسم مولانا محمد جالندھری“ میں ص ۶۵ پر مذکور ہیں۔ (۱۱)

جنازہ پڑھا رہے ہیں۔ مسجد نبوی اس قدر بھری ہوئی ہے کہ باب مجیدی کے باہر بھی آدمی بھرے ہوئے معلوم ہوتے تھے۔ یہ نہیں کہہ سکتا کہ انسان تھے یا فرشتے۔ سلام پھیرنے کے بعد میں نے یہ واقعہ محترمی ڈاکٹر حفیظ اللہ صاحب مدظلہ العالی سے بیان کیا۔ حضرت سرور ہوئے اور ہم لوگ رات کی گاڑی سے روانہ ہو کر صبح مدرسہ خیر المدارس پہنچے۔ حضرت کی زیارت کی۔ تقریباً ساڑھے آٹھ بجے جنازہ روانہ ہوا۔ کچے قلعہ کی مسافت کم از کم ڈیڑھ میل طے کرنے کے بعد تقریباً نو بجے نماز جنازہ مولانا شمس الحق صاحب افغانی مدظلہ العالی نے پڑھائی۔ تمام راستے میں ہزار ہا انسان پروانہ وار ٹوٹ رہے تھے۔“

ف: سبحان اللہ! شرف عظیم سعادت کبریٰ و بشارت عظمیٰ۔

حضرت والا کے چند محاسن تعزیتی خطوط کی روشنی میں

سن تو سہی جہاں میں ہے تیرا فسانہ کیا کہتی ہے تجھ کو خلق خدا غائبانہ کیا

یادگار سلف صالحین، حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب دامت فیوضہم (مہتمم اعلیٰ دارالعلوم دیوبند):

”آج ہی مولوی محمد رفیع صاحب، مدرس مدرسہ قاسم العلوم کے کارڈ سے حضرت اقدس مولانا خیر محمد صاحب کی وفات کا علم ہوا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ دل پر صدمہ کا ایک پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ مجھے چونکہ مولانا سے اور مولانا کو مجھ سے غیر معمولی تعلق تھا، اس لئے صدمہ بھی غیر معمولی ہونا ہی چاہئے تھا۔ یہ صدمہ کسی شخص و احقر یا کسی ایک گھرانہ کا نہیں بلکہ ملک کا ہے اور اہل علم کی ساری برادری کا ہے۔ مولانا کا فیضان عام تھا، اس لئے صدمہ بھی عمومی اور ہمہ گیر ہے۔ ”موت العالم“ حق تعالیٰ مولانا کو اعلیٰ مراتب اس جہان کے عطا فرمائے اور ان شاء اللہ وہاں کے مراتب میں بھی ایسے ہی حضرات کے لئے، جنہوں نے اپنی عمریں کلام خدا اور سول کی تعلیم و ترویج میں کھپا دی تھیں اور دین کا کلمہ ہمیشہ اونچا کیا۔ سنت کی ترویج اور بدعات کے الحاد میں اپنی جانیں کھپا دیں۔ ان کا اجر مالک الملک کے یہاں کیسے ضائع ہو سکتا ہے۔

(مولانا) اہل اللہ میں سے تھے۔ ستمبر ۱۹۷۰ء میں ابھی جو پاکستان حاضری ہوئی تو مولانا اسی ضعف کی حالت میں اس ناکارہ سے ملنے کے لئے لاہور تشریف لائے۔ کیا خبر تھی کہ یہ آخری ملاقات ہے۔ یہ واقعہ ہے کہ پاکستان کی حاضری میں جو چیز شوق کو اٹھانے والی تھی وہ انہی بزرگوں کی زیارت تھی۔ حق تعالیٰ شانہ اس کے طفیل ہمیں بھی حسن خاتمہ کی نعمت سے نوازے اور صالحین کے ساتھ الحاق فرمائے۔ میری طرف سے گھر میں سب بڑوں چھوٹوں کو تعزیت پہنچا دیجئے۔ بالخصوص والدہ محترمہ کو کہ یہ صدمہ گھریلو زندگی کے لحاظ سے اصلی ان کا صدمہ ہے۔ تاہم آپ حضرات کے لئے اب ان کی جگہ وہی ہیں

۱۔ کلاما تعزیر بصر۔

۲۔ تادم حضرت قاری طیب صاحب اس وقت بقید حیات تھے اور دارالعلوم دیوبند کے مہتمم تھے۔ آئے آنے والے کئی اکابر کے نام کے ساتھ کلمات دما یہ مد ظلمہ وغیر بائگی حیات کے زمانہ کے ہیں اب انہیں سے کئی حضرات رحلت فرما چکے ہیں اکابر کے ناموں کے القاب میں کی بیشی ”اق“ کی آئے ساتھ فقہیت اور معارف کے لحاظ سے ہے جس میں بہت کم ترمیم کی گئی ہے۔ (۱۷)

ان کی اطاعت سے سعادت حاصل فرمائیے اور مدرسہ کے سب بزرگوں کی خدمت میں میرا پیغامِ تعزیت پہنچا دیجئے۔

والسلام محمد طیب از دیوبند ۱۳۹۰ھ/۲۶/۸/۱۳۹۰ھ

(دوسرا والا نامہ مورخہ ۳ رمضان المبارک ۱۳۹۰ھ):

”مولانا مرحوم کا خیال دل سے نہیں اُترتا۔ روحانی سلسلوں سے پاکستان کا جانا اب کچھ بے لطف سا ہو گیا ہے۔ یوں بہر حال دنیا کے سارے ہی کام جاری رہتے ہیں۔ مگر بعض حوادث سے دل بستگی اور انفراجِ قلبی ختم سا ہو جاتا ہے۔ اس نوع کا پہلا صدمہ حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحبؒ کی وفات سے ہوا تھا، مگر اس کا تدارک حضرت مولانا خیر محمد صاحبؒ کی ذاتِ گرامی سے ہو گیا تھا۔ اب ان کے بعد اس سلسلہ کی دل بستگی کا کوئی بھی مرکز میرے لئے باقی نہیں رہا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔“

حضرت مولانا ظہور الحسن صاحب مدظلہم خانقاہ اشرفیہ تھانہ بھون ضلع مظفرنگر:

”مولانا کو اللہ تعالیٰ نے علم و عمل کا ستون اور علمی و عملی فیضان کا سرچشمہ بنایا تھا۔ جانشین کے بعد ملتان میں رہ کر آپ نے مدرسہ خیر المدارس کے ذریعہ دریائے فیضان جاری فرمایا۔ علوم ظاہری و باطنی کو تدریس، مواعظ اور مناظرہ کے ذریعہ سے اُمت کو پہنچایا۔ معتدل مزاجی اور آپ کے اعلیٰ اخلاق، تبسم آمیز چہرہ کا تصور، آپ کا نام مبارک زبان پر اور کان میں آتے ہی نظروں کے سامنے آ جاتا ہے۔

آپ کا قائم کردہ جامعہ اور آپ کے شاگرد اور بے پناہ متوسلین اور مریدین آپ کے بہترین کارنامے ہیں اور بطور باقیات الصالحات ان شاء اللہ قیامت تک یہ سب آپ کی یادگار رہیں گے۔ حضرت حکیم الامت نور اللہ مرقدہ کے خلفاء میں آپ کا مقام بہت بلند ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے اور آپ حضرات اور جملہ متوسلین کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آج خانقاہ میں آپ کے ایصالِ ثواب کے لئے ختم کرایا جا رہا ہے اور بعد نماز اور فرداً فرداً بھی ایصالِ ثواب کا سلسلہ جاری ہے۔

آپ کا شریکِ غم: بندہ ظہور الحسن خادم خانقاہ اشرفیہ تھانہ بھون، بقلم نجم الحسنؒ تھانوی، ۳ نومبر ۱۹۷۰ء

مورخ اسلام حضرت مولانا ابوالحسن علی الحسنی الندوی:

”افسوس ہے کہ سلف صالحین اور علماء ربانیین کی ایک نشانی اور دُنیا سے اُٹھ گئی۔ ایک چراغ اور گل ہوا۔ حضرت حکیم الامتؒ کے خلفاء و اصحاب میں مولانا کا جو مقام تھا وہ مجھ سے مخفی نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے علم و صلاح کے علاوہ فہم و فراست، حالاتِ زمانہ سے بے خبری اور ہوشمندی کا بھی حصہ وافر عطا فرمایا تھا۔ اس لئے حضرت کو ان کی رائے پر بہت اعتماد تھا، مجھے بھی مدوح کی خدمت میں نیاز حاصل تھا، اور ان کی شفقت سے بہرہ ور تھا۔ اللہ تعالیٰ درجات بلند فرمائے اور اعلیٰ علیین میں

جگہ دے۔ میری طرف سے ان کے صاحبزادگان متعلقین اور اہل مدرسہ دلی تعزیت قبول فرمائیں۔ والسلام

(مخلص) ابوالحسن علی ندوی ۱۲ رمضان

حضرت مولانا سید محمد یوسف صاحب بنوری (مہتمم جامعہ العلوم الاسلامیہ کراچی):

”حضرت مولانا خیر محمد، آپ کے والد ماجد اور ہم سب کے بزرگ، کی وفات سے بے حد صدمہ ہوا، لیکن سنت الہیہ جاریہ ہے، بجز رضا بقضاء اور کوئی چارہ کار نہیں۔ حق تعالیٰ مولانا کو جنت الفردوس میں درجات عالیہ نصیب فرمائیں۔ تنہا آپ ہی تعزیت کے مستحق نہیں بلکہ تمام علمی ادارے، ارباب مدارس، تھانوی حلقے، خانقاہیں اور علمی محفلیں، سب تعزیت کے مستحق ہیں۔ مولانا مرحوم کی وفات، علم و عمل، اخلاق حلم و صبر، اناہت، تدبر و عقل اور حسن انتظام کی موت ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ مرحوم نے زندگی دینی و علمی خدمات میں گزاری۔ حق تعالیٰ سے دُعا ہے کہ ان خدمات کو قبول فرمائیں اور اس کا اجر عظیم عطا فرمائیں، آمین ثم آمین۔ وفي الله عزاء من كل هالك. فرحم الله تلك الروح الخفيفه و ذلك الجسد اللطيف. ورضى عنه وارضاه وجعل الجنة مقبله ومثواه.

العزى والمعتزى: محمد يوسف بنورى عفا الله عنه ۲۲ شعبان ۱۳۹۰ھ

حضرت مولانا محمد میاں صاحب (صدر جمعیت العلماء ہندوہلی):

”حضرت مولانا خیر محمد صاحب کی وفات ہر ایک علم دوست کے لئے حادثہ عظیم ہے۔ آپ کے لئے اس کی شدت اور بھی زیادہ۔ لیکن ہر آنکھ زاد بنا چار بایش نوشید ز جامہ دہرے کل من علیہا فان فلتصبر ولتحتسب فلله ما اخذ وما اعطى. وکل عنده باجل مستمى.

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
نیاز مند محتاج دُعا: محمد میاں ۲ رمضان المبارک ۱۳۹۰ھ

حضرت مولانا عبدالعزیز صاحب سرگودھوی مدظلہم (خلیفہ مجاز شیخ المشائخ حضرت مولانا عبدالقادر صاحب رائے پوری):

”حضرت مولانا خیر محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال کی اطلاع سے بہت ہی رنج ہوا۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کی مغفرت فرما کر جنت الفردوس میں اعلیٰ جگہ مرحمت فرمادیں۔ سب متعلقین کو صبر عطا کریں۔ احقر نے حضرت کے لئے ایصال ثواب کیا۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمادیں۔ خانقاہ (رحیمہ قادریہ رائے پور ضلع سہارن پور) میں سب ہی احباب اس رنج میں آپ کے شریک ہیں۔ دعائے مغفرت اور ایصال ثواب کرتے ہیں۔

مولوی سعید احمد صاحب (صاحبزادہ حضرت مولانا عبدالعزیز صاحب سرگودھوی):

”ہم سب ایک عالم بزرگ کی سرپرستی سے محروم ہو گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ مغفرت فرمادیں، جو اہل خاص میں جگہ دیں۔“

حضرت مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی مدظلہم (شیخ الحدیث مظاہر علوم سہارن پور):

”حادثہ جانکاح سے بہت ہی کلفت ہوئی۔ اللہ تعالیٰ حضرت مولانا مرحوم نور اللہ مرقدہ کی مغفرت فرما کر اپنی جوار رحمت میں جگہ عطا فرمادیں۔“ (حضرت شیخ الحدیث بقلم عبدالرحیم) یکم رمضان ۱۳۹۰ھ

حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب مدظلہم (ناظم) و مولانا مظفر حسین صاحب (نائب ناظم) مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور: ”حضرت مولانا خیر محمد صاحب کے انتقال کی خبر کلفت اثر معلوم ہو کر افسوس اور رنج ہوا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُونَ۔ حضرت مولانا ایک گرامی قدر شخصیت اور اجل علماء سے تھے۔ ان کی وفات پر اہل مدرسہ آپ کے غم میں شریک ہیں۔ مدرسہ میں مرحوم کے لئے قرآن شریف ختم کرا کر ایصالِ ثواب کرایا گیا ہے اور دعائے مغفرت کی گئی ہے۔“

(گرامی نامہ مورخہ ۶ رمضان ۱۳۹۰ھ مطابق ۷ نومبر ۱۹۷۷ء)

حضرت مولانا فخر الحسن صاحب (نائب صدر المدرّسین دارالعلوم دیوبند):

”آپ سب بھائیوں کی خدمت میں ولی رنج و صدمہ کو پہنچا رہا ہوں، جو حضرت مولانا خیر محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال کی وجہ سے مجھ کو پہنچا ہے۔ میں کئی بار خیر المدارس کا امتحان لینے جا لندھر گیا ہوں۔ بستی وغیرہ اور آس پاس کی بستیوں میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ جانا ہوا، ان کا کرم، اخلاق، زہد و تقویٰ میرے قلب میں پیوست ہے۔ لیکن یہ راہ ایسی راہ ہے کہ انبیاء کرام بھی مستثنیٰ نہیں ہیں۔ حق تعالیٰ حضرت مولانا کے آخرت میں درجات بلند فرمائے، آمین۔ میں اس ماہ صیام میں حضرت مولانا کے لئے ایصالِ ثواب کرتا رہوں گا۔“

آپ کا شریکِ غم: فخر الحسن، نائب صدر المدرّسین دارالعلوم دیوبند، یکم رمضان المبارک دو شنبہ

حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب مدظلہم (خلیفہ مجاز شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ تعالیٰ):

”حضرت اللہ دوم رحمۃ اللہ علیہ کی وفات باعث صدمہ ہے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُونَ۔ ایک عجیب مقتل شخصیت تھے۔ حق تعالیٰ جنت الفردوس نصیب فرمادیں اور آپ کو ذمہ داریاں پورا کرنے کی خاص توفیق عطا فرمائیں، آمین۔“

(والا نامہ مورخہ ۱۵ رمضان المبارک، ۱۳۹۰ھ)

شیخ الاسلام حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی (شیخ الحدیث دارالعلوم الاسلامیہ ٹنڈوالہار):

”یکم شعبان کو کراچی میں مرکزی جمعیت کی کانفرنس تھی، اس میں بندہ بھی شریک ہوا تھا اور مولانا خیر محمد صاحب جس تشریف لائے تھے۔ چند دعوتوں میں شرکت طعام بھی ہوئی۔ یہ خبر نہ تھی کہ یہ آخری ملاقات ہے۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو جوار رحمت میں جگہ دیں اور درجاتِ عالیہ سے نوازیں۔ ان کے انتقال سے بڑا خلاء پیدا ہو گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کا خلف آپ کو

(والا نامہ ۲۶ شعبان ۱۳۹۰ھ)

بائے۔

حضرت مولانا مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی مدظلہ (جامعہ اشرفیہ لاہور):

”حضرت کی وفات سے تو ایک قوم یتیم ہوگئی۔ اللہ تعالیٰ مدارج عالیہ عطا فرمائیں۔ آپ سب کو صبر و اجر عنایت فرمائیں۔ اس ذمہ داری کا احساس بھی جو حضرت کے بعد آپ پر عائد ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ اس میں مدد فرمائیں۔“

مخدوم العلماء والفضلاء حضرت مولانا عبدالحق صاحب مدظلہم (شیخ الحدیث و مہتمم دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک):

”والد ماجد حضرت الشیخ رحمۃ اللہ علیہ کی وفات حسرت آیات سے بندہ کو از حد صدمہ ہوا۔ محترمی ایک طرف اگر آپ حضرات اپنے والد ماجد حقیقی سے محروم ہو گئے تو دوسری جانب مسلمانوں کی ایک کثیر تعداد اپنے روحانی والد سے بکھر گئے، مگر یہ تصور ہے کہ ہم خداوند کریم کے مملوک ہیں، وہی ہمارا مالک ہے، اسی کو تصرف کا حق حاصل ہے، اس کا ہر تصرف حکمت کے مطابق ہے۔ جب تک چاہے اس دنیا میں رکھے اور جب چاہے دنیا سے اٹھالے۔“

حضرت مولانا مرحوم تو خوش قسمت تھے، ان کی تمام زندگی علومِ دینیہ کی خدمت اور عام مسلمانوں کی رشد و ہدایت میں گزری اور امید ہے ان کا یہ سلسلہ فیض و علوم تا قیامت باقی رہے گا۔ بندہ ناچیز اور اس دارالعلوم کے ساتھ حضرت مرحوم جو محبت اور سرپرستی فرمایا کرتے تھے وہ بیان سے باہر ہے، اور انہی اکابر کی توجہات اور تلطفات کی بدولت یہ ادارہ رو بہ ترقی ہے۔ بندہ اس المناک صدمہ میں آپ حضرات کے ساتھ پوری طرح غمزہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے انوار و برکات آپ سب حضرات پر نازل فرمائیں اور خداوند قدوس حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو جنت الفردوس میں مراتب عالیہ سے نوازے اور آپ حضرات اور جملہ متعلقین کو صبر جمیل اور اجر جزیل عطا فرمائے۔“ (والا نامہ مورخہ ۱۲ نومبر ۱۹۷۷ء)

حضرت مولانا عبدالعزیز صاحب رائے پوری (چک نمبر ۱۱، چیچہ وطنی):

”آج بابو غلام نبی صاحب نے مجھے مولانا کی وفات کی اطلاع دی۔ کچھ تو پہلے ہی افاقہ نہ تھا۔ اس خبر کے سننے سے طبیعت زیادہ مضطرب ہوگئی۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت ہے کہ ان دنوں میں کئی اللہ کے بندے یکے بعد دیگرے دنیا سے رحلت فرما گئے، جن کی مثال ملنا محال ہے۔ بڑے حضرات کے بعد یہ چند ہستیاں تھیں جن سے تسلی تھی۔ افسوس یہ لوگ بھی رحلت کر گئے۔“

چو رفت از دست خم و جام ساقی بما جز غم نہ ماندہ بیچ باقی

محترم نصرت علی صدیقی صاحب (مکتہ المکرمہ):

”حضرت والا مخدوم العلماء والصلحاء عالم ربانی تھے، ہر فعل میں للہیت تھی۔ صبر و شکر، ہمدردی، علم، عمل اور تقویٰ نما اپنی مثال آپ تھے۔ حضرت والا کو دیکھ کر تھانہ بھون کی یاد آتی تھی۔ حضرت قدس سرہ العزیز بفضلہ تعالیٰ رضائے مولانا اور

لقاء حق کے لذت و مزہ سے سرشار ہو کر حیاتِ طیبہ کے بلند مقام پر فائز المرام ہوں گے، ان شاء اللہ تعالیٰ۔ اللہم اغفر له مغفرة ظاهرة و باطنة. و ارحمه رحمة واسعة و اجعله من عبادک الصالحین۔

حضرت والا میں فنائیت اور عبدیت کے آثار حد درجہ تھے۔ اپنے کو کسی طرح ظاہر نہیں ہونے دیا۔ جس مقام پر حضرت تھے، کسی کو خبر نہ ہو سکی۔ حضرت علومِ ظاہرہ میں کامل و مکمل اور مقاماتِ باطنہ میں بہت بلند مقام پر فائز تھے۔ جامع المجد دین حکیم الامت حضرت مولانا تھانوی قدس سرہ العزیز کے اجل خلفاء میں ایک ممتاز شخصیت تھے۔ اپنے مرشد کے عاشق صادق اور دیوانہ وار جاں نثار تھے۔ حضرت والا اس نعمتِ عظمیٰ کے ذریعہ ہر وقت فکرِ آخرت اور یادِ حق اور رضائے مولا میں مشغول رہتے اور مجلس میں آنے والوں کے متعلق بھی یہی چاہتے کہ ہر شخص ایسا ہی ہو جائے۔ اسی واسطے حضرت کی مجلس میں سوائے آخرت اور رضائے حق کے دوسری بات نہ ہوتی تھی۔ جامع المجد دین حکیم الامت حضرت مولانا تھانوی قدس سرہ العزیز کے بعض ملفوظات و معمولات کی تشریح و توضیح فرما کر مقامِ فناء و بقاء پر لے جاتے۔

اعد ذکر نعمان لنا ان ذکره هو المسک ما کورتہ يتضوع

(تحریر مکتوب ۲۳ رمضان المبارک ۱۳۹۰ھ مطابق ۲۱ نومبر ۱۹۷۰ء)

گورنر پنجاب لیفٹیننٹ جنرل ایم عتیق الرحمن صاحب: ڈپٹی کمشنر ملتان (نمبر ڈی او-۳۵۲، تاریخ ۱۱/۷/۷۰ء)

محترمہ بیگم صاحبہ

مجھے کہا گیا ہے کہ گورنر پنجاب لیفٹیننٹ جنرل ایم عتیق الرحمن ایچ کیو اے، ایس پی کے، ایم سی کو بہت افسوس ہوا ہے، اچانک یہ سن کر کہ مولانا خیر محمد دل کے دورہ کے حملہ سے انتقال فرما گئے۔ گورنر اپنی ہمدردی اور صدمہ کا اظہار آپ کے لئے اور دوسرے گھر کے ممبران کے لئے کرتے ہیں اور دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنی جوار رحمت میں ان کو جگہ دیں اور آپ سب کو اس نقصان پر صبر جمیل عطا فرمائیں۔ آپ کا مخلص: ہمایوں فیض رسول (سی ایس پی)

دیگر بزرگان دین اور حضرت والا سے تعلق رکھنے والے دیگر حضرات کے تعزیتی خطوط یا اقتباسات وغیرہ

اس سے قبل زیر عنوان ”حضرت والا کے بعض محاسن تعزیتی خطوط کی روشنی میں“ بزرگان دین اور حضرت والا سے تعلق رکھنے والے دیگر حضرات اور بعض اہم شخصیتوں کے تعزیتی خطوط کے اقتباسات گزرے (یہ ان خطوط سے نقل کئے گئے تھے جن کو دفتر خیر المدارس سے مستعار لیا گیا تھا۔ پھر محترمی ماسٹر اقبال قریشی صاحب زاد مجددہ سے ان کے مرتبہ اقتباسات مل گئے تو انہی کو لے لیا گیا)

ان خطوط کے علاوہ بھی بزرگان دین اور بعض دیگر حضرات کے تعزیتی خطوط وغیرہ احقر کو دفتر خیر المدارس سے ملے تھے، جن میں سے بعض کو کلاماً نقل کر لیا گیا تھا، بعض سے اقتباسات لے لئے گئے تھے اور تعزیتی خطوط لکھنے والے بعض حضرات کے اسماء گرامی بطور فہرست درج کر لئے گئے۔ اب ان سب کو ذیل میں نقل کیا جاتا ہے:

مخدومنا حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب (بانی و صدر دارالعلوم کراچی) کے تعزیت نامہ سے اقتباسات:

اسی باب میں اس سے قبل حضرت مفتی صاحب کا ”البلاغ“ میں شائع شدہ مستقل تعزیتی ادارہ یہ گزر چکا ہے۔ یہ اقتباسات حضرت کے ایک نجی تعزیت نامہ مورخہ ۲۳ شعبان ۱۳۹۰ھ سے لئے گئے ہیں، جو درج ذیل ہیں:

”اس میں کوئی مبالغہ نہیں کہ مولانا کی وفات کا حادثہ غم صرف آپ حضرات کے لئے نہیں، پوری جماعت علماء خصوصاً علماء دیوبند و تھانہ بھون کے لئے ایک بڑا حادثہ جانکاہ ہے، اور غور کریں تو اُمت کے لئے ناقابل تلافی نقصان ہے۔“

..... ”ہر حال میں مولانا کے وجود کو ہم سب سایہ رحمت پاتے تھے۔ حضرت مفتی محمد حسن صاحب کے بعد مولانا نے بڑی حد تک کی کوپورا کر دیا تھا۔ مگر آج تو حال یہ ہے کہ:

ذهب الدین يعاش في اكنافهم وبقیت منهم كالبعير الاجرو

”اللہ تعالیٰ آپ حضرات کو حضرت مولانا کی برکات سے محروم نہ فرماویں، اور ان کے سچے جانشین بناویں۔

اللهم اغفر له مغفرة ظاهرة وباطنة لا تغادر ذنبا.“

ترجمہ تار تعزیت منجانب مخدومی حضرت علامہ مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی:

اسی باب میں اس سے قبل حضرت مولانا عثمانی کے تعزیت نامہ سے اقتباس گزرا۔ اس کے علاوہ ایک تار بھی ملا،

جس کا ترجمہ حسب ذیل ہے:

ظفر احمد عثمانی

”مولانا خیر محمد صاحب کی وفات سے صدمہ پہنچا۔ دعاء کرتا ہوں۔“

ترجمہ تار تعزیت از مخدومنا حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب (مہتمم دارالعلوم دیوبند)

اسی باب میں اس سے قبل مخدومنا حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب کے تعزیت ناموں کے اقتباسات گزرے۔ ان کے علاوہ ایک تعزیتی تاریخی ملا۔ جس کا ترجمہ دیا جا رہا ہے۔

”مولانا کی وفات حسرت آیات سے سخت صدمہ ہوا، ہم اس غم میں آپ کے شریک ہیں۔ خط بھیجا جا رہا ہے۔“

تعزیت نامہ از حضرت حاجی محمد شریف صاحب (خلیفہ مجاز حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ)

بخدمت اقدس مولانا محمد شریف صاحب و حافظ رشید احمد صاحب زید مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

یہ ناکارہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی نماز جنازہ میں شریک ہوا۔ اس دن مدرسہ بھی حاضر ہوا۔ حضرت کی آخری زیارت دارالحدیث میں کی۔ لیکن آپ سے تعزیت نہ کر سکا۔ تلاش بھی کیا، مگر آپ ملے نہیں۔ جمعہ کی وجہ سے واپس آنا پڑا۔ جمعرات و طبیعت میں تکان بے حد تھا، اور اب ضروری کام کے سلسلہ میں لاہور جانا پڑا، ان شاء اللہ وہاں سے واپسی پر حاضر ہوں گا۔ صدمہ شدید ہے، ہم سب اب یتیم ہوئے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ میں خود محتاج تعزیت ہوں۔ اور آپ کے صدمے کا اندازہ تو کون کر سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ حضرت کو اپنا قرب خاص عطا فرما دیں اور ہم سب کو صبر جمیل سے نوازیں۔ قرار طبعی کی تو کوئی تدبیر نہیں۔ قرار عقلی کی تدبیر حق تعالیٰ کو حاکم اور حکیم سمجھنے کا مراقبہ ہے۔

جناب انوری صاحب کی خدمت میں بھی یہی مضمون عرض ہے۔ محمد شریف (۷۰۹- نواں شہر ملتان)

حضرت مولانا ابوالزاہد محمد سرفراز خان صاحب مدظلہ العالی (شیخ الحدیث جامعہ نصرۃ العلوم

گوجرانوالا و خطیب جامع مسجد لکھڑ):

لکھڑ سے اپنے تعزیت نامہ میں تحریر فرماتے ہیں:

”اخبارات میں یہ خبر پڑھ کر بے حد صدمہ ہوا کہ حضرت مولانا خیر محمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعہ ہمیں دانا مفاقت دے گئے اور اب ان کے فیض اور شفقت کا وہ مبارک ہاتھ ہمارے سروں سے اٹھ گیا، جس سے ہم مستفیض ہوتے تھے۔ آہ، اب ہم اپنی علمی تشنگی بجھانے کہاں جائیں گے؟ اور علمی تحقیقات کے جواہر پارے کہاں سے حاصل کریں گے؟“

تعزیت نامہ حضرت علامہ مولانا سید قاضی زاہد الحسنی صاحب مدظلہ العالی:

جامعہ مدنیہ کیسبل پور (مغربی پاکستان)، تاریخ: ۲۶ شعبان ۱۹۹۰ء

محترم المقام زید مجدکم، سلام مسنون!

اخبارات سے استاذ العلماء رحمۃ اللہ علیہ کے وصال باللہ کا علم ہو کر بے حد صدمہ ہوا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

وما کان قیس ہلکۃ ہلک واحد : ولکنہ بنیان قوم تہدما

حضرت قدس سرہ العزیز نے جو دین اور علم دین کی خدمت کی ہے، وہ لافانی باعث از دیاد اجر ہے۔ خصوصاً عقیدہ حیات النبی ﷺ کی اشاعت اور اس کا تحفظ آپ کا وہ کارنامہ ہے جو ان کی محبوبیت دربار رحمتِ دو عالم کے لئے بزاوریہ ہے۔ رحمہ اللہ رحمة واسعة. والسلام طالب دعاء: قاضی محمد زاہد الحسنی غفرلہ

حضرت مولانا مفتی سید عبدالشکور صاحب ترمذی مدظلہ العالی (ساہیوال ضلع سرگودھا):

تقریر نامہ کے اکثر حصہ کا اقتباس درج ذیل ہے:

”حضرت خیر العلماء مولانا خیر محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وفات حسرت آیات کی خبر سن کر انتہائی رنج و صدمہ ہوا۔ اللہ تعالیٰ حضرت مرحوم کو اپنے جوار رحمت میں بلند مقام پر فائز فرمائیں اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائیں، آمین ثم آمین۔ حضرت مرحوم نے حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے فیض کو تقریباً نصف صدی تک جاری رکھا اور اپنی تعلیمی اور تربیتی ملازمتوں سے ایک عالم کو مستفید کر رکھا تھا اور مرحوم نے اپنی خداداد صلاحیتوں اور قابلیتوں سے دنیا کو سیراب و فیض یاب کیا ہوا تھا۔ حضرت مرحوم اپنے شیخ مرشد تھانویؒ کے صحیح جانشین اور ان کی مسند کے حقیقی وارث تھے۔ افسوس کہ آج ہم مرحوم کے فیض سے محروم ہو چکے، اور ہمارا سر پرست اٹھ گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔“

حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی مدظلہ نے حضرت حکیم الامت تھانویؒ کی وفات پر اپنے مرثیہ میں ایک شعر فرمایا تھا، وہی میں حضرت مولانا خیر محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وفات پر نقل کرتا ہوں۔

کسے وہم تھا کہ نہ ہوں گے وہ کسے تھا گماں کہ رہیں گے ہم

ظفر! آہ کیسے گئے ہیں وہ کہ چراغِ دل ہی بجھا گئے

میرے گھر میں اس خبر سے بہت متاثر ہوئیں اور یہ کہا کہ آج سیراباپ فوت ہو گیا۔ حضرت مرحوم میرے والد مرحوم کے بہت گہرے دوست اور صدیقِ حمیم تھے، اور اس کا حق ادا فرمانے کے لئے احقر نالائق سے بہت ہی گہری محبت کا بناؤ فرماتے تھے۔ دوسرے ساہیوال بھی تشریف لا کر عزت افزائی فرمائی۔ اعلیٰ اللہ درجہ الخ۔

گرمیوں میں احقر نے عریضہ میں حاضری کی اجازت چاہی تو تحریر فرمایا: ”آپ کا تشریف لانا باعث برکت ہے، مگر ایک ماہ تک گرمی شدید ہے، گرمی کم ہو جائے تو مناسب ہے۔“ آہ کس کو خبر تھی کہ یہ حضرت مرحوم کا آخری والا نامہ ثابت ہو گا اور یہ زیارت و حاضری کی حسرت دل میں ہی رہ جائے گی۔ کس اشتیاق و انجذاب کے ساتھ ملتان کا سفر ہوا کرتا تھا، اب یہ کس کے لئے ہوا کرے گا۔“

اسی آخری والا نامہ میں تحریر فرمایا: ”آپ کی یاد سے پرانا زمانہ اور آپ کے والد بزرگوار مرحوم بلکہ تمام عہدوں کا لطف یاد آ کر اپنی محرومی پر افسوس ہوتا ہے۔“ رحمہ اللہ رحمة واسعة.

باشاء اللہ حضرت مرحوم سر ابا خیر و برکت تھے، آپ کا مدرسہ خیر المدارس اور آپ کی مسجد خیر المساجد میں۔ اللہ تعالیٰ حضرت والا کی ان باقیات صالحات کا فیض تادیر دائم و قائم رکھے، آمین۔

اقتباس از تعزیت نامہ حضرت مولانا جمال الدین صاحب مدظلہ العالی: (سابق استاذ الحدیث خیر المدارس)

(پرکاً تحصیل صوابی، ضلع مردان)

”یہ ایک حقیقت ہے کہ حضرت مولانا خیر محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ علم و عمل کے پیکر، محبت و تدبر کا بھرپور استقلال، نظم و نسق کے بادشاہ، رشد و ہدایت کا منبع تھے۔ ان کی وفات سے آج علمی دنیا ایک عظیم رہنما، تجربہ کار مشفق کی شخصیت سے محروم ہے، جس کا بدل بظاہر ناممکن ہے۔ حق تعالیٰ سے بدست بدعاء ہیں کہ مرحوم کو اپنے قرب کا اعلیٰ تہ عطا فرمائے۔“

اقتباس از تعزیت نامہ حضرت مولانا عزیز الرحمن صاحب مدظلہ العالی (خلیفہ مجاز مجدد و منا حضرت مفتی نور

حسن صاحب نور اللہ مرقدہ) (مدرسہ عربیہ امداد العلوم لور ملک پورہ ایبٹ آباد (ہزارہ):

”حضرت مولانا (خیر محمد) صاحب قدس سرہ کے واقعہ انتقال سے دل کو جو صدمہ ہوا وہ قلم و زبان سے نہیں ظاہر ہو سکتا، دل اس حادثہ سے بے حد مغموم ہے.... حضرت والا کے کمالات و برکات شمار میں نہیں آسکتے۔ حق تعالیٰ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کو برزخ و آخرت میں درجات عالیہ اور جنت الفردوس عطا فرمادیں، آمین۔ اور ہم سب کو ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق بخشیں، آمین۔“

اقتباس از تعزیت نامہ حضرت مولانا سید اسعد مدنی صاحب مدظلہ (صاحبزادہ شیخ الاسلام حضرت

مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی):

”حضرت مولانا خیر محمد صاحب قدس اللہ سرہ العزیز کے وفات حسرت آیات کی خبر معلوم ہو کر از حد صدمہ ہوا، لانا للہ وانا الیہ راجعون.

اللہ تعالیٰ اپنی رحمتوں اور مرضیات سے نوازے اور آپ حضرات کو صبر جمیل اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے نقش قدم پر چلنے اور ان کے مشن کو انجام دینے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

اسعد غفرلہ

وارد حال ٹانڈہ ضلع فیض آباد، یو. پی.

تقریرت نامہ از حضرت مولانا حافظ قاضی عبدالکریم صاحب مدظلہ العالی (مہتمم مدرسہ نجم المدارس کلاچی،
ذیرہ اسماعیل خان) (فاضل دارالعلوم دیوبند و خیر المدارس جالندھر، تلمیذ سعید حضرت والا):

”حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی جدائی کا غم بڑا طویل الذیل ہے۔ جلدی میں کہاں بھلایا جاسکتا ہے۔ لیکن جب تک
خیر المدارس (ادامہ اللہ تعالیٰ) قائم ہے اور اولاد و امجاد میں آپ جیسے حضرات موجود ہیں، بحمد اللہ تعالیٰ حضرت زندہ ہیں۔
غم جدائی کے تاثرات ذیل کی تک بندی میں زبان پر آگئے، ممکن ہے آپ کے لئے بھی تسکین غم کا باعث بنیں۔

آہ حضرت الاستاذ رحمۃ اللہ علیہ

ارض ملتان تو شہیدوں کی امانت دار ہے اور اہل اللہ کے اجساد کا گلزار ہے
آج پھر پہلو میں تیرے آگیا اک مہ جبیں وہ جو میر علم تھا خیر محمد کا امیں
خواب میں دیکھے گئے جن کے جنازہ پر حضورؐ عالم ظاہر میں شمس شفق بنا جن کا ظہور
اے ندیم بے نوا صبح و مسا کر یہ دعا
آسماں ان کی لحد پر ہو سدا رحمت کشا

عبدالکریم عفی عنہ کلاچی (۲۸ شعبان ۱۳۹۰ھ - ۳۰-۱۰-۱۹۷۰ء)

اقتباس از تقریرت نامہ حضرت مولانا فضل محمد صاحب مدظلہ العالی مہتمم مدرسہ عربیہ قاسم العلوم

فقیر والی بہاولپور ڈویژن:

آپ کے مفصل تقریرت نامہ میں سے حضرت والا کے طریقہ تعلیم کا تذکرہ باب ششم تعلیم و تدریس کے ذیلی عنوان
”انداز تدریس“ کے تحت اور حضرت والا کے بعض اخلاق و اوصاف کا تذکرہ باب ۲۰ بستم اخلاق و عادات میں نقل کیا جا چکا
ہے۔ تقریرت نامہ میں سے متعلقہ اقتباسات یہاں دیئے جا رہے ہیں:

”قدوة الصلحاء اسوة العلماء حضرت مولانا خیر محمد صاحب جالندھری بانی و مہتمم مدرسہ عربی خیر المدارس ملتان کی
وفات حسرت آیات اور انتقال پر ملال کی المناک اور اندوہ گیس خبر اخبارات میں پڑھ کر انتہائی صدمہ و ملال اور رنج و قلق ہوا
..... دنیا نظروں میں تاریک و مظلم نظر آنے لگی۔ حضرت کے ارتحال پر ملال سے علمی حلقوں اور مذہبی صفوں میں ایک ایسا خلا
پیدا ہو گیا ہے جس کا پُر ہونا محال معلوم ہوتا ہے۔ حضرت اقدس ملک کے چند ان چیدہ جید اور درویش صفت علماء ربانی و صلحاء
حقانی میں سے تھے جنہوں نے اپنی حیات مستعار کے ہر لمحہ کو دین اسلام کی تبلیغ و ترویج کے لئے وقف کر رکھا تھا۔

۱۔ حضور ﷺ کو حضرت والا کے جنازہ پر حکیم سید ابراہیم صاحب کا بیداری میں اور ایک صاحب کے خواب میں دیکھنے کے واقعات ای باب میں گذر چکے ہیں۔ (۱۷)

۲۔ شمس المشائخ حضرت علامہ شمس الحق صاحب انغانی رحمۃ اللہ علیہ (من)

حضرت اقدس کے ہزاروں مستفیدین اور لاکھوں معتقدین کی آنکھیں اشکبار اور دل غمزہ و فگار ہیں۔
۵۰ عدد قرآن مجید پڑھا کر مرحوم کی روح پر فتوح کو ایصالِ ثواب کیا گیا۔“

اقتباس از تعزیت نامہ حضرت مولانا محمد متین خطیب صاحب، دارالعلوم کراچی:

”دارالعلوم پہنچا تو یہ خبر سنی کہ ہمارے بزرگ معظم قبلہ حضرت مولانا خیر محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہم سب متوطنین کا داغ مفارقت دے گئے، انا للہ الخ۔

یہ حادثہ بڑا جانکاه ہے۔ حق تعالیٰ سے دُعا ہے کہ وہ قبلہ مرحوم کے مراتب اخروی بلند فرمائے اور ہم سب کو ان کے نقش قدم پر چلنے کی ہمت و توفیق بخشے، آمین۔“

اقتباس از تعزیت نامہ حضرت مولانا اصغر علی صاحب (سابق مدرس و ناظم جامعہ خیر المدارس ملتان):

”خط میں پوری درد کی کیفیت لکھی نہیں جاسکتی۔“

اقتباس از تعزیت نامہ حضرت مولانا منظور احمد صاحب (پرنسپل جامعہ عربیہ چنیوٹ):

”صرف آپ یتیم نہیں ہوئے، بلکہ ہم تمام متعلقین و متوسلین یتیم ہو گئے ہیں۔ مولانا کی وفات موت العالم موت العالم کا صحیح مصداق ہے۔“

اقتباس از تعزیت نامہ محترم و معظم جناب غلام یسین صاحب (انجینئر) ۱۳- عامل کالونی حیدرآباد (مرید

حضرت مجدد حکیم الامت تھانوی):

”خبر ملی کہ حضرت والا قطب الاقطاب سرتاج العارفین شیخ المشائخ حضرت مفتی صاحب کل ۲۰ شعبان کو ہم سے

ہمیشہ کے لئے جدا ہو کر اپنے خالق حقیقی سے جا ملے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ یہ صرف چند ہی دن کی بات ہے کہ

حضرت اقدس ۲ شعبان کو چند گھنٹے کے لئے یعنی ۹ تا ۱۰ بجے سے لے کر ۲ بجے دوپہر تک حیدرآباد غریب خانہ پر رونق افروز

رہے، مشہین کالملاقات و زیارت کے لئے تانتا بندھا ہوا تھا اور حضرت والا کو دیکھنے کے لئے بے تاب تھے۔ کیا خبر تھی کہ بہ

حضرت والا کا آخری دیدار ہے۔ بہت خوش تھے، سب پرانی کمزوری دور ہو چکی تھی، ایک نور برس رہا تھا۔ دُعا ہے کہ حضرت

والا کے اس دینی ادارہ کو حق تعالیٰ پورا پورا فروغ دیں اور یہ ان کا صدقہ جاریہ ہمیشہ ہمیشہ جاری رہے۔ آمین۔“

اقتباس از تعزیت نامہ محترمی حضرت صوفی ماسٹر محمد اقبال قریشی صاحب زاد مجددہ:

”حضرت مرشدی کی رحلت کے بعد روز بروز غم میں اضافہ ہو رہا ہے اور کسی صورت چھین نہیں آتا، شدت غم سے

بخارا آنے لگا ہے۔ ایک مشفق، مربی، سرپرست سے ہم محروم ہو گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ جنت الفردوس میں حضرت کو اعلیٰ مقام

عطا فرمائے، آمین۔“

اقتباس از تعزیت نامہ محترم مولانا اکرام الحق الخیری صاحب زاد مجدہ (ڈگری شہر):

آپ کی وفات نہ صرف اقرباء کے لئے اور نہ ملتان والوں کے لئے اور نہ پاکستانیوں کے لئے، بلکہ عالم اسلام کے لئے ایک المیہ ہے۔ جن سے ہزاروں تشنگانِ علوم نے مختلف ممالک و اماکن سے حاضر ہو کر اپنی پیاس بجھائی، اس لئے آپ حضرات کے غم میں صرف ایک نہیں بلکہ عالم اسلام کے افراد برابر کے شریک ہیں۔“

اقتباس از تعزیت نامہ حضرت مولانا شمس الدین صاحب، صدر مدرس (پکچی محمد خاں لیاقت پور):

انما الدنيا فناء ليس للدنيا بقاء
انما الدنيا وما فيها كسج العنكبوت
انما مات القوم لكن لم تمت خيرا
انما مات المسمى واسمه ما لا يموت
شیخ الباكستان بل شیخ العالم کی وفات سانحہ عظمیٰ و حادثہ کبریٰ ہے، انا لله وانا اليه راجعون۔ اِنَّ لِلّٰهِ مَا اخذ وما اعطى و كل عنده باجل مستقى۔

آہ! مشید کتاب و سنت، مشیع معرفت و حکمت، حاوی الفروع و الاصول، جامع المعقول و المقول، منبع ارشاد و ہدایت، مخزن علم و معرفت کی جگہ خالی شدہ کون پُر کر سکتا ہے۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ بطفیل محبوبان عظام جنت الفردوس موعی و ماویٰ بنائے اور پسماندگان کو ان کے اور جملہ اسلاف کرام کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق مرحمت فرمائے، آمین۔“

اقتباس از تعزیت نامہ حضرت مولانا عبدالوحید صاحب، مدرسہ عربیہ قادریہ ڈھڈیاں شریف ضلع سرگودھا:

”حضرت استاذ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے سانحہ ارتحال کی وحشت ناک خبر سنی، شدید صدمہ ہوا۔ اِنَّا لِلّٰهِ الخ۔ اکابر کے یکے بعد دیگر دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد یہ عالم بالکل سونا سا ہو گیا ہے۔ سارے عالم میں اندھیرا ہی اندھیرا ہو گیا۔“

اقتباس از تعزیت نامہ مولانا فضل اللہ صاحب (ابن حضرت مولانا نیاز محمد صاحب، مہتمم مدرسہ عربیہ

دارالعلوم الاسلامیہ لکی مروت ضلع بنوں):

”حضرت اقدس مولانا صاحب مرحوم ایک ایسی ہستی تھی جو کہ ظاہری علوم میں دریا ناپیدا کنار، تقاسیر، احادیث فقہ و تاریخ وغیرہ علوم میں مہارت تانہ رکھتے تھے۔ باطنی علوم میں امام السالکین تھے۔ حضرت کی وفات سے ایسی خلا آئی جس کی ملاء و تاقیامت مشکل ہے۔ حضرت کے انتقال پر ملال سے علماء کرام یتیم ہو گئے۔“

اقتباس از تعزیت نامہ جناب الحاج مولانا محمد سلیمان طارق صاحب جالندھری، خطیب جامعہ مسجد

مرکزید مہتمم مدرسہ عربیہ شمس العلوم گوجرہ ضلع لائل پور (از ڈسٹرکٹ جیل جھنگ صدر):

”حضرت سیدی و استاذی المکرم شیخ المشائخ سلطان العارفين حضرت قبلہ مہتمم صاحب کی خبر سن کر کہ حضرت والا

ہمیں داغ مفارقت دے کر ہمیشہ کے لئے یتیم بنا گئے، از حد صدمہ ہوا۔ جمیع اصحاب لہجن آپ کے غم میں برابر کے شریک ہیں۔
اقتباس از تعزیت نامہ جناب محمد یسین صاحب کشمیری، پونچھ آزاد کشمیر:

”دل و دماغ اس خبر کو قبول نہیں کرتا کہ کیا واقعی وہ شمس ارض جس کی روشنی نے ہزاروں ستاروں کو اپنے نور سے منور کر رکھا تھا اس جہاں سے غروب ہو گیا، کیا ہزاروں ظاہری و باطنی پیاسوں کو سیراب کرنے والا اپنے دریا کو بند کر چکا؟ اے اللہ اب ان تشنگان کو کون سیراب کرے گا؟ اے اللہ! ہماری رہنمائی کے لئے کون ہے؟ باطنی تربیت کے لئے کس کی طرف رجوع کریں؟ کوئی راستہ نظر نہیں آتا۔ کس طرف جائیں؟ آہ! یہ کمی پوری نہیں ہو سکتی، اس غم کو دل برداشت نہیں کر سکتا۔ یہ ہزاروں یتیم کیا کریں گے؟“

اقتباس از تعزیت نامہ محترم جلال الدین صاحب میواتی مدرس (حال ساکن موضع سلووال تحصیل نارووال ضلع سیالکوٹ:

”میرے والد صاحب کو انتقال کئے ہوئے تقریباً آٹھ سال ہو گئے اور ان کی موت کا مجھے اتنا صدمہ نہیں ہوا تھا جتنا اس اپنے روحانی باپ کی خبر سن کر ہوا۔ میرے جیسے گنہگار کے لئے حضرت کی ذات سے جو فائدہ پہنچا وہ بہت زیادہ ہے۔ اللہ کا شکر ہے کہ حضرت کی بدولت میرا اور میرے ماں باپ اور بھائیوں کا نقشہ قدرت نے بدل دیا۔“
اقتباس از تعزیت نامہ جناب ظہور احمد قریشی صاحب، اچھرہ، لاہور:

”اعلیٰ حضرت کی وفات کی خبر سن کر دل کو سخت صدمہ اور افسوس ہوا۔ اعلیٰ حضرت کا شگفتہ اور مسکراتا ہوا رخ انور اب بھی میری آنکھوں کے سامنے موجود ہے۔ خدا اس کو وائٹ رکھے۔“

اقتباس از تعزیت نامہ جناب محمود احمد ثاقب صاحب (پو ڈی سی. پی. ایم. جی آفس پشاور):
 ”یہاں جب حضرت کی وفات کی خبر مولانا خالد محمود صاحب نے سنائی تو وہ خود بھی رور ہے تھے اور سینکڑوں آدمی بھی سن کر رور ہے تھے۔“

اقتباس از تعزیت نامہ جناب رحمت علی صاحب، ۱۹/۱۹ بازار، محلہ گنج مغلیہ پورہ لاہور:
 ”اللہ تعالیٰ حضرت کی قائم کردہ دینی درسگاہ کو تاقیامت قائم رکھیں۔ جس سے تشنگانِ علم کی پیاس بجھتی رہے۔ حضرت کے مجھ پر بہت بڑے احسانات ہیں۔ مجھ پر بہت شفقت فرماتے تھے۔“

اقتباس از تعزیت نامہ حکیم ارشاد صاحب، احمد پور شرقیہ:
 ”حضرت اقدس کی وفات سے ہم سب کے قلوب مغموم ہیں۔ مرنا برحق ہے، مگر ایسی بستیاں مرتی نہیں زندہ جاوید ہوتی ہیں۔ آپ ایک عظیم باپ کے سایہ سے محروم ہو گئے اور ہم سب ایک شفیق استاد سے، جن کا نہ مداوی ہے نہ بدلہ۔“

ہمارے والد صاحب کے ساتھی اور ہم عمر تھے، ایک سال کے فرق سے جا ملے۔“
 اقتباس از تعزیت نامہ جناب ڈاکٹر مرزا علی اختر صاحب ڈومیلی، ضلع جہلم:

”بلند پایہ محدث تھے۔ نیز میں نے بہت سے پیر دیکھے لیکن ان جیسے پیر دیکھنے میں نہیں آئے۔“

تعزیت نامہ بذریعہ تار از جناب مولانا غلام اللہ خان صاحب مرحوم (راولپنڈی):

”مولانا صاحب کی وفات پر دلی تعزیت کرتا ہوں۔ بوجہ علالت نقل و حرکت (یعنی سفر) سے معذور ہوں۔“

اقتباس از تعزیت نامہ جناب مولانا غلام اللہ خاں صاحب مرحوم، دفتر دارالعلوم تعلیم القرآن، راجہ بازار راولپنڈی:

”بہت زیادہ صدمہ ہوا۔ آپ کو علم ہے کہ میں گزشتہ دنوں سے بیمار چلا آ رہا ہوں۔ جس بناء پر حاضری سے معذور

ہوں، ورنہ ضرور حاضر ہوتا۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو بلند مراتب عطا فرمائے۔“

اقتباس از تعزیت نامہ جناب مولانا محمد زکریا غزنوی صاحب، خطیب جامع مسجد اہل حدیث، صادق گنج ضلع بہاولنگر:

”مولانا صاحب کی اچانک وفات حسرت آیات کی خبر سن کر نہایت دلی صدمہ ہوا۔ ہاتھ لرزہ براندم ہیں۔ دماغ

کی عجیب سی کیفیت ہے۔ تمہارا تو وہ والد تھا، لیکن میرا ان سے رشتہ روحانی تھا، جو کیفیت مجھ پر طاری ہے وہ میں لفظوں میں

بیان نہیں کر سکتا۔ انہوں نے دس سال تک ہمارے مدرسہ احیاء الاسلام میں درس حدیث دیا تھا۔ مجھے وہ دن یاد آتے ہیں۔“

اقتباس از تعزیت نامہ جناب مولانا فضل الحق صاحب، ناظم اعلیٰ مرکزی جمعیت اہل حدیث مغربی

پاکستان، حدیث منزل، ۷-۱ ایک روڈ، انارکلی لاہور:

”آج اخبارات میں آپ کے عظیم والد محترم کی خبر پڑھ کر مجھے سخت صدمہ ہوا۔ مرحوم کی اس پرفتن دور میں سخت

ضرورت تھی۔ ہم مرحوم کے کارہائے نمایاں کو کبھی فراموش نہیں کر سکتے۔ جو خدمات ان کی ہیں وہ ان شاء اللہ تاقیامت باقی

رہیں گی۔ دُعا ہے کہ مرحوم کو اللہ تعالیٰ اعلیٰ علیین میں جگہ عطا فرمائے۔ میری جماعت آپ کے غم میں برابر کی شریک ہے۔“

اقتباس از تعزیت نامہ جناب محمد عبدالرشید صدیقی صاحب، ناظم جمعیت اہل حدیث ضلع ملتان:

”ان میں وسعت اخلاقی، تحمل، بردباری کے جو اوصاف تھے.... باوجودیکہ وہ انقلاب سے پہلے حنفی اہل حدیث

کے مابین باہمی اختلافات پر مناظرے بھی کرتے رہے مگر انقلاب کے بعد انہوں نے وہ سلسلہ مسدود کر دیا اور اختلافی

سائل پر گفتگو میں بڑی بردباری اور تحمل کا اظہار فرمایا۔ اللہ تعالیٰ انہیں جنت الفردوس نصیب فرمائے۔“

ان کے علاوہ بہت سے اکابر دین و ملت اور مشاہیر حضرات نے تعزیت نامے ارسال فرمائے۔ خاص خاص

حضرات میں سے بعض کے اسماء گرامی درج ذیل ہیں:

(۱) حضرت مولانا سعید احمد خاں صاحب مدظلہ العالی، مسجد نور، باب العوالی، مدینہ منورہ

(۲) علامہ محمد عبدالرحمن صاحب، سابق مشیر و ناظم امور مذہبیہ، محکمہ اوقاف، مغربی پاکستان

- (۳) جناب پروفیسر احمد سعید صاحب، ۳۹ عالمگیر روڈ اسلام پورہ (کرشن نگر) لاہور
- (۴) جناب حافظ محمد یوسف صاحب، ڈگری (سندھ)
- (۵) حضرت مولانا محمد چراغ صاحب، مہتمم مدرسہ عربیہ بیرون کھیالی دروازہ، گوجرانوالہ
- (۶) جناب خداداد صاحب، لوئر ملک پورہ، ایبٹ آباد
- (۷) جناب حافظ محمد اسماعیل صاحب، پوسٹ بکس نمبر ۱۰۰، لاہور
- (۸) جناب رشید احمد صاحب، جامعہ اشرفیہ، فیروز پور روڈ لاہور
- (۹) جناب ابن العظامی رضی الدین احمد صاحب، لاہور
- (۱۰) جناب غلام محمد صاحب، چک نمبر ۷۷، دھندڑہ محلہ طاہر پور، براستہ عباس پور، ضلع لائل پور
- (۱۱) جناب قاری قاضی محمد صاحب، مقام وڈاک خانہ معیار، تحصیل و ضلع مردان
- (۱۲) جناب شیخ عبدالرشید شیخ (استاد عربی جامعہ عباسیہ) خالد رشید منزل، ۸۲/۸ (بستی دیوان) ماڈل ٹاؤن بی، بہاولپور
- (۱۳) جناب حافظ خلیل محمد صاحب، چک نمبر ۱۶۱، ڈب
- (۱۴) لیفٹیننٹ کرنل جناب ڈاکٹر عبدالرشید صاحب، سی ایم ایچ، ایبٹ آباد
- (۱۵) جناب ڈاکٹر حافظ عبدالحق صاحب (ابن مولوی محمد یعقوب صاحب جالندھری) طائف سعودی عرب
- (۱۶) جناب محمد افضل صاحب (ٹی کیو اے) قصر لطیف، ۵۳۸/۱۳ گارڈن ایسٹ کراچی نمبر ۵

حرمین شریفین سے حضرت والا کی خدمت میں مرسلہ دو مکتوب

(مکتوب قبل از وفات و موصولہ بعد وفات حضرت والا)

اقتباس از مکتوب گرامی حضرت مولانا سعید احمد خان صاحب مدظلہ العالی، از مسجد نور مدینہ منورہ،

مورخہ ۱۷ شعبان ۱۳۹۰ھ:

”حضرت کاشفیت نامہ بہترین دُعاؤں کے انوار سے منور موصول ہو کر باعث از دیا و ایمان ہوا۔ بندہ ان ہی دعاؤں کا محتاج ہے اور اس ناچیز سے اور زیادہ مسرت ہوئی کہ حضرت والا حج کے لئے تشریف لا رہے ہیں۔ بندہ اخیر رمضان المبارک میں مکہ مکرمہ منتقل ہو جاتا ہے اور محرم کے اخیر تک وہیں قیام رہتا ہے۔ اس لئے اگر جہاز کا نام، روانگی کی تاریخ اور مکہ مکرمہ میں قیام کی جگہ معلوم ہو جائے تو ملاقات کا شرف آسانی سے حاصل ہو۔ حضرت کی طرف سے صلوة و سلام روضہ اقدس پر پہنچاتا رہوں گا۔“

نوٹ: اس گرامی نامہ کے پاکستان پہنچنے پر ڈاک خانہ کی ایک مہر ۳۰ اکتوبر ۱۹۷۰ء کی اور دوسری مہر ۳۱ اکتوبر کی ہے)

اقتباس از مکتوب گرامی المعلم المکرم عبد اللہ امین مؤذن المکرم (از مکہ معظمہ مورخہ ۲۰ شعبان ۱۳۹۰ھ

مطابق ۲۱ اکتوبر ۱۹۷۰ء) (جب کہ پاکستان میں ۱۹ شعبان تھی، یعنی ایک یوم قبل از وفات):

”اور آپ کی حج کے لئے آنے کی خبر سے اور خوشی ہوئی..... آپ کو میں اپنے مرحوم والد کی طرح سمجھتا ہوں۔“

آپ آنے کی تاریخ اور جہاز کا نام لکھیں۔ ان شاء اللہ آپ کے استقبال کے لئے جدہ حاضر ہوں گا۔“
(نوٹ: اس گرامی نامہ کے پاکستان پہنچنے پر ڈاک خانہ کی مہر ۲۳ اکتوبر ۱۹۷۰ء کی ہے)

قطعات تاریخ و وفات وغیرہ

مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی

وفات جس کی ہے بے شک وفات علم و عمل
یہ کیسی ہستی بے مثل کھو گئی تاریخ
عہد سے پکارا جو آج ہاتھ نے
وفات خیر محمد ہی ہو گئی تاریخ

۱۳۸۹ھ

حضرت مولانا محمد احمد صاحب تھانوی

مولانا الحاج خیر محمد جالندھری نمونہ سلف بود

۰ ۹ ۳ ۱ ۰

غفر اللہ لہ ابد یا تقدم

۰ ۷ ۹ ۱ ۰

حضرت مولانا مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی مدظلہم

رحلت أستاذ العلماء مولانا خیر محمد صاحب

۰ ۹ ۳ ۱ ۰

إذا كان خسر محمد في الناس خير محمد

قل أرخه متحيراً أوقات خير محمد

۰ ۹ ۳ ۱ ۰

حضرت مولانا قاضی عبید اللہ صاحب نقشبندی مدظلہ

چراغ خیر محمد بجھا آج

۰ ۹ ۳ ۱ ۰

(۱) عالم دین حق اٹھا آج

(۲) افسوس مولانا جالندھری وفات پا گئے

۱۹۷۰ء

حضرت مولانا قاضی عبدالکریم صاحب مدظلہ (مہتمم مدرسہ نجم المدارس کلاچی)

چوں ز تاریخ و صالحش خود بہ ہاتف گفتگو
خیر از و خیر المدارس گفت او

تَنْقِلَ خَيْرٍ

۱۳۹۰ھ

حضرت مولانا حاجی عبدالسلام صاحب ہوشیار پوری مرحوم نے اپنے گرامی نامہ میں تحریر فرمایا تھا کہ ایک صاحب نے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا مادہ تاریخ وفات ۱۳۹۰ھ یغفر اللہ لہ سے تخریج کیا ہے۔
سن وصال حضرت مولانا خیر محمد جالندھری رحمۃ اللہ علیہ (از جناب محترم خیر محمد صاحب بشیر جالندھری، مکان نمبر ۲۹۵، فرید ناؤن، ساہیوال):

دائے کہ پیر و مرشد سے ازیں جہان رفت
از خاکداں گذشت و بر آسمان رفت
آں راہنما کہ راہ سعادت مراد نمود
عباد حق، محبوب حق خیر الزمان رفت

حضرت مولانا خیر محمد صاحب کے انتقال پر:

از پروفیسر حافظ ثار احمد صاحب، گورنمنٹ ٹریننگ کالج، ملتان

چھپ گیا افسوس وہ علم و عمل کا آفتاب
شرق سے تا غرب جس کے نور کی تھی آب و تاب
بجھ گئی وہ شمع بزم علم و عرفاں بجھ گئی
تھی ضیا پاشی سے جس کی ہر گھڑی روشن بنی
اہل ملتان آج اس کے غم میں ہیں سب سوگوار
جس کے دم سے گلشن دیں میں تھی ہر لحظہ بہار
جس کی تربت پر سدا ہے رحمت حق کا نزول
ہوں نثار اس کی لحد پر روز و شب جنت کے پھول

ترجما

۱۔ حضرت مولانا قاری عبدالکریم صاحب مدظلہ کا یہ شعر جس سے انہوں نے سن عیسوی تاریخ وفات نکالی ہے اور دیگر تعزیتی اشعار ان کے تعزیت نامہ میں اسی باب میں آئے ہیں۔ (۱۲) ج ای روح (۱۲)

۲۔ آنحضرم نے (قد عبود) تحریر فرمایا تھا۔ لیکن اسکے وزن کی اصلاح کیلئے احقر نے لف کی درخواست پر استاذ القراء حضرت قاری محمد طاہر ملتانی مدظلہ نے (عباد حق) سے بدل کر اصلاح فرمادی ہے۔ اس کے بھی عدا تھے ہی ہیں۔ لیکن وزن اب درست ہے۔ (۱۲)

باب بست و دوم (۲۲)

خیر المقالات

(یعنی چند خصوصی مقالات)

نوٹ: اس باب میں مندرجہ ذیل مقالات ہیں:

- | | |
|-----|------------------------------------------------------------------------------------------------|
| (۱) | ذکر خیر حضرت مولانا خیر محمد صاحب جالندھری رحمۃ اللہ علیہ از حضرت علامہ مولانا ظفر احمد عثمانی |
| (۲) | میرے مشفق و محسن حضرت حاجی محمد شریف صاحب |
| (۳) | حضرت والّا کے چند کمالات حضرت مولانا شمس الحق افغانی |
| (۴) | حضرت والّا سے متعلق چند یادیں حضرت مولانا مفتی رشید احمد لدھیانوی |
| (۵) | نمونہ اخلاقی محمدی محترم جناب منشی عبدالرحمن صاحب مرحوم |

سوائے مقالہ نمبراً ”ذکر خیر“ کے ان مقالات کو مکرمی ماسٹر محمد اقبال قریشی صاحب زاد مجبہ نے ترتیب دیا تھا، اس کے علاوہ مقالات و مضامین ان کے ساتھ تھے۔ ان کو دوسرے ابواب کے تحت لیا گیا ہے۔

اس باب میں ”ذکر خیر و یاد شریف“ سے اکابر علماء کے متعدد نہایت قیمتی مقالات نقل کرنے کا ارادہ تھا، لیکن اس کتاب کو ”خیر السوانح“ میں شامل کرنا مقصود نہیں، بلکہ ”ذکر خیر و یاد شریف“ کو نظر ثانی کے بعد بار بار مستقل شائع ہونے کی ضرورت ہے۔ البتہ ان مقالات سے بعض اہم اقتباسات باب بستم (اخلاق و عادات) میں لئے گئے ہیں۔

احقر آفتاب احمد عفی عنہ

مدینہ منورہ، لیلۃ الاثنین، ۲۷ ربیع الاول ۱۴۱۳ھ

مطابق شب ۱۳/۱۳ ستمبر ۱۹۹۳ء

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

ذکرِ خیر

حضرت مولانا خیر محمد جالندھری رحمۃ اللہ علیہ

(از شیخ الاسلام حضرت علامہ مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ)

مولانا کی ذات بابرکات اس زمانہ میں باعث خیر و برکت تھی۔ بڑے قوی النسبت صاحب معرفت و کرامات تھے۔ حضرت حکیم الامت قدس سرہ کے خلفاء میں امتیازی شان رکھتے تھے۔ بڑے ہنس مکھ، زندہ دل صاحب حضور تھے۔ میری پہلی ملاقات تھانہ بھون میں ہوئی۔ برادر مولوی شبیر علی (مرحوم) سے بہت بے تکلفی تھی، جب حضرت حکیم الامت گھر تشریف لے جاتے، مولانا خیر محمد صاحب، مولوی شبیر علی کے کمرہ میں رونق افروز ہوتے۔ ایک دفعہ سہارن پور تشریف لائے، اس وقت میں مقامات حریری کا درس دے رہا تھا، ہنس کر فرمایا آپ تو مقامات طے کر رہے اور مقامات طے کر رہے ہیں۔

مجھ سے مولانا کا خاص تعلق تھا۔ اکثر اپنے اطراف جلسوں میں مدعو کرتے تھے۔ ایک دفعہ جالندھر بھی بلایا۔ اپنے گھر کی سیر کرائی۔ گھر کچا تھا مگر بڑا وسیع اور موچہ راحت تھا۔ اس وقت ایک صاحب تشریف لائے اور میرا خط دکھلایا جس میں ایک موضع کے متعلق جمعہ کا سوال تھا کہ یہاں جمعہ جائز ہے یا نہیں۔ میں نے جواب میں لکھا کہ کسی عالم محقق کو اپنا گاؤں دکھاؤ، وہ دیکھ کر جو فیصلہ کریں اس پر عمل کرو۔ مولانا خیر محمد صاحب نے فرمایا کہ اب تو آپ خود تشریف لے آئے ہیں۔ ان کے گاؤں کو دیکھ کر فیصلہ کر دیجئے۔ مجھے انکار کی گنجائش نہ تھی۔ مولانا کے ہمراہ اس گاؤں میں گیا۔ وہاں بازار بھی تھا جس میں بیس چکیں، دکانیں متصل تھیں اور وہاں غلہ کی بڑی منڈی تھی۔ برتنوں کی بڑی دکان تھی۔ میرا خیال ہوا کہ جواز جمعہ کا فتویٰ دے دوں۔ مولانا خیر محمد صاحب نے فرمایا کہ آپ کا خیال تو صحیح ہے مگر یہاں مولانا فقیر محمد صاحب بڑے مفتی ہیں، مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد ہیں۔ لوگ ان کے فتاویٰ پر اعتماد کرتے ہیں، ان کی رائے یہ ہے کہ یہاں جمعہ جائز نہیں۔ اس لئے آپ فتویٰ نہ دیں بلکہ یہ کہہ دیں کہ میں نے دیکھ لیا ہے۔ اب تھانہ بھون حضرت حکیم الامت سے حال عرض کر کے وہاں سے فتویٰ بھیجوں گا۔ چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا۔ تھانہ بھون واپس آ کر حضرت سے حال عرض کیا۔ فرمایا جواب لکھ دو گو ہماری رائے میں یہاں جمعہ جائز ہے، مگر مولانا فقیر محمد صاحب آپ کے مقامی عالم ہیں۔ ان کے فتویٰ کے خلاف فتویٰ دینا پسند نہیں۔ آپ لوگ ان ہی کے فتویٰ پر عمل کریں۔ اس واقعہ سے مولانا خیر محمد صاحب کا اپنے معاصروں کا احترام ظاہر ہے اور حضرت حکیم الامت کی حکمت بھی واضح ہوتی ہے کہ بیرونی عالم کو مقامی عالم سے لوگوں کو برگشتہ کرنا مناسب نہیں۔

ایک بار مولانا خیر محمد صاحب نے مجھے ریاست ٹونک کے جلسہ سیرت نبویؐ میں مدعو کیا۔ میں نے مولانا کی دعوت کو رد نہ کیا اور مولانا کے ہمراہ ٹونک گیا۔ وہاں رئیس نے بڑا اہتمام کیا تھا۔ ہر محلہ کی ٹولی خاص وردی میں ملبوس تھی اور جھنڈا لے ہوئے سب ٹولیاں صلوٰۃ و سلام پڑھتی اور نعتیہ اشعار پڑھتی ہوئی آرہی تھیں۔ بڑی شان سے جلسہ ہوا۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ ایک ہندو پنڈت مشرف بہ اسلام ہوا، اور اس کی وجہ سے اور بھی کئی ہندو اسلام لے آئے۔ مولانا نے ہنس کر فرمایا کہ آپ نے تو اسلام کا بول بالا کر دیا اور کفر کا قلعہ مسمار کر دیا۔ یہ پنڈت ہندوؤں میں بڑا پنڈت مانا جاتا ہے۔ میں نے عرض کیا یہ سب آپ کی کرامت ہے۔

جب تحریک پاکستان کے سلسلہ میں بندہ نے پورے برصغیر کا دورہ کیا۔ بہار، پنجاب، سرحد، بمبئی، بنگال کا مسلسل دورہ تھا تو جان بھر بھی جانا ہوا۔ مولانا نے بڑی محبت سے اپنے مدرسہ میں میرے قیام و طعام کا انتظام کیا اور فرمایا یہاں بعض مقامات پر جماعت..... کا غلبہ ہے جو پاکستان کے خلاف ہیں۔ ذرا بیانات میں نرمی اختیار کی جائے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ ایک جگہ لوگ آمادہ فساد تھے، مگر بیان سن کر ٹھنڈے ہو گئے اور کوئی ناگوار واقعہ پیش نہ آیا۔ مولانا اسی مصلحت سے میرے ساتھ سفر نہ کر سکے۔ مولانا مفتی اشفاق الرحمن صاحب مرحوم اور غالباً مفتی محمد شفیع صاحب بھی میرے ہمراہ تھے۔

پاکستان بننے کے بعد مولانا نے ملتان میں خیر المدارس کو منتقل کیا اور بہت بڑے متروکہ احاطہ پر حکومت کی اجازت سے (باقاعدہ الاٹ ہونے پر) قبضہ کر کے مدرسہ کا کام شروع کیا۔ جب تک مجھے سفر کی ہمت تھی، اکثر سالانہ جلسہ میں مدعو کرتے تھے۔ نماز جمعہ میں مجھے امام بناتے، پھر تقریر بھی کراتے۔ اور خیر المدارس کی مجلس شوریٰ میں بھی نام داخل فرمایا۔ میرے حال پر بڑی محبت و شفقت فرماتے۔ آخر میں مولانا پر فالج کا اثر ہو گیا تھا، اس سے شفا ہوئی تو دل کا دورہ پڑنے لگا۔ انتقال سے دو ہفتہ پہلے کراچی مرکزی جمعیت علماء اسلام کی کانفرنس میں تشریف لائے، اس وقت بالکل تندرست معلوم ہوتے تھے۔ اقبال احمد صاحب ایڈووکیٹ کے مکان پر ہم سب کی دعوت تھی، مولانا میرے پاس ہی تشریف فرما تھے۔ حالات ظاہر و باطنہ دریافت کرنے لگے۔ میں نے عرض کیا اس سال میں بہت بیمار ہوا، دو تین دن درس بھی نہ دیا، تو ایک دن بعد فجر مشغول ذکر تھا کہ دل پر القاء ہوا بخاری پڑھاؤ، اچھے ہو جاؤ گے۔ میں نے اس دن طلبہ کو گھر پر بلایا اور گھر پر درس دیا۔ اگلے دن درس گاہ میں جانے لگا۔ جب بخاری شریف ختم کے قریب ہو گئی تو بعد نماز فجر مشغول ذکر تھا کہ دفعۃً دل پر القاء ہوا آپ کا درس بخاری مقبول ہے۔ مولانا خیر محمد صاحب اس کو سن کر بڑے خوش ہوئے، مبارک باد دی۔ پھر دو ہفتہ بعد خبر آئی کہ مولانا کے دل پر سخت دورہ پڑا اور انتقال ہو گیا۔ معلوم ہوا کہ کوئی نماز قضا نہیں ہوئی، سب نمازیں باقاعدہ ادا کرتے رہے، رات کو انتقال ہو گیا۔

اَنَا لِلّٰهِ وَاَنَا اِلَيْهِ رَاجِعُونَ. يَغْفِرُ اللّٰهُ لَنَا وَلِهٖ وَيَرْحَمُنَا وَاِيَاهٖ وَيُدْخِلُنَا وَاِيَاهٖ الْجَنَّةَ جَنَّتهٖ الْفَرْدوسِ بِرَحْمَتِهٖ وَهُوَ اَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالَى عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَآلِهٖ وَاصْحَابِهٖ وَاتَّبَاعِهٖ وَاَوْلِيَآءِهٖ اَجْمَعِينَ.

ظفر احمد عثمانی

۲۲ ذی الحجہ ۱۳۹۰ھ

میرے مشفق و محسن

تحریر: یادگار سلف صالحین حضرت مولانا حاجی محمد شریف صاحب نواں شہر ملتان
خليفة ارشد حضرت حکيم الامت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت مولانا خیر محمد صاحب اس ناچیز پر بہت ہی زیادہ شفقت فرماتے تھے۔ میری اہلیہ نے بھی حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد اپنی تعلیم و تربیت کا سلسلہ مولانا سے پیدا کر لیا تھا اور حضرت مولانا نے درخواست قبول فرماتے ہوئے ہمارے مکان میانیاں افغانان ضلع ہوشیار پور میں تشریف لا کر ضروری نصاب سے نوازا تھا فرمایا کرتے تھے ”میں تمہارے گھر کو اپنا گھر سمجھتا ہوں۔“

مولانا بہت ہی بے تکلف تھے۔ ۱۹۳۷ء میں میں اور میری اہلیہ سفر حج سے واپس آئے تو حضرت مولانا خیر محمد صاحب جالندھری سٹیشن پر تشریف لائے ہوئے تھے، سارے سفر میں میں نے ہار گلے میں نہیں ڈلوایا تھا۔ مولانا کے دست مبارک میں خوشبودار کلیوں کا ہار تھا میں نے سر جھکا دیا اور مولانا نے ہار گلے میں ڈال دیا۔ میں اپنی قسمت پر مسرور تھا۔ مولانا کو جب بھی درد گردہ ہوتا طالب علم بھیج کر مجھے بلاتے فرماتے ”تمہارے آنے سے مجھے راحت ملتی ہے۔“ یہاں بھی کئی بار ہمارے مکان پر تشریف لائے، بلا تکلف فرمادیتے: ”میں چائے پیوں گا۔“

ایک دفعہ حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مدظلہم العالی مع اپنی اہلیہ محترمہ کے خیر المدارس ملتان تشریف لانے والے تھے۔ اتفاق سے مولانا کی بیٹی اس دن سخت بیمار تھی۔ چنانچہ انتقال ہی ہو گیا۔ مولانا نے ایک طالب علم میرے مکان پر بھیجا کہ حضرت قاری صاحب اور ان کے گھر والوں کے کھانے کا انتظام تم کرو۔ ادھر پیغام پہنچنے سے پہلے میرے دل پر تقاضا ہوا کہ قاری صاحب مدظلہم کی دعوت کروں۔ میں خیر المدارس پہنچ گیا۔ درخواست پیش کی۔ فرمایا: ”کیا میرا پیغام ملا۔“ میں نے عرض کیا: ”نہیں۔“ فرمایا: تمہارا گھر تو میرا اپنا گھر ہے۔ میں نے خود ہی بے تکلف کہلا بھیجا ہے۔“

چھوٹی پیرانی صاحبہ مدظلہا نے جالندھر تشریف لانا تھا۔ حضرت مولانا نے خط سے صرف اتنی اطلاع دی کہ پیرانی

صاحب فلاں تاریخ کو تشریف لا رہی ہیں میں اور میری اہلیہ دونوں جائید ہر پہنچ گئے۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت ”آپ نے یہ تحریر ہی نہیں فرمایا کہ اہلیہ کو ساتھ لے آنا۔ فرمایا مجھے معلوم تھا جب وہ سنیں گی رہ نہ سکیں گی۔ اور اطلاع میں نے اس لئے دی تھی کہ وہ پیرانی صاحبہ کی مزاج شناس ہیں ان کے آنے سے پیرانی صاحبہ کو راحت ملے گی۔“

حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ بہت ہی چاہتے تھے کہ ہم دنیوی طور پر بہت آرام سے رہیں۔ جب بھی کوئی بات پوچھی، آسان صورت ہی کو ہمارے لئے پسند فرمایا۔ (مکتوبات اشرفیہ ص ۹۰ تا ۸۵، مطبوعہ ادارہ تالیفات اشرفیہ ہارون آباد) اسی طرح یہ واقعہ حضرت سے سنا کہ ایک بار میں کسی قسم کے لڈو بنا کر لے گیا میری اہلیہ بھی ہمراہ تھیں۔ اگلے سال دوبارہ حاضر ہوا تو مزاحاً فرمایا اس بار لڈو نہیں لائے۔ میں نے سمجھا تھا کہ اس سال بھی لڈو لائے ہوں گے۔ چنانچہ اس کے چند روز بعد لڈو بنا کر لے گیا تو بڑی مسرت سے قبول فرمائے۔

غرض حضرت والا کے ساتھ سیدی حضرت حاجی صاحب کا بڑے بے تکلفانہ اور دوستانہ تعلق تھا۔

حضرت والا کے چند کمالات

تحریر: شمس العلماء والفضلاء حضرت مولانا شمس الحق صاحب افغانی رحمۃ اللہ علیہ

تواضع:

حضرت جامع الشریعت والطریقت خلیفہ مجاز حضرت تھانوی، حضرت مولانا خیر محمد صاحب نور اللہ مرقدہ کی ذات علوم شرعیہ و عقلیہ کے جامع ہونے کے علاوہ حضرت حکیم الامت نور اللہ مرقدہ کے معتمد خلیفہ تھے۔ خدمت اسلام کے سلسلہ میں آپ مدرس، مبلغ، مناظر، مصنف اور اصلاح باطنی میں ممتاز مقام رکھتے تھے۔ اس کے علاوہ حسن لقاء اور محاسن اخلاق کے بیکر تھے۔ ان کمالات کے باوجود تواضع میں یکتا تھے۔ یہاں تک کہ جب احقر کو خیر المدارس بموقع سالانہ اجلاس جانا ہوا تو درس قرآن پر مجبور کرتے تھے اور اساتذہ اور طلبہ خیر المدارس کے ساتھ خود بھی شریک درس ہوتے تھے۔ اس قسم کا تواضع اور تزکیہ نفس بڑے بڑے صوفیوں میں بھی شاذ و نادر کسی کو حاصل ہوگا۔ حالانکہ خود سب علوم میں فائق تھے۔ میں نے بار بار خلوت و جلوت میں عذر کیا کہ میں آپ کی موجودگی میں درس قرآن و تفسیر مناسب نہیں سمجھتا تھا مگر وہ اصرار فرماتے تھے۔

آپ علوم ظاہری و باطنی میں بلند مقام کے باوجود آپ کا شرکاء مجلس کے قلب پر اثر پڑتا تھا۔ احقر کو بھی ۱۳۳۹ھ کے وقت حکیم الامت سے تعلق رہا لیکن حضرت حکیم الامت کے خلفاء میں حضرت مفتی محمد حسن صاحب و حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب اور حضرت مولانا خیر محمد صاحب سے قلب نسبتاً زیادہ متاثر ہوتا تھا۔ اللھم اغفرھم وارحمھم وافض علینا من برکاتھم لیکن ہر گئے رارنگ و بوسے دیگر است کے تحت ارباب مجلس اس کو ذوق محسوس کرتے تھے۔ (مکتوب بنام احقر قریشی ۱۳۹۸ھ)

حضرت والا سے متعلق چند یادیں

حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب لدھیانویؒ

دارالافتاء والارشاد ناظم آباد، کراچی

بندہ کے ساتھ قدرت کی طرف سے تکوینی طور پر کچھ ایسا معاملہ ہے کہ اکابر کے کمالات بیان کرنے پر قدرت نہیں۔ نیز اہل اللہ کے مقامات کی معرفت کیلئے بصیرت درکار ہے۔

ع جو ہم رتبہ ہو تیرا وہ تیرے اوصاف پہنچائے

ہم جیسوں کو اگر کسی بزرگ کے ساتھ خصوصی تعلق اور ان کے کمالات کی معرفت کا دعویٰ ہے تو اس کی حقیقت صرف

اتنی ہے۔

ہر کے باطن خود شد یار من وز درون من نجست اسرار من

لہذا چند ایسے واقعات تحریر کرتا ہوں جنہوں نے قلب پر گہرا اثر چھوڑا ہے۔

حضرت والا کا ایک ہی جملہ ذہنی انقلاب کا سبب بن گیا:

حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے بندہ کی ایک علمی تحریر ملاحظہ فرمائی، بہت مسرور ہوئے۔ خیر المدارس کے کتب خانہ میں تشریف فرما تھے۔ خود اچھے اور اپنے ہاتھ مبارک سے الماری سے تصوف کی ایک کتاب نکال کر احقر کے سامنے رکھ کر فرمایا: آپ کو اللہ تعالیٰ نے علم و فضل میں بڑا کمال عطا فرمایا ہے مگر ذرا اس طرف بھی توجہ کریں۔ میری حماقت سنئے، میں نے بڑی بے اعتنائی سے جواب دیا کہ ”میں تدریس و افتاء میں اس قدر مشغول ہوں کہ مجھے ان کتابوں کے دیکھنے کی فرصت نہیں“ حماقت کی حد یہ کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی بے پناہ شفقت اور الماری سے خود اٹھ کر کتاب نکالنے کی زحمت کے صلہ میں نے اتنی رعایت بھی نہ کی کہ مردنا اس کتاب کے اوپر ہی سے ایک نظر دیکھ لیتا یا کم از کم اس کتاب کا نام ہی معلوم کر لیتا۔ میری اس حرکت کے جواب میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے عجیب دسوزی کے ساتھ صرف ایک یہ جملہ فرمایا کہ ”قلب میں اس کی اہمیت نہیں“ فوری طور پر تو اس جملہ نے کوئی خاص اثر نہ کیا مگر جب میں خیر المدارس سے واپس ہوا تو راستہ میں سوچنے لگا کہ آخر مجھے کھانے، پینے، سونے، بول و براز، بیماری میں بستر پر لیٹنے، بچوں کی دیکھ بھال کرنے اور احباب و اقارب سے ملاقات کی فرصت کیسے مل جاتی ہے، بس حضرت رحمۃ اللہ کا جملہ ”قلب میں اس کی اہمیت نہیں“ دل میں اتر گیا۔ بس یہی ایک جملہ میرے ذہنی انقلاب کا سنگ بنیاد بنے اور آج میں اسے ہر فعل و ترک کا معیار اور دنیوی و اخروی صلاح و فلاح کا مدار سمجھتا ہوں یہ حضرت نور اللہ مرقدہ کے اخلاص، دعا اور توجہ و تصرف کا ثمرہ ہے۔

جامعہ اشرفیہ لاہور میں قیام تھا حضرت قدس سرہ نے نماز تہجد شروع کی۔ بندہ نے موقع غنیمت سمجھ کر اقتداء کر لی۔ زلف کے بعد میں نے عرض کیا کہ آج حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ کے اتباع کی سعادت حاصل کرنے کی نیت سے بندہ نے آپ کی اقتداء کی ہے۔ اس پر حضرت قدس سرہ نے اپنی نماز تہجد کے بارے میں کچھ ایسے الفاظ فرمائے جن سے یہ سمجھا کہ حضرت ”ولے پیش خورشید پیدا نیم“ کے مقام پر ہیں۔

حضرت نور اللہ مرقدہ کا یہ معمول تھا کہ جب بھی کراچی تشریف لاتے تو بندہ کے پاس ہمیشہ بلا اطلاع اچانک ہی بیوا فرزند ہو جاتے۔ جس سے بندہ کی مسرت میں غیر معمولی اضافہ ہوتا۔ آخری بار تشریف لائے اور فرمایا کہ حضرت پاپوری قدس سرہ کے مزار پر چلیں گے۔ مزار پر پہنچ کے بندہ نے حضرت پر فنائیت اور استحضار موت کی ایسی کیفیت کا مشاہدہ کیا کہ میں اسے بیان نہیں کر سکتا۔ یوں معلوم ہوتا تھا کہ حضرت اس وقت خود قبر میں ہیں کچھ افاقہ ہوا تو انتہائی دردناک لہجہ سے ہارون الرشید رحمہ اللہ تعالیٰ کے صاحبزادے کے یہ اشعار پڑھے۔

یا صاحبی^۱ لا تغتور بتنعم فالعمر ینفد والنعیم یزول
واذا حملت الی القبور جنازة فاعلم بانک بعدها المحمول

اشرف المدارس میں واپس تشریف لائے تو بندہ نے نماز پڑھانے کی درخواست کی۔ فرمایا کہ امامت کیا کروں علم نہیں کہ میری اپنی نماز بھی صحیح ہوتی ہے یا نہیں۔ پھر رخصت و داعی مصالحہ کرتے ہوئے فرمایا ”شاید یہ آخری ملاقات ہے چند ماہ ہی گزرے تھے کہ حضرت قدس سرہ کا جنازہ جارہا تھا اور میری زبان پر حضرت ہی سے سنے ہوئے یہ اشعار تھے:

یا صاحبی لا تغتور بتنعم فالعمر ینفد والنعیم یزول
واذا حملت الی القبور جنازة فاعلم بانک بعدها المحمول

رحمة اللہ تعالیٰ واسعة وزقنا اللہ اتباعہم ومجتہم

انہی کے نقش قدم پر ہو یا خدا جینا

ویرحمہ اللہ عبدا قال امینا

(مکتوب بنام احقر قریشی غفرلہ)

(مورخہ ۱۲ ربیع الاول ۱۳۹۸ھ)

۱۔ مثل اس دست نعتوں پر معروض ہو کیونکہ عمر گد رہی ہے اور نعتیں زائل ہو رہی ہیں اور جب تو جنازہ قبرستان کی طرف اٹھا کر لے جائے تو جان لے کر ایک دن
نعتوں کی طوابع ہونے کا۔ (احقر قریشی غفرلہ)

نمونہ اخلاق محمدی

محترم منشی عبدالرحمن خان صاحب ملتانی مرحومؒ

میں نے ۱۹۴۲ء میں اپنی روحانی تربیت کیلئے سب سے پہلے ایک مرد غازی کا انتخاب کیا جو تین سال تک مجھے فیض یاب فرماتے رہے۔ تین سال زیر تربیت رکھنے کے بعد ایک دن جبکہ وہ غریب خانہ پر تشریف لائے ہوئے تھے فرمانے لگے کہ میں چاہتا ہوں کہ اب آپ اپنا ہاتھ کسی کے ہاتھ میں دے دیں۔ اس پر میں رو پڑا کہ آپ مجھے کیوں دوسرا دروازہ دکھلاتے اور خود سے دور کرتے ہیں۔ فرمانے لگے، یہ بات نہیں۔ میں تمہیں جہاں تک لے جاسکتا تھا لے جا چکا ہوں۔ میری حد ختم ہو چکی ہے۔ اس سے آگے میں نہیں لے جاسکتا۔ ماشاء اللہ آپ حضرت تھانویؒ کے خلفاء سے واقف ہیں۔ حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب امرتسری، حضرت مولانا خیر محمد صاحب جالندھری، حضرت مولانا عبدالحمید صاحب پھراپوئی اور حضرت مولانا عبدالجبار صاحب ابوہری کے ہاں جائیں۔ دس دس دن ہر ایک کے پاس رہیں۔ پھر جس سے طبیعت کو مناسب پیدا ہو اس کے ہاتھ میں ہاتھ دے دیں۔ جو آپ کو آگے لے جائیں۔

حضرت مولانا خیر محمد صاحب جالندھریؒ صاحب جمال بزرگ تھے:

میں نے حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب امرتسریؒ اور حضرت مولانا خیر محمد صاحب جالندھریؒ کے مزاج کے متعلق مولانا محمد علی جالندھریؒ سے دریافت کیا تو انہوں نے بتلایا کہ اول الذکر صاحب جلال ہیں اور ثانی الذکر صاحب جمال۔ حضرت مولانا موصوف اخلاق محمدی کا کامل نمونہ تھے:

اس سے قبل ملتان چھاؤنی کے صدر بازار کی جامع مسجد کے تنازعہ کے سلسلہ میں حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مدظلہم اور حضرت مولانا خیر محمد صاحب مہتمم مدرسہ خیر المدارس جالندھر بطور ثالث ملتان تشریف لارہے تھے۔ میں نے یہ خبر پڑھتے ہی حضرت مولانا کو جالندھر خط لکھا کہ میرے ہاں مہمانداری کا اشرافی اصول چلتا ہے کہ مہمان کے آنے پر جو کچھ گھر میں تیار موجود ہو وہ انہیں پیش کر دیا، ورنہ ان سے معلوم کر لیا کہ وہ کیا کھانا پسند کریں گے۔ جو کچھ وہ کہیں وہ پکا کر پیش کر دیا جاتا ہے، تاکہ انہیں گھر کی سی راحت حاصل ہو۔ حضرت مولانا کو مہمان ٹھہرانے کے کئی امیدار تھے۔ میری آپ سے پہلے کوئی شناسائی بھی نہ تھی۔ جس دن آپ نے تشریف لانا تھا میں بھی ملتان چھاؤنی کے اسٹیشن پر ایک امیدوار کی طرح موجود تھا۔ جب آپ گاڑی سے اترے تو حاضرین سے پوچھا کہ منشی عبدالرحمن صاحب کون ہیں؟ میں فوراً حاضر ہو گیا۔ مسکراتے ہوئے فرمایا آپ ہی نے خط لکھا تھا؟ میں نے اثبات میں جواب دیا۔ تو فرمانے لگے سامان اٹھا لو۔ بس میری تو عید ہو گئی۔ باقی سب حیران تھے کہ جس سے نہ جان نہ پہچان، ان کے چہروں کے تاثرات سے اندازہ لگا کر محو حیرت

۱۔ حضرت والا کے متعلق محترم منشی صاحب مرحوم کے دو مختصر مقالات ایک سیرت اشرف میں دوسرا "ذکر خیر و یاد تشریف" میں بھی آچکے ہیں لیکن یہ مقالہ ان دونوں سے زیادہ مبسوط ہے۔ (۱۷)

استقبال کنندگان سے فرمایا کہ ”حیران اور پریشان ہونے کی کوئی بات نہیں۔ آپ میں سے ہر ایک کا متنازعہ سے کوئی نہ کوئی تعلق ہے مگر منشی صاحب کا اس معاملہ سے کوئی تعلق نہیں۔ اس لیے ہم نے ایک غیر جانبدار کے ہاں رہنے کا فیصلہ کیا ہے“ جس پر میں انہیں لے کر خوشی خوشی گھر پہنچ گیا۔ آپ نے قریباً تین دن غریب خانہ پر قیام فرمایا۔ اس عرصہ میں مجھے آپ کو بہت قریب سے دیکھنے اور جانچنے کا اتفاق ہوا اور میں نے انہیں ہر لحاظ سے اخلاق محمدی کا نمونہ اور عام مولوی صاحبان سے بالکل مختلف، کم بولنا، کھانا، شفقت اور محبت سے پیش آنا، عجز و انکسار سے رہنا، ہر واقف ناداقف کا متبسمانہ استقبال کرنا اور ہر معاملہ میں نہ صرف خود اپنے شیخ حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ کے اصولوں پر چلنا بلکہ ان کے معتقدین کا بھی ان جیسا احترام کرنا آپ کا شعار دیکھا اور نہ وہ مجھ جیسے ناداقف کے پاس ہرگز نہ ٹھہرتے اور اس سے میں نے اندازہ لگایا کہ آپ کا تعلق علماء حق سے ہے علماء سوء سے نہیں۔

پیکر شفقت والفت:

پھر جب مرد غازی کے حکم سے امرتسر سے (حضرت مولانا مفتی حسن صاحب امرتسری کی خدمت سے) روانہ ہو کر جالندھر پہنچا اور مدرسہ خیر المدارس ریلوے روڈ جالندھر میں حضرت مولانا سے ملاقات کا شرف حاصل کیا۔ مجھے دیکھتے ہی باغ باغ ہو گئے۔ مصافحہ اور معانقہ کر کے اس طرح خیر و عافیت اور تکلیف سفر وغیرہ کی بابت دریافت کیا۔ جیسے کسی لڑکے کی سفر سے واپسی کے بعد باپ پوچھتا ہے۔ میں ان کے درس میں بیٹھتا جب آپ اس سے فارغ ہو جاتے تو بڑی محبت سے بلا کر اپنے پاس بٹھاتے۔ امرتسر میں تو جلال ہی جلال ہی دیکھا تھا یہاں جمال ہی جمال تھا جس کی وجہ سے حضرت مولانا سے بڑی بے تکلفانہ آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات چیت ہوئی۔ جمال کے اثرات دوسرے دن ہویدا ہوئے جب ادب نے غلبہ کیا اور آنکھوں نے ان کے سامنے اوپر اٹھنے سے انکار کر دیا۔

ایک اجنبی کے ساتھ حضرت والا کا خصوصی برتاؤ:

رات کو انہوں نے مجھے اپنے کمرہ خاص میں سلا دیا۔ رات کو تہجد میں نے ان کے مصلیٰ یعنی جائے نماز پر پڑھی۔ صبح کو جب تشریف لائے تو انہوں نے ایک کتاب ”اصول الوصول“ پڑھنے کے لئے دی، جس میں آداب و اخلاق کے متعلق تعلیمات درج تھیں۔ جب میں اس فقرہ پر پہنچا کہ مرشد کی جائے نماز پر نماز نہیں پڑھنی چاہیے تو میں نے کتاب بند کر کے آپ کو واپس کر دی، فرمانے لگے بات سمجھ میں آگئی، میں نے جب اثبات میں جواب دیا تو بہت خوش ہوئے۔ اس سے اندازہ ہوا کہ آپ صاحب کشف بھی ہیں کہ میرے رات کے احوال کا ان کو علم ہو گیا اور میری اصلاح کیلئے انہوں نے جو طریق کار اختیار کیا اس کی کسی اور سے سوائے ڈانٹ ڈپٹ کے اور کوئی توقع نہیں ہو سکتی تھی۔

حضرت مولانا ان خاصان خاص اہل اللہ میں سے تھے جن کی معرفت مشکل ہوتی ہے:

یہاں بھی دو دن رہا، انہیں آمد کی غرض اور حضرت مفتی محمد حسن صاحب سے ملاقات وغیرہ کی ساری تفصیل بتلائی۔

جس سے وہ بہت مسرور و محفوظ ہوئے۔ انہوں نے دوسرے عام پیروں کی طرح اس بات کا ملال نہ منایا کہ اگر وہاں جانا تو یہاں آنے کی ضرورت نہیں۔ میں جب بھی کسی سے تعلق قائم کرتا ہوں تو سب سے پہلے اسے ٹھونک بجا کر دیکھتا ہوں کہ یہ کس قماش کا انسان ہے۔ اس ملاقات میں یہ حقیقت روز روشن کی طرح عیاں ہو گئی کہ آپ ان خاصان خاص اہل اللہ میں سے ہیں جن کی معرفت بہت مشکل ہوتی ہے اور جو خدا کے دین کی سر بلندی کیلئے دور دراز گوشوں میں بیٹھ کر بلا پلٹی یعنی بغیر تشہیر، نہایت خاموشی سے خدمت دین اور اصلاح امت کا فریضہ ادا کرتے رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے اور کلمہ حق کہنے سے انہیں دنیا کی کوئی طاقت نہیں روک سکتی اور نہ کسی کی مخالفت کو خاطر میں لاتے ہیں۔ آپ ان فضائل و حسن کامر قع تھے جو اللہ والوں کے زمرہ امتیاز خصوصی کے حامل ہوتے ہیں۔

حضرت مولانا میں شہرت پسندی کا مادہ بالکل نہ تھا:

آپ مفاد پرست، شہرت پسند، خود غرض مولوی کی طرح اپنی دکان چکانے کے درپے نہیں رہتے تھے اور نہ حق بات قبول کرنے میں تامل کرتے تھے۔ تقسیم ہند کے فوراً بعد عید کے موقع پر حکام ضلع (ملتان) نے عید ملاپ کی تقریب کا اہتمام کیا تاکہ سب ایک جگہ مل کر ایک دوسرے کو عید مبارک کہہ سکیں۔ میں نے تجویز پیش کی کہ اس مبارک موقع پر کسی عالم دین کو بھی مدعو کر لیا جائے تاکہ افسر لوگ بھی ان کے ارشادات سے مستفید ہو سکیں۔ کہتے ہیں جو بولے وہی کنڈا کھولے، تو یہ ڈیوٹی میرے ذمہ لگی۔ میں حضرت مولانا کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان سے اجتماع عید میں خطاب کرنے کی درخواست کی تو آپ نے مختلف وجوہات کی بناء پر معذوری ظاہر کی۔ جس پر میں نے عرض کی کہ اگر آپ نہ گئے اور وہ کسی بدعتی مولوی کو پکڑ لائے اور وہ اللہ کی بجائے غیر اللہ کی اہمیت جتا گیا تو اس کا وبال آپ پر ہوگا۔ اس پر آپ جانے کیلئے تیار ہو گئے اور آپ کے خطاب سے وہ لوگ بہت متاثر ہوئے۔

تقسیم ہند کے بعد میری یہ دلی تمنا تھی کہ اپنے اکابرین میں سے کوئی ملتان کا بھی انتخاب کرے۔ چنانچہ یہ قرعہ مولانا کے نام پڑا اور آپ ملتان تشریف لائے۔ میں نے انہیں فوری طور پر حسین آگاہی روڈ پر ایک بلڈنگ اور ایک احاطہ الاٹ کرادیا۔ چنانچہ درس و تدریس کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ مگر مدرسہ کی عظمت کے مطابق آپ یہ بلڈنگ نا کافی تصور فرماتے تھے، جو اللہ کی راہ میں شب و روز مصروف رہتے ہیں اللہ تعالیٰ بھی اپنے دین کے خدمت گاروں کی نیک تمنائیں پوری کرنے میں دیر نہیں فرماتا۔ ابھی ہم کسی بڑی جگہ کے لئے کوشش بھی کرنے نہ پائے تھے کہ ایک روز محکمہ تعلیم کے ایک افسر قاضی عبدالرحمن صاحب موجودہ عمارت و احاطہ کی الاٹمنٹ کا آرڈر لے کر از خود آ گئے جو کئی بیگھوں پر مشتمل تھا اور مدرسہ کی ضروریات سے کئی گنا بڑا مولانا مسکرا دیئے فرمانے لگے دیکھو اللہ تعالیٰ نے یہ خود بخود یہ انتظام کر دیا ہمارے علم یا وہم و گمان میں بھی ایسی عمدہ اور وسیع عمارت نہ ہوتی، اس روز مجھے پہلی دفعہ اس بات کا احساس ہوا کہ آپ کا تعلق اہل اللہ کی جماعت سے ہے۔

حضرت مولانا کے اخلاق حسنہ کی ایک جھلک:

میں نے انہیں کبھی اونچی آواز سے بولتے ہوئے نہیں دیکھا۔ جب کبھی کسی سے بات کرتے بڑی متانت اور سنجیدگی سے بات کرتے۔ اجنبی بھی آپ کی شفقت و مہربانی سے آپ کا گرویدہ ہو جاتا۔ کبھی کبھی مسرت بخش ظرافت، حسن مزاج اور خوش طبعی سے بھی کام لیتے۔ میں نے ان کے ہاں کوئی فعل خلاف شرع یا خود غرضانہ ہوتے نہیں دیکھا۔ جس کی وجہ سے وسیع تر ہوتا چلا گیا۔ آپ کے ہاں دوسرے پیروں کی طرح لین دین کا کوئی سلسلہ نہ تھا۔ اگر کوئی شخص کوئی چیز یا رقم پیش کرتا تو اسے فرماتے کہ یہ دفتر میں جمع کرا کر رسید لے لیں۔ یہی وجہ ہے کہ دیکھتے دیکھتے مدرسہ کی عظیم مسجد وسیع دارالحدیث، دارالقرآن اور دفاتر تعمیر ہو گئے اور اتنی دکانیں تعمیر ہو گئیں کہ مدرسہ کی بہت سی ضروریات از خود پوری ہوتی چلی گئیں۔

حضرت مولانا کے چند اوصاف حمیدہ:

آپ کی عالمانہ شان سے کوئی شخص متاثر ہوئے بغیر نہ رہتا تھا۔ اجنبی تک آپ کا پر نور چہرہ متہمسناہ انداز گفتگو، حلیم الطبعی دیکھ کر فوراً کہہ اٹھتا کہ یہ کوئی بڑا عالم دین ہے۔ میں نے کبھی کسی کو ان کی طرف انگلی اٹھاتے نہیں دیکھا، بلکہ غیر اور دوسرے عقیدے والے بھی آپ کو بڑی عزت و احترام سے دیکھتے تھے۔ طبعاً مرزا مرنج واقع ہوئے تھے۔ اس لئے کبھی کسی سے ان کا گلہ شکوہ سننے میں نہ آیا۔ جب درس دینے بیٹھتے تو علم و حکمت کے دریا بہا دیتے تھے۔ سیاست سے ہمیشہ الگ رہتے۔ الایہ کہ تعمیر پاکستان کے دور میں اپنے شیخ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی طرح مسلم لیگ کی امداد و اعانت کے لئے اپنے حلقہ اثر میں تلقین کرتے رہے۔ آپ ان بزرگوں میں سے تھے جن کو دیکھتے ہی اللہ یاد آ جاتا تھا۔ حالانکہ اللہ والوں کی شناخت بڑی مشکل ہوتی ہے۔ آپ سے خلافت دین حرکات نہ دیکھی جاسکتی تھیں۔ مگر آپ کا انداز تبلیغ ایسے وقت جارحانہ نہ ہوتا تھا بلکہ بڑا مشفقانہ ہوتا تھا۔ حق بات بلا خوف و لومہ لایم کہہ دیتے تھے اور بڑی سے بڑی شخصیت کو بھی اسی معاملہ میں خاطر میں نہ لاتے تھے۔ دیانت امانت میں اپنا ثانی نہ رکھتے تھے۔ اپنے سلسلہ کے بزرگان دین کا بڑا ادب و احترام کرتے اور جب وہ مدرسہ میں تشریف لاتے تو ان کی خاطر داری میں کوئی کمی نہ کرتے۔ فارغ اوقات میں مطالعہ کتب میں مہمک رہتے۔ تصنیف و تالیف کا سلسلہ بھی جاری رکھتے۔ ذہانت و ذکاوت کے ساتھ ساتھ اعلیٰ درجہ کی فہم و فراست کے مالک تھے۔ حافظہ تیز اور مطالعہ وسیع تھا۔ مولویانہ طمطراق کے قریب نہ جاتے۔ اگر کسی جماعت یا گروہ میں بیٹھے ہوں تو اپنی سادگی کی بدولت پہچانے نہ جاتے تھے۔ خندہ روئی، شگفتہ مزاجی اور خوش مزاجی میں آپ کا کوئی جواب نہ تھا۔ تمسخر تو کہاں مزاج کے قریب نہ جاتے تھے۔ اپنے تقویٰ اور اخلاص کی وجہ سے کبھی نشانہ تنقید نہ بنے۔ درس بھی بڑے اچھوتے اور دلنشین انداز میں ایسے دیتے جیسے ایک دوسرے سے باتیں کر رہے ہوں۔

(تمت المقالة وتم معہا الباب)

۱۔ سب ہی المل حق کے ساتھ ادب و احترام کا معاملہ تھا۔ خواہ وہ کسی سلسلہ کے ہوں۔ بلکہ خواہ اختلاف رائے بھی ہو۔ (۱۷)
 ۲۔ یہاں مزاج سے مراد وہ مزاج ہے جس سے کسی کی دل شکنی ہو۔ قبل ازیں جو آپ کے مزاج کا ذکر ہے۔ اس سے ایسا مزاج مراد ہے جس سے مخاطب تشفہ تو ہو جائے دل شکنی نہ ہو۔ اس لئے تعارض کا شبہ نہ ہونا چاہیے۔ (۱۷)

باب بست و سوم (۲۳)

متفرقات

نوٹ: اس بات میں متعدد موضوعات ہیں جن میں سے بعض مستقل موضوعات ہیں اور بعض ابواب تہمتا و ضائم ہیں۔ ان کی اجمالی فہرست حسب ذیل ہے:

(۱) تحفظ عقیدہ حیات النبی ﷺ

(۲) بعض افادات علیہ

(۳) حضرت والا کی بعض وقیع آراء گرامی

(۵) شذرات: (۱) تتمہ باب ۲ خاندانی حالات۔ باب ۳ وطن و طفولیت۔

(۲) متفرق واقعات، حوادث و غیرہ۔

(۳) خیر الزیارة لمدرسہ عربیہ رحیمیہ انوار الہدیہ۔

(۴) تتمہ باب و باب ۲۰۔ میانی افغاناں کی جامع مسجد میں حضرت والا کا بیان

اور آپ کے بعض اخلاق۔

(۶) خدمات سیاست اسلامیہ تابع شریعت مقدسہ۔

(یعنی) مساعی (۱) قیام نظام اسلام (۲) وحدت یا اتحاد جمعیت علماء اسلام اور (۳) تائید پاکستان

(۷) حضرت حکیم الامت اور امیر شریعت۔

(۸) ہمارے بزرگان دین کے بعض مجازین کے مختصر حالات۔ (جن کو حضرت والا سے خاص تعلق بیت تلمذ یا

تر بیت کارہا)

(۹) مختصر سوانح مجازین از حضرت والا۔

(۱۰) خاتمہ بالخیر، تاریخ تکمیل خیر السوانح، فہرست مآخذ خیر السوانح

تحفظ عقیدہ حیات النبی ﷺ

تمہید

عقیدہ حیات النبی ﷺ اور عظمت و محبت رسول اکرم ﷺ:

آنحضرت ﷺ فداہ ابی و امی کے متعلق اہل سنت والجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ آپ اس دنیا سے انتقال فرمانے کے بعد روضہ اقدس میں روح مبارک کے تعلق کی وجہ سے اسی دنیوی جسد اطہر کے ساتھ زندہ ہیں۔ اور اسی تعلق روح کی وجہ سے آپ روضہ انور پر پڑھے گئے درود و سلام کو بغیر کسی واسطہ کے علی الدوام خود سماعت فرماتے ہیں۔ یہی عقیدہ جملہ اکابرین دیوبند کا ہے۔^۱ اجمالی لیکن بقدر ضرورت تفصیلی عقیدہ حیات النبی ﷺ جو اوپر مذکور ہوا، اہل سنت والجماعت کا متفقہ اور اجمالی عقیدہ ہے۔ اس میں اہل حق میں سے کسی کا اختلاف نہیں۔ البتہ علم و معرفت اور حقائق سے آگاہی جو اللہ تعالیٰ کا انعام تو ہے، لیکن ان تفصیلات کو جاننے کا ہر عامی شخص مکلف نہیں۔ البتہ جتنا زیادہ معرفت رسول منکشف ہوگی عظمت و محبت رسول میں اتنا ہی اضافہ ہوگا اور اتنا ہی پابندی شریعت اور اتباع سنت کی توفیق زیادہ ہوگی۔ اجمالی طور پر حضور ﷺ کے آپ کے امتوں پر یہ تین نکتے ہیں: عظمت و محبت اور اطاعت۔ جتنی عظمت و محبت میں کمی ہوگی اطاعت اور اتباع سنت میں بھی کمی آئے گی۔ بغیر محبت و عظمت کے نہ اتباع سنت پورے طور پر ہو سکتی ہے نہ پابندی شریعت، بلکہ نفس ایمان بھی نفس معرفت کے بغیر ممکن نہیں۔ کما قال اللہ سبحانہ و تعالیٰ: ام لم يعرفوا رسولہم فهم له منکرون۔ (یا پہچانا نہیں انہوں نے اپنے رسول کو اس وجہ سے ان کے منکر ہیں)

توحید و رسالت اور حق اللہ تعالیٰ و حق الرسول ﷺ:

یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس کے محبوب نبی ﷺ کی محبت لازم و ملزوم ہیں۔ خواہ دونوں میں سے کوئی سا بھی لون غالب ہو۔ بلکہ غالب حال سے کبھی ایسا محسوس ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی محبت کے غلبہ سے دوسری محبت کی گنجائش ہی نہیں، جیسا کہ حضرت رابعہ بصریہ کا قول مشہور ہے، لیکن مجدد تھا توئی نے اس کو غلبہ حال فرمایا ہے۔ اور سید الامت حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ وارضاه کی ہر حالت اور ہر مقام سب سے اکمل ہے۔ چنانچہ وہ توحید میں سب سے بڑھ کر کمال اور حب اللہ تعالیٰ اور حب النبی صلی اللہ علیہ وسلم دونوں کے جامع اور حق رسالت میں سے کسی ایک میں بھی افراط و تفریط

کرنے والوں یعنی توحید میں غلو کرنے والوں یا حب النبی ﷺ میں غلو کرنے والوں اور دونوں میں سے ایک کو (بغیر غدر و غلبہ حال) پس پشت ڈالنے والے دونوں فریقوں کی اصلاح کے لئے حضرت صدیق اکبرؓ کی سنت قابل اتباع ہے۔ کیا حضرت صدیق اکبرؓ کی سنت سے اہل سنت و الجماعت میں سے کوئی فرد ابا کر سکتا ہے۔ اگر کرے تو کیا پھر بھی وہ اپنے آپ کو اہل حق اور فرقہ ناجیہ میں سے شمار کر سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔

صراطِ مستقیم:

دیوبندی مسلک کے معنی یہی ہیں کہ غلو اور افراط و تفریط سے بچ کر اعتدال والی صراطِ مستقیم پر چلا جائے۔ یعنی حقیقی اور اصلی اہل السنّت و الجماعت ہی کے مشرب کا نام دیوبندی مشرب ہے۔ دونوں طرف کے غلو کرنے والے اور توحید و رسالت کے حقوق میں افراط و تفریط اور اس پر اصرار کرنے والے جماعت دیوبند سے ناراض ہیں اور طرفین کے اہل غلو اہل حق پر فتاویٰ کفر کے تیر چلاتے رہتے ہیں۔ کوئی صریح کفر کا فتویٰ دیتا ہے، کوئی کفر لازم آنے والے بہتان لگاتا ہے۔ لیکن یاد رکھیں ان سب کو رب الغلیمین کے حضور میں حاضر ہو کر ان افتراءات کی جواب دہی کرنا ہوگی۔

انکار عقیدہ حیات النبیؐ پر حضرت والاؒ کا رد اور علماء دیوبند کے مسلک و موقف کی وضاحت

جیسا کہ پہلے گزرا، حالانکہ اکابر دیوبند کا عقیدہ حیات النبی ﷺ اہل السنّت و الجماعت کا متفقہ اور اجماعی عقیدہ ہے۔ لیکن ”بدقسمتی“ سے پاکستان میں بعض عالم کہلانے والوں نے علمی اور عوامی حلقوں میں اس اجماعی عقیدہ کے خلاف اظہار خیال شروع کیا۔ ان حضرات کی تردید سب سے پہلے عارف ربانی حضرت مولانا خیر محمد صاحب قدس سرہ نے کی اور علماء دیوبند کے اصل مسلک و موقف کو بے غبار کر دیا۔ (اقتباس از ”الخیر“ حوالہ مذکورہ)

حضرت والاؒ کی اہم دینی خدمت:

حضرت والاؒ کی دینی خدمات میں سے ایک اہم دینی خدمت تحفظ عقیدہ حیات النبی ﷺ بڑی اہمیت رکھتی ہے۔ جیسا کہ حضرت مولانا سید قاضی زاہد الحسنی صاحب مدظلہ العالی کے درج ذیل گرامی ناموں سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے:

حضرت علامہ سید قاضی محمد زاہد الحسنی صاحب دام فیضہم سے احقر مؤلف کی مکاتبت:

اس سلسلہ میں علامہ قاضی سید محمد زاہد الحسنی صاحب مدظلہ العالی سے احقر مؤلف کی کچھ مکاتبت ہوئی۔ یہ ان کا خاص کرم اور حسن تعاون ہے کہ احقر کے ارادہ تالیف ”خیر السوانح“ کی خبر معلوم ہونے پر از خود گرامی نامہ سے مشرف فرمایا، جس کی نقل حسب ذیل ہے:

”محترمی زید مجدکم سلام مسنون! اخبارات سے معلوم ہوا کہ آپ خیر امہ کے فرد کریم مولانا خیر محمد صاحب نور اللہ مرقدہ کی سوانح حیات مرتب فرما رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کامیاب فرماویں، آمین۔“

حضرت کے چند خطوط متعلق عقیدہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس ہیں۔ اگر ضرورت ہو تو بھیج دوں گا۔ نیز درخواست ہے کہ کتاب میں حضرت کے علمی کارناموں کے تذکرہ میں تحفظ عقیدہ حیات النبی کا ذکر ضرور فرمادیں۔ یہ حضرت ہی کی دور رس نگاہ تھی کہ اس عقیدہ کا بروقت تحفظ ہو گیا۔ جزاھم اللہ خیر الجزاء۔

والسلام طالب دعاء: قاضی محمد زاہد الحسینی غفرلہ (دارالارشاد، کیمبل پور) ۱۶/۳/۱۹۷۱ء

اس کے بعد انہوں نے دوسرا گرامی نامہ بجواب عریضہ احقر مولف تحریر فرمایا جس کی نقل درج ذیل ہے:

”محترم المقام زید مجدکم سلام مسنون! گرامی نامہ کا شکریہ! میں اس وقت تو اعتکاف میں ہوں، ان شاء اللہ عید الفطر کے بعد سب خطوط عاریتہ بھیج دوں گا۔ پھر آپ نے واپس کرنے ہوں گے۔

حضرت خیر العلماء قدس سرہ العزیز کا یہ تجدیدی کارنامہ ہے اور سب امت پر احسان عظیم ہے کہ اس مسئلہ پر گرفت کر کے اس کو مدلل کروایا۔ ورنہ یہ فتنہ امت کے لئے سیل بے پناہ بن جاتا۔ ضرورت ہے کہ اس مسئلہ کو مدلل بھی بیان کیا جائے اور اس کا سارا پس منظر اس طرح بیان کیا جائے کہ عامۃ المسلمین کو فرقہ ضالہ کی حقیقت بھی معلوم ہو جائے۔ اگر حضرت رحمۃ اللہ علیہ ملتان کے جلسہ میں اس پر احتجاج نہ فرماتے تو یہ مسئلہ یوں ہی رہتا۔ ضرورت ہے کہ اس کو ساری امت کے سامنے پوری وضاحت سے پیش کیا جائے۔ باقی خیریت ہے، اپنی دعاؤں میں یاد فرمائیں۔

والسلام طالب دعاء: محمد زاہد الحسینی (دارالارشاد، کیمبل پور) ۱۶/۱۱/۱۹۷۱ء

اس کے بعد علامہ سید قاضی محمد زاہد الحسینی صاحب مدظلہ العالی نے حضرت والّا کے دو والا ناموں کی نقل اپنے گرامی نامہ میں احقر مولف کو ارسال فرمائی۔ اور اس کے علاوہ حضرت والّا کے والا ناموں کی نقل اور مخدومنا حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب کا ارشاد سامی اور دارالعلوم دیوبند کا ایک فتویٰ اور ایک اعلان جو اکابر علماء کرام کی طرف سے ہوا۔ ان سب کی نقول احقر مولف کو ارسال فرمائی تھیں جو ذیل میں نقل کی جاتی ہیں:

حضرت علامہ سید قاضی زاہد الحسینی صاحب مدظلہ کا مکتوب گرامی بنام احقر جس میں حضرت والّا کے دو مکاتیب گرامی نقل کئے گئے ہیں:

محترمی زید مجدکم وبارک اللہ فی مساعیکم سلام مسنون

حسب وعدہ خیر العلماء قدس سرہ العزیز کے گرامی نامے متعلقہ عقیدہ حیات النبی ﷺ ارسال ہیں۔ یہ سب آپ نے جلدی واپس فرمانے ہیں کہ یہ تبرکات ہیں۔ البتہ دو والا ناموں کی نقل ارسال ہے۔

(۱) آپ کی شنید صحیح ہے۔ آپ کا تاثر میرے قلب کی ترجمانی ہے۔ محرم ۸ ۱۳۷۷ھ

ف: جب ملتان کے جلسہ میں نے حیاۃ النبی پر خلاف اکابر لب کشائی کی تو حضرت نور اللہ مرقدہ نے گرفت فرمائی۔ یہ بات جب مجھے بھی پہنچی تو تصدیق کے لئے عریضہ لکھا تھا۔ اس کا جواب ارشاد فرمایا۔

محمد زاہد الحسینی (حضرت والّا کا جواب اوپر گزرا۔ آ)

(۲) رحمت کائنات کا پہلا ایڈیشن ملاحظہ فرمانے کے بعد فرمایا:

”رسالہ کا حرفا حرفا مطالعہ کیا، الحمد للہ رسالہ کا ہر حرف نبی کریم ﷺ کے ساتھ جناب کے عشق و محبت اور اخلاص کا ترجمان نظر آتا ہے۔ مطالعہ کی برکت سے احقر اپنے قلب میں بھی محبت نبویہ میں ترقی و اضافہ محسوس کرتا ہے۔ اللہم زد فزدد۔ ۳ جون ۱۹۵۸ء

والسلام مخلص طالب دعاء: محمد زاہد الحسنی غفرلہ (دارالارشاد کیمبل پور) ۲۲/۱۱/۱۹۷۱ء

حضرت والا کے مکتوب گرامی نمبر ۱ کی نقل

محترم المقام جناب مولانا صاحب شکر اللہ مساعیکم الدینیہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

جناب کا گرامی نامہ موجب مسرت ہوا۔ دوسرا الفافہ جوابی بمعہ عریضہ مخدومی حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مدظلہ کی خدمت میں بمعہ رحمت کائنات والقول الجلی فی حیات النبی پیش کر دیا گیا۔ جواب اور مضمون تحریر کرنے کی تاکید کر دی گئی ہے۔ امید ہے کہ بوقت فرصت اثناء سفر ہی میں وہ آپ کو جواب تحریر فرمادیں گے۔ نیز توحیدی مفسرین کے مکاتذ سے آگاہ کر دیا گیا ہے۔ امید ہے کہ وہ گجرات وراولپنڈی نہیں جائیں گے۔ میرے پاس رحمت کائنات کا یہ آخری نسخہ تھا۔ اگر موجود ہو تو ایک نسخہ ضرور بھیج دیں۔ مسئلہ حیات کے متعلق ایک مختصر تحریر بھی حضرت قاری صاحب سے حاصل کر لی گئی ہے۔ والسلام تازہ کوائف سے ممنون فرماتے رہا کریں۔ دعا گو

حضرت والا کے مکتوب گرامی نمبر ۲ کی نقل

مکرم و محترم جناب مولانا صاحب زاد عنایتیکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

گرامی نامہ ملا۔ مگر سفر و معزز مہمانوں کے ورود باوجود کی وجہ سے تحریر جواب میں تاخیر ہو گئی۔ خواستگار غنوں۔ مخدومنا حضرت قاری صاحب مدظلہ کی تحریر کی نقل اور جناب مفتی مہدی حسن صاحب کے فتویٰ کی نقل بھیج رہا ہوں۔ اس وقت دونوں کے اصل میرے پاس موجود ہیں۔ ثانی کا اصل مولوی محمد یوسف صاحب، مسجد بگڑ والی، خوشاب ضلع سرگودھا کی ملک ہے۔ میں نے عاریہ ان سے لیا ہے۔

حضرت قاری صاحب مدظلہ آج لاہور میں ہیں۔ کل چہار شنبہ کو ان شاء اللہ تعالیٰ دیوبند کو روانہ ہوں گے۔ آپ کا رسالہ اور خط ان کے پاس ہے۔ کئی وقت فرصت میں جواب تحریر کریں گے۔ بہتر ہے کہ آپ ان کو یاد دہانی کرا دیں۔ بلکہ مولوی سید ازہر شاہ صاحب کو مسلط کر دیں۔

اجتماع کے خیال میں ہنوز توقف مناسب ہے۔ آپ کے لئے دعا کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ احقاق حق اور ابطال باطل کی مزید ہمت عطا فرماوے، آمین۔

وارث علوم قاسمیہ واقف رموز طریقت حضرت علامہ الحاج قاری محمد طیب صاحب مدظلہم

مہتمم دارالعلوم دیوبند کا ارشاد سامی

نحمدہ ونصلی: احقر اور احقر کے مشائخ کا مسلک وہی ہے جو ائمہ و غیرہ میں بالتفصیل مرقوم ہے۔ یعنی برزخ میں جناب رسول اللہ ﷺ اور تمام انبیاء علیہم السلام بجمہ غصری زندہ ہیں۔ جو حضرات اس کے خلاف ہیں وہ اس مسئلہ میں دیوبند کے مسلک سے ہٹے ہوئے ہیں۔ محمد طیب، مدیر دارالعلوم دیوبند

(وارد حال ملتان) ۱۳۷۸/۲/۳ھ

نقل فتویٰ اعلیٰ حضرت مفتی دارالعلوم دیوبند

استفتاء نمبر ۱۹۲۸ یہ عقیدہ رکھنا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا روح مبارک علیین میں ہے اور آپ کا اپنی قبر اور جسد کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ لہذا آپ کی قبر پر اگر درود و سلام پڑھا جائے تو پڑھنے والے کو ثواب پہنچتا ہے لیکن آپ سنتے نہیں۔ تو کیا عقیدہ مذکورہ صحیح ہے یا غلط؟ اور غلط ہونے کی صورت میں بدعت سیدہ ہے یا نہیں، اور ایسے عقیدے والے کی امامت کا کیا حکم ہے؟ امید ہے آپ اپنے قلم سے فتویٰ تحریر فرما کر ارسال فرمائیں گے۔

نمبر ۲۲ الجواب: آنحضرت ﷺ اپنے مزار مبارک میں بجمہ موجود اور حیات ہیں۔ آپ کے مزار مبارک کے پاس کھڑے ہو کر جو سلام کرتا اور درود پڑھتا ہے آپ خود سنتے اور سلام کا جواب دیتے ہیں۔ ہمارے کان نہیں کہ ہم نہیں۔ آپ اپنے مزار میں حیات ہیں۔ مزار مبارک کے ساتھ کا خصوصی تعلق بجمہ و روح ہے۔ جو اس کے خلاف کہتا ہے غلط کہتا ہے وہ بدعتی ہے، خراب عقیدے والا ہے۔ اس کے چہچہ نماز مکروہ ہے۔ یہ عقیدہ صحیح نہیں ہے۔

حدیث میں ہے: ان اللہ حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء (الحدیث)

وعن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ من صلی علی عند قبری سمعته ومن

صلی علی من بعید اعلمته. رواہ ابو الشیخ وسندہ جید (القول البدیع، ص ۱۱۶)

عن انس رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ الانبیاء صلوات اللہ علیہم احياء فی

قبرہم یصلون. رواہ ابن عدی والبیہقی وغیرہما (شفاء السقام، ص ۱۳۳)

دو تین حدیثیں نقل کر دی ہیں۔ اس باب میں بکثرت احادیث وارد ہیں، جن کا انکار نہیں کیا جاسکتا۔ اور جو انکار

کرتا ہے بدعتی اور خارج اہل سنت والجماعت ہے۔ غرض پڑھنے والے کو ثواب بھی پہنچتا ہے، اور مزار مبارک کے قریب

پڑھنے سے آپ سنتے بھی ہیں اور اپنے مزار مبارک میں بحمدہ موجود ہیں اور حیات ہیں۔

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

کتبہ السید مہدی حسن، مفتی دارالعلوم دیوبند (۱۳-۵-۱۳۷۶ھ)

مسئلہ حیات النبی ﷺ میں اکابر علماء دیوبند کا مسلک

علماء دیوبند کا متفقہ اعلان

حضرت اقدس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور سب انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں اکابر دیوبند کا مسلک یہ ہے کہ وفات کے بعد اپنی قبروں میں زندہ ہیں، اور ان کے ابدان مقدسہ بعینہ محفوظ ہیں اور جسد غضری کے ساتھ عالم برزخ میں ان کو حیات حاصل ہے اور حیات دنیوی کے مماثل ہے۔ صرف یہ کہ احکام شرعیہ کے وہ مکلف نہیں ہیں۔ لیکن وہ نماز بھی پڑھتے ہیں اور روضہ اقدس میں جو درود پڑھا جائے بلا واسطہ سنتے ہیں۔ اور یہی جمہور محدثین اور متکلمین اہل سنت والجماعت کا مسلک ہے۔

اکابر دیوبند کے مختلف رسائل میں یہ تصریحات موجود ہیں۔ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی مستقل تصنیف حیات انبیاء پر ”آب حیات“ کے نام سے موجود ہے۔ حضرت مولانا ظلیل احمد صاحب جو حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ کے ارشد خلفاء میں سے ہیں، ان کا رسالہ ”المہند علی المفند“ بھی اہل انصاف و اہل بصیرت کے لئے کافی ہے۔ اب جو اس مسلک کے خلاف دعویٰ کرے اتنی بات یقینی ہے کہ ان کا اکابر دیوبند کے مسلک سے کوئی واسطہ نہیں۔ واللہ یقول الحق وهو یہدی السبیل۔

محمد یوسف بنوری عفا اللہ عنہ عبدالحق عفی عنہ مہتمم دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک ظفر احمد عثمانی عفا اللہ عنہ

(مفتی) محمد صادق عفا عنہ (سابق ناظم محکمہ امور مذہبیہ بہاول پور) شمس الحق عفا اللہ عنہ محمد ادریس کان اللہ

محمد حسن (جامعہ اشرفیہ لاہور) محمد رسول خان عفا اللہ عنہ (جامعہ اشرفیہ نیا گنبد لاہور) بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ (دارالعلوم کراچی نمبر ۱)

(علامہ سید قاضی محمد زاہد الحسینی صاحب مدظلہ العالی کے ارسال فرمودہ مکتوبات و فتویٰ اور اکابر علماء کے اعلان کی

نقول پوری ہوئیں)

اب عقیدہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اہمیت کے بارے میں بعض اقوال اور حضرت والا کے بعض ملفوظات اور دیگر اہم مضامین آگے آرہے ہیں۔

حضرت مولانا منظور احمد صاحب مدظلہ کی رائے اور روایت ملفوظ حضرت والا:

حضرت مولانا منظور احمد صاحب مدظلہ تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت والا مسلک دیوبند کے محافظ تھے۔ اس لئے

مکرمین حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں فرماتے تھے کہ ”یہ لوگ اپنے آپ کو دیوبندی کہنا چھوڑ دیں۔ پھر جو چاہیں عقیدہ رکھیں، اس عقیدہ کو دیوبند سے کوئی تعلق نہ چاہئے۔“ اسی لئے حضرت مولانا محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ مولانا خیر محمد صاحب عقل العلماء ہیں۔

دیوبندی کون ہے؟ حضرت والا کا ایک ملفوظ:

ایک مجلس میں فرمایا کہ میرے نزدیک دیوبندی وہ نہیں جو صرف دیوبند سے پڑھ کر آ جائے۔ بلکہ دیوبندی وہ شخص ہے جو اکابرین دیوبند کے مسلک پر چلے۔ فرمایا، میں نے اگر چہ دارالعلوم دیوبند میں پڑھا نہیں، مگر الحمد للہ اکابرین و اسلاف کے مسلک کا پابند ہوں۔ (خیر المفلوخت، ملفوظ نمبر ۱۱، بروایت مولانا حافظ عبدالشکور صاحب زید مجدہ)

عقیدہ حیات النبی ﷺ پر بعض تالیفات:

اس عقیدہ کے بارے میں قدرے تفصیلی بصیرت پیدا کرنے کے لئے حسب ذیل مولفات کے مطالعہ کی سفارش کی جاتی ہے:

- | | | |
|-----|-------------------------------|-------------------------------------------------|
| (۱) | رحمت کائنات ﷺ | حضرت علامہ سید قاضی زاہد الحسینی صاحب مدظلہ |
| (۲) | القول النبی فی حیات النبی ﷺ | حضرت مولانا عبداللہ صاحب بہلوی |
| (۳) | حیات انبیاء کرام علیہم السلام | حضرت مولانا مفتی سید عبدالشکور صاحب ترمذی مدظلہ |
| (۴) | مقام حیات | حضرت علامہ خالد محمود صاحب مدظلہ |

عقیدہ حیات پر ایک مفصل فتویٰ:

اس عقیدہ کے تحفظ کی خدمت کے سلسلہ میں مزید تصنیف و تالیف کا اور جو کام ہو چکا ہے فی الحال احقر مؤلف اس سے زیادہ واقف نہیں۔ کیونکہ تقریباً بیس سال سے بیرون ملک قیام ہے۔ البتہ تقریباً تیس سال قبل دارالعلوم الاسلامیہ ٹنڈو اللہ یار ضلع حیدرآباد سندھ سے ایک مفصل اور محققانہ فتویٰ مخدومی اُستاذی المعظم حضرت مولانا مفتی محمد وجیہ صاحب مدظلہ العالی (شیخ الحدیث) کا تحریر فرمودہ اور مخدومی المعظم حضرت علامہ مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی رحمہ اللہ تعالیٰ کا مصدقہ صادر ہو چکا ہے۔ وہ قابل دید تھا، مگر غالباً شائع نہیں ہوا۔

اس سلسلہ میں حضرت مولانا مفتی عبدالشکور ترمذی صاحب مدظلہ کے مقالہ ”مخدوم العلماء حضرت مولانا خیر محمد جالندھری“ سے اقتباس درج ذیل ہے۔ اس سے جو حضرت والا کی صلابت رائے اور تحفظ مسلک میں پختگی کے ساتھ عدل و اعتدال ظاہر ہو رہا ہے وہ قابل دید ہے۔

تحفظ عقیدہ حیات النبی ﷺ میں حضرت والا کی صلابت و پختگی مع اعتدال:

حضرت مولانا مفتی عبدالشکور ترمذی صاحب مدظلہ تحریر فرماتے ہیں: ”مسلک اکابر علمائے دیوبند کے بارے میں

آپ کی صلابت رائے اور تحفظ مسلک کے لئے آپ کی خدمات سب پر روشن ہیں۔ اس سلسلے میں آپ کی نگاہ میں ادنیٰ سے ادنیٰ رو رعایت بھی سخت مضرت رسالت تھی۔ ایک مرتبہ کا واقعہ ہے: مرشدی حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ایک فتویٰ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں شائع ہوا، جس کے اجمال سے دوسرے مسلک والوں کو گنجائش مل سکتی تھی، تو ہمارے ممدوح حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں تفصیلی جواب کے لئے ارسال فرمایا۔ اب چونکہ سوال ایک بزرگ عالم کی طرف سے تھا تو حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مسئلے کی پوری تحقیق بڑی تفصیل اور بسط کے ساتھ لکھی۔ اور مسئلہ حیات النبیؐ کو جمہور اُمت کا مسلک قرار دیا۔ اس تفصیلی فتویٰ کو حضرت مولانا مرحوم نے ماہنامہ ”الصدیق“ ملتان میں اہتمام کے ساتھ شائع فرمایا، جس سے سب ادہام اور شکوک کا ازالہ ہو کر مسلک اکابر دیوبند فتح ہو کر سامنے آ گیا۔ اس سے پہلے راولپنڈی کے ایک خصوصی بڑے اجتماع میں بھی واضح کر دیا گیا تھا کہ ہمارے اکابر علماء دیوبند کے مسلک سے اس جماعت کا مسلک تشدد ہٹا ہوا ہے۔ حضرت مولانا مرحوم شرح صدر کے ساتھ اکابر علماء دیوبند کے مسلک کو ہی حق سمجھتے تھے اور اس کا واضح اظہار کرتے تھے، مگر پھر بھی مشترکہ توحید کانفرنس (ملتان) میں اس جماعت کے مشہور مقرر کو بلائے کا مشورہ آپ نے دیا۔ بلکہ اس جماعت کے سربراہ کو خود مدرسہ خیر المدارس میں دعوت دے کر اتفاق و اختلاف کے حدود کی عملی تعیین فرمادی، کہ بعض مسائل میں اختلاف کے ہوتے ہوئے بھی مشترکہ مقاصد میں اشتراک عمل ہو سکتا ہے۔ لیکن حضرت مولانا مرحوم کا یہ طرز عمل ظاہر بینوں کی نظر میں مسلک اکابر دیوبند میں اشتباہ کا سبب بن سکتا ہے۔ اس لئے اس ناکارہ کے فہم قاصر میں بھی محل نظر ہوا اور ایک عریضے میں اس کا اظہار کیا، تو حضرت مولانا مرحوم نے اپنے طرز عمل کی وضاحت الفاظ ذیل کے ساتھ فرمائی:

”اس جماعت کے اکابر و مشاہیر کا مسلک تشدد اکابر دارالعلوم دیوبند کے خلاف ہے، اس کا اظہار مقصود تھا، سو وہ ہو چکا، بلکہ ان کو خود بھی اس کا اعتراف ہے۔ اب اس سے آگے لست علیہم بمصیطر کے معارض ہے۔ دوسری جماعت مبتدعہ جو ان کے مد مقابل ہے چونکہ ان کے نزدیک ہمارے اور ان کے متعلق کوئی امتیاز نہیں۔ اس لئے ہماری تقریر واضح سے وہ ناجائز فائدہ اٹھا کر اشتعال انگیزی اور اضلال کریں گے۔ لہذا سکوت اصلح ہے۔ الغرض آپ کی نظر ایک طرف ہے اور اور اس خادم کی دوطرف۔ رہا میرا بعض افراد کو دعوت دینا، اس پر قیاس نہ کیا جائے۔ یہاں آ کر وہ مغلوب رہتے ہوئے جذبہ اعتدال پر رہتے ہیں اور دوسری جگہ غالب اور حدود سے متجاوز۔ الغرض غلو فی الدین سے احتیاط کو شعار قرار دیا جائے۔ اعدلوا ہو اقرب للتقویٰ کو ہر حالت میں پیش نظر رکھا جائے۔ اور لا یجور منکم نشان قوم کو بھی فراموش نہ کیا جائے۔“

والا نامہ کا لفظ لفظ حضرت مولانا مرحوم کے مسلک اعتدال کی وضاحت کر رہا ہے اور مولانا مرحوم کے عدل اور تقویٰ پر شہادت دے رہا ہے، اور دوسرے مسلک والوں سے اشتراک عمل کے لئے اس زردین اصول کا سبق بھی اس سے مل رہا ہے۔ اس کو آج کل عام طور پر نظر انداز کیا جا رہا ہے کہ اس اشتراک سے نہ صرف یہ کہ دوسرے عناصر کو غلبہ حاصل نہ ہونے

ہائے۔ بلکہ وہ مغلوب رہتے ہوئے حد اعتدال پر آجائیں۔ اسی لئے ان بعض افراد کی طرف سے خیر المدارس کے اسٹیج کو اپنے نصیحتی نظریات کے لئے استعمال کرنے کی کوشش کرتے دیکھا تو حضرت مولانا مرحوم نے تمام تر عالی حوصلگی اور وسعت ظہنی کے باوجود موقع پر ہی اعلانیہ اس کی تردید فرمائی اور ذمہ داری کے ساتھ مسلک اکابر علماء دیوبند کے تحفظ کا فرض ادا کیا۔ پھر سب نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ مسئلہ حیات النبی ﷺ کی جو خدمت حضرت مولانا مرحوم اور آپ کے متوسلین کے ذریعے ظہور میں آئی، حضرت قاسم العلوم والخیرات مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس سرہ کی کتاب ”آب حیات“ کے بعد شاید پوری صدی میں اس مسئلہ کی ایسی گرانقدر خدمت کی توفیق کسی جماعت کے حصے میں نہیں آئی۔ خصوصیت سے یہ شرف حضرت مولانا اور آپ کی جماعت کے حصے میں آیا۔ ذلک فضل اللہ یؤتیه من یشاء۔

حضرت مولانا مفتی عبدالشکور ترمذی صاحب مدظلہ کے مقالہ سے اقتباس ختم ہوا۔

جیسا کہ اس سے پیشتر گزرا، حضرت والا نے منکرین حیات کے عقیدہ کی غلطی کو بلا خوف لومہ لائم اور بلا تردد واضح فرمادیا، لیکن عدل و اعتدال کا دامن کبھی چھوٹنے نہیں پایا، بلکہ عموماً بغیر کسی کا نام لئے اور مثبت انداز میں حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور توسل کے بارے میں اہل سنت والجماعت کا اجمالی معتدل عقیدہ نیز عظمت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اکثر و بیشتر اپنے مواعظ وغیرہ میں بیان فرماتے رہتے تھے۔ بلکہ ایک وعظ کا تو نام ہی عظمت رسول ہے۔ احقر مؤلف کو جناب پروفیسر احمد سعید صاحب نے اپنے گرامی نامہ مورخہ ۲۲ اپریل ۱۹۷۱ء میں اس وعظ کے بارے میں یہ تحریر فرمایا تھا: ”تقریر آپ نے جامعہ اشرفیہ لاہور میں فرمائی تھی۔ تقریر کا عنوان ہے ”عظمت رسول ﷺ“، فروغ اسلام جنوری ۱۹۶۱ء کے شمارہ میں شائع ہوئی ہے۔ یہ رسالہ اگرچہ بند ہو گیا ہے مگر اس کی کاپیاں پبلک لائبریری لاہور میں موجود ہیں۔

نیز اس موضوع سے متعلق حضرت مفتی محمد عبداللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ایک فتویٰ آگے آ رہا ہے، جس کی تصدیق کے ساتھ حضرت والا نے نہایت اہم عبارت کا اضافہ فرمایا تھا، جس سے صحیح عقیدہ اہل سنت والجماعت کا تحفظ مقصود ہے۔

اللہم صل علی محمد النبی الامی وعلی آلہ وسلم تسلیما۔

لیلۃ الجمعہ (۱۵ رمضان المبارک ۱۴۱۲ھ)

تمہ ”عقیدہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم پر بعض تالیفات“

اس عقیدہ کے بارے میں قدرے تفصیلی بصیرت پیدا کرنے کے لئے جن مؤلفات کے مطالعہ کا مشورہ دیا جاتا ہے ان میں سب سے مقدم اور مختصر ہونے کے باوجود اہم تو حضرت والا کے شیخ کامل حضرت حکیم الامت تھانوی کی تالیف لطیف ”نثر الطیب فی ذکر النبی الجیب“ کی اٹھائیسویں فصل ہے۔ جس میں حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اثبات میں دلائل احادیث شریفہ سے دیئے گئے ہیں۔ اور ان احادیث کی بقدر ضرورت شرح بھی فرمائی ہے۔ اس کے علاوہ حضرت حکیم الامت کے بعض مواعظ میں بھی حیات انبیاء علیہم السلام اور خصوصاً حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور قوت حیات کو مدلل بیان فرمایا گیا

ہے۔ مثلاً تسبیل و عظ "تعلیم الشعائر" جو حال ہی میں ماہنامہ "الصیانہ" کے شمارہ ذی الحجہ ۱۴۱۵ھ میں نظر پڑا۔ اس میں بھی حیات انبیاء علیہم السلام اور اس حیات کی قوت کو مدلل بیان فرمایا ہے۔

علاوہ ازیں مخدومنا حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارن پوری خلیفہ اجل امام ربانی حضرت گنگوہی قدس سرار ہما کے رسالہ "المہند" اور اس کے اردو ترجمہ "عقائد علمائے دیوبند" میں وضاحت کے ساتھ عالم برزخ میں حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قوت کو بیان فرمایا گیا ہے اور یہ بھی واضح فرمادیا گیا ہے کہ یہ حیات دنیوی حیات کے مشابہہ اور اس سے بہت زیادہ قوی ہے حیات ہے۔ "نشر الطیب" اور "مواعظ حضرت تھانوی" کے علاوہ رسالہ "عقائد علمائے دیوبند" میں بھی یہ موضوع یعنی حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم قابل دید ہے۔

هو الحبيب الذي ترجى شفاعته
يا رب صلّ وسلم دائماً ابداً
لكل هول من الاحوال مقتحم
علی حبیبك خیر الخلق کلهم

﴿ضمیمہ موضوع تحفظ عقیدہ حیات النبی ﷺ﴾

عصر حاضر کے فقیہ الامت سیدی حضرت مولانا خیر محمد صاحب جالندھری نور اللہ مرقدہ

(حضرت مفتی محمد عبداللہ صاحب کا ایک فتویٰ اور اس میں حضرت والا کا ضروری اضافہ)

حضرت والا کے ماہر و کامل مفتی اور فقیہ العصر ہونے اور آپ کے تبحر علمی، فہم و تفقہ اور دور رس نگاہ کو سمجھنے کے لئے

ایک واقعہ کو مثال کے طور پر ("الخیر" شعبان و رمضان ۱۴۰۷ھ سے) ذیل میں نقل کیا جاتا ہے:

علمی تبحر اور فقہی ژرف نگاہی:

۱۹۴۹ء میں خیر المدارس میں افتاء کا شعبہ مستقل کر دیا گیا اور اس کے مسئول عنہ عارف کامل حضرت مولانا مفتی محمد

عبداللہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ مقرر ہوئے، تاہم حضرت مفتی صاحب تمام فتاویٰ بعد از عصر حضرت والا کی خدمت میں پڑھ کر

سناتے، آپ کمال توجہ سے سنتے، حسب ضرورت آپ کی ترمیم و تصحیح یا تصدیق کے بعد سپرد ذاک کئے جاتے۔ بعض وجوہات

پر حضرت والا مرتبہ کچھ اضافہ بھی فرماتے، جو آپ کی وقت نظر، تبحر علم، تعمق فکر اور فقہ میں نگاہ دور رس کا شاہکار ہوتے، صرف

ایک مثال ملاحظہ ہو۔

ایک دفعہ ہزارہ سے ایک عالم دین نے اس مضمون کا استفتاء بھیجا کہ "تفسیر بلغۃ البحران" کے مختلف مقامات پر

آیات کی ایسی تفسیر کی گئی ہیں جو سلف صالحین اور اہل سنت والجماعت کے عقائد و نظریات کے خلاف ہیں۔ اس کے ثبوت

میں مستفتی نے ۶ مقامات باحوالہ بقید صفحہ نقل کر کے پوچھا کہ کیا یہ اہل سنت والجماعت کے مسلک سے علیحدگی اور اعتزال کا

اظہار تو نہیں؟

حضرت مولانا مفتی محمد عبداللہ رحمہ اللہ نے اس کا جواب تحریر فرمایا جس کے شروع میں آپؑ نے تمہیداً لکھا ”ہمارا مسلک علماء دیوبند کے اصول کے مطابق احتیاط پر مبنی ہے، ہم عبارات مشکوکہ و مشتبہہ کی بناء پر تکفیر و تفسیق میں جلدی نہیں کرتے۔ افراط و تفریط.... یہی دو ایسے امر ہیں جن کی بناء پر اُمت میں فساد پیدا ہوتا ہے۔ اگر مولانا غلام اللہ خان صاحب اور ان کی جماعت آپ کی نظر میں اکثر مسلمانوں کی تکفیر کرتی ہے (جس کا ہمیں پورا یقین نہیں) تو یہ ایسا ہے جیسا بریلوی، حضرات علماء دیوبند کی تکفیر کرتے ہیں۔ لیکن ہمارے اکابر نے اس بارہ میں ہمیشہ احتیاط برتی ہے۔ اس لئے ہم بھی تکفیر کے بارے میں ہمیشہ احتیاط کرتے ہیں اور اپنے بھائیوں کو بھی احتیاط کرنے اور عبارات مشکوکہ کی جب تک اصل عبارات کفر کے معنی کی تصریح نہ کریں، تاویل ہی کرنے کی ترغیب دیتے ہیں۔

اس کے بعد حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ نے لکھا کہ ”ہم نے آپ کی محولہ عبارات کے بارے میں مولانا غلام اللہ خان صاحب سے تحقیق کی ہے، وہ ان تمام عبارات کی ایسی توجیہ یا تاویل کرتے ہیں جو تکفیر و تفسیق سے مانع ہے، لہذا ہمیں قول مالایرضی بہ القائل لے کر کفریہ احتمال کو ترجیح دینے کی ضرورت نہیں۔ اگر یہ لوگ تشدد کرتے ہیں تو ہمیں احتیاط کا دامن نہیں چھوڑنا چاہئے۔“

بظاہر یہ جواب مکمل تھا، مگر حضرت والا نے اپنی خداداد بصیرت و فراست سے یہ محسوس فرمایا کہ اس فتویٰ سے بعض اہل غرض یہ تاثر بھی دے سکیں گے کہ خیر المدارس نے ”تفسیر بلغۃ الحیران“ کی من وجہ تائید و توثیق کر دی ہے۔ آپ نے اس اثر کے ازالہ کے لئے درج ذیل عبارت کا اضافہ فرمایا جو آپ کی فقہی ژرف نگاہی اور حالات و عواقب پر گہری نظر کا واضح ثبوت ہے:

حضرت العلام حضرت مفتی صاحب دام فیضہ نے مصنف بلغۃ الحیران اور جامع کے متعلق جو پہلو احتیاط اور عدم تکفیر کا اختیار فرمایا ہے وہ راجح اور صواب اور احوط ہے، مگر جس کتاب کی عبارات جمہور اہل سنت و الجماعت کے مسلک کے خلاف ہوں یا عوام کو ان سے ابہام و مغالطہ ہوتا ہو، ایسی کتاب کی اشاعت اور مطالعہ کرنا جائز نہیں، اور اس کے جامع و ناشر تاویل یا اعتراف غلطی کر کے تکفیر و تفسیق سے توبری ہو سکتے ہیں مگر اس کے ضرر اور اٹم سے برات کے لئے ضروری ہے کہ موجودہ کتاب کی اشاعت کو بند کیا جائے جب تک اس کی اصلاح نہ کی جائے یا غلط مقامات کا اظہار بال تصریح نہ کیا جائے۔
واللہ الموفق از احقر خیر محمد، مہتمم مدرسہ خیر المدارس ملتان (۱۳۷۰ھ)

مندرجہ بالا اضافہ سے یہ اندازہ ہو سکتا ہے کہ حضرت والا فتاویٰ کا محض سرسری سامع نہیں فرماتے تھے بلکہ پوری ذمہ داری اور احساس مسؤلیت کے تحت تصدیقی دستخط ثبت فرماتے تھے۔

المزید من الخیر للاجتناب من الخیر:

جماعت علماء اہل سنت والجماعت یعنی علماء دیوبند کے عقائد (جن کے ضمن میں عقیدہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی شامل ہے) سے اختلاف رکھنے والے گروہ میں سے ایک صاحب کی تفسیر ”بلغة الحیران“ کے متعلق ایک فتویٰ اور اس پر حضرت والا کا اضافہ اوپر گزرا۔ اب اس تفسیر کے اغلاط کے رد میں حضرت مولانا مفتی سید عبدالشکور صاحب ترمذی مدظلہ العالی نے جو کتاب ”ہدلیۃ الحیران“ تالیف فرمائی ہے، اس پر حضرت والا کی بصیرت افروز تقریظ ملاحظہ فرمائیے۔ اس میں اس کتاب پر تقریظ اور اس کی تصدیق کے علاوہ عقائد جمہور اہل سنت والجماعت کو مضبوط پکڑنے اور شذوذ و اعتراض (جماعت سے علیحدگی) سے بچنے کی تلقین ہے، جس سے استفادہ کی غرض سے وہ تقریظ و تصدیق ذیل میں نقل کی جاتی ہے:

(نوٹ: اس تصدیق و تقریظ کی نقل حضرت مولانا سید عبدالشکور صاحب ترمذی مدظلہ العالی نے براہ کرم خیر السوانح میں شامل کرنے کے لئے احقر مؤلف کو ارسال فرمائی ہے۔ فجزاہ اللہ تعالیٰ خیر الجزاء آ آ)

تصدیق مخدوم العلماء حضرت مولانا خیر محمد صاحب جالندھری

(مہتمم مدرسہ خیر المدارس ملتان)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم و علی آلہ واصحابہ اجمعین۔ اما بعد:

ہر انسان عاقل بالغ پر لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر دل و جان سے ایمان لانے کے بعد مذہب اہل سنت والجماعت کو خوب مضبوط پکڑے، اور ان کے موافق عقیدہ عمر بھر قائم رکھے، اور اسی پر جیے اور اسی پر مرے، اور اس کی مخالفت اور علیحدگی اور اعتراض سے بچے۔ کیونکہ اہل سنت والجماعت ہی فرقہ ناجیہ ہے۔ آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں: وتفرق امتی علی ثلاث وسبعین ملة کلهم فی النار الاملة واحدة قالوا من ہی یا رسول اللہ قال ما انا علیہ واصحابی (ترمذی)

وفی روایة عن معاویة ثنتان وسبعون فی النار وواحدة فی الجنة، وهی الجماعة (مسند احمد ابوداؤد) یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت ۷۳ فرقوں میں تقسیم ہوگی، سب دوزخ میں داخل ہوں گے۔ صرف ایک فرقہ جنت میں جائے گا۔ صحابہ نے عرض کیا کہ وہ کونسا ہے؟ اے رسول خدا، آپ نے فرمایا جس عقیدہ پر میں ہوں اور میرے اصحاب، اور ایک روایت میں ہے بہتر دوزخ میں ہوں گے اور ایک جنت میں اور یہی جماعت ہے وید اللہ علی الجماعة ومن شذذ فی النار۔ یعنی فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی مدد جماعت و جمہور پر ہوتی ہے، جو شخص اس سے علیحدہ ہوا وہ دوزخی ہے (ترمذی) اتبعوا السواد الاعظم (ابن ماجہ) فرمایا کہ تم پیروی کرو بزرگ جماعت کی۔ ورنہ شذوذ کا

والدوزخ ہے۔ یہ سب احادیث مشکوٰۃ شریف میں بھی موجود ہیں۔ ان نصوص سے جمہور صحابہ والتابعین ومن تبعہم کی اتباع کی تاکید معلوم ہوتی ہے۔

بندہ گنہگار نے کتاب ”ہدلیۃ الخیر ان“ فی تفسیر جواہر القرآن تالیف مدنیف مولانا سید عبدالشکور صاحب بن مولانا سید عبدالکریم گمٹھلوی ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ، مہتمم مدرسہ عربیہ حقانیہ ساہیوال ضلع سرگودھا کو حرفاً حرفاً من اولہ الی آخرہ سنا۔ اہل سنت والجماعت کے موافق پایا، اور مؤلف جواہر القرآن نے اکثر جگہ فرق ضالہ کی موافقت کی اور جمہور اہل سنت والجماعت کی مخالفت کی ہے۔ لہذا مؤلف جواہر القرآن جب تک اس اعتزال و شذوذ عقیدے سے رجوع نہ کریں تب تک کسی شخص کو جواہر القرآن کا مطالعہ کرنا جائز نہیں، اور جو مطالعہ کر چکے ہیں ان کو کتاب ”ہدلیۃ الخیر ان“ کا غور سے پڑھنا ضروری ہے۔ شاید اللہ تعالیٰ ان کو سمجھ دے اور وہ صحیح عقائد پر قائم ہو جائیں۔ وما ذلک علی اللہ بعزیز۔ اور جو جو حضرات اس عقیدے پر قائم ہیں جو جواہر القرآن میں لکھے ہیں ان کے درس میں شریک ہونا ممنوع ہے۔ واللہ یھدی السبیل۔

خیر محمد، مہتمم مدرسہ خیر المدارس ملتان

۲۵ رجب ۱۳۸۷ھ (از ہدلیۃ الخیر ان فی جواہر القرآن، ص ۷)

بعض افاداتِ علمیہ :

حضرت ^۱والا کی حیاتِ طیبہ علمی و اصلاحی افادات سے بھرپور ہے۔ یہاں بطور نمونہ آپ کے چند علمی افادات نقل کئے جاتے ہیں:

(۱) الحدیث: مَنْ رَأَى مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهِ فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهِ وَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهِ وَذَٰكَ أَوْعَفُ الْإِيمَانِ.

ترجمہ: یعنی ارشاد فرمایا جناب رسول اللہ ﷺ نے، اگر تم میں سے کسی کو کوئی برائی کرتے دیکھے تو اسے چاہئے کہ اسے ہاتھ سے روک دے، اگر وہ اس کی طاقت نہ رکھتا ہو تو زبان سے روک دے اور اگر وہ اس کی بھی طاقت نہ رکھتا ہو تو دل سے برا سمجھے، اور یہ سب سے کمزور ایمان کی دلیل ہے۔

ف: اس حدیث کی شرح میں حضرت والا نے تحریر فرمایا: ”اس حدیث میں علی الترتیب تغیر منکر مامور بہ ہے نہ صاحب منکر سے نفرت کرنا، مراتب فی نفسہ کے اعتبار سے ثالث یعنی دل سے منکر کو بُرا سمجھنا، آخری مرتبہ ایمان یعنی اضعف ہے، کیونکہ اس کے بعد تو رضاء بالمسکر کا درجہ ہے جو واقعی خلاف ایمان ہے، جیسے نماز کا آخری مرتبہ اضطجاع و ایما، ہے مگر معذور میں اس کو ثواب کامل مل جاتا ہے، اسی طرح غیر مستطیع کو ثواب کامل ہی ملے گا۔“

(۲) مشکوٰۃ شریف کی مشہور روایت لا ایمان لمن لا امانة له ولا دین لمن لا عهد له (یعنی جو امانت دار نہیں

اس قسم کی علمی باتیں مجلس میں اور اسباق میں ارشاد فرماتے تھے، جس سے فوراً تسلی ہو جاتی تھی۔

ایک طالب علم کے چند سوالات اور حضرت والا کے افادات:

(۱) ایک بار ایک طالب علم نے سوال کیا کہ ”شیخ عطار رحمہ اللہ تعالیٰ نے ائمہ کبار کی تعریف کرنے کے بعد امام احمد بن حنبل کے متعلق ارشاد فرمایا: ”در ہمہ چیز از ہمہ بردہ سبق“ بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ شیخ علیہ الرحمہ نے امام احمد کو امام اعظم سے بھی بڑھا دیا۔ فرمایا: شعر میں دوسرے ”ہمہ“ سے امام احمد کے ہم زمان لوگ مراد ہیں۔“

(۲) نیز ایک دفعہ یہ سوال کیا کہ ”شیخ عطار رحمہ اللہ نے فرمایا ”انبیاء و اولیاء محتاج او“ تیبہانہ لہجہ میں فرمایا: احتیاجی کتنی تم ہے، کیا اپنے وجود و خلقت میں بھی انبیاء و اولیاء آپ کے محتاج ہیں..... پھر تلمظاً ہنس کر فرمایا کہ ”اس سے مراد شان نبوت و ولایت ہے کہ یہ دولت آپ کو بلا واسطہ وبالذات عطا ہوئی اور دیگر انبیاء و اولیاء کو بواسطہ و بطفیل حضور کے مرحمت ہوئی۔“

(۳) ایک مرتبہ یہ دریافت کیا کہ بظاہر ”لا یعصون اللہ ما امرہم“ میں عصمت ملائکہ کا بیان مکمل ہو چکا ہے۔ اس کے بعد ”و یفعلون ما یؤمرون“ زیادہ کرنے میں کیا حکمت ہے؟ فرمایا: ”لازمی اور متعدی کا فرق ہے۔“

حضرت والا اپنے بعض اکابر اور معاصرین کی نظر میں

حضرت والا اپنے پیر و مرشد حضرت حکیم الامت مولانا تھانویؒ کی نظر میں:

ایک مرتبہ حضرت والا اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ خانقاہ حاضر ہوئے تو حضرت حکیم الامت نے انہیں آنا دیکھ کر ارشاد فرمایا: ”انجن تو چھوٹا سا ہے مگر گاڑیاں بہت سی کھینچ لارہا ہے۔“ (سیرت اشرف، ص ۳۸۴)

ف: اس میں حضرت حکیم الامت نے اس طرف اشارہ فرمایا کہ بظاہر تو ان کی جسامت چھوٹی سی ہے مگر باطنی قوت زبردست اسٹیم والے انجن کے مانند ہے۔

اسی طرح حضرت حکیم الامت نے جن گیارہ خلفاء کے خصوصی نام علیحدہ شائع کئے جن سے طالبین کو رجوع کی ہدایت کی گئی تھی اس میں بھی حضرت والا کا نام موجود تھا۔ اسی طرح ”دلائل القرآن علی مسائل العثمان“ کے لئے جن تبحر علماء کو حضرت حکیم الامت نے ارشاد فرمایا تھا ان میں حضرت والا بھی شامل تھے۔ ان دونوں امور سے حضرت حکیم الامت کا حضرت والا سے علمی و عملی اعتماد خصوصی کا اظہار اظہار من الشمس ہے۔

اسی طرح ۱۹۳۸ء میں جب حضرت حکیم الامت دانت بنوانے کے لئے لاہور تشریف لائے تو عارف باللہ حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب امرتسری رحمہ اللہ نے عرض کیا کہ کیا میں مولوی خیر محمد صاحب کو مطلع کر دوں۔ اس پر حضرت حکیم الامت نے فرمایا: ”میں مناع الخیر کیوں بنوں؟“

ف: گویا حضرت والا کو سراپا خیر مجسم فرمایا۔ اسی طرح اصول حدیث میں حضرت والا کا رسالہ ”خیر الاصول فی حدیث الرسول“ خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون میں داخل نصاب فرما دیا تھا۔ اور اپنی ایک تصنیف کے متعلق تحریر فرمایا: ”مولوی خیر محمد صاحب نے ”الاقتصاد“ کی تسہیل کا عزم ظاہر کیا۔“ (اشرف السوانح، ج ۳، ص ۶۹۷)

حضرت والا کی بزرگی کی ایک عظیم دلیل:

مخدومنا حضرت مولانا شبیر علی تھانوی صاحب ”مہتمم خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون تحریر فرماتے ہیں: ”حضرت (حکیم الامت) کی وفات کے بعد خواجہ صاحب کو کہیں قرار نہ تھا، آج تھانہ بھون میں تو کل لکھنؤ ہیں اور پھر اعظم گڑھ ہیں تو معلوم ہوا کہ سیتا پور پہنچ گئے۔ غرض:

چونکہ گل رفت و گلستاں شد خراب
بوسے گل را از کہ جویم جز گلاب

پر پورا عمل تھا (جیسا کہ حضرت خواجہ صاحب نے خود بھی فرمایا تھا:

وہ آستان ہائے جب سے چھوٹا کوئی میرا مستقر نہیں ہے
قرار سے جس جگہ جم کے بیٹھوں کوئی اب ایسا در نہیں ہے

کہ حضرت کے بعد حضرت کے خلفاء اور خدام خاص کے پاس جا جا کر غم کو ہلکا کرتے تھے۔ اسی سلسلہ میں یہ سفر پنجاب بھی اختیار فرمایا تھا (چنانچہ) ۱۶ جولائی ۱۹۳۴ء کو مع دیگر احباب کے جالندھر اور امرتسر کے سفر کے لئے خانقاہ سے روانہ ہوئے تاکہ وہاں اپنے پنجابی پیر بھائیوں سے ملاقات فرمائیں، خصوصاً مولانا خیر محمد صاحب اور مولانا محمد حسن صاحب دام ظلہم سے۔ کس کو خبر تھی کہ حضرت کا یہ سچا عاشق خانقاہ سے آخری مرتبہ رخصت ہو رہا ہے۔

(خاتمہ السوانح، ص ۲۶۱ و ۲۶۲)

حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی سے تعلق رکھنے والوں سے یہ مخفی نہیں کہ خانقاہ میں حضرت حکیم الامت کے یہاں عارف باللہ حضرت خواجہ صاحب کا کس قدر بلند مقام تھا اور خسرو دربار اشرفی کے نام سے یاد کئے جاتے ہیں۔ ان کا حضرت والا کی ملاقات کی خاطر جالندھر کا عزم سفر بلکہ اس سلسلہ سفر کا آغاز ان کے قلب میں حضرت والا کی کس قدر محبت و عظمت کی دلیل اور اس سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت والا حضرت حکیم الامت کے محبوب و اجلہ خلفاء میں سے تھے جن کی ملاقات کی خاطر حضرت خواجہ صاحب نے سفر شروع فرمایا۔ مگر افسوس امرتسر ہی میں بیمار ہو کر واپسی میں جالندھر کی بجائے اپنے وطن اورئی واپس تشریف لے گئے اور اسی مرض میں ۱۷ اگست ۱۹۳۴ء کو واصل بحق ہوئے۔ انا لله وانا الیہ راجعون۔

حضرت والّا کی حضرت حکیم الامت سے از حد عشق و محبت:

حضرت والّا کو اپنے پیر و مرشد حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی سے اس قدر خصوصی تعلق اور بے حد انتہائی محبت تھی جسے عشق سے تعبیر کرنا بجا ہوگا۔ اپنی مبارک مجالس میں آپ حضرت حکیم الامت کے مواعظ حسنہ اور ملفوظات طیبات پڑھا کر روزانہ باقاعدہ سنا کرتے۔ اپنے احباب، متعلقین اور تلامذہ کو حضرت حکیم الامت کے مواعظ حسنہ زیر مطالعہ رکھنے کی تاکید فرماتے۔

حضرت والّا کی حضرت حکیم الامت تھانوی سے غایت محبت و عقیدت کا اندازہ اس واقعہ سے بھی ہو سکتا ہے کہ ایک بار عارف باللہ حضرت اقدس سیدی حاجی محمد شریف صاحب نے اپنے چند مکاتیب مولانا عبدالسلام صاحب (فیصل آباد) کے پاس بھیجے، جنہیں ”ترہیت السالک“ جلد دوم میں نقل کرنا تھا۔ ان میں سے ایک خط پر حضرت حکیم الامت نے اپنے قلم مبارک سے تحریر فرمایا تھا کہ اس خط کی اشاعت مناسب نہیں، حضرت حاجی محمد شریف صاحب دامت برکاتہم افادہ عامہ کی مصلحت کی بناء پر وہ خط شائع کرنا چاہتے تھے۔ چنانچہ وہ خط مولانا عبدالسلام صاحب مرحوم نے واپس کر دیا۔ حضرت حاجی صاحب مدظلہم فرماتے ہیں کہ وہ خط میں نے حضرت والّا کو دکھایا کہ اگر حضرت والّا اس کی اجازت عطا فرمادیں تو مناسب ہے۔ حضرت حاجی صاحب فرماتے ہیں کہ خط دیکھتے دیکھتے جب کافی دیر ہو گئی تو وہ خط میں نے حضرت سے واپس لینا چاہا۔ اس پر حضرت والّا نے فرمایا: ”مجھے جی بھر کر دیکھ تو لینے دو، ہمارے حضرت کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔“ اس کے بعد فرمایا کہ حضرت نے جب اپنے قلم سے تحریر فرمایا کہ اس کی اشاعت کی اجازت نہیں تو اب دنیا میں کوئی ایسی طاقت نہیں جو اس کی اشاعت کی اجازت دے سکے۔

حضرت والّا ہمیشہ حضرت حکیم الامت کے نام سے پہلے قطب الارشاد والکونین، شیخ المشائخ والکاملین، حکیم الامت فی الدین، مجدد الملتہ بالیقین سیدنا و مرشدنا کے القاب وغیرہ تحریر فرماتے۔ اپنی تصانیف کے آخر میں بطور سند حضرت والّا کے کلمات طیبات ضرور نقل فرماتے۔ اپنی مجالس میں حضرت کا تذکرہ بہت محبت سے فرماتے۔

اسی طرح ایک بار اس ناچیز نے دیکھا جب مولانا محمد صدیق صاحب ”سیرت اشرف“ پڑھ رہے تھے، اچانک اتھڑکی نظر حضرت والّا کے چہرہ انور پر پڑی تو اس وقت حضرت والّا کی نگاہیں سرخ ہو رہی تھیں۔ غرض حضرت والّا کو حضرت حکیم الامت سے جو محبت تھی وہ بیان سے باہر ہے۔

حضرت والّا شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہ کی نظر میں:

آپ کے ایک مرید نے حضرت موصوف کو لکھا کہ آپ دارالعلوم دیوبند میں ہیں اور ہم پاکستان میں۔ اس لئے محبت کے فیض سے محروم ہیں۔ تو آپ نے انہیں تحریر فرمایا: ”پاکستان میں حضرت حکیم الامت کے خلیفہ حضرت مولانا خیر محمد

صاحب موجود ہیں، ان سے محبت اور فیض حاصل کرو^{۱۵}، (مکتوبات شیخ الاسلام)

اسی طرح ایک بار حضرت والدیو بند تشریف لے گئے ہوئے تھے اور حضرت مدنی کے مہمان تھے۔ حضرت مولانا عبدالباق صاحب ابوہری کا اصرار تھا کہ آپ ایک مرتبہ میری دعوت قبول فرمادیں، تو اس پر حضرت مدنی قدس سرہ نے فرمایا: "آپ مناع الخیر بنے ہوئے ہیں۔"

حضرت والدیو بند و مناع حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب نور اللہ مرقدہ کی نظر میں:

حضرت حاجی عبدالجید صاحب ریواڑی والے فرماتے ہیں کہ "ایک بار میں حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب امرتسری قدس سرہ کی خدمت اقدس میں جامعہ اشرفیہ لاہور حاضر تھا، اس وقت مدرسہ خیر المدارس کا سالانہ جلسہ ہو چکا تھا۔ حضرت مفتی صاحب نے دریافت فرمایا کہ کیا حضرت مولانا عبدالجید صاحب پتھراپوٹی جلسہ میں تشریف لائے تھے؟ میں نے کہا، نہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ میں نے آنا نہیں تھا۔ میرے پوتھے بغیر میرا نام اشتہار میں دیا۔ اس پر حضرت مفتی صاحب نے فرمایا کہ مولانا عبدالجید صاحب تو ایسا فرما سکتے ہیں۔ ہمارے نزدیک تو حضرت مولانا خیر محمد صاحب کا وہ مقام ہے کہ ہمیں حاضر ہونے کا حکم دیں تو ہم حاضر ہو جائیں۔"

یہاں ایک بار پھر حضرت مجذوب کا یہ شعر پڑھنے کو جی چاہتا ہے۔

میں بھی اس پر مر مٹا نا صحیح تو کیا بے جا کیا
اک مجھے سودا تھا دنیا بھر تو سودائی نہ تھی

حضرت والدیو بند کی بعض وقیع آراء گرامی

حضرت والدیو بند صاحب رائے جامع شخصیت تھے کہ ہر ایک کے بارے میں ایک مستند رائے رکھتے تھے۔ ذیل میں حضرت والدیو بند آراء جنہیں جمع کرنے کی توفیق ہوگئی، پیش خدمت کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہوں۔

اپنے شیخ حضرت حکیم الامت تھانوی کے بارے میں:

تقریباً "سیرت اشرف" میں لکھتے ہیں: "اشرف الاولیاء، قطب الارشاد، شیخ المشائخ، مجدد ملت، حکیم الامت حضرت مولانا شاہ محمد اشرف علی صاحب تھانوی حنفی چشتی صابری امدادی نور اللہ مرقدہ کی حیات طیبہ علمی و عملی کمالات اور ظاہری و باطنی فیوض و برکات کی جامعیت کے اعتبار سے ایک ممتاز اور بے نظیر حیثیت رکھتی تھی۔ جن کا ہر قول و فعل انسانیت کے لئے مشعل راہ تھا، اس لئے خسرو دربار اشرفیہ حضرت خواجہ عزیز الحسن صاحب مجذوب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے۔"

۱۵۔ ان۔ پتھیر پیر۔ یہ واقعہ باب ۱۵ ارشاد افانصہ باطنی میں بھی آچکا ہے۔ لیکن یہاں دوسری مناسبت سے آیا ہے۔ اس لئے ضرور اس حکم کو برداشت کر لیا گیا ہے۔ (۱۶)

کہیں نہ پایا کہیں نہ دیکھا جمال ایسا کمال ایسا
دکھائے کوئی اگر ہو دعویٰ جمال ایسا کمال ایسا

اسی طرح ”اکمال الشیم فی اتمام النعم“ کی تقریظ میں حضرت حکیم الامتؒ کے اسم گرامی کے ساتھ
”آسان تصوف کے نیر اعظم“ تحریر فرمایا۔

عارف باللہ حضرت خواجہ عزیز الحسن صاحب مجذوب کو اپنے بزرگ کے القاب سے یاد فرمایا (البلاغ)۔ ایک بار تحریر
فرمایا: ”خواجہ صاحب موصوف فطری شاعر ہونے کے علاوہ گریجویٹ، حضرت تھانویؒ کے خلیفہ اعظم اور خادم خاص بھی
تھے۔“ (سیرت اشرف، ص ۳۲)

شیخ الاسلام حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی صاحبؒ کو ”علم کا خزانہ“ فرمایا کرتے۔

مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندیؒ کو عظیم فقیہ، عالم باعمل اور شیخ کامل فرماتے۔ اور فرماتے
اگر کسی نے عارف باللہ کو دیکھنا ہو تو وہ مولانا مفتی محمد شفیع عثمانی صاحبؒ کو دیکھے۔“
حضرت مولانا شمس الحق صاحب افغانیؒ کو شمس العلماء والفضلاء لکھتے۔

حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلویؒ کو سید المفسرین کے عنوان سے یاد کرتے۔

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں:

(نوٹ: مواید ووفیات کے موضوع پر حضرت والاؒ کی بیاض میں حضرت مولانا مدنیؒ کی وفات کا حال تحریر فرماتے ہوئے
ان کو اس طرح خراج عقیدت پیش فرمایا ہے: ”حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی رحمۃ اللہ علیہ و مورخہ ۱۲ جمادی الاولیٰ
۱۳۷۷ھ مطابق ۵ دسمبر ۱۹۵۷ء بروز پنجشنبہ بمقام دارالعلوم دیوبند رحلت فرمائے آخرت ہوئے۔ آپ علوم ظاہرہ و باطنہ
میں بہت بلند ہمت عالم و بزرگ تھے۔ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے جانشین اور خلیفہ مجاز اور قطب العالم حضرت گنگوہی
رحمۃ اللہ علیہ سے بھی اجازت یافتہ عالم باعمل تھے۔ دارالعلوم دیوبند کے جامعیت ظاہرہ و باطنہ میں آخری شیخ الحدیث تھے۔

ولادت ۱۹ شوال ۱۲۹۶ھ اللهم اغفر له مغفرة ظاهرة وباطنة“

تبلیغی جماعت کے بارے میں:

ایک بار مولانا عبدالعزیز صاحب مدظلہ نے تبلیغی جماعت کے بارے میں حضرت والاؒ کی رائے دریافت کی، تو
تحریر فرمایا: نفس تبلیغ تو متفق علیہ ہے۔ باقی طریق کار اجتہادی ہے، اس لئے اختلاف کی گنجائش ہے۔“ اسی طرح ماسٹر محبوب
عالم صاحب اکاؤنٹس مجلس صیانت المسلمین ہارون آباد نے لکھا کہ تبلیغی جماعت کے احباب چلہ وغیرہ کے لئے زور دے رہے
ہیں تو تحریر فرمایا: ”جماعت میں اتنا جاؤ کہ گھر کی جان و مال کا حرج نہ ہو۔ ان کے کہنے پر عمل نہ کرنا چاہئے، بلکہ خود بھی سوچنا

چاہئے۔“ اسی طرح ۴ جمادی الاولیٰ ۱۳۸۸ھ کو ماسٹر صاحب موصوف نے لکھا: ”تبلیغی جماعت والے کچھ احباب دین کی دعوت اور فکر کے لئے خصوصی گشت کرتے ہیں اور بعض دفعہ اکثر اس خیال سے کہ علی الصبح لوگ مل جائیں گے، یعنی کام پرنہ گئے ہوں گے، درس بھی سننا نہیں پاتے اور کہتے ہیں دین کے لئے چلنا پھرنا ملنا جلنا سب سے اونچا عمل ہے۔ کیا یہ درست ہے؟ حضرت والا کا جواب: ”یہ درست نہیں۔“

احقر مؤلف عرض کرتا ہے کہ میں جس زمانہ میں دارالعلوم الاسلامیہ ٹنڈوالہار میں افریقی طلباء کو پڑھاتا تھا ایک سفر کے دوران اپنے لئے حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ سے زبانی استرشاد کیا کہ تبلیغی جماعت کے ساتھ باہر جانا چاہئے؟ فرمایا کہ دنیا کا کام چھوڑا جاتا ہے، دین کا کام نہیں چھوڑا جاتا۔ ایک بار حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ غالباً دارالاہتمام میں تشریف رکھتے تھے۔ کسی سلسلہ گفتگو میں خیر المدارس کے مدرّسین جو تبلیغی جماعت میں جاتے تھے ان کی تحسین فرمائی کہ جمعہ کی تعطیل میں جاتے ہیں اور مدرسہ وقت پر حاضر ہو جاتے ہیں، ناعد نہیں کرتے۔

(نوٹ) تبلیغی جماعت کے بارے میں ایک معزز مہمان کی تقریر اور حضرت والا کی جوابی تقریر کا ذکر بعنوان حسن انتظام سے متعلق ایک واقعہ دوران تعلیم دیگر مشاغل دیدیہ سے یکسوئی کے زیر عنوان باب نمبر ۶ میں گزر چکا ہے۔

مجلس صیانتہ المسلمین:

حضرت حکیم الامت مولانا تھانویؒ نے مسلمانوں کی انفرادی اصلاح کے لئے ”حیات المسلمین“ تحریر فرمائی اور اجتماعی اصلاح کے لئے نظام مجلس صیانتہ المسلمین تجویز فرمایا۔ قیام پاکستان کے بعد جس کا عملی جامہ لاہور میں مخدومنا حضرت مولانا جلیل احمد صاحب علی گڑھیؒ نے مخدومنا حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب امرتسری رحمہ اللہ کی زیر سرپرستی پہنایا۔ اسی ضمن میں تعاون کے لئے مولانا ذکیل احمد شیروانی مدظلہ نے حضرت والا کو لکھا تو تحریر فرمایا:

”مجلس صیانتہ المسلمین کا سلسلہ ضرور جاری رکھیے۔ اس سے بہت سے اکابر حضرات کی روحوں کو خوشی ہوگی، ان شاء اللہ۔ بندہ بھی حاضر ہوگا، جیسے آپ حضرات حکم فرمائیں گے مگر میرے ضعف پر نظر رہے۔“ اس مکتوب سے مجلس صیانتہ المسلمین کے ساتھ حضرت والا کا قلبی تعلق اور لگاؤ کا اندازہ ہوتا ہے۔

ابوالاعلیٰ مودودی صاحب کے بارے میں:

فرمایا: ”مودودی اور اس کی قبضین کے بعض مسائل خلاف اہل سنت والجماعت کے ہیں۔ سلف صالحین کے اتباع کے منکر ہیں، اس لئے بندہ ان کو طہد سمجھتا ہے۔“ (ترجمان اسلام، ص ۱۴، لاہور، ۱۹ جنوری ۱۹۶۳ء)

۱۔ اب تو بفضل تعالیٰ پاکستان کے متعدد شہروں میں اسکی شانیں قائم ہو چکی ہیں اس کا نصاب تربیت ”اصلاحی نصاب“ بھی شائع ہو چکی ہے اللہ تعالیٰ مجلس کو مزید ترقی عطا فرمائیں (آمین)

۲۔ مسائل بالمعنی الامم یعنی بشمول اصولی مسائل عقائد وغیرہ نہ کہ محض فروعی مسائل (۱۲)

مودودی جماعت سے کلی احتراز کی تلقین:

حضرت صوفی محمد اقبال صاحب ہوشیار پوری مدظلہ العالی (خلیفہ مجاز بیعت از حضرت شیخ الحدیث) نے حضرت مولانا محمد یوسف صاحب لدھیانوی مدظلہ العالی مدیر ”بینات“ کے ایک مکتوب کو (جو انہوں نے اپنے ایک صالح عزیز کے نام بسلسلہ مودودیت تحریر فرمایا تھا) الگ بصورت رسالہ بعنوان ”تنقید اور حق تنقید“ شائع کیا ہے اور اس کے آخر میں بطور ضمیرہ تین واقعات بعنوان ”چند حقائق“ درج فرمائے ہیں۔ ان میں سے دوسرا واقعہ ہمارے حضرت والا کے متعلق ہے جو ذیل میں نقل کیا جاتا ہے:

”حضرت مولانا خیر محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ایک خلیفہ مجاز حاجی عبدالسلام صاحب ہوشیار پوری مرحوم دینی مسائل میں مودودی صاحب سے اختلاف رکھتے ہوئے پاکستان کی سیاست میں مودودی صاحب کے ہم خیال تھے۔ مگر حضرت مولانا خیر محمد صاحب جماعت سے کسی قسم کا تعلق پسند نہ فرماتے تھے۔ ایک دفعہ لائل پور کے اسٹیشن پر حاجی صاحب مرحوم حضرت مولانا کو رخصت کرنے جا رہے تھے۔ مجھے بھی زیارت کرانے ساتھ لے گئے۔ حضرت نے حاجی صاحب کو مودودی صاحب سے یکسو رہنے کی تلقین فرمائی اور آخر میں جب گاڑی چلنے لگی تو مصافحہ کرتے وقت قرآن پاک کی آیت لا تروکوا الی الذین ظلموا فتمسکم النار تلاوت فرمائی اور گاڑی چل پڑی۔ بندہ کو حضرت کی یہ آخری زیارت تھی، پھر میری حجاز مقدس کو واپسی ہو گئی اور حضرت کا وصال ہو گیا۔“

شذرات

تمتہ باب ۲: خاندانی حالات و باب ۳: وطن و طفولیت

حضرت والّا کے عم نور محمد صاحب کا چین و ولایت کا سفر:

دادا صاحب اور دادی صاحبہ کے فوت ہونے کے بعد نور محمد نے چین کا سفر اختیار کیا اور کرم الدین مرحوم نے موضع چک نمبر ۲۵۵ گ ب مدچور ضلع لائل پور تحصیل ٹوبہ ٹیک سنگھ میں مولانا مولوی غلام محمد صاحب نمبر دار مرحوم کے پاس قیام اختیار کیا، اور عرصہ پرکئی سال کاشت کا کام کرتے رہے۔ نور محمد کچھ عرصہ بعد چین سے واپس وطن آیا اور دوبارہ چین جاتے ہوئے برادر مرحوم علی محمد کو بھی ہمراہ لے گیا۔ پھر وہاں سے تنہا واپس آ کر ولایت چلا گیا اور برادر مرحوم علی محمد کو چین ہی میں چھوڑ آیا۔ برادر مرحوم موصوف کا انتقال چین ہی میں ہوا۔

نور محمد کالاکاشیر محمد اپنی طفولیت میں اپنی پھوپھی صاحبہ زبیاں کے پاس مدچور چک نمبر ۲۵۵ ضلع لائل پور میں رہا اور وہاں ہی تربیت پائی۔ جوان ہونے کے بعد عموی صاحب کرم الدین نے رحمۃ بنت موسیٰ شہر یا سکنہ عمر وال بلہ سے اس کا نکاح کر دیا۔ تقریباً نکاح سے چوتھے سال بعد اس کے گھر مورخہ ۱۵ جنوری ۱۹۳۱ء مطابق شعبان ۱۳۴۹ھ بروز پنجشنبہ کو پہلا لڑکا پیدا ہوا، جس کا نام عبدالحفیظ رکھا گیا۔ پھر ایک عرصہ بعد چک نمبر ۴۰ فتح نہر میں عموی صاحب کرم الدین نے شیر محمد کو ایک مربع سرکاری لے دیا۔ جس پر شیر محمد مرحوم کی بیوی اور دو لڑکے عبدالحفیظ اور محمد سلیم ایک مربع زمین پر قابض اور آرام کر رہے ہیں۔

عموی صاحب نور محمد:

پاکستان بننے کے بعد عموی صاحب نور محمد ولایت سے چک نمبر ۴۰ فتح میں آ گئے۔ مگر چند ایام بعد چک نمبر ۲۴ گ ب تحصیل ٹوبہ ٹیک سنگھ ضلع لائل پور میں اپنی بھانجی فاطمہ بنت زبیاں کے پاس جا کر رہے۔ اور پوتوں نے پوری توجہ نہ دی۔ پھر کافی عرصہ کے بعد تخمیناً تین سال سے یہاں ملتان شہر میں میرے پاس آئے ہوئے تھے اور یہاں ہی رہتے تھے۔ اور اچانک ۱۰ شعبان ۱۳۸۱ھ مطابق ۱۷ جنوری ۱۹۶۲ء کو فوت ہو گئے۔ ان کی موت روٹی کھا کر پانی پیتے ہوئے اچانک ملتان میں ہوئی، اِنَّا لِلّٰہ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

عموی صاحب کرم الدین:

کرم الدین کی زینہ اولاد بچپن ہی میں مع بیوی فقی فوت ہو گئی تھی۔ صرف ایک لڑکی اللہ دی تھی، جس کا نکاح تخمیناً ۱۳۲۳ھ میں احقر خیر محمد عفا اللہ عنہ سے ہوا تھا (اس کی کچھ تفصیل باب ۱۹ اہل و عیال میں آئی ہے) کرم الدین نے مدچور کا قیام چھوڑ کر عمر وال بلہ میں دکان جاری کی۔ حق تعالیٰ نے اس میں برکت کی۔ اسی اثناء میں بشمولیت برادر اکبر خود و الدم میاں الہی

بخش صاحب مختلف اوقات میں ایک کنواں کی زمین خرید کر کنواں لگوایا۔ ۱۹۲۸ء (۴۷-۱۳۳۶ھ) میں بمعیت میاں الہی بخش سابق ریاست بہاولپور میں آباد کاری پر تین مربع زمین ملی۔ ایک مربع میاں الہی بخش کے نام اور ایک شیر محمد کے نام اور ایک کرم الدین کے نام درج ہوئے۔ سب نے چک نمبر ۴۰ فتح نہر علاقہ چشتیاں میں رہائش اختیار کی۔ ۱۹۳۰ء (۳۹-۱۳۳۸ھ) میں کرم الدین نے اپنی زمین عمروال بلہ اپنی لڑکی اللہ دی کے نام ہبہ کر دی، جو اس کے انتقال کے بعد احقر کے بیٹوں لڑکوں رشید احمد، محمد شریف اور عبدالحق کے نام منتقل ہو گئی۔ پاکستان بننے کے بعد اسی کے عوض میں بستی نوضلع ملتان میں زمین ملی۔ چک نمبر ۴۰ فتح میں آنے کے بعد کرم الدین کا نکاح ایک لاوارث عورت کریم بی بی سے ہوا۔ جس سے دو اولاد ہوئیں: مختار محمد، حمیدہ۔ اللہ دی پہلے فوت ہو گئی تھی۔ کرم الدین بعد میں فوت ہوا۔ اب اس کی جائیداد کے کریم بی بی بیوہ، مختار محمد اور حمیدہ وارث ہیں۔

شذرات نمبر ۲

○ متفرق واقعات ○

ذیل میں بعض حوادث متعلقہ وفات بعض اہل خاندان اور بعض قریبی تعلق والوں کے نقش حیات سے مع عنوان کے نقل کئے جاتے ہیں۔ ان میں سے بعض متعلقہ موقع پر بھی مذکور ہو چکے ہیں۔ لیکن یہاں یکجا ہونے کی وجہ سے تکرار کو گوارا کیا گیا ہے۔

حوادث:

- (۱) پاکستان میں پہنچنے کے بعد ہی ۱۵ اکتوبر ۱۹۴۷ء بروز چہار شنبہ مطابق ۲۹ ذیقعد ۱۳۶۶ھ مسماۃ عائشہ اہلیہ محترمہ مولوی عبداللہ صاحب رائے پوری فوت ہوئی۔
 - (۲) پھر بستی نو پہنچنے کے بعد چھوٹے بچے سعید احمد اول ولد حافظ رشید احمد سلمہ، مسعود احمد ولد حافظ رشید احمد سلمہ، محمد حنیف نسیم بچے دین محمد کے فوت ہو گئے۔ مسماۃ میمونہ بنت محمد شریف سلمہ، یہ سب ۱۹۴۸ء (۶۸-۱۳۶۷ھ) میں فوت ہو گئے۔
 - (۳) ۱۹ ذیقعد ۱۳۶۷ھ مطابق ۲۴ ستمبر ۱۹۴۸ء کو دین محمد فوت ہوا۔
 - (۴) ۶ ربیع الثانی ۱۳۷۰ھ مطابق ۱۴ جنوری ۱۹۵۱ء بروز یکشنبہ مولوی فضل محمد صاحب دہ نیو کچہر دمور سندھ میں فوت ہوئے۔
 - (۵) ۶ محرم الحرام ۱۳۷۱ھ مطابق ۹ اکتوبر ۱۹۵۱ء بروز شنبہ ہمشیرہ صاحبہ زینب فوت ہوئیں۔
 - (۶) ۱۳ ذیقعد ۱۳۷۰ھ مطابق ۱۷ اگست ۱۹۵۱ء بروز جمعہ بر خورداری خدیجہ فوت ہوئی۔
 - (۷) مورخہ ۷ صفر ۱۳۷۱ھ مطابق ۸ نومبر ۱۹۵۱ء بروز پنجشنبہ زوجہ ثانیہ ام فاطمہ فوت ہوئی۔
- (اس سے قبل ۱۸ دن سول ہسپتال ملتان میں رہی۔ پھر ایک ہفتہ گھر میں رہ کر فوت ہوئی)

(۸) مورخہ ۲۸ صفر ۱۳۷۱ھ مطابق ۲۹ نومبر ۱۹۵۱ء بروز پنجشنبہ بر خورداری زبیدہ فوت ہوئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اللہم اغفر لهم مغفرة ظاهرة وباطنة وادخلهم مدخل صدق وجنة.

زمانہ جالندھر کے حوادث:

اس سے قبل جالندھر کے زمانہ میں مندرجہ ذیل حوادث پیش آئے، جن کو نقشِ حیات ہی سے نقل کیا جاتا ہے:

”جالندھر کے قیام ہی میں اموات ذیل ہیں:

(الف) مورخہ ۱۶ رجب ۱۳۶۲ھ مطابق ۲۰ جولائی ۱۹۴۳ء بوقت گیارہ بجے شب لیلة الثلاثاء قطب العالم حکیم الامت مجدد الملت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا وصال ہوا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون الخ۔

(ب) مورخہ ۷ صفر ۱۳۶۳ھ مطابق ۳ فروری ۱۹۴۳ء بوقت دس بجے لیلة الخميس کو حضرت الاستاذ المعظم مولانا محمد سلیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا بریلی میں انتقال ہوا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون اھ۔

(ج) مورخہ ۲۷ شعبان ۱۳۶۳ھ مطابق ۱۷ اگست ۱۹۴۳ء بروز پنجشنبہ حضرت خواجہ عزیز الحسن خان صاحب غوری مجذوب کا وصال ہوا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون اھ۔

(د) مورخہ ۱۹ ذیقعدہ ۱۳۶۳ھ مطابق ۶ نومبر ۱۹۴۳ء بروز دو شنبہ مولوی حافظ مقبول احمد صاحب صاحبزادہ حضرت مولانا فضل احمد صاحب رائے پوری فوت ہوئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون اھ۔

(ه) مورخہ ۲۶ ذیقعدہ ۱۳۳۸ھ مطابق ۲۶ اپریل ۱۹۳۰ء بروز شنبہ والدہ ماجدہ احقر بمقام چک نمبر ۴۰ فتح علاقہ چشتیاں فوت ہوئیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اللہم اغفر لهم مغفرة ظاهرة وباطنة.

(و) ۱۳۵۱ھ یا ۱۳۵۲ھ (۱۹۳۲ء یا ۱۹۳۳ء) میں زوجہ ام اولیٰ چک نمبر ۴۰ فتح علاقہ چشتیاں میں فوت ہوئی۔ اللہم اغفر لها.

(ز) مورخہ ۲۳ رمضان المبارک ۱۳۵۱ھ مطابق ۲۱ جنوری ۱۹۳۳ء کو والد صاحب بمقام چک نمبر ۴۰ فتح چشتیاں فوت ہوئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون اھ۔

(ح) مورخہ ۲۱ ذی الحجہ ۱۳۳۶ھ مطابق ۲۷ نومبر ۱۹۲۵ء کو چچا کرم الدین صاحب بمقام چک نمبر ۴۰ فتح علاقہ چشتیاں فوت ہوئے۔

زمانہ جالندھر کا ایک واقعہ:

مذکورہ حوادث کے علاوہ ایک عام واقعہ بھی ”نقشِ حیات“ ہی سے نقل کیا جاتا ہے:

”جالندھر کے قیام کے زمانہ ہی میں ہمارے مکان عمر وال بلہ میں مسمی سلیمان ولد اللہ سکنہ عمر وال بلہ نے

مداخلت بے جا کی۔ اس پر زیر دفعہ ۷۷، ۳۵، ۴، اکتوبر ۱۹۴۳ء (۳ شوال ۱۳۶۲ھ) کو مقدمہ دائر کیا گیا، جس کی پہلی تاریخ

۲ نومبر ۱۹۴۳ء (۴ ذی قعدہ ۱۳۶۲ھ) مقرر ہوئی تھی۔ آخری فیصلہ ۳ فروری ۱۹۴۴ء (۸ صفر ۱۳۶۳ھ) کو یہ ہوا کہ سلیمان مذکور کو ایک سال کی قید ہوئی۔“

رکنیت ڈسٹرکٹ کونسل:

حضرت والّا کی تحریر فرمودہ ایک یادداشت یہ ملی:

”ڈسٹرکٹ کونسل ملتان کی رکنیت یکم جولائی ۱۹۶۰ء، پھر سوال نامہ کے جواب کے لئے سب کمیٹی مرتب ہوئی۔ اس میں بندہ کولیا گیا۔ پھر تعلیمی سب کمیٹی بنی۔ اس میں بھی بندہ کولیا گیا۔“

شذرات نمبر ۳

○ خیر الزیارة لمدرسہ عربیہ رحیمیہ انوار الہدایہ ○

مدرسہ عربیہ رحیمیہ انوار الہدایہ، دین پور (عرف جنوا والہ) متصل بہاولنگر میں حضرت والّا کا ورود مسعود، بعض

بزرگان دین کی زیارت، بعض کے مزارات کی زیارت اور حضرت والّا کے تاثرات

(نوٹ: حضرت مولانا قاری نیاز احمد صاحب مدظلہ ناظم مدرسہ تجوید القرآن سب مسجد خیر پور نامیوالی ضلع بہاولپور (جن سے غالباً احقر مؤلف نے دریافت کیا ہوگا، جس پر انہوں نے تحریر فرمایا کہ (خیر المدارس سے) ۱۳۸۰ھ میں فارغ ہوئے اور ۱۳۸۱ھ میں تکمیل پڑھی) انہوں نے تقریباً ۱۳۹۱ھ (مطابق تقریباً ۱۹۷۱ء) میں پانچ صفحات کی ایک تحریر حضرت والّا کے بعض اسفار زیارات مدارس و علماء و صلحاء وغیرہ کے احوال میں احقر کو ارسال فرمائی تھی۔ متعدد اعذار خصوصاً خیر السوانح کی تکمیل کو بے حد تاخیر کے بعد اب جلد از جلد تکمیل کے شدید تقاضے کی وجہ سے اختصار کرتے ہوئے اس کے صرف ایک حصہ کو اور حضرت والّا کے ایک مدرسہ کے بارے میں تاثرات اور رائے مبارک کو نقل کرے پراکتفاء کیا جا رہا ہے)

”بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔ (۱۰ صفر ۱۳۸۷ھ) ایک حضرت اقدس قبلہ مہتمم صاحب مدرسہ اثر المدارس ہارون آباد ضلع بہاولنگر کے سالانہ جلسہ پر تشریف لے گئے۔ بندہ بھی دین پور شریف متصل بہاولنگر سے زیارت کے لئے حاضر ہوا۔ مدرسہ اسلامیہ انوار الہدایہ دین پور شریف (عرف جنوا والہ) متصل بہاولنگر کا سالانہ جلسہ بھی تھا۔ عرض کیا کہ حضور وہاں بھی تشریف لے چلیں، جس پر مولانا سعید احمد صاحب ڈوگوی (ضلع بہاولنگر) اور صوفی حفیظ جاندھری نعت خواں ساہیوال دونوں نے فرمایا کہ پہلے وقت لینا چاہئے تھا۔ حضرت اقدس نے مسکراتے ہوئے فرمایا کہ ان کے یہاں میں چلوں گا۔ فرمایا تم چلو اور میں بمعیت مولانا محمد یوسف (مرحوم بہاولنگری) آ جاؤں گا۔ چنانچہ آپ رات ۹ بجے میرے آنے سے قبل تشریف لے آئے۔ رات وہاں قیام فرمایا۔ صبح آیت محمد رسول اللہ والذین معہ (الآیۃ) پر آدھ پون گھنٹہ درس قرآن کریم دیا۔ کچھ دیر کے لئے حضرت صاحبزادہ حافظ عبدالرحمن صاحب جانشین حضرت قطب عالم مولانا

الحاج الشاہ اللہ بخش صاحب بہاولنگری (خلیفہ مجاز حضرت اقدس شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوری) کے پاس تشریف لے گئے اور پھر مدرسہ میں تشریف لائے۔ پنڈال کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ (رائے بک لکھی) فرمایا تمہارے لڑکوں کا امتحان لینا چاہئے تھا۔ (مگر جلسہ کی وجہ سے طلبہ کام و کاج میں مشغول تھے) حضرت بہاولنگری کے مزار مقدس پر بھی تشریف لے گئے۔ ۹ بجے کے قریب واپس بہاولنگر تشریف لے گئے۔ راستہ میں تھوڑے سے وقفہ کے لئے بندہ کے گھر بھی تشریف لے گئے۔ دین پور شریف جمعہ ہوتا ہے۔ بندہ نے دریافت کیا کہ جمعہ جائز ہے یا نہ؟ فرمایا: ابھی تک جمعہ یہاں جائز نہیں ہے۔“

حضرت والا کے تاثرات ذیل میں نقل کئے جاتے ہیں:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم و علی آلہ و صحبہ اجمعین۔ اما بعد:

حسن اتفاق سے اس علاقہ میں آنا ہوا تو زمانہ قدیم یاد آ گیا۔ جب کہ میں منڈی صادق گنج میں خدمت تعلیم ادا کرتا تھا تو اس وقت مخدوم العلماء والصلحاء حضرت مولانا اللہ بخش صاحب خلیفہ قطب الارشاد قدوة العارفین حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب رائے پوری رحمۃ اللہ علیہا کی بھی زیارت کے لئے آیا کرتا تھا۔ اور ان کے فیوض و برکات سے کچھ حصہ پاتا تھا۔ مگر انقلاب زمانہ کی وجہ سے مدت دراز تک اس علاقہ سے دور رہا۔ آج تقریباً چالیس پینتالیس سال کے بعد اتفاقاً آنا ہوا۔ جب کہ اکابر و احباب ملک جاوداں میں چل بے تھے۔ ہم بھی جانے کے لئے تیار ہیں۔ حق تعالیٰ ان مقدسین کے ساتھ ہمارا حشر کرے اور ان کا جو انصیب کرے اور جنت الفردوس ان کو اور ہمیں عطا کرے، آمین۔ اس لئے خیال آیا کہ ان حضرات کے مزاروں کی زیارت کر آئیں۔ سو مدرسہ عربیہ رحیمیہ انوار الہدایہ میں آنا ہوا۔ اور صاحبزادہ حافظ مولانا عبدالرحمن صاحب مدظلہ کی زیارت بھی کی۔ دل بے شمار خوش ہوا۔ کیونکہ ان میں اور ان کے سارے کنبہ میں نیک شعاری اور حسن اطواری پا کر پرانی جھلک محسوس کی۔ مدرسہ کی حالت، طلبہ اور مدرسین اور تعلیم دین کا انتظام اسی طرح محسوس کر کے دل میں تازگی اور خوشی محسوس کی۔ آخر میں زُعاء کرتا ہوں کہ حق تعالیٰ اہل مدرسہ کو شہر و فتن سے محفوظ رکھے اور اس میں دن دوئی رات چوگنی ترقی اور برکت دے، آمین ثم آمین۔

(دستخط حضرت مولانا)

احقر خیر محمد عفا اللہ عنہ

مہتمم مدرسہ عربی خیر المدارس ملتان

۱۱ صفر ۱۳۸۷ھ

شذرات نمبر ۴ (تمہ باب ۱۱ و باب ۲۰)

میانی افغاناں کی جامع مسجد میں حضرت والا کا بیان اور آپ کے بعض اخلاق حضرت حاجی محمد شریف صاحب کی کتاب مکتوبات و ملفوظات اشرفیہ (پانچواں ایڈیشن) کے باب سوم سے حضرت حکیم الامت کی کرامات معنویہ کے زیر عنوان واقعہ نمبر ۳ ذیل میں نقل کیا جاتا ہے۔ اس کے اخیر میں ہمارے حضرت والا کی ایک تقریر کا ذکر ہے (اور اس اعتبار سے یہ باب ۱۱ مواظ حسنہ کا تمہ ہے) اور اس تقریر اور متعلقہ واقعہ سے حضرت والا کے بعض اوصاف مثلاً غفور و درگزر، صاف گوئی اور بلاغت، سیر چشمی اور استغناء، زہد و قناعت اور تقویٰ و طہارت پر روشنی پڑتی ہے۔ (اس لحاظ سے یہ باب ۲۰ اخلاق و عادات (خیر الشمائل والنخائل کا تمہ ہے) حضرت حاجی محمد شریف صاحب رحمۃ اللہ علیہ (خلیفہ مجاز بیعت حضرت حکیم الامت) کے الفاظ میں واقعہ درج ذیل ہے:

”مروجہ رسوم میں عدم شرکت کے باعث بعض حضرات ہم سے خوش نہ تھے۔ ایک روز چھٹی ملنے پر سکول سے ہم فرار ہوئے تھے، بازار میں جگہ جگہ بڑے بڑے پوسٹر چسپاں دیکھے، جس میں حضرات دیوبند بالخصوص حضرت سید اسماعیل نقیہ اور حضرت تھانوی پر کفر کے فتوے تھے۔ سارے شہر میں ایک آگ سی لگ گئی۔ مخالفین نے ایک بڑے جلسے کا انتظام کیا جس میں معلوم ہوا کہ آنے والے حضرات و اعظمتین کے قیام و طعام کا انتظام قصبہ کے رئیس اعظم میاں محمد کرار خاں نے اپنے ذمہ لیا ہے۔ میاں محمد کرار خاں ہمارے حضرت والا کے محبت اور معتقد تھے۔ مجھے اور حاجی شیر محمد صاحب کو تعجب گزرا۔ ہم پہنچ گئے، میاں صاحب نے فرمایا:

میں نے قصد ایسا کیا ہے۔ ان مولویوں کو تقریر سے پہلے میں ہی سنبھال لوں گا۔ شر پھیلانے کی ان میں ہمت نہ ہوگی، آپ بے فکر رہیں۔

ابھی ہم بیٹھے تھے کہ جلسہ کے چند منتظمین بھی آگئے اور کہا میاں صاحب! سب کچھ آپ ہی کو کرنا ہے۔ میاں صاحب نے فرمایا: سب کچھ کروں گا، انہیں کوئی تکلیف ہی نہ ہونے دوں گا۔ لیکن ایک بات سن لو، اشرف علی کی مخالفت کا انجام اچھا نہ ہوگا۔“

جلسہ کا دن آ گیا۔ اللہ تعالیٰ کی عجیب شان دیکھی۔ طوفان باد و باراں نے ان کے خیمے اور دیگر انتظامات درہم برہم کر دیئے۔ کئی اصحاب تو پہنچ ہی نہ سکے۔ ایک مولوی صاحب جالندھر سے آگئے۔ بارش لگا تار ہوتی رہی۔ بلا تقریر واپس چلے۔ لاہور کے ایک بڑے مولوی صاحب نے خرچ اتنا زیادہ طلب کیا کہ منتظمین دے نہ سکے۔ ایک پیر صاحب جو راگ نئے تھے جو میانی افغاناں کے ایک قریبی گاؤں غلڑیاں سے کچھ سال پہلے ذلیل و خوار ہو کر نکلے تھے، پہنچ گئے۔ ان کی ذلت کا نمونہ ہوا تھا کہ ان کے ایک مرید کی ہمشیرہ بہت حسین تھی۔ مرید کو کہا کہ اپنی بہن سے نکاح کرادو۔ وہ کسی بہانے سے دروغا کر

لے آیا۔ رات کو نکاح کیا۔ لڑکی کے گاؤں والوں کو اس فریب کا پتہ چل گیا۔ لالٹھیاں لے کر پہنچ گئے۔ صبح لالٹھیوں کے سایہ میں پیر صاحب نے طلاق دی اور کئی سال روپوش رہے۔ کسی کو اپنا منہ تک نہ دکھا سکے۔

خیر یہ میانی افغاناں پہنچ گئے۔ ان کے ساتھ ان کے دو بیٹے تھے جو پہلے مدرسہ خیر المدارس جالندھر میں پڑھتے تھے۔ پھر مدرسہ چھوڑ کر چلے گئے تھے۔ پیر صاحب اور ان کے صاحبزادے خیر المدارس کے بھگوڑے جامع مسجد میں پہنچ گئے۔ بڑے لڑکے نے تقریر میں کوئی نامناسب بات نہیں کی۔ چھوٹا فارسی میں ایک فقرہ کہہ گیا کہ ان (دیوبندیوں) کے پیچھے نماز نہیں ہوتی۔ اب پیر صاحب کھڑے ہوئے تو صرف اتنا ارشاد فرما کر بیٹھ گئے کہ میں تقریر رات کو کروں گا اور نور کا مطلب سمجھاؤں گا۔ رات چار پائی پر بیٹھ کر تقریر فرمائی۔ عشاء کی نماز نہیں پڑھی اور تقریر میں ایک فقرہ یہ کہہ گئے کہ اگر یہ دونوں (احقر اور حاجی شیر محمد صاحب) تمہاری مجلسوں میں آئیں تو ان کو جو تے مار کر نکال دو۔ صبح منتظمین نے غالباً چھیا سٹھ روپے پیش کئے تو یہ کہہ کر لے لئے کہ اتنے روپوں پر تو میں پیشاب بھی نہیں کرتا۔ اگر مجھے معلوم ہوتا کہ اتنے روپے ملیں گے تو ہم نہ آتے۔

قصبہ میں ان باتوں کا چرچا ہوا۔ ان کے معتقدین ہی باتیں کرتے پھرتے تھے اور گھر گھر پیر صاحب اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے مریدین کے اخلاق اور دین داری کا موازنہ ہو رہا تھا۔ کچھ روز بعد اسی جامع مسجد میں حضرت مولانا خیر محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ تقریر فرما رہے تھے۔ مولانا نے فرمایا جتنی گالیاں فلاں پیر صاحب اور ان کے بیٹوں نے ہمارے حضرات کو یا ہمیں آج تک دیں یا آج کل دے رہے ہیں یا اپنی زندگی تک آئندہ دیں گے، سب معاف اور فرمایا: اے اللہ! ہماری وجہ سے ان پر مواخذہ نہ کچھو۔ اگر کسی کو ہماری وجہ سے سزا بھی ہوگئی تو ہمیں کیا ملا؟ لیکن حضرات اتنی بات تو آپ مجھے بتادیں کیا غلزیوں والا واقعہ وہ بھول گئے؟ پیر صاحب نے سالہا سال منہ کیوں چھپائے رکھا۔ کیا ہمیں گالیاں دینے کی وجہ سے وہ آپ کے محبوب اور بزرگ بن گئے۔ دوستو! عقلموں کو کیا ہو گیا ہے۔ اس کا بھی تو کچھ جواب دیجئے۔ مسجد میں سنا تھا۔ مولانا کی روانگی کے وقت غالباً پچیس روپے مولانا مرحوم کی خدمت میں پیش کئے گئے۔ مولانا مرحوم نے فرمایا: ”آٹھ آنے آتے ہوئے ریل کا کرایہ لگا، آٹھ آنے واپسی پر لگے گا۔“ ایک روپیہ اٹھایا اور فرمایا: ”میں نے اپنا حق لے لیا۔“ قصبہ میں پیر صاحب اور مولانا موصوف کے اخلاق اور دینداری کا جگہ جگہ موازنہ اور تقابل ہو رہا تھا۔“

خدمات سیاست اسلامیہ تابع شریعت مقدسہ

(یعنی مساعی قیام نظام اسلام و (۲) وحدت یا اتحاد جمعیت علماء اسلام، اور (۳) تائید پاکستان)

تمہید

اسلام میں سیاست:

اسلام زندگی کے ہر شعبہ میں ہدایات دیتا ہے۔ پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ سیاست اسلام سے خارج ہو۔ لیکن یہ بات شرح طلب ہے اور ایسی ہی ہے جیسے مثلاً کہا جائے کہ کتاب و سنت شریعت کے ابتدائی لازمی ماخذ ہیں، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ جو بھی روایت خواہ اس کو غیر ثقہ ہی بیان کرے اور خواہ وہ موضوع ہی ہو وہ بھی شریعت کا ماخذ ہے۔ یا جیسے اسلام میں تصوف ہے یا نہیں؟ تو جو صحیح تصوف کتاب و سنت سے ثابت ہے یعنی تصحیح نیت، اصلاح باطن، کثرت ذکر اور صفت احسان کو حاصل کرنا بذریعہ اس کے وسائل کے تو بے شک یہ وہ تصوف ہے جو اسلام میں ہے، لیکن یا تو بہت سے زوائد بلکہ خلاف شریعت اسلامیہ جن خرافات کا نام درحقیقت جہلاء نام نہاد صوفیہ نے تصوف رکھ دیا ہے، یا اعداء اسلام و مسلمین نے صوفیہ کی بعض شرح طلب مشکل اصطلاحات کو غلط معانی پہنا کر اور تحریف کر کے تصوف کو کفریہ عقائد سے مرکب ظاہر کیا ہے۔ بلکہ خود اپنے کفریہ عقائد پر پردہ ڈالنے کے لئے صوفیاء کرام کے کلام سے تلبیس و دسیسہ کاری کر کے کفریہ عقائد نکالنے کی مذموم سعی کی ہے۔ اس مصنوعی ”تصوف“ کا اسلام سے کوئی تعلق ہی نہیں۔

افادات حضرت والا:

اسی طرح احقر مؤلف کو ابتداء میں یہ غلط فہمی تھی کہ سیاست تو دین کا جز ہے۔ پھر اکابر علماء دین اور صلحاء کا بڑا طبقہ موجودہ سیاسیات سے کیوں بڑے حد تک یکسو ہے۔ یا کم از کم ایسی گرمجوشی نہیں دکھا رہا جیسا کہ اس زمانہ کے سیاسیات دان دکھا رہے ہیں؟ یہ سوال دل میں پوشیدہ تھا اور شیخ کی خدمت میں سوال و جواب اور چون و چرا طریق اصلاح میں مانع ہے۔ اور خلاف معمول ہے۔ لیکن ع اے لقاے تو جواب ہر سوال

ایک بار حضرت والا نے احقر کی موجودگی میں خود ہی کسی صاحب سے فرمایا کہ ”اسلام میں سیاست ہے، لیکن یہ (مغربی اور مروج) سیاست نہیں۔“ تقریباً ایسے ہی الفاظ تھے یا مفہوم یہی تھا۔ اس مختصر اور پُر مغز بات کو سن کر احقر کے بڑوں سے کھٹکے والے سوال کا جواب مل گیا اور یہ عقدہ ہی حل ہو گیا۔

سیاست اسلام:

سیاست اسلام کی ایک مثال حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے خوب دی ہے کہ اگر مسلمان مجاہد کسی حربی کانز سے دست بدست لڑ رہا ہے اور کافر مغلوب ہو کر قتل ہوا چاہتا ہے، اس حالت میں سر پر تلوار دیکھ کر بظاہر جان بچانے کے

لئے کلمہ پڑھ لے تو اسلامی سیاست کا لازمی تقاضا ہے کہ مسلمان مجاہد اسی وقت ہاتھ روک لے۔ اس کو یہ کہنے کا ہرگز حق نہیں کہ تو نے قتل سے بچنے کے لئے کلمہ پڑھا ہے اور تو مسلمان نہیں۔ ورنہ اس پر حضور ﷺ کا زبرد عتاب منقول ہی ہے، کہ ”ہلا شققت قلبہ؟“ (او کما قال ﷺ) حالانکہ اس کو محض کلمہ پڑھتے سن کر چھوڑ دینا دنیوی اور مغربی سیاست کے تو بالکل خلاف ہے۔

افادات حضرت مسیح الامت:

جب احقر مؤلف کے دل میں مغربی سیاست اور اس کا بالکلیہ خلاف دین ہونا اور اس کے مسلمانوں کے حق میں بدترین نتائج دیکھتے دیکھتے سیاست سے شدید نفرت پیدا ہو گئی تو ایک اور واقعہ پیش آیا۔

ایک بار جدہ سے مکہ معظمہ جاتے ہوئے ایک قاری صاحب ساتھ تھے جو سیاست کے ولدا تھے۔ راستے میں سیاست پر گفتگو ہوئی۔ حرم شریف پہنچے تو وہاں سیدی الامتہ حضرت مولانا شاہ محمد مسیح اللہ صاحب نور اللہ مرقدہ کی زیارت ہوئی۔ اب یہ یاد نہیں کہ کچھ سوال کیا تھا یا حضرت نے بغیر سوال ہی فرمایا، کیونکہ وہاں بھی یہی بات تھی کہ

ع اے لقاے تو جواب ہر سوال

(اور اس میں کچھ تعجب نہیں، گو ہمارے بزرگوں کو عموماً کشف نہیں ہوتا۔ وہ خود اس کا انکار فرماتے ہیں۔ البتہ یہ القاء یا الہام ہے کہ طالبین کی ہدایت و رہنمائی کے لئے منجانب اللہ تعالیٰ قلب میں ایسے علوم ڈالے جاتے ہیں جو ان کے لئے مفید ہوں اور ان کے سوالات کا جواب من جانب اللہ القاء ہوتا ہے۔ اور حضرت مسیح الامت کے ملفوظات میں بھی یہ بکثرت پایا جاتا تھا کہ حاضرین کے سوالات کا جواب بغیر پوچھے مل جاتا تھا) حضرت مسیح الامت نے فرمایا: ”وہ دین مکمل نہیں جس میں سیاست نہ ہو اور وہ سیاست نہیں جو شریعت کے تابع نہ ہو۔“ یا اس کے قریب قریب الفاظ تھے۔ بس یہ بھی وہی بات ہوئی جو فقیہ الامت خیر العلماء ہمارے حضرت والا نے ارشاد فرمایا تھا کہ ”اسلام میں سیاست ہے، لیکن یہ سیاست نہیں۔“

امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کا واقعہ:

سیاست اسلام کی ایک اور مثال خلیفہ راشد امیر المؤمنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ ورضی اللہ تعالیٰ عنہ کا واقعہ ہے کہ کسی موقع پر ایک حربی کافر کو قتل کرنے کے لئے اس کے سینہ پر سوار تھے کہ اس نے آپ کے چہرہ مبارک پر تھوک دیا۔ جس پر حضرت علی نے اس کافر کو چھوڑ دیا۔ وہ بڑا حیران ہوا کہ اب تو غصہ میں اور بھی جلدی قتل کرتے، یہ کیا ہوا۔ دریافت کرنے پر حضرت علی نے فرمایا کہ ہم جہاد اللہ کے لئے کرتے ہیں۔ جب تو نے تھوک دیا تو اب تجھ کو قتل کرنا نفس کے لئے ہوتا، اس لئے چھوڑ دیا۔

نتیجہ:

اس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ اصل بنیادی کام تصحیح نیت، تربیت باطن، للہیت و اخلاص اور اصلاح نفس ہے۔ قتال و جہاد جب ہی فی سبیل اللہ ہو سکتا ہے کہ تربیت باطن ہوئی ہو، یعنی سلوک طے کیا ہو۔ ماضی قریب میں اس کی مثال حضرت

مانظ ضامن شہید رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے سلسلہ کے بزرگوں کا جہاد میں حصہ لینا اور ان سے قبل حضرت مولانا شاہ محمد اسماعیل دہلوی شہید رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے مرشد حضرت سید احمد بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا جہاد میں حصہ لینا ہے۔

اصلاح اُمت یا صرف اصلاح حکومت؟

باب نہم ”خیر المدارس ملتان“ میں ایک مختصر مگر نہایت اہم اور مفید مضمون مندرجہ ذیل عنوان کے تحت گزر چکا ہے: ”اصلاح اُمت کے لئے فریضہ اصلاح و تزکیہ اور تعلیم و تبلیغ یا صرف حکومت کی اصلاح۔ کیا زیادہ اہم اور ضروری ہے؟ ایک غلط فہمی کا ازالہ اور اس کی اصلاح۔“

(۱) جائز اور شریعت اسلامیہ کے پوری طرح قدم بقدم تابع رہ کر بھی سیاست اور سیاسی اصلاح میں حصہ لینے۔ اور

(۲) اُمت کی انفرادی و اجتماعی اصلاح بذریعہ درس و تدریس اور تعلیم، تزکیہ و اصلاح نفس اور تبلیغ و دعوت۔

ان دونوں کاموں میں سے اہمیت کے لحاظ سے تربیت کیا ہونی چاہئے؟ اس کا محققانہ، واضح اور حتمی جواب اس میں دیا گیا ہے۔ اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ بجائے اس کے کہ اس کو یہاں مکرر لکھا جائے، وہاں دوبارہ ملاحظہ فرمایا جائے۔

عبادات اور سیاسی خدمات:

جب صرف حکومت کی اصلاح کے مقابلہ میں تعلیم و تبلیغ اور اصلاح و تزکیہ کی اہمیت زیادہ ہونا معلوم ہو گئی تو یہ بھی معلوم ہونا چاہئے کہ جب تک تعلق باللہ قوی نہ ہو اور اپنی اصلاح کسی درجہ میں نہ کرائی گئی ہو، اس وقت تک خدمت خلق، اصلاح اُمت، تزکیہ تعلیم اور دعوت و تبلیغ کا کام بھی صحیح طور پر نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ اپنی اصلاح نفس فرض عین ہے اور بقدر ضرورت علم دین حاصل کرنا بھی فرض عین ہے۔ اس پر سب سے پہلے توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ بلکہ عالم باعمل اور سلوک میں منتہی کو بھی کسی حالت پر پہنچ کر کسی قسم کی عبادت میں کمی نہ آنے دینا چاہئے۔ یہ بات ذیل کے واقعہ سے بخوبی واضح ہو سکتی ہے کہ حضرت والا کے نزدیک اپنی عبادت کی اہمیت سیاسی خدمات کے مقابلہ میں کتنی زیادہ ہے۔

اختر مؤلف کے سامنے کا واقعہ ہے کہ کسی ایکشن میں حضرت مولانا مفتی محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ حصہ لینے والے تھے اور حضرت والا کو اطلاع ملی کہ ایکشن رمضان شریف کے بعد ہونے والا ہے۔ تو حضرت والا نے چند بار افسوس کے ساتھ فرمایا کہ افسوس رمضان شریف خراب ہو جائے گا۔ یعنی ایکشن کی تیاری میں رمضان شریف میں جو عبادت ہونا متوقع ہوتی ہے وہ نہ ہو سکے گی۔ اگر ایکشن میں علماء کا حصہ لینا حضرت والا کے نزدیک جہاد ہوتا تو یہ نہ فرماتے۔ کیونکہ جہاد فی سبیل اللہ کی تیاری تو خود عبادت ہے۔

نوٹ: حضرت مجدد تھانوی، حضرت والا اور حضرت مسیح الامتہ رحمۃ اللہ علیہم کے مندرجہ بالا افادات سے سیاست اسلام کی بقدر ضرورت کافی وضاحت ہو گئی ہے۔ لیکن ذیل میں مزید کچھ افادات مندرجہ مولانا سید سلیمان ندوی اور مندرجہ مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی رحمہما اللہ تعالیٰ کے پیش کئے جاتے ہیں، جن سے ایک مبتدی کو مزید تفصیلی طور پر سیاست اسلام سے اور دورِ حاضر کے بعض فتن کی بنیادی اور اصولی خرابیوں سے آگاہی ہو جائے گی۔

مسلم یونیورسٹی علی گڑھ (ہند) میں

مخدومنا حضرت مولانا سید سلیمان ندوی کا ورود مسعود

احقر مؤلف ۱۹۳۳ء تا ۱۹۴۷ء مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کا طالب علم رہا، اسی دوران میں (شاید ۱۹۳۳ء اور ۱۹۳۶ء کے درمیان) مخدومنا حضرت مولانا سید سلیمان ندوی نور اللہ مرقدہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں تشریف لائے، یونیورسٹی میں جو سڑک پروفیسر ابو بکر احمد حلیم صاحب (جو اس وقت پرووائس چانسلر تھے) کی کونٹھی کے پاس سے گزرتی تھی اس پر حضرت سید صاحب کے ہمراہ پیدل چلنا یاد ہے۔ اور یہ بھی یاد ہے کہ حضرت سید صاحب ہر ایک دو قدم چلنے پر اللہ اکبر کہتے تھے۔ بہر حال احقر راستہ ہی میں بہت سے سوالات کرتا رہا اور جواب ملتے رہے۔ ان میں سے ایک سوال ابوالاعلیٰ مودودی صاحب کے بارے میں بھی تھا، ان کی تالیفات میں جو باتیں خلاف عقائد اہل سنت والجماعت بعد میں معلوم ہوئیں، اس وقت ان میں سے بعض تو تحریر ہی میں نہ آئی تھیں یا بعض مشہور نہیں ہوئی تھیں۔ احقر اس وقت علم دین سے تقریباً کوراہی تھا۔ بہر حال ان کی تحریرات کے مطالعہ سے کھٹک ضرور پیدا ہوتی رہتی تھی۔ جو سوالات کئے ہوں گے وہ تو یاد نہیں، لیکن حضرت سید صاحب کے جوابات لوح قلب پر پتھر کی لکیر کی طرح مرتسم ہو گئے، اور اب تک خوب یاد ہیں۔ حضرت سید صاحب کے جوابات ایسے نہیں تھے جن سے ناواقف و جاہل چونک جائے۔ بلکہ ایسے نرم انداز میں تھے جن سے حقیقت بھی واضح ہو جائے اور چونکنے کی نوبت بھی نہ آئے۔ اور جیسا کہ عرض کیا، خلاف اہل سنت والجماعت عقائد کا اس وقت کچھ خیال ہی نہ تھا۔ نہ جواب میں اس طرف اشارہ تھا۔ بلکہ ایسے جوابات تھے جو دین سے ناواقف جدید تعلیم کے ایک طالب علم کی سمجھ میں بھی آجائیں۔ اور ٹھوس متن تھے جن کی شرح خاصی طویل ہو سکتی ہے، لیکن صرف اشارہ کرنے پر اکتفاء کیا جاتا ہے۔ انہوں نے فرمایا:

- (۱) ”پہلا قدم ہے“ انگریزی تعلیم کے ماحول میں الحاد و زندقہ، نیچریت و مرزائیت اور شیعیت (رفض) اور شیوعیت (کیونزم) وغیرہ کے درمیان ”پہلا قدم“ کہنے سے اس کی تصحیح ہرگز مقصود نہیں، بلکہ یہ مقصود ہے کہ ابھی آگے بھی نظر ڈالو۔ ایک ناواقف کے لئے ایسے نرم انداز میں دعوت فکری دینا بڑے محقق کا کام ہے۔ اس کے معنی یہ بھی سمجھ میں آسکتے ہیں کہ ظلمات کے اندر ”اشد“ سے ”شدید“ کی طرف پہلا قدم ہے۔ رفتہ رفتہ قدم بڑھانے سے ظلمات سے نکلنے کا راستہ مل سکتا ہے۔ نیز فرمایا:
- (۲) ”پانچویں امامت ہے“ اس کا مطلب تو واضح ہی ہے۔ بزبان حال ادعائے امامت، غیر مقلدیت، خود رائی اور اتباع سے فرار، بلکہ اہل سنت والجماعت سے خروج وغیرہ کی قباحتوں کی طرف۔ بخوبی اشارہ ہو گیا۔ نیز فرمایا:

- (۳) ”صحابہ کرام نے پہلے اپنے جسموں پر اسلام کو نافذ فرمایا تھا، پھر زمین پر نافذ فرمایا۔“ یہ جملہ روایت باللفظ و بالمعنی سے مرکب ہے۔ شاید کوئی لفظ اول بدل ہو گیا ہو۔ جتنا زمانہ گزرتا گیا، اس جملہ کی قدر دل میں بڑھتی چلی گئی اور نہ صرف ابوالاعلیٰ مودودی صاحب کی کتابوں کے مطالعہ سے جو ذہنی الجھنیں پیدا ہو گئی تھیں وہ بنیادی طور پر تقریباً سلجھ گئیں اور اللہ تعالیٰ

نے بالآخر ان الجھانے والے فتن اور ضلالتوں سے حفاظت فرمائی بلکہ آئندہ چل کر پاکستان میں پیش آنے والی سیاست کی قیادت بھی خوب واضح ہو گئی، والحمد لله على ذلك.

مخدومنا حضرت سید صاحب نور اللہ مرقدہ کے مندرجہ بالا افادات سے راستہ میں چلتے چلتے استفادہ ہوا۔ پھر حضرت سید صاحب کے ساتھ چلتے چلتے پروفیسر رشید احمد صدیقی صاحب (جو اس وقت یونیورسٹی میں صدر شعبہ اُردو تھے) کی رہائش گاہ پر پہنچے۔ وہاں پہنچ کر بھی احقر کے سوالات اور حضرت سید صاحب کے افادات کا سلسلہ جاری رہا۔ یہاں تک کہ حضرت سید صاحب اسی شفقت و عنایت اور اہتمام سے اس جاہل کی علمی پیاس بجھاتے رہے۔ یہاں تک کہ احقر زخصت ہوا تو حضرت نے کھانے پر تشریف لے گئے۔ اللہ تعالیٰ حضرت سید صاحب کو اپنے قرب و رضا کے درجات میں لمحہ بہ لمحہ بے انتہا زیاں عطا فرمائے، اللہم ارحمہ رحمة واسعة و ادخلہ جنت النعیم، آمین ثم آمین۔

پاکستان بننے کے بعد احقر کے کراچی آنے پر جب حضرت سید صاحب بھی کراچی تشریف لے آئے تو کئی بار ماضی خدمت ہوا۔ چند بیانات بھی سنے۔ غرضیکہ بارہا زیارت نصیب ہوئی۔ ایک بار کئی مسجد میں زیارت یاد ہے۔ ایک بار کسی اور مسجد میں تبلیغی جماعت کے اجتماع میں بیان سنا۔ ایک دفعہ سیرت کے کسی جلسہ میں پہلے مولانا احتشام الحق صاحب تھانویؒ کا، پھر حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندیؒ کا، پھر حضرت سید صاحب کا بیان ہوا۔ سیرت کے جلسوں میں ایک بار کراچی ایئر پورٹ کے علاقہ میں اور ایک بار اُردو کالج میں سیرت کا بیان سنا۔ سرکاری ملازمین کے کوارٹروں کے درمیان جمشید روڈ کلفٹن روڈ کے قریب غالباً جامع سلیمانہ میں حضرت سید صاحب کا درس قرآن ہوا کرتا تھا۔ ایک بار اس درس میں بھی شریک ہوا۔ ایک جملہ یاد پڑتا ہے جس کا مفہوم ایسا تھا کہ لیاقت علی (وزیر اعظم) کو تو ٹھیک ہونا چاہئے ہی، لیکن اے کلر کو! تمہیں بھی تو ٹھیک ہونے کی ضرورت ہے۔ یعنی بس حکومت میں وزیر اعظم اور وزراء وغیرہ درست ہو جائیں، یہی کافی نہیں، بلکہ حکومت کے پورے عملہ کی اصلاح بھی تو ضروری ہے۔ چونکہ مخاطب اکثر سرکاری ملازمین تھے، اس لئے یہ فرمایا، ورنہ یہ فرماتے کہ عامۃ المسلمین کی اصلاح بھی تو ضروری ہے۔ اور یہ وہی بات ہے جیسا کہ حضرت والا کے ارشاد میں گزرا کہ حکومت کی مشینری درست کرنے کی سعی سے میسوں گنازائد خود اپنی اصلاح اور دعوت و تبلیغ اور عوام کی اصلاح کے لئے سعی کی ضرورت ہے۔

مخدومنا حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک بیان اور مودودیت کی غلطی واضح ہونا:

پھر ایک مدت دراز گزرنے کے بعد مخدومنا حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب نور اللہ مرقدہ کا ایک بیان مدرسہ نیر المدارس کے سالانہ اجتماع کے موقع پر سنا۔ اس وقت احقر کا تعلق حضرت والا سے ہو چکا تھا۔ لیکن ابھی ابتدائی دور تھا۔

خدمت اقدس میں اس وقت تک کم ہی رہنا ہوا تھا اور ابھی دینی تعلیم کی ضرورت بھی باقی تھی۔ اسی لئے مودودی صاحب اور ان کی جماعت کی بظاہر اسلامی نظام کے لئے سعی کو نظرِ استحسان سے دیکھتا تھا۔ اس وقت تک مودودیت کی ایک بنیادی غلطی واضح نہیں ہوئی تھی جو حضرت مفتی صاحب کے بیان سے واضح ہوگئی۔ حضرت مفتی صاحب کا بیان اس موضوع پر تھا کہ لوگ ”رجال“ کے اتباع کے بارے میں افراط و تفریط میں مبتلا ہیں (افراط کا مصداق تو اس زمانہ کے مبتدعین بریلوی وغیرہ جو صرف ”رجال“ کی طرف منسوب روایات و حکایات کو دین کی بنیاد بنائے بیٹھے ہیں اور تفریط میں مبتلا دوسری قسم کے مبتدعین اور غلو میں مبتلا یعنی غیر مقلدین اور مودودی صاحب اور ان کی جماعت والے ہیں جو اتباعِ سلف اور مفسرین، شارحین حدیث اور حضرات فقہاء کرام کے اتباع سے آنکھیں بند کر کے خود اپنی رائے سے کتاب و سنت کو جیسا سمجھیں اس اپنی رائے سے تفسیر اور اپنے سمجھے ہوئے معانی حدیث ہی کو اصل کتاب اور اصل سنت سمجھتے ہیں اور ائمہ امت نے جو تفسیر بیان فرمائی یا حدیث کے معانی سمجھے ان کو کتاب و سنت کے خلاف ان کی رائے کہتے ہیں۔ پھر عوام غیر مقلدین اپنے آباء و اکاہر کی ”تقلید“ میں جو کتاب و سنت سے سلف صالحین کے خلاف خود سمجھتے ہیں وہ چاہتے ہیں کہ کتاب و سنت کو سلف صالحین ائمہ دین نے اپنے راسخ علم، خداداد فہم اور تفقہ فی الدین سے تقویٰ و طہارت کے اعلیٰ معیار پر ہوتے ہوئے جو سمجھا ہے ائمہ کے مقلدین ان کی تقلید ترک کر کے خود ان غیر مقلدوں کی اندھی تقلید کریں، جیسا کہ وہ خود کر رہے ہیں۔ اگر عقل سلیم، فہم صحیح اور عصیت و ضد کو ترک کر کے غور کیا جائے اور اللہ رب العزت کی بارگاہ میں گڑگڑا کر ہدایت کی دعاء کی جائے تو بعد تحقیق و رجوع الی اللہ تو خیر القرون کے ائمہ سلف کی تقلید ہی کتاب و سنت پر عمل کا بہترین طریقہ سمجھ میں آئے گا۔ وباللہ التوفیق وهو المستعان (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو حضرت والا کی تالیف لطیف ”خیر التقید فی سیر التقلید“ جس کے آخر میں حضرت خلیم الامت تھانویؒ کی ایک قابل دید تحریر ”الکلام فی التزام التقلید“ بھی ہے)

آدم برسرِ مطلب:

اب اس تمہید کے بعد عرض ہے کہ حضرت والا کا اصل کام تو سنت نبویہ (علیہ اہلہا آلاف الوف سلام و صلوٰۃ و تحیۃ) کے مطابق تعلیم کتاب و سنت، تزکیہ نفوس اور دعوت و تبلیغ دین کا کام تھا۔ چنانچہ پاکستان ہجرت فرمانے کے بعد سب سے پہلا اور اہم ترین کام مدرسہ خیر المدارس کی نشاۃ ثانیہ کا کام تھا۔ اور گوفانقاہ کا نام استعمال نہیں فرمایا، لیکن مدرسہ ہی میں خانقاہ کا کام بھی ہوتا تھا، یعنی تزکیہ نفوس۔

مندرجہ بالا اہم ترین دینی کام کی بنیاد پڑنے اور کام جاری ہونے کے بعد وہ سیاست جو شریعت مقدسہ و مطہرہ کے تابع اور اس کی خادم ہے، اس کی طرف بھی توجہ فرمائی، اور اس میں اہم ترین خدمات انجام دیں، جن کا تذکرہ ذیل میں آ رہا ہے۔ مثلاً پاکستان میں جمعیت علماء اسلام کی تشکیل نو، وحدت جمعیت علماء اسلام اور قیام نظام اسلام کے لئے مساعی (حضرت والا کا نہایت درجہ اخلاص و للہیت اور بے نفسی ہی اس کا سبب ہو سکتی ہے کہ ان مساعی کو حضرت والا نے بجائے

خدمات کے "اسفارِ مہم" کے پردہ میں بیان فرما دیا ہے، تاکہ بطور "خدمات" کے اظہار بھی نہ ہو اور تاریخی واقعات بھی محفوظ ہو جائیں) اس کے علاوہ محترم ماسٹر اقبال قریشی صاحب نے حمایت تحریک پاکستان وغیرہ کے عنوانات کے تحت جو تحریر فرمایا ہے اس کو لیا جا رہا ہے اور ان کے علاوہ بھی بعض مضامین آرہے ہیں جو احقر مؤلف نے لئے ہیں۔

اب سب سے پہلے جمعیت علماء اسلام کی تشکیل نو کے بارے میں حضرت والا کے ایک قدیم تلمیذ ہمارے ایک بزرگ حضرت مولانا قاضی عبدالکریم صاحب مدظلہ العالی (مہتمم مدرسہ نجم المدارس کلاچی) نے جو معلومات سے بھرپور تحریر ارسال فرمائی، اس کو بغیر یسر یہاں دیا جاتا ہے۔ وہ تحریر فرماتے ہیں:

پاکستان میں جمعیت علماء اسلام کی تشکیل نو سے حضرت الاستاذ مولانا خیر محمد کا تعلق:

"جہاں تک احقر کو یاد ہے پاکستان میں جمعیت علماء اسلام کی تشکیل نو کا کام ۱۹۵۳ء سے پہلے ہوا تھا۔ ملتان مسجد مراہاں (یا مسجد مولانا خدا بخش صاحب ملتانی "متوسل خاص حضرت مدنی") میں اجلاس ہوا۔ حضرت خیر العلماء کی ہی غالباً صدارت تھی۔ مولانا احتشام الحق صاحب تھانوی نے حضرت مدنی قدس سرہ کے متعلقین کو دعوت دی کہ اب مسئلہ نظام اسلام نافذ کرانے کا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس میں اختلاف نہیں ہو سکتا۔ اس لئے اب مل کر کام کریں۔ حضرت مولانا محمد علی صاحب باندھڑی نے اس کا مثبت جواب دیا۔ طے پایا کہ کل خیر المدارس میں بعد المغرب میٹنگ ہوگی اور بعد العشاء جلسہ عام۔ یہ میٹنگ حضرت اقدس مولانا خیر محمد صاحب کی زیر صدارت ہوئی۔ کچھ بحث کے بعد کچھ تلخی سی بھی ہو گئی، لیکن بعد نماز عشاء لاؤڈ سپیکر پر اعلان ہوا کہ نماز سے فارغ ہو کر قاضی عبدالکریم، قاضی عبداللطیف صاحب اور مفتی محمود صاحب فلاں کمرہ میں تشریف لے آئیں۔ ہم لوگ وہاں پہنچے تو مولانا احتشام الحق صاحب انتظار کر رہے تھے۔ بات چیت کے بعد جمعیت علماء اسلام کے نام سے نظام اسلام نافذ کرانے کے لئے مشترک جدوجہد کرنے کا عزم طے ہوا۔ نیز یہ بھی کہ اس کا پہلا اجلاس نظام اسلام کانفرنس کے نام سے ڈیرہ اسماعیل خان (صوبہ سرحد) میں منعقد کیا جائے۔ تاریخ طے ہوئی اور یہ بھی کہ حضرت مولانا خیر محمد صاحب اور مولانا احتشام الحق صاحب بحیثیت صدر کانفرنس میں شریک ہوں۔ ضلع ڈیرہ میں غالباً سب سے پہلے اس جمعیت کی تشکیل ہوئی۔ مولانا مرید احمد شاہ صاحب اس کے صدر مقرر ہوئے اور راقم الحروف عبدالکریم غفرلہ ولوالدہ اس کے ناظم۔

کانفرنس کے صدر استقبالیہ حضرت صاحبزادہ عبداللطیم صاحب شیرانی رحمۃ اللہ علیہ تھے، جن کی جانب سے خطبہ استقبالیہ بندہ نے پڑھا۔ یہ جلسہ ظہر کو ڈیرہ اسماعیل خان میں میدان حافظ جمال صاحب میں ہوا اور اسی اثناء میں کابل ریڈیو کا

۱۔ یہ کام محترم مولانا عبدالمنان صاحب مدظلہ (مبندس المسجد الحرام مہائی تدمر ترکیہ) کے حسن تعاون سے انجام پایا۔ انہوں نے مشورہ دیا کہ اس سلسلہ میں حضرت مولانا مدظلہ کی خدمت میں معلومات عطا فرمانے کی درخواست کی جائے۔ چنانچہ ان کی خدمت میں درخواست کی گئی، جس پر انہوں نے ضروری معلومات بہم پہنچا کر بحسن و خوبی یہ حکم تعاون فرمایا اور اپنے قیمتی اوقات کو اس اہم کام کے لئے صرف فرمایا۔ لہذا اللہ تعالیٰ خیر الجزاء (۱۲)

یہ اعلان سنا گیا کہ پاکستان ڈیرہ اسماعیل خان میں 'نظام اسلام کانفرنس' مولانا احتشام الحق تھانویؒ کے زیر صدارت ہو رہی ہے۔ رات کا اجلاس جامع مسجد کلاں ڈیرہ اسماعیل خان میں ہوا۔ جس میں مولانا احتشام الحق تھانویؒ نے خطبہ صدارت پڑھا۔ مولانا مفتی محمود صاحبؒ نے جمعیت کی اس تشکیل نو کے لئے سرحد کے بعض اضلاع کا دورہ کیا اور عین اجلاس ظہر کے وقت بعض رفقاء کے ساتھ واپس ہوئے۔

اس کے بعد ملتان میں میننگ ہوئی جس میں ذمہ دار حضرات کا انتخاب ہوا۔ یہ ناکارہ اس میں نہیں گیا۔ بھائی قاضی عبداللطیف صاحب سلمہ اور مولانا مفتی محمود صاحب شریک تھے۔ صدارت کے لئے غالباً حضرت مولانا احمد علی صاحب لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کا انتخاب ہوا۔

۱۹۵۳ء میں تحریک ختم نبوت کے سلسلہ میں عملی یگانگت نہ ہو سکنے کی وجہ سے یہ اتحاد تکمیل کو نہ پہنچ سکا۔ ما شاء

اللہ والامر بید اللہ تعالیٰ.

۱۹۵۶ء کو پھر حضرت شیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کے حکم سے مولانا مفتی محمود صاحب نے ایک مراسلہ علماء کے نام جاری فرمایا۔ چنانچہ اسی میں جمعیت کی تشکیل ہوئی۔ اس میں بھی ہم لوگ شامل تھے۔ امیر حضرت لاہوری منتخب ہوئے اور ناظم اعلیٰ مولانا غلام غوث صاحب ہزارویؒ۔ اس میں مولانا غلام اللہ خان صاحب اور مولانا داؤد غزنویؒ بھی شریک تھے۔ حضرت مولانا خیر محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی معلومات کے مطابق شریک تھے لیکن اکٹھے کا یہ سلسلہ بہر صورت چل نہ سکا۔

وحدت جمعیت علماء اسلام اور قیام نظام اسلام کے لئے مساعیؑ

(از "نقش حیات" حضرت والا کی خودنوشت سرگزشت)

﴿اسفار مہمہ﴾

(۱) وحدت جمعیت علماء اسلام:

"مخدوم العلماء والفضلاء شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانیؒ کے وصال کے بعد جمعیت علماء اسلام کا شیرازہ بکھر گیا۔ بجائے ایک کے کئی جماعتیں بن گئیں۔ جمعیت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب، جمعیت مولانا احتشام الحق صاحب، جمعیت مولانا اطہر علی صاحب (مشرقی پاکستان) باہمی متحد العقائد علماء کا یہ اختلاف اہل علم ہم مشرب کے لئے بہت تکلیف دہ تھا۔ اس لئے حضرت مولانا احمد علی صاحب لاہوریؒ کی تحریک سے باہمی اتحاد کی صورت پر غور کیا گیا۔ اس سلسلہ میں احقر کے نام پر قرعہ پڑا۔ لہذا ۱۶ دسمبر ۱۹۵۴ء (۲۰ ربیع الثانی ۱۳۷۴ھ) لغویہ ۲۰ دسمبر ۱۹۵۴ء (۲۴ ربیع الثانی ۱۳۷۴ھ) بندہ مع جناب مولانا محمد شفیع صاحب مہتمم مدرسہ قاسم العلوم، کراچی پہنچا۔ مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مہتمم دارالعلوم کراچی اور

مولانا احتشام الحق صاحب تھانوی کے مشورہ سے یہ طے پایا کہ حضرت مولانا محمد حسن صاحب امرتسری مہتمم جامعہ اشرفیہ لاہور ہر جمعیت علماء اسلام کے ذمہ دار حضرات کو دعوت دے کر کراچی میں جمع کریں۔ پھر آپ لوگ اتحاد کی صورت پیدا کریں۔ چنانچہ اس مرحلہ کے طے ہونے کے بعد حضرت مولانا محمد شفیع صاحب دیوبندی صدر مرکزی جمعیت علماء اسلام کی دعوت پر ۱۸ فروری ۱۹۵۵ء (۲۵ جمادی الثانی ۱۳۷۴ھ) لغایۃ یکم مارچ ۱۹۵۵ء (۱۷ رجب ۱۳۷۴ھ) بندہ بمعہ مہتمم صاحب مدرسہ قاسم العلوم دوبارہ کراچی گیا اور جمعیتیں تلاش کے نمائندے بھی وہاں موجود تھے۔ مولانا اطہر علی صاحب، مولانا صلاح الدین صاحب، چودھری اشرف الدین صاحب، مولانا ظفر احمد صاحب عوضی نمائندہ مشرقی پاکستان، مولانا محمد متین صاحب، پیر غلام مجدد صاحب (مرکزی کراچی)، مولانا غازی دلدار علی صاحب عوضی، جناب مولانا محمد داؤد صاحب غزنوی، اختر فیروز غنی (مغربی پاکستان)۔ کافی بحث تمحیص کے بعد جمعیت ایک تسلیم ہو کر طے ہوا کہ جمعیت علماء اسلام کے صدر حضرت مولانا محمد حسن صاحب امرتسری مہتمم جامعہ اشرفیہ لاہور اور ناظم مولانا محمد متین صاحب ہوں گے اور سابق تینوں جمعیتیں ختم کر دی گئیں، مگر افسوس یہ جمعیت عملی جامہ نہ پہن سکی..... نے مرکزی کونہ چھوڑا۔ ادھر اہل پنجاب نے ایک اجتماع بلا کر حضرت مولانا احمد علی صاحب لاہوری کو صدر بنا کر نئی جمعیت قائم کر لی۔ کچھ دنوں بعد سرکاری طرف سے جمعیت ہی بند ہو گئی اور قصہ ختم ہوا۔“

حضرت مولانا احتشام الحق صاحب تھانوی کا عظیم کارنامہ:

”ایک عرصہ سے یہ غلط فہمی تھی کہ اسلام میں کوئی دستور مملکت ہی نہیں ہے اور اسلام کے مختلف فرقوں کے علماء کبھی کسی دستور پر متفق ہی نہیں ہو سکتے۔ اس غلط فہمی کو دور کرنے کے لئے جناب مولانا احتشام الحق صاحب تھانوی نے ہر طبقہ کے نمائندہ علماء اہل سنت والجماعت دیوبندی، بریلوی، شیعہ، اہل حدیث، جماعت اسلامی کو کراچی میں مدعو کیا اور تین چار دن میں بنیادی اصول مملکت کے تیار کر کے شائع کئے۔ چنانچہ احقر بھی مدعو کیا گیا۔“

اسلامی مملکت کے بنیادی اصول:

مورخہ ۱۲، ۱۳، ۱۴، ۱۵، ربيع الثانی ۱۳۷۰ھ مطابق ۲۱، ۲۲، ۲۳، ۲۴ جنوری ۱۹۵۱ء کو ۳۱ علماء نے مندرجہ ذیل ۲۲

اصول مرتب کئے:

- (۱) اصل حاکم تشریحی و تکوینی حیثیت سے اللہ رب العالمین ہے۔
- (۲) ملک کا قانون کتاب و سنت پر مبنی ہوگا اور کوئی ایسا قانون نہ بنایا جائے گا نہ کوئی ایسا انتظامی حکم دیا جاسکے گا جو کتاب و سنت کے خلاف ہو۔
- (۳) مملکت کسی جغرافیائی، نسلی، لسانی یا کسی اور تصور پر نہیں۔ بلکہ ان اصول و مقاصد پر مبنی ہوگی جن کی اساس اسلام کا پیش کیا ہوا ضابطہ حیات ہے۔

(۴) اسلامی مملکت کا یہ فرض ہوگا کہ قرآن و سنت کے بتائے ہوئے معروفات کو قائم کرے۔ منکرات کو مٹائے اور شعائر اسلام کے احیاء، اعلاء اور مسلمہ اسلامی فرقوں کے لئے ان کے اپنے مذہب کے مطابق ضروری اسلامی تعلیم کا انتظام کرے۔

(۵) اسلامی مملکت کا یہ فرض ہوگا کہ وہ مسلمانان عالم کے رشتہ اتحاد و اخوت کو قوی سے قوی تر کرنے اور ریاست کے مسلم باشندوں کے درمیان عصبیت جاہلیہ کی بنیادوں پر نسلی، لسانی، علاقائی یا دیگر مادی امتیازات کے ابھرنے کی راہیں مسدود کر کے ملت اسلامیہ کی وحدت کے تحفظ و استحکام کا انتظام کرے۔

(۶) مملکت بلا امتیاز مذہب و نسل وغیرہ تمام ایسے لوگوں کی لادبی انسانی ضروریات یعنی غذا، لباس، مسکن، معالجہ اور تعلیم کی کفیل ہوگی، جو اکتساب رزق کے قابل نہ ہو یا نہ رہے ہوں یا عارضی طور پر بے روزگاری، بیماری یا دوسرے وجوہ سے فی الحال سعی و اکتساب پر قادر نہ ہوں۔

(۷) باشندگان ملک کو وہ تمام حقوق حاصل ہوں گے جو شریعت اسلامیہ نے ان کو عطا کئے ہیں۔ یعنی حدود قانون کے اندر تحفظ جان و مال و آبرو، آزادی مذہب و مسلک، آزادی عبادت، آزادی ذات، آزادی اظہار رائے، آزادی نقل و حرکت، آزادی اجتماع، آزادی اکتساب رزق، ترقی کے مواقع میں یکسانی اور وفاہی ادارات سے استفادہ کا حق۔

(۸) مذکورہ بالا حقوق میں سے کسی شہری کا کوئی حق اسلامی قانون کی سند جواز کے بغیر کسی وقت سلب نہ کیا جائے گا۔ اور نہ کسی جرم کے الزام میں کسی کو بغیر فراہمی موقع صفائی و فیصلہ عدالت کوئی سزا دی جائے گی۔

(۹) مسلمہ اسلامی فرقوں کو حدود و قانون کے اندر پوری مذہبی آزادی حاصل ہوگی۔ انہیں اپنے پیروؤں کو اپنے مذہب کی تعلیم دینے کا حق حاصل ہوگا۔ وہ اپنے خیالات کی آزادی کے ساتھ اشاعت کر سکیں گے۔ ان کے شخصی معاملات کے فیصلے ان کے اپنے فقہی مذہب کے مطابق ہوں گے۔ اور ایسا انتظام کرنا مناسب ہوگا کہ انہیں کے قاضی یہ فیصلے کریں۔

(۱۰) غیر مسلم باشندگان مملکت کو حدود و قانون کے اندر مذہب و عبادت، تہذیب و ثقافت اور مذہبی تعلیم کی پوری آزادی حاصل ہوگی۔ اور انہیں اپنے شخصی معاملات کا فیصلہ اپنے مذہبی قانون یا رسم و رواج کے مطابق کرانے کا حق حاصل ہوگا۔

(۱۱) غیر مسلم باشندگان مملکت سے حدود شرعیہ کے اندر جو معاہدات کئے گئے ہوں ان کی پابندی لازمی ہوگی اور جن حقوق شہری کا ذکر دفعہ نمبر ۷ میں کیا گیا ہے ان میں غیر مسلم باشندگان ملک اور مسلم باشندگان ملک سب برابر کے شریک ہوں گے۔

(۱۲) رئیس مملکت کا مسلمان مرد ہونا ضروری ہے۔ جس کے تدین، صلاحیت اور اصابت رائے پر جمہور یا ان کے منتخب نمائندوں کو اعتماد ہو۔

(۱۳) رئیس مملکت ہی نظم مملکت کا اصل ذمہ دار ہوگا۔ البتہ وہ اپنے اختیارات کا کوئی جزو کسی فرد یا جماعت کو تفویض کر سکتا ہے۔

(۱۴) رئیس مملکت کی حکومت مستبدانہ نہیں بلکہ شورائی ہوگی۔ یعنی وہ ارکان حکومت اور منتخب نمائندگان جمہور سے مشورہ لے کر اپنے فرائض انجام دے گا۔

رئیس مملکت کو یہ حق حاصل نہ ہوگا کہ وہ دستور کو کلاً یا جزواً معطل کر کے شوریٰ کے بغیر حکومت کرنے لگے۔

جو جماعت رئیس مملکت کے انتخاب کی مجاز ہوگی وہی کثرت آراء سے اسے معزل کرنے کی بھی مجاز ہوگی۔

رئیس مملکت شہری حقوق میں عامۃ المسلمین کے برابر ہوگا اور قانونی مواخذہ سے بالاتر نہ ہوگا۔

ارکان و عمال حکومت اور عام شہریوں کے لئے ایک ہی قانون و ضابطہ ہوگا اور دونوں پر عام عدالتیں ہی اس کو نافذ

کریں گی۔

محکمہ عدلیہ، محکمہ انتظامیہ سے علیحدہ اور آزاد ہوگا تاکہ عدلیہ اپنے فرائض کی انجام دہی میں ہیئت انتظامیہ سے اثر

پزیر نہ ہو۔

ایسے افکار و نظریات کی تبلیغ و اشاعت ممنوع ہوگی جو مملکت اسلامی کے اساسی اصول و مبادی کے انہدام کا باعث ہوں۔

ملک کے مختلف ولایات و اقطاع مملکت واحدہ کے اجزاء انتظامی متصور ہوں گے۔ ان کی حیثیت نسلی، لسانی، یا

ذہنی واحدہ جات کی نہیں بلکہ محض انتظامی علاقوں کی ہوگی۔ جنہیں انتظامی سہولتوں کے پیش نظر مرکز کی سیادت کے تابع

انتظامی اختیارات سپرد کرنا جائز ہوگا۔ مگر انہیں مرکز سے علیحدگی کا حق حاصل نہ ہوگا۔

دستور کی کوئی ایسی تعبیر معتبر نہ ہوگی جو کتاب و سنت کے خلاف ہو۔

اسماء گرامی شرکاء مجلس بنیادی اصول

۱۔ علامہ سید سلیمان ندوی (صدر مجلس ہذا)

۲۔ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی (امیر جماعت اسلامی پاکستان)

۳۔ مولانا شمس الحق افغانی (وزیر معارف ریاست قلات)

۴۔ مولانا محمد بدر عالم (استاذ الحدیث دارالعلوم الاسلامیہ ٹنڈوالہ یار، سندھ)

۵۔ مولانا احتشام الحق تھانوی (مہتمم دارالعلوم الاسلامیہ ٹنڈوالہ یار، سندھ)

۶۔ مولانا محمد عبدالحامد قادری بدایونی (صدر جمعیتہ العلماء پاکستان)

۷۔ مفتی محمد شفیع (رکن بورڈ آف تعلیمات اسلام مجلس دستور ساز پاکستان)

۸۔ مولانا محمد ادریس (شیخ الجامعہ عباسیہ بہاول پور)

۹۔ مولانا خیر محمد (مہتمم مدرسہ خیر المدارس ملتان)

۱۰۔ مولانا مفتی محمد حسن (مہتمم مدرسہ اشرفیہ نیلا گنبد لاہور)

۱۱۔ پیر صاحب محمد امین الحسنات (مانکی شریف، سرحد)

۱۲۔ مولانا محمد یوسف بنوری (شیخ التفسیر دارالعلوم الاسلامیہ ٹنڈوالہ یار، سندھ)

- ۱۳- حاجی خادم الاسلام محمد امین (الجمہاد آباد، پشاور، صوبہ سرحد)
- ۱۴- قاضی عبدالصمد سربازی (قاضی قلات، بلوچستان)
- ۱۵- مولانا اطہر علی (صدر عاملہ جمعیت علماء اسلام، مشرقی پاکستان)
- ۱۶- مولانا ابو جعفر محمد صالح (امیر جمعیت حزب اللہ، مشرقی پاکستان)
- ۱۷- مولانا راغب احسن (نائب صدر جمعیت علماء اسلام مشرقی پاکستان)
- ۱۸- مولانا محمد حبیب الرحمن (نائب صدر جمعیت المدرسین سرسینہ شریف، مشرقی پاکستان)
- ۱۹- مولانا محمد علی جانندھری (مجلس احرار اسلام پاکستان)
- ۲۰- مولانا داؤد غزنوی (صدر جمعیت اہل حدیث مغربی پاکستان)
- ۲۱- مفتی جعفر حسین مجتہد (رکن بورڈ آف تعلیمات اسلام مجلس دستور ساز پاکستان)
- ۲۲- مفتی حافظ کفایت حسین مجتہد (ادارہ عالیہ تحفظ حقوق شیعہ پاکستان لاہور)
- ۲۳- مولانا محمد اسماعیل (ناظم جمعیت اہل حدیث پاکستان، گوجرانوالا)
- ۲۴- مولانا حبیب اللہ (جامعہ دینیہ دارالہدیٰ، ٹبیزوی خیر پور میرس)
- ۲۵- مولانا احمد علی (امیر انجمن خدام الدین شیرانوالہ دروازہ لاہور)
- ۲۶- مولانا محمد صادق (مہتمم مدرسہ مظہر العلوم کھڈہ، کراچی)
- ۲۷- پروفیسر عبدالخالق (رکن بورڈ آف تعلیمات اسلام مجلس دستور ساز پاکستان)
- ۲۸- مولانا شمس الحق فرید پوری (صدر مہتمم مدرسہ اشرف العلوم ڈھاکہ)
- ۲۹- مفتی محمد صاحب داد (سندھ مدرسۃ الاسلام کراچی)
- ۳۰- مولانا محمد ظفر احمد انصاری (سیکرٹری بورڈ آف تعلیمات اسلام مجلس دستور ساز پاکستان)
- ۳۱- پیر صاحب محمد ہاشم مجددی (نڈوسائیں داد، سندھ)

”بنیادی اصول کے لئے دوبارہ سفر کراچی:

مورخہ ۲۱ ربیع الثانی ۱۳۷۲ھ لغایۃ ۲ جمادی الاولیٰ ۱۳۷۲ھ مطابق ۸ جنوری ۱۹۵۳ء لغایۃ ۱۸ جنوری ۱۹۵۳ء بنیادی اصول اسلامی مملکت پر دوبارہ ترمیم وغور کے لئے مذکورہ بالا علماء کرام کا مع دوزائد کے اجتماع کراچی میں ہوا۔ پوری بحث و تمحیص اور غور و فکر کے بعد بعض اصول کی تشریح عمل میں آئی، وہ بھی طبع ہو کر ملک میں شائع ہوئی۔“

۱۔ حضرت والا اس اجتماع میں شرکت کے لئے نابھہ بروز جمعہ ۲۲ ربیع الثانی ۱۳۷۲ھ (۹ جنوری ۱۹۵۳ء) کو کراچی تشریف لائے ہوں گے اور بروز شنبہ ۲۳ جمادی الاولیٰ ۱۳۷۲ھ (مطابق ۲۲ جنوری ۱۹۵۳ء) شام کو پنجاب ایکسپریس سے واپس ملتان تشریف لے گئے۔ قیام جیکب لائن میں رہا۔ خادم اس دوران میں حاضر خدمت ہوئے (۱۱) کا ذکر احقر کی کتابت والی فائل میں ۲۵ ربیع الثانی ۱۳۷۲ھ کے دتی عربیہ پر تحریر ہے۔ (۱۲)

”سرکاری دعوت پر سفر کراچی:

مورخہ ۲۶ صفر ۱۳۷۲ھ لغایہ ۵ ربیع الاول ۱۳۷۲ھ مطابق ۱۶ نومبر ۱۹۵۲ء لغایہ ۲۴ نومبر ۱۹۵۲ء سرکاری دعوت پر کراچی جانا ہوا۔

۱۳ نومبر ۱۹۵۲ء (۲۴ صفر ۱۳۷۲ھ) بروز جمعہ شام کو ملتان کے ڈپٹی کمشنر محمد رشید صاحب کی طرف سے بصیغہ رازیہ حکم نامہ ملا کہ آج ہی رات کو مجھے آپ ملیں۔ چنانچہ ملاقات میں انہوں نے فرمایا کہ بعض دستوری مسائل کے متعلق مشورہ کئی علماء میں آپ کو کراچی بلایا ہے۔ یہ دعوت جناب خواجہ ناظم الدین صاحب وزیراعظم پاکستان کی طرف سے ہے۔ چنانچہ خود ڈپٹی کمشنر صاحب نے کراچی کی سیٹ ریزرو کرائی اور مجھے حکم دیا کہ آپ کل خیبرمیل سے کراچی پہنچ جائیں۔ چنانچہ بندہ دوسرے روز خیبرمیل سے سوار ہو کر کراچی پہنچ کر حضرت مولانا احتشام الحق صاحب تھانویؒ کے مکان پر مقیم ہوا۔ غالباً ۲۳-۲۴ نومبر ۱۹۵۲ء کی درمیانی شب میں ملاقات کا وقت مقرر ہوا۔ چنانچہ تمام مدعوین حضرات شب کے ۸ بجے وزیراعظم صاحب کی کوشی پر پہنچے۔ وزیراعظم صاحب نے کوشی سے باہر نکل کر تمام مدعوین کا مخلصانہ استقبال کیا۔ مولانا احتشام الحق صاحب نے سب کا تعارف کرایا۔ تھوڑی دیر بعد کابینہ کے اراکین و وزراء بھی آگئے۔“

”اسماء مدعوین:

مولانا احتشام الحق صاحب تھانویؒ کراچی، احقر خیر محمد جالندھری ملتان، مولانا محمد حسن صاحب لاہور، مولانا محمد ادریس صاحب لاہور، مولانا مفتی اشفاق الرحمن صاحب ٹنڈوالہ یار سندھ، مولانا اطہر علی صاحب مشرقی پاکستان، مولانا شمس الحق صاحب فرید پوری مشرقی پاکستان، مولانا عبدالحق صاحب اکوڑہ خٹک اور مولانا محمد داؤد غزنوی صاحب لاہور۔“

”اسماء کابینہ:

خواجہ ناظم الدین وزیراعظم، سردار عبدالرب صاحب نشتر وزیر، مولوی تمیز الدین صاحب وزیر و دیگر بعض وزراء مدیکرٹری صاحب چھ افراد کی تعداد میں۔“

پھر ایک خاص کمرہ میں اس طرح نشست ہوئی کہ درمیان میں ایک لمبی میز تھی۔ ایک لائن میں علماء کرام، دوسری لائن میں وزراء عظام۔

مینگ کی کارروائی شروع ہوئی، وزیراعظم نے کتاب و سنت پر مبنی دستور پر بعض اشکالات پیش کئے اور ان کا حل چاہا۔ وزیراعظم کی طرف سے اکثر سردار عبدالرب نشتر صاحب اور مولوی تمیز الدین ترجمانی فرماتے تھے۔ علماء کی طرف سے جوابات پیش ہوتے رہے۔ ان کی توضیح و ترجمانی کے فرائض اکثر مولانا احتشام الحق صاحب تھانوی ادا فرماتے رہے۔ آخر

میں علماء کرام نے شرعی دستور کے مرتب کرنے پر بہت زور دیا اور اس کے سیاسی و ملی فوائد بیان کئے، جس سے وزراء بہت متاثر ہوئے اور علماء بھی بہت قوی امید لے کر فارغ ہوئے۔ آخر میں چائے سے تواضع ہوئی۔ یہ گفتگو تقریباً ساڑھے تین گھنٹے جاری رہی۔“

حضرت والا کی بعض خدمات سیاست دینیہ اسلامیہ

اب محترم اقبال قریشی صاحب کی تحریر ملاحظہ فرمائیے جو حضرت والا کی تائید پاکستان، مساعی متعلقہ دستور اسلامیہ اور سیاست میں کمال اعتدال وغیرہ مختلف موضوعات پر مشتمل ہے۔

تحریک قیام پاکستان کی حمایت:

تحریک قیام پاکستان میں بطور کارکن کے تو آپ نے حصہ نہیں لیا، لیکن اپنے شیخ حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی قدس سرہ کے اتباع میں ہمیشہ مسلم لیگ اور قیام پاکستان کی حمایت فرماتے رہے۔ چنانچہ پروفیسر احمد سعید تھانوی کے نام حضرت والا نے خود اپنے قلم سے ان کے مکتوب ۷/ اگست ۱۹۶۷ء کے جواب میں تحریر فرمایا:

”السلام علیکم! میں پاکستان کے حق میں اول سے آخر تک رہا ہوں۔ مگر اب یاد نہیں کہ کسی اخبار میں مضمون دیا ہو۔ البتہ ایک کتاب مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کی جس کا نام غالباً مسلم لیگ اور کانگریس ہے اس پر میرے دستخط ہیں۔“

ایک اہم واقعہ: (قیام پاکستان کے بعد حضرت والا کی تحریک پاکستان میں حمایت کا اعتراف)

مفتی عبدالرحمن خان صاحب ملتانی اپنی تصنیف ”سیرت اشرف“ کے صفحہ ۶۳۵ و ۶۳۶ پر تحریر فرماتے ہیں: ”بے سرو سامانی کے عالم میں ملتان پہنچتے ہی آپ نے بلانا خیر محض تو کلا علی اللہ وہی چشمہ خیر جاری کر دیا جس سے ہزاروں طالبان علم اور تشنگان طریقت مستفید و مستفیض ہونے لگے، جس سے ارباب بدعات کے حلقوں میں ایک سراسیمگی سی پھیل گئی اور باطل کی تمام قوتیں اس خیر مجسم کے مقابلہ میں آگئیں اور اس چشمہ فیض کو بند کرانے کے لئے زور آزمائی کرنے لگیں۔ مگر خیر کے مقابلہ میں شُرکب کامیاب ہوا تھا جو اس دفعہ ہو جاتا۔ حاسدین و معاندین نے مدرسہ کو نقصان پہنچانے اور اہل مدرسہ کو بدنام کرنے کے لئے یہ مشہور کر دیا کہ حضرت مولانا خیر محمد صاحب کا تعلق جماعت احرار سے ہے جو نظریہ پاکستان کی مخالف تھی اور انہی لوگوں نے مدرسے کی شکل میں یہاں اپنا خفیہ اڈہ قائم کر رکھا ہے۔ اس کے ساتھ ہی انہوں نے اپنے ہم مشرب و ہم مسلک ارباب مسلم لیگ کی مدد سے مدرسے کی عمارت خالی کرانے اور مولانا موصوف کو شہر بدر کرانے کی مہم بھی شروع کر دی۔ حالانکہ یہ الزامات قطعاً بے بنیاد تھے۔ مولانا خیر محمد صاحب اپنے شیخ حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی کی طرح کانگریس کے مخالف اور مسلم لیگ کے حامی تھے۔ ۱۳۶۳ھ میں اراکین مجلس دعوت الحق بمبئی کے استفتاء کے جواب میں حضرت

مولانا مفتی محمد شفیع صاحب "مفتی دیوبند نے کانگریس کی مخالفت اور مسلم لیگ میں شرکت کے متعلق جو تاریخی شرعی فتویٰ "وقایہ المسلمین عن ولایة المشرکین" نامی رسالہ نومبر ۱۹۳۵ء میں شائع کیا تھا اور جو کانگریس کے لئے ایٹم بم ثابت ہوا تھا اس پر علامہ شبیر احمد عثمانی، مولانا ظفر احمد عثمانی، علامہ سید سلیمان ندوی، مولانا جمیل احمد تھانوی، مولانا شبیر علی تھانوی کے علاوہ مولانا خیر محمد جالندھری کی بھی تصدیق ثبت تھی۔ اتفاق سے وہ رسالہ ہماری لائبریری میں محفوظ تھا۔ چنانچہ وہی رسالہ ارباب اختیار و اقتدار کو دکھا کر ان کے ڈھول کا پول کھول دیا، جس سے ان کی تمام امیدوں پر اوس پڑ گئی۔ اس کے باوجود وہ مدرسہ کو نقصان پہنچانے سے باز نہ آئے، مگر بفضلہ تعالیٰ نتیجہ ہمیشہ ان کے مخالف ہی رہا، جو ثمرہ ہے مولانا خیر محمد صاحب کی للہیت اور خلوص کا۔"

مفتی اعظم پاکستان سیدی و مرشدی حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی قدس سرہ نے وصال سے چند سال قبل جو اہر الفقہ مکمل دو جلدوں میں شائع کرائی تھی جس میں مذکورہ رسالہ من وعن نئے عنوان "ملکی سیاست میں غیر مسلموں کے ساتھ اشتراک عمل کی حدود شرعیہ" شامل فرمادیا تھا، اس کے صفحہ ۲۳۸ ج ۲ پر حضرت والا کی تصدیق ان الفاظ کے ساتھ درج ہے:

"علامہ مجیب مدنیو ضہم کی تحقیقات علمیہ صحیح اور قابل تقلید ہیں۔"

بندہ خیر محمد عفی عنہ

ناظم مدرسہ عربی خیر المدارس جالندھر (پنجاب)

۲۱ محرم الحرام ۱۳۶۵ھ

مساعی متعلقہ دستور اسلامی:

خطیب ملت مولانا احتشام الحق صاحب تھانوی کی مساعی جمیلہ سے جب جملہ مکاتیب فکر کے علماء جمع ہوئے، جنہوں نے ۲۲ متفقہ بنیادی اصول مرتب کئے، جس کی اساس پر بعد میں ۱۹۵۶ء کا آئین بنا، ان ۳۱ نمائندہ علماء میں حضرت والا بھی حضرت شیخ الفییر مولانا احمد علی صاحب لاہوری اور حضرت شیخ الاسلام مولانا ظفر احمد عثمانی کی طرح ایک اہم نمائندہ اور کن کی حیثیت سے شریک ہوئے تھے۔ غرض سیاست سے اجتناب کے باوجود ملک کے ہر آڑے وقت میں حضرت والا ایک نمایاں کارنامہ انجام دیتے تھے۔

آئین کمیشن کے سوال نامہ کا جواب:

اور اسی طرح حضرت والا نے آئین کمیشن پاکستان کے سوال نامہ کا جواب ارسال فرمایا تھا۔ اس میں تحریر فرمایا کہ "آئندہ پاکستان کے دستور کی بنیاد اسلام کی نظریاتی جمہوریت (شورائیت) پر رکھی جائے۔ جس کو قرآن و سنت کے احکام

۱. ع۔ یہ دونوں ذیلی عنوان از احقر مؤلف (۱۲) ۲. اصل مسودہ میں یہ تحریر اور روایت استاذی المحترم حضرت مولانا حافظ محمد شریف صاحب جالندھری کی معلوم ہوتی ہے، جو بواسطہ ان پہنچی۔ (۱۲)

کنٹرول کرتے ہیں۔ دستور میں اس امر کی وضاحت کی جائے کہ حکومت کا مذہب اسلام ہوگا۔ ملک کی ایسی جماعتیں خلاف قانون قرار دی جائیں جو مملکت کے بنیادی نظریہ اور مقصد کے خلاف ہوں۔

سیاست میں کمالِ اعتدال:

حضرت والّا کو سیاسی ہنگاموں اور اس کے شور و غوغا سے طبعاً نفرت تھی۔ وہ خیر المدارس کو ہمیشہ سیاست سے علیحدہ رکھ کر چلاتے رہے۔ آپ کا ارشاد تھا کہ سیاست میں حصہ لینے سے مدرسہ کی تعلیم برباد ہو جاتی ہے اور اس میں وہ باقاعدگی نہیں رہتی، اس لئے دینی مدارس کے بہتم و مددّس محضرات کا سیاست میں حصہ لینا طبعاً آپ کو ناپسند تھا۔

تاہم آپ کا ذوق سیاست میں اپنے شیخ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی کے تابع تھا مگر حضرت والّا کا برتاؤ کچھ اس قسم کا تھا کہ سیاسی اختلاف رکھنے والے علماء بھی دل و جان سے حضرت والّا کی ادب و تعظیم فرماتے۔ مگر چونکہ حضرت والّا کے سیاسی ذوق کا علم تھا اس لئے کبھی بھول کر بھی سیاست کا تذکرہ نہ فرماتے، بلکہ خیر المدارس میں ہمیشہ صرف علمی و دینی گفتگو ہوتی اور اسی پر مجلس برخواست ہوتی۔ چنانچہ اکثر امیر شریعت حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری اور احرار کے اکثر علماء آپ کی خدمت میں مؤدبانہ حاضر خدمت ہوتے اور حضرت امیر شریعتؒ تو ”میں تمہارا شاگرد ہوں“ کہہ کر شاگردوں کی جگہ بیٹھتے اور باوجود حضرت والّا کے ساتھ بیٹھنے کے ارشاد کے ساتھ بیٹھنا خلاف ادب تصور کرتے۔

شدید سیاسی اختلافات کے زمانہ میں ایک بار حضرت والّا نے شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی قدس سرہ کو خیر المدارس کے سالانہ جلسہ میں مدعو فرمایا تو لوگوں نے آپس میں سرگوشیاں شروع کر دیں۔ جب حضرت والّا کو اس کا علم ہوا تو ارشاد فرمایا کہ ”میں نے جمعیت علماء ہند کے صدر کو نہیں بلایا بلکہ شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند کو بلایا ہے“ اور حضرت مدنیؒ کے یہ دونوں عہدے تھے۔ چنانچہ حضرت مدنی قدس سرہ نے حضرت والّا کے ایماء پر علم کی فضیلت پر بڑا بصیرت افروز وعظ فرمایا اور کسی قسم کی سیاسی تقریر نہیں فرمائی۔

اسی طرح کا ایک اور واقعہ ہے کہ ایک کانفرنس کے موقع پر قاسم باغ ملتان میں حضرت والّا کا ایک وعظ ہوا جو زیادہ تر غیر مقلدین کے رد میں تھا، جس میں حضرت والّا نے یہ مسئلہ بھی بیان فرمایا تھا کہ بعض ایسی چیزیں ہیں جن سے احناف کے نزدیک وضو ٹوٹ جاتا ہے اور غیر مقلدین کے نزدیک نہیں ٹوٹتا، اس لئے احتیاط اسی میں ہے کہ حتی الامکان غیر مقلدین کے پیچھے نماز نہ پڑھے اور اگر پڑھے تو وضو وغیرہ کی اچھی طرح تحقیق کر لے۔

ظہر سے قبل حضرت والّا کا بیان ہوا تھا، بعد ظہر حضرت امیر شریعت مولانا سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری کا بیان شروع ہوا۔ ہزاروں افراد کا مجمع تھا اور حضرت شاہ صاحب کا بیان اپنے مخصوص مسور کن انداز میں جاری تھا۔ حضرت شاہ صاحب نے تمام مسلمانوں کو ایک پلیٹ فارم پر جمع ہونے اور مضبوط سیاسی اتحاد قائم کرنے پر زور دیا۔ اسی دوران یہ بھی فرمایا

کہ نماز ہر ایک کے پیچھے ہو جاتی ہے۔ سب مسلمان ہیں۔ حضرت شاہ صاحبؒ کے سحر انگیز بیان سے حضرت والاؒ کی صبح کی تقریر کے بے اثر ہو جانے کا ڈر تھا، کچھ دیر تو حضرت والاؒ سنتے رہے، پھر اجازت لے کر حضرت شاہ صاحب کے ہاتھ سے ایک لے کر فرمایا: ”شاہ صاحب دراصل سیاسی ہیں، ہم سیاست میں اگر کچھ کریں گے تو شاہ صاحب سے پوچھ کر کریں گے۔ باقی سیاست میں مصروفیت کی وجہ سے کتابوں پر ان کی زیادہ نظر نہیں۔ ہم چونکہ ہر وقت پڑھتے پڑھاتے رہتے ہیں اس لئے شاہ صاحب کو مسئلہ مسائل میں ہم سے پوچھ کر عمل کرنا چاہئے۔ پھر صبح کی تقریر کے حوالہ سے فرمایا کہ بعض ایسی چیزیں ہیں جن سے احناف کا وضو ٹوٹ جاتا ہے اور ان چیزوں سے غیر مقلدین کا وضو نہیں ٹوٹتا۔ اس لئے غیر مقلدین کی امامت میں ابتداء کرنے سے احتیاط لازم ہے۔“

پھر فرمایا کہ شاہ صاحب بھی اس کا اعتراف کریں گے اور حضرت والاؒ کی غایت درجہ دوراندیشی اور تیقظ کی دلیل ہے کہ اسی مجمع میں حضرت شاہ صاحب کی زبان سے بھی کہلوادیا۔ چنانچہ حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا ”جو حضرت مولانا فرما رہے ہیں وہی صحیح ہے، واقعی مسائل میں ہمیں حضرت مولانا سے پوچھ کر ہی عمل کرنا ضروری ہے۔“ باقی حضرت شاہ صاحبؒ کی زبان مبارک سے کہلوانے میں یہ مصلحت تھی کہ مسائل میں حضرت والاؒ اور حضرت شاہ صاحبؒ میں کوئی اختلاف نہیں۔ بلکہ حضرت والاؒ پر حضرت شاہ صاحب کو مکمل اعتماد ہے، تا کہ بعد میں عوام الناس پر دو پیکنڈہ نہ کر سکیں۔

اسی طرح حضرت والاؒ کے وصال سے قبل سوشلزم کے بارے میں تھانوی حضرات اور جمعیت علماء اسلام (ہزاروی گروپ) میں شدید اختلافات ہوئے اور مرکزی جمعیت علماء اسلام کا احیاء ہوا تو حضرت والاؒ نے دونوں فریق کے اتحاد اور صلح کرانے میں باوجود شدید ترین علالت کے سرتوڑ کوشش فرمائی اور خود سیاست سے کنارہ کش رہ کر صلح کروانے کی سعی فرماتے رہے۔ لیکن خود کسی فریق میں شامل نہ ہوئے۔ تاہم حضرت والاؒ شیخ الاسلام حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانیؒ کی نیت کو صواب پر سمجھتے تھے۔ جیسا کہ خود حضرت والاؒ نے ماسٹر محبوب عالم اکاؤنٹس مجلس صیانت المسلمین ہارون آباد کو ان کے ایک سوال کے جواب میں تحریر فرمایا تھا:

”ہم دونوں فریق میں اتحاد اور صلح کی کوشش کر رہے ہیں، گو میں کسی میں شریک نہیں ہوں۔ مگر تھانوی حضرات کو صواب پر سمجھتا ہوں۔“

التحذیر المروى عن النذیر من المحظورات الشرعية فى السياسة الدينية

حضرت حکیم الامت کی دعوت پر اکابر علماء کرام کا اجتماع اور تحریکات کے متعلق مشورہ

(از حضرت مولانا نذیر احمد صاحب، شیخ الحدیث و مہتمم جامعہ اسلامیہ امدادیہ، فیصل آباد)

حضرت اقدس قدس اللہ سرہ نے بارہا یہ واقعہ بعض مجالس میں بیان فرمایا جس کا حاصل یہ ہے کہ:

حضرت اقدس حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو شدت سے یہ فکر دامن گیر تھی کہ مسلمانوں اور اسلامی مفادات

کے تحفظ کے لئے تمام علماء اور ذمہ داران قوم کو ایک انداز فکر پر جمع کیا جائے۔ اس کے لئے یہ سوچا کہ تمام ذمہ دار حضرات کی

ایک مشاورت بلائی جائے۔ حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کے اخراجات اور ہر صاحب کی آمد و رفت کا انٹرکلاس

کا کر ایہ اپنے ذمہ لیا۔ حضرت کو یہ مشورہ دیا گیا کہ پہلے اپنے حضرات حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب قدس سرہ حضرت شیخ

الاسلام مدنی رحمہ اللہ وغیرہ اپنے بزرگوں سے مشورہ ہو جائے۔ اگر امید افزاء کیفیت نظر آئے تو بڑی سطح پر یہ کام کیا جائے۔

چنانچہ اپنے چند اکابر کی مشاورت طلب کی گئی، مذاکرہ ہوا، تحریکات جدیدہ کے طرز کار کے متعلق شرعی حیثیت زیر بحث آئی تو

سیاست میں تیز حصہ لینے والے حضرات نے یہ بھی فرمایا کہ یہ صورتیں ناجائز ہیں، لیکن ہم بضرورت انہیں گوارا کرتے ہیں۔

حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ نے ٹھنڈی سانس بھر کر اور سینہ پر ہاتھ رکھ کر فرمایا کہ ”یہ آپ ہی کا حوصلہ ہے کہ ناجائز بھی

کہیں اور گوارا بھی کریں۔“

حضرت والا کی رائے گرامی بسلسلہ جدوجہد آزادی برصغیر ہندو پاکستان

(نوٹ: یہاں اس پرانے موضوع کو چھیڑنے کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ اعداء الاسلام والمسلمین پاکستان کو توڑنے کی

سرتوڑ کوشش کر رہے ہیں اور پاکستان کے بقاء و استحکام کے لئے سعی اور دعاء کی اس وقت پاکستان کے قیام کی جدوجہد سے بھی

زیادہ ضرورت ہے۔ یہاں بوجہ ضرورت اختصاراً جمالی اشارات و اقتباسات پر اکتفاء کیا جاتا ہے آ)

بسلسلہ جدوجہد آزادی برصغیر ہندو پاکستان حضرت والا کی دعوائے وہی تھی جو حضرت حکیم الامت تھانوی کی تھی اور

حضرت حکیم الامت کی رائے گرامی یہ تھی کہ:

(۱) مسلمانوں کا کانگریس میں شریک ہونا ہندوؤں کی اکثریت کی وجہ سے ان کی متابعت ہے نہ کہ مصالحت، جس میں

ان کی مذہبی موت ہے (قدرے تفصیل آگے آتی ہے)

(۲) مسلمانوں کی اپنی علیحدہ تنظیم ضروری ہے، اس کے بغیر ان کی سیاسی موت ہے۔

(۳) کانگریس کا مقصد ہندوستان کے باشندوں کو خواہ وہ مسلمان ہوں یا غیر مسلم، ہندو کلچر اور مذہب میں رنگنا تھا نہ کہ

انگریزوں سے مکمل آزادی۔

(۳) شیخ العالم حضرت مولانا محمود الحسن صاحب (شیخ الہند) مکمل آزادی کے عظیم علمبردار تھے، لیکن وہ کسی قیمت پر بھی شریعت کے احکام میں ذرہ برابر مداخلت کو برداشت کرنے کے لئے ہرگز تیار نہ تھے، چنانچہ جب کانگریس میں شریک مسلمان لیڈروں نے جوش میں آ کر محرّمات اور کفریات کا ارتکاب شروع کیا اور انہوں نے اس طوفان بے تمیزی کو روکنے پر ذرت نہ پائی تو ان تحریکات سے یکسوئی اختیار فرمائی۔ ان مباحث کی تفصیل سمجھنے کے لئے مندرجہ ذیل کتاب و رسائل کی مراجعت کرنے کی سفارش کی جاتی ہے:

- (۱) افادات اشرفیہ در مسائل سیاسیہ (ترتیب حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب)
 - (۲) تذکرۃ الظفر، سوانح حیات حضرت علامہ مولانا ظفر احمد عثمانی (ترتیب حضرت مولانا سید عبدالشکور ترمذی مدظلہ) از ص ۳۳۷ تا ص ۳۶۴
 - (۳) سیرت اشرف، تالیف منشی عبدالرحمن خان صاحب مرحوم (از ص ۵۴۷ تا ص ۶۱۵)
 - (۴) اشرف السوانح، حصہ سوم (تالیف حضرت خواجہ عزیز الحسن صاحب مجذوب) باب ۲۴ بست و چہارم، فواضل (یعنی صفات فاضلہ) موضوع۔ حکایات الشکایات مع درایات الحکایات مع دیباچہ اور تہمتا و ضمانم اور مضامین متعلقہ مطبوعہ لاہور۔ از ص ۲۹۶ تا ”ختم کلام“ ص ۴۱۰
 - (۵) مجلہ ”الخیر“ لمان شعبان و رمضان ۱۴۰۷ھ از ص ۱۰۷ تا ۱۱۵
 - (۶) ذکر خیر یاد شریف۔ ص ۱۸ و ۱۹ اور ص ۵۲ و ۵۳
 - (۷) خاتمۃ السوانح (اشرف السوانح کا حصہ چہارم) ص ۵۲ تا ۵۷ (اس میں سیاسیات سے دینی مدارس کے اجتناب کی تاکید کے موضوع پر حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے بعض اہم و مبسوط ملفوظات کا خلاصہ مذکور ہے) یہاں طویل مباحث کو چھوڑ کر مختصر اشارات اور بعض اقتباسات پر اکتفاء کیا جاتا ہے۔
- تحریک ترک موالات کے زمانہ میں کانگریس میں شریک بڑے بڑے مسلمان لیڈر جو جذبات کی رو میں بہہ کر اپنے عمل میں حدود شریعت سے تجاوز کر رہے تھے اس وقت حضرت شیخ الہندؒ کی استقامت اور ردّ عمل کا حال ان کے اس زمانہ کے خطبہ صدارت سے ہوگا جو حضرت شیخ الہندؒ کی طرف سے پڑھا گیا تھا۔ خطبہ کی عبارت کے بعض اقتباس درج ذیل ہیں:
- ”بہت سے خیر خواہ، ہندو مسلم اتفاق کے عواقب اور عوام الناس اور بعض لیڈروں کی ان غلط کاریوں پر متنبہ فرما رہے ہیں جو اس اتفاق کے جوش سے پیدا ہوتی ہیں، مثلاً قربانی گاؤں میں بعض جگہ تشدد و مزاحمت کیا جانا یا قربانی کے جانور کو بجا کر رضا کارانہ خلافت کا گاؤں شمالہ میں پہنچانا یا تشقہ لگانا یا ہندوؤں کی ارتھیوں کے ساتھ خصوصاً ”رام رام ست“ کہتے ہوئے جانا، یا یہ کہنا کہ امام مہدی کی جگہ امام گاندھی تشریف لائے ہیں یا یہ کہ اگر نبوت ختم نہ ہوگئی ہوتی تو مہاتما گاندھی نبی

ہوتے یا قرآن و حدیث میں بسر کی ہوئی عمر ثارت پرستی کرنا یا یہ دعاء کرنا کہ اگر میں کوئی مذہب تبدیل کروں تو سکھوں کے مذاہب میں داخل ہوں وغیرہ وغیرہ۔ بلاشبہ میں بھی جب اپنی قوم کے سربراہ اور وہ افراد کو سنتا ہوں کہ وہ اس قسم کے محرکات یا کفریات کے مرتکب ہوئے ہیں اور وہ باتیں زبان سے بے دھڑک نکال دیتے ہیں جن کو سن کر ایک سچے مسلمان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں تو میرا دل پاش پاش ہو جاتا ہے اور قصد کرتا ہوں کہ اس طوفان بے تمیزی کا روکنا جب اپنی قدرت میں نہیں تو ان معاملات سے بالکل یکسوئی بہتر ہے۔

(خطبہ ترک موالات، ص ۲۲)

”اس وقت جن حضرات نے ایسے محرکات و کفریات کے ارتکاب کے روکنے پر خود کو قادر نہ پا کر اس طوفان بے تمیزی سے اپنے کو علیحدہ کئے رکھا اور ان غلط کاریوں پر متنبہ فرمایا۔ ان حضرات نے حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے طرز عمل کی ہرگز مخالفت نہیں فرمائی بلکہ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے منشا اور مقصد ہی کی تکمیل فرما رہے تھے۔“

”اسی لئے حضرت تھانویؒ ان تحریکات سے خود بھی الگ رہے اور مسلمانوں کو بھی ان سے علیحدگی اختیار کرنے کا مشورہ دیا۔ کیونکہ تحریک خلافت کے طریق کار اور غیر مسلم اکثریت کے ساتھ مل کر کام کرنے سے مسلمانوں کا اصل مقصد اسلامی حکومت کا قیام حاصل نہیں ہو سکتا تھا۔“

”مولانا عبد الماجد دریا آبادی جو شروع میں سیاسی لحاظ سے حضرت تھانویؒ کے ہم خیال نہ تھے بلکہ کانگریس کی حامی جماعت خلافت کمیٹی سے تعلق رکھتے تھے، اپنے ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:

”ان کے سامنے مسئلہ سیاسی نہیں بلکہ تمام تر دینی تھا۔ وہ صرف اسلام کی حکومت چاہتے تھے۔ ۱۹۲۸ء میں جب پہلی بار حاضری ہوئی تو اس ملاقات میں حضرت نے دارالاسلام کی اسکیم خاصی تفصیل سے بیان فرمائی تھی کہ جی یوں چاہتا ہے کہ ایک خطہ پر خالص اسلامی حکومت ہو، سارے قوانین، تعزیرات وغیرہ کا اجراء احکام شریعت کے مطابق ہو۔ بیت المال، نظام زکوٰۃ رائج ہو، شرعی عدالتیں قائم ہوں، وقس علیٰ ہذا۔ دوسری قوموں کے ساتھ مل کر کام کرتے ہوئے یہ نتائج کہاں سے حاصل ہو سکتے ہیں۔ اسی مقصد کے لئے صرف مسلمانوں ہی کی جماعت ہونی چاہئے اور اس کو یہ کوشش کرنی چاہئے۔ (سیرت اشرف)“

”صاحب تعمیر پاکستان“ لکھتے ہیں ”پاکستان کے لفظ سے دنیا پہلی مرتبہ ۱۹۳۰ء میں چودھری رحمت علی کی زبانی آشنا ہوئی، جب کہ چند جوانوں کو لندن میں یہ خیال پیدا ہوا کہ شمالی ہند کے ایک حصہ کو ہندوستان سے الگ کیا جائے۔ ہندوستان میں اسلامی سلطنت کے قیام کا خیال علامہ اقبال نے ۲۹ دسمبر ۱۹۳۰ء کو آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس منعقدہ الہ آباد میں اپنے خطبہ صدارت کے دوران میں ظاہر کیا۔ بالکل وہی خیال ان سے بہت پہلے حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ اپنی مجلس عام میں کئی بار ظاہر فرما چکے تھے۔“ (ص ۵۰)

”گویا در بارہ اشرفیہ میں حصول و بقاء پاکستان کا لائحہ عمل اور نظام پاکستان کا پورا نقشہ اس وقت پیش ہوا جبکہ پاکستان چاہنے والوں کو ابھی اس کا خواب و خیال بھی نہ تھا۔ (ص ۶۱)“

”پھر حضرت تھانویؒ کے سامنے ۱۸۵۷ء کا تجربہ تھا کہ اس وقت مسلمانوں نے انگریزوں کے خلاف ہندوؤں کے ہاتھ مل کر کام کیا تھا مگر نتیجہ یہ ہوا کہ ہندوؤں نے مسلمانوں کو دھوکہ دیا، مسلمانوں کو مجرم بنایا اور خود انگریزوں سے مل گئے اور سب نے آنکھوں سے دیکھ لیا کہ ہندوستان سے انگریزوں کے پاؤں اکھڑ جانے کے بعد ان کو ہندوستان میں جمانے والے صرف ہندو لیڈر ہی تھے۔“

حضرت تھانویؒ کے سیاسی مسلک کے بارے میں غلط فہمی بلکہ بدگمانی کا شکار ہونے والوں میں خلافت کمیٹی کے رکن اور مولانا محمد علی جوہر کے اخبار ”ہمدرد“ کے ڈائریکٹر مولانا عبدالماجد دریا آبادی بھی شامل ہیں۔ جس کا اعتراف خود موصوف نے حضرت تھانویؒ سے حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ کے ہمراہ اپنی پہلی ملاقات کا ذکر کرتے ہوئے ان الفاظ میں کیا ہے۔ لکھتے ہیں:

”۱۹۲۸ء تھا اور مخاطب روزنامہ ”ہمدرد“ کا ڈائریکٹر تھا۔ صبح اور دوپہر کی طویل صحبت میں سیاسی پہلوؤں پر گفتگو آجاتا گزیر سا تھا۔ گفتگو آئی، حضرت نے اتنی معقولیت سے کی کہ ساری بدگمانیاں کا فور ہو کر رہیں۔ پاکستان کا تخیل، خالص اسلامی حکومت کا خیال، یہ سب آوازیں بہت بعد کی ہیں، پہلے پہل اس قسم کی آواز یہیں کان میں پڑی۔“ (نقوش، ص ۲۳)

مفتی کفایت اللہ صاحب سے گفتگو:

اسی زمانے میں مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحب صدر جمعیت علماء ہند (دہلی) حضرت حکیم الامت تھانویؒ سے مسائل حاضرہ پر گفتگو کرنے کے لئے تشریف لائے۔ اس گفتگو سے فارغ ہو کر مولانا کفایت اللہ صاحب نے مولانا ظفر احمد مرحوم سے پوچھا کہ حضرت تھانویؒ جو ہندوؤں کے ساتھ مل کر کام کرنے سے کراہت کرتے ہیں تو اس کی کیا وجہ ہے؟ حالانکہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے بعض دفعہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود کو اپنے ساتھ جہاد میں لیا ہے۔ مولانا مرحوم نے جواب میں کہا کہ کفار و مشرکین کو جہاد میں اس وقت لے سکتے ہیں کہ جہنڈا مسلمانوں کا رہے اور کفار ہمارے حکم کے تحت میں ہوں۔ اس وقت حالت برعکس ہے۔ کانگریس میں ہندوؤں کا غلبہ ہے اور ان ہی کا حکم غالب ہے۔“

حضرت تھانویؒ تحریر فرماتے ہیں:

”حضرت مولانا کا اشتراک مصالحت تھا، نہ کہ متابعت، یعنی اس وقت تحریک خلافت نہایت قوت پر تھی، جس سے حضرت مولانا کو قوی امید تھی کہ حکم اسلام کا غالب رہے گا اور ہم لوگوں کا خیال قرآن و وجدان سے اس کا عکس تھا، سو یہ اختلاف محض رائے کا اختلاف تھا اور مثل اختلاف حنفی و شافعی کے اجتہادی تھا۔ اس اشتراک میں متابعت کے شاہدہ کا وہم بھی نہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اگر کسی وقت کسی شعار اسلامی کے ضعف یا کسی شعار کفری قوت کا اندیشہ ہوتا تھا تو فوراً اس پر تکبیر شہید

فرماتے تھے۔“ (بوادر النواور، ص ۹۶۶)

”آنے والے حالات نے ثابت کر دیا کہ حضرت تھانویؒ نے جن قرائن و وجدان یا اپنی خداداد بصیرت سے جن خدشات کو محسوس فرمایا تھا وہ حرف بحرف پورے ہو کر رہے اور کانگریس سے اشتراک عمل کے نتیجے میں اسلام غالب نہ آسکا۔ بلکہ کانگریس میں مسلمانوں کی آواز اور قوت ہندوؤں کی عددی کثرت کے مقابلہ میں بالکل دب کر رہ گئی۔“ (تذکرۃ الظفر، ص ۳۶۰)

(کانگریس نے) ”یہ اصول بنا دیا کہ جو شخص کانگریس میں داخل ہو وہ انفرادی اور شخصی حیثیت سے داخل ہو۔ کسی جماعت کا نمائندہ ہونے کی حیثیت سے کانگریس میں داخل نہ ہو سکے گا۔ اس کا منشاء یہ تھا کہ مسلمانوں کی حیثیت کانگریس میں ایک مستقل قوم اور جماعت کی نہ مانی جائے اور اس طرح مسلم قومیت کو سیاسی حیثیت سے فناء کے گھاٹ اُتار دیا جائے۔“

”کانگریس میں بلا شرط انفرادی داخلہ کو علماء اور زعماء کی ایک جماعت نے مسلمانوں کے لئے مذہبی اور سیاسی حیثیت سے مضرت سمجھا اور بہت سے ماہرین سیاست مسلمان کانگریس سے علیحدہ ہو گئے۔ کانگریس کے اس دوسرے دور میں ہندوؤں کو کانگریس کے سیاسی محاذ سے اپنے خالص ہندووانہ خیالات و تصورات کو بروئے کار لانے اور پورے ہندوستان میں ان کو مسلط کرنے کا خوب موقع مل گیا۔ چنانچہ کانگریسی جھنڈے کو ہندووانہ سلای اور بندے ماترم کا مشرکانہ ترانہ تو کانگریس کے آئین و شعار میں داخل کر لیا گیا۔“

”واردھا اسکیم، ودھی اسکیم، دیہات سکیم کے نام سے ایسے قانون پورے ہندوستان کے لئے جاری کئے جن کا سیاست اور آزادی کے مطالبہ سے کوئی تعلق نہیں۔ بلکہ ان سب کا مقصد ہندوستان کی ہر قوم مسلم اور غیر مسلم کو ہندووانہ رنگ میں رنگنے اور ہندووانہ طرز معاشرت اور مشرکانہ رسم و رواج کا عادی بنانے کے سوا کچھ نہیں۔“

”مسلمانوں کی سب جماعتوں نے اس کے خلاف سخت احتجاج کیا اور پھر دوسری تمام اسلامی جماعتوں کی طرح خود جمعیت علماء ہند نے بھی ان اسکیموں کو شعائر اسلام کو مٹانے اور اسلامی بنیادوں کو کھوکھلا کرنے اور مسلمانوں کو ہندوؤں میں جذب کرنے کی کوشش قرار دیا۔ لیکن مقام حیرت ہے کہ کانگریس پر ان احتجاجات کا کوئی اثر تک نہ ہوا اور اس نے اپنی ان اسکیموں میں ایک شوشہ کی ترمیم بھی گوارا نہ کی۔“

”کانگریس کے اس دوسرے دور میں تمام تر غلبہ و قوت ہندوؤں کو حاصل تھی اور مسلمانوں کے اختلافات و احتجاج کے باوجود وہ اپنی من مانی کارروائیاں نافذ کرنے میں کامیاب ہو جاتے تھے۔

حضرت مولانا (تھانویؒ) تحریر فرماتے ہیں:

”بخلاف اس وقت کی حالت کے کہ اب کانگریس کی قوت سے کفر و شرک کا حکم غالب ہے۔ اس کی ہر تجویز سے موافقت و مداہنت کی بو آتی ہے۔ اس وقت کا اشتراک بصورت ادغام بالکل متابعت ہے جو کہ ناجائز ہے۔ مسلمانوں کو اپنی تقویت و تنظیم مستقل لازم ہے۔“ (بوادر النواور)

نیز حضرت تھانویؒ ارشاد فرماتے ہیں:

”حامیان کانگریس میں سے بعض حضرات اس اشتراک کو استاذی حضرت مولانا دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ کا اتباع سمجھتے ہیں اور بعض اصحاب اس اختلاف کو مثل حنفی و شافعی کے خیال کرتے ہیں۔ سو میرے نزدیک یہ دونوں خیال محض غلط ہیں۔ حضرت مولانا کا اشتراک مصالحت تھانہ کہ متابعت (بحوالہ بوادر النواذر)“

”واقعی اگر حقیقت کو دیکھا جائے تو واضح ہو جائے گا کہ تحریک خلافت کے زمانے میں مسلمان کانگریس میں شریک نہیں ہوئے تھے بلکہ کانگریسی ہندو مسلمانوں کے ساتھ تائید و حمایت میں کھڑے ہو گئے تھے اور آزادی ہند کا مطالبہ پیش کرنے کے لئے دونوں قوموں میں مصالحت کی صورت پیدا ہو گئی تھی جو بالکل حدود جواز کے اندر تھی۔ لیکن کانگریس میں ہندوؤں کا غلبہ ہو گیا اور طوعاً یا کرہاً ہندوؤں کی متابعت کرنی لازم ہو گئی اور اگر شعائر کفر کے اظہار اور شعائر اسلام کے مٹانے والی تجاویز کے خلاف زبانی احتجاج کیا بھی جائے تو قطعاً غیر موثر ثابت ہو اور اس کی طرف بالکل توجہ نہ دی جائے تو ایسی صورت میں کانگریس میں بلاشبہ شرکت کرنا ناجائز تھا۔“

”اس تمام تحقیق کے بعد حضرت تھانویؒ نے رسالہ تنظیم المسلمین ارقام فرمایا، جس میں مسلمانوں کو اپنی علیحدہ تنظیم بنانے اور منظم ہو کر رہنے کا مشورہ دیا۔ کیونکہ اگر کانگریس سے منقطع ہو کر مسلمان منتشر اور پراگندہ ہو جاتے تو یہ ان کی سیاسی موت تھی۔“

۱۹۳۹ء میں جمعیت علمائے ہند کے اجلاس دہلی کے موقع پر ناظم اعلیٰ مولانا احمد سعید صاحب کے خط اور دعوت نامہ کے جواب میں حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”شرعی حیثیت سے صرف اپنی ایک رائے کا اظہار کرتا ہوں جس کے متعلق مولانا کفایت اللہ صاحب سے زبانی گفتگو بھی ہو چکی ہے اور اب تو دریافتات نے مجھ کو اس رائے پر بہت ہی پختہ کر دیا ہے اور وہ یہ ہے کہ مسلمانوں کا خصوصاً حضرات علماء کا کانگریس میں شریک ہونا میرے نزدیک مذہباً مہلک ہے بلکہ کانگریس سے بیزاری کا اعلان کر دینا نہایت ضروری ہے۔ علماء کو خود مسلمانوں کی تنظیم کرنا چاہئے تاکہ ان کی تنظیم خالص دینی اصولوں پر ہو اور مسلمانوں کو کانگریس میں داخل ہونا اور داخل کرنا میرے نزدیک ان کی دینی موت کے مترادف ہے۔“ والسلام

اشرف علی (اقادات اشرفیہ، ص ۸۸)

(بحمد اللہ یہ موضوع تمام ہوا)

اجتناب اہل المدارس عن سیاسیات

تمہید: اہل مدارس یعنی علماء و طلباء (اساتذہ اور تلامذہ) کے سیاسیات وغیرہ میں شرکت سے اجتناب کے بارے میں حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے گرامی اور حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ (مہتمم دارالعلوم دیوبند) کے سامنے اس سلسلہ میں مرض الوفا میں جو حضرت تھانویؒ نے تقریر فرمائی تھی اس کا خلاصہ خاتمہ السوانح میں دیا ہوا ہے۔ (ص ۵۲ تا ۵۷ مطبعہ لاہور، ناشر ایم ثناء اللہ خان) حضرت تھانویؒ کی رائے گرامی اور تقریر کے خلاصہ میں سے چند اقتباسات درج ذیل ہیں۔ اگرچہ اس موضوع پر خیر المدارس کے ابواب میں بقدر ضرورت کافی مضمون آچکا ہے، لیکن یہاں سیاسیات کے موضوع کی مناسبت سے حضرت تھانویؒ کی تائید و تاکید اس اہم موضوع پر پیش کی جاتی ہے:

نوٹ: حضرت حکیم الامتؒ اور ہمارے حضرت والاؒ کی تائید و تحریک پاکستان اور حضرت والاؒ کا وحدت اور اتحاد جمعیت علماء اسلام اور پاکستان میں نظام اسلام قائم کرنے کی مساعی، یہ خدمات دینیہ اس سیاسی سرگرمی میں شامل نہیں۔ عموماً تو طلباء اور اساتذہ کے لئے اس قسم کی مساعی بھی تعلیم میں خارج ہوں گی، لیکن حضرت والاؒ کا ہندو پاکستان کے اکابر علماء میں ہوتے ہوئے دین کا خادم، تابع شریعت، سیاست میں اتنا حصہ لینا تو ناگزیر اور امت مسلمہ کے لئے ضروری اور بے حد مفید ہی تھا عام سیاسی سرگرمیوں اور ان دینی خدمات کا فرق ادنیٰ تا اعلیٰ سے سمجھ میں آسکتا ہے۔ (۱۲)

اب خاتمہ السوانح سے اقتباسات ملاحظہ فرمائیے:

(۱) ”حضرت اقدس (تھانویؒ) کی رائے تھی کہ موجودہ سیاسیات کا اشتعال خواہ فی نفسہ حق ہو یا باطل، مگر دارالعلوم کے طلباء و علماء کی اس میں شرکت بہر حال مدرسہ کے مقاصد اصلیہ کو متزلزل کر دینے والی ہے۔ جس کا مشاہدہ و تجربہ بھی عرصہ سے اکثر حضرات کو ہو چکا ہے۔“ (ص ۵۲)

(۲) (حضرت تھانویؒ کی) ”یہ تقریر، سراسر تعلیم و تربیت کے زریں اصول اور اصلاحی آئین سے متعلق تھی۔ خلاصہ اس کا یہ تھا کہ میں نے قرآن و سنت اور عمر بھر کے تجربہ، نیز جن بزرگوں کی خدمت کا شرف حاصل ہوا ان سب کے طرز عمل سے مدرسہ کے بارے میں جو کچھ اصلاح سمجھا وہ یہ ہے کہ مدارس اور ان کے متعلقین کو سیاسیات حاضرہ سے بالکل مجتنب رہنا چاہئے اور صرف سیاسیات ہی سے نہیں بلکہ ہر اس کام سے جو تعلیمی کام میں خلل انداز ہو اگرچہ وہ کام فی نفسہ کیسا ہی محمود اور مفید کیوں نہ ہو۔ ہمارے بزرگوں نے طلباء کو بیعت کرنے اور سلوک میں مشغول ہونے سے بھی باوجود اس کو اہم سمجھنے کے لئے طالب علمی کے زمانہ میں ہمیشہ منع فرمایا ہے۔ حضرت گنگوہی قدس سرہؒ کبھی کسی طالب علم کو فراغت سے پہلے بیعت نہ فرماتے تھے۔ پھر کسی سیاسی اور ملکی تحریک میں شرکت کیسے گوارا کی جاسکتی ہے۔“ (ص ۵۳)

(۳) ”مدرسہ دیوبند ایسی چیز نہیں جس کے متعلق میں اپنی مختتم رائے ظاہر کئے بغیر چلا جاؤں۔ وہ مختتم رائے یہ ظاہر فرمائی کہ مدرسہ دیوبند کو سیاسیات سے بالکل الگ رہنا چاہئے اور یہی ہمارے اکابر کا طریق تھا کہ تعلیم کے زمانہ میں کسی

دوسری طرف توجہ کو سخت مضرب خیال فرماتے تھے۔ اور ظاہر ہے کہ معلمین کے طرزِ عمل کا طلباء پر بہت زیادہ اثر پڑتا ہے، لہذا مدرسہ کے مدرسین کو بالخصوص طلبہ کی مصلحت سے سیاسیات سے علیحدہ رکھنا ضروری ہے اور مدرسین کے دوسری طرف متوجہ ہونے سے تعلیم کا حرج بھی مشاہد ہے، ایک ایسی جماعت کی بھی سخت ضرورت ہے جو محض علم دین کی خدمت کرے۔“ (ص ۵۵)

(۳) ”بہر حال واضح ہوا کہ سیاست و دیانت میں سیاست وسیلہ ہے اور دیانت مقصود اصلی ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ سیاست کسی درجہ میں بھی مطلوب نہیں۔ بلکہ اس کا درجہ بتلانا مقصود ہے کہ وہ خود مقصود اصلی نہیں۔ اسی بناء پر میرا خیال یہ ہے کہ ایک جماعت ایسی بھی ڈنی چاہئے جو خالص حفاظت، دیانت اور تعلیم دین میں مشغول رہے اور وہ جماعت اہل مدارس کی ہو سکتی ہے۔ اسی لئے میری پختہ رائے یہ ہے کہ طلبہ کو سیاسیات میں مبتلا نہ کیا جائے۔ طلباء اگر ان قصوں میں پڑ گئے تو وہ نفیم سے بھی جاتے رہیں گے اور تربیت بھی ان کی نہ ہوگی۔“ (ص ۵۷)

﴿ضمیمہ خدمات سیاست اسلامیہ﴾

حضرت حکیم الامت مجدد الملت اور امیر شریعتؒ

(امیر شریعت حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاریؒ کی حضرت والاک کی معیت میں حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا تھانویؒ کی زیارت)

(نوٹ: اوائل جمادی الثانیہ ۱۳۱۶ھ (مطابق اواخر اکتوبر ۱۹۹۵ء) میں مکہ مکرمہ حاضری کے موقع پر محترمی مولانا عبدالمنان صاحب زاد مجدہ (انجینئر قدیم ترکی عمارت حرم کی شریف) سے المسجد الحرام میں ملاقات ہوئی تو انہوں نے ذیل کا واقعہ احقر کو بلا کر ایسا، جس کو بعد تفسیر بسیر ورج ذیل کیا جاتا ہے۔ ۱۷)

حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا خیر محمد صاحب نور اللہ مرقدہ سے کافی عرصہ اصرار فرماتے رہے کہ جب کبھی حکیم الامت کے یہاں آپ کا جانا ہو تو بندہ بھی آپ کی معیت میں حاضری دینے کا ارادہ رکھتا ہے۔ حضرت مولانا خیر محمد صاحب نور اللہ مرقدہ ان کو فرمایا کرتے تھے کہ حضرت بہت شفیق ہیں، ان کے یہاں جانے کے لئے واسطہ کی ضرورت نہیں۔ آپ کو جب بھی سہولت ہو آپ خود تشریف لے جائیں تو یہ بہتر ہوگا۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ حضرت ہمیں اپنا حال معلوم ہے کہ ہم تو ننگے ہیں، آپ کی اوٹ میں جائیں گے۔

کچھ عرصہ بعد حضرت والاک نے تھانہ بھون جانے کے لظم سے حضرت شاہ صاحبؒ کو مطلع فرمایا تو حضرت شاہ

صاحبؒ نے فرمایا میں بھی ان شاء اللہ تعالیٰ آپ کے ساتھ حاضری کی سعادت حاصل کروں گا۔ مقررہ تاریخ پر یہ حضرات روانہ ہوئے۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے حضرت والاؒ سے دریافت فرمایا کہ حضرت حکیم الامت کو ماکولات میں مرغوب کیا چیز ہے؟ تو حضرتؒ نے فرمایا کہ حضرت کے یہاں ہدیہ لینے کے بڑے قیود و ضوابط ہیں۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ میرا یہ سوال نہیں، میں نے تو ان کی رغبت کا پوچھا ہے۔ حضرت والاؒ نے فرمایا کہ حضرت کو سنگترے بہت مرغوب ہیں۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے ایک ٹوکری میں سنگترے ساتھ لے لئے۔ جب یہ دونوں حضرات تھانہ بھون پہنچے اُس وقت حکیم الامت اپنے تخلیہ کی جگہ تشریف لے جا چکے تھے اور ان اوقات میں اپنے خاص خدام کو آنے کی اجازت ہوا کرتی تھی۔ حضرت والاؒ اپنی آمد کی اطلاع فرما کر اندر گئے اور شاہ صاحبؒ ان کے متصل اندر داخل ہوئے تو حکیم الامت کو دیکھا کہ چار پائی پر آرام فرما رہے ہیں۔ حضرت والاؒ نے اسی حالت میں ان سے مصافحہ کیا۔ اب شاہ صاحبؒ بڑے شش و پنج میں ہوئے کہ سنگتروں کی ٹوکری پائنتی کی طرف رکھوں یا سرہانے کی طرف، انہوں نے جلدی میں ٹوکری کو جو نہی رکھا حضرت حکیم الامت اٹھ بیٹھے اور فرمایا کہ شاہ صاحبؒ یہ کیا کیا؟ رزق کا تو ادب ہوتا ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے عرض کیا: حضرت ہم آپ کے بچے ہیں۔ حضرت حکیم الامتؒ نے فرمایا کہ اگر یہ بات ہے تو بچے تو اپنے والدین کے سامنے ننگے بھی حاضر ہو جایا کرتے ہیں۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے عرض کیا کہ حضرت! یہ تو میں آپ ہی کے لئے لایا ہوں۔ اُمید ہے قبول فرمائیں گے۔ حضرت حکیم الامتؒ نے فرمایا کہ میرے یہاں تو ہدیہ قبول کرنے کے قواعد و ضوابط ہیں کہ پہلی ملاقات (یعنی اول مرتبہ آمد) کے موقع پر ہدیہ قبول نہیں کیا کرتا۔ خواہ وہ پہلی ملاقات کتنی ہی عمدہ ہو جائے، یعنی خواہ کتنی ہی مدت قیام رہے۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ حضرت! غالباً آپ کے علم میں ہوگا کہ میں سیدزادہ بھی ہوں۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ اگر آپ ان الفاظ سے کہہ دیں کہ میرا حکم ہے تو قبول کر لوں گا۔ اس پر شاہ صاحبؒ خاموش ہو گئے، لیکن حضرت تھانویؒ نے سیدزادہ ہونے کے احترام کی وجہ سے وہ ہدیہ قبول فرمایا۔

اس واقعہ کا تہہ یہ ہے (اور وہ بھی محترمی مولانا عبدالمنان صاحب انجینئر حرم کمی شریف ہی کی روایت ہے۔ مگر ان کا املا کرایا ہوا نہیں۔ فون پر بتایا تھا۔ بعد میں اس کو احقر نے اپنے الفاظ میں لکھ لیا ہے اور وہ یہ ہے:)

حضرت تھانویؒ نے حضرت شاہ صاحبؒ سے دریافت فرمایا کہ مجلس احرار کا سالانہ چندہ کتنا ہے؟ عرض کیا کہ ایک روپیہ سالانہ۔ حضرت حکیم الامت تھانویؒ نے حضرت شاہ صاحبؒ کی خدمت میں پچیس روپے یہ کہہ کر پیش فرمائے کہ یہ پچیس سال کا چندہ ہے (اس کے بعد دیکھا جائے گا)

(اس واقعہ میں حضرت تھانویؒ کے متوسلین اور مجلس احرار اسلام کے ارکان دونوں طرف کے حضرات کی خدمت

میں دست بستہ غور فرمانے کی درخواست ہے۔ آ ۱)

ضمیمہ باب ۹ خیر المدارس و باب ۱۵ / افاضہ باطنی ﴿

ہمارے بعض بزرگانِ دین کے بعض مجازین کے مختصر حالات

(یعنی حضرت والّا کے بعض ان خاص تلامذہ یا مریدین یا زیر تربیت حضرات جن کو ہمارے دوسرے بزرگانِ دین سے اجازت بیعت ملی اور یا جن کو خیر المدارس سے خصوصی تعلق بھی رہا، ان کے مختصر حالات)

فاضل اجل حضرت مولانا مفتی عبدالستار صاحب رحمۃ اللہ علیہ

صدر مفتی و اُستاد درجہ تکمیل جامعہ خیر المدارس ملتان

(نوٹ: اُستادی المحترم حضرت مفتی صاحب مدظلہ العالی نے احقر سے اپنے بعض حالات بیان فرمائے، احقر نے ان کو خیر السوانح میں لینے کے لئے قلمبند کرنے کی درخواست کی، جو قبول ہوئی، اور حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خودنوشت مختصر سوانح یعنی حق تعالیٰ اور علم دین کی طلب صادق اور اخلاص سے بھرپور ایک مختصر داستان محبت و وصول ہوئی جو دلچسپ، مفید، سبق آموز اور قابلِ اتباع ہے۔ اس لئے (بحیثیت حضرت والّا کے ایک تلمیذ رشید اور مسٹر شد اور مدرسہ خیر المدارس کے ایک طالب علم، مدرس، مفتی، اُستاد الحدیث، شیخ الحدیث، صدر مفتی اور اُستاد درجہ تکمیل (تخصص فی الفقہ) کے یہ مختصر حالات یہاں درج کئے جاتے ہیں۔ (الحمد للہ احقر مؤلف کو بھی حضرت مفتی صاحب سے شرف تلمذ حاصل ہوا ہے اور احقر نے ایک سال رمضان المبارک کی تعطیلات میں مدرسہ خیر المدارس ہی میں حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے شرح العقائد المتقیہ پڑھی ہے۔ نیز احقر کو اس کتاب کے درس میں بھی حضرت مولانا حافظ منظور احمد صاحب مدظلہ اُستاد الحدیث کے ہم سبق ہونے کا شرف حاصل ہے۔ آ)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سبحانک لا علم لنا الا ما علمتنا انک انت العلیم الحکیم

بندہ کی پیدائش ۲۶ جولائی ۱۹۳۰ء بوقت سحری فیصل آباد کے ایک مضافاتی گاؤں چک نمبر ۲۱ تحصیل سمندری ضلع فیصل آباد میں ہوئی۔ اصل آبائی وطن ضلع جالندھر ہے۔ جب ضلع فیصل آباد کی زمینیں آباد کاری سکیم کے تحت تقسیم کی گئیں ال دوران دادا جان اور پھر ابا جان اس گاؤں میں تشریف لائے اور حاصل شدہ رقبے کو آباد کر کے یہیں پر رہائش پذیر ہو گئے۔ دادی صاحبہ کو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم اور نماز کے ساتھ خصوصی شغف عطا فرمایا تھا۔ چنانچہ ہمارے گھر میں پانے زمانے کی طرز کا ایک قرآنی مکتب قائم و جاری تھا۔ محترمہ دادی صاحبہ اس میں معلمہ تھیں۔ تقریباً سارے گاؤں کی

بچیاں اس میں ناظرہ قرآن پاک پڑھتی تھیں۔ الحمد للہ! یہ دینی گھرانہ تھا، لیکن پورے گاؤں میں حفظ قرآن پاک یا تعلیم دین کا کوئی تصور موجود نہ تھا بلکہ بعض جاہل پیروں کی وجہ سے حفاظ اور علمائے دین کے بارے میں ایک کدورت اور انقباض پایا جاتا تھا۔ ایک پیر صاحب کی مجلس میں بچپن کے اندر مجھے بھی شرکت کا موقع ملا تو بار بار ان کی تقریر میں یہ بات دہرائی جا رہی تھی کہ علم دین پڑھنے کے بعد یہ لوگ جو مسائل بیان کرنا شروع کر دیتے ہیں یہ چیز ناجائز، ایسا کرنا ناجائز یہ دراصل دماغ کی خشکی کے اثرات ہیں۔ دماغ صحیح نہیں رہتا، وغیرہ وغیرہ اور میدان باصفا بڑے خلوص سے پیر صاحب کی اس تقریر کو سن رہے تھے۔ شاید مجھ ہی کو سنانا مقصود تھا کیونکہ میں قرآن پاک حفظ کر چکا تھا یا کر رہا تھا۔ علم کے علاوہ حج کے بارے میں جاہل پیروں نے ایسے قصے سنا رکھے تھے کہ جتنا حج پر خرچ کرنا ہو اسی قدر رقم کسی آل رسول کو دے دی جائے تو کئی حجوں کا ثواب ہو جاتا ہے۔

گاؤں میں دو تین گھر صحیح العقیدہ اپنے اکابر کے معتقد تھے۔ سنا ہے کہ ایک مولوی صاحب جن کا تعلق غالباً حضرت گنگوہی سے تھا ان کا قیام بھی کچھ عرصہ تک ان گھروں میں رہا جس کی وجہ سے دینداری کا رنگ ان لوگوں پر غالب تھا اور باقی سارا گاؤں ان کا مخالف تھا۔

انہی میں ایک گھر میں ایک نابینا حافظ عمر دین سال میں ایک مرتبہ آیا کرتے تھے۔ چند دن تک ان کا قیام رہتا، دادی صاحبہ کو ان کا قرآن پاک سن کر شوق پیدا ہوا کہ ہم بھی اپنے بچے کو قرآن پاک حفظ کرائیں۔ چنانچہ جب میں نے سکول میں تیسری کا امتحان پاس کر لیا تو محترمہ دادی صاحبہ کو منجانب اللہ اس کے شوق کا ایسا غلبہ ہوا کہ سکول سے نکال کر مجھے ایک قریبی چک نمبر ۴۸۱ میں حفظ قرآن پاک کے لئے داخل کرادیا۔ یہ پورے علاقے میں ایک نئی بات تھی کہ کھاتے پیتے گھرانے کا بچہ سکول چھوڑ کر قرآن پاک یاد کرنے کے لئے باہر کسی مدرسہ میں چلا جائے۔ بڑی ہمشیرہ صاحبہ کی شادی بھی اسی چک میں ہوئی تھی اس لئے ان کے گھر میں قیام ہوا۔

اس وقت آٹھ نو سال کی عمر ہوگی۔ ایک دو مرتبہ تو ابا جان یا دادی صاحبہ ہمراہ ہوتے اور وہاں چھوڑ آتے، پھر اکیلے آنا جانا ہوتا تھا۔ گھر کو آنا تو سہل اور خوشیوں سے بھرپور ہوتا لیکن جب اکیلے واپسی ہوتی تو بچپن کی وہ اداسیاں اب تک یاد ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ کی توفیق ہی تھی کہ یہ سلسلہ باقی رہ سکا ورنہ جتنے ساتھی تھے ان میں سے شاید کوئی بھی کامیاب نہیں ہوا۔ جمعہ کی شام کو واپسی ہوتی تھی جو شام غریباں کا سماں پیش کرتی تھی۔ لوگ گھروں کو آ رہے ہوتے، میں گھر سے جا رہا ہوتا۔ پھر اکیلا، بچپن، کافی مجاہدہ ہوتا۔ یہاں سے ایک دوسرے چک لٹارن میں کچھ عرصہ طالب علمی کاٹی۔ بعد ازاں فیض پور میں چند ماہ منزل سنا تارہا۔

غالباً ۱۹۴۵ء میں اپنے گاؤں میں پہلا مصلیٰ قرآن پاک کا تراویح میں سنایا۔ کچھ احباب تھے جو قرآن پاک سننے کا

بہت شوق رکھتے تھے لیکن ایک پیر صاحب کے منفی پروپیگنڈے کی وجہ سے لوگ قرآن پاک سننے سے گریزاں تھے۔ وہابیت کا الزام تھا۔ رمضان اس اعتبار سے بڑے مجاہدے کا ہوتا تھا۔ پیر صاحب کے بہکانے سے فوجِ طفلان ﴿لَا تَسْمَعُوا لِهَذَا الْقُرْآنِ وَالْغَوَا فِيهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُونَ﴾ پر عمل کر کے ہمیں پریشان کرتی۔ بعض دفعہ گھر پر مجبوراً احباب کی جماعت زائج کرانا پڑتی۔ کبھی کسی دوسرے دوست کے مکان پر، کافی تلخی اور حالات کی کشیدگی برپا رہتی۔ ان پیر صاحب کا معمول تھا جو امام تھے کہ رجب، شعبان میں امامت غائب، رمضان سے ایک آدھ دن پہلے مصلے پر قبضہ جمالیتے۔ سال بھر اکثر ترک جماعت ان کا معمول تھا۔ انہام و تفہیم وغیرہ کی ہر کوشش کے باوجود اب تک ان کی یہ خوئے بد نہیں بدلی۔ حفظ قرآن کریم کے لئے جیسے اللہ تعالیٰ نے غیر متوقع طور پر غیب سے اسباب مہیا کر دیئے بالکل اسی طرح آگے تحصیل علوم دیدیہ کے اسباب بھی ظہور پذیر ہوئے ورنہ علم دین پڑھنے پڑھانے کا ہمارے ماحول میں دُور دور تک وجود نہ تھا۔

ہمارے گھرانے کے پیر صاحب (اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمادیں) ان کے صاحبزادہ نے فرمایا کہ تم قرآن کریم کا ترجمہ اور مجموعہ خوانی ہمارے پاس پڑھ لو اور گلستان، بس سارا علم دین یہی ہے، اس سے زیادہ پڑھنا فضول ہے۔ چنانچہ والد صاحب کے فرمان سے جناب پیر عبدالبہادی صاحب کے پاس گلستان اور ترجمہ قرآن پاک اور مجموعہ خوانی پڑھی مگر اس کے باوجود تعلیم دین حاصل کرنے کا شوق بدستور باقی رہا۔

ایک قریبی گاؤں کے تین طالب علم مدرسہ اشاعت العلوم جامع مسجد فیصل آباد میں پڑھتے تھے۔ گاہ گاہ ان میں سے ایک صاحب سے ملاقات ہوتی تو مدرسہ اور پڑھنے پڑھانے کے موضوع پر گفتگو ہوتی۔ حق جل شانہ کا خاص انعام ہوا کہ اپنی گمنامی والی طبیعت اور عادات قوم کے بالکل خلاف بندہ نے اسی مدرسہ میں تعلیم دین حاصل کرنے کا عزم صمیم کر لیا۔ خیال ہوا کہ اگر حضرت والد صاحب سے اس کی اجازت طلب کی گئی تو شاید وہ منع فرمادیں کیونکہ ترجمہ اور مجموعہ خوانی تو پڑھی چکا تھا اس لئے پروگرام یہ تجویز ہوا کہ ابتداءً بلا اجازت با امید اجازت چلے جانا چاہئے۔ چنانچہ اللہ کا نام لے کر مورخہ ۳ نومبر ۱۹۴۳ء سحری کے وقت ضروری سامان لے کر فیصل آباد کے لئے روانہ ہو گیا جسکی اطلاع صرف اہلیہ کو تھی اور حضرت والد صاحب کی اطلاع کے لئے ایک عریضہ لکھ کر اپنے گرتے کی جیب میں چھوڑ دیا جس میں نہایت معذرت کے ساتھ مؤذبانہ اجازت کی بھی درخواست کی گئی تھی اور اپنے شوق کا اظہار کیا گیا تھا۔

جب بندہ حسب معمول آٹھ بجے تک مسجد سے نہ آیا تو ادھر ادھر تلاش شروع ہوئی۔ کچھ پریشانی کے بعد بندے کا عریضہ مل جانے سے حقیقت حال کا علم ہوا۔ حضرت والد صاحب نے غضب و رضا کی ملی جلی کیفیت میں فرمایا: ”اچھا! اب گیا ہے تو پڑھ لے، جتنا چاہے پڑھ لے۔“ الحمد للہ! حضرت والد صاحب کی طبیعت بہت ہی حلیم و بردبار تھی۔ اللہ تعالیٰ ان کی قبر مبارک کو باغیچہ جنت بنا دیں۔ آمین!

فیصل آباد جانے کے لئے چھ سات میل کا سفر پیدل چل کر سمندری جانا ہوتا ہے۔ سمندری سے فیصل آباد کے لئے بس ملتی تھی، پیدل چلتے ہوئے راستے میں مہاجرین کے لئے پٹے قافلے بھی ملے۔ اسی سال ۱۳ اگست ۱۹۴۷ء رمضان کو پاکستان بننے کا اعلان ہوا تھا اور ملک میں فسادات اور انتقال آبادی کے ہنگامے جاری تھے۔ مہاجرین کی آباد کاری کا کام ہو رہا تھا۔ خیر دوپہر کو مدرسہ اشاعت العلوم جامع مسجد میں پہنچ گئے، داخلہ ہو گیا۔ مدرسہ ہذا کے مہتمم حکیم حافظ عبد المجید صاحب ناپینا تھے۔ صدر مدرس حضرت مفتی سیاح الدین صاحب کا کاخیل اور دوسرے حضرت مولانا عبدالعزیز صاحب (فیض محمدی والے) اور حضرت مولانا غلام فرید صاحب تھے۔ اللہ پاک ان سب حضرات کی مغفرت فرمادیں اور ان کے درجات کو بلند فرمادیں۔ بہت شفیق اور مہربان اساتذہ تھے۔

تعلیم شروع ہو گئی۔ گلستان وغیرہ پہلے چونکہ پڑھ چکا تھا اس لئے حضرت مولانا نے سکندر نامہ وغیرہ شروع کرادیا۔ صرف ونحو کے اسباق بھی شروع ہو گئے۔ پڑھنا اور مطالعہ کرنا تو اب تک بھی نہیں آیا۔ بس کتابوں پر عبور شروع ہو گیا۔ حضرات اساتذہ ہی بہتر جانتے ہیں کہ ایسے کیونکر ہوا۔ بہر حال ہوا یہ کہ پہلے سال کے سالانہ امتحان میں فارسی کے علاوہ فقہ میں کنز الدقائق، نحو میں کافیہ وغیرہ کا امتحان دیا۔ ولی کامل حضرت مولانا محمد صاحب نور اللہ مرقدہ نے امتحان لیا۔ الحمد للہ! سب کتابوں میں کامیاب ہوا۔ حضرت ”بھی تعجب فرما رہے تھے کہ یہ کیسا امتحان ہے؟ امتحان کے بعد حضرت اقدس کو واپس گھر سنت پورہ پہنچانے بھی بندہ ہی ساتھ گیا۔ راستے میں بڑی شفقت سے ایسے ہی ارشادات سے شفقت فرماتے رہے۔

یہ ۱۹۴۸ء کا شعبان تھا، اسی سال شوال میں دوسرا تعلیمی سال شروع ہوا تو اس میں شرح جامی، مختصر المعانی، دیوان حماسہ، ہدایہ وغیرہ کی کتابیں پڑھیں۔

استاذ مکرم حضرت مولانا غلام فرید صاحب:

آپ خیر المدارس جالندھر کے اولین فضاء میں سے تھے۔ حضرت اقدس مولانا خیر محمد اور مدرسہ خیر المدارس کے ساتھ بہت گہرے روابط تھے۔ ہر سال سالانہ جلسہ کے موقع پر خیر المدارس تشریف لاتے اور تین دن تک حافظ رشید احمد کے ساتھ شیخ پر برائے وصولی چندہ ڈیوٹی دیتے۔ حضرت اقدس مولانا خیر محمد بھی آپ پر خاص مہربان تھے۔

دوسرے تعلیمی سال حضرت مولانا غلام فرید صاحب دوران اسباق خیر المدارس اور رائے پور کے مدرسہ اور ان کے اساتذہ کرام کے تذکرے فرماتے رہتے تھے۔

آئندہ سال کے لئے کہاں تعلیم حاصل کی جائے؟ حضرت الاستاذ نے مشورہ دیا کہ خیر المدارس تعلیم و تربیت کے لحاظ سے بہترین مدرسہ ہے۔ آپ کو خیر المدارس ہی جانا چاہئے۔ حضرت حکیم الامت تھانوی اور حضرت مولانا خیر محمد صاحب کے سخت انتظامی ضوابط و قوانین کا تذکرہ بھی ہوتا رہتا تھا۔ کوئی بے وقت جائے تو ملاقات نہیں ہو سکتی، کوئی بد عنوانی ہو جائے تو

ذات ڈپٹ بلکہ اخراج بھی بعید نہیں۔ نظم و ضبط کی پابندی کا بڑا اہتمام وغیر ذالک، اس لئے ڈر بھی لگتا تھا۔ یہ بھی سن رکھا تھا کہ بدون پیشگی اجازت خیر المدارس میں داخلہ نہیں ہوتا۔ دوران سال استاذ محترم کے مشورہ سے حضرت اقدس مولانا خیر محمد کی خدمت میں داخلہ کے لئے عریضہ لکھا گیا۔ حضرت اقدس کی طرف سے مختصر جواب موصول ہوا۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! جملہ طلبہ امیدواران داخلہ ۶ شوال تک پہنچ جائیں۔ والسلام خیر محمد غفرلہ

رمضان المبارک میں تیاری شروع ہوئی، سخت انتظامی قواعد و ضوابط کا تو سن ہی رکھا تھا۔ ۵ شوال کو گھر سے اسطر روانگی ہوئی کہ ۶ شوال صبح مدرسہ میں پہنچ سکیں۔ یہ اندیشہ ذہن پر مستولی تھا کہ اگر اس تاریخ سے پہلے پہنچ گئے یا اس تاریخ نام کو پہنچے تو جواب طلبی ہو سکتی ہے حالانکہ دن کو بھی سفر ہو سکتا تھا لیکن اندیشہ بالا کے پیش نظر پوری رات سفر کر کے صبح تقریباً ۸، ۷ بجے خیر المدارس میں پہنچ گئے۔ الحمد للہ علی ذالک ناشتہ وغیرہ کیا۔ داخلے کے لئے مستعد ہو کر طلبہ میں آ شامل ہوئے۔ خوف ورجا کی حالت طاری تھی، دیکھیں کیا بنتا ہے اور حضرت اقدس کا انتظار شروع ہو گیا، ابھی تشریف لائیں گے۔ تھوڑی دیر کے بعد دیکھا کہ حضرت اقدس پورے وقار کے ساتھ سفید نورانی چہرہ، سرگیں آنکھیں، نحیف پتلا جسم، پرہیزگار سے تشریف لارہے ہیں۔ خداداد رعب اس قدر کہ نہ صرف طلبہ و اساتذہ بلکہ گویا درود یوار پر سنانا چھا گیا۔ یہ حضرت اقدس کی پہلی زیارت تھی جو بقول شاعر۔

محابہا حب الالی کن قبلہا
و حلت مکانا لم یکن حل من قبل
اتانی ہواہا قبل ان اعرف الہوی
فصادف قلبا خالیا فتمکنا

اللہ والوں کی زیارت کے جو اثرات ہوتے ہیں وہ ہم نے اپنے میں محسوس کئے۔ داخلے کا کام شروع ہو گیا، اسی روز یا دوسرے روز فارم داخلہ پر کر کے حضرت اقدس کی خدمت میں حاضری ہوئی۔ حضرت نے خود بندہ کا امتحان لیا۔ ہدایہ اولین کتاب الجمعہ سے سنا اور پھر بعض کتابوں کا امتحان لیا۔ پڑھا پڑھایا تو ایسا ہی تھا، الحمد للہ داخلہ ہو گیا۔ اس زمانے میں مشکوٰۃ و جلالین عموماً ایک ہی سال میں ہوتی تھیں۔ ان کے ساتھ ہدایہ اخیرین، شرح عقائد اور معقولات کے بعض اسباق تجویز ہوئے۔

مشکوٰۃ شریف ہمیشہ حضرت اقدس خود پڑھاتے تھے۔ بعد میں کچھ تغیرات ہوئے، ہماری مشکوٰۃ شریف بھی حضرت کے پاس، جلالین شریف مولانا عبدالشکور صاحب کیمبل پوری اور ہدایہ ثالثہ ولی کامل حضرت اقدس مفتی محمد عبداللہ صاحب رحمہم اللہ جمعین کے پاس شروع ہوئی۔

غائباً تعلیم کا آغاز ۱۲ شوال کو ہوا تھا۔ آغاز تعلیم سے قبل یا کچھ روز بعد حضرت اقدس مولانا عبدالرحمن کیمل پوری قدس سرہ کی سابق شیخ الحدیث و صدر مدرس مظاہر العلوم سہارنپور و حال شیخ الحدیث خیر المدارس ملتان کی تشریف آوری ہوئی۔ آپ کا شمار حضرت تھانویؒ کے ممتاز خلفاء میں ہوتا ہے۔ حضرت کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ حضرت تھانویؒ سے آپ کی اصلاحی خط و کتابت جامع، مانع اور مفید تر ہے، اسی لئے اشرف السوانح میں نمونہ کے طور پر اسے اشاعت کے لئے منتخب کیا گیا۔ اہل بصیرت کا کہنا ہے کہ ہر خط میں گویا ایک مقام باطنی طے کیا گیا۔

کمال علمی کے ساتھ کمال عملی حسن سیرت کے ساتھ آپ کو حسن صورت سے قدرت نے نوازا تھا۔ گویا بلا مبالغہ فرشتہ صورت اور فرشتہ سیرت تھے۔ علم و حلم کے کٹھلے تھے۔ حضرت اقدس مولانا خیر محمد صاحب اور حضرت مولانا عبدالرحمن قدس اللہ اسرارہما بلاشبہ ان اولیاء میں سے تھے جنہیں دیکھ کر خدا یاد آتا تھا، نہ صرف یہ بلکہ ان کی زیارت سے شعوری یا غیر شعوری طور پر ایمان و یقین میں اضافہ ہوتا تھا۔

دیہات ہوں یا قصبات و شہر سب سے امانت و دیانت، تقویٰ و طہارت، صدق و صفا کے اوصاف مفقود ہو رہے ہیں۔ جھوٹ، خیانت، دھوکہ دہی، فسق و فجور کا شیوع ہے۔ پوری آبادی میں بہ مشکل ایک آدھ ایسا شخص ملتا ہے جس کی بات پر اعتماد کیا جاسکے۔ کہتے کچھ ہیں کرتے کچھ ہیں۔ وعدہ کرتے ہیں پھر اس کے خلاف کرتے ہیں امانت میں خیانت ہے۔ انسان کی کمزوری ہے کہ جب تک کسی حقیقت کا مشاہدہ نہ کرے شک و تذبذب سے دامن نہیں چھڑا سکتا۔ الحمد للہ! اللہ و رسول کے ارشاد فرمودہ وعدہ و وعید پر ایمان کی دولت حاصل تھی، لیکن چونکہ سچ بولنے والا کوئی دیکھا نہیں تھا اس لئے شیطانی وساوس میں ابتلاء رہتا ہے لیکن جب خیر المدارس میں حاضری کے بعد ان اکابر کی زیارت کا شرف حاصل ہوا، مولیٰ تعالیٰ شانہ کالاکھوں لاکھ شکر ہے ایمانیاں اور امور آخرت پر شرح صدر حاصل ہو گیا کہ جو کچھ قرآن و سنت میں بیان کیا گیا ہے حق ہے۔

ضمیر کی آواز اور دل و دماغ کا یہ فیصلہ تھا کہ ان مبارک حضرات کے بارے میں کذب و خیانت کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔ یقیناً یہ سچے لوگ ہیں، جیسے حضرت عبداللہ بن سلامؓ نے چہرہ انور پر نظر پڑتے ہی صمیم قلب سے شہادت دی تھی: ﴿ان هذا الوجه ليس بوجه كذاب﴾ اسی طرح بندہ کے قلب نے بھی شہادت دی کہ یہ حضرات جھوٹے نہیں ہو سکتے۔ استدلال کچھ یوں مرتب ہوا کہ جب یہ حضرات ایسے ہیں جو حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے غلاموں کے ادنیٰ غلام ہیں تو خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں یہ کیسے ممکن ہے کہ آپ نے اپنے دعویٰ نبوت یا وحی خداوندی اور جنت و دوزخ کے متعلق العیاذ باللہ کسی قسم کی کذب بیانی یا خیانت کی ہو۔ ہرگز نہیں۔

بہر حال ایمان و یقین اور شرح صدر کی یہ دولت تھی جو ان حضرات کی زیارت سے نصیب ہوئی۔ الحمد للہ نماز باجماعت کا اہتمام اور اطمینان سے اس کی ادائیگی کی توفیق حاصل ہوئی۔

دورانِ سال اسباق بہت اچھے ہوتے رہے۔ مشکوٰۃ شریف کا سبق تو نور علی نور تھا۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک احادیث کے مطالعہ و تکرار کے انوار ایک ولی کامل کی صحبت توجہ و عنایت کے انوار، دُنیا سے فارغ البالی اور یکسوئی کے انوار! یہ سبق مجمع الانوار تھا۔ حکم یہ تھا کہ ہر طالب علم مطالعہ کر کے آئے۔ املائی تقریر ضبط کرے، کسی طالب علم میں امتیازی شان کا اظہار سخت ناپسندیدہ تھا۔ کبر و خودرائی کسی طالب علم و ماتحت کی طرف سے گوارا نہ تھی۔ فنائیت اور اپنے آپ کو مٹا کر رکھنا غالب علم کے لئے پسند فرماتے تھے۔ کسی طالب علم سے ایسا برتاؤ نہیں فرماتے تھے کہ وہ اپنے آپ کو مطلوب سمجھنے لگ جائے۔ سلیم الطبع، سختی و مستعد طالب علم کی قدر وانی فرماتے تھے۔ گوا سے معلوم نہ ہو کہ حضرت مجھے قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔

عصر کے بعد حضرت حکیم الامت قدس سرہ کے ملفوظات کی مجلس ہوتی تھی جس میں منتہی طلبہ اور اکثر حضرات اساتذہ شریک فرماتے تھے۔ ایک دفعہ حضرت اقدس مفتی محمد عبداللہ قدس سرہ کی کلائی پر دستی گھڑی بندھی دیکھ کر فرمایا، کہ اب تو مفتی صاحبان بھی دستی گھڑی باندھنے لگ گئے ہیں۔ حضرت مفتی صاحب نے فوراً گھڑی اتار کر جیب میں ڈال لی۔ اس کے بعد عمر بھر کبھی آپ نے گھڑی نہیں باندھی، بلکہ اسی دستی گھڑی کو جیبی بنا لیا۔ ہمیشہ جیب میں رکھتے تھے۔ خود حضرت مولانا خیر محمد صاحب بھی جیبی گھڑی استعمال فرماتے تھے۔

غالباً آخر سال کے قریب میں نے حضرت کی خدمت میں اپنی اصلاح کے لئے عریضہ لکھا۔ حضرت نے ازراہ شفقت اپنی غلامی کے لئے قبول فرمایا۔ اصلاحی خطوط کی تفصیل دستیاب نہیں ہو سکی، البتہ اجمالی طور پر اتنا یاد ہے کہ حضرت کی فکر کم سے بفضلہ تعالیٰ بہت کچھ فائدہ محسوس ہوا۔ نوافل و تلاوت پابندی، جماعت وغیرہ کی اس وقت کی حالت یاد آتی ہے تو اب اس کے فقدان پر نہایت افسوس ہوتا ہے۔ دُنیا سے بے رغبتی، طہانیت قلبی اور یکسوئی کی کیفیت بھی حافظہ میں محفوظ ہے۔ رفیق محترم قاضی عبدالسلام صاحب نے ایک مرتبہ بندہ سے کثرت و سواوس کی شکایت کی، بندہ نے حضرت قدس سرہ کی خدمت میں عرض کرنے کا مشورہ دیا۔ چنانچہ انہوں نے حضرت سے عرض کیا تو آپ نے فرمایا کہ عصر کے بعد مجلس میں آکر خاموش بیٹھ جایا کرو۔ چند دن کے بعد انہوں نے بتلایا کہ الحمد للہ سب سواوس کا فور ہو گئے۔ یاد کرنے سے بھی کوئی یاد نہیں آتا۔ کمرے کے ساتھیوں میں مولانا فیض صاحب مکتبہ حقانیہ ملتان بھی شامل تھے۔ دوسرے ساتھی بھی نیک تھے۔ سنا ہے کہ دوسرے طلبہ میں ہمارے کمرے کو صوفیوں کا کمرہ کہا جاتا تھا۔

توحید مقصد اور تقسیم کار کے اصول کے حضرت سختی سے پابند تھے اور تمام اساتذہ سے عموماً اور طلبہ سے خصوصاً اسی کے خواہش مند تھے کہ دورانِ تعلیم وہ کسی سیاسی، غیر سیاسی تنظیموں اور ان کے پروگراموں میں شریک نہ ہوں۔ حصولِ تعلیم کو

نصب العین بنا کر شب و روز اس میں مشغول رہیں۔ ایک طالب علم نے ایک سیاسی جماعت کا لٹریچر تقسیم کرنا شروع کر دیا، حضرت کو اس کا اطلاع ہوئی تو جواب طلبی پر اس نے کہا کہ مجھے حق واضح ہو گیا اس لئے یہ کام چھوڑنا مشکل ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ حق واضح ہونے اور اس تک پہنچنے ہی کے لئے مدارس میں داخلے اور تحصیل علم کی ضرورت ہوتی ہے۔ جب آپ پر حق واضح ہو گیا تو آپ کو مزید علم حاصل کرنے کی ضرورت نہیں، یہ کہہ کر اس کے عناد و خود رائی کی وجہ سے اسے مدرسہ سے خارج کر دیا گیا۔ معلوم ہوا کہ وہ درمیان میں رہ گیا اپنی تعلیم کسی جگہ بھی مکمل نہیں کر سکا۔

اساتذہ اور اللہ والوں سے تکبر و خود رائی سے پیش آنا ناکامی و ہلاکت کا سبب ہے۔ بعض ایسے منتہی طلبہ کا یہ عبرتناک انجام دیکھنے میں آیا کہ دورے والے سال رجب کی آخری تاریخوں میں ان کا اخراج ہوا، پہلا سال الحمد للہ خیر و خوبی سے پورا ہوا۔

دوسرے سال بڑی مسرت سے دورہ حدیث شریف میں داخلے کے لئے خیر المدارس حاضری ہوئی۔ چنانچہ داخلہ بھی ہو گیا۔ طلبہ کی ایک بڑی جماعت دورہ حدیث شریف میں داخل ہو چکی تھی کہ ایک وحشت ناک خبر سننے میں آئی کہ اس سال حضرت مولانا عبدالرحمن صاحب کیمل پوری خیر المدارس سے ٹنڈوالہ یار سندھ تشریف لے جا رہے ہیں اور وہیں تدریسی خدمات انجام دیں گے۔ خیر المدارس سے استعفاء کو طلبہ نے بڑی شدت سے محسوس کیا اور ان میں بے چینی کی ایک لہر دوڑ گئی۔ بندہ کو اس سے خاص طور پر صدمہ ہوا، کیونکہ گزشتہ سال سے یہ آرزو تھی کہ حضرت سے کوئی سبق پڑھیں گے لیکن گزشتہ سال اس کی نوبت نہیں آئی تو خیال تھا کہ دوسرے سال تو ضرور اس سعادت سے بہرور ہوں گے کیونکہ دورہ کے ایک دو سبق حضرت کیمل پوری کے پاس ضرور ہوتے تھے، لیکن اس خبر سے ع

اے بسا آروز کہ خاک شدہ

کا مضمون پیش نظر ہو رہا تھا۔ ادھر خیر المدارس سے علیحدگی بھی گوارا نہ تھی۔ بہت دنوں اس کشمکش میں جتلا رہا کہ نئی صورت حال میں دورہ حدیث شریف خیر المدارس میں پڑھا جائے یا دارالعلوم الاسلامیہ ٹنڈوالہ یار سندھ میں، آخر یہی مانی الذکر خیال غالب آیا اور چند ساتھیوں کے ساتھ ٹنڈوالہ یار میں پہنچ کر داخلہ لے لیا گیا۔

دارالعلوم الاسلامیہ ٹنڈوالہ یار کی بنیاد اکابر علماء کرام و مشائخ عظام کے فیصلہ کے مطابق اس منصوبے کے تحت رکھی گئی تھی کہ دارالعلوم دیوبند سے ملکی تقسیم کی وجہ سے انقطاع ہو گیا ہے۔ طلباء کے لئے اب وہاں جا کر علم حاصل کرنا مشکل ہو گیا ہے، اس لئے دارالعلوم کا بدل پاکستان میں قائم کیا جائے اور اس کا نام دارالعلوم الاسلامیہ رکھا جائے۔ اس دارالعلوم میں عصر حاضر کے چوٹی کے علماء و محدثین عظام کو جمع کرنے کی کوشش کی جائے تاکہ اس کی مرکزیت قائم ہو جائے۔ اس کے

اہتمام و انصرام کے لئے حضرت مولانا احتشام الحق تھانویؒ کو منتخب کیا گیا۔ اس زمانے میں پورے پاکستان میں حضرت موصوف کا طوطی بولتا تھا اور سرکاری اثر و رسوخ بھی بہت زیادہ تھا۔ ٹنڈوالہ یار میں ایک مخیر سیٹھ حاجی سومارہ صاحب نے ایک مربع اراضی مدرسہ الاسلامیہ کے لئے وقف کر کے موصوف کے حوالہ کر دی جس میں عارضی بنیادوں پر مدرسہ کی عمارت کی تعمیر شروع کر دی گئی۔

غالباً ذیقعدہ ۱۳۶۹ھ کی کسی تاریخ کو ہم ٹنڈوالہ یار پہنچے، حضرت مولانا منظور احمد صاحب چنیوٹی اور دوسرے ساتھی بھی ہمراہ تھے۔ نابذ روزگار شخصیات کو اس دارالعلوم میں جمع کر دیا گیا تھا۔ استاذ الکل حضرت کیمل پوریؒ فخر المحدثین و المحکمین حضرت مولانا بدر عالم میرٹھیؒ، خاتم المحدثین حضرت مولانا سید محمد یوسف صاحب بنوریؒ، حضرت مولانا اشفاق الرحمن صاحب کاندھلوی عیسیٰ نسائیؒ، تاریخ و تحقیق کے لئے حضرت مولانا عبدالرشید صاحب نعمانیؒ، فن تجوید و قراءت کے لئے مدرسہ دارالفرقان لکھنؤ کے صدر مدرس جناب قاری عبدالملک صاحب لکھنویؒ مقرر تھے۔

یہ سال بہت ہی برکات کا سال تھا، شب و روز احادیث مبارکہ کے توسط سے صحبت نبویہ علیٰ صاحبھا الوف التسلیمات کے انوارات و فیوضیات کے انعکاس و استفادہ کے مواقع مہیا تھے۔ دارالحدیث میں کبھی بدر عالم کی تابانی ہوتی، کبھی یوسف ثانی کے حسن صورت و سیرت اور بحر علم سے درافشانی ہوتی اور کبھی استاذ الاساتذہ جامع شریعت و طریقت حضرت کیمل پوری قدس اللہ اسرارہم کی علم و حلم، وقار و تمکانات، دانش و عرفان سے پر تقاریر کی دھیمی دھیمی بارش ہوتی۔ کبھی مولانا اشفاق الرحمن صاحب کاندھلویؒ کی گھن گرج سے دارالحدیث گونج اٹھتا۔

نماز فجر میں طوالت مفصل پڑھنا مستحب لکھتے ہیں لیکن عموماً ان میں سے چھوٹی سورتیں پڑھنے کی عادت بن گئی ہے مگر دارالعلوم اسلامیہ میں فجر کی نماز میں اکثر بڑی سورتیں پڑھی جاتی تھیں۔ الحمد للہ یہ سال خیر و خوبی سے اختتام پذیر ہوا۔ رمضان المبارک گھر پر گزارا۔ اسی رمضان میں حضرت اقدس مولانا خیر محمد صاحب قدس سرہ کی خدمت میں تکمیل کے لئے خیر المدارس میں داخلے کے لئے عریضہ لکھا، حضرت اقدس نے شفقت فرماتے ہوئے داخلے کی اجازت عنایت فرمائی اور تحریر فرمایا ع

گزشتہ را صلوات آئندہ را احتیاط

اس سال قاضی مبارک، شمس بازغہ، عقود رسم المفتی غالباً در مختار، تاسیس النظر وغیرہ اسباق تھے اور دارالافتاء میں حضرت اقدس مفتی محمد عبداللہ صاحبؒ کی زیر نگرانی نقل فتاویٰ اور اعانت افتاء کا کام بھی تھا۔ بعض وجوہ سے حضرت کی اجازت سے اس سال گھر والوں کو بھی خیر المدارس میں ہمراہ لانا پڑا۔ غالباً پندرہ روپے ماہوار اور ایک من آنا مدرسہ کی

۱۔ ماہ لہرا، حضرت قاری عبدالملک صاحبؒ کے فرزند جناب قاری ذاکر صاحب (تیمہ لایض) سے معلوم ہوا کہ وطن اصلی علی گڑھ تھا (بعد میں قیام لکھنؤ رہا) (۱۲)

طرف سے وظیفہ نقل افتاء کا مقرر کیا گیا جسے بجموری لینا پڑا۔ اچھی طرح یاد ہے کہ جب یہ وظیفہ مقرر ہوا تو علیحدہ کمرے میں بیٹھ کر خوب رویا کہ اے اللہ! علم دین پیسوں اور تنخواہوں کے لئے تو نہیں پڑھا تھا بلکہ تیری رضا کے لئے پڑھا تھا، یہ کیا پیش آ رہا ہے کہ تنخواہ لگ رہی ہے۔ ایک ہی جوڑا ہوتا تھا وہی دھویا اور سوکھا کر پہنا، بہت کہہ سن کر گھر والوں نے دوسرا کرتہ بنوایا اور ہاتھوں سے سلائی کی۔

آخر سال میں بیمار ہوا۔ رجب کی آخری تاریخوں میں امتحان دے کر گھر چلا گیا۔ شعبان کے چند دن گھر پر گزارے۔ علاج کا اللہ تعالیٰ نے یہ نظام فرمایا کہ ماموں جان مجھے ہمراہ لے گئے اور ان کے مکان پر ضلع شیخوپورہ میں علاج ہوتا رہا۔ اللہ پاک خالہ صاحبہ، ماموں جان اور ان سب گھروں کو دین و دنیا کی نعمتوں سے نوازے۔ انہوں نے بہت ہی محبت کے ساتھ خدمت کی۔ محترمہ والدہ صاحبہ بھی بندہ کے ساتھ تھیں۔ ۱۵ شعبان سے لے کر غالباً ذوالحجہ کے آخر تک وہیں قیام رہا۔ اللہ پاک نے محض اپنے فضل و کرم سے شفاء عنایت فرمائی ورنہ ابتداء مایوسی کے آثار تھے۔

بحالی صحت کے بعد کچھ عرصہ گھر پر گزارا، پھر حضرت اقدس مفتی محمد عبداللہ صاحب (جو بندہ پر انتہائی شفقت فرماتے تھے) عیادت کے لئے ضلع فیصل آباد گاؤں میں بھی تشریف لے گئے تھے۔ بیماری کے دوران ہدیہ بھی ارسال فرمایا تھا اور اپنے ادارہ نشر و اشاعت اسلامیات میں کام کے لئے بندہ کو ملتان بلا لیا۔ ایک دو سال اس میں کام کیا۔ رہائش خیر المدارس میں ہی ہوتی تھی۔ ایک دو سبق بھی خیر المدارس میں پڑھاتا تھا۔ باقی وقت ادارے کے کام میں مشغول تھا۔ ایک دن بندہ نے حضرت مفتی صاحب کی خدمت میں عرض کیا کہ بندہ کی خواہش ہے کہ سارا وقت خیر المدارس میں تدریس یا افتاء کے لئے ہو جائے تو بہتر ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ خیر المدارس میں تو سفارش کرنا مشکل ہے اگر تم چاہو تو قاسم العلوم میں تقرر ہو سکے گا۔ چنانچہ بندہ کو ہمراہ لے کر حضرت مفتی صاحب، حضرت مولانا عبدالخالق صاحب، صدر مدرس قاسم العلوم کے پاس تشریف لے گئے۔ علیک سلیک کے بعد اپنی آمد کا مقصد ظاہر فرمایا، انہوں نے اسے قبول فرمایا کہ اس کا انتظام ہو جائے گا۔ خیر المدارس واپسی ہوئی تو خیال ہوا کہ حضرت الاستاذ مولانا خیر محمد صاحب سے بھی اس سلسلہ میں مشورہ اور اجازت لینا ضروری ہے۔ چنانچہ بندہ نے پوری صورت حال لکھ کر حضرت سے مشورہ طلب کیا۔ جو ابنا حضرت نے تحریر فرمایا کہ خیر المدارس سے تمہاری علیحدگی کو توجی نہیں چاہتا اس لئے تمہارا تقرر خیر المدارس میں ہی کیا جاتا ہے۔ اندھے کو کیا چاہئے دو آنکھیں۔ بندہ کی دلی خواہش بھی یہی تھی کہ اپنی مادر علمی خیر المدارس میں حضرات اساتذہ خصوصاً حضرت مفتی صاحب اور حضرت مہتمم صاحب رحمہما اللہ کی زیر سرپرستی کام کرنے کی سعادت حاصل ہو۔ قاسم العلوم سے تو کوئی مناسبت اور تعلق نہ تھا اور خیر المدارس اپنا سب کچھ تھا۔

شوال میں حضرت نے دریافت فرمایا کہ ادارے سے کیا تنخواہ لیتے تھے۔ عرض کیا یکصد، فرمایا بہت اچھا۔ حضرت

نے دس روپیہ اضافہ فرما کر تقریر فرمادیا اور دارالافتاء میں معین مفتی ہونے کے علاوہ کچھ اسباق بھی تجویز فرمادئے۔

حدیث پاک کے سبق کا شوق ہوتا تھا۔ خیال تھا کہ کبھی اللہ تعالیٰ یہ تمنا پوری کریں گے۔ اس زمانے میں اسباق کے مطالبے کا کوئی تصور نہ تھا۔ بس حضرتؒ کی رائے مبارک پر ہوتا تھا۔ شوال میں تقسیم اسباق کا نقشہ بناتا تھا۔ بس جس استاد کے نام جو سبق تجویز ہوا وہ لکھ دیا گیا۔ اس میں چون و چرا کو بے ادبی تصور کیا جاتا تھا۔

اللہ تعالیٰ نے بندہ کی جہالت و عیوب کے ساتھ اپنی ستاری کا معاملہ فرماتے ہوئے حضرتؒ کے قلب میں القاء فرمایا۔ حضرتؒ نے نہ یہ کہ صرف حدیث پاک بلکہ دورہ حدیث شریف سے طحاوی شریف کا سبق عنایت فرمایا۔ اس کا کبھی وہم و گمان بھی نہ تھا کہ دارالحدیث میں کبھی یہ سعادت بھی نصیب ہوگی۔ بہر حال اسباق شروع ہوئے۔ محض فضل خداوندی سے الحمد للہ کامیابی کے ساتھ یہ سبق زیر درس رہا۔ طحاوی شریف کے جس نسخہ پر بندہ نے پڑھایا جا بجا اس پر فوائد بھی تحریر کئے جو بحمد اللہ بندہ کے بعد میں پڑھانے والے حضرات کے لئے بقول ان کے مفید ثابت ہوئے اور پھر ان فوائد کو ضروری اضافوں کے ساتھ الگ ایک رسالے کی شکل میں منضبط کر لیا گیا۔ دوسرے مدارس کے بعض اساتذہ نے بھی اس سے استفادہ کیا۔ حضرت اقدس مفتی صاحب کے زیر نگرانی افتاء کا کام بھی جاری رہا۔

۱۳۸۹ھ میں حضرت اقدس مولانا خیر محمد صاحبؒ سخت عللیل ہو گئے۔ ایبٹ آباد بھی علاج ہوتا رہا کیونکہ حضرتؒ دوران سفر ہی بیمار ہوئے تھے۔ پھر ایبٹ آباد سے ملتان چھاؤنی فوجی ہسپتال میں حضرت کو علاج کے لئے منتقل کر دیا گیا لیکن افاقہ نہ ہوا، پھر لاہور اسی سلسلہ میں تشریف لے گئے۔ وہاں یہ مشورہ ہوا کہ حضرت کا آپریشن ہوگا۔ نیز تجویز ہوا کہ یہ آپریشن نثر ہسپتال ملتان میں مناسب ہے۔ چنانچہ ماہ رمضان المبارک میں نثر میں حضرتؒ کا آپریشن ہوا جو کامیاب ہوا اور آپ صحت یاب ہوئے۔ غالباً عید الفطر کے روز بھی نثر ہی میں تھے۔ بندہ تعطیلات رمضان کی وجہ سے گھر گیا ہوا تھا۔ بعد میں اجاب سے معلوم ہوا کہ ہسپتال میں ہی حضرتؒ نے اپنے خاص احباب سے نظام مدرسہ کے بارہ میں تین باتیں ارشاد فرمائیں:

۱۔ میری خواہش ہے کہ حضرت اقدس مفتی محمد عبداللہ صاحبؒ کا تعلق ہمیشہ خیر المدارس سے قائم رہے۔

۲۔ اسی سال عبدالستار کو ابوداؤد شریف کا سبق دے دیا جائے۔

۳۔ تیسری بات یاد نہیں۔

شوال میں جب حاضری ہوئی تو الحمد للہ حضرت کی صحت تقریباً بحال ہو چکی تھی۔ اسباق خود تقسیم فرمائے اور اس میں ابوداؤد شریف کا سبق بندہ کے نام لکھا۔ بے حد مسرت ہوئی کہ حضرت کی طرف سے یہ اعتماد کی گویا ایک سند تھی جو بندہ کو نصیب فرمائی گئی۔ فالحمد لله علی ذلک حمدا کثیرا طیباً مبارکاً فیہ حضرات اساتذہ کی کوئی املائی تقریر سامنے نہ آئی۔ سبق کیسے شروع کیا جائے، اللہ تعالیٰ کے فضل سے کچھ مضامین ذہن میں آئے اس کے مطابق سبق شروع کر دیا گیا۔

اس سال حضرت کے ایک خادم مولوی عبدالشکور صاحب بھی دورہ حدیث شریف میں شریک تھے۔ وسط یا آخر ذیقعدہ میں انہوں نے بتلایا کہ ابو داؤد شریف کی جو تقریر میں لکھتا ہوں حضرت اسے سنتے رہے ہیں، یکدم سنا نا طاری ہو گیا کہ حضرت سنتے رہے ہیں۔ انہوں نے کہا ہاں! میں نے کہا پھر؟ انہوں نے کہا حضرت نے اسے بہت پسند فرمایا ہے۔ حضرت کی عادت مبارکہ یہی تھی کہ کسی استاد کو جب نیا سبق دیا جاتا تو حضرت اہتمام کے ساتھ اس سبق کی نگرانی فرماتے تھے اور قابل اصلاح امور اور مشکل مقامات پر متنبہ فرماتے تھے۔ الحمد للہ حضرت نے بندہ کو کچھ ارشاد نہیں فرمایا۔ معلوم ہوا کہ قبول ہوا ہے۔ یہ سبق کئی سال رہا۔

پھر حضرت علامہ کشمیری کی مدرسہ سے علیحدگی کے سال ترمذی شریف کا سبق ملا جو الحمد للہ کامیابی سے چلتا رہا۔ ابو داؤد شریف اور ترمذی شریف کی المائی تقریر الگ الگ دو ضخیم جلدوں میں محفوظ ہے۔

اس سال عزیزم مفتی محمد عبداللہ صاحب سلمہ نے دورہ پڑھا اور المائی تقریر ترمذی کو پوری طرح ضبط کیا۔ اگلے سال حضرت علامہ کشمیری صاحب کا خیر المدارس سے کلی انقطاع ہو گیا اور بخاری شریف کا سبق جو گزشتہ سال پڑھاتے تھے وہ بھی ترک کر دیا گیا۔ شوال ابتدائے سال میں یہ بڑا مسئلہ پیدا ہو گیا تو حضرات اراکین شوریٰ اور مہتمم صاحب جناب مولانا محمد شریف صاحب اور مدرسین نے باتفاق اہل علم یہ طے فرمایا کہ بخاری شریف کا سبق اس ظلم جہول ناکارہ کے نام لکھا جائے۔ بندہ اس فیصلے کے وقت خیر المدارس میں موجود بھی نہ تھا بلکہ حضرت الشیخ عارف کامل مولانا محمد عبداللہ صاحب بہلوی کی خدمت اقدس میں شجاع آباد گیا ہوا تھا۔ وہاں سے واپسی پر علم ہوا کہ بخاری شریف کا سبق آپ کو ملا ہے۔ اس وقت کا تو یاد نہیں اب تعجب ہو رہا ہے کہ ان حضرات نے اس ناکارہ کے لئے یہ فیصلہ کیسے فرمایا؟ غالباً سبق کا افتتاح حضرت مولانا محمد عبداللہ صاحب شیخ الحدیث جامعہ رشیدیہ ساہیوال نے کرایا۔

اس سال دورہ حدیث شریف میں عزیزم مولانا محمد ازہر صاحب سلمہ مدیر الخیر بھی شامل تھے۔ انہوں نے بڑی دلچسپی، خلوص و محبت سے بخاری شریف کی المائی تقاریر کو ضبط کیا اور موصوف نے اپنی اس علمی کاوش کو قلمبند کر کے جلد کرا کے ہدیہ بندہ کو عنایت فرمائی۔ جزاہم اللہ احسن الجزا یہ تقریر کتاب الایمان کے آخری ابواب تک ہے اور پھر جلد ثانی کی تقریر کو ضبط کیا۔

بندہ سے اہل مدرسہ اور عزیز طلبہ الحمد للہ سب مطمئن تھے۔ انہیں کسی خلاء کا احساس نہیں ہوا، لیکن مقدرات نہیں ملتے۔ بڑے شوق سے یہ سلسلہ جاری تھا کہ اچانک شدید مرض کا بندہ پر حملہ ہوا۔ علاج معالجے کے بعد بھی صحت تدریس کی

۱۔ از سوانح فتحیہ ترمذی (مختصر حالات حضرت مفتی عبدالستار صاحب رحمۃ اللہ علیہ) ص ۴۱۳، (سوانح فتویٰ: سوانح امام القراء حضرت مولانا قاری فتح محمد صاحب پانی پتی قدس سرہ، تالیف: حضرت مولانا قاری محمد طاہر صاحب ملتانی و غلام حال تیم مدینہ منورہ) (۱۲)

نہ ہو سکی تو بالآخر بیماری کی وجہ سے بخاری اول کے بجائے بخاری ثانی بندہ کے ذمہ ہوئی۔ بحکف اس کا سبق ہوتا رہا۔ ایک سال ابن ماجہ شریف اور موطا امام مالک شریف کے بھی اسباق ہوئے۔ تکمیل کی جماعت نے حجۃ اللہ البالغہ، ہمیں انظر، در مختار، عقود رسم المفتی وغیرہ کتب بھی پڑھیں۔

آخر مولف نے حضرت مفتی صاحب مدظلہ سے دریافت کیا کہ اب حضرت کے پاس بحیثیت صدر مفتی رئیس دارالافتاء ہونے کی ذمہ داری کے اور فتاویٰ کے کام کے علاوہ کیا بعض اسباق بھی ہیں تو جواب میں تحریر فرمایا، مسلم شریف آذی حصہ کتاب الفصائل سے علاوہ ازیں تاسیس انظر، اصول کرنی، الاشباہ والنظائر، تلخیص الہدایہ وغیرہ درجہ تخصص فی فقہ کے اسباق بھی ہوتے ہیں۔

خصوصی حالات و امتیازی صفات:

حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ علم و عمل، صلاح و تقویٰ اور زہد و عبادت میں سلف کا نمونہ ہیں۔ تقریر کے ساتھ تخریر میں بھی کامل دستکار رکھتے ہیں۔ پاکستان کے معروف دینی مجلہ ”الخیر“، میں بالخصوص آپ کے وقیع علمی و تحقیقی مضامین اکثر شائع ہوتے رہتے ہیں۔ ان تمام صفات کے ساتھ تواضع اور کسر نفسی آپ کی نمایاں خصوصیت ہے۔ اپنے چھوٹوں اور شاگردوں بلکہ شاگردوں کے شاگردوں کے ساتھ بھی علمی و عملی و تربیتی و اصلاحی نگرانی و رہنمائی کے علاوہ فروتنی اور انکساری کا حاملہ فرماتے ہیں۔ عصر حاضر میں نمود و شہرت اور خود نمائی کے مروجہ جیلوں اور طریقوں سے قطعی نا آشنا ہیں۔

(ماخوذ از ماہنامہ ”الخیر“، بعض ترمیم)

اصلاح و سلسلہ بیعت و سلوک:

آپ کا اصلاحی تعلق حضرت مولانا خیر محمد صاحب قدس سرہ، حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب قدس سرہ، حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب نور اللہ مرقدہ، حضرت مولانا محمد عبداللہ صاحب بہلوی اور حضرت مولانا عبدالعزیز صاحب (چک نمبر ۱۱) سے رہا۔ حضرت صوفی محمد اقبال صاحب دامت برکاتہم، حضرت مولانا قاری فتح محمد صاحب اور حضرت مولانا علی مرتضیٰ صاحب مدظلہ (ذیرہ غازیخان) کی طرف سے مجاز بیعت بھی ہیں۔ آپ کے اصلاحی مواعظ و نصائح نہایت مفید و نافع ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کا سایہ تا دیر اہل علم پر قائم رکھیں۔ آمین! اصلاحی تعلق و خلافت کی پوری روئیداد ذرا حضرت ہی کی زبان سے ہے:

”مشکوٰۃ شریف کے سال خیر المدارس میں شیخین کی زیارت سے بندہ نے اپنے اندر ایک انقلاب محسوس کیا۔ کلمں ملفوظات میں بھی حاضری ہوتی، اسی دوران حضرت مولانا خیر محمد صاحب سے اصلاحی تعلق قائم ہوا۔ الحمد للہ پہلی زندگی

اور تعلق کے بعد والی زندگی میں بین فرق محسوس ہوتا تھا۔ بعد ازاں حضرت مفتی محمد حسن صاحبؒ سے اصلاح کا تعلق ہوا۔ حضرت کی خدمت میں چند دن کے لئے حاضری بھی ہوئی اور اصلاحی مکاتبت بھی جاری رہی۔ غالباً پچیس اصلاحی مکاتیب شریفہ بجواب عریضہ جات بندہ کے نام تحریر فرمائے گئے۔ ایک گرامی نامہ میں کسی حال پر تحریر فرمایا: ”مبارک لاکھ ہو۔“

حضرت مفتی صاحبؒ کے وصال کے بعد حضرت شیخ الحدیث (مولانا محمد زکریا) سے رائے و نڈ میں بیعت کا تعلق ہوا لیکن اپنی نااہلی کی وجہ سے کوئی استفادہ نہ کر سکا۔ حضرت شیخ الحدیثؒ کے وصال کے بعد حضرت مولانا عبدالعزیز صاحبؒ (چک نمبر ۱۱، چیمپہ وطنی) سے بیعت ہوا اور کوہ نور مل میں ایک رمضان حضرت کی خدمت میں گزارا۔ آخر حضرت اللہ کو پیارے ہو گئے۔ انا اللہ وانا الیہ راجعون۔“

تین مشائخ سے اجازت و خلافت در ۱۴۰۶ھ

حضرت ڈیروی دامت برکاتہم نے بعد ازاں ایک والا نامہ میں تحریر فرمایا: ”یہ فقیر آپ کو تو کلا علی اللہ اور تبلیغ دین کے لئے اجازت سلاسل اربعہ کی دیتا ہے۔“ اس واقعہ کے کچھ عرصہ کے بعد حضرت صوفی محمد اقبال صاحب دامت برکاتہم نے بھی مبشرات کے ساتھ چاروں سلسلوں میں اجازت عنایت فرمادی اور تحریر فرمایا: ”اب تو کلا علی اللہ آپ کو سلاسل اربعہ میں بیعت کرنے کی میری طرف سے اجازت ہے۔“ اس سال اواخر ذیقعدہ ۱۴۰۶ھ میں اچانک استاذ القراء امام وقت سیدی حضرت مولانا قاری مقری فتح محمد صاحب نور اللہ مرقدہؒ کا گرامی نامہ شرف صدور لایا جس میں تحریر فرمایا: ”آپ کو اہلیت کی بناء پر سلسلہ مذکورہ (اشرفیہ) کی اجازت دیتا ہوں۔“

حضرت والاؒ کی طرف سے مسائل کے بارے میں اعتماد:

مسائل کے بارے میں الحمد للہ اعتماد فرماتے تھے۔ حضرت والاؒ کے فوجی ہسپتال میں آپریشن کے بعد حالت یہ تھی کہ قطرہ ہر وقت جاری رہتا تھا جس کی وجہ سے کپڑا اور بستر پاک نہیں رہ سکتا تھا۔ اس حالت میں حضرت والاؒ کو مسئلہ کی طرف التفات نہیں ہوا۔ خیال یہ رہا کہ ایسی حالت میں نماز کیسے پڑھی جاسکتی ہے۔ بندہ سے دریافت کرایا، عرض کیا گیا کہ ایسی حالت میں ہی نماز ادا کرنا ضروری ہے۔ چنانچہ اسی حالت میں نماز شروع کر دی گئی، جو رہ گئی تھیں بعد میں ان کی قضاء ادا فرمائی۔

حضرت والاؒ کی کمال تواضع:

کمال تواضع اور رعایت حقوق، واقعہ ذیل سے ظاہر ہے کہ حضرت اقدس ایک مرتبہ دارالافتاء میں تشریف لائے، کتاب ہاتھ میں تھی۔ ہم گھبرا گئے کہ خلاف عادت کیسے تشریف آوری ہوئی؟ کتاب کھول کر بندہ کو ارشاد فرمایا کہ عبارت دیکھو، اس کا کیا مطلب ہے؟ ایسے وقت میں پہلا آتا بھی بھول جاتا ہے۔ کوئی جدید عبارت کیا حل ہوتی۔ خیر ذہن پر تھوڑا سا زور ڈالا تو حضرت کی توجہ سے بفضلہ تعالیٰ وہ عبارت بالکل صاف حل ہو گئی۔ مطلب عرض کیا گیا تو حضرت نے

اسے قبول فرما کر خوشی کا اظہار فرمایا۔ دوسری مرتبہ بھی ایسا ہی واقعہ پیش آیا۔ عمدۃ القاری کا ایک مقام تھا اس کے حل کے لئے اس طرح ارشاد فرمایا الحمد للہ وہ بھی حل ہو گیا۔

حضرت والا کی شرح بخاری پر نظر ثانی:

بخاری کی املائی تقریر حضرت نے بعض دیگر علماء کو بھی دکھائی تھی کہ کوئی لفظی یا معنوی سقم ہو تو اس کی نشاندہی کر دی جائے۔ حضرت کو اس کا بڑا اہتمام تھا۔ سب سے آخر میں بندہ کو حکم فرمایا کہ اسے دیکھو، کہاں کوئی قابل اصلاح امر ہو مشورہ کر لیا جائے۔ بعض امور میں مشورہ ہوتا رہا۔ صلوٰۃ الخوف کے بیان میں ائمہ اربعہ کے جو مذہب نقل ہوئے ہیں بندہ نے یہ محسوس کیا کہ ان میں تسامح واقع ہوا ہے جو امام مالکؒ کا مذہب ہے وہ امام شافعیؒ کی طرف منسوب کیا گیا ہے اور جو امام شافعیؒ کا ہے اسے امام مالکؒ کا مذہب ظاہر کیا گیا ہے۔ فیض الباری کی طرف مراجعت کی گئی تو اس میں بھی ایسے ہی تھا۔ غالباً وہ ہیں سے لے کر یہاں پر نقل کیا گیا تھا۔ بندہ کی مشکوٰۃ کی کاپی میں بھی ایسے ہی تھا، لیکن دوسری کتابوں اور بندہ کی دورہ حدیث والی کاپی میں اس کے خلاف تھا۔ معاملہ حضرت کی خدمت میں پیش کیا گیا، حضرت نے بڑے جزم سے فرمایا اور دیکھو۔ مزید دیکھنے کے بعد پھر پیشی ہوئی تو پھر یہی فرمایا، پھر آخر میں تسلیم فرما کر کاپی میں اصلاح کا حکم فرمایا۔ اصل تقریر میں شاید اب تک کچھ صحیح شدہ دوسرے قلم سے موجود ہو۔

بس اس کے بعد کسی مسئلہ میں اس قسم کی بات ہوتی تو ارشاد فرماتے کہ کتابوں کے مطابق درست کر دیا جائے۔ بخاری شریف کا مشہور باب ﴿قبلۃ اهل المدینہ بین المشرق والمغرب﴾ اس پر ایک مفصل تحریر لکھ کر حضرت کی خدمت میں پیش کی۔ ایک دوسرے عالم کی تقریر کے بجائے حضرت نے بندہ کی تحریر کو پسند فرمایا۔

اولاد کا دینی فیض:

حق تعالیٰ سبحانہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے، تین لڑکے حافظ و عالم ہیں اور چوتھے صرف عالم ہیں۔ دونوں بچیاں حافظہ ہیں۔ ان میں سے ایک بچی عالمہ ہے۔ فیصل آباد اپنے گھر مدرسہ قائم کر رکھا ہے جس میں حفظ و ناظرہ ترجمہ قرآن کریم، حدیث شریف اور اردو و دینیات کی تعلیم کا انتظام ہے۔ ہفتہ وار وعظ کے ذریعہ پورے محلے میں خواتین میں اصلاح ہوتی ہے۔ نماز اور پردے کی پابند ہیں۔ اللہ پاک قبول فرما کر سعادت دارین سے بہرہ ور فرمائیں اور اپنی رضائے عالی سے نوازیں۔

گاؤں میں ایک حافظ بھی نہیں تھا۔ الحمد للہ اس وقت حفاظ بچوں اور بچیوں کی تعداد بیس کے قریب ہو گئی۔

﴿والحمد لله على ذلك، ذلك فضل الله يؤتيه من يشاء﴾

حضرت مولانا محمد صدیق صاحب مدظلہ العالی

(شیخ الحدیث و صدر مدرس جامعہ خیر المدارس ملتان)

(نوٹ: احقر مؤلف کی درخواست منظور فرماتے ہوئے حضرت مولانا مدظلہ نے (بوجہ تواضع، باوجود خلاف طبع ہونے کے) اپنے مختصر حالات ارسال فرمائے۔ بہر حال اسی مختصر پر اکتفاء کرتے ہوئے ان ہی کے الفاظ میں (بجھیر پیر) حسب ذیل نقل کیا جاتا ہے:)

”بندہ محمد صدیق عفی عنہ چک نمبر ۲۵۱ گ ب اُگی ٹوبہ ٹیک سنگھ کارہائش پذیر ہے۔ یہی میرا وطن اصلی ہے۔ بندہ نے ابتدائی تعلیم سکول کی مڈل تک ۱۹۲۰ء میں مکمل کر لی تھی۔ مڈل کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد دینی تعلیم شروع کی۔ دینی تعلیم شروع کرنے کا سبب یہ ہوا کہ میرے والد محترم حاجی نبی بخش صاحب مرحوم کاشت کاری کرتے تھے اور وہ ان ایام میں حضرت مولانا فتح الدین صاحب مرحوم نمبر دار اُگی کی مزارعت کرتے تھے۔ حضرت مولانا فتح الدین صاحب موصوف مولانا محمد صاحب انوری مرحوم فیصل آباد والوں کے والد ماجد اور حضرت گنگوئی کے متوسلین میں سے تھے اور حضرت مولانا خیر محمد صاحب مرحوم اور مفتی فقیر اللہ صاحب رائے پوری مرحوم کے دوست تھے۔

قربانی کے موقع پر مولانا موصوف کے مکان پر بندہ دیوار کے ساتھ کھڑا تھا، جیسے بچے منظر دیکھنے کھڑے ہو جاتے ہیں، ایسے ہی قربانی کا منظر دیکھ رہا تھا۔ حضرت موصوف نے والد صاحب سے فرمایا کہ تمہارا بچہ ہے؟ تو حضرت والد صاحب مرحوم نے فرمایا کہ جی ہاں۔ تو انہوں نے فرمایا اس کو دین پڑھاؤ۔ حضرت والد صاحب مرحوم نے بندہ کو مولانا عبدالجید صاحب مرحوم خطیب و امام موضع اُگی جو سہارن پور مظاہر العلوم سے فارغ التحصیل تھے، ان کے پڑھنے کے لئے داخل کر دیا۔ بندہ نے فارسی سے لے کر قدری شریف تک کتابیں ان کے پاس پڑھنی شروع کر دیں۔ سکول میں چونکہ تعلیم میں بندہ کو کچھ نمبر اچھے مل جاتے تھے، اس لئے سکول ماسٹر اور چک کے تعلیم یافتہ لوگوں نے والد صاحب کو کہا کہ اس کو مسجد سے ہٹا کر سکول میں داخل کرادو۔ والد صاحب یہی جواب دیتے کہ میں نے مولانا کا کہنا نہیں رد کرنا۔ جس کو مسجد ملے اس کو اور کیا چاہئے!

جامعہ خیر المدارس جالندھر میں داخلہ:

اس طرح ہوا کہ گاؤں میں تعلیم باقاعدہ نہ ہوتی تھی۔ کبھی اسباق میں حاضری اور کبھی گھر کے کام۔ اس لئے دونوں حضرات مولانا فتح الدین صاحب مرحوم اور مولانا عبدالجید صاحب نے رقعہ دے کر خیر المدارس بھیج دیا۔ (داخلہ کی داستان بھی طویل اور عجیب ہے) وہاں جا کر کنز الدقائق، کافیہ، اصول الشاشی، ترجمہ قرآن مجید، مرقات شروع کی۔ چار سال وہاں تعلیم حاصل کی تھی کہ پاکستان بن گیا۔

خیر المدارس ملتان:

پاکستان بننے کے بعد ملتان خیر المدارس میں مشکوٰۃ شریف، جلالین شریف، ہدایہ آخرین وغیرہ کی تعلیم مکمل کر کے پاکستان کے دوسرے سال دورہ حدیث شریف کیا اور تعلیم مکمل کی۔ دورہ حدیث مکمل کر لینے کے بعد حضرت نے اپنے سایہ مہر میں لے لیا اور کتب کی تدریس کی ذمہ داری سونپی اور ساتھ ساتھ دارالافتاء، مطبخ اور نظامت تعلیم اور دارالافتاء کی خدمت بھی میرے ذمہ لگی۔

بیعت کا تعلق:

بیعت کا تعلق بھی حضرت سے قائم کیا۔ اصلاح احوال کے لئے خط و کتابت کا سلسلہ بھی قائم ہوا اور ملفوظات کی مجلس میں حاضری کو بھی بندہ نے اپنے اوپر بطور دوام عمل اختیار کئے رکھا۔ اس طرح زندگی کا طویل سفر حضرت کی معیت میں گزرا۔ خدائے عزوجل کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ حضرت والاؒ بندہ سے راضی ہو گئے۔ حضرت کے ساتھ بندہ کو طالب علمی میں ہی محبت ہو گئی تھی اور حضرت کو بندہ پر شفقت۔ الحمد للہ کہ کسی وقت اس کا انقطاع نہیں۔ بندہ سے کوتاہیاں اور حضرت کی جلالی شان کا کئی دفعہ ظہور ہوتا، لیکن نہ میری کوتاہیوں سے حضرت کی شفقت میں کمی ہوئی اور نہ حضرت کی جلالی ڈانٹ سے محبت میں کمی ہوئی۔ بندہ تو اس قابل نہ تھا کہ ایسی مقدس بارگاہ میں اتنی طویل مسافت طے کر سکتا۔ محض حضرت کی شفقت اور اللہ تعالیٰ کی ستاری ہوئی کہ حضرت بندہ سے راضی ہو گئے۔ جزئیات کا استقصاء تو ممکن نہیں۔ طویل زندگی کی طویل داستان ہے۔ واقعات بے شمار ہیں۔ ایک آخری واقعہ جزئیہ عرض کرتا ہوں۔

۱۳ شعبان المعظم ۱۳۹۰ھ کو سالانہ تعطیلات کے موقع پر حضرت نے بندہ کو الوداعی نصائح بیان کرنے کے لئے ماور فرمایا، جس میں بندہ نے طلبہ کو خصوصیت سے کہا کہ حضرت کو راضی کر کے جائیں۔ اور جن طلباء نے جامعہ کے قانون کی خلاف ورزی کی ہے، معافی مانگ کر جائیں تو حضرت نے میری معروضات کے بعد فرمایا کہ میں نے سب کو معاف کیا، آپ لوگ مجھے بھی معاف کر کے جائیں۔ اس کے بعد حضرت مرحوم نے کسی ذاتی کام کے لئے کبیر والا کے علاقہ میں جانا تھا، تو مجھے ساتھ لے گئے۔ راستہ میں جاتے ہوئے ایک آبادی میں عصر کی نماز کے لئے میں نے اذان کہی اور حضرت نے صف بچائی اور بندہ نے عصر کی نماز پڑھائی۔

مغرب کی نماز ایک کنویں پر پڑھی۔ ہمیں کسی کام کے لئے بھیج دیا۔ ہماری واپسی پر حضرت مغرب کی نماز پڑھ چکے تھے۔ ہم نے دوسری جماعت کرائی۔ اس دوران حضرت سے کسی نے مسئلہ دریافت کیا کہ جماعت ثانی جائز ہے؟ تو حضرت نے فرمایا: مسجد محلہ میں ناجائز، مسجد طریق میں جائز ہے۔ مسجد طریق وہ ہے جس کے نمازی اور امام متعین نہ ہوں۔

واپسی پر کچھ پیدل سفر تھا۔ بندہ نے آگے آگے چلنا شروع کر دیا۔ فرمایا: اچھا کیا اندھیرے میں آگے چلنا ہی ادب ہے۔ آگے چل کر ایک نالی جس میں پانی تھا عبور کرنے کی ضرورت تھی۔ بندہ نے عرض کیا: میں اٹھا کر آپ کو پار کراتا ہوں۔ حضرت نے فرمایا کہ میں خود عبور کروں گا، چنانچہ عبور نہ کر سکے۔ پاؤں کچھڑ میں دھنس گیا۔ بندہ نے حضرت کا ہاتھ تھام کر نکالا اور جوتا اور پاؤں دھونے کی خدمت سرانجام دی۔ اتنی دیر حضرت میرے کندھے پر سہارا دے کر کھڑے رہے۔ واپسی پر جب جیب میں سوار ہوئے تو بندہ نے حضرت کی کمر دہانی شروع کر دی۔ اور عرض کیا کہ تھک گئے ہوں گے۔ تو فرمایا کمر کا کیا پوچھتے ہو، ٹوٹی جاتی ہے۔ واپس کبیر والا آ کر کچھ مختصر وقت کے لئے چائے کا وقفہ کیا۔

واپسی پر جامعہ خیر المدارس میں داخل ہو کر مسجد کے جنوبی کونے پر پہنچے تو فرمایا کہ کیا نظام الاوقات ہے۔ میں نے عرض کیا صبح بھکر جانا ہے فرمایا جاؤ اللہ کے حوالے اور خود ہاتھ بڑھا کر مصافحہ کیا۔ بندہ نے عرض کیا کہ عشاء کی نماز اکٹھی پڑھ لیں۔ فرمایا: بہت تھکان ہے، اپنی اپنی پڑھ لیں۔

اگلے روز (۱۹ شعبان) صبح کی نماز کے وقت حضرت کی زیارت کی۔ لیکن چونکہ وداع ہو چکا تھا، دوبارہ مصافحہ نہیں کیا۔ صبح کو بندہ بھکر روانہ ہو گیا۔ بھکر اطلاع ملی کہ حضرت کا وصال ہو گیا۔ باوجود سعی بسیار جنازہ پر نہ پہنچ سکا۔ جب ملتان پہنچا تو حضرت مدفون ہو چکے تھے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

حضرت سے بندہ نے جو کتب سبقاً پڑھیں، وہ مندرجہ ذیل ہیں:

تہذیب المنطق، سلم العلوم، سبغہ معلقہ، ترجمہ قرآن مجید (علاوہ سورۃ بقرہ)، اصول الشاشی، مشکوٰۃ شریف، بخاری شریف، کچھ حصہ ترمذی شریف، ذم مختار، تاسیس النظر، بیضاوی شریف، عقود رسم المفتی، سراجی۔

زیر نگرانی تدریس:

دورہ حدیث کی کتب موطن، طحاوی شریف اور ابتداء سے لے کر سب کتابیں درس نظامی کی حضرت کی نگرانی میں پڑھائیں۔ اور افتاء کی ترین حضرت اور مفتی محمد عبداللہ صاحب کی نگرانی میں تقریباً آٹھ سال تک کی۔

متفرق خدمات:

مدرسہ کے جملہ کارہائے صفائی، در بانی، طباشی سے لے کر خدمات دارالاقامہ، مطبخ، نظامتِ تعلیم، تحصیل چندہ اور محاسبی تک کی۔ کبھی کبھی حضرت سفر پر جاتے وقت سب کاموں کا ذمہ دار بھی بنا دیتے تھے۔ خلاصہ یہ کہ ہمہ نوع کارہائے مدرسہ میں کوئی کام ہو گا جو بندہ نے نہ کیا ہو۔ آنا پھوٹا، لکڑیاں پھاڑنا، انہیں اٹھانا، مٹی اٹھانا۔ بندہ تا حال اسی طرح خدمت سرانجام دے رہا ہے۔

سلوک:

سلوک اور بیعت میں تجدید نہ کی۔ اسی بیعت میں بندہ قائم رہنا چاہتا ہے، تاکہ آخرت میں ان کا ساتھ نصیب ہو۔ المرء مع من احب۔ حضرتؒ کے وصال کے بعد حضرت کے خلیفہ مجاز حاجی فتح محمد صاحب نے حضرت کی طرف سے اجازت بیعت^۱ فرمائی۔ لیکن اکابر کی موجودگی اور اپنی بیچ مدانی اور خطا کاری نے حوصلہ نہ دیا کہ کسی کو بیعت کروں۔ کچھ اجاب نے کہا بھی، اصرار بھی کیا، لیکن بندہ نے اکابر کی طرف رجوع کرنے کا کہا۔

اللہ تعالیٰ آپ خلفاء کا سایہ تادیر قائم رکھے۔ اصلاح اُمت کا آپ سے زیادہ سے زیادہ کام لیں۔

آپ نے ملفوظات کی مجلس منعقد کرنے کا وارد ذکر کیا ہے وہ میرے حضرت مخدوم مولانا خیر محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی نسبت کا انکاس ہے جو آپ پر بطور تجلّی ظاہر ہوا۔ آپ کو یہ نسبت علیا مبارک ہو۔ صبح کے درس قرآن پاک میں سید تہالدین احمد صاحب (حضرتؒ کے خلیفہ) تشریف رکھتے ہیں اور سابقاً ترجمہ قرآن مجید بھی پڑھتے ہیں، تو صبح کی نماز کے بعد درس قرآن مجید کے بعد ملفوظات کی تلاوت میرے ذمہ ہوگئی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو دوام نصیب فرماویں۔ الحمد للہ کہ آخر سال میں حضرت مولانا محمد شریف صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بندہ کو ناظم مقرر کرایا اور سفر حج پر جاتے ہوئے سارے کام میرے حوالہ کر کے گئے۔ ولّٰہ الحمد۔

میری زندگی کے دو ہی زاویے رہے۔ مدرسہ اور حضرتؒ کے خاندان کی خدمت و وفاء۔ اللہ سے دُعا کریں کہ تادمِ آخریں اس پر قائم رہوں۔ دورہ حدیث شریف کی مختلف کتب زیر تدریس رہنے کے بعد علامہ کشمیری (مرحوم) نے بخاری شریف میرے ذمہ لگائی اور فرمایا کہ یہ حیاتِ امتیاً میرا ساتھی ہے۔ ولّٰہ الحمد۔

۱۔ بعض بزرگوں کا معمول دیکھا کہ بیعت کرتے وقت تو انعامیے شیخ کی طرف سے بیعت کرنے سے تعبیر کرتے ہیں۔ لیکن دوسرے بیعت کرنے والے بزرگ ہی کا ہوتے۔ ان کے شیخ کامریڈ نہیں ہوتا۔ یہی حال اجازت بیعت کا ہے۔ (آ۱)

حضرت مولانا حافظ منظور احمد صاحب مدظلہ العالی

(خلیفہ مجاز بیعت حضرت حاجی محمد شریف صاحب رحمۃ اللہ علیہ)

سب سے پہلی مرتبہ مولانا کی زیارت حضرت والّا کے ساتھ کراچی میں ہوئی جب کہ حضرت والّا نے تشریف آوری سے قبل بذریعہ والا نامہ احقر کو مطلع فرمایا۔ نقل والا نامہ حسب ذیل ہے:

محبی مخلص مولوی آفتاب احمد صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ!

اطلاعا تحریر ہے کہ بندہ بمعہ حاجی فتح محمد صاحب و ایک حافظ صاحب حیدرآباد سندھ پہنچ چکا ہے۔ ارادہ ہے کہ ۳/ اپریل مطابق ۱۳ رمضان المبارک ۱۳۷۷ھ بروز پنجشنبہ ۹:۳۰ بجے صبح چناب ایکسپریس سے چھاؤنی کراچی اسٹیشن اتر کر جیکب لائن میں حضرت مولانا احتشام الحق صاحب کے مکان پر قیام پذیر ہوں گے۔ فرصت کے وقت ملاقات کر لینا۔

دعاء گو: احقر خیر محمد غنی عنہ

والسلام

حال وارد حیدرآباد سندھ

۱۱ رمضان المبارک بروز منگل

یہ ”ایک حافظ صاحب“ حضرت مولانا حافظ منظور احمد صاحب مدظلہ تھے اور حضرت والّا کے ساتھ احقر کے غریب خانہ پر پاک کالونی تشریف لائے تھے۔ تراویح میں حضرت والّا کو قرآن پاک سناتے تھے اور حضرت والّا کے ساتھ ایک شب غریب خانہ پر قیام بھی رہا تھا۔ اس زمانہ (۱۳۷۷ھ) میں مولانا مدرسہ اشرفیہ حافظ آباد میں مدرس تھے۔ چنانچہ مولانا مدظلہ سے ناچیز کو اسی وقت سے نیاز حاصل ہے۔ اس کے بعد ہم دونوں نے اکٹھے خیر المدارس میں حضرت والّا کی خدمت میں رمضان المبارک میں بارہا وقت گزارا ہے۔ احقر کو رمضان المبارک کی تعطیلات میں کئی بار مولانا کا ہم درس ہونے کا شرف بھی حاصل ہوا ہے۔ چنانچہ حضرت مولانا مفتی عبدالستار صاحب مدظلہ العالی سے شرح العقائد للنسفی، حضرت مولانا مفتی محمد اسحاق صاحب مدظلہ سے مناظرہ میں رشیدیہ اور حضرت مولانا عتیق الرحمن صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے درمختار (جس کا درس پہلے روز خود حضرت والّا نے دیا تھا) ان میں مولانا کا ہم درس ہونے کا شرف حاصل ہوا ہے۔

مولانا کا مزید تعارف مجلہ ”الخیر“ جمادی الثانی ۱۳۷۴ھ سے نقل کیا جاتا ہے، وهو هذا۔

تعارف فضلاء خیر المدارس

حضرت مولانا منظور احمد صاحب زید مجدہم (مدیر کے قلم سے)

جامعہ خیر المدارس کے اُستاد الحدیث حضرت مولانا منظور احمد زید مجدہم جامعہ کے قدیم فضلاء میں سے ہیں۔ آپ نے قیام پاکستان کے دوسرے سال ”جھوک وینس“ میں جامع المعقول والمنقول حضرت مولانا محمد امیر صاحب (فاضل دارالعلوم دیوبند) کے پاس درسِ نظامی کی ابتداء کی۔ موقوف علیہ تک تمام درسی کتب بالخصوص فنون کی تکمیل اپنے فاضل اُستاد کے ہاں کی۔ دورہ حدیث کے لئے ۱۳۳۷ھ میں پاکستان کی معروف دینی درسگاہ جامعہ خیر المدارس میں حاضر ہوئے اور بانی خیر المدارس حضرت اُستاد العلماء مولانا خیر محمد جالندھری نور اللہ مرقدہ اور ان کے علاوہ دیگر اکابر حضرات کی خوشہ نشینی اور قدم پوی کی سعادت سے بہرہ ور ہوئے۔ بے نفسی، تواضع اور خاکساری مولانا کی فطرت تھی۔ اس پر ذہانت، فطانت اور لیاقت سزا حضرت بانی قدس سرہ حضرت مولانا مفتی محمد عبداللہ صاحب، حضرت مولانا علامہ محمد شریف کشمیری اور حضرت مولانا محمد عبداللہ صاحب مدظلہ العالی شیخ الحدیث ساہیوال جیسے فاضل اکابر اساتذہ کے علوم و معارف اور خیر المدارس کا علمی، اصلاحی، دینی ماحول، غرضیکہ مولانا کی صلاحیتوں کو کو بڑھنے اور پھیلنے پھولنے کا موقع میسر آیا۔ چنانچہ ۱۳۵۵ھ میں درجہ علیا میں دورہ حدیث شریف سے فراغت حاصل کی۔ حضرت مولانا مفتی محمد اسحاق صاحب (سابق مفتی جامعہ قاسم العلوم) حضرت مولانا سونی محمد سرور صاحب شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ لاہور، معروف خطیب مولانا محمد سلیمان طارق اور مولانا محمد یونس ہزاروی آپ کے رفقاء درس تھے۔ فراغت کے بعد حضرت مولانا خیر محمد صاحب رحمہ اللہ کے حکم سے مدرسہ اشرفیہ حافظ آباد ضلع کوڑا نوالا میں عربی کتب کی تدریس کے لئے تشریف لے گئے۔ پانچ سال تک وہیں مصروفِ خدمت رہے۔ بعد ازاں ۱۳۸۰ھ میں حضرت بانیؒ ہی کے حکم سے مدرسہ احیاء العلوم ماموں کالج میں آ گئے۔ ان دونوں مدرسوں کے نظم و نسق، انتظام و انصرام اور اساتذہ کے عزل و نصب کی ذمہ داریاں حضرت کے سپرد تھیں۔ چنانچہ پانچ سال آپ نے احیاء العلوم میں دینِ نبین کی خدمت میں گزارے۔ اسی دوران خانقاہ سراجیہ کے سجادہ نشین، مخدوم الصلحاء حضرت مولانا خان محمد صاحب کنڈیاں شریف والوں نے حضرت اُستاد العلماء سے درخواست کی کہ ”مولوی منظور احمد صاحب خانقاہ میں تدریس کے لئے ہمیں دے دیئے جائیں۔“ مولانا کا معمول تھا کہ رمضان المبارک خیر المدارس میں آ کر گزارتے تھے۔ حسب سابق تشریف لائے تو حضرت مولانا خیر محمد صاحب نے مولانا خان محمد صاحب مدظلہ کے مکتوب گرامی اور ان کی خواہش کا تذکرہ کیا۔ جواباً مولانا نے عرض کیا کہ ”حضرت! اگر وہاں سے ہٹانا ہے تو پھر اپنے پاس ہی بلا لیں۔ حضرت ”بہت اچھا“ فرما کر خاموش ہو گئے۔ اور اگلے ماہ شوال ۱۳۸۵ھ میں عربی مدرس کی حیثیت سے مولانا کا تقرر خیر المدارس میں فرما دیا۔ مدرسہ اشرفیہ اور احیاء العلوم

میں اگرچہ آپ موقوف علیہ تک تقریباً تمام کتب پڑھا چکے تھے، مگر خیر المدارس میں ابتدائی کتب کی معیاری تعلیم کے لئے ہمیشہ تجربہ کار اساتذہ کے تقرر کا معمول رہا ہے۔ اس لئے بعض نچلے درجوں کے اسباق بھی آپ کو تفویض ہوئے۔ خود حضرت مولانا منظور احمد صاحب کی روایت کے مطابق جب وہ خیر المدارس میں مدرس مقرر ہوئے تو حضرت والا نے فرمایا (یعنی احقر مؤلف کو اس کا حاصل یہ یاد ہے کہ) گو اس وقت آپ کو چھوٹی کتابیں پڑھانے کو ملی ہیں لیکن یہاں رہو گے تو بڑی کتابیں بھی پڑھاؤ گے۔ چنانچہ جلد ہی حضرت والا کی بات پوری ہوئی اور اب آپ ماشاء اللہ استاذ الحدیث ہیں۔ اپنی خداداد محنت و صلاحیت کی وجہ سے جلد ہی دورہ حدیث کی تدریس تک پہنچ گئے۔ مولانا کا بیان ہے کہ انہیں دنوں مجھے بدرالعلماء حضرت مولانا بدر عالم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خواب میں زیارت ہوئی۔ دیکھا کہ وہ میرے مکان کی بنیاد رکھ رہے ہیں۔ کچھ دنوں بعد مجھے حدیث شریف کا پہلا سبق ”طحاوی شریف“ پڑھانے کی سعادت نصیب ہوئی۔ یہ مولانا بدر عالم صاحب کے خواب کی تعبیر مجسم تھی۔ حضرت مولانا منظور احمد صاحب سے دریافت کرنے پر انہوں نے فرمایا کہ ”اصل بات یہ ہے کہ بندہ کو خواب میں ایک صاحب نسبت بزرگ نے فرمایا کہ تمہارے مکان کی بنیاد حضرت مولانا سید محمد بدر عالم صاحب مہاجر مدنی قدس سرہ رکھیں گے۔ یہ خواب بندہ نے یہاں مدرسہ میں ایک صاحب کو سنایا جنہوں نے طحاوی شریف حضرت موصوف سے نڈوالہ یار میں پڑھی تھی۔ بعدہ جب یہاں خیر المدارس میں بندہ کو طحاوی شریف پڑھانے کے لئے دی گئی تو اس میں بندہ نے بہت کچھ مواد ان استاد صاحب موصوف سے لیا۔ آجکل حضرت نے اس سال ۱۳۲۷ھ میں بخاری شریف جلد ثانی کا درس دیا ہے۔ مسلم شریف اور جزوی طور پر ترمذی شریف پڑھاتے ہیں۔ مولانا کا اندازِ تعلیم اور اسلوب تدریس و تفہیم منفرد اور جداگانہ ہے۔ ہمیں آج تک ان کے اسباق میں بے جا حشو و تطویل تو کجا، ایک دو جملے بھی زائد از ضرورت سننے کا اتفاق نہیں ہوا۔ عالمانہ متانت و وقار کے ساتھ سچے تلے الفاظ اور موزوں و مناسب آواز میں مسئلہ کی مختصر مگر مدلل اور جامع تقریر مولانا کے درس کی خصوصیت ہے۔ چھوٹے بڑے تمام حضرات سے کمال تواضع اور انکساری آپ کی رفعت مرتبت کی دلیل ہے۔ طلباء کو بھی اکثر ”مولانا مولوی صاحب“ کہہ کر مخاطب فرماتے ہیں، حتیٰ کہ کبھی تا دینا کسی کو ڈانٹ رہے ہوں تو بھی آغاز ”مولانا“ ہی سے ہوتا ہے۔ انجام..... آپ ۱۳۸۵ھ میں خیر المدارس میں بحیثیت مدرس تشریف لائے تھے۔ اسی سال حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے امامت کی ذمہ داری آپ کو سونپ دی۔ تقریباً تین چار ماہ بعد موصوف نے عرض کی کہ ”حضرت میں اس بھاری ذمہ داری کی کما حقہ بجا آوری کا اہل نہیں ہوں۔ براہِ کرم کسی اور بزرگ کو مقرر فرمادیتے۔“ حضرت نے فرمایا: ”نہیں نماز آپ ہی پڑھائیں گے۔“ اس وقت سے آج تک یہ اہم مگر گراں قدر فضیلت و منصب مولانا ہی کے سپرد ہے۔ بیعت کا تعلق حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے تھا۔ ان کی وفات کے بعد اصلاحی تعلق حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی اور بعد ازاں قدوة الصلحاء حضرت شیخ الحدیث نور اللہ مرقدہ سے رہا۔ اللہ تعالیٰ ان کی دینی خدمات کو خلعت قبولیت سے نوازیں اور ان کے لئے اور ان

کے ساتھ کرام اور تلامذہ کے لئے ذریعہ نجات بنائیں، آمین۔

”الخیر“ میں حضرت مولانا کا تعارف ختم ہوا۔ اس میں ۱۳۰۴ھ تک کے واقعات درج ہیں۔ خصوصاً تعلیم و تعلم اور خیر المدارس سے تعلق کے بارے میں۔ درحقیقت حضرت مولانا کی زندگی (زیادہ تر بذریعہ تعلیم اور گاہے تبلیغ و دعوت بذریعہ خطاب عام خصوصاً جمعہ پڑھانے کے مواقع پر) دین کی خدمت ہی میں گزرتی رہی ہے۔ رضائے حق اور فکرِ آخرت ہی آپ کی زندگی کا حاصل ہے۔ طبیعت مرتجان مرنج ہے۔ ملک میں مغربی سیاست کے شور و شغب اور تحزب و تعصب سے دور ہیں۔ چنانچہ حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد حضرت حاجی محمد شریف صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے اصلاحی تعلق رہا۔ یہاں تک کہ اجازت بیعت و تلقین سے بھی مشرف ہوئے۔ اس کا واقعہ خود ان کے الفاظ میں ملاحظہ فرمائیے:

”حضرت قبلہ مرشدی حاجی صاحب سے احقر نے ایک سنایا کہ ایک خواب مجلس میں حضرت حاجی صاحب اور آپ اور حضرت ڈاکٹر سید عبدالواحد صاحب مقیم مکہ المکرمہ اور بندہ موجود تھے۔ حلوہ کھایا جا رہا ہے۔ دونوں نے حضرت والا کو کہا کہ حضرت اسے یعنی احقر کو بھی عنایت فرمادیں، تو حضرت حاجی صاحب نے اپنی پلیٹ والا حلوہ جو کہ مقدر میں بہت تھا۔ اٹھا کر احقر کے منہ میں رکھ دیا۔ اس کی فوری تعبیر تو حضرت حاجی صاحب نے یوں دی کہ ایک ڈبہ شہد کا غیر ملکی احقر کو یہ عنایت فرمایا اور فرمایا کہ آئندہ دیکھا جائے گا۔ اس کے کچھ عرصہ بعد حضرت نے تحریراً اجازت عنایت فرمائی۔ جس سے بندہ پر خوب گریہ طاری ہوا۔ یہ تحریر قدرے مختصر تھی۔ اس کے چند دن بعد ایک مفصل تحریر کے ذریعہ سے پھر اجازت تحریر فرما کر عنایت فرمائی۔ یہ دونوں تحریریں احقر کے پاس ہیں۔“

حضرت حاجی صاحب نور اللہ مرقدہ کے وصال کے بعد اب تعلق بیعت حضرت صوفی اقبال صاحب دام ظلہم العالی فلیذہباجاز بیعت حضرت شیخ الحدیث نور اللہ مرقدہ سے ہے جو مدت دراز سے مدینہ منورہ میں مقیم ہیں۔ غرضیکہ اپنے آپ کو مصلح سے مستغنی کبھی نہیں سمجھا۔ بلکہ برابر تعلق قائم کرتے رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ برکت دے (آمین)۔ آپ کو حضرت صوفی محمد اقبال صاحب مدظلہ العالی سے اجازت بیعت بھی ہے اور حضرت مولانا علی مرتضیٰ صاحب مدظلہ العالی (ذریعہ غازی خان) سے بھی اجازت بیعت ہے۔

حضرت ڈاکٹر عبد المجید صاحب ریواڑی والے رحمۃ اللہ علیہ

(خلیفہ مجاز بیعت مجدد و منا حضرت مولانا عبد المجید صاحب پتھراپوٹی)

مختصر سوانح بقلم مولانا عبدالدیان سلیمی صاحب زاد مجددہ فرزند حضرت ڈاکٹر عبد المجید صاحب^۱

(نوٹ: "حضرت والد ماجد کے حالات زندگی کے بارے میں حضرت مولانا آفتاب احمد صاحب نے کئی بار احقر کو خط لکھے۔ اس دفعہ دسمبر ۱۹۹۳ء میں عمرہ کی سعادت حاصل ہوئی، مدینہ منورہ میں مولانا سے ملاقات ہوئی۔ وعدہ کیا اس دفعہ ضرور کچھ نہ کچھ تحریر کر کے روانہ کروں گا۔ چنانچہ پیش خدمت ہے)

حضرت والد صاحب کی صحیح تاریخ پیدائش تو معلوم نہیں، ہاں اتنا ضرور معلوم ہے کہ میٹرک ۱۹۲۳ء میں پاس کیا۔ چھٹی جماعت سے دہلی میں تعلیم حاصل کی اور وہیں پر حضرت تھانویؒ کی پہلی بار زیارت کی۔ جس کا حال والد صاحب کے الفاظ میں نقل کرتا ہوں:

"دہلی میں جمعہ کی نماز کے بعد اکثر حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب، مولانا احمد سعید، مولانا محمد اسحاق صاحب کے مواعظ میں جایا کرتا تھا۔ ایک دفعہ مدرسہ عبدالرب میں حضرت تھانویؒ کا وعظ تھا۔ میں اس وقت عربک کالج جو پہلے ہائی سکول تھا ساتویں جماعت میں پڑھتا تھا، میں بھی وعظ سننے کے لئے پہنچا۔ میں نے دیکھا کہ مذکورہ بالا حضرات حوض پر بیٹھے ہوئے حضرت کا وعظ سن رہے ہیں۔ میرے دل میں خیال آیا کہ یہ مولانا تھانویؒ تو بہت بڑے عالم ہیں، کیونکہ میں نے تو ان حضرات کو ممبر پر بیٹھے ہوئے دیکھا ہے اور آج یہ حضرات حوض پر بیٹھ کر وعظ سن رہے ہیں۔ حضرت کا وعظ پوری توجہ سے سنا۔ وعظ کے بعد لوگوں نے مصافحہ شروع کیا۔ حضرت کرسی پر آنکھیں بند کر کے دونوں طرف ہاتھ لٹکا کر بیٹھ گئے۔ لوگ دونوں طرف سے مصافحہ کر رہے تھے۔ میرے دل میں یہ خیال آیا کہ یہ عجیب طریقہ کا مصافحہ ہے۔ مولانا کو معلوم بھی نہیں، کون ہاتھ لگا رہا ہے۔ مجھے خوب یاد ہے کہ حضرت کا دایاں ہاتھ میرے ہاتھ میں آیا اور میں نے حضرت کی طرف دیکھا، میرا دیکھنا تھا کہ حضرت نے بڑے زور سے مجھ پر نظر ڈالی۔ میں ڈر گیا، اس وقت تو معلوم نہ تھا اب سمجھ میں آتا ہے، بقول مجذوب۔

جس کو ذرا ٹکا نہیں کب وہ وہیں گرا نہیں

تیری نظر کا تیر بھی جس پہ پڑا بچا نہیں

بس اس وقت سے حضرت کی محبت و عظمت دل میں بیٹھ گئی۔ دوسرے دن مسجد شاہ گل میں وعظ ہونا تھا۔ میں اس

میں بھی شریک ہوا۔"

تھانہ بھون کی پہلی حاضری:

میری ملازمت ۱۹۲۹ء میں شروع ہوئی۔ پہلی تقرری انبالہ میں ہوئی۔ فوراً میرا تبادلہ انبالہ سے گورگاؤں میں ہوا۔ میں انبالہ سے سہارن پور اسٹیشن سے اتر کر چھوٹی لائن سے گاڑی پر سوار ہو کر تھانہ بھون پہنچا۔ جمعہ کا دن تھا۔ دن کے گیارہ بجے تھے۔ یہ تھانہ بھون کی پہلی حاضری تھی۔ حضرت والا گھر پر کھانا کھانے گئے ہوئے تھے۔ میں نے سب سے پہلے جو بورڈ جہاں جہاں ہدایات کے آویزاں تھے وہ سب پڑھ لئے۔ نووارد کے لئے مصافحہ کی اجازت تھی۔ حضرت کھانا کھانے کے بعد سردری میں آ کر بیٹھے ہی تھے کہ میں نے حاضر ہو کر السلام علیکم کہا اور کہا میں نووارد ہوں، مصافحہ کرنا چاہتا ہوں۔ پوچھا کہاں سے آئے ہو؟ میں نے عرض کیا عبدالمجید نام ہے، ریواڑی کارہنے والا ہوں۔ حضرت نے پوچھا میرا کوئی خط لائے ہو۔ میں نے کہا نہیں، یہ تھانہ بھون کی پہلی حاضری تھی جو ۱۹۳۳ء تک جاری رہی۔

ڈاکٹر کا لقب:

میری ملازمت محکمہ صحت میں تھی۔ میں اس میں انسپکٹر تھا۔ ایک بار تھانہ بھون حاضری ہوئی تو حضرت مولانا عبدالمجید پھراپونی نے خانقاہ والوں سے ڈاکٹر کہہ کر تعارف کرایا۔ خانقاہ میں سب حضرات ڈاکٹر کے نام سے ہی احقر سے متعارف تھے۔

ایک دفعہ حضرت والا کو اپنی آمد کے موقع پر اپنا تعارف کرایا عبدالمجید ریواڑی والا، تو حضرت نے فرمایا ڈاکٹر صاحب! میں نے کہا جی ہاں۔ مجلس خاص میں پوچھ کر بیٹھنے کی اجازت تھی۔ احقر اجازت لیتا، فرماتے بیٹھ جاویں۔ بعد میں کئی بار سلام کے بعد نام بتانے لگتا تو فرمادیتے: میں نے پہچان لیا۔ الحمد للہ میں اس کو اپنی بڑی سعادت اور کامیابی سمجھتا ہوں۔“ حضرت والد صاحب کا اصلاحی تعلق حضرت تھانوی سے مولانا عبدالمجید پھراپونی نے قائم کرایا اور حضرت تھانوی نے بیعت بھی فرمایا تھا۔ حج کے موقع پر والد صاحب سے کسی صاحب نے کوئی بات پوچھی تھی۔ اس کو جو جواب دیا وہ جواب حضرت پھراپونی نے حضرت تھانوی کے سامنے نقل کیا، حضرت تھانوی نے اس کو سن کر فرمایا: ڈاکٹر عبدالمجید نے شیخ طریقت والا جواب دیا۔

حضرت تھانوی کی وفات کے بعد حضرت پھراپونی نے والد صاحب کو خلافت سے نوازا۔ مولانا عبدالمجید صاحب کو جو تعلق حضرت والد صاحب کے ساتھ تھا وہ ایک خط کے جواب سے معلوم ہو سکتا ہے۔

خط جو والد صاحب نے تحریر فرمایا:

میں اپنے آپ میں اور میاں رشید میں فرق نہیں سمجھتا۔ بلکہ میاں رشید آپ کے بیٹے اور میں غلام ہوں۔ بیٹا کہیں چلا بھی جائے تو اسے اختیار ہے، لیکن غلام کو آقا سے بھاگ جانا بھی زیبا نہیں۔

جواب حضرت پچھرا یونی:

عرض کرنے کی بات تو نہ تھی، اب عرض کرنی پڑی۔ واللہ میں آپ کو رشید سے زیادہ سمجھتا ہوں۔ رشید کو آپ سے کیا نسبت۔ آپ میری روحانی اولاد ہیں اور میری آخرت کا ذخیرہ ہیں۔ میرے طریق کے حامل ہیں۔

حضرت والد صاحب قدس سرہ کا حضرت تھانویؒ کے خلفاء کے ساتھ خصوصی تعلق دیکھا۔ حضرت مولانا عبدالغنی پھول پوریؒ، حضرت مولانا خیر محمد صاحبؒ، حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحبؒ، حضرت مولانا ابرار الحق صاحبؒ اور حضرت مسیح الامتؒ، ان کی تفصیل اگر لکھی جائے تو ایک دفتر چاہئے۔

حضرت مسیح الامتؒ سے والد صاحبؒ نے اپنا تعلق قائم کیا تو حضرت اقدسؒ نے کسی بات کے جواب میں اس کو شانِ قلندری سے تعبیر کیا۔ والد صاحبؒ نے فرمایا: یہی بات ایک خط کے جواب میں حضرت تھانویؒ نے تحریر فرمائی تھی۔ احقر عبدالدیان نے جب سے ہوش سنبھالا اس وقت سے والد صاحبؒ کا حضرت مولانا خیر محمدؒ سے کافی گہرا تعلق تھا اور مولاناؒ بھی حضرت والد صاحبؒ کے ساتھ خصوصی برتاؤ فرماتے تھے۔

احقر کو خوب اچھی طرح یاد ہے کہ احقر کو جب والد صاحبؒ نے سکول چھڑوایا اور قرآن مجید کے حفظ کے لئے ملتان خیر المدارس میں داخلہ کے لئے گئے تو اس وقت عصر کے قریب کا وقت تھا۔ پرانی بلڈنگ کے دارالاہتمام میں حضرت مولاناؒ نے حضرت قاری رحیم بخش صاحبؒ کو بلایا اور احقر کی بسم اللہ کرائی۔ یہ حضرت مولانا خیر محمد صاحبؒ نور اللہ مرقدہ کا والد صاحبؒ کے ساتھ خصوصی تعلق کا نتیجہ تھا، ورنہ داخلہ ویسے بھی ہو سکتا تھا۔

والد صاحبؒ ایک دفعہ جناب سید غلام اولیس شاہ صاحبؒ کی دعوت پر فورٹ منرو تشریف لے گئے۔ ٹھنڈا علاقہ ہے۔ احقر کی خواہش ساتھ جانے کی تھی۔ لیکن والد صاحبؒ نے منع کر دیا۔ والد صاحبؒ کے چلے جانے کے بعد احقر شیطانی دوسے اور چکر میں آ کر مدرسے سے بغیر اجازت چلا گیا۔ والد صاحبؒ بہت ناراض ہوئے اور حضرت تھانویؒ کی تعلیم کے مطابق احقر سے حضرت مہتمم صاحبؒ کی خدمت میں معافی کا خط لکھوایا اور دوبارہ داخلہ کی اجازت کی درخواست جو ابی خط تھا۔ حضرت نے فوراً جواب دیا، اور اس جواب میں بھی والد صاحبؒ کا تعلق اور عزت جو حضرت مولاناؒ کے دل میں تھی، ظاہر ہو رہی تھی۔ حضرت مولاناؒ کے الفاظ جو ابھی تک لفظ بلفظ یاد ہیں، حسب ذیل ہیں:

حضرت مولانا خیر محمد صاحبؒ نور اللہ مرقدہ کا جواب:

”جن کا تم لحاظ نہیں کرتے، میں ان کا لانا نہ کر کے تم کو دوبارہ داخلہ کی اجازت دیتا ہوں۔“

حضرت مولانا نور اللہ مرقدہ نے والد صاحبؒ کو خیر المدارس کی شورٹی اور منظمہ کارکن منتخب فرمایا اور والد صاحبؒ کے ساتھ مولانا کو اتنا تعلق تھا کہ رمضان المبارک میں تراویح کے بعد والد صاحبؒ کو حکم تھا کہ کچھ نہ کچھ بیان کر دیا کریں جو

والد صاحب اخیر عمر تک کرتے رہے۔

جمعہ کے دن نماز جمعہ کے بعد چائے پر خصوصی طور سے والد صاحب کو مدعو فرماتے اور اکثر خواجہ صاحب کے اشعار سننے، جو والد صاحب کو اکثر یاد تھے۔ اگر کسی جمعہ کو حاضری نہ ہو سکتی تو پوچھتے تھے ڈاکٹر صاحب کہاں ہیں۔ والد صاحب خانوال سے اپنا مکان چھوڑ کر ملتان تشریف لائے تو اس کی دو وجہیں بیان فرمائیں: (۱) حضرت مولانا خیر محمد نور اللہ مرقدہ کا قرب، (۲) احقر کی پڑھائی۔ حضرت والد صاحب نے اپنے احباب کے اصرار پر ڈیرہ غازیخان میں مستقل رہائش کا ارادہ کیا تو اس کے لئے جگہ خریدی اور اس کا نام حضرت کے نام پر خیر آباد رکھا اور حضرت کو لے جا کر مسجد کاتب بنیاد رکھوایا۔

حضرت مولانا خیر محمد صاحب نور اللہ مرقدہ کی وفات کے بعد اکثر فرماتے تھے ملتان خالی ہو گیا۔ اور فرماتے تھے حضرت تھانویؒ کے خلفاء اس زمانہ کی سب سے بڑی نعمت ہیں۔ حضرت نے جو تعلق والد صاحب کے مدرسہ کے ساتھ قائم کیا تھا، اخیر عمر تک اس کو نبھایا اور ہر وقت اسی دھن اور فکر میں رہتے تھے کہ مدرسہ حضرت تھانویؒ کے مسلک کے مطابق کام کرے۔

وفات:

اخیر عمر میں مشانہ میں غدود کا مرض ہو گیا تھا، جس کے آپریشن کے لئے کئی دفعہ کہا، لیکن نہیں مانے۔ ایک دن اچانک خود بخود راضی ہو گئے۔ احقر کو ملتان بلایا۔ دیگر بھائیوں کو بھی میں نے اطلاع کر دی۔ آپریشن کا دن مقرر ہو چکا تھا اور یہ ہفتہ کا دن تھا۔ فرماتے تھے یہ دن میں نے اس لئے رکھا ہے تاکہ تمہارے جمعہ کا نغمہ نہ ہو۔ احقر جمعہ پڑھا کر جمعہ کی شام ہی کو بذریعہ ہوائی جہاز ملتان پہنچ گیا۔

ہفتہ مورخہ ۴ ستمبر ۱۹۸۸ء کو صبح دس بجے حاجی انوار الہی صاحب کی گاڑی سے ہسپتال پہنچے۔ خون کی ضرورت پیش آئی۔ احقر کا گروپ مل گیا۔ احقر نے والد صاحب کو بتائے بغیر اپنا خون بلڈ بنک میں جمع کرا دیا۔ برادر عزیز حافظ عبدالخالق نے والد صاحب کو بتا دیا۔ والد صاحب پر اس کا بہت اثر ہوا۔ فرمایا چلو پھر ومت، آرام کرو۔

احقر کو آپریشن سے پہلے فرمایا کہ آپریشن کے بعد ہسپتال کی چار پائی پر نماز پڑھنی پڑے گی۔ مجھے ان کے بستروں کے پاک ہونے میں شبہ ہے۔ اگر میرا انتقال ہو گیا تو ان نمازوں کا فدیہ دے دینا۔ اگر میں ٹھیک ہو گیا تو پھر ان شاء اللہ العزیز ان نمازوں کو لوٹا لوں گا۔ احقر نے یہ وصیت الحمد للہ پوری کر دی۔ آپریشن الحمد للہ کامیاب ہوا۔

چوتھے دن اچانک طبیعت خراب ہو گئی۔ دل کا دورہ پڑا۔ لیکن اس حالت میں بھی نماز کا خیال رہا۔ چار پائی سے اٹھنے کی کوشش کرتے، میں پوچھتا، اباجی کیا بات ہے؟ فرمانے لگے نماز کے لئے جا رہا ہوں۔ میں نے کہا ابھی وقت نہیں ہوا۔ پھر خواجہ صاحب کا شعر ع میر انقش ہستی نہیں مٹنے والا پڑھنے لگے۔ میں نے کہا خواجہ صاحب کا

شعر پڑھ رہے ہو۔ فرمایا تم کیا جانو خواجہ صاحب کو تم کیا جانو۔ اور پھر چار پائی سے اترنے لگے۔ احقر نے بڑی مشکل سے روکا۔ فرمایا اگر میری نماز قضا ہوگئی تو یہ پہلی نماز قضا ہوگی اور تم ذمہ دار ہو گے۔

جب زوال کا وقت ہو گیا تو احقر نے تیمم کرایا اور سہارا دے کر بٹھایا اور کہا نماز پڑھ لیں۔ پوچھا قبلہ کا رخ درست ہے۔ میں نے عرض کیا جی ہاں۔ نماز پڑھی اور پھر سکون سے لیٹ گئے۔ ہوش و حواس قائم تھے۔ مختصر مختصر بات برادر محمد ہاشم صاحب سے کی۔ بڑے بھائی محمد قاسم صاحب جو مکہ مکرمہ میں تھے ان کا پوچھا۔ احقر ظہر کی نماز کے بعد ڈاکٹر بخاری صاحب کی طرف گیا، وہ اسی وقت تشریف لے آئے۔

جمعرات کے دن مورخہ ۸ ستمبر تین بجے سانس لینے میں دشواری ہوئی۔ ہسپتال کے عملہ نے پوری کوشش کی، لیکن ساتھ دل کا دورہ پڑا۔ ڈاکٹر بخاری صاحب نے مشورہ دیا کہ ان کو فوراً ہسپتال لے کر چلنا چاہئے۔ اور کہنے لگے میں پہلے چل کر ضروری انتظام کرتا ہوں۔ آپ ان کو لے کر جلدی آئیں۔

ڈاکٹروں نے پوری کوشش کی۔ لیکن موت کا وقت متعین ہے۔ انتقال کے وقت کمرہ میں اندر بھائی محمد ہاشم صاحب، حافظ محمد ابراہیم صاحب اور احقر موجود تھے۔ جمعہ کی رات کو دو بجے یہ شیخ طریقت اپنے خالق حقیقی سے جا ملا، اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ یہی وقت اور یہی دن حضرت مولانا عبدالمجید صاحب پھرا یونی کے انتقال کا تھا۔ جمعہ کی نماز کے بعد خیر المدارس میں نماز جنازہ ادا کی گئی۔ حضرت مفتی عبدالستار صاحب نے امامت کے فرائض سرانجام دیئے۔ تدفین حضرت حاجی محمد شریف صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے قریب ہوئی۔ نماز جنازہ میں لوگوں کی شرکت ہمارے اندازے سے کہیں زیادہ تھی۔ ہم سب بہن بھائی اور والد صاحب کے بھائی صاحبان بھی پہنچ چکے تھے۔ نماز جنازہ جمعہ کے بعد ہونے کی وجہ یہ تھی، میں نے کہا بھی تھا کہ جنازہ قبل از جمعہ ہو جائے۔ لیکن بہت سے علماء کرام کی خواہش تھی کہ ہم بھی اپنی اپنی مساجد میں نماز پڑھ کر شرکت کر سکیں گے۔ میں نے جب زیادہ مخالفت کی، ہمارے سب سے بڑے بھائی صاحب نے کہا مولانا عبدالمجید صاحب کا جب انتقال ہوا تو جمعہ کا دن تھا۔ حضرت مولانا خیر محمد صاحب نے فرمایا کہ اگر جمعہ کے بعد جنازہ ہو تو ہم بھی شریک ہو سکتے ہیں۔ اس لئے جمعہ کے بعد کیا جائے۔ اس لئے جمعہ کے بعد نماز جنازہ میں کوئی حرج نہیں۔ ایک خاص بات کا ذکر اس جگہ ضروری ہے، وہ یہ کہ والد صاحب نے اپنے کفن اور غسل کا سامان خود پہلے سے تیار کر کے بکس میں رکھا ہوا تھا۔ کفن کے لئے پرانی چادریں جو کئی دفعہ حج کے احرام میں استعمال کیں وہ سنبھال کر رکھی ہوئی تھیں۔ انہی کا کفن دیا اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سنت کے مطابق گویا آخری وقت نسبت صدیقیت نصیب ہوئی۔ حضرت تھانوی سے تعلق اور نسبت آخری وقت تک قائم رہی۔ حضرت تھانوی کی ٹوپی کا ٹکڑا اپنی کفنی میں سینے کے جانب سینے کا حکم اور وصیت کی تھی، جو پوری کر دی گئی۔

ایک خواب:

ذریہ غازیخان میں حضرت کے ایک مرید حاجی سکندر دین صاحب تھے، انہوں نے بہت زیادہ عمر پائی۔ وہ فرماتے ہیں میں نے اسی رات یعنی جس رات حضرت کی وفات ہوئی، خواب دیکھا۔ رات کے دو بجے کے قریب حضرت تھانویؒ، مولانا عبدالمجید پچھرا یونی اور دیگر نورانی چہرے والے حضرات جن کو میں نہیں جانتا کسی کے انتظار میں کھڑے ہیں۔ میں نے حضرت تھانویؒ سے پوچھا: حضرت! آپ کیوں کھڑے ہیں۔ فرمایا ڈاکٹر عبدالمجید صاحب آرہے ہیں۔ ان کے انتظار میں کھڑے ہیں۔ میں فوراً بیدار ہوا۔ فوراً دل میں خیال ہوا کہ ہمارے حضرت کا انتقال ہو گیا۔ میں پریشان تھا، بچوں کو اٹھاؤں، لیکن خواب کی وجہ سے چپ رہا۔ نیند نہیں آرہی تھی۔ تہجد کی تیاری میں مصروف تھا کہ دروازے پر دستک ہوئی۔ دل خوف کے مارے ڈوبا جا رہا تھا۔ دروازہ کھولا، سید غلام اولیس شاہ صاحب کے آدمی نے اطلاع دی کہ حضرت کا انتقال ہو گیا۔ انا لله وانا الیہ راجعون۔

حضرت ڈاکٹر صاحب کی ایک روایت:

احقر مؤلف عرض کرتا ہے کہ مجھ سے حضرت ڈاکٹر حاجی عبدالمجید صاحبؒ نے غالباً خیر المدارس کی جامع مسجد میں ایک بار ایک واقعہ حضرت تھانویؒ کا بیان فرمایا تھا، جو دلچسپ ہونے کے علاوہ افادہ عام کے لئے بھی، جیسا کہ یاد ہے، اپنا الفاظ میں ذکر کیا جاتا ہے:

ایک روز حضرت حکیم الامت مجدد تھانویؒ آرام کا وقت ہونے پر اندر تشریف لے جا چکے تھے کہ اس وقت ایک اجنبی نورانی صورت شخص حضرتؒ کی آرام گاہ میں داخل ہوئے اور کچھ دیر میں واپس آ کر کہیں چلے گئے (شاید یہ بھی بتایا تھا کہ پھر وہاں کسی کو نظر نہیں آئے) حضرت خواجہ مجذوب صاحبؒ یہ دیکھ رہے تھے۔ حیرت ہوئی کہ کون تھے جو اس وقت اندر چلے گئے جبکہ ملاقات کا وقت بھی نہیں تھا اور باہر آ کر کہاں غائب ہو گئے۔ حضرت مجذوب صاحبؒ سے نہ رہا گیا۔ حضرت تھانویؒ نے پوچھا کہ حضرت وہ کون صاحب تھے؟ حضرتؒ نے پہلے تو ٹالا کہ آپ کو معلوم کرنے کی کیا ضرورت؟ لیکن خواجہ صاحب نے لجاجت سے اصرار کیا کہ نہیں حضرت بتا ہی دیجئے۔ بالآخر حضرت تھانویؒ نے فرمایا کہ ابدال تھے، انہیں کچھ پوچھنا تھا، وہ پوچھ کر چلے گئے۔ اب یہ یاد نہیں رہا کہ حضرت ڈاکٹر عبدالمجید صاحبؒ کا یہ چشم دید واقعہ تھا یا حضرت خواجہ صاحبؒ سے سنا تھا۔ زیادہ تر یہی خیال ہے کہ چشم دید واقعہ ہے۔ حضرت خواجہ صاحبؒ کا دریافت فرمانا اور حضرت تھانویؒ کا بتانا یہ ہو سکتا ہے ان کے سامنے کا نہ ہو بلکہ بعد میں خواجہ صاحب سے سنا ہو۔

(جیسا کہ عرض کیا گیا افادہ عام اس میں یہ ہے کہ حضرت حکیم الامت مجدد تھانویؒ سے ابدال بھی پوچھتے یا مشورہ لیتے تھے، جس سے حضرتؒ کی مجددیت کی تائید ہوتی ہے۔ خیر ایسے واقعات سے تو صرف تائید ہی ہوتی ہے، ورنہ اس سے

بہت زیادہ قوی ظن غالب تو ان کے ہم عصر بزرگان دین کے حضرت تھانویؒ کے بارے میں ان کے اقوال اور معاملات سے ہوتا ہے۔ جیسا کہ مثلاً مخدومنا حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب کاندھلویؒ کے والد ماجد حضرت مولانا یحییٰ صاحب جو امام ربانی حضرت گنگوہیؒ کے بڑے خلفاء میں سے تھے۔ ان کا قول جیسا کہ اشرف السوانح میں ہے کہ ہم حضرت گنگوہیؒ کو مجدد سمجھتے تھے، لیکن حضرت کافیزؒ تو زیادہ تر علماء کو ہوا اور عوام و خواص سب کو فیض حضرت تھانویؒ سے بہت ہوا۔ اس لئے وہ مجدد معلوم ہوتے ہیں۔ احقر مؤلف عرض کرتا ہے کہ تاہم کسی کے لئے مجددیت کا منصب یقینی نہیں بلکہ ظنی ہوتا ہے۔ اور نہ مجدد کو ماننا عقائد میں داخل ہے۔ اس لئے اس پر اصرار نہ کرنا چاہئے۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ مجدد کو پہچاننے سے اس سے دینی استفادہ و استفاضہ زیادہ ہونا ضرور متوقع اور منظور ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

بروفات حضرت ڈاکٹر عبد المجید صاحب (ریواڑی والے)

تحریر تعزیت بقلم حضرت مولانا نجم الحسن صاحب تھانویؒ کی تلخیص

ہمارے مشفق اور بزرگ حضرت ڈاکٹر عبد المجید صاحب خلیفہ حضرت مولانا مولوی عبد المجید صاحب پتھراپوٹی مورخہ ۹

ستمبر ۱۹۸۸ء بروز جمعہ بوقت دو بجے صبح ملتان میں اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اللہ تعالیٰ ان کو اپنے جوار رحمت میں مقام عالی اور پس ماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

پاکستان بننے کے بعد ان سے اس عاجز کی ملاقات ”مجلس صیانت المسلمین“ کے پہلے سالانہ اجتماع کے موقع پر لاہور میں ہوئی۔ ان کی سادگی، بے تکلفی، بے ساختگی، پختگی، بزرگی اور سب سے بڑھ کر شفقت و رحمت اور خصوصی محبت کا نقشہ آج تک دل پر موجود ہے۔ تواضع و انکساری، حلم و بردباری اور قناعت و صبر کا تو وہ گویا پیکر تھے۔ اپنے بزرگوں کے طریق پر چلنے اور دوسروں کو اس پر چلانے کا بے پناہ جذبہ اللہ نے ان میں رکھا تھا۔

مجلس کے ساتھ ان کے دلی تعلق کا اندازہ اس بات سے لگائیے کہ نہ صرف وہ سالانہ اجتماع میں بڑی پابندی، اہتمام اور لگن کے ساتھ تشریف لاتے، بلکہ ہم خدام کی استدعا پر ہمارے ساتھ تبلیغی اسفار میں بھی باوجود ضعف، پیرانہ سالی اور علالت کے نہایت بشاشت اور خندہ پیشانی کے ساتھ تشریف لے جاتے۔ ایک بار تو مجھے یاد ہے کہ ایک ایسا ہی سفر سخت گرمی اور لو کے زمانے میں ہوا اور سفر بھی بارہ تیرہ روز کا، اور ریل اور بسوں میں کرنا تھا، جگہ جگہ قیام کرنا، سفر لاہور سے شروع ہوا اور کراچی پر ختم ہوا۔ مگر اس جھلسا دینے والی گرمی اور لو کے تھپیڑوں میں وہ تکالیف کی پرواہ کئے بغیر، خانیوال سے غالباً سکھر تک ہمراہ رہے اور ہر قدم پر رہنمائی اور شفقت و محبت سے نوازا۔ اس سفر میں ان کے تعلق قلبی کے بے مثال مناظر سامنے آئے۔ اللہ اللہ آج ہمارے قلوب میں جو ان کی بے پناہ محبت و عظمت اور تعلق ہے وہ ایسا لگتا ہے کہ ہمارا کمال نہیں۔ بلکہ انہی

کے تعلق اور محبت کا پرتو ہے، بقول حضرت خواجہ عزیز الحسن صاحب مجذوب”۔

بھلاتا ہوں پھر بھی وہ یاد آ رہے ہیں

وہی چاہتے ہیں میں کیا چاہتا ہوں

حضرت خواجہ عزیز الحسنؒ کے اشعار ان کو کثرت سے یاد تھے اور بڑے ذوق و شوق اور ترنم سے حضرت خواجہ صاحبؒ کے انداز میں سناتے، جس سے سننے والے بہت محظوظ اور متاثر ہوتے۔ ایک مرتبہ اس احقر کو حضرت خواجہ صاحبؒ کا ایک نغمہ مع اس کے ”شان و رود“ کے سنایا، جو احقر نے پہلی بار سنا۔ فرمایا کہ جناب وصل بلگرامی مرحوم (جو اپنی آخری عمر میں حضرت تھانویؒ کے متوسلین میں ایسے شامل ہوئے کہ بس خانقاہ ہی کے ہو رہے اور تھانہ بھون ہی میں وفات پائی اور خانقاہ کے قبرستان میں مدفون ہیں۔ تھے تو لکھنؤ کے، مگر بس حضرت قدس سرہ کے گرویدہ ہو کر سب کچھ تج دیا) جو بولا بہت کرتے تھے اور حضرت قدس سرہ نے ازراہ تربیت، ان کو ہدایت فرمائی کہ بولنے میں کمی کرو۔ مگر وہ غالباً اس پر قادر نہ ہو سکے۔ ہدایت شیخ کے باوجود ان کے بولنے میں کوئی کمی نہ آئی۔ ایک روز خواجہ صاحبؒ ہم لوگوں کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے کہ حسب معمول اپنے اشعار وغیرہ سنارہے تھے کہ وصل صاحب بھی آئے اور خواجہ صاحب کے سامنے کھڑے ہو گئے۔ معاً خواجہ صاحب نے سر اٹھا کر ان کی طرف دیکھا اور ان کو مخاطب کر کے فرمایا کہ

تعلیٰ سے علو حاصل نہ ہوگا نرے دعووں سے تو کامل نہ ہوگا

زباں کو روک! حسب حکم مرشد کہ یوں اے وصل! تو واصل نہ ہوگا

حضرت ڈاکٹر صاحبؒ کی ان مجلسوں اور صحبتوں کے دس سال کا عرصہ اس طرح گزر گیا کہ آج یہ طویل عرصہ ایک خواب و خیال معلوم ہوتا ہے۔ ان کی جدائی کا صدمہ ناقابل بیان ہے۔ وہ ہمارے بزرگوں کی نشانیوں میں سے تھے۔ ان کے پاس بیٹھ کر بزرگوں کے تذکرے سے بزرگوں کی یاد تازہ ہو جاتی تھی۔

اب نہ دنیا میں آئیں گے یہ لوگ

کہیں ڈھونڈھے نہ پائیں گے یہ لوگ

اپنے بچپن اور پھر جوانی کے وقت کو یاد کرتا ہوں تو ایسا لگتا ہے کہ یہ دنیا عارفین و صلحاء و علماء سے بھری ہوئی تھی جو اب ایک ایک کر کے زخست ہو گئے۔ اب دنیا باوجود اپنی رونقوں کے خالی لگتی ہے۔

ہم بھری دنیا میں تنہا ہو گئے

حضرت خواجہ صاحبؒ نے فرمایا تھا کہ

قدم مجذوب کے ہتے نہیں بڑھتے ہی جاتے ہیں

رفیق اک اک جدا منزل بمنزل ہوتا جاتا ہے

افسوس صد افسوس! کہ ایک چراغ اور بجھ گیا اور ہم اس کی روشنی سے محروم ہو گئے۔ اب ان کی باتیں اور یادیں باقی ہیں اور ہم ہیں۔ بقول حضرت خواجہ صاحبؒ۔

کہ آنکھیں بند ہوں اور آدمی افسانہ ہو جائے

☆☆ ————— ☆☆☆ ————— ☆☆☆

حضرت الحاج مولوی نصرت علی صاحب صدیقی رحمۃ اللہ علیہ

(نوٹ: کئی سال قبل احقر مؤلف کی درخواست پر محترمی الحاج مولوی نصرت علی صاحبؒ نے اپنے مختصر سوانح ارسال فرمائے تھے۔ اب اس میں سے انتخاب اور ایڈٹ کرنے کی توفیق ہوئی اور باوجود تغیر لیر کے اکثر حصہ انہی کے الفاظ میں نقل کیا جاتا ہے۔ افسوس ہے کہ اسی دوران ان کی وفات بھی ہو گئی اور خیر السوانح مکمل ہو کر طبع ہونے پر ان کی خدمت میں پیش کرنے کا امکان نہ رہا۔ آ)

”نصرت علی بن حشمت علی صدیقی“ تاریخ پیدائش: ۱۹۱۸ء/۷/۳

ہمارے اجداد سہارن پور کے رہنے والے تھے۔ غدر کے زمانے میں اللت پور ضلع جھانسی ہجرت کر کے آ گئے۔ دسمبر ۱۹۲۷ء میں احقر کراچی پاکستان ہجرت کر کے آ گیا۔ قرآن شریف اور بہشتی زیور ہماری بڑی پھوپھی اماں اور ہماری خالہ صاحبہ نے پڑھایا۔ ۱۹۳۷ء میں ہائی سکول پاس کیا اور سرکاری ملازمت اختیار کی۔ احقر کی پہلی شادی جناب قاضی عبدالرزاق صاحبؒ ڈپٹی کمشنر کی صاحبزادی سے ہوئی، جو تہجد گزار اور بڑی صالحہ تھیں (احقر کے علم میں) ساری عمر کبھی کسی کو ان سے کوئی تکلیف نہیں پہنچی۔ ۱۹۴۶ء میں ان کی وفات ہو گئی۔ ان سے احقر کا ایک لڑکا پیدا ہوا جو شیر خواری کے زمانے میں انتقال کر گیا اور ایک لڑکی پیدا ہوئی، جو اپنی تربیت اور اخلاق میں مشہور ہے۔ اس کی شادی حضرت محمد عثمان خاں صاحبؒ کے صاحبزادے سے ہوئی، جو حافظ قرآن پاک اور بڑے خلیق ہیں۔ ان کے دو لڑکے اور تین لڑکیاں ہیں۔

احقر کی دوسری شادی حضرت محمد عثمان خان صاحبؒ کی صاحبزادی سے ہوئی جو بڑی دیندار ہیں۔ اپنے معاملات، عقائد کی پختگی اور مہمان نوازی میں بہت مشہور ہیں۔ مکہ مکرمہ کے قیام میں ججاج کرام کی بڑی خدمت کی ہے۔ ان سے احقر کا ایک لڑکا ہے جو سعودی عرب میں لبریزول کمپنی میں منیجر ہے اور ایک لڑکی ہے جس کی تربیت دینی ماحول میں ہوئی۔ حضرت مولانا فقیر محمد صاحب فرماتے ہیں یہ تو شہزادی ہے۔ بڑی نیک اور خدمت گزار ہے۔ اس کی شادی احقر کے بھانجے سے ہوئی، جو بہت ملسار اور خوش عقیدہ ہیں۔ اس کا ایک لڑکا اور چار لڑکیاں ہیں۔ احقر کی ان دونوں لڑکیوں اور لڑکے کی شادی کراچی میں ہوئی۔ لڑکے کی شادی احقر کی بڑی سالی صاحبہ جو ایک بڑے بزرگ اور شیخ کامل کی بیٹی اور ایک مشہور عالم کی

ہوی ہیں اور بڑی نیک ہیں، ان کی صاحبزادی سے ہوئی، جو پردہ کی پابند ہے، دیندارا ہے اور بڑی خدمت گزار ہے۔
 احقر ۱۹۶۲ء میں ہی پورٹ ٹرسٹ میں ملازم ہو گیا اور فروری ۱۹۵۶ء میں سعودی عرب راستورہ میں اراکو کمپنی میں بطور محاسب ملازم ہوا اور ۱۹۶۲ء میں جدہ میں فاضل عرب کمپنی میں کمپنی اور سفارت خانہ کے درمیان رابطہ آفیسر ہو گیا۔
 ۱۹۶۹ء سے ۱۹۸۴ء تک مکہ مکرمہ میں شرکتہ کہرباء میں بطور انچارج ٹائپ سیکشن کام انجام دیتا رہا۔ حضرت مجدد وقت اور حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر کی کے سلسلہ کی برکت سے بڑے بڑے حکام احقر کی عزت کرتے۔ کسی کے بارے میں اگر کچھ معلوم کرنا ہوتا احقر سے بھی دریافت کرتے۔ احقر کو ہمیشہ دیانت وار، محنتی، ایمان دار اور امین کہا کرتے تھے۔ احقر کی دیانت داری کی وجہ سے بعض وقت افسر اعلیٰ بھی احقر سے کہہ دیتے کہ ان ہدایات کے بموجب بڑے بڑے انجینئروں سے افسر اعلیٰ کی طرف سے ہدایت دے کر کام کرایا کرو، انجینئر بھی اسی کے بموجب کام کرو یا کرتے تھے۔

جدہ کے قیام سے ہی حجاج کرام کی خدمت کا موقع ملتا رہا۔ مکہ مکرمہ کے قیام کے زمانہ میں ۱۴ سال خوب حجاج کرام کی خدمت ہوتی رہی۔ ہندو پاک سے جامع المجد دین، حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی نور اللہ مرقدہ کے خلفاء، حضرات اور اکابرین نے احقر کے یہاں قیام فرمانا شروع کر دیا۔ ایک بار یا دو بار حضرت مولوی ابرار الحق صاحب دامت برکاتہم نے احقر کے یہاں قیام فرمایا۔ پھر حضرت مولانا مولوی فقیر محمد صاحب قبلہ دام ظلہم العالی بارہ تیرہ سال سے ہر سال احقر کے یہاں قیام فرماتے۔ پھر کچھ سال بعد سے حضرت عارف باللہ ڈاکٹر حفیظ اللہ صاحب دامت برکاتہم اور حکیم سید محمد ابراہیم رزی صاحب ہر سال قیام فرماتے اور ہم سب ساتھ ساتھ ارکان حج ادا کرتے۔ تقریباً تیس مرتبہ یہ سعادت سعودی عرب کے قیام کے زمانہ میں حاصل ہوئی اور ہر بار یہ معلوم ہوتا تھا کہ پہلی بار حج کر رہے ہیں۔ بفضلہ تعالیٰ مدینہ منورہ کی حاضری تو بار بار نصیب ہوتی رہتی اور بعض وقت ہفتہ میں دو بار زیارت نصیب ہوتی۔

احقر کو جامع المجد دین، حکیم الامت، شیخ کامل، محی السنن، سراج الملت، رأس المحققین، نیر اس المدققین، جامع شریعت و طریقت، حافظ وقاری، محدث مفکر مفسر مفتی حضرت مولانا مولوی اشرف علی صاحب تھانوی نور اللہ مرقدہ کے مسلک، آپ کی تعلیمات اور آپ کی ذات مبارکہ سے بے حد تعلق ہے۔

احقر کی اصلاح کا تعلق سیدی و مولائی و طجائی عالم باعمل، حافظ وقاری شیخ لاٹانی (جن کو احقر مجدد الملت حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب نور اللہ مرقدہ کا مکمل جانشین سمجھتا ہے) حضرت مولانا مولوی حبیب اللہ نور اللہ مرقدہ سے تھا جن پر نجد وقت کے سارے تعلق کے زمانہ میں ایک مرتبہ بھی معمولی سا بھی عتاب یا تہذیب نہیں ہوئی اور جن کا حال

بیشہ پیرا برب خندہ و در دل پارہ پارہ

بڑے بڑے علماء کرام اور مشائخ کے سوالات اور اشکالات کے جوابات برجتہ فرما دیا کرتے تھے۔ ہمارے

خاندان سے آپ کا تعلق برسوں رہا اور پاکستان ہجرت کرنے کے بعد بھی یہ تعلقات ہمیشہ رہے۔ فرمایا کرتے تھے ایسا دیندار خاندان اور معاملات کا صاف دور دور تک نہیں دکھائی دیتا۔ مگر اب یہ حالت نہیں رہی۔ اگر حضرت والا نور اللہ مرقدہ با حیات ہوتے تو غالباً اب اپنے ان خیالات کے اظہار میں ترمیم فرما لیتے۔ اللہ سبحانہ تعالیٰ سارے خاندان میں پھر سے پہلے جیسی دینداری قائم فرمادیں، آمین ثم آمین۔ ہمارے خاندان کی خوبیوں میں سے ایک خوبی یہ بھی تھی کہ کبھی بھی بچپن سے ہی سگے بھائی بہنوں تک کو تنہائی میں اٹھنے بیٹھنے نہیں دیتے۔ اگر کوئی لڑکا لڑکیوں میں جا کر کھیلنا چاہتا یا ان کے پاس بیٹھنا چاہتا تو لڑکیاں یہ کہہ کر خود اٹھادیتیں کہ تم لڑکے ہو لڑکیوں میں آ کر بیٹھتے ہو۔ اس عمل سے خاندان میں آپس میں بہت محبت رہتی اور اخلاق بڑے پاکیزہ رہتے۔ ساری بستی میں ہمارے خاندان کی مثال ہمیشہ دی جاتی تھی۔ کاش اب بھی سارے عالم کے مسلمان گھرانوں میں یہ بات ہو جائے۔ اگر خاندان کی مستورات کو کسی خاص ضرورت سے باہر جانا ہوتا تو پردہ کا خاص اہتمام رہتا۔ اگر لڑکی یا لڑکیوں کو مکان میں چھوڑنا ہوتا تو نگرانی کے لئے ایک بڑی بوڑھی ضرور گھر میں رہتی۔

حضرت والا نور اللہ مرقدہ کی وفات مبارکہ کے بعد عرصہ تک احقر کی عجیب کیفیت رہی۔ احقر کارِ حجان ہمیشہ علماء کرام کی طرف رہا۔ جب دل میں یہ تقاضا زیادہ ہوا تو احقر نے جامع شریعت و طریقت، شیخ کامل، عالم باعمل حضرت مولانا مولوی خیر محمد صاحب نور اللہ مرقدہ سے اپنی اصلاح کا تعلق قائم کر لیا۔ حضرت والا احقر پر بڑی شفقت فرماتے۔ اگرچہ احقر کو حضرت والا قدس سرہ العزیز کی صرف دو تین بار زیارت نصیب ہوئی، مگر ہر بار ایسا معلوم ہوتا تھا کہ سر اپا نور ہی نور ہیں۔ سر سے پاؤں تک نور ہی نور نظر آتا تھا۔

احقر نے سعودی عرب کے قیام کے دوران حضرت والا نور اللہ مرقدہ کو عریضہ لکھا کہ احقر چند رفقائے ساتھ حج بیت اللہ اور زیارت کو موٹر ٹرک سے جا رہا ہے (اس زمانہ میں ہوائی جہاز میں جگہ ملنا تقریباً ناممکن تھا، لہذا موٹر ٹرک سے ہی سفر اختیار کیا) حضرت والا نے ہم سب کی سلامتی، حج بسرور اور زیارت مقبول کے لئے دعائیں فرمادیں اور منیٰ میں ملنے کے لئے اپنے معلم کا پتہ بھی تحریر فرمایا۔ ہم سب ۳ ذی الحجہ ۱۳۸۰ھ مطابق ۱۸ مئی ۱۹۶۱ء کو راستورہ سے بذریعہ موٹر ٹرک روانہ ہوئے۔ گرمیوں کا موسم تھا، ساری رات سفر کیا۔ ریاض پہنچے، کچھ دیر آرام کیا، پھر سفر شروع کر دیا۔ ریاض سے روانہ ہوتے ہی لقمہ دق ریتلے میدان میں ڈرائیور راستہ بھول گیا۔ اس کا علم ہم سب کو کئی گھنٹوں بعد ہوا، ہم سب ایک بہت بڑے میدان میں گھر چکے تھے۔ جس کے چاروں طرف ریت کا انبار تھا۔ ڈرائیور ہر امکانی تدبیر اس میدان سے باہر نکلنے کی کر رہا تھا۔ بیسیوں چکر اس میدان سے باہر نکلنے کے لئے لگا چکا تھا، مگر صبح سے ظہر کے بعد تک بھی اس بیابان میدان سے باہر نہیں نکل سکے۔ اب جوں جوں وقت گزرتا جا رہا تھا ہم سب کو اپنی ہلاکت سامنے نظر آ رہی تھی۔ عصر کے بعد تک سب بچے، عورتیں اور مرد خاموش تھے۔ خوب توبہ استغفار کر رہے تھے، دعائیں مانگ رہے تھے، آنسوؤں کی لڑی آنکھوں سے جاری تھی۔ ہم سب کی اگرچہ مختلف

زبانیں تھیں اُردو، پنجابی، سندھی، گجراتی، مگر ایسا معلوم ہوتا تھا کہ سب ہم زبان ہیں اور دل کی گہرائیوں سے دُعاؤں میں مصروف تھے۔ نمازوں کے وقت ہم سب ٹرک سے اتر کر تیمم کرتے، فرض ادا کرتے، پھر ٹرک پر بڑی حسرت سے سوار ہو جاتے اور ٹرک چلنے لگتا۔ آفتاب غروب ہونے لگا تھا، ہم سب کی عجیب حالت تھی، اس میدان کے بے شمار چکر لگا چکے تھے کہ یکا یک ایک خیمہ کالے کمبلوں کا بنا ہوا زمین سے بہت کم اونچا نظر پڑا۔ ڈرائیور نے فوراً اس طرف ٹرک بڑھا دیا۔ خیمہ سے ایک بدو عورت بڑا سا ڈنڈا لئے نکلی اور ڈرائیور کو لٹکارا۔ ہم سب مرد عورتوں اور بچوں پر بھی نظر تھی۔ ڈرائیور نے بڑی لجاجت اور انکساری سے مختصر اہمارا حال زار بیان کیا۔ پینے کو پانی مانگا۔ اس نے دو بڑے کٹوروں میں پانی دیا۔ ہم سب نے اپنی شدید پیاس بجھائی۔ پھر اس بدو عورت نے کہا اب اسی میں خیر ہے کہ تم سب یہاں سے فوراً چلے جاؤ ورنہ تمہیں خیمہ کے پاس دیکھ کر ہمارے مرد تمہیں شتم ہی نہ کر دیں۔ ڈرائیور نے بڑی لجاجت سے اس میدان سے باہر نکلنے کا راستہ پوچھا۔ اس عورت نے کڑک کر جواب دیا ہمیں معلوم نہیں۔ ہاں ہمارے مرد اس طرف کو جاتے ہیں۔ یہ کہہ کر وہ خیمہ کے اندر ہو گئی۔ ڈرائیور اس سمت پر ٹرک لے گیا۔ آفتاب غروب ہونے ہی کو تھا کہ پندرہ بیس منٹ میں ہم سب ایک بستی کے قریب پہنچ گئے اور ایک کنویں کے پاس آبادی سے باہر ٹھہر گئے۔ پولیس والوں کو ڈرائیور نے ہماری ساری داستان سنائی۔ ہم لوگوں کو رات بسر کرنے کی اجازت مل گئی۔ ہم سب نے منہ ہاتھ دھوئے، اطمینان سے وضو کیا۔ مغرب کی نماز اور شکرانے کی نماز پڑھی۔ جب اس بستی والوں کو ہمارا علم ہوا، بہترین کھانے پھل اور قبوہ لے کر آئے۔ ہم سب نے خوب کھایا۔ بستی والوں کے اصرار پر ان کا زور راہ بھی ہم سب نے قبول کر لیا۔ بستی والوں نے ڈرائیور کو راستہ سمجھایا اور پوری طرح ذہن نشین کرادیا۔ عشاء کی نماز پڑھی۔ ہم سب صبح ڈرائیور کے اس قدر نڈھال ہو چکے تھے کہ رات کو سفر کرنے کی بجائے ہم سب سو گئے۔ صبح سویرے ہی اٹھے، ضروریات سے فارغ ہو کر نماز فجر ادا کی۔ ناشتہ کیا اور سفر شروع کر دیا۔ اب پانچ ذی الحجہ ہو چکی تھی۔ سب کو فکر تھی، اب وقت کے اندر کیسے مکہ مکرمہ پہنچ سکیں گے۔ حج ہو بھی سکے گا یا عمر کر کے لوٹنا ہوگا۔ احقر میر قافلہ تھا، اب تک سب کے حوصلے بڑھاتا رہا تھا۔ حج کے مسائل بیان کر رہا تھا کہ نو اور دس کی درمیانی شب میں صبح صادق سے پہلے پہلے بھی عرفات میں داخل ہو گئے تو ہمارا حج ادا ہو جائے گا۔ اب تو اللہ سبحانہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ہمارا ڈرائیور موٹر ٹرک کو ہوا پر اڑائے لئے جا رہا تھا۔ تا حد نظر جہاں بھی کوئی پک اپ یا ٹرک دکھائی دیتا اس سے آگے نکل جاتا۔ مختصر اہم سب محض اللہ سبحانہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے معجزانہ طور پر قرن السنائل سات ذی الحجہ کو مغرب سے ذرا پہلے پہنچ گئے۔ سب نے حج قرآن کا احرام باندھا اور مکہ مکرمہ کو روانہ ہو گئے۔ جب مکہ معظمہ کی بستی دکھائی دینے لگی اور حد و حرم آ گیا وہ بھی عجیب منظر تھا۔ سب شکر گزار بنے روئے، روتے ہوئے لبیک پڑھتے ہوئے، ننگے پیر حرم شروع کی حدود مبارکہ میں داخل ہوئے اور صبح صادق سے پہلے حرم شریف میں داخل ہو گئے اور عمرہ کا طواف اور سعی سے فجر کی نماز سے پہلے فارغ ہو گئے۔ فجر کی نماز لاکھوں حجاج کرام کے

ساتھ حرم شریف میں ادا کی۔ پھر طواف قدوم اور حج کی سعی کی۔ اب سورج طلوع ہونے کے بعد ہم سب بھی دیگر حجاج کرام کی طرح آٹھ ذی الحجہ کو منیٰ کے لئے روانہ ہوئے اور بفضلہ تعالیٰ سب ارکان حج ادا کئے۔ منیٰ میں حضرت والا سے بتائے ہوئے پتہ پر پہنچ کر ملے۔ خوب گلے گلے، آنسو جاری ہو گئے اور اپنا سارا حال سنانے لگے۔ اپنا حال شروع ہی کیا تھا کہ حضرت والا نے سننے سے پہلے ہی بڑی شفقت اور محبت بھرے انداز سے فرمایا کہ اللہ سبحانہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے تم سب صحیح و سالم اور بخیر و عافیت تو آ گئے۔ ۲۸ سال کے بعد اب بھی حضرت والا کا شفقت اور محبت بھرا فرمانا اور منیٰ کی وہ جگہ اب تک دل و دماغ پر چھائی ہے۔ بارہ ذی الحجہ کو ہی ہم سب نے طواف و داع کر لیا اور مدینہ منورہ کو روانہ ہو گئے۔ بفضلہ تعالیٰ دن بھر کے لئے مدینہ منورہ کا والہانہ قیام بھی نصیب ہو گیا۔ اس سے قبل راستہ میں قیام کے زمانہ میں ہی ۱۳۵۵ھ میں احقر حج کو گیا۔ مدینہ منورہ میں حضرت مولانا مولوی محمد موسیٰ صاحب سرحدی نور اللہ مرقدہ کی زیارت نصیب ہوئی۔ حضرت والی ارات کو سوتے نہیں تھے اور نہ پاؤں پھیلا کر لیٹتے تھے۔ فرماتے حضورہ نور صلی اللہ علیہ وسلم آرام فرما رہے ہیں۔ لہذا ارات کو سونے اور پاؤں پھیلانے کی ہمت نہیں ہوتی۔

حضرت والا کو دیکھ کر ایسا معلوم ہوتا کہ نور سارے جسم میں سرایت کئے ہوئے ہے۔ جب چلتے تو معلوم ہوتا کہ نور ساتھ چل رہا ہے۔ احقر پر بڑی شفقت فرماتے تھے۔ احقر کو بھی بیعت و تلقین کی اجازت مرحمت فرمائی۔ کسی دوسری حاضری پر احقر نے دبے الفاظ سے بڑے ادب و احترام سے عرض کیا کہ حضرت بعض ناواقف لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ آپ خلافت بڑی آسانی سے جسے چاہا دے دیتے ہیں۔ فرمایا یہ بات نہیں، میں ہر ایک کو یوں ہی اجازت نہیں دیتا، جب تک کچھ نہ کچھ دیکھ نہیں لیتا۔ اگر میں کسی نااہل کو اجازت دے دیتا ہوں تو یہ میری ذمہ داری ہے، اس کا گناہ مجھ پر ہوگا اور اگر مجھ سے کسی مستحق کو اجازت مل جاتی ہے تو اس شخص کی دینداری سے دوسروں کی بھی اصلاح ہوگی۔ جس سے ہمارے حضرت کے درجات اور بلند ہوں گے۔^۱

حضرت مولانا خیر محمد صاحب قدس سرہ العزیز کی وفات مبارکہ کے بعد احقر کا اصلاحی تعلق شیخ لاثانی اور تکوینی معاملات کے بزرگ حضرت مولانا مولوی فقیر محمد صاحب دام ظلہم العالی خوف و خشیت کے حامل سے ہو گیا۔ آپ کے اصلاحی طریقے اور تکوینی مقامات اظہر من الشمس ہیں۔ حضور والا دام ظلہم العالی احقر پر بڑی شفقت فرماتے ہیں۔ احقر اور احقر کے متعلقین کے لئے خوب دعائیں فرماتے ہیں، جس سے بڑی ڈھارس آج کل کے پُر آشوب حالات میں بندھی رہتی ہے۔ سعودی عرب کے قیام کے زمانہ میں جب بھی چھٹی پر آنا ہوا، کثرت سے عارف باللہ حضرت مولانا ڈاکٹر محمد عبدالحی صاحب

۱۔ احقر مؤلف عرض کرتا ہے کہ یوں سمجھ میں آتا ہے کہ یہ قدوم و معظم حضرت مولانا محمد موسیٰ صاحب کا ایک خاص حال تھا، جس کا اجماع دور سے شایع کے لئے مناسب نہیں۔ کیونکہ حضرت والا (یعنی صاحب سوانح اور احقر مؤلف کے شیخ) نے ایک بار فرمایا تھا کہ یہ بات (یعنی آسانی خلافت دیدینے کی خبر جب حضرت تکانوی کو پہنچی تو انہوں نے اس کو پسند نہیں فرمایا تھا۔ احقر مؤلف عرض کرتا ہے کہ یہ روایت اس لئے نقل کرنے کی ضرورت پڑی اور حضرت والا نے بھی اسی لئے فرمایا ہوگا کہ حضرت مولانا کی اس بات کا اجماع نہ کیا جائے۔ (۱۲)

نور اللہ مرقدہ کی خدمت میں حاضری دیتا۔ حضرت والا بے انتہا شفقت فرماتے۔ اور اکثر جگہ احقر کو اپنے ہمراہ لے جاتے۔ راستہ میں عجیب و غریب واقعات سناتے رہتے۔ اپنے دولت کدہ پر بھی ہلو لیتے۔ احقر کے بعض حالات وغیرہ کے بارے میں حضرت والا نے احقر سے کئی بار فرمایا کہ ان کو لکھ کر محفوظ کر لو۔ جس میں سے بعض ماہنامہ ”البلاغ“ کی خصوصی اشاعت حضرت عارفی نمبر میں چھپ گئے ہیں۔“ (ان میں سے بعض حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب سے متعلق بھی ہیں، ذیل میں ان میں سے بعض کا انتخاب درج کیا جاتا ہے۔ آ۔)

”حضرت ڈاکٹر صاحب نور اللہ مرقدہ فرماتے: ہر برے کام کو چھوڑنے میں اول اول بہت دشواری ہوتی ہے۔ مگر ہمت اور اختیار سے برابر کام لیتا رہے تو رفتہ رفتہ دشواری مبدل بہولت ہو جاتی ہے اور گناہوں سے بچنے کی عادت پڑ جاتی ہے۔“

ایک بار احقر سے فرمایا: ”آج کل حالات تیزی سے بگڑ رہے ہیں۔ حضرت کے ملفوظات پڑھا کرو۔ عشاء کے بعد نثر الطیب بھی روزانہ پابندی سے پڑھا کرو۔ امن میں رہو گے، ہم بھی روزانہ پڑھتے ہیں۔“

”احقر زادہ عظمت علی صدیقی جو سعودی عرب میں ایک امریکن کمپنی میں منیجر ہیں، ان پر اس قدر شفقت اور محبت تھی کہ خطوط اور تحریروں میں نور چشم راحت جان طول عمرہ وغیرہ تحریر فرماتے ہیں۔ حضرت والا نے ایک بار احقر زادہ کو نصیحت فرمائی کہ اپنی اہلیہ اور بچوں کا بہت خیال رکھا کرو۔ عورت کی مثال کا نچ جیسی ہے۔ بہت احتیاط اور محبت کا برتاؤ کرنا چاہئے، اور عورت بھی خیال رکھے کہ اگر کا نچ میں بال پڑ جائے تو بیکار ہو جاتا ہے۔ لہذا عورت کو گھر کے کاموں میں گہری دلچسپی لینا چاہئے۔ بچوں کی تربیت اور دینداری اور تعلیم کا بہت خیال رکھنا چاہئے۔“

”حضرت والا کی توجہ کا ایک اثر یہ بھی ہے کہ یہ جب بھی کسی ذنر وغیرہ میں شریک ہوتے ہیں تو اسلامی شعار کو قائم رکھتے ہیں۔ مثلاً دانے ہاتھ سے ہی کاٹنا اور دانے ہاتھ سے ہی کھانا۔“

”حضرت والا کی شفقت کا یہ عالم تھا کہ کوئی حضرت کے متعلقین میں سے حج کو جاتا تو احقر کے نام خط تحریر فرماتے۔ اور اس شخص سے فرماتے ”نصرت سے ملنا تم کو صحیح رہبری، سہولت اور آرام ملے گا۔“ جب حضرت کے متعلقین عمرہ یا حج کو جاتے تو واپسی پر دریافت فرماتے ”نصرت سے ملے تھے۔ اگر کوئی صاحب احقر سے نہیں مل پاتے تو فرماتے: ”تعب ہے تم نصرت سے نہیں ملے۔“

ایک مرتبہ احقر سے فرمایا تم اپنے مبشرات اور خواب لکھ کر مجھے دو، جن میں سے چند درج ذیل ہیں:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
نَحْمَدُهُ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْمِ۔

بشارتِ نعمتِ عظمیٰ شرفِ قبولیت اسوہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

محبت صادق جناب نصرت علی صاحب صدیقی مقیم مکہ المکرمہ نے حسب ذیل بشارت نامہ حضرت ڈاکٹر محمد عبدالحی صاحب مدظلہ کو مدینہ طیبہ سے تحریر فرمایا ہے:

۲۱ رمضان المبارک ۱۳۹۶ھ کو احقر نے حضور والا کی کتاب اسوہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دربار رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے مولجہ شریف میں پیش کی۔ احقر نے دیکھا کہ آنقبلہ خود بہ نفس نفیس اپنی کتاب پیش کر رہے ہیں۔ آنقبلہ اس وقت سراپا نور نظر آ رہے تھے۔ چہرہ انور پر بشارت تھی، سکون و اطمینان تھا، قدرے مسکراہٹ تھی جیسا کہ آنقبلہ کے چہرہ انور پر رہتی ہے۔ ہر طرف نور ہی نور تھا۔ عجب منظر تھا، صرف آنقبلہ اچھی طرح دکھائی دے رہے تھے۔ احقر کو محسوس ہوتا تھا کہ حضور نور علیہ السلام شفقت فرما رہے ہیں اور آنقبلہ پوری طرح متوجہ ہیں۔

اس کے جواب میں حضرت والا نے فرمایا: ”لاکھوں بشارتوں کا انعام عظیم ہے، اس پر شکر ادا کرنا بھی ناممکن ہے۔ مگر پھر بھی شکر ہی ادا کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ مزید انعامات و بشارتوں سے ہمیشہ سرفراز فرماتے رہیں اور ان کی اہلیت و قابلیت عطا فرمادیں۔“

”احقر کی دلی آرزو تھی کہ جامع المجد دین حکیم الامت حضرت مولانا تھانوی قدس سرہ العزیز کو دیکھ لے۔ احقر نے ایک مرتبہ خواب دیکھا کہ عجیب ہی منظر ہے۔ بہت دبیز بہترین سبزہ دور دور تک ہے، اس پر ایک بہت ہی خوبصورت عالی شان ٹم ٹم چل رہی ہے، جس میں کئی گھوڑے جتے ہیں۔ یہ ٹم ٹم اس سبزہ پر چل رہی ہے اور جامع المجد دین حکیم الامت حضرت مولانا تھانوی قدس سرہ نہایت ہی بھولے پن سے سوار ہیں۔ چہرہ انور نورانی ہے، عجیب کیفیت ہے۔ سر مبارک کے بال کانوں تک ہیں۔ سفید کپڑے کی ٹوپی پہنچے ہیں۔ یہ ٹم ٹم نہایت خوبصورت عالی شان نورانی محل کے کونے پر پہنچی جو دودھ سے زیادہ سفید ہے۔ جس کی تعریف کرنا ممکن نہیں۔ اس محل میں جامع المجد دین حکیم الامت مولانا تھانوی قدس سرہ العزیز داخل ہو گئے۔ احقر بھی ساتھ تھا۔ اس پر حضرت والا نے یہ ارشاد فرمایا: ”ماشاء اللہ بڑا مبارک مقدر ہے۔ الحمد للہ بشارت

ہے۔ حضرت کے ساتھ قلبی تعلق اور فیوض و برکات روحانی کے جاری ہونے کے لئے۔“

احقر جب سب سے پہلے حج کو گیا تو احقر طواف کر رہا تھا اور اپنے دونوں ہاتھ اپنے جسم سے ملائے ہوئے تھے تاکہ احقر کا کسی کو دکھانہ لگے۔ حجر اسود کے قریب احقر نے سنا، پیچھے سے آواز آ رہی ہے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے ہاتھ جو جسم سے ملے ہیں یہ شخص معذور ہے یا مریض ہے۔ پھر آواز آئی معلوم ہوتا ہے کہ کوئی بزرگ ہے۔ احقر آواز سن تو رہا تھا مگر التفات نہیں تھا۔ احقر کا سارا دھیان طواف میں تھا۔ جب احقر حجر اسود سے حلیم کے قریب پہنچا جہاں ہجوم کم تھا، احقر کو دو لڑکے پندرہ سولہ سال کے نہایت حسین و جمیل دکھائی دیتے جو احرام باندھے تھے اور احقر کی طرح ہاتھ جسم سے ملائے ہوئے تھے۔ ایک لڑکے کو احقر کو خیال ہوا کہ بچے بھی نقل کر رہے ہیں اور احقر ان کے بالکل ہی قریب پہنچ گیا۔ پھر وہ دونوں لڑکے ایک دم ناپ ہو گئے۔ یہ واقعہ بیداری میں طواف کرتے وقت ہوا۔ فرمایا: ”معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے اس ادب کے معاملہ کو فرشتوں کے ذریعہ سے پسند فرمانا ظاہر فرمایا۔ مبارک ہو۔“

ایک مرتبہ احقر مدینہ منورہ گیا، سلام پڑھتے مولانا شریف پہنچا، بائیں ہاتھ کی کلائی میں شدید درد تھا۔ سلام پڑھنے سے آواز بہت بلند ہو جاتی تھی۔ اور درد شدت سے تھا۔ احقر کو خیال آیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دُعا فرمانے کے لئے عرض کروں۔ فوراً ہی خیال آیا کہ اگر درد اچھا ہو گیا تو احقر کا عقیدہ عرش پر پہنچ جائے گا اور اگر درد اچھا نہ ہو تو کہیں عقیدہ پر اثر نہ پڑے۔ ابھی پورا خیال تک بھی نہیں آیا تھا کہ اس کی جگہ فوراً تیسرا خیال آ گیا کہ احقر کی حقیقت ہی کیا ہے۔ یہ دربار تو سب سے بڑا ہے۔ اگر احقر کو نکال بھی دیا جائے تو یہ احقر کی خرابی ہے۔ دربار کی شان تو بہت عالی ہے جو سمجھ سے بھی بالاتر ہے۔ روکی بے چینی میں زبان سے خود بخود نکل گیا کہ یا رسول اللہ (ﷺ) میں آپ کو سلام عرض کرنا چاہتا ہوں اور احقر کے ہاتھ میں درد شدید ہے، اسی وقت درد ختم ہو گیا۔ احقر نے مزید دو یوم اور قیام کیا۔ مگر درد کا خیال تک نہیں آیا۔ تقریباً پندرہ سولہ سال ہو گئے۔ بفضلہ تعالیٰ پھر کبھی درد نہیں ہوا۔ یہ سب بھی بیداری میں ہوا۔“

فرمایا: ”بڑی قبولیت کا شرف حاصل ہوا۔ اللہ تعالیٰ کا بڑا ہی عظیم فضل ہے اور قابل صد مبارک باد ہے، اللہم زد فزد۔“

”حضرت والآنے ایک بار احقر سے فرمایا کہ دعاء خوب بیان کر کے مانگا کرو۔ یا اللہ میں فلاں چیز چاہتا ہوں۔ میں تو اس کا اہل نہیں مگر آپ قادر مطلق ہیں، آپ کی بڑی شان ہے۔ مجھے اس کا اہل بنا کر مجھے یہ چیز عطا ہی فرمادیں۔ میں فلاں پریشانی میں مبتلا ہوں۔ اپنی پریشانی خوب بیان کرے، پھر رو رو کر عرض کرے کہ آپ کے سوا میرا کوئی نہیں۔ آپ ہی اسے دور فرمادیں۔ مزید فرمایا اس کا ہمیشہ خیال رکھنا، جب دعاء قبول ہو جائے تو دل و جان سے اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا شکر ادا کرنا۔ شکر ادا کرنے سے نعمت میں زوال نہیں ہوتا۔“

اجازت بیعت و تلقین:

اس سے قبل محترمی مولوی نصرت علی صاحب مدیقی نے مخدومنا حضرت مولانا محمد موسیٰ صاحب (خلیفہ مجاز بیعت از حضرت حکیم الامت تھانوی) سے اجازت کا ذکر اپنی مختصر سوانح میں فرما دیا ہے۔ اب حضرت تھانوی کے دو اور خلفاء سے اجازت ناموں کی نقول درج کی جاتی ہیں:

نقل اجازت نامہ بیعت و تلقین از مخدومنا حضرت مولانا حبیب اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ

۸ جمادی الثانیہ ۱۲۷۸ھ ، ۲۰ دسمبر ۱۹۵۸ء

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! اس سے پہلے کئی مرتبہ خیال ہوا کہ تمہیں تلقین و بیعت کی اجازت دوں۔ کل گفتگو میرے اور ڈاکٹر حفیظ اللہ کے درمیان ہو رہی تھی کہ اس تقاضا کا پھر اعادہ ہو گیا۔ لہذا تو کلاً علی اللہ اب تم کو پختگی کے ساتھ ارادہ ظاہر کرتا ہوں کہ جیسے مجھ کو اپنے شیخ سے اجازت ملی ہے وہ امانت تم کو سپرد کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ مدد فرماویں اور سلسلے کے بزرگوں کی برکات عطا کریں، آمین۔ نیز فیضان جاری رکھیں، ثم آمین۔

یہ خط اپنے خیر خواہوں، دوستوں کو دکھلا دینا یا اطلاع دے دینا۔ دستخط حبیب اللہ عفی عنہ

مبارک باد از حضرت ڈاکٹر حفیظ اللہ صاحب دامت برکاتہم

راقم حفیظ اللہ کی طرف سے مبارک کروڑ کروڑ ہو اور دعاء ہے کہ حق تعالیٰ محض اپنے فضل و کرم سے کماہے اس امانت کے ادا کرنے کی توفیق مرحمت فرماویں۔ ان شاء اللہ سلسلہ کی کڑی سے نجات باحسن طریق متوقع ہو جاوے گی۔ والسلام
احقر حفیظ اللہ از سکھر

نقل اجازت نامہ بیعت و تلقین از مخدومنا حضرت مولانا فقیر محمد صاحب سرحدی

مکہ المکرمہ ، تاریخ ۷-۱۱-۱۳۹۱ھ الموافق ۲۳-۱۲-۱۹۷۱ء

یہ القاء بیعت و تلقین کی اجازت کے لئے خاص مکہ المکرمہ میں من جانب اللہ ہے۔ ان شاء اللہ ہم دونوں کے لئے نفع ہوگا۔ از فقیر محمد سرحدی عفی عنہ، مجاز بیعت حضرت حکیم الامت مجدد الملت مولانا اشرف علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ پتہ: معرفت خواجہ صفدر علی محمد صاحب، قصہ خوانی بازار پشاور، مشفقہ نصرت علی صدیقی صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

اس سے پہلے کئی مرتبہ خیال ہوا کہ آپ کو تلقین و بیعت کی اجازت دوں۔ آج اس تقاضا کا پھر اعادہ ہو گیا۔ لہذا تو کلاً علی اللہ اب آپ کو تلقین و بیعت کی اجازت دیتا ہوں۔ اگر کوئی درخواست اصلاح و بیعت کی کرے تو انکار نہ کرنا۔ ان شاء اللہ جانین میں نفع ہوگا۔ یہ خط اپنے دوستوں کو دکھلا دینا یا اطلاع دے دینا۔ (دستخط) فقیر محمد

احقر مؤلف عرض کرتا ہے کہ اس طرح علاوہ حضرت مولانا محمد موسیٰ صاحب کے حضرت تھانوی کے دو اور خلفاء سے بھی اجازت بیعت و تلقین کے جامع ہوئے۔ ایک ضاحک یعنی حضرت مولانا حبیب اللہ صاحب دوسرے باکی یعنی حضرت مولانا فقیر محمد صاحب۔ احقر کی پہلی ملاقات جدہ میں فاضل عرب کمپنی کے دفتر میں ہوئی، جب ۱۹۶۶ء میں احقر پہلی بار حج کر کے واپس جا رہا تھا۔ پھر ۱۹۶۹ء میں دو بڑی ہمشیرگان کے ساتھ حج سے واپس پر ایک روز حاجی کیمپ جدہ میں نماز کے بعد مسجد سے نکلتے ہوئے بھائی مولوی نصرت علی اور اپنے گھریاب مکہ لے جا کر دعوت کی۔ اور ٹیکسی سے واپس کا بھی خود ہی انتظام کیا۔ پھر ۱۹۷۲ء میں حج کے موقع پر ملاقاتیں ہوتی رہیں اور ۱۹۷۵ء میں احقر کے جدہ منتقل ہونے پر تقریباً ہر جمعہ کو کبھی تنہا کبھی مع اہل کے مکہ مکرمہ جاتا تو ان کے گھر بے تکلف حاضری، کھانا اور آرام ہوتا رہا۔ یہ سلسلہ تقریباً آٹھ دس سال جاری رہا اور بھائی مولوی نصرت علی صاحب کی مہمان نوازی اور اخلاق کا مشاہدہ ہوتا رہا۔ ۱۹۸۴ء میں ان کے عقد ملازمت میں بوجہ عمر رسیدگی مزید توسیع نہ ہو سکی اور واپس کراچی اپنے مکان میں رہائش اختیار کی۔ کراچی جانا ہوا تو دو تین بار ان سے ملاقاتیں رہیں۔ کبھی کبھی خط و کتابت بھی ہوتی اور خوب دُعا میں ملتی تھیں۔

حرم شریف مکہ مکرمہ میں ایک روز مولانا عبدالمنان صاحب انجینئر حرم کی شریف نے بھائی الحاج مولوی نصرت علی صاحب صدیقی اور ان کی اہلیہ کی وفات کی خبر دی۔ مدینہ منورہ میں واپس آ کر عزیز عظمت علی صدیقی صاحب سلمہ کو تعزیت نامہ لکھا۔ ان کے جواب سے معلوم ہوا کہ مولوی نصرت صاحب کی وفات ۲۴ جولائی ۱۹۹۴ء کو ہوئی اور اس سے قبل ۲۲ جون ۱۹۹۴ء کو ان کی اہلیہ کی وفات ہوئی تھی مع خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

ان دونوں کی نماز جنازہ مخدومنا عارف باللہ حضرت ڈاکٹر حفیظ اللہ صاحب دامت برکاتہم نے پڑھائی۔ دونوں بار حضرت ڈاکٹر صاحب بحیثیت اللہ کراچی تشریف فرما تھے۔ اللهم اغفر لنا وارحمهما رحمة واسعة وادخلهما جنت النعیم۔ آمین یا رب العالمین یا ارحم الراحمین بوسيلة رحمة للعالمین ﷺ۔

تصنیف و تالیف:

حضرت الحاج مولوی نصرت علی صاحب صدیقی رحمۃ اللہ علیہ نے پہلے راستورہ سے طویل سفر کر کے پھر جدہ آ کر وہاں سے اور پھر مکہ مکرمہ ہی میں مقیم ہو کر وہیں سے سالہا سال بہت سے حج اور عمرے کئے۔ اس طرح ان کو سفر حج کا تجربہ اور مسائل حج و عمرہ کی بہت اچھی واقفیت اور معلومات ہو گئی تھیں، مطالعہ کتب اور علماء کرام سے تحقیق بھی کرتے رہتے تھے۔ اس طرح مسائل حج کا علم اور سفر حج، ادائیگی حج و عمرہ و زیارت میں سہولتوں کا بھی خوب تجربہ تھا، جس کے بعد انہوں نے پہلے ایک نہایت مفید و مقبول کتاب ”حج عمرہ اور زیارت“ کے نام سے تالیف فرمائی اور مسائل و احکام کی تصدیق حضرات علماء سے کرائی۔ پھر یہ کتاب بعض ترمیمات کے ساتھ مخدومنا حضرت ڈاکٹر حفیظ اللہ صاحب دامت برکاتہم کی اعانت سے بعض علماء

کرام اور مفتی حضرات سے پوری کتاب پر نظر ثانی اور تصدیق کے بعد ”نصرت الحجاج“ کے نام سے شائع ہوئی۔ اور یہ مولوی نصرت صاحب کی بے نفسی اور اخلاص تھا کہ پہلی بار حضرت حافظ ریاض الحق صاحب کلیانوی کے ذریعہ شائع کرائی جس میں صحت کتابت کا اعلیٰ درجہ کا اہتمام کیا گیا تھا۔ اس کے بعد الالبقاء والے محترم عبدالمنان صاحب نے شائع کی۔ اخیر میں ترمیمات اور حذف و اضافہ کے بعد شائع کرنے کے لئے دارالعلوم کراچی کے حوالہ کی، جنہوں نے نصرت الحجاج کے نام سے کتاب کو شائع کیا۔ اس کے علاوہ ایک مختصر جیبی کتابچہ ”آسان حج و عمرہ“ کے نام سے تالیف فرمایا جس کو محترم عبدالمنان صاحب نے اپنے مکتبہ تھانوی سے شائع کیا۔ الحجاج مولوی نصرت علی صاحب کی ان دونوں کتابوں سے احقر مؤلف نے بھی خوب استفادہ کیا اور جیبی کتابچہ تو عمرہ یا حج کے سفر میں ساتھ ہی رہتا ہے۔ فجزاہ اللہ تعالیٰ خیر الجزاء۔

حضرت صوفی محمد اقبال قریشی صاحب ہارون آبادی زاد مجدد

(مرید حضرت والا اور مجاز بیعت و تلقین از حضرت مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی و حضرت حاجی محمد شریف صاحب)

(نوٹ: محترمی اقبال قریشی صاحب کے مختصر حالات ملے۔ ان میں سے کچھ تو ”ابلاغ“ مفتی اعظم نمبر میں شائع ہوئے تھے جن کو محترم کرنل قاری فیوض الرحمن صاحب ایم اے نے مرتب فرمایا تھا۔ ان کے علاوہ خود محترم اقبال قریشی صاحب نے کچھ حالات کا اضافہ فرمایا۔ تقریباً ان سب کو یہاں پیش کیا جا رہا ہے۔ آ)

محترم کرنل قاری فیوض الرحمن صاحب فرماتے ہیں: ”آپ ستمبر ۱۹۴۵ء کو ”جالہ“ ضلع اورنگ آباد حیدرآباد دکن میں پیدا ہوئے۔ والد صاحب قریشی اور ہاشمی اور والدہ صاحبہ صدیقی خاندان سے تھیں۔ آپ کے والد صاحب نے ۱۹۵۲ء میں پاکستان کی طرف ہجرت کی اور آپ والدہ صاحبہ کے ساتھ ۱۹۵۴ء میں پاکستان آئے۔ والدہ چھ ماہ بعد ہی انتقال کر گئیں اور کوئٹہ شیخاں علاقہ اوج شریف بہاول پور میں دفن ہوئیں، کیونکہ آپ کے والد صاحب بسلسلہ ملازمت ان دنوں وہاں تھے اور والد صاحب نے ۱۰/ اکتوبر ۱۹۷۶ء کو اس جہان فانی کو چھوڑا۔ آپ نے باقاعدہ کسی دینی مدرسہ میں تعلیم حاصل نہیں کی۔ آپ جس علاقہ میں مقیم ہیں وہاں کے اکثر لوگ اگرچہ حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی کے ساتھ اصلاحی تعلق نہیں رکھتے۔ مگر آپ کو اللہ تعالیٰ نے اس طرف مائل کر دیا اور اس کی صورت یہ ہوئی کہ آپ نے ”الالبقاء“ کراچی سے جاری کرایا۔ اس میں حضرت تھانوی کے مواعظ پڑھ کر دل کی دنیا ہی بدل گئی۔ حضرت تھانوی کی کئی ایک تصانیف زیر مطالعہ رہیں۔

صوفیانہ مسلک:

۱۳ مئی ۱۹۶۶ء کو آپ حضرت مولانا خیر محمد صاحب کے دست حق پرست پر بیعت ہوئے۔ ان کے وصال کے بعد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کی طرف رجوع کیا۔ ۱۰ ربیع الثانی ۱۳۹۲ھ کو بیعت عثمانی میں داخل فرمایا۔ اور یکم مئی ۱۹۷۵ء کو لاہور میں دست بدست بیعت کی توفیق ملی۔ ۲۷ ربیع الثانی ۱۳۹۵ء کو چاروں سلسلوں میں بیعت و تلقین کی اجازت

مطافرمائی۔ اب آپ اس سلسلہ کو آگے بڑھا رہے ہیں۔

تفنی خدمات:

آپ کے مضامین ملک کے موثر مجلات میں اکثر شائع ہوتے رہتے ہیں۔ ان کے علاوہ کئی ایک مستقل تصانیف بھی ہیں جو حسب ذیل ہیں:

(۱) معارف نانوتوی: اس میں حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی کی مختصر سوانح کے ساتھ ان کے معارف و حکم کا بیان ہے جو حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی کے مواعظ، ملفوظات اور تصانیف سے جمع کئے گئے ہیں۔ دارالاشاعت کراچی سے شائع ہوئی ہے۔

(۲) معارف گنگوہی: قطب عالم حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کے حکیمانہ ارشادات و فرمودات کا انمول ذخیرہ ہے۔ دوسری بار اضافہ کے ساتھ ادارہ اسلامیات انارکلی لاہور سے شائع ہوئی۔

(۳) معارف امدادیہ: حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر کی کلمات حکمت اور عارفانہ ارشادات کا ایک ضخیم تذکرہ، جو مکتبہ رشیدیہ شاہ عالم مارکیٹ لاہور سے شائع ہو چکی ہے۔

(۴) جواہرات یعقوبی: حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی ابن مولانا مملوک علی کے عارفانہ و عالمانہ ارشادات کا مجموعہ حصہ اول و دوم۔

(۵) اشرف البیان: حضرت تھانوی کے ملفوظات کا مجموعہ۔

(۶) اشرف الکلام، (۷) معارف گنجینہ اشرفیہ، (۸) جواہر الحسن، (۹) اشرف اللطائف، (۱۰) اشرف الامثال، (۱۱) اشرف الآداب، (۱۲) تذکرہ حسن، (۱۳) احکام الازدواج، (۱۴) معارف شیخ الہند، (۱۵) معارف تھانوی، (۱۶) معارف گنج مراد آبادی۔ ان کے علاوہ چند اور کتب بھی زیر ترتیب ہیں۔

(محترم اقبال قریشی صاحب نے یہاں چند کتب کا مزید تذکرہ فرمایا ہے: (۱) اسلام کی تعلیمات اعتدال، (۲) یرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، (۳) محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم، (۴) اشرف الاحکام وغیرہ)

”مجلس صیانت المسلمین ہارون آباد اور ادارہ تالیفات اشرفیہ آپ کی سرپرستی میں چل رہے ہیں۔“

اس کے بعد محترم اقبال قریشی صاحب نے اپنے بعض حسب ذیل حالات کا اضافہ فرمایا ہے:

”اولاد میں سات لڑکیاں اور دو بیٹے ہیں۔ جن میں دو لڑکیوں کی شادی ہو چکی ہے۔ بڑا بیٹا دارالعلوم کراچی میں نچر ہے۔ حضرت مفتی اعظم قدس سرہ کے بعد عارف باللہ حضرت حاجی محمد شریف صاحب قدس سرہ سے تعلق اصلاح ہوا۔ انہوں نے بھی اجازت بیعت و تلقین سے نوازا۔ اس کے بعد حضرت قمر الدین احمد شاہ صاحب مدظلہ ناظم جامعہ ادبیر المدارس

ملتان سے تعلق ہے اور خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون کے سابق مہتمم سراج الامت مولانا سراج احمد صاحب قدس سرہ کے مجاز عبد الواحد صاحب مدظلہ نے اپنی طرف سے از خود اجازت بیعت و تلقین عطا فرمائی۔“

”۳ جون ۱۹۶۳ء سے محکمہ تعلیم میں مدرس ہوں۔ آج کل گورنمنٹ ہائی سکول ہارون آباد میں اسلامیات اور عربی

وغیرہ پڑھاتا ہوں۔“

”اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے اکابر کے علوم و فیوض عوام الناس تک پہنچانے کے لئے غیب سے اسباب مہیا

فرمائے۔ اور تقریباً ۱۶ سال مسجد تقویٰ ٹیہ نور پورہ مدرسہ تجوید القرآن ہارون آباد میں خطابت کی خدمت سرانجام دی۔ عشاء کے بعد سلسلہ درس جاری رہا۔ گزشتہ سال شعبان المعظم ۱۴۱۶ھ سے حق سبحانہ و تعالیٰ نے آفتاب تھانہ بھون کے علوم و معارف تبلیغی صورت میں پھیلانے کے لئے شہر کی مرکزی جامع مسجد تھانہ والی ہارون آباد میں امامت و خطابت کے غیب سے اسباب مہیا فرمادئے۔ الحمد للہ جمعہ کے علاوہ بعد عصر اپنے اکابر کی طرح مجلس کا سلسلہ شروع کیا ہے۔ بعد فجر و بعد عشاء درس ہوتا ہے۔ حق تعالیٰ استقامت عطا فرمائیں اور قبولیت سے نوازیں اور زیادہ سے زیادہ اپنے ذکر کی توفیق عطا فرمائیں،

(آمین)

محترم اقبال قریشی صاحب کو ان دنوں اکابر حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب اور حضرت حاجی محمد شریف صاحب سے جو اجازت بیعت و تلقین ملی ہے، اب ان دونوں کے اجازت ناموں کی نقل یہاں دی جاتی ہے:

نقل اجازت نامہ از حضرت مفتی محمد شفیع صاحب، بانی و صدر دارالعلوم کراچی نمبر ۱۴

عزیز محمد اقبال صاحب قریشی سلمہ اللہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

لاہور سے واپس آ کر آپ کا ملفوف ملا جس میں حضرت مولانا خیر محمد صاحب کی مکاتبت تھی، اس کو دیکھا۔ آج آپ کا دوسرا الفاظ ملا۔ جس کا جواب بھی اس کے ساتھ ہی بھیج رہا ہوں۔ اسی وقت دل میں آیا کہ بنام اللہ تعالیٰ میں آپ کو بیعت و تلقین کی اجازت دے دوں۔ آپ اس کام کو اپنی اصلاح کی نیت سے شروع کریں۔ کیونکہ تجربہ شاہد ہے کہ دوسروں کی اصلاح کی فکر سے خود اپنی اصلاح آسان ہو جاتی ہے۔ اس کام کے لئے تربیت السالک، تعلیم الدین، تبلیغ دین وغیرہ کے مطالعہ سے کام لیں اور اپنے خاص احباب سے اس اجازت کا تذکرہ بھی کر دیں۔

بندہ محمد شفیع (۲۷ ربیع الثانی ۱۳۹۵ھ)

والسلام

نقل اجازت نامہ از حضرت حاجی محمد شریف صاحب

۷۸۶

عزیز محمد اقبال قریشی سلمہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

اللہ تعالیٰ نے آپ کو حضرت اقدس مفتی محمد شفیع صاحب کا مجاز بیعت ہونے کا شرف عطا فرمایا ہے۔ میں خوب سمجھتا ہوں کہ ان کی اجازت کے بعد میری اجازت کا کچھ بھی وزن نہیں۔ لیکن بے اختیار قلب پر تقاضا ہے کہ تو کلا علی اللہ تعالیٰ میں بھی آپ کو اجازت دوں۔ کہ اگر کوئی طالب حق آپ سے بیعت اور تلقین کی درخواست کرے تو قبول فرمائیں۔ اگر میری پیشکش قبول ہو تو مجھے مطلع فرمادیں تاکہ آپ کے نام کی مہر بنوا کر مجازین بیعت کی فہرست میں ثبت کر دی جائے۔ احباب کو اس اجازت کی اطلاع کر دی جائے۔

احقر محمد شریف عنفی عنہ

۷۰۹ نواں شہر ملتان (۹ ذی قعدہ ۱۴۰۰ھ)

نوٹ: اب اس کے بعد ”مختصر تعارف حضرات مجازین از حضرت والا“ ملاحظہ فرمائیے۔

مختصر سوانح حضرات مجازین از حضرت والا

بارہ (۱۲) حضرات مجازین بیعت میں سے یہاں صرف آٹھ کا مختصر تعارف دیا جا رہا ہے باقی حضرات کے حالات دستیاب نہیں ہو سکے۔ ان سوانح میں بعض بہت مختصر ہیں بعض قدرے مفصل۔ اس کی وجہ ان کے حالات کا مختصر یا مفصل دستیاب ہونا ہے۔ اس میں کسی کی ترجیح کا سوال نہیں اور ترتیب حضرت والا کی فہرست مجازین کی ترتیب کے مطابق ہے۔ ان حضرات کی سوانح کو بقدر ضرورت ایڈٹ بھی کیا ہے یعنی تغیر سیر حذف و اضافہ وغیرہ۔ نیز اطلاعاً عرض ہے کہ حضرت حاجی عبدالسلام صاحب حضرت صوفی بشیر صاحب مدظلہ اور حضرت مولانا حافظ عبدالوحید صاحب شہید تینوں حضرات ہوشیار پور کے رہنے والے ایک ہی برادری کے اور آپس میں رشتہ دار تھے۔ (۱۲)

حضرت مولانا حاجی عبدالسلام صاحب ہوشیار پوری رحمۃ اللہ علیہ

آپ ہوشیار پور میں ۱۰ مئی ۱۹۱۰ء کو پیدا ہوئے۔ والد ماجد کا نام جان محمد تھا جو تحصیلدار تھے آپ نے سکول کی تعلیم جماعت نہم تک حاصل کی تھی۔ درسیات (علوم دینیہ) کو بھی نہیں پڑھا تھا بلکہ علم دین حضرات علماء کی صحبت سے حاصل ہوا تھا۔ ۱۹۳۰ء میں آپ خانقاہ امدادیہ اشرفیہ تھانہ بھون میں پہلی بار تشریف لے گئے تھے جہاں ایک یا دو شب قیام فرما کر واپس ہو گئے تھے۔ حضرت حکیم الامت قدس سرہ سے انہی ایام میں سلسلہ مکاتیب شروع کیا تھا۔ حضرت حکیم الامت کے ارشاد کے مطابق طریق سے مناسبت کے حصول کے لئے سو عدد مواعظ اشرفیہ کا مطالعہ بھی کر لیا تھا۔ اسی اثناء میں حضرت حکیم الامت نے طالبین سے دست کشی فرمائی اور حضرات مجازین کی طرف رجوع کرنے کے لئے مطبوعہ پرچہ ارسال فرما دیا۔ اس پر آپ نے حضرت حکیم محمد مصطفیٰ صاحب بجنوری سے رجوع کیا مگر ان کی علالت کے سبب بقدر ضرورت اصلاحی مکاتیب کی تکمیل نہ ہو سکی۔ حضرت حکیم مصطفیٰ صاحب بجنوری قدس سرہ کے وصال کے بعد کشمکش میں تھے کہ خود حضرت حکیم الامت کی طرف سے تنبیہ موصول ہونے کے بعد حضرت والا سے رجوع کیا اور ملتان کی ایک حاضری میں دست بدست تجدید بیعت کا شرف بھی حاصل کیا۔ وصال سے سترہ اٹھارہ سال قبل حضرت والا سراپا خیر و برکت نے آپ کو سلسلہ اشرفیہ میں اجازت بیعت و تلقین بھی عطا فرمادی تھی اور حضرت والا نے اپنے وصال کے تقریباً دو سال قبل تبویب تربیت السالک جلد دوم کا کام بھی آپ کے سپرد فرمایا تھا۔ احقر مؤلف عرض کرتا ہے کہ احقر کو حضرت حاجی عبدالسلام کی زیارت مدرسہ خیر المدارس میں ایک دو بار ہوئی ہے وہ احقر کے نام اپنے گرامی نامہ مورخہ ۱۵-۶-۱۹۷۲ء میں تحریر فرماتے ہیں ”تربیت السالک کا حضرت نے جو کام سپرد کیا تھا وہ الحمد للہ مکمل ہو گیا ایک تہائی حصہ کے قریب کتابت ہو چکی ہے۔“ وہ مدرسہ عربیہ اشاعت العلوم جامع مسجد لاکھنؤ

(حال فیصل آباد کے ناظم تھے۔ حضرت والّا سے ان کو اجازت بیعت کی تاریخ ۸ جمادی الاولیٰ ۱۳۷۱ھ مطابق ۵ فروری ۱۹۵۲ء ہے۔)

حضرت مولانا عبدالعزیز صاحب دامت برکاتہم

مہتمم مدرسہ اشاعت العلوم منڈی چشتیاں

آپ چک نمبر ۲۵۱۔ گ ب قصبہ اوگی تحصیل ٹوبہ ضلع فیصل آباد میں ۱۲ مئی ۱۹۲۹ء کو پیدا ہوئے۔ والد ماجد کا اسم گرامی اسماعیل تھا جو حضرت مولانا حافظ محمد صالح صاحب خلیفہ حضرت گنگوہی سے اصلاحی تعلق رکھتے تھے۔ والد صاحب پابند صوم و صلوة اور تہجد وغیرہ کے بڑے پابند تھے۔ نماز فجر کے بعد کافی دیر تک تلاوت فرماتے۔ پھر کام کاج شروع فرماتے۔ مولانا نے تیسری جماعت تک اسی چک ۲۵۱۔ گ ب میں تعلیم حاصل فرمائی۔ پھر چک نمبر ۴۴ فتح تحصیل چشتیاں ضلع بہاولنگر میں آباد ہوئے۔ اس لئے مولانا نے پانچویں جماعت تک تعلیم قریبی چک نمبر ۴۳ نہر فتح میں پائی اس کے بعد ابتدائی فارسی عربی تعلیم کے لئے مدرسہ عربیہ قاسم العلوم فقیر والی ضلع بہاولنگر تشریف لے گئے لیکن کم عمری کے سبب مولانا کا دل نہ لگا اور ایک ماہ بعد ہی واپس تشریف لے آئے۔ اس کے بعد قریبی چک نمبر ۹۸ فتح میں مولانا برکت اللہ صاحب فاضل دیوبند سے ابتدائی فارسی کریم، گلستان، بوستان، سکندر نامہ وغیرہ تک پڑھی۔ لیکن مولانا برکت اللہ صاحب اپنی دیگر مصروفیات کے سبب کما حقہ تعلیم نہ دے سکتے تھے اس لئے مولانا کے مشورہ سے تقریباً گیارہ بارہ برس کی عمر میں مولانا کے والد ماجد انہیں مدرسہ رائے پور گوجراں ضلع جالندھر چھوڑ آئے وہاں کافیہ قدوری تک کتابیں پڑھیں۔ اس کے بعد مدرسہ خیر المدارس جالندھر میں داخلہ لیا اور یہاں شرح جامی، کنز الدقائق، شرح تہذیب اور ترجمہ قرآن مجید پڑھا۔ مولانا رمضان کی تعطیلات بسر کرنے کے لئے اپنا سامان خیر المدارس جالندھر میں ہی چھوڑ کر گھر آئے تھے کہ ۱۹۳۷ء کا انقلاب آ گیا اور مولانا واپس نہ جا سکے۔ دو تین ماہ اسی طرح گڑ بڑ میں گزرے تھے پھر مدرسہ خیر پور نامیوالی ضلع بہاولپور میں داخلہ لیا مگر ابھی ایک ماہ ہی گزرا تھا کہ خیر المدارس ملتان کے قیام کا مزدہ سنا اس لئے مولانا فوراً ملتان تشریف لے گئے اور تین سال تک تعلیم حاصل کرنے کے بعد ۱۳۶۹ھ میں خیر المدارس سے دورہ حدیث مکمل فرمایا۔ اس کے بعد حضرت مولانا خیر محمد صاحب جالندھری سے مولانا جمیل الدین صاحب انسپکٹر مدارس عالیہ کے نام سفارشی خط لکھوا کر سکول کی ملازمت اختیار کر لی اور تین چار سال بعد اسی اثنا میں جامعہ عباسیہ بہاولپور سے علامہ کی ڈگری حاصل فرمائی۔

اصلاح باطن:

دورہ حدیث مکمل فرمانے کے بعد اصلاح باطن کا داعیہ قلب میں پیدا ہوا اور مولانا نے حضرت والّا سے ۱۳۶۹ھ میں اصلاحی تعلق قائم کیا اور حضرت والّا نے آپ کو اجازت بیعت و تلقین بھی فرمادی۔

حفظ قرآن پاک:

اسی اثنا میں حفظ کلام پاک کا شوق قلب میں موجزن ہوا۔ دوران ملازمت اور دیگر مصروفیات کے باوجود حفظ کرنا شروع فرمادیا۔ ڈیڑھ دو سال کے قلیل عرصہ میں بفضلہ تعالیٰ قرآن پاک حفظ کر لیا۔

حج بیت اللہ شریف:

مولانا نے بفضلہ تعالیٰ تین بار حج بیت اللہ کی سعادت حاصل فرمائی ہے۔

امامت و خطابت:

مولانا قاری محمد ابراہیم صاحب مرحوم خطیب جامع مسجد منڈی چشتیاں شریف کی وفات بعد حضرت والا ہی کے حکم سے جامع مسجد منڈی چشتیاں میں امامت و خطابت کی ذمہ داری سنبھالی اور ساتھ ہی مدرسہ اشاعت العلوم کا سلسلہ شروع فرمایا۔ بفضلہ تعالیٰ تھوڑے ہی عرصہ میں مولانا کے اخلاص، جدوجہد اور محنت کی بدولت مدرسہ بہت مقبول ہو چکا ہے اور آج کل بہاؤ پور ڈویژن کے دینی مدارس میں ایک نمایاں مقام حاصل کر چکا ہے اور شب و روز ترقی کی راہ پر گامزن ہے۔ دل سے دعا ہے کہ حق سبحانہ و تعالیٰ اسے تاقیامت بایں فیوض و برکات سرسبز و شاداب رکھے آمین۔

اجازت حضرت مولانا افغانی نور اللہ مرقدہ:

مولانا نے حضرت والا کے وصال کے بعد حضرت شمس العلماء والفضلاء مولانا شمس الحق افغانی صاحب سے رجوع کیا اور انہوں نے اجازت بیعت سے نوازا۔ حال ہی میں حضرت مولانا حکیم محمد اختر صاحب مدظلہ نے بھی مولانا کو اپنی طرف سے اجازت دی ہے۔

علمی مشاغل:

مولانا کا زیادہ وقت درس و تدریس اور اہتمام مدرسہ میں صرف ہوتا ہے۔ مولانا کا وعظ بھی نہایت سادہ مگر موثر ہوتا ہے بالخصوص مروجہ رسومات کے خلاف تو خوب بولتے ہیں۔ مولانا شائقین کی فرمائش پر درس قرآن بھی دیتے ہیں اور بفضلہ تعالیٰ دو بار پورے کلام پاک کا ترجمہ و تفسیر بیان فرما چکے ہیں اور انہیں اب اس سے مناسبت بھی ہو گئی ہے۔ اصلاح و تربیت کے علاوہ گاہ گاہ تعویذ بھی لکھ دیتے ہیں۔ خطوط کا جواب باقاعدگی سے عنایت فرماتے ہیں۔ اس کے علاوہ علاقہ بہاولنگر بالخصوص چشتیاں کے لئے دائمی جنتری بھی تحریر فرما چکے ہیں جس میں نماز پنجگانہ، طلوع و غروب آفتاب، زوال وغیرہ کے وقت تفصیل سے سارے سال کے لئے درج فرمائے ہیں جس سے علاقہ بہاولنگر والوں کو بڑی سہولت ہو گئی ہے۔ آخر میں نماز نہ پڑھنے والوں کے لئے وعیدیں بھی مستند ماخذ سے تحریر فرمادی ہیں۔ اس کے علاوہ اس ناچیز کی درخواست کو شرف قبولیت عطا فرما کر ”میرے شیخ کامل“ کے عنوان سے مفصل مضمون تحریر فرمادیا ہے جو سوانح ہذا میں شامل ہے۔ احقر نے

حضرت مولانا محمد صدیق صاحب شیخ الحدیث جامعہ خیر المدارس ملتان سے مولانا کے بارے میں سنا ہے کہ حضرت والا کی ان پر خصوصی شفقت و عنایت تھی۔ اور انہوں نے یہ بھی فرمایا کہ حضرت والا کی نسبت کا زیادہ ظہور مولانا میں ہوا ہے۔ چنانچہ مدرسہ اشاعت العلوم رجسٹرڈ جامع مسجد منڈی چشتیاں کی روز افزوں ترقی اس پر شاہد ہے۔

نوٹ: حضرت والا سے آپ کو "اجازت بیعت و تلقین" کی نقل آپ کے مقالہ "میرے شیخ کامل" میں گزر چکی ہے۔ (آ)

حضرت مولوی حاجی فتح محمد صاحب جالندھری آباد پوری رحمۃ اللہ علیہ

آپ حضرت والا کے ان خلفاء میں سے تھے جنہوں نے حضرت حکیم الامت تھانویؒ کی زیارت کی ہے۔ انہوں نے احقر مؤلف سے اس زیارت کا ذکر کیا تھا۔ اس کی جتنی تفصیل یاد ہے اس کو اپنے الفاظ میں ذکر کرتا ہوں۔ وہ حضرت والا کو قبلہ عالم کہا کرتے تھے۔ فرماتے تھے کہ میں قبلہ عالم کے سوا کسی کو کچھ سمجھتا ہی نہ تھا۔ حضرت والا کے ساتھ پہلی بار حضرت حکیم الامتؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت کے یہاں قاعدہ تھا یا یہ ہدایت فرمائی ہوگی کہ آتے ہی یہ خط دکھا دینا۔ چنانچہ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوتے ہی مصافحہ کے لئے بھی ہاتھ بڑھایا اور والا نامہ بھی پیش کر دیا۔ حضرت تھانویؒ نے اس پر تنبیہ فرمائی کہ یہ خط پکڑو یا مصافحہ کروں اور باہر نکل جانے کا حکم دیا۔ کہتے تھے کہ میں باہر نکل کر مسجد میں بیٹھ گیا۔ اور مجھے عبرت ہوئی کہ یا اللہ میں تیرے ایک بندے کے دربار میں حاضری کے لائق نہیں۔ تیرے دربار کی حاضری کے لائق کیسے ہو سکتا ہوں۔ کہتے ہیں یہ سوچ کر خوب گریہ ہوا۔

ایک دوسرا واقعہ انہوں نے اپنا اور بیان فرمایا۔ وہ بھی احقر مؤلف کے اپنے الفاظ میں عرض ہے۔ وہ یہ کہ ان کے کسی دوست (معتقد یا مرید وغیرہ) نے ان کے گھر میں پانی کا دستی نکلا (ہینڈ پمپ) لگوانے کو کہا تھا، لیکن پھر لگوا یا نہیں۔ پانی کی تکلیف تھی۔ گھر والوں نے کہا بھی کہ جن صاحب نے نکلا لگوانے کو کہا ان سے کہا جائے۔ لیکن حاجی صاحب نے کہا کہ میں تو کسی سے نہیں کہوں گا۔ اس کے بعد خواب میں حضور ﷺ کی زیارت ہوئی۔ اور آپ ﷺ نے بشارت دی کہ تمہارے گھر میں تمہاری چار پائی کے نیچے بند کنواں ہے۔ چنانچہ خواب سے بیدار ہوئے۔ اور وہ جگہ کھدوائی تو کنواں نکلا۔

حضرت سید قمر الدین احمد صاحب دامت برکاتہم کا ذکر بھی احقر سے غالباً سب سے پہلے انہوں نے ہی فرمایا تھا اور ان کی تعریف بھی کی تھی۔ انہیں سے ان کی اپنی ایک اور روایت بھی سنی جو احقر کے الفاظ میں مذکور ہے۔ چونکہ نفع سے خالی نہیں بلکہ دینی فائدہ سے بھرپور ہے، اس لئے عرض ہے کہ علماء کرام کے سیاسی اختلاف کے دور میں انہوں نے حضرت والا سے عرض کیا کہ حضرات علماء کا اختلاف کبھی رحمت ہوتا تھا اب زحمت بن گیا ہے۔ حضرت والا نے جواب میں جو ارشاد فرمایا وہ بہت اہم یاد رکھنے اور پلے باندھنے والی نصیحت ہے۔ حضرت والا نے ارشاد فرمایا کہ علماء کے اختلاف میں ان کی بدگوئی (غیبت) سے بچنا یہ زبان کی عبادت ہے۔ اور بدگمانی سے بچنا یہ دل کی عبادت ہے۔ (یہ سب روایت بالمعنی احقر کے الفاظ

میں ہے۔ مفہوم یاد رہا الفاظ بعینہ یاد نہیں رہے)

آپ کے بہت مختصر سے حالات حضرت مولانا محمد صدیق صاحب مدظلہ العالی (شیخ الحدیث و صدر مدرس جامعہ خیر المدارس) نے تحریر فرمائے ہیں۔ جن کا اکثر حصہ جغیر بیری ذیل میں نقل کیا جاتا ہے۔ حضرت مولانا محمد صدیق صاحب تحریر فرماتے ہیں: ”بندہ کو صرف اتنا یاد ہے کہ جالندھر کی اضافی بستی آباد پورہ میں رہائش تھی۔ اور مدرسہ خیر المدارس ریلوے روڈ کے قریب حجام کی حیثیت سے دکان بنا رکھی تھی۔ خود فرماتے تھے کہ میں پتلون کوٹ پہنتا تھا۔ ایک دن حضرت نے حجامت کیلئے بلایا تو بندہ کو اُنس پیدا ہوا۔ آہستہ آہستہ وہ انس محبت سے تبدیل ہو کر میری غلامی کا سبب بنا۔“ (یہاں تک کہ بالآخر حضرت والّا نے ان کو اجازت بیعت عطا فرمائی۔ ۱۲)

”جب تک صحت رہی طلبہ کی حجامت بنانے کو اپنے سلوک طے کرنے کا ذریعہ سمجھتے تھے۔ اور مدرسہ کی طرف سے شہر ملتان میں سفیر کی حیثیت سے مدرسہ کی خدمت سرانجام دیتے تھے۔“

(بعض اسفار میں بھی حضرت والّا کی خدمت میں ساتھ رہتے اور بیرون ملتان بھی بحیثیت سفیر مدرسہ خدمت انجام دیتے تھے۔ ۱۲)

”آخر طویل علالت کے بعد بروز منگل ۶ محرم ۱۳۹۷ھ مطابق دسمبر ۶ ۱۹۷۶ء کو ان کا وصال ہوا، اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُونَ۔“

(اور حضرت سائیں طور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پہلو میں مدفون ہوئے۔ اَللّٰہُمَّ اغْفِرْ لَہٗ مَغْفِرَۃً ظَہْرَۃً وَ بَاطِنَۃً وَ ادْخِلْہٗ جَنَّةَ النّعِیْمِ (آمین) (۱۲)

حضرت حاجی فتح محمد صاحب نے ایک کتب یا مدرسہ ”دعوت الحق“ بھی قائم فرمایا تھا۔ اور سلور کے کارخانے کے قریب اس کا سنگ بنیاد رکھنے کے لئے غالباً حضرت والّا سے درخواست کی ہوگی۔ حضرت والّا نے احقر اور ایک یا دو اور حضرات کو اس کام کے لئے مامور فرمایا۔ اور ان حضرات اور احقر سے سنگ بنیاد رکھوایا گیا۔

احقر کے ایک خط کے جواب میں حاجی فتح محمد صاحب نے جو شفقت نامہ ارسال فرمایا تھا اس کی نقل حسب ذیل ہے:

ملتان ۳ ربیع الثانی ۹۵ھ، ۱۷ اپریل ۱۹۷۵ء

۸۷۶

مخدومی معظمی دام ظلکم العالی السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

آپ کا خیرت نامہ ملا۔ پڑھ کر نہایت مسرت ہوئی۔ بھائی جان تین سال کا عرصہ ہو چکا ہے۔ میں بیمار ہوں۔ پورے جسم پر عیشے کی مرض طاری ہے۔ آپ بارگاہ الہی میں دعا کریں، مجھے اللہ تعالیٰ صحت بخشے تو میں خود آپ کی زیارت

! احقر مؤلف نے یہ تاریخ اور فن کی جگہ حضرت والّا کی بیاض متعلقہ الموالید والوفیات کی نقل سے دیکھ کر لکھی ہے۔ اس میں حضرت والّا کے بعد ان کے خلف رشید

حضرت مولانا محمد شریف صاحب نے اضافے فرمائے تھے۔ (۱۲)

کے لئے حاضر خدمت ہو سکوں۔ پہلے سے طبیعت قدرے ٹھیک ہے۔ ملاپ اسی وقت ہوتا ہے جب خدا کو منظور ہوتا ہے۔ خداوند قدوس کبھی تو ہمیں ملنے کی توفیق دے گا۔ خط کو اس لئے دیر ہوئی کہ میں خود تو پڑھ لکھ نہیں سکتا۔ جس نے خط لکھنا تھا وہ باہر گیا ہوا تھا۔ وہ آیا ہے تو اب جواب دے رہا ہوں۔ باقی دعاء کیا کریں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں رسول کریم کے رستے پر چلنے کی توفیق عطا فرماوے (آمین)

حاجی فتح محمد، خیر بیکری

محلہ کمنگراں حسین آگاہی ملتان شہر

حضرت سید قمر الدین احمد صاحب دامت برکاتہم

نوٹ : احقر مؤلف نے بتا کید درخواست کی کہ براہ کرم ضرور اپنے سوانح ارسال فرمائیے۔ بحمد اللہ غالباً تائیدی درخواست کی وجہ سے اور احقر کی تطیب خاطر کے لئے درخواست قبول فرمائی اور تو اضع حائل ہو کر مانع نہیں بنی۔ چنانچہ اپنے مختصر سوانح تحریر فرمائے۔ جی بہت خوش ہوا۔ مزید اس لئے بھی جی زیادہ خوش ہوا کہ حسب درخواست فائل میں لگانے کے لئے مناسب سائز پر دونوں طرف فوٹو سٹیٹ کرا کر ارسال فرمائے۔ فجزاہ اللہ خیر الجزاء۔ اب اس کو ایڈٹ کرنا بالکل آسان ہو گیا ہے۔ چنانچہ ان کے خودنوشت سوانح درج ذیل ہیں:

نام:

پیدائشی نام جن پیر شاہ ولدیت گل حسین شاہ رحمۃ اللہ علیہ۔ جب حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے جانندہر اصلاح کے لئے تعلق کا سلسلہ شروع ہوا تو حضرت منشی عبدالرحمن خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت والا کی منظوری سے نام قمر الدین احمد تبدیل فرمادیا۔ میں نے اخبار میں اشتہار کے بعد کاغذات سرکاری میں نام تبدیل کر دیا۔ اور اخبار میں شائع کرایا کہ آئندہ مجھے جن پیر شاہ کے نام سے کوئی نہ پکارے۔ قمر الدین احمد کے نام سے پکارا جاوے۔ تو اب نام قمر الدین احمد ولد گل حسین شاہ ہوا۔

ولادت:

بمقام کردلی پیران ضلع چکوال ہے۔ پہلے ضلع جہلم تھا، اب چکوال کو جو پہلے تحصیل تھی، ضلع بنا دیا گیا ہے۔ سرکاری کاغذات میں تاریخ ولادت ۲ نومبر ۱۹۲۶ء درج ہے۔ میری والدہ مرحومہ فرماتی تھیں کہ تمہاری ولادت ۱۹۲۷ء میں ہوئی تھی، واللہ اعلم۔

وجہ تسمیہ موضع کردلی پیران:

ایک بزرگ ولی اللہ حضرت مولانا غوث بہاء الدین زکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد میں سے محمد حسین شاہ نامی اس پہاڑی علاقہ میں تشریف لائے (یہ گاؤں پہاڑوں کے درمیان میں واقع ہے) پانی کی وہاں سخت قلت تھی۔ ان سے درخواست کی گئی کہ پانی کیلئے دعا فرمادیں۔ انہوں نے دعاء فرمائی اور اپنا عصا مبارک ایک پتھر پر دے مارا، تو اس پتھر میں

سے دودھ کا چشمہ جاری ہوا۔ کہا گیا کہ حضرت لوگ یہاں دودھ کیلئے لڑیں گے۔ انہوں نے منہ میں کلی کر کے دودھ کے چشمہ میں ڈال دی۔ وہ چشمہ پانی سے تبدیل ہو گیا۔ کیونکہ ہمارے جہلم والے پہاڑی علاقہ میں کلی کو کرولی بولتے ہیں۔ تو اس دودھ کی کلی کی وجہ سے اس بستی کا نام کرولی پڑ گیا۔ چونکہ یہ بزرگ پیر تھے اور قریشی ہاشمی خاندان سے تھے اور یہاں ہی آباد ہو گئے تھے اور پھر اس بستی میں ان کی ہی اولاد آباد ہوتی گئی تو اس بستی کا نام کرولی پیر انوالی مشہور ہوا۔ ہمارا سارا خاندان انہیں کی اولاد سے ہے۔ سب اس گاؤں میں آباد ہیں۔ بمقابلہ دوسری اقوام کے بالکل قلیل سے لوگ ہیں۔ وطن اصلی کرولی ہے۔ مندرجہ بالا واقعہ اسی طرح اپنے بزرگوں سے سنا ہے، واللہ اعلم۔

موضع کرولی پیران سے ڈیرہ غازیخان:

والدہ مرحومہ فرماتی تھیں کہ ۱۹۲۷ء میں تمہارے والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ملازمت ڈیرہ غازیخان اختیار کر لی تو ڈیرہ غازیخان آنا پڑا۔ یہاں حضرت مولانا قاضی عبید اللہ صاحب رحمۃ اللہ کے مکان کے ساتھ مکان تھا۔ اسی قریبی محلہ کے پرائمری سکول کی تعلیم حاصل کی۔ پرائمری کے بعد گورنمنٹ انڈسٹریل سکول ڈیرہ غازیخان میں ہی داخلہ لیا۔ دل میں بچپن سے ہی بحمد اللہ ایک شوق تھا کہ ”رزق حلال کا ذریعہ اپنے ہاتھوں کی کمائی ہے“ اس لئے کارہنٹری کا کام اس دستکاری سکول میں سیکھا جو کہ بحمد اللہ مورخہ مارچ ۱۹۳۲ء اپنے سکول میں اعلیٰ نمبروں پر اور کلاس میں فیسٹ پوزیشن میں کامیابی ہوئی۔ پھر اسی سکول میں مزدوری پر کارہنٹری کا کام شروع کر دیا۔ مزدوری کی رقم لیتا رہا۔ تھوڑے عرصہ بعد سپرنٹنڈنٹ اولڈ سنٹرل جیل، ملتان سے ایک چشمی ہیڈ ماسٹر صاحب کو موصول ہوئی کہ ہمیں ایک کارہنٹری ماسٹر کی ضرورت ہے۔ چونکہ اسی سال فارغ ہوا تھا، بفضلہ تعالیٰ فرسٹ پوزیشن تھی اور وہاں ہی کام کر رہا تھا۔ بغیر کسی سفارش کے ہیڈ ماسٹر صاحب نے مجھے اپنی طرف سے اولڈ سنٹرل جیل بھیج دیا۔ بعد امتحان کارہنٹری مورخہ ۳ اگست ۱۹۳۳ء کو میری تعیناتی ہوئی۔ اس وقت ڈاکٹر مظہر حسین سپرنٹنڈنٹ جیل تھے۔ حق پسند اور اعلیٰ درجہ کے منتظم تھے۔ دوسری جیلوں سے ایسے قیدی ہندو سکھ مسلمانوں میں سے جو بد معاش قسم کے ان جیلوں میں قابو نہیں آتے تھے۔ یہاں اصلاح کے لئے ان کے پاس ملتان بھیجے جاتے تھے۔

شیخ کی تلاش:

میں یہ کہا کرتا تھا کہ پیر ہو کامل ہو۔ دیکھ بھال کر سوچ سمجھ کر شیخ بنائیں گے۔ ایسے نہیں۔ ہمارے ساتھ ایک ماسٹر سلطان احمد صاحب ایس۔ وی۔ ٹیچر تعینات تھے۔ ان سے ایک روز باتوں باتوں میں یہی ذکر کیا ”مجھے شیخ کامل کی تلاش ہے۔“ انہوں نے فرمایا ایک بزرگ غازی ثناء اللہ خاں نمبر ۲۶ ریلوے روڈ لاہور رہتے ہیں۔ ان کے کئی عجیب و غریب واقعات سنائے۔ میں نے انہیں عریضہ تحریر کر دیا۔ انہوں نے میرے عریضہ کا جواب حضرت فشی عبدالرحمن خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی معرفت جو یہاں چھلیک ملتان میں رہتے تھے، ان سے دلویا۔ انہوں نے تحریر فرمایا کہ مورخہ ۲۳ دسمبر ۱۹۳۶ء کی علی الصبح مجھے میرے مکان پر ملیں، اور اسے لاہور والے خط کا جواب سمجھیں۔ اس خط کا ملنا تھا، میری خوشی عجیب تھی۔ اور یہ

صبح تھی کہ لفظ علی الصبح تحریر ہے۔ اس لئے صبح ہوتے ہی وہاں پہنچنا چاہئے۔ خیر رات کس شوق و انتظار میں گزری۔ میں صبح سے کچھ پہلے ہی سائیکل پر نکل کھڑا ہوا۔ صبح کی اذانیں شروع ہوئیں تو حضرت منشی صاحب رحمۃ اللہ کے در دولت پر جا پہنچا۔

مجھے عجیب حیرت ہوئی کہ میں جب پہنچا تو حضرت منشی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے چھوٹے بھائی اتنے سویرے سخت سردی میں دروازہ پر کھڑے میرا انتظار کر رہے تھے۔ انہوں نے کہا آپ جیل سے آئے ہیں۔ میں نے کہا جی ہاں۔ فرمایا کہ بھائی صاحب مجھے یہاں کھڑا کر گئے کہ آپ آئیں تو آپ کو مردانہ بیٹھک میں بٹھلا دوں۔ تھوڑی ہی دیر بعد حضرت منشی صاحب رحمۃ اللہ علیہ تشریف لے آئے۔ انہوں نے فرمایا کہ آپ کا مقصد کیا ہے؟ میں نے کہا حق تعالیٰ کی رضا اور پیر کامل کی تلاش۔ فرمایا اور کوئی مقصد۔ میں نے کہا کچھ بھی نہیں۔ میں چند اشیاء بطور ہدیہ لے گیا تھا۔ پیش خدمت کی۔ خلاف معمول قبول فرمایا اور باتوں باتوں میں اس اجمل کو آداب ہدیہ فرما گئے۔

مجھے فرمایا آپ بے فکر ہو جائیں۔ کچھ پڑھنے کے لئے فرمایا اور چند کتب مطالعہ کے لئے عنایت فرمائیں۔ میں نے حسب ارشاد عمل شروع کر دیا۔

صحیح سلسلہ کے برکات:

حضرت منشی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو دل میں بفضلہ تعالیٰ یہ خود بخود آنے لگا کہ یہ سچ، صحیح اور مخلص لوگ ہیں۔ نیک اعمال کی توفیق شروع ہو گئی۔

حضرت منشی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت مولانا خیر محمد رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں جالندھر خط لکھا جس میں میرے نام کی تبدیلی اور اجازت خط و کتابت (اصلاحی) کی منظوری لی۔ پھر مجھے ایک چٹ پر پتہ تحریر فرمادیا کہ اس پتہ پر جالندھر خط و کتابت کیا کروں۔

پہلا خط: جو کہ میں نے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں جالندھر تحریر کیا، جس کا جواب حضرت والا کی طرف سے ۲۸ صفر

۱۳۶۱ھ کو تحریر ہوا (اس کی نقل اس خودنوشت مختصر سوانح کے قلم پر اجازت بیعت و تلقین کی نقل کے بعد دی جا رہی ہے۔ ۱۷)

حضرت والا نے اس پہلے والا نامہ میں ہی اس ناکارہ کو تبلیغ دین پڑھ کر اصلاح اخلاق کی طرف میرا رخ موڑ دیا۔ میں نے حسب ارشاد عمل شروع کر دیا۔ پھر کیا تھا بے نمازی، پکا نمازی بن گیا۔ بے ڈاڑھی ڈاڑھی والا اور قضا نمازوں کی ادائیگی اور روز بروز فکر آخرت، دنیا سے نفرت، نیک لوگوں سے محبت، اپنے عیوب نمایاں، حضرت والا کی محبت، زندگی کی قدر، وقت کی قیمت، ایک پستی، اور گناہوں پر ندامت۔ یوں معلوم ہونے لگا کہ پچھلی عمر رائیگاں گئی۔ کیا تھا اک فضل ربی اور اپنے ہر و مرشد کی دعاؤں اور توجہ سے میں حیرت اور ہمت سے جرأت سے دین کی طرف بھاگنے لگا۔ اور اپنے اندر عیوب ہی عیوب دیکھنے لگا۔ اور ہر مومن کی فراست سے دوڑنے لگا اور اسے اپنے سے بہتر سمجھنے لگا۔ بس یوں سمجھنے کہ ایک ڈبہ تھا جسے گاڑی کے ساتھ جوڑ دیا گیا۔ بس ایک رفتار کے ساتھ تیزی سے سوڑتا جا رہا ہے۔ اس ہمت اور حیرت سے نہ انجن کو دیکھانہ

ذہبوں کو۔ حق تعالیٰ کی عجیب قدرت ہے کہ انہوں نے میرا یہ تکبر توڑا کہ ”میرا دیکھ بھال کر کروں گا اور سوچ سمجھ کر“ اور اپنے فضل سے یہ ظاہر فرمایا کہ بن دیکھے منوا سکتے ہیں۔

پہلی زیارت:

۱۹۳۷ء میں حضرت والّا جانندھر سے معہ بچوں کے ملتان تشریف لے آئے۔ حضرت فحشی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مجھے اطلاع کی کہ حضرت مسجد سراجاں حسین آگاہی میں تشریف لے آئے ہیں، وہاں جا کر مل لو۔ میں وہاں گیا عصر کی اذان ہو چکی تھی۔ حضرت والّا اپنے رومال مبارک سے نمازیوں کے لئے مسجد میں صفیں جھاڑ رہے تھے۔ بلا تعارف جی میں آیا کہ پیر و مرشد یہی ہیں۔ کوئی دائیں بائیں سے دوڑ کر رومال پکڑ کر خود اس خدمت کے لئے نہیں بھاگا (بمع میرے) حضرت والّا کے اہل و عیال مسجد کی چھت پر کپڑا اتانے پردہ کئے ہوئے مقیم تھے۔

پہلی مجلس:

بعد نماز عصر دائیں طرف مسجد کے حجرہ میں حضرت والّا اور حضرت مولانا فقیر اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ رائے پوری ساہیوال والے چار پائی پر تشریف فرما تھے۔ چند لوگ بیٹھے تھے۔ میں بھی ان کی طرح دوڑا نو ہو کر نیچے بیٹھ گیا۔

پہلا ملفوظ:

حضرت مولانا مفتی فقیر اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرما رہے تھے کہ طالب علم کو زبان بن کر رہنا چاہیے اور مرید کو کان بن کر۔ جاہل تو تھا ہی، اور اب بھی ہوں، بس کان بن گیا۔ بغیر تعارف کرائے واپس اپنے گھر آ گیا۔ حضرت فحشی صاحب نے فرمایا کہ آپ حضرت والّا کو ملے نہیں۔ اب سینما کے سامنے والی عمارت میں مدرسہ ہے، وہاں جا کر ملاقات کرو۔ میں وہاں گیا۔ حضرت مولانا عبد اللہ صاحب رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ درس دے کر فارغ ہو کر واپس تشریف لائے۔ حضرت والّا اوپر کی منزل سے تشریف لے آئے۔ الحمد للہ مصافحہ ہوا، میں نے تعارف کرایا۔ چند اشیاء بطور ہدیہ لے گیا تھا۔ بخوشی قبول فرمائیں۔ پھر کچھ عرصہ بعد مدرسہ موجودہ گیان استھل اور رنگ زیب روڈ ملتان منتقل ہو گیا۔ بات تو پہلے خط اور اصلاح کی ہو رہی تھی، میں کہاں سے کہاں پہنچ گیا۔

خیر میں نے حضرت والّا کے ارشاد کے مطابق اخلاق رذیلہ اور حمیدہ کی فہرست بنالی اور اخلاق رذیلہ کے اصلاح کی ترکیب اور حمیدہ کے تحصیل کا طریق دریافت کر کے عمل شروع کر دیا۔ اور دونوں فہرستیں حضرت والّا کو جانندھر میں بھیج دیں۔ حضرت والّا نے تحریر فرمایا ”دونوں دیکھ لیں اب آپ اخلاق رذیلہ کی فہرست میں سے جس کو زیادہ ضروری سمجھیں پہلے اس کا علاج دریافت کریں۔ مگر یہ بھی ساتھ لکھیں کہ اس مرض کی حقیقت آپ کیا سمجھے۔ یہ اختیاری ہے یا غیر اختیاری۔“

الحمد للہ توفیق ہوئی۔ میں نے ایک عریضہ میں تحریر کیا۔ مرض دنیا کی محبت کا علاج ارشاد فرمادیں جو کہ غیر اختیاری ہے۔ حقیقت اس کی یہ ہے کہ جب کوئی خوبصورت چیز دیکھ لوں جی خوش ہوتا ہے، دل سے محبت ٹپکتی ہے۔ ارشاد فرمایا: ”یہ حب

دنیا نہیں۔ حب دنیا یہ ہے کہ ایسی چیز سے محبت کر لی جاوے جس میں حظ نفس ہو اور آخرت میں اس کا کوئی نیک ثمرہ مرتب نہ ہو۔ یہ غیر اختیاری امور قابل علاج نہیں ہوا کرتے۔ قصد السبیل رسالہ کا بغور مطالعہ کیا جاوے۔“

گناہوں کا علاج:

ایک عریضہ میں میں نے تحریر کیا میں گنہگار انسان ہوں۔ جب چھوٹے چھوٹے گناہ (بول چال وغیرہ) بعض اوقات منہ سے نکل جاتے ہیں تو بعد میں سخت افسوس ہوتا ہے، استغفار کرتا ہوں۔ لیکن پہلے نہیں سنبھل سکتا۔ آپ برائے مہربانی ایسا علاج ارشاد فرماویں جو کہ میں مولا پاک کے حکم پر عمل کرتا رہوں اور گناہ سے پہلے ہی سنبھل جاؤں۔ ارشاد فرمایا: ”جوں جوں مشق ذکر اللہ کی بڑھتی جائے گی یہ درجہ حاصل ہوتا جائے گا۔ جیسے دھوپ کے بڑھنے سے سایہ گھٹتا جایا کرتا ہے۔ گہرانے کی کوئی بات نہیں اور نہ جلدی کرنے کی۔“

زُہد:

زہد کے بارے میں عریضہ میں نے تحریر کیا اور عرض کی کہ زہد کی تعریف میرے ذہن ناقص میں تو یہ ہے کہ جن اشیاء کے نہ ہونے سے دین کے کسی قسم کا کوئی نقصان نہ ہوتا ہو اور دنیا کی طرف بضرورت حاجت و رغبت بہت کم کرنا اور دین کی طرف بہت زیادہ راغب ہونا اس قلیل دنیا کی طرف بھی دین کے لئے ہی راغب ہونا اور فالتو و فضول اشیاء کے درپے نہ ہونا۔ دنیا کے فانی اور آخرت کے باقی ہونے کا خیال اکثر اوقات رہنا اور دنیا کے پاس نہ ہونے سے گھبراہٹ بہت زیادہ پریشانی کا نہ ہونا۔ ہر حال میں راضی رہنا۔ اصلاح سے مشکور فرماویں۔ پہلا خط سہولت کے لئے ارسال خدمت ہے۔

فقہ والسلام
قمر الدین احمد (۳۹-۱۴-۳)

جواب ارشاد فرمایا: ”زُہد یہ ہے کہ دنیا کو فانی اور آخرت کو باقی خیال کرتے ہوئے بقدر ضرورت دنیا پر کفایت کرنا۔ اور دل کو دنیوی اشیاء کی محبت سے محفوظ رکھنا۔ جو مال حلال ملے اس کو خدا کی نعمت سمجھ کر شکر ادا کرنا اور اس کا حق ادا کرنا۔“

”اس کی تحصیل کا طریق یہ ہے کہ حق تعالیٰ کی نعمتیں جو جنت میں الہی ایمان کو ملیں گی اس کا استحضار۔ اور دنیوی اشیاء کے فنا کا استحضار رکھا جاوے۔ کسی وقت مقرر پر چند منٹ مراقبہ اس کا کر لیا جایا کرے۔“

اخلاص کے بارے میں درخواست اصلاح کی تو حضرت والا نے ارشاد فرمایا ”اخلاص جس کی حقیقت یہ ہے اپنی طاعت میں صرف اللہ تعالیٰ کی رضامندی کا قصد رکھنا اور مخلوق کی رضامندی اور خواہش نفسانی کو مقصود نہ ٹھہرانا۔“ ”طریق تحصیل یہ ہے کہ ایک دفعہ رضا الہی کا قصد کر کے خوب کام کرتے رہنا اور وساوس و اوہام کی طرف التفات نہ کرنا۔“

الحمد للہ کہ حضرت والا سے اصلاحی خط و کتابت ہوتی رہی کہ اچانک ایک عریضہ کے جواب میں حضرت والا کی طرف سے اجازت بیعت کا والا نامہ موصول ہوا ایک بار خدمت خلق کا اور بہت بڑا بوجھ اس نا اہل کے سر پر رکھ دیا گیا۔ (اجازت بیعت کی نقل اس خودنوشت مختصر سوانح کے ختم پر دی جا رہی ہے ۱۲)

اجازت بیعت قبل از بیعت:

والا نامہ ملنے سے حیرت زدہ رہ گیا۔ ندامت میں ڈوب ڈوب گیا، جو حالت ہوئی سو ہوئی۔ جرأت نہیں ہوتی تھی کہ کیسے عرض کروں کہ میں تو ابھی تک آپ سے بیعت بھی نہیں ہوا۔ جب حق تعالیٰ اپنا فضل و کرم فرماتے ہیں اور توفیق عمل ارشاد مرشد عنایت فرماتے ہیں تو رات دن اپنی زندگی میں تغیر اور کرامات و برکات بہر دل میں موجزن رہتے ہیں۔ اور انسان ایسی پستی میں غرق ہوتا ہے کہ اپنے آپ کو اس قابل ہی نہیں سمجھتا کہ میں کیسے جرأت کروں اور درخواست کروں۔ اور کیسے یہ ناپاک ہاتھ پاک ہاتھوں میں دوں۔ بس اسی الجھن میں دبا اور مٹا مٹا رہتا ہے بس میں نے حضرت والا کی خدمت میں تحریر کیا کہ حضرت ابھی تک تو میں حضرت والا سے بیعت بھی نہیں ہوا۔ جرأت اور ہمت نہیں ہوتی درخواست کی، حضرت والا نے میرے ۲۰۵۰ کے عریضہ پر جس پر حضرت والا کی تاریخ مورخہ ۲ ربیع الثانی ۱۳۶۹ھ درج ہے، تحریر فرمایا کہ ”آئندہ اتوار کو بعد نماز ظہر کے یہ رقعہ مجھے مدرسہ میں دے دیا جاوے اور خود وہاں موجود رہا جاوے۔“

الحمد للہ یہ سعادت نصیب ہوئی۔ حضرت والا کی خدمت میں نیوسنٹرل جیل سے اصلاح کی غرض سے ہفتہ میں جو ایک رخصت ہوتی تھی حاضری بجا لیا ہوتی رہی۔ بعد عصر ملفوظات کی مجلس کے بعد گھر جاتا۔

تبدیلی راولپنڈی سنٹرل جیل:

۱۹۵۵ء میں میری تبدیلی سنٹرل جیل لاہور ہوئی۔ وہاں پہنچا تو انہوں نے کہا کہ پہلے آرڈر منسوخ ہو کر اب راولپنڈی کے آرڈر ہو گئے ہیں، وہاں حاضری دو۔

ملتان سے روانگی:

سخت گراں تھی۔ حضرت والا کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اپنی بے اطمینانی اور تبدیلی کے افسوس کا اظہار کیا۔ حضرت والا نے دل جوئی فرمائی۔ میں نے درخواست کی کہ حضرت لاہور میں اپنے سلسلہ کے جو بزرگ ہوں ان کی خدمت میں اصلاح کی غرض سے حاضر ہو جایا کروں گا۔ حضرت والا نے ایک والا نامہ حضرت مفتی محمد حسن رحمۃ اللہ علیہ کے نام تحریر فرمادیا کہ ”اصلاح کی غرض سے مجلس میں حاضری کی اسے اجازت مرحمت فرمادیں۔“

مجذوب: حضرت سائیں طور شاہ صاحب مجذوب مدرسہ میں حضرت والا کی خدمت میں قیام پذیر تھے۔ ملتان سے روانگی سے پیشتر انکی خدمت میں حاضری ہوئی۔ سخت غمگین تھا۔ ان حضرات کی جدائی کا صدمہ تھا۔ دل اور زبان نے تو خوب صبر و ضبط کیا، لیکن آنکھوں نے اظہار غم کر ہی دیا۔ فوراً فرمایا کیوں غم کرتے ہو۔ ماہ دو ماہ چار ماہ سال، پھر آ جاؤ گے۔ اطمینان ہو گیا۔ راولپنڈی پہنچتے ہی مجذوب صاحب کے ارشاد کے مطابق ٹھیک ایک ماہ بعد یہ کھیل شروع ہو گیا کہ تبدیلی خلاف قانون ہے۔ اس کی پوسٹ نیوسنٹرل جیل ملتان ہی کے لئے منظور ہے، اسے واپس ملتان بھیجا جاوے۔ تنخواہ منی آرڈر سے ملتان سے

راولپنڈی آنے لگی۔ خط و کتابت ہوتی رہی۔ ٹھیک ایک سال بعد میں واپس ملتان پہنچ گیا۔ جیسے حضرت مجذوب صاحب نے سال پر بریک لگائی تھی۔ مجذوب صاحبان جو حکم اور اطلاع حق تعالیٰ کی طرف سے موصول فرماتے ہیں وہ سنا دیتے ہیں۔ اس میں کمی بیشی ان کے اختیار میں نہیں جیسے ٹیلی گرام

میں نے راولپنڈی پہنچ کر حضرت والا کی خدمت میں وہی درخواست کی کہ حضرت یہاں راولپنڈی میں اپنے سلسلہ کے بزرگ ہوں تو ان کی خدمت میں اصلاح کی غرض سے حاضر ہو جایا کروں۔ حضرت والا نے ارشاد فرمایا: ”راولپنڈی میں حضرت مولانا ولی محمد صاحب بٹالوی مہتمم مدرسہ آثار الولی صدر راولپنڈی حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کے محبوب خلیفہ مجاز ہیں۔ ان سے ملا کیجئے۔ اگر لاہور والا خط پاس ہو تو تعارف کے لئے وہی خط دکھا دیجئے اور میرا سلام بھی کہہ دیجئے۔“ حضرت والا کے ارشاد کے مطابق میں راولپنڈی حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں اصلاح کی غرض سے حاضر ہونے لگا۔ بہت شفقت فرماتے۔ میں اپنے امراض باطنی عرض کرتا اور شافی علاج پاتا۔ ایک روز میں نے اپنا ایک مرض عرض کیا۔ ارشاد فرمایا اس کا یہ بھی علاج ہے، یہ بھی علاج ہے، یہ بھی علاج ہے۔ کئی علاج اور نئے عجیب و غریب اس مرض کے ارشاد فرمائے گئے۔ میں حیرت زدہ رہ گیا۔ ان لوگوں کو الفاظ بنانے نہیں پڑتے، بلکہ بنے بنائے الفاظ حق تعالیٰ سے عنایت ہوتے ہیں جو کہ عین زخمی دل پر مرہم سے زیادہ موثر ہوتے ہیں۔ ان حضرات کے ارشادات بجلی کی طرح دل پر اثر کرتے ہیں اور بفضلہ تعالیٰ بد دل انسان کو صاحب دل اور علیل سے علیل انسان کو قلیل سے قلیل وقت میں جمیل و جلیل کا صحیح بندہ بنا دیتے ہیں۔

الحمد للہ ٹھیک ایک سال بعد واپس ملتان نیو سنٹرل جیل اپنی ڈیوٹی پر حاضر ہو گیا۔ حضرت والا سے باقاعدگی کے ساتھ اصلاح کی غرض سے مدرسہ میں حاضری اور خط و کتابت رہی۔ اور ۱۹۲۸ء میں حضرت حافظ رشید احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ایک مکان کرائے کا مدرسہ کا خالی ہوا ہے۔ کرایہ پر دینا ہے۔ میں نے اس موقع کو غنیمت جانا، کیونکہ بچے سائیکل پر نیو سنٹرل جیل سے پڑھنے آیا کرتے تھے۔ وہاں سے یہاں مدرسہ میں منتقل ہو گیا۔ دو سال تقریباً حضرت والا کی خدمت میں یہ حاضری نصیب ہوئی الحمد للہ۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ۱۹۷۰ء میں ہوا۔ اب تک بفضلہ تعالیٰ جب کہ میری عمر ۷۰ سال سے تجاوز کر رہی ہے۔ ان بزرگوں کی جوتیوں میں یہاں مدرسہ میں پڑا ہوں۔ جو صاحب بھی اسے پڑھیں ان کی خدمت میں دست بستہ نہایت لجاجت سے درخواست ہے کہ میرے لئے دعا مغفرت اور حسن خاتمہ کے لئے دعاء خیر فرماویں اور اگر کسی قسم کا مالی حق میرے ذمہ رہ گیا ہو جسے میں بھول گیا ہوں تو برائے کرم وہ مجھے یاد دلاویں۔ اگر مجھے یاد آ گیا تو انشاء اللہ تعالیٰ اس کی ادائیگی کر دوں گا۔

رہے غیر مالی حقوق۔ مثلاً کسی کو ناحق کچھ کہہ لیا ہو، کسی کی دل شکنی کی ہو، خواہ رو برو یا پس پشت، خواہ ابتدا یا کیا ہو یا انتقام میں جائز حقوق سے تجاوز ہو گیا ہو، یا کسی کو ناحق بدنی ایذا پہنچائی ہو (اس قسم کے حقوق کا احتمال زیادہ ہے) ان سب

اہل حقوق کی خدمت میں دست بستہ نہایت لجاجت سے پھر درخواست کرتا ہوں کہ ان حقوق کا خواہ مجھ سے معاوضہ لے لیں، بشرطیکہ مدعی کا صدق مرے دل کو لگ جائے، خواہ حسبہ اللہ فرمادیں۔ میں دونوں حالتوں میں ان کا شکر گزار ہوں گا کہ مجھ کو آخرت کے محاسبہ سے بری فرمایا اور معافی کی صورت میں دعا کرتا رہوں گا کہ کہ میرے ساتھ مزید احسان فرمایا۔ حق تعالیٰ جزائے خیر دیں۔ قمر الدین احمد ۱۲ ربیع الاول ۱۴۱۶ھ (۱۰-۸-۹۵)

اجازت بیعت و تلقین:

حضرت والائے حضرت سید قمر الدین احمد صاحب کو انکے عریضہ مورخہ ۲۱/۳/۱۳۶۹ھ مطابق ۱۱ فروری ۱۹۵۰ء کے جواب میں اجازت بیعت و تلقین عطا فرمائی۔ اجازت نامہ کی نقل حسب ذیل ہے (جو حضرت والائے کے اجازت نامہ کی فوٹو کاپی سے نقل کی گئی ہے)

السلام علیکم بفضلہ تعالیٰ حالات خوش کن ہیں۔ قلب میں آثار محبت الہی موجزن ہیں۔ فنا و بقا کی شان جس کا انتظار تھا بجز اللہ حاصل ہو چکی ہے۔ لہذا تو کلا علی اللہ آپ کو اصلاح باطن اور تلقین ذکر اور بیعت کی اجازت دیتا ہوں۔ خدا کی نعمت سمجھ کر خدمت خلق کرتے رہیں اور اپنے دوستوں سے اس کا اظہار کر دیں۔ واللہ الموفق و هو نعم المولی و نعم النصیر۔

خیر محمد عفی عنہ جالندھری چشتی اشرفی

خیر المدارس ملتان (۲۱ ربیع الثانی ۱۳۶۹ھ)

پہلے عریضہ کا جواب:

اب پہلے عریضہ کے جواب میں حضرت والائے کے ارشادات ملاحظہ فرمائیے (یہ بھی حضرت والائے کے ارشادات کی فوٹو اسٹیٹ کاپی سے نقل کئے جا رہے ہیں) (۱۲)

السلام علیکم ورحمۃ اللہ! میں نے آپ کا خط حرفاً پڑھا۔ شوق اصلاح، فکر آخرت، خوف خدا معلوم کر کے جی خوش ہوا اور دل سے دعائیں نکلیں۔ آپ رسالہ تبلیغ دین مطالعہ کر کے جو اخلاق سید اپنے اندر معلوم کریں ان کی فہرست بنالیں۔ اسی طرح جن اخلاق حسنہ کی کمی محسوس کریں ان کی بھی فہرست بنالیں۔ پھر مجھے اطلاع دیں۔ اور تہجد کی نماز کے بعد دو روزہ تسبیح پڑھنی شروع کر دیں۔ ترکیب اس کی یہ ہے: پہلے لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ دو سو مرتبہ۔ پھر إِلَّا اللَّهُ چار سو مرتبہ۔ پھر اللَّهُ چھ سو مرتبہ۔ اول و آخر تین تین مرتبہ درود شریف۔

دعاء گو (دستخط) خیر محمد عفی عنہ از جالندھر شہر

ایک اور عریضہ مع ارشادات

اب ایک اور عریضہ اور حضرت والا کے ارشادات کی نقل ملاحظہ فرمائیے (۱۲)

ارشاد: السلام علیکم مکرمی و محترمی دام فیضہ ۱۳ رمضان المبارک ۱۳۷۲ھ

عرض حال: السلام علیکم! حضرت میری حالت بہت خراب ہے۔ پیچ در پیچ ہوں۔ بالکل جاہل اور قطعاً نااہل ہوں۔ میں یہ تواضع سے نہیں عرض کر رہا ہوں، واللہ صبح عرض کر رہا ہوں۔ یقین سے کہہ رہا ہوں۔ توجہ و اصلاح فرمادیں۔
ارشاد: یہ حالت نہایت حسن ہے۔

عرض حال: ساتھ ہی مولا پاک کالاکھ لاکھ شکر بجالاتا ہوں کہ دین کی تڑپ تو اک دل میں پیدا کر دی، جو یہ پیاس بجھائے بجھ نہیں رہی بلکہ زیادہ ہو رہی ہے۔

ارشاد: یہ بہت بڑی نعمت ہے جو قابل صد شکر ہے۔

عرض حال: اطمینان جس کا نام ہے وہ نہیں۔

ارشاد: یہ تو اہل جنت کو جنت ہی میں نصیب ہوگا۔

عرض حال: ہاں مولا پاک کا شکر ہے کہ پریشانی و کسی قسم کا شکوک شبہات قطعاً نہیں۔

ارشاد: مبارک ہو۔

عرض حال: ذکر و مذکور سے بالکل غفلت سی رہتی ہے۔ کس طرح خیال رکھا کروں۔

ارشاد: قصد اندک پر نظر قلبی اور ذکر قلبی ایک مرتبہ کر لیا۔ جب تک اس کی ضد یعنی نفی دل میں نہ آئے وہ ذکر ہی میں

شمار ہوگا۔

عرض حال: اصلاح فرمادیں۔ کیا کیا مرض بیان کروں۔ آپ کی دعاء و دعا کی اشد ضرورت ہے۔

ارشاد: دل سے دعاء کرتا ہوں۔ محتاج دعا: قمر الدین احمد (مورخہ ۲۷ مئی ۱۹۵۳ء)

احقر مؤلف کی رائے میں بحیثیت مرشد و مصلح ہونے کے حضرت والا کے تزکیہ نفوس یعنی سلوک و تصوف سے متعلق

نسبت کا زیادہ ظہور حضرت قمر الدین احمد صاحب دامت برکاتہم کے ذریعہ ہوا ہے۔ جس قدر خلوص کے ساتھ وہ تواضع اور

فتاوت اختیار کرتے ہیں اتنا ہی دلوں میں ان کی طرف کشش، محبت اور احترام بڑھتا ہے۔ چنانچہ اب محترمی اقبال قریشی

صاحب کا اصلاحی تعلق بھی آپ ہی سے ہے۔ حالانکہ وہ خود مند و منا حضرت مولانا محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور مند و منا

حضرت حاجی محمد شریف صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے مجاز بیعت ہیں۔

جہاں تک یاد ہے احقر کو پہلی بار اس وقت آپ کی زیارت ہوئی جبکہ وہ حضرت مولانا حافظ عبدالحق صاحب کے

سابق مکان میں جو چوبارہ پر تھا کچھ کام کرنے تشریف لائے تھے۔ حضرت والا وہیں تشریف رکھتے تھے اور خادم کچھ دیر پہلے

ہی کراچی سے حاضر ہوا تھا۔ اس وقت حضرت والا خادم کو چائے وغیرہ پلا رہے تھے۔

آج کل حضرت سید قمر الدین احمد صاحب مدظلہ العالی جامعہ خیر المدارس کے ناظم جائیداد ہیں۔ اور قیام خیر المدارس ہی کے مکان میں مدرسہ کے احاطہ کے اندر ہے۔

ان کے بارے میں محترمی ماسٹر اقبال قریشی صاحب زید مجدہ نے جو تحریر فرمایا اب اس میں سے اقتباس ملاحظہ فرمائیے:

”مدرسہ کی ترقی کے لئے شب و روز کوشاں رہتے ہیں۔ نہایت مخلص بزرگ ہیں۔ قلب ان کی سادگی سے خود بخود متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ ناچیز کو چند بار ان کی زیارت کا موقع ملا ہے۔ سچ عرض کرتا ہوں دل یہی چاہتا ہے کہ مدرسہ کے کام سے متعلق ناظم صاحب یا کسی اور سے ہی کیوں بات نہ کرتے رہیں۔ خواہ مجھے مخاطب بھی نہ کریں مگر دل چاہتا ہے سارا دن ان کے پاس بیٹھا رہوں اور خاموشی سے ان کی گفتگو سنتا رہوں۔ عجیب قلبی کشش محسوس ہوتی ہے۔“

(اختصار اسی پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ آ)

بنا کر دند خوش رے بجاک و خون غلطیدن

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

حضرت مولانا حافظ محمد عبدالوحید صاحب شہید حرم مکی رحمۃ اللہ علیہ

ہوشیار پور کے رہنے والے تھے۔ والد صاحب شیخ عبداللطیف مرحوم کراچی کے بڑے تاجر اور صنعت کار تھے۔ پہلے قائد اعظم مرحوم کے مقبرہ کے سامنے کراچی میں رہائش تھی۔ پھر وہ راولپنڈی منتقل ہو گئے۔ احقر مؤلف سے ان کی ملاقات چند بار کراچی میں ہوئی اور ایک بار جب احقر راولپنڈی جانے والا تھا تو مولانا عبدالوحید صاحب کے فرمانے سے پنڈی جا کر بھی ان سے ملا تھا۔

مولانا محمد عبدالوحید صاحب کی ننھیال میں دینی رجحان غالب تھا۔ ان کے ماموں جناب شیخ محبوب الرحمن صاحب مرحوم حضرت حکیم الامت کے مرید تھے۔ چنانچہ مرحوم نے کچھ ابتدائی دینی تعلیم اپنی والدہ مرحومہ سے حاصل کی۔ ابتدائی ملاقات مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں تقریباً ۱۹۴۳ء میں ہوئی۔ جبکہ مرحوم اور احقر مؤلف حضرت مفتی عبداللطیف صاحب مرحوم کے درس تفسیر میں مسلم یونیورسٹی کی جامع مسجد میں حاضر ہوتے تھے جو بعد نماز عصر ہوتا تھا۔ اور یونیورسٹی کی مجلس اسلامیات میں ملاقات ہوتی تھی۔ ایک بار حاضرین مجلس کو ایک دوسرے سے رابطہ رکھنے کے لئے دو دو افراد کے گروہ بنا دیئے تھے۔ اور بفضلہ تعالیٰ احقر مؤلف اور مولانا مرحوم کو ایک گروپ بنا دیا گیا۔ پھر ایک بار مختار صاحب جن سے غالباً مجلس اسلامیات میں ملاقات ہوتی رہتی تھی۔ اور بعد میں وہ مخدومنا حضرت مولانا سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہوئے۔ انہوں نے مشورہ دیا کہ عبدالوحید صاحب سے حضرت تھانویؒ کے مواظف لے کر پڑھا کروں۔ اللہ تعالیٰ مختار

صاحب کو جزائے خیر دے۔ انہوں نے بھی راستہ پر لگانے کے لئے صحیح کام بتا دیا۔ چنانچہ حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے مواعظ مولانا مرحوم سے لے کر پڑھتا رہا۔ یہ گویا حضرت حکیم الامتؒ سے عقیدت اور حضرت والا سے تعلق کی تمہید ہوئی۔

شروع ہی سے مولانا عبد الوحید صاحب کی طبیعت بہت سیمابی تھی۔ بس یوں سمجھئے کہ بقول شاعر:

نہ برق ہیں نہ شرر ہم نہ شعلہ نہ سیماب مگر وہ ہیں کہ سدا اضطراب رکھتے ہیں

انٹر میں پڑھتے تھے۔ لیکن امتحان پاس نہیں کیا۔ بلکہ علی گڑھ ہی میں ایک بخاری عالم سے عربی پڑھنا شروع کر دی۔ پہلے انگلش ہاؤس میں رہتے تھے۔ (یہ یونیورسٹی کا ایک ہاسٹل تھا جہاں نواب زادے اور رئیس زادے رہتے تھے) پھر وہاں کی رہائش ترک کر کے شہر میں رہنے لگے اور اپنی والدہ مرحومہ کو بھی لے آئے تھے۔ انگلش ہاؤس کی چھوٹی سی مسجد کے امام جن کو ہم لوگ ”قاری صاحب“ کہتے تھے غالباً دارالعلوم دیوبند کے فارغ التحصیل اور حضرت تھانویؒ کے سلسلہ میں تھے۔ ایک دفعہ ان سے سنا تھا کہ حضرت خواجہ مجذوب صاحبؒ کبھی کبھی نیچے پاؤں چلتے تھے (شاید ان کے اتباع سنت کا تذکرہ تھا)

اس سے قبل کبھی اپنے والد صاحب کے ساتھ برطانیہ میں بھی ایک دو سال قیام کر چکے تھے۔ چنانچہ ان کے رمی

تعلیم کے مقابلہ میں انگریزی زبان کی استعداد کافی بہتر تھی۔

غالباً ۱۹۲۳ء میں جب احقر مؤلف انٹر (سال اول) کے امتحان سے فارغ ہو گیا تو ہم دونوں کو موسم گرما کی تعطیلات میں تجارت کی سوجھی اور مراد آباد سے مراد آبادی برتن چائے کے سیٹ وغیرہ خریدے اور نجیب آباد اور اس کے قریب چھوٹی سی ریاست ساہن پور کا چکر لگایا۔ مجھے پیمپش ہو گئی، تو میں اپنے گھر چاند پور (ضلع بجنور) واپس آ گیا۔ مولانا عبد الوحید صاحبؒ چند روز بعد چاند پور پہنچے تو معلوم ہوا کہ جس سوٹ کیس میں برٹن وغیرہ تھے کسی کے پاس امانت رکھوایا، لیکن بعد میں وہ مکر گیا اور واپس کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ مجھے بہت غصہ آیا۔ مولانا مرحوم معاف کرنے کی بات کر رہے تھے۔ میں اس کے خلاف تھا کہ ایسے مجرم کو معاف کیا جائے۔ چاند پور میں حضرت علامہ مولانا سید مرتضیٰ حسن صاحبؒ تشریف فرما تھے۔ ان کے سامنے یہ معاملہ پیش کر کے انہوں نے پوچھا کہ ایسے شخص کو معاف کرنے پر ثواب ملے گا۔ انہوں نے فرمایا کہ ثواب ملے گا۔ غرضیکہ مجھے اس بارے میں قائل کر دیا۔ مولانا عبد الوحید صاحبؒ کا معمول ظلم کرنے والے کو معاف کرنے کا بار ہا دیکھا۔ یہ بڑی اعلیٰ درجہ کی صفت اور اعلیٰ درجہ کا خلق ان کو عطا کیا گیا تھا۔ احقر کے والد صاحب نے ان کے یہ معاملات دیکھ کر فرمایا تھا کہ ولی اور کیسے ہوتے ہیں، بس ایسے ہی ہوتے ہیں۔

پاکستان آ کر مولوی فاضل کا نصاب پڑھا اور علوم اسلامیہ میں بہت اچھی استعداد ہو گئی۔ پھر دارالعلوم اسلامیہ ٹنڈوالہار جا کر داخلہ لیا۔ پہلے متوسط درجہ کی کتابوں میں داخلہ ملا۔ پھر اسی بے تابانہ طبیعت کی بناء پر دورہ حدیث میں شریک کر لئے گئے۔ قیام حاجی خمیس بلڈنگ (نزد مردانہ میونسپل ہسپتال) کی اوپر والی منزل میں تھا۔ (جس کی مچلی منزل کے ایک مکان میں احقر نے بھی دارالعلوم سے تعلق کے زمانہ میں چند سال قیام کیا تھا) اور اسی مکان میں حضرت مولانا عبدالرشید

صاحب نعمانی اور مولانا قمر الحسن صاحب تھانوی جو اس وقت وہاں مدرس تھے قیام فرماتے۔ اس زمانہ میں دارالعلوم میں ان کے اساتذہ کرام محد و منا حضرت مولانا عبدالرحمن صاحب کالمپوری، محدومی حضرت مولانا سید محمد یوسف صاحب بنوری اور حضرت مولانا عبدالرشید صاحب نعمانی مدظلہ تھے۔ احقر ان دنوں جبکہ اردو کالج میں ایم۔ اے میں پڑھتا تھا، ایک روز کے لئے ٹنڈوالم یار گیا تھا اور ان اکابر کے درس کے سماع سے مستفید ہوا تھا۔

وہ ایک سال قیام کے بعد ٹنڈوالم یار سے واپس کراچی تشریف لے آئے۔ اور وقتاً فوقتاً ان سے ملاقاتیں ہوتی رہیں۔ ایک سال رمضان شریف میں چند روز مسجد طیب شکار پور کالونی میں ان کے ساتھ احقر نے بھی اعتکاف کیا تھا۔ ان کی صحبت سے احقر کو بہت فائدہ ہوا۔ انہوں نے احقر کو نصیحت کا حق ادا کر دیا۔ بالآخر انہی کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے فضل فرمایا کہ شیخ کامل صاحب خیر السوانح سے تعلق نصیب ہوا۔ فجزاہ اللہ تعالیٰ خیر الجزاء۔ یہ احقر پر ان کا ایسا احسان ہے جو کبھی فراموش نہیں کیا جاسکتا۔ اس کی مکافات و جزائے خیر اللہ تعالیٰ ہی عطا فرمائیں، (آمین)

جب اوائل ربیع الثانی ۱۳۷۲ھ مطابق دسمبر ۱۹۵۲ء میں پہلی بار احقر حضرت والا کی خدمت میں خیر المدارس ملتان حاضر ہوا تو مولانا عبدالوحید صاحب بھی حضرت والا کی خدمت میں پہلے سے موجود تھے۔

جب احقر سندھ مدرسۃ الاسلام سیکنڈری سکول سرانے روڈ کراچی میں ٹیچر تھا اور وہیں کی جامع مسجد میں امام و خطیب بھی تھا اور وہیں مقیم تھا۔ ان دنوں احقر کے مکان پر مولانا عبدالوحید صاحب کافی عرصہ صاحب فراش رہے۔ وق دسل کا مرض تھا۔ پھر لاہور گلاب دیوی ہسپتال میں داخل ہوئے۔ آپریشن ہو کر رفتہ رفتہ صحت بحال ہوئی۔ اس کے بعد بھی کچھ عرصہ لاہور میں ان کا قیام رہا۔ ان دنوں ان کے حالات میں تغیر بھی رہا۔ لیکن پھر شیخ کامل کا تعلق کام آیا۔ اور رجوع الی اللہ ایسا نصیب ہوا کہ پھر تو حضرت والا کے مجاز بیعت و تلقین ہوئے۔

احقر نے ایک بار ملتان سے آتے ہوئے ان کے ماموں صاحب کے یہاں ۳۲۔ ونگری گراں بہاد پور میں تھی ان سے ملاقات کی تھی۔ اور وہ احقر کو اسٹیشن پہنچانے آئے تھے۔ احقر کا تعلق اس وقت دارالعلوم الاسلامیہ ٹنڈوالم یار سے تھا اور اسی سال ایس ایم آرٹس کالج ٹنڈوالم یار میں بھی بطور ٹیچر عربی (وغیرہ) ملازمت کر لی تھی۔ اس کالج میں رات کی شفط میں تعلیم ہوتی تھی۔

پھر موصوف اپنے والد صاحب کی لطیف کاشن فیکٹری رینالہ خورد میں محاسب (اکاؤنٹنٹ) وغیرہ رہے۔ لیکن ان کی آزدطبع اس کی متحمل کہاں ہو سکتی تھی۔ آخر رینالہ خورد کی ایک غیر آباد مسجد میں آئے اور وہیں بیٹھ رہنے کا ارادہ کیا۔ فرماتے تھے کہ میں اس ارادہ سے گیا ہی تھا کہ نماز کے بعد مجھے نمازیوں نے گھیر لیا کہ آپ اس مسجد کو آباد کریں۔ چنانچہ مسجد کی مرمت کرائی اور وہاں مدرسہ امداد العلوم شروع کیا۔ لیکن ایک نئے مدرسے کی تاسیس اور اہتمام خصوصاً جبکہ پوری للہیت اور خلوص سے ہو۔ یہ بڑے قوی توکل اور عزیمت کو مقتضی ہے۔ حضرت والا سے مدرسہ چلانے کی مشکلات کا ذکر کیا۔ فرمایا کہ اہتمام کا تو

مادہ ہی ہم (فکر) ہے۔ بہر حال کافی عرصہ نباہا، اور مدرسہ کا ایک تبلیغی اجتماع یا ایک سے زائد اجتماعات بھی کئے، لیکن بعد میں مدرسہ کے بجائے خانقاہ جاری فرمائی اور ”خانقاہ وحید“ نام رکھا۔ قرآن مجید بھی حفظ کر لیا تھا۔ شاید ریٹالہ خورد قیام کے زمانہ ہی میں حفظ کیا ہوگا۔

پھر کراچی میں ملاقات ہوئی۔ اپنے خالو حفیظ ہوشیار پوری مرحوم کے یہاں انٹیلی جنس سکول کے سرکاری مکانات میں قیام تھا۔ انکی والدہ محترمہ کی وفات بھی اسی زمانہ میں ہوئی اور احقر کو فون سے اطلاع کی۔ چنانچہ ان کے یہاں جا کر تعزیت کی، اللہم اغفر لہا۔ اس کے بعد پی ای سی ایچ سوسائٹی میں ملاقات ہوئی۔ اس وقت احقر مؤلف سعودی عرب آنے کی فکر و کوشش میں تھا۔ اور مرحوم کو بھی حج کی خوب تاکید کی۔ کیونکہ خود بھی حرمین شریفین کی حاضری کا شوق تھا۔ احقر کے سعودی عرب آنے کے کچھ عرصہ بعد اللہ تعالیٰ نے ان کو بھی مکہ معظمہ پہنچا دیا۔ وہاں ملاقاتیں ہوتی رہیں۔ کچھ عرصہ بعد پاکستان واپس آ گئے، لیکن دوبارہ شرق اوسط کے بعض بلاد کی سیاحت و زیارت کرتے ہوئے مکہ معظمہ پہنچ گئے۔ قیام حرم شریف ہی میں رہتا تھا، کچھ عرصہ جیاد کی طرف ایک مختصر سا مکان کرایہ پر لے کر رہے، لیکن پھر ترک کر دیا اور اس کے بعد حرم شریف ہی میں قیام رہا۔

حرمین شریفین میں آب زمزم شریف کے جو کولر نظر آتے ہیں سب سے پہلے مولانا محمد عبدالوحید صاحب نے اپنے پیسوں سے ایسا اور اتنا بڑا کولر حرم کی شریف میں باب العمرہ کی طرف رکھوایا تھا۔

حرم شریف میں خوب عبادت کرتے تھے۔ نوافل میں کئی کئی پارے تلاوت کرتے تھے۔ اور طالبین اصلاح کی تربیت بھی خوب کرتے تھے۔ اپنے مسلک میں پختہ تھے۔ یعنی حضرت حکیم الامت تھانوی اور حضرت والا کے نہایت درجہ معتقد و محبت اور ہم مسلک تھے، اور پاکستان کے زبردست حامی اور محبت تھے۔ لیکن جس طرح سوشلزم کے خلاف تھے اسی طرح اسلام کی ہدایات سے منحرف ہر نظام کے خلاف تھے۔ خواہ وہ مغربی جمہوریت ہو یا کچھ اور۔ خصوصاً مغربی جمہوریت اور الیکشن وغیرہ کی خرابیوں پر اور خالص اسلامی شورائی نظام جس کے قائل تھے اس پر بعض رسائل بھی تالیف کئے اور بعض اکابر علماء سے ان کی تائید بھی حاصل کی تھی۔ اور اس کے متعلق حضرت والا کا ارشاد نقل کرتے تھے کہ فرمایا: ”تم (حق بات) کہتے جاؤ، کوئی سنے یا نہ سنے۔“ اور اس اعتبار سے نہایت وسیع القلب تھے کہ سب بزرگوں کا پورا احترام اور ان کی کما حقہ تعظیم کرتے تھے۔ چنانچہ ان سے شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے معتقد اور محبت حضرات اور تبلیغی جماعت والے حضرات سب ہی استفادہ و استفادہ فرماتے تھے۔ اور ان کے احباب و مریدین عموماً ان کو ”میاں صاحب“ کہا کرتے تھے۔

حضرت المکرم ڈاکٹر سید محمد عبدالواحد صاحب دامت فیوضہ (خلیفہ مجاز بیعت سیدی مسیح الامت حضرت مولانا شاہ محمد مسیح اللہ خان صاحب و مخدومی حضرت حاجی محمد شریف صاحب رحمۃ اللہ علیہما) ان کے علم کے بھی معتقد ہیں، اور جس ستون کے آگے ان کی نشست ہوتی تھی اس کو اسطوانہ حافظ عبدالوحید کے نام سے موسوم کیا کرتے ہیں۔ یہ اسطوانہ باب عمرہ سے

میزابِ رحمت کی جانب قدیم ترکی عمارت حرم میں مطاف کے کنارے والے سرخ ستون کے عقب بڑا ضخیم استوانہ ہے جو باب المدینۃ المنورہ سے داخل ہو کر سیدھے مطاف کو آنے والوں کے داہنے ہاتھ کو واقع ہے۔

نگاہ بہت کمزور تھی۔ خصوصاً رات کو بہت کم نظر آتا تھا۔ دق و سل کے مرض کے زمانہ میں تیز دواؤں کے انجکشن لگتے رہے۔ چنانچہ نقلِ سماعت کی شکایت بھی ہو گئی تھی۔ اس کے باوجود ان سے طالبین کو بہت نفع ہوا۔

نماز باجماعت کے سختی سے پابند تھے۔ سفر میں بھی اس کا اہتمام کرتے تھے۔ بہت مجاہدانہ مزاج تھا۔ لیکن اس کے ساتھ طبیعت میں بہت اعتدال اور اتباع سنت کا ذکر بہت ذوق و شوق سے کرتے تھے اور ذکر کے وقت عموماً یہ شعر پڑھتے تھے:

بفراغ دل زمانے نظرے بہماہ روئے

بہ ازاں کہ چتر شای ہمہ روز ہائے ہوئے

غرضیکہ مرحوم بہت سے صفات محمودہ کے جامع تھے۔ یہ کتاب تو ان کے شیخ کامل کی سوانح ہے۔ یہاں ان کے مختصر تذکرہ میں ان کے اخلاق و کمالات کی تفصیل کا موقع نہیں۔ بس مختصر یہ کہ باوجود آزادی طبع اور جوش کے اعتدال اور حفظ حدود ان کی نمایاں خصوصیت تھی۔

کیم محرم ۱۴۰۰ھ کو باغیوں نے مسجد حرام میں جو فساد عظیم برپا کیا تھا اس کے بعد ان کے کسی معتقد نے جو پاکستان جا رہے تھے بیان کیا کہ لوگ مسعی (صفا مروہ) کی طرف کسی راستہ سے اوپر بڑھ کر جالیوں وغیرہ میں سے باہر نکل رہے تھے۔ کیونکہ دروازے وغیرہ راستے سب بند کر دیئے گئے تھے۔ نکلنے والوں سے مولانا عبدالوحید صاحبؒ نے پوچھا کہ حرم شریف کے اندر امن ہے یا باہر؟ خود کہا یا ان سے کہا گیا کہ امن کی جگہ تو حرم شریف ہی ہے۔ اس پر انہوں نے کہا کہ میں اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتا ہوں۔ اور حرم شریف کے اندر ہی واپس ہو گئے۔ کسی نے اس کے بعد ان کا کوئی حال نہیں بیان کیا۔ ظاہر ہے کہ باغیوں کے حملہ میں جبکہ فائرنگ ہو رہی تھی، کسی گولی کا شکار ہو گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

بنا کر دند خوش رسے بخاک و خون غلطیدین

خدا رحمت کند این عاشقان پاک طینت را

ان کے ماموں محتری شیخ محبوب الرحمن صاحبؒ نے ملتان میں احقر سے بیان کیا تھا کہ مولانا عبدالوحید صاحب

شہید رحمۃ اللہ علیہ کی خالہ نے ان کو خواب میں دیکھا کہ وہ آکر کہہ رہے ہیں "میں زندہ ہوں! میں زندہ ہوں!"

وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتٌ۔ بَلْ أَحْيَاءٌ وَلَكِنْ لَا تَشْعُرُونَ ہ

سیدنا حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دعاء فرمائی شہادت کی اور مدینہ میں منورہ ہی وفات کی۔ اللہ تعالیٰ

نے آپ کی دعاء قبول فرمائی۔ مجید و فاروقی یعنی حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے سلسلہ میں ایک صاحب سلسلہ صاحب خیر

السوانح کے خلیفہ مجاز بیعت حضرت مولانا عبدالوحید صاحبؒ کو بھی اللہ تعالیٰ نے فاروقی سنت کا حصہ حرم مکی شریف میں

شہادت کے ذریعہ عطا فرمادیا۔ ذلک فضل اللہ یؤتیه من یشاء ۰

سر بوقت ذبح اپنا ان کے زیر پائے ہے
یہ نصیب اللہ اکبر لوٹنے کی جائے ہے
اس طرح محبوب حقیقی کے گھر کی چوکھٹ کے پاس اپنی جان کی قربانی پیش کر دی۔ اللہ تعالیٰ قبول فرما کر مغفرت
فرمائیں اور درجات بلند فرمائیں (آمین ثم آمین)

ایک گرامی نامہ

تمتہ:

احقر مؤلف کے نام حضرت مولانا حافظ محمد عبدالوحید صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ایک گرامی نامہ ان کے اپنے ہاتھ کا لکھا
ہوا احقر مؤلف کے پاس موجود ہے یہاں اس کی نقل کر کے محفوظ کرنے کو جی چاہا۔ چنانچہ درج کیا جاتا ہے:
بسم اللہ الرحمن الرحیم

از رینالہ خورد ۲۵ ربیع الثانی ۱۳۸۳ھ (۵ ستمبر ۱۹۶۳ء)

صدیقی اللیب و النحب دام اقبالکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

کچھ دن ہوئے آپ کا خط ملا۔ خیریت معلوم ہو کر از حد مسرت و تسلی نصیب ہوئی۔ مسجد قریب التکمیل ہے۔
مکان اور کمرے معہ بجلی اور نلکا تیار ہیں۔ دس بارہ روز سے مخدومہ والدہ ماجدہ مدظلہا العالی تمام سامان سمیت مستقلاً یہاں
تشریف لے آئی ہیں۔ وہ راضی ہو گئی ہیں۔ اور میں کوشاں ہوں کہ اس سال وہ اور میں حج بیت اللہ شریف سے مشرف ہو
جاویں، آپ بھی دعاء فرماویں۔

روزانہ درس قرآن مجید اور تبلیغ و تلقین کا سلسلہ جاری ہے برکت و قبولیت کی دعاء فرماویں۔

عزیز رشیدہ سلمہا اللہ تعالیٰ کے حفظ قرآن اور تعلیم و تربیت کا معلوم ہو کر از حد مسرت ہوئی۔ اللہ تعالیٰ قبول فرماویں
اور عمر دراز و نعمت دارین سے نوازیں۔ آمین ثم آمین۔

زہے نصیب! حضور والا مدظلہم العالی کی شرح بخاری شریف کی نقل نصیب ہوئی۔ جی ہاں یہی تحریر کرنا مناسب
معلوم ہوتا ہے کہ چونکہ آپ کا معیار بہت بلند ہے، ورنہ عربی ایسی خراب بھی نہیں۔ اور پھر مقصود تحصیل ہے نہ کہ عربی ادب۔
بے شک سوانح ضروری ہے (ایچ) (یہ عبارت عرض مؤلف میں نقل ہو چکی ہے۔ آ۱)

”انسان اور خواہش“ کی طباعت کا انتظام نہ ہو سکا، سرمایہ نہیں۔ ویسے بھی نظر ثانی کی ضرورت ہے۔

۱۔ احقر مؤلف نے نابا حضرت والا سے ان کی تحریر فریح وہ شرح بخاری شریف طبع کرانے کی درخواست کی تھی، جس پر حضرت والا نے اپنی عربی سچ نہ ہونے کا عذر

فرمایا تھا۔ نابا اس سلسلہ میں مشورہ کے جواب میں یہ تحریر فرمایا۔ (آ۲)

اس طرف بھی بارش بہت ہوئی۔

دل و جان سے دعاء کرتا ہوں، والسلام نعم العتنام۔
احقر محمد عبدالوحید عفی عنہ

حضرت مولوی عبداللہ صاحب مرحوم

آپ کا تعلق بیعت حضرت حکیم الامت تھانوی سے تھا۔ پندرہ سال تک حضرت حکیم الامت تھانوی سے اصلاحی خط و کتابت فرمائی، جس کے بعد حضرت حکیم الامت نے تحریر فرمایا کہ میں نے آپ کو زمرہ بیعت میں داخل کر لیا ہے۔ اس کے بعد آپ تھانہ بھون تشریف لے گئے اور تقریباً چالیس دن حضرت حکیم الامت کے پاس قیام کیا۔ حضرت حکیم الامت کے وصال کے بعد آپ نے حضرت والا سے اصلاحی تعلق قائم فرمایا اور ایک بار ملتان حاضر ہو کر حضرت والا کی زیارت و ملاقات سے مشرف ہوئے۔ ورنہ چونکہ اکثر تقریباً ہر سال حضرت والا مدرسہ حنفیہ جہلم کے سالانہ جلسہ پر تشریف لاتے تھے۔ مولوی صاحب وہیں حاضر ہو کر بوجہ پیرانہ سالی حضرت والا سے شرف ملاقات حاصل کر لیتے تھے۔ نہایت متقی، پرہیزگار اور تہجد گزار تھے۔ سوائے سخت مجبوری کے آپ کی تہجد قضا نہ ہوتی۔ اگر چہ گاؤں کے امام تھے، لیکن امامت صرف تبلیغ اور دینی خدمت کے جذبہ سے کرتے تھے۔ اور اکل حلال کی خاطر نجاری کا پیشہ اختیار کر رکھا تھا۔ اور فارغ اوقات میں یہی کام کرتے تھے۔ والد ماجد کا اسم گرامی مولوی محمد عالم صاحب تھا۔ آپ نے قرآن پاک ناظرہ اپنے والد ہی سے پڑھا تھا۔ اور ترجمہ قرآن پاک اور مشکوٰۃ شریف مولانا ولی محمد صاحب فاضل دیوبند نیچر اسلامیہ ہائی سکول جہلم سے پڑھا تھا۔ حضرت والا کی حیات مبارکہ ہی میں آپ کا انتقال نومبر ۱۹۶۵ء میں ہو گیا تھا۔ ان کے انتقال سے چھ ماہ قبل حضرت والا نے ان کو اجازت بیعت و تلقین بھی عطا فرمادی تھی۔ اللہم اغفرلہ رحمة واسعة (آمین)

حضرت صوفی بشیر احمد ہوشیار پوری مدظلہ العالی پکھری روڈ ملتان

نوٹ : حضرت صوفی بشیر صاحب مدظلہ العالی کی خدمت میں پروفیسر احمد سعید صاحب مدظلہ نے اپنے گرامی نامہ مورخہ ۵ جون ۱۹۷۰ء میں درخواست فرمائی کہ اپنے سوانح ارسال فرمائیے۔ حضرت صوفی صاحب مدظلہ نے اس گرامی نامہ کا جو جواب دیا اس کو نقل کرنے کو جی چاہا۔ نیز اپنے سوانح بھی تحریر فرمائے۔ چنانچہ یہ دونوں نقل کئے جا رہے ہیں۔ انہوں نے احقر مؤلف کو اپنے سوانح کی جو فوٹو کاپی عطا فرمائی اس میں بہت سے الفاظ پڑھے نہیں جاسکے۔ لیکن اب صوفی صاحب مدظلہ کے صاحب فراش ہونے کی وجہ سے ان الفاظ کی تکمیل کے لئے ان سے عرض کرنا تکلیف مالا یطاق کی درخواست ہوگی۔ اس لئے مجبوراً خود ہی تغیر سیر (جیسے کچھ حذف یا اضافہ) سے کام لے کر اور کہیں اس طرح نقطے لگا کر (۰۰۰۰) یا سوالیہ نشان (?) بنا کر چھوڑتے ہوئے باقی کی اندازاً تکمیل کر کے درج ذیل کیا جا رہا ہے (۱۲)

گرامی نامہ حضرت صوفی صاحب مدظلہ بجواب گرامی نامہ جناب پروفیسر احمد سعید صاحب مدظلہ

مخدومی و محترمی جناب احمد سعید صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

والا نامہ شرف صدور لایا اور جی خوش ہوا اور بہت خوش ہوا کہ آپ نے ایک ایسے کام کا بیڑا اٹھایا ہے جو بہت اہم تھا۔ لیکن کم حضرات کو اس کی طرف توجہ تھی۔ کیونکہ حضرت تھانویؒ کے انوار کی فراوانی میں ان روشن چراغوں کی لومدھم دکھائی دیتی تھی۔ اور خود ان حضرات میں فنا کی وہ شان تھی کہ اپنے پر کوئی نظر ہی نہ تھی۔ اور نہ اپنے حالات کو قلم بند کئے جانے کو درخور اعتناء سمجھتے تھے۔ اس لئے اس طرف آج تک کوئی قدم نہ اٹھا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے کہ آپ نے اس جانب توجہ فرمائی۔ بقول حضرت مجذوب ان میں اکثر حضرات پر یہ قول صادق آتا ہے:

مجھے دیکھ آئینہ یار ہوں میں جلا کردہ دست دلدار ہوں میں

ان حضرات کو قریب سے دیکھنے کی سعادت اللہ تعالیٰ نے مجھے عطا فرمائی ہے۔ وہ شریعت مطہرہ کی زندہ تصویر تھے۔ ان کے افعال و اقوال سے اسلام کی شان جھلکتی تھی۔ علم و عمل کا لطیف امتزاج ان کی حالت سے نمایاں تھا۔ وہ باہمہ دانی و پچدانی کا مرقع تھے۔ وہ بوریہ نشینی میں مصروف بادیہ پیائی تھے۔ وہ اسلام کا افراط و تفریط سے مبرا ایک دلکش پیکر تھے۔ ان حضرات کا اس دور پر فتن میں نظروں سے اوجھل رہ جانا باعث صد محرومی تھا۔ اب نگاہیں دیکھیں گی کہ اس طوفانی دور میں بھی ایسی ہستیاں موجود ہیں جو دنیا اور دین کو ساتھ ساتھ لئے جاتے ہیں اور دونوں میں تصادم کے وقت دین کو دنیا پر غالب کر دیتے ہیں۔ جب ان حضرات نے یہ کر کے دکھا دیا تو دوسروں کے لئے دین و دنیا کے مشعل راہ ثابت ہوں گے۔ ان حضرات کے ذکر خیر کے ساتھ اپنا تذکرہ چراغ مردہ کجا کا مصداق ہے۔ لیکن ان حضرات کے جو توں میں جگہ مل جانا سریر شاہی سے کم نہیں۔ میخانہ تھانوی کے سرشاروں کے ساتھ ایک درد آشام کا منسلک ہونا اس کی انتہائی خوش نصیبی ہے۔

ع بلبل ہمیں کہ قافیہ گل شود بس است

اس لئے حضرت کے دریافت فرمودہ ارشادات کا جواب درج ذیل ہے :

خودنوشت سوانح حضرت صوفی صاحب مدظلہ

نام: بشیر احمد

والد کا نام: عالمگیر

مقام پیدائش: ہوشیار پور شہر، محلہ مسجد سنہری

تاریخ پیدائش: ۱۶ اگست ۱۹۰۲ء مطابق ۱۱ ربیع الثانی ۱۳۲۰ھ

تعلیم: میٹرک گورنمنٹ ہائی سکول ہوشیار پور سے ۱۹۱۹ء میں پاس کیا۔

۱۹۲۳ء میں منشی فاضل اور ۱۹۲۶ء میں پرائیویٹ بی۔ اے کا امتحان پاس کیا۔ منشی فاضل کے امتحان کی تیاری کے لئے مولوی عزیز الدین احمد صاحب عظامی تلمیذ مولانا گرامی شاعر خاص نظام دکن کی صحبت نصیب ہوئی۔ وہ دیوبند سے فارغ التحصیل تھے۔ طبیعت میں محبت و انکساری تھی ۷۰۰۰ بے لوث خدمت احباب کے خوگر تھے۔ چنانچہ مجھے بھی منشی فاضل کا امتحان بغیر کسی معاوضہ کے پاس کرادیا۔ دینی تعلیم کا کوئی موقع نہیں ملا۔ صرف اہل علم حضرات کی خدمت میں رہنے سے دین کی قدرے عظمت و محبت اللہ تعالیٰ نے عطا فرمادی۔

حضرت سے تعلق کیسے پیدا ہوا؟ کس سن میں بیعت ہوئے :

حضرت کی تصانیف دیکھ کر سب باتیں دل کو بھالے لگیں۔ ۱۹۲۶ء میں بی اے کا امتحان پاس کر کے حضرت والا سے اصلاح کے لئے خط و کتابت شروع کی۔ کچھ عرصہ بعد حضرت والا نے اصلاح کے لئے حضرت مولانا خیر محمد صاحب کے سپرد فرمایا۔ اور حضرت ہی کی سفارش پر تھانہ بھون میں غالباً ۱۹۲۹ء میں بیعت ہوا۔ یہ احقر کی تھانہ بھون میں دوسری حاضری تھی۔ حضرت کی زندگی کے کس پہلو نے سب سے زیادہ متاثر کیا :

زفرق تا بقدم ہر کجا کہ می مگرم کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا اینجاست
بندہ آج تک اندازہ نہیں کر سکا کہ حضرت والا کی کونسی اداسب سے زیادہ بھائی۔ جس زاویہ نگاہ سے بھی ان کو دیکھا ہر پہلو سے وہ دل و جاں کے لئے موجب جذب و کشش ہی ہوئے۔ البتہ حضرت میں فنا کی شان ان اوصاف خدا داد سے تو ام عجیب دکشی رکھتی تھی۔ ایک مجلس میں احقر قریب ہی بیٹھا تھا، چہرہ انور پر آثار غم قدرے نمایاں تھے۔ آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ اور ایک آہ بھر کر فرمایا کہ اب تو یہی فکر لگا رہتا ہے کہ اللہ ایمان پر خاتمہ فرمادیں۔
حضرت سے پہلی ملاقات کب ہوئی :

حضرت والا کی خدمت میں پہلی حاضری غالباً ۱۹۲۸ء میں ہوئی۔ حضرت مولانا خیر محمد صاحب کے ہمراہ وہاں اجازت حاصل کر کے جانا ہوا تھا، وہاں کی کیفیت کو مجذب صاحب کیسے پیارے الفاظ میں بیان فرماتے ہیں :

مستیاں ہر سو برستی تھیں در و دیوار سے اور وہ کیفیتیں سو خم کے پیمانے میں تھیں
قیام تھانہ بھون کا کوئی واقعہ :

بقول حضرت مجذب :

نہ بزم قیل و قال و گفتگوئے کہ این بزم ست بزم دید روئے

میری حاضری اکثر حضرت والا کی دید کے لئے ہوا کرتی تھی۔ بشرط عدم مخاطبت و مکاتبت۔ مجھ جیسے کم استطاعت کو مخاطبت و مکاتبت کا کیا یا تھا۔ کبھی جب حضرت معروف ہوتے جمال جہاں آرا کی میر ہوتی اور پھر پاؤں کو دکھتا

رہتا کہ ان کو کیا استقامت عطا ہوئی ہے۔ ایک دن حضرت کے سامنے ہی بیٹھنے کا موقع مل گیا۔ حضرت نے بہت ہنسایا۔ میں نے دل میں کہا کہ اے اللہ! آپ کا کس قدر احسان ہے کہ اگر ہم نے خرافات کی شمولیت ترک کی تو ایسے دربار میں پہنچا دیا جہاں اعلیٰ درجہ کا روحانی حظ میسر ہے۔ حضرت والا نے تھوڑی دیر بعد مسکرا کر فرمایا کہ لوگ ناحق سینما وغیرہ میں جاتے ہیں۔ میرے پاس آ جایا کریں، میں کوئی کم ہنساتا ہوں۔

کتنی مرتبہ حضرت سے ملاقات ہوئی :

۱۹۲۸ء سے ۱۹۴۲ء تک تقریباً ہر سال تین چار مرتبہ سالانہ حاضری نصیب ہوتی رہی۔ دو تین مرتبہ تو ایک ایک ماہ کے قریب قیام رہا۔ باقی تقریباً ہفتہ عشرہ ٹھہرنا نصیب ہوتا رہا۔ ایک مرتبہ حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب نے علیحدگی میں فرمایا: ”بشیر تم بڑے خوش قسمت ہو۔ تم نے حضرت والا کو جی بھر کر دیکھ لیا۔“ میں نے عرض کیا کہ میں اس کو حق تعالیٰ کے انعامات میں سے سب سے بڑا انعام تصور کرتا ہوں۔ ورنہ یہ آنکھیں کہاں اس دولت کے لائق تھیں۔

چوبیس سال کی عمر میں حضرت والا سے تعلق پیدا کیا۔ بہت سی انگلیں بی۔ اے پاس کر کے دل میں سائی ہوئی تھیں۔ الحمد للہ سادہ وضع اختیار کر لی۔ داڑھی رکھ لی۔ اور سادگی میں امیری کے لطف حاصل ہوتے رہے۔ غیر مشروع تقریبوں میں شمولیت ترک کر دی۔ جس سے قلیل آمدنی میں بھی حق تعالیٰ نے کسی کا دست نگر نہیں فرمایا اور تمام امور میں ان کی امداد شامل رہی۔ کچھری کی ملازمت میں لوگ کوئی ناجائز خدمت کر جاتے تھے، جس پر ندامت ہوتی تھی۔ حضرت والا کی خدمت میں پہلی حاضری کی برکت سے اس سے پرہیز کی توفیق نصیب ہوئی۔ بطور کلرک ملازمت شروع کی تھی اور بطور پرنٹنڈنٹ دفتر ڈپٹی کمشنر ۱۹۵۷ء میں پنشن پائی۔ حضرت کے تعلق کے باعث افسران بھی قدر کی نگاہ سے دیکھتے رہے۔ اور ملازمت میں بھی کسی سے تعلقات نہیں بڑھائے۔ اور کام سے غرض رکھی۔ اور حدود سے تجاوز نہ کرنے کی فکر دامن گیر رہی۔ اور کوتاہیوں پر استغفار کرتا رہا۔ ۳۸ سال کی ملازمت اللہ تعالیٰ نے عزت و آبرو سے پوری کرادی۔ اور اب پنشن مل رہی ہے۔ اور بقول مجذوب: ”وہ اپنے گدھوں کو خشک کھلا رہے ہیں“

برادری کے اکثر لوگ رسومات کے پابند تھے۔ احقر کی عدم شمولیت پر برادری والوں نے خردہ گیری کچھ عرصہ کے بعد ترک کر دی۔ اور برادری کی تقاریب میں عدم شمولیت بہت سے گناہوں اور اخراجات سے بچنے کا سبب بنتی رہی ہے۔ اور یہ سب حضرت والا کے ارشادات پر قدرے عمل کی برکت ہے۔

متفرقات :

احقر شہر ہوشیار پور کی سکے زئی برادری سے تعلق رکھتا ہے۔ والد صاحب ڈی سی کے دفتر میں ملازم تھے۔ مہتمم خزانہ کے رشتہ دار تھے۔ ۱۹۱۶ء میں دفعۃً انتقال فرما گئے اور چھ بچے چھوڑ گئے۔ بندہ اس وقت آٹھویں جماعت میں پڑھتا تھا۔ اور

سب بچوں سے بڑا تھا۔ آمدنی کا کوئی ذریعہ نہ تھا۔ والدہ محترمہ نے بہت محنت سے یہ بار برداشت کیا۔ میٹرک کرنے پر ۱۹۱۹ء میں اللہ تعالیٰ نے ڈی سی کے دفتر میں ملازمت کا سامان فرمادیا۔ پھر ملازمت کے دوران پرائیویٹ بی۔ اے کر لیا۔ اور آہستہ آہستہ ترقی کر کے بطور سپرنٹنڈنٹ پنشن ہوئی۔ ہوشیار پور کے قریب ہی شہر جالندھر تھا۔ وہاں حضرت مولانا خیر محمد صاحب مدظلہ العالی خیر المدارس کے مہتمم تھے۔ ان کی خدمت میں حاضری ہوتی رہی۔ اور ان ہی کی سفارش سے حضرت والّا نے بیعت فرمالیا۔ اور تعلیم حضرت موصوف کے سپرد فرمادی۔ پھر چند مرتبہ حضرت کے ہمراہ تھانہ بھون کی حاضری نصیب ہوتی رہی۔ ایک مرتبہ حضرت مولانا بہت سے خادموں کے ساتھ تھانہ بھون حاضر ہوئے تو حضرت والّا اس وقت خانقاہ میں تشریف فرما تھے۔ آنے والوں کی تعداد کو دیکھ کر مزاح فرمایا کہ انجن تو چھوٹا ہے لیکن گاڑی بہت لمبی ہے۔

علم و عمل تو کچھ تھا ہی نہیں۔ صرف حضرت والّا کی زیارت کے شوق میں جب رخصت بن پڑتی وہاں چلا جاتا۔ مجلس عام میں حاضری کے بعد حضرت والّا کے خلفاء سے لپٹا رہتا۔ خصوصاً حضرت مجذوب صاحب، حضرت مولانا عبدالحمید صاحب، حضرت مولانا محمد حسن صاحب، حکیم عبدالخالق صاحب، حضرت مولانا خیر محمد صاحب، حضرت مولانا محمد شریف صاحب، حضرت مولانا شیر محمد صاحب۔ ان حضرات کی خدمت میں حاضری دیگر اوقات میں حضرت کی خدمت میں حاضری کے قائم مقام ہوتی تھی۔ پہلے پہلے جب کبھی قیام قلیل ہوتا تھا تو حضرت مجلس خاص میں حاضری کی اجازت دے دیا کرتے تھے جو عموماً صبح نو بجے سے گیارہ بجے تک ہوتی تھی۔ پہلے حضرت پانچوں وقت کی جماعت خود کرایا کرتے تھے۔ اور دن بھر زیارت کا جام وقف عام تھا۔

ابتداء میں احقر نے ہدیہ بھیجنے کی اجازت چاہی تو تحریر فرمایا کہ شناسائی قبول ہدیہ کی شرائط میں ہے، جو پائی نہیں جاتی۔ احقر نے عرض کیا کہ اصلاح کا تعلق تو حضرت مولانا خیر محمد صاحب سے ہے۔ حضرت والّا سے شناسائی کیسے ہو؟ فرمایا کہ کیا دریافت خیریت اور طلب دعاء کے لئے ۵۰۰۰۰ خط نہیں لکھ سکتے۔ جس سے شناسائی ہو سکتی ہے۔ چنانچہ سال ہوا سال تک پھر آٹھویں دسویں دن عریضہ لکھتا تھا۔ پھر دریافت پر فرمایا کہ اب شناسائی ہو گئی ہے۔ اور ہدیہ حسب اجازت بھیجنے کی اجازت فرمائی۔

ہدیہ میں سال بھر کی دعائیں حاصل ہوئیں۔ یہ تھا ڈر بار ڈر بار اشرفی۔ پھر اس کے بعد جو تھانہ بھون حاضری ہوئی تو بعد ظہر مصافحہ کے وقت فرمایا کہ نماز کے بعد (یا نماز کے وقت) دیکھا تھا پہچان لیا تھا۔ اس پر جو سرت ہوئی اس پر سوجان سے نثار۔^۱

نگاہ مست او بیگانہ وار است مگر دزدیدہ نگاہی سے گسار است

مئی ۱۹۳۸ء میں حضرت والّا دانت بنوانے کے لئے لاہور تشریف لائے۔ بندہ اس وقت کچھری صدر ہوشیار پور

۱۔ اس شعر کا دوسرا مصرعہ اندازاً وزن صحیح کے لکھا یا ہے، پورا شعر صحیح یا نہیں۔ اور گفتہ مجذوب اور خیر السوانح حصہ دوم کی ورق گردانی کرنے کے باوجود نہیں مل سکا۔ (۱۲)

میں تعینات تھا۔ لاہور میں حضرت والّا کی تشریف آرزائی بے حد موجب انبساط ہوئی کہ اب تو انہوں نے خود پنجاب میں قدم رنج فرمایا ہے۔ اب شرف قدم بوسی کیوں حاصل نہ کی جائے۔ ساتھ ہی پتہ چلا کہ ملاقات کی بندش ہے۔ رخصت لے کر اس امید پر پہلے لاہور چلا گیا کہ جمعہ کو مسجد میں تو آئیں گے ہی، وہاں زیارت ہو جائے گی۔ الحمد للہ جمعہ میں زیارت کا موقع مل گیا۔ بعد نماز جمعہ قیام گاہ پر حاضر ہوا تو حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب نے مژدہ دیا کہ آپ کو ملاقات کی اجازت ہے۔ جب حاضری ہوئی تو مولانا مرتضیٰ حسن صاحب جو پاس ہی بیٹھے ہوئے تھے فرمانے لگے کہ یہ تو اکثر خانقاہ میں آیا کرتا ہے۔ فرمانے لگے تب ہی اجازت دے دی ہے۔ پھر تو تین چار روز صبح شام اور دوپہر حضرت کی خدمت میں ایسے پاس بیٹھنے کا موقع ملتا رہا کہ گویا حضرت والا گھر آئے ہوئے ہیں۔ وہاں سے حضرت والا کے ہمراہ امرتسر گئے اور رات کا کھانا حضرت مولانا محمد حسن صاحب کے در دولت پر حضرت کی معیت میں کھایا۔ حضرت مولانا محمد حسن صاحب اس مکان کو لاہور میں الاٹ شدہ بڑے مکان پر ترجیح دیا کرتے تھے کہ وہاں میرے شیخ کے قدم مبارک آئے ہوئے ہیں۔ لاہور سے واپسی پر حضرت والا نے ایک رات جالندھر حضرت مولانا خیر محمد صاحب کے مدرسہ میں قیام فرمایا۔ ہوشیار پور وہاں سے ۲۵ میل ہی تو تھا۔ احقر کی اہلیہ اور چند دیگر مستورات نے اصرار کیا کہ حضرت کی ایک نظر بھر زیارت ہو جائے۔ میں ان کو اس شرط پر جالندھر لے آیا کہ حضرت امرتسر کی گاڑی سے اتریں اسٹیشن پر زیارت کر لینا۔ لیکن جالندھر پہنچ کر معلوم ہوا کہ حضرت تو پہلی گاڑی سے تشریف لے چکے ہیں۔ چنانچہ مجبوراً حضرت مولانا خیر محمد صاحب کے دولت کدہ پر حاضر ہوئے، جہاں حضرت والا فروکش تھے۔ حضرت والا اس وقت حضرت مولانا خیر محمد صاحب کے مکان پر بالائی صحن میں تشریف فرما تھے، اور حضرت کی مستورات جو بارہ میں چک کے پیچھے بیٹھی تھیں۔ حضرت مولانا نے میرے ساتھ آنے والی مستورات کو جو بارہ میں چلے جانے کی اجازت عطا فرمادی۔ جب وہ پاس سے گزریں تو حضرت مولانا خیر محمد صاحب نے حضرت والا کی خدمت میں عرض کیا کہ یہ مستورات ہوشیار پور سے زیارت کے لئے آئی ہیں۔ حضرت والا اس کے بعد گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ وہاں تشریف فرما رہے۔ جب وہاں سے اٹھے تو فرمایا کہ جو مستورات ہوشیار پور سے آئی ہیں ان کو میرا سلام کہہ دیں۔ یہ سن کر ان کی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی۔ یہ ہیں وہ حضرت تھانوی جن کو ناواقف سخت کہہ دیتے ہیں۔ حضرت مولانا محمد حسن صاحب نے ایک مجلس میں فرمایا کہ میں نے خانقاہ کے دروازہ پر جلی حروف میں یہ لکھا ہوا خواب میں دیکھا کہ ”یہاں دل جوئی بھی ہوتی ہے اور دل شوئی بھی۔“

جالندھر میں حضرت والا کی تشریف آوری کی خبر بجلی کی طرح ارد گرد پھیل گئی۔ اور چاروں طرف سے مشتاقان دید کا ہجوم ہو گیا۔ میرے چھوٹے بھائی ڈاکٹر محمد نواز صاحب کو در تحصیل جالندھر میں بطور انچارج و ڈیپٹی ہسپتال تعینات تھے۔ وہ بھی حضرت کی روانگی کے وقت اسٹیشن جالندھر پر زیارت سے شاد کام ہوئے۔ احقر کی دو ہمشیرگان بزرگہ خط و کتابت حضرت سے بیعت ہوئیں۔ جس زمانہ میں حضرت خواجہ صاحب نے ”اشرف السوانح“ تالیف فرمائی اور بندہ جلد دوم کا مطالعہ کر رہا تھا تو ایک سرکاری کام سے انبالہ جانے کا اتفاق ہوا۔ احقر نے حضرت والا کو لکھا کہ آجکل اشرف السوانح جلد

دوئم زیر مطالعہ ہے۔ اور جی چاہتا ہے کہ از کر قدموں میں جا پہنچوں۔ اب تو انبالہ سرکاری کام پر آ رہا ہوں۔ جی نہیں چاہتا کہ اتنا قریب آ کر بلا زیارت لوٹ جاؤں۔ چار یوم کی حاضری کی اجازت عطا فرمائی جائے۔ جو اباً تحریر فرمایا: بسم اللہ آجائے (یا فرمایا آجائیں)۔ جن دنوں حضرت مرض الموت میں علیل تھے، دریافت خیریت کے لئے نیاز نامہ بھیجتا رہتا تھا۔ آخری گرامی نامہ میں تحریر تھا ”دعا کرتا ہوں، خیریت سے ہوں۔“ اس کے نیچے خط کھینچ کر تحریر تھا کہ ”اس کے بعد حضرت انتقال فرما گئے۔“

حضرت کے وصال کے بعد ایک مرتبہ قبر مبارک پر حاضری کا موقع ملا۔ وہاں کی حاضری کی کیفیت بیان سے باہر ہے۔ کبھی محبت کے جذبات موجزن ہو جاتے، کبھی ہیبت طاری ہو جاتی۔ دیر تک اکیلا بیٹھا رہا اور یوں سرشار ہو کر اٹھا گویا حضرت کی مجلس سے اٹھ رہا ہوں۔

حضرت کے وصال کے بعد دو چار سال تک بڑی کثرت سے خواب میں زیارت نصیب ہوتی رہی۔ پھر تدریجاً کم ہو گئی۔ اب بھی بچھ اللہ مہینہ دو مہینہ میں یہ دولت نصیب ہو جاتی ہے۔ پانچ سال کے قریب کا ذکر ہے کہ ایک رات خواب میں تشریف لائے اور احقر کو بالکل قریب کھڑا کر کے کندھے پر دست مبارک رکھا اور فرمایا کہ مجھے ہوشیار پوروالے کا انتظار تھا۔ اس کے چار پانچ روز بعد حضرت مولانا خیر محمد صاحب مدظلہم العالی نے اس ناکارہ سراپا تقصیر کو اپنے مجازین میں داخل فرمایا۔ جس کے بعد احقر نے خواب کا ذکر حضرت مولانا سے کیا۔

میری غفلتیں اور کوتاہیاں اس درجہ کی ہیں کہ میں ہرگز اس زمرہ میں شمار ہونے کے اہل نہیں۔ اللہ ہی ہیں جو میری ذہنی نیا کو کنارہ لگا دیں۔ وما ذلک علی اللہ بعزیز۔

حضرت والا کے بعد حضرت والا کے مندرجہ ذیل خلفاء کی خدمت میں حاضر ہونے کی سعادت حاصل ہوتی رہی، اور ان کی دعائیں اللہ نے نصیب فرمائیں اور خصوصی توجہات سے نوازتے رہے۔

۱۔ حضرت مجذوب صاحب :

خانقاہ میں خصوصی توجہات اور لطف کی نگاہیں ڈالتے رہے۔ حضرت کے وصال کے بعد جاندھر تشریف لائے تو وہاں بھی ہمراہی نصیب ہوتی رہی۔ اور امرتسر ساتھ گیا۔ محبوب کی جدائی میں بے قراری قابل دید تھی۔ روتے تھے اور رلاتے تھے۔ اور خانقاہ میں حاضر ہونے والوں کو کس لطف دہیار سے دیکھتے تھے۔

ع خدا رحمت کند این عاشقان پاک طینت را

۲۔ حضرت مولانا محمد حسن صاحب :

خانقاہ میں حاضری کے ایام میں شناسائی ہوئی۔ حضرت کے وصال کے بعد تو بہت توجہ اور محبت فرمانے لگے میں دو ہفتہ کے قیام کے لئے امرتسر حاضر ہوا تو فرمایا کہ جو حضرت والا کی خدمت میں حاضر ہوتے رہے، بھلا میں ان کو کس برتہ پر

اپنے پاس ٹھہراؤں، اگر آپ آنے کے لئے اجازت مانگتے ہیں اجازت نہ دیتا اب آپ بلا اجازت آگئے ہیں آپ کی مرضی۔ خیر المدارس کے جلسہ میں ملتان تشریف لائے تو احقر کے مکان پر بھی قدم رنجہ فرمایا اور احقر کی اہلیہ کو شرف بیعت بخشا۔ جب کبھی لاہور آتا تو حضرت کی خدمت میں حاضری کا اشتیاق پورا کرتا۔ اور وہاں پہنچ کر تھانہ بھون کی مجلس کا نقشہ اور رنگ آنکھوں میں پھر جاتا۔ آپ کو حضرت والا سے والہانہ وہ محبت تھی کہ سننے والے سرشار ہو جاتے تھے۔

۳۔ حضرت مولانا عبدالمجید صاحب پٹھرا یونی : :

خانقاہ اشرفیہ میں حاضری کے ایام میں واقفیت ہوئی۔ آپ کبھی کبھی خصوصی توجہ فرماتے تھے۔ تھانہ بھون کے اسٹیشن پر احقر کو مخاطب فرما کر ایک شعر فرمایا جو آج تک یاد ہے:

محبت تجھ کو آداب محبت خود سکھا دے گی

کسی سے دل کو تو اپنے لگا آہستہ آہستہ

۱۹۵۰ء میں جب احقر حج کے لئے گیا تو وہاں ایک واقف معلم کو خصوصی توجہ کی سفارشی چٹھی لکھی۔ جس کی وجہ سے خاصی راحت حاصل ہوئی۔ پاکستان بننے پر حضرت خانوال تشریف لے آئے تھے، جو ضلع ملتان کی ایک تحصیل ہے۔ احقر ان دنوں کلکٹر کے دفتر میں ایج۔ وی۔ سی تھا۔ اور دورہ پر اکثر خانوال جانے کا اتفاق ہوتا تھا۔ اور حضرت کی ملاقات اور خصوصی توجہات نصیب ہوتی تھی۔ وصال سے ایک روز قبل حضرت مولانا خیر محمد صاحب اور احقر کو یاد فرمایا۔ بندہ حضرت کے ساتھ خانوال گیا اور اس منتظر پیام یار سے آخری کلام ہوا۔

ع خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

۴۔ حضرت مولانا خیر محمد صاحب مدظلہ العالی :

حضرت کے لطف و احسان کوئی کیسے بیان کرے۔ حضرت والا کے دربار میں رسائی آپ کے قدموں کا صدقہ ہے، بیعت میں قبولیت ان کی سفارش کی مرہون منت، تھانہ بھون کی پہلی حاضری ان کی ہمرکابی کی رہن احسان، وہاں کے اکابرین کا تعارف اور توجہ ان کے طفیل۔ حضرت مولانا انور شاہ کاشمیری کے در دولت پر وہ ساتھ لے گئے تھے۔ انکی محبت بھری چائے حضرت کی بدولت نصیب ہوئی۔ حضرت مہتمم قاری محمد طیب صاحب کی مہمانی میں شمولیت حضرت کے دم قدم سے میسر ہوئی۔ مدرسہ میں آمد و رفت سے جو بے شمار حضرات کی زیارتیں اور ملاقاتیں حصہ میں آئیں وہ سب حضرت کی برکت سے تھیں۔ ان کی عنایتیں اور اپنی غفلتیں اور جہالتیں جب خیال میں آتی ہیں تو گردن خجالت اور ندامت سے جھک جاتی ہے۔ دل سے دعائیں نکلتی ہیں کہ اے اللہ ہمیں بھی ان کی غلامی کے قابل بنانا۔ اور دنیا اور آخرت میں ان کی رفاقت ارزانی فرمانا اور حضرت کو تادیر خادموں کے سروں پر قائم رکھنا کہ تھانہ بھون کی ضیا پاشیوں کی یادگار پیش نظر رہے۔ پانچ سال کے قریب

۱۔ تحریر پر پروفیسر احمد سعید صاحب کے کرامی نامہ مورخہ ۵ جون ۱۹۷۰ء کے جواب میں اور حضرت والا کے وصال سے قبل کی ہے، یعنی جون و اکتوبر ۱۹۷۰ء کے

ہوئے کہ حضرت نے اپنے مجازین کی فہرست میں اس ناکارہ کو داخل فرمایا۔ اللہ ہی میری شرم رکھیں اور میری ڈانواں ڈول نیا کو کنارے لگادیں۔ ورنہ

میں بدی میں آپ ہوں اپنی مثال بد عمل بد نفس بد خو بد خصال

۵۔ حضرت قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند:

حضرت کے مواعظ حسنہ سے اکثر مستفیض ہونے کا موقع ملا۔ تھانہ بھون جب تشریف لاتے توجی بھر کے زیارت نصیب ہو جاتی۔ مدرسہ خیر المدارس جالندھر اور ملتان میں عموماً شمولیت فرما کر وعظ اور قرأت سے محظوظ ہونے کا شرف بخشے رہتے۔ احقر ۱۹۵۵ء لغیات ۱۹۵۷ء ڈیرہ غازیخان دفتر ڈی سی میں سپرنٹنڈنٹ تعینات تھا اور حضرت کے داماد وہاں گورنمنٹ ہائی سکول میں ہیڈ ماسٹر تھے۔ جن سے بہت مراسم تھے۔ حضرت سال میں ایک مرتبہ وہاں تشریف لاتے۔ وہاں حضرت سے طویل ملاقاتیں ہوتیں۔ ایک دن مع اہلیہ محترمہ غریب خانہ پر قدم رنجہ فرما کر مشکور و مسرور فرمایا۔ یہ تمام رعایت حضرت والا سے تعلق کی بنا پر تھی۔ ملتان میں نواب زادہ افتخار احمد خاں ڈپٹی کمشنر نے حضرت کو چائے کی دعوت دی۔ یہ احقر بھی ہمراہ تھا۔ دوران گفتگو ڈی سی صاحب نے دیوبندی اور بریلوی تنازعات کے متعلق یہ کہا کہ تالی تو دونوں ہاتھوں سے بجتی ہے۔ حضرت نے اپنا ایک ہاتھ تو اپنی جگہ برقرار رکھا۔ اور دوسرے ہاتھ کو دور سے لاکر اس کے ساتھ ٹکرا دیا۔ اور فرمایا کہ ایسی صورت میں بھی تالی تونج ہی جاتی ہے۔ تو ایک ہاتھ مجتنب ہی رہے۔ ڈی سی صاحب اس پر بہت خوش ہوئے۔ اب بھی جب کبھی پاکستان میں رونق افروز ہوتے ہیں دیکھ کر آنکھیں ٹھنڈی ہو جاتی ہیں۔ حق تعالیٰ آپ کو تادیر سلامت بکرامت رکھے۔

۶۔ حضرت مولانا شیر محمد صاحب و حضرت مولانا حاجی محمد شریف صاحب:

یہ حضرات تو اپنے ضلع کے ہیں۔ اور احقر کے ساتھ دوستانہ مراسم رکھتے ہیں۔ یہ حضرات سراپا علم و عمل ہیں۔ اور احقر سراپا قال۔ اللہ تعالیٰ ان کے طفیل اس قال کو مبدل فرمادیں۔ پاکستان بننے پر یہ حضرات (گوجرہ؟ ضلع ملتان تشریف لے آئے۔ اور اکثر ان کی ملاقات اور زیارت نصیب ہوتی رہی۔ اللہ تعالیٰ ان کے فیوض کو تادیر قائم رکھیں۔ احقر بھی چند مرتبہ ان حضرات کے ہمراہ تھانہ بھون گیا۔ اور اب بھی ان کی ملاقات ہو جاتی ہے تو وہاں کی کیفیتوں کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔

چاہتا ہے دل وہی کیف آفریں ماحول پھر وہ بہاریں اب کہاں جو ہائے میخانے میں تھیں

مستیاں ہر سو برستی تھیں در و دیوار سے اور وہ کیفیتیں سو خم کے پیمانے میں تھیں

(افسوس ہے خیر السوانح کی تکمیل کے وقت حضرت صوفی بشیر احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ انتقال فرما چکے ہیں۔ شعبان

۱۴۱۷ھ میں وفات ہوئی۔ اللهم اغفر له و ارحمه رحمة واسعة و ادخله جنة النعیم (آمین ثم آمین)

احقر آفتاب احمد عفی عنہ

(ترجمہ المؤلف بھی یہی ہے)

(انبالہ شہر سے مدینہ منورہ تک.... اب جنت البقیع کا انتظار ہے)

نوٹ: عرض ہے کہ احقر مؤلف مورخ نہیں ہے کہ کسی کے سوانح لکھے تو روشن و تاریک پہلو سامنے لائے۔ اس کے برعکس شریعت مطہرہ تو جہر بالسوء کو منع کرتی ہے۔ اور یہ بات طبیعت کے بھی خلاف ہے کہ اپنے عیوب سامنے لائے جائیں۔ پھر تاریک پہلو سامنے لانے اور عیوب ظاہر کرنے کے لئے کیا شے باعث ہو سکتی ہے۔ اس لئے یہی قصد ہے کہ اپنا کوئی عیب ظاہر نہ ہونے دیا جائے بلکہ صرف روشن پہلو سامنے لائے جائیں۔ کیونکہ اگر کوئی خوبی پائی بھی گئی تو وہ ہرگز اپنا کمال یا اپنی خوبی نہیں بلکہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے۔ اس لئے اس میں ذرہ برابر بھی فخر یا ناز کی بات نہیں، البتہ شکر جتنا کیا جائے کم ہے۔ البتہ کوئی غلطی کو تاہی تقصیر اس لئے بیان میں آجائے کہ اس سے احتیاط رکھنے کا خیال پیدا ہو۔ تو وہ اپنی اور دوسروں کی اصلاح کے لئے مفید ہو سکتا ہے۔ یہ اور بات ہے اور ایک معروض بھی ہے کہ اگر بندہ کی کسی بات سے حسن ظن پیدا ہو تو یہ دعاء فرمادی جائے تو احسان ہوگا کہ جیسا ہمارا نیک گمان ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو اس سے بھی بہتر بنا دے اور اپنا مقبول بندہ بنالے۔ اور مغفرت و رحمت اور کرم و احسان کا معاملہ اپنے فضل سے فرمائے (آمین ثم آمین)

اب اپنے مختصر حالات پیش خدمت کئے جاتے ہیں۔

نام: آفتاب احمد ہے۔ پہلے منصور احمد نام رکھا گیا تھا۔ بروایت ہمیشہ وسطی معلوم ہوا کہ بڑے بھائی عثمان احمد صاحب مرحوم کے مشورہ سے نام تبدیل کیا گیا۔

دھیال: آفتاب احمد بن حافظ اقبال احمد بن نبی بخش بن الہی بخش بن محمد مہتاب بن دوست محمد

نھیال: آفتاب احمد بن شبیر النساء بنت کریم بخش

تاریخ ولادت: ۱۲۷۷ کتوبر ۱۹۲۳ء (مطابق ۲۷ ربیع الاول ۱۳۳۳ھ) بروز دوشنبہ ساڑھے گیارہ بجے دن۔

جائے ولادت: انبالہ شہر مشرقی پنجاب

آبائی وطن: چاند پور سیال و ضلع بجنور، یو۔ پی (ہندوستان)

خاندانی حالات

دادا صاحب مرحوم: دادا نبی بخش مرحوم جیل کے داروغہ تھے اور سنا ہے قیدیوں کے ساتھ ان کا سلوک رحمدلانہ تھا۔ والدہ مرحومہ سے سنا تھا کہ بعض دفعہ وہ گھر سے عمدہ کھانا پکوا کر قیدیوں کو کھلاتے تھے۔

والد صاحب حافظ اقبال احمد مرحوم: آبائی وطن چاند پور تھا۔ لیکن وطن چھوڑ کر انبالہ شہر میں آباد ہو گئے تھے۔ پھر جب احقر چھٹی جماعت میں پڑھتا تھا تو انبالہ شہر چھوڑ کر واپس چلے گئے اور احقر کو بورڈنگ ہاؤس میں داخل کر دیا گیا تھا۔ (کیونکہ احقر کو اپنا اسکول چھوڑنا گوارا نہ تھا)۔ حافظ قرآن تھے اور اردو کے اچھے نثی تھے۔ مختلف وکلاء کے پاس کام کیا۔ اردو میں قانون کی کتابیں بھی رکھتے تھے۔ اور قانون سے کافی واقفیت ہو گئی تھی۔ علماء اور بزرگان دین کا احترام کرتے تھے۔ اور ادب کی تاکید کرتے تھے۔ اگرچہ بریلوی علماء متبیین سے ملتے تھے۔ لیکن چاند پور میں حضرت مولانا سید مرتضیٰ حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں احقر کو ساتھ لے گئے تھے۔ اور ایک بار حضرت والائے والد صاحب مرحوم کو دارالعلوم کراچی (نزد کورنگی) میں شرف زیارت بخشا تھا۔ (اس کی کچھ تفصیل باب ۱۲ اسفار کے ذیلی عنوان سفر حج اول کے تحت آچکی ہے۔) بریلوی علماء کو دیکھ کر کہتے تھے کہ عالم ہونا اور بات ہے، اللہ والا ہونا اور بات ہے۔ (احقر کا غالب گمان ہے کہ ہمارے علماء ربانین کی زیارت بہت کم کی۔ اگر بکثرت ان کی زیارت کرتے تو اس سے مختلف رائے ہوتی) ان کی بیاض میں ایک پرچم ملا جس میں والد صاحب نے حضرت تھانویؒ کی کسی تالیف اور حضرت میاں اصغر حسین صاحب کے مفید الوارثین کے تالیف فرمانے کا ذکر اچھے انداز میں کیا ہے۔

انبالہ میں حضرت سائیں توکل شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت کی ہے۔ اللہ تعالیٰ رحمت و مغفرت سے مالا مال فرمائے (آمین ثم آمین) پاکستان آ گئے تھے۔ کراچی میں بڑے بھائی عرفان احمد صاحب کے گھر ۳۱ دسمبر ۱۹۵۷ء جمادی الاخریٰ ۱۳۷۷ھ بروز سہ شنبہ وفات ہوئی اور انیر پورٹ کے قریب جہاں سے ڈرگ کالونی کو سڑک جاتی ہے وہاں لب سڑک قبرستان میں دفن کیا گیا۔ قبر کی کوئی نشانی پہچان کے لئے نہیں ہے۔

دادی صاحبہ مرحومہ اور دادا صاحب کی اولاد، احقر کے تائے اور پھوپھییاں:

دادی صاحبہ افضل النساء خانم مرحومہ مغلیہ شاہی خاندان سے تھیں اور جنگ آزادی ۵۸-۱۸۵۷ء میں انہوں نے لال قلعہ دہلی سے بھاگ کر اپنے بڑوں کے ساتھ چاند پور میں کہیں پناہ لی ہوئی تھی۔ دادا صاحب مرحوم کی وہ دوسری اہلیہ تھیں۔ ان کی اولاد یعنی احقر کے تائے اور پھوپھیوں کا مختصر حال حسب ذیل ہے:

سب سے بڑے تایا محمد جعفر تھے۔ ان کا انتقال انبالہ شہر محلہ بندھا میں ہوا۔ اس وقت (یعنی ۳۷-۱۹۳۶ء میں) احقر چوتھی جماعت میں پڑھتا تھا۔ ان سے چھوٹے تایا محمد صادق جو دہلی میں تھے ان کا انتقال اس کے بہت بعد ہوا۔ ان کو تقریباً ۴۱ء دیکھا ہے جب احقر آٹھویں جماعت میں پڑھتا تھا۔ اور تائی مرحومہ کے انتقال پر والد صاحب دہلی گئے تو میں بھی گیا تھا۔ ان سے چھوٹے تایا مقبول احمد مرحوم تھے۔ ان کے انتقال کی خبر تایا زاد بھائی احمد حسین صاحب نے لاہور سے دی۔ جبکہ احقر گویمار کراچی میں مقیم تھا۔ یہ تقریباً ۲۸ء اور ۵۰ء کے درمیان کی بات ہے۔ ہماری پھوپھییاں دو ہی یاد ہیں، عائشہ اور بسم اللہ۔ ان دونوں کو صرف ایک بار عرفان بھائی کی شادی میں چاند پور میں دیکھا تھا۔ یہ تقریباً ۴۲ء کی بات ہے۔ ان میں ایک یا

دونوں ہی لکھنؤ رہتی تھیں۔ والد صاحب مرحوم کی بیاض میں دو اور چھوٹھیں کبیر النساء اور مبارک النساء کے نام بھی ان کے لکھے ہوئے شجرہ میں ہیں۔ اللہ تعالیٰ سب کی مغفرت فرمائے، آمین ثم آمین۔

نانا صاحب مرحوم : ہمارے نانا کریم بخش صاحب مرحوم تھانیدار تھے۔ ان کے حالات کچھ زیادہ معلوم نہیں۔ اللہ تعالیٰ مغفرت فرمائے، آمین۔

نانی صاحبہ مرحومہ : اجداد و جدات میں صرف نانی صاحبہ مرحومہ کو احقر نے بچپن میں دیکھا، جبکہ وہ ہمارے گھر انبالہ شہر میں آئی تھیں۔ اس کے بعد بھی بارہا دیکھا۔ واجد ماموں مرحوم کے گھر بھی اور ماموں و خسر حامد حسن صاحب مرحوم کے گھر بھی ان کا انتقال احقر کے نکاح کے بعد تقریباً ۱۹۴۵ء میں ہوا۔ اللہم اغفرلہا (آمین)۔

والدہ صاحبہ مرحومہ : اردو پڑھ لیتی تھیں، اور اردو میں دینی کتب شوق سے پڑھتی تھیں۔ جب تک صاحب فراش نہیں ہوئیں نماز وغیرہ کے علاوہ سورۃ یسین وغیرہ تلاوت کرنے کی بھی عادت تھی۔

۱۵ نومبر ۱۹۵۰ء بروز چہار شنبہ بمطابق ۳ صفر ۱۳۷۰ھ کو احقر کے مکان پاک کالونی کراچی میں وفات ہوئی۔ اور انجمن مسلمانان پنجاب کے قبرستان واقع ریکس میں دفن ہوئیں (یعنی لارنس روڈ، (نشر روڈ) پر پاکستانی کوارٹرز کے پاس سے گزرتی ہوئی سڑک جو نالے میں سے جاتی تھی۔ اس نالے کے پار کچھ علاقہ ریکس کہلاتا ہے، وہاں بائیں ہاتھ کو یہ قبرستان ہے، وہاں دفن ہوئیں) اللہم اغفرلہا مغفرتہ ظاہرہ و باطنہ لا تغادر ذنبا و ارحمہا رحمة واسعة (آمین ثم آمین) نانا صاحب مرحوم کی باقی اولاد، ماموں اور خالائیں : ان کی اولاد میں والدہ صاحبہ مرحومہ کے علاوہ دو خالائیں یاد ہیں۔ ایک خالہ محمودہ یا محمودن مرحومہ جن کو مودی خالہ کہتے تھے۔ دوسری رشیدن خالہ مرحومہ جو تائی بھی تھیں اور تائی مقبول احمد مرحوم کے نکاح میں تھیں، ماموں چار تھے۔ سب سے بڑے حامد حسن مرحوم (جو احقر مولف کے خسر بھی تھے) دوسرے عابد حسن مرحوم، تیسرے زاہد حسین مرحوم اور سب سے چھوٹے واجد حسین مرحوم تھے، اللہم اغفرلہم (آمین)

بھائی بہنیں : احقر کے بھائی عثمان احمد صاحب مرحوم ریٹائرڈ اسٹیشن ماسٹر تھے۔ ان کا انتقال میرے جدہ میں سفارت خانہ کی ملازمت کے دوران ہو گیا تھا، ۱۹۷۰ء میں جدہ آیا۔ اس کے دو سال بعد پاکستان گیا تو ان کا انتقال ہو چکا تھا۔ ان کی طبیعت میں جہاد کا جذبہ بہت تھا۔ بظاہر اس کا صلہ یہ ملا کہ پشاور میں (جہاں ان کے داماد ایئر فورس کی سیکرٹریٹ میں تھے) ایئر فورس کے مجاہدین کے قبرستان میں غالباً شہداء کی قبروں کے پاس دفن ہوئے۔ اللہ تعالیٰ ان کو مغفرت و رحمت سے مالا مال فرمائے (آمین ثم آمین)۔ ان کے بعد سب سے بڑے بھائی عرفان احمد صاحب کراچی میں ریٹائرڈ زندگی ضعیف العمری کی حالت میں گزار رہے ہیں۔ سب بھائی بہنوں میں ان کی دینی حالت بہت غنیمت ہے۔ ان کے بعد اوصاف احمد صاحب پاکستان نیوی کے ریٹائرڈ کیپٹن لندن میں رہتے ہیں۔ دو بہنیں عرفان بھائی اور اوصاف بھائی کے درمیان ہیں۔ وہ دونوں ریٹائرڈ اسکول ٹیچر ہیں۔ پی ای سی ایچ سوسائٹی کراچی میں رہتی ہیں۔ تیسری مجھ سے بڑی اور اوصاف بھائی سے چھوٹی پہلے

پاکستان میں اسکول ٹیچر تھیں، پھر لندن میں پاکستانی سفارت خانہ میں ملازمت کی۔ اب کبھی لندن اور کبھی سان ڈیگو کیلی فورنیا امریکہ میں بیٹے کے پاس رہتی ہیں۔ کئی حج اور بہت عمرے کئے۔ خصوصاً مدینہ منورہ کی زیارت کا بہت شوق ہے سب بھی بہنوں کے احقر پر بہت احسانات ہیں، مگر وہ ظاہر کرنا پسند نہیں کرتے، اللہ تعالیٰ سب کو جزائے خیر دے اور سب کو ہدایت دے اور عافیت و صلاح و فلاح دارین نصیب فرمائے (آمین ثم آمین)

طفولیت اور ابتدائی تعلیم

ابتدائی تعلیم:

اردو کا قاعدہ غالباً گھر پر ہی والدین سے پڑھا ہوگا۔ اور گھر پر چند مختصر سورتیں بھی پارہ عم کی پڑھی ہوں گی۔ اس کے بعد مسلم ہائی سکول انبالہ شہر کے شعبہ پرائمری کی پہلی کپی جماعت میں داخل ہوا۔ اندازاً یہ ۱۹۲۳ء ہوگا۔

اردو کا قاعدہ اور پہلا سبق:

پہلی جماعت کے اردو کے قاعدہ کے سرورق پر شاہ برطانیہ جارج پنجم کی تصویر تھی۔ تاکہ شروع ہی سے انگریزوں کی غلامی ذہن نشین ہو جائے۔ دوسرے جو سبق ان دنوں ہو رہا تھا اس میں شروع ہی میں تھا ”بھڑکونہ مارو“۔ یعنی انگریزی تعلیم کے اسکولوں میں شروع ہی سے یہ تعلیم تھی کہ موذی کونہ مارو۔ (اور لاکھوں انسانوں کو ایٹم بم، یا نیڈر جن بم اور زہریلی گیس سے ہلاک کر دو جن میں عورتیں، بوڑھے اور معصوم بچے بھی ہوں)۔ اس کے مقابلہ میں تعلیم الاسلام کا قاعدہ تالیف حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب ”تو مشہور ہے لیکن اس سے قبل پڑھانے کے لئے احقر نے ”تعلیم الاسلام کا قاعدہ“ (مولفہ حضرت مفتی صاحب) بھی دیکھا ہے (جو تاج کمپنی نے شائع کیا تھا) وہ قاعدہ یا ہشتی زیور حصہ اول کے شروع میں جب بچہ اردو کے جملے پڑھنا سیکھتا ہے، اس کے لئے جو جملے ان میں دیئے گئے ہیں ان کو دیکھنے سے معلوم ہو جاتا ہے کہ شروع ہی سے بچے کے اخلاق و عادات اور عقائد کے لئے کیا تعلیم دی جا رہی ہے۔ کاش! اس طرف ماہرین تعلیم جدید بھی کچھ توجہ فرمائیں۔

نصاب تعلیم:

البتہ اس بات کا اعتراف کرنا چاہئے کہ انگریزوں کے دور حکومت میں بھی (جب احقر کی طفولیت کا زمانہ تھا اور پرائمری سکول میں پڑھتا تھا، اس وقت) دوسری جماعت کے نصاب میں ایک کتاب ”دبستان اخلاق“ بھی تھی۔ جس میں تمام تر مسلمانوں کی اصلاحی، اخلاقی حکایات وغیرہ تھیں۔ ہو سکتا ہے کہ یہ کتاب خصوصاً مسلم ہائی سکول کے بچوں کے لئے مقرر کی گئی ہو، کیونکہ یہ اسکول انجمن اسلامیہ کے زیر انتظام تھا۔ اور احقر جب چوتھی جماعت میں پڑھتا تھا یعنی تقریباً ۱۹۳۶-۳۷ء میں، اس وقت بھی اردو درسی کتاب کا تقریباً نصف اول حصہ دینی مضامین پر مشتمل تھا۔ اس میں کچھ سیرت رسول اکرم ﷺ کا حصہ تھا۔ اور ائمہ اربعہ (فقہاء مجتہدین) کا بھی ذکر تھا۔ اور تقریباً ہمیشہ اردو کتاب حمد باری تعالیٰ اور اس

کے بعد نعت نبی ﷺ سے شروع ہوتی تھی۔ دراصل حکومت انگریزی تھی، لیکن مسلمانوں میں دینی شعور اس وقت تک اتنا بیدار تھا کہ نصاب تعلیم میں اگر ایک طرف انگریزی تعلیم کے ذریعہ بگاڑنے کا سامان تھا تو دوسری طرف دین سے واقفیت کا بھی حصہ تھا۔ افسوس ہے سیاسی آزادی ملنے اور پاکستان بننے کے بعد ہمارا نصاب تعلیم غلامی کے دور سے بھی زیادہ دین و عقائد صحیحہ اور اخلاق فاضلہ کی تعلیم سے دور کرنے والا ہے۔ کاش ذمہ دار ماہرین تعلیم حضرات میں سے دین کا کچھ درد رکھنے والے اس طرف بھی کچھ توجہ فرمائیں۔

مغلو شاہ:

کوئی سن رسیدہ سفید ریش بزرگ تھے، جو ہمارے گھر کبھی کبھی آتے تھے۔ کوئی بیمار ہوتا تو وہ کچھ دعاء وغیرہ پڑھ کر دم کر دیتے تھے اللہ تعالیٰ شفاء عطا فرماتا تھا۔

تیلیوں والی مسجد:

محلہ چاہ باروانبالہ شہر کے مکان میں ہوش سنبھالا۔ گھر کے سامنے ہی مسجد تھی جس کو تیلیوں والی مسجد کہتے تھے۔ اس مسجد کے امام حافظ خوشی محمد صاحب احقر کے بڑے بھائی عرفان احمد صاحب کے ملنے والے تھے۔ ہمارا مکان ناہن ہاؤس کے متصل تھا۔

بچپن میں دینی مطالعہ:

بچپن میں جب غالباً چوتھی جماعت میں تھا اور اردو پڑھ لیتا تھا، والد صاحب کسی صاحب سے عاریتاً اردو ترجمہ حدیث شریف کی بعض کتب لے آئے تھے۔ جن کو والدہ صاحبہ بھی پڑھا کرتی تھیں اور میں بھی پڑھا کرتا تھا۔ ان کتب میں سے ایک میں احوال و احوال قیامت کا بھی تذکرہ تھا۔

بچپن میں ایک خواب:

شاید کبھی اسی زمانہ میں بچپن میں خواب میں چاند دیکھا، اور اپنے ہاتھوں پر دھبے دیکھے۔ اور یہ سمجھا کہ چاند نبی کریم ﷺ ہیں اور آپ کی برکت سے ہاتھوں کے دھبے (جن کو گناہ سمجھتا تھا) دھل رہے ہیں۔

چوتھی جماعت:

اسکول کے شعبہ پرائمری میں چوتھی جماعت کے ماسٹر ایک بوڑھے آدمی مسی غلام عباس تھے۔ شعبہ پرائمری کی شاخ نمبر ۲ کا نہ معلوم کیسے پتہ چلا ہوگا، وہاں پرائمری کے ہیڈ ماسٹر محمد حسین صاحب مرحوم کے دفتر میں ایک بورڈ لگا ہوا دیکھا، جس میں پرائمری کے مقابلہ کے امتحان میں ممتاز کامیابی حاصل کرنے والے ان طلباء کے نام لکھے تھے جن کو وظیفہ ملا تھا۔ غرضیکہ از خود پرائمری شاخ نمبر ۲ میں جانا شروع کر دیا۔ پھر والد صاحب نے باقاعدہ وہاں نام درج کرادیا۔ چوتھی جماعت



کے پہلے سال میں آبائی وطن چاند پور جا کر چند ماہ رہنا ہوا۔ جس سے پڑھائی کا حرج ہوا۔ اور اس سال وظیفہ کے لئے مقابلہ کاہر کاری امتحان نہیں دیا۔ ایک سال اور چوتھی جماعت میں لگایا اور وظیفہ ملا جو چار روپے ماہانہ آٹھویں جماعت تک ملتا رہا۔

حضرت سائیں توکل شاہ صاحبؒ کا مزار اور مسجد:

شاخ نمبر ۲ پرائمری اسکول سے حضرت سائیں توکل شاہ صاحبؒ کا مزار اور مسجد قریب تھی۔ چوتھی جماعت میں پڑھنے کے دوران اسکول کے اوقات میں ظہر اور عصر کی نماز اکثر اس مسجد میں پڑھتا اور کبھی جمعہ بھی وہاں پڑھتا۔ اور وہاں قرآن مجید کا کتب بھی تھا۔ وہاں جا کر پارہ عم کی مختصر سورتیں بھی پڑھنے لگا۔ وہاں جو قاری صاحب تھے انہوں نے تجوید سے سورتیں صحیح پڑھائیں، اور ایک بار سپارہ گھٹنے پر رکھا تو انہوں نے منع فرمایا۔ اور کچھ ایسا بھی فرمایا کہ اسکول میں پڑھنے کی وجہ سے میں نے ایسا کیا (یعنی اسکول میں عموماً ادب نہیں سکھایا جاتا) جزاء اللہ تعالیٰ خیر الجزاء، اللھم اغفر له وارحمه (آمین) یہ بھی یاد ہے کہ اس دوران سورہ منزل بھی حفظ کر لی تھی۔

حضرت سائیں توکل شاہ صاحبؒ کی والد صاحب مرحوم نے زیارت کی ہے اور حضرت تھانویؒ سے حضرت سائیں صاحبؒ کی ملاقات کا ذکر اشرف السوانح میں ہے۔

پانچویں جماعت:

پرائمری پاس کر کے پانچویں جماعت میں داخلہ ہوا، جہاں ہائی اسکول کی عمارت میں تعلیم ہوتی تھی۔ اور ڈیسکوں پر نشست ہوتی تھی، اور انگریزی کی ابتداء تھی، اس سے قبل میں کہتا تھا کہ انگریزی نہیں پڑھوں گا، اس سلسلہ میں مجھے سمجھایا گیا اور عرفان بھائی کے ایک جاننے والے نیاز صاحب بھی سمجھانے والوں میں تھے۔ (ہمارے گھر اور مسجد کے قریب ان کی لکڑی کی نال تھی) انہوں نے سمجھاتے ہوئے یہ بھی کہا کہ کیا مولانا محمد متین صاحب نے انگریزی نہیں پڑھی۔ (حضرت مولانا متین خطیب مرحوم دارالعلوم کراچی میں بہت عرصہ ناظم یا نائب ناظم رہے، اور حضرت مولانا محمد مبین صاحبؒ (تلمیذ حضرت شیخ الہند) کے فرزند تھے۔ حضرت مولانا محمد مبین صاحبؒ اسکول کے متصل جامع مسجد میں انجمن اسلامیہ کی طرف سے امام و خطیب مقرر تھے۔ اور حضرت مولانا محمد متین صاحبؒ بھی کبھی ان کی جگہ تقرر کرتے تھے۔ وہ خود غالباً انبالہ چھاؤنی کی کسی مسجد میں امام و خطیب تھے)۔

بورڈنگ ہاؤس میں داخلہ:

جب میں پانچویں سے چھٹی جماعت میں آیا تو والدین انبالہ سے چاند پور منتقل ہو گئے تھے، اور مجھے بورڈنگ ہاؤس میں داخل کر دیا گیا۔ اس وقت میری عمر تقریباً تیرہ چودہ سال ہوگی۔ یہ بورڈنگ ہاؤس جو اسکول کے متصل تھا اور اس کا نام غالباً مسلم بورڈنگ ہاؤس تھا، اس کے علاوہ ایک اور بورڈنگ مسلم راجپوت بورڈنگ ہاؤس بھی تھا جو رافا صلی پر تھا۔ اور اس میں بھائی عبدالوہاب صاحب مرکز تبلیغ رابوٹڈ والے رہتے تھے، جو اس وقت سکول میں پڑھتے تھے۔ وہ احقر کے بڑے بھائی

اوصاف احمد صاحب کو خوب جانتے ہیں، شاید ان کے ہم جماعت رہے ہوں گے۔ ہمارے بورڈنگ ہاؤس کے پرنسٹنٹ (دارذن) چوتھی جماعت کے ماسٹر غلام عباس صاحب تھے۔ پھر ماسٹر فتح محمد صاحب ہو گئے (جنہوں نے ہمیں پانچویں اور چھٹی جماعت میں انگریزی پڑھائی تھی) ان کے زمانہ میں انتظام بہت بہتر ہو گیا۔ (شروع میں ایک دوسرے فرقہ کے ماسٹر بھی پرنسٹنٹ رہے جو لڑکوں کی سخت پٹائی معمولی شکایت پر کرتے تھے) میٹرک کرنے تک ماسٹر فتح محمد صاحب ہی پرنسٹنٹ رہے۔ اللہم اغفر لہ۔

لڑکپن میں شاعری کا شوق:

کبھی کبھی تک بندی بھی سوچتی تھی۔ جو نظم، غزل پسند آتی وہ ایک کاپی میں نقل کی جاتی۔ یہ سلسلہ کم و بیش انٹرمیڈیٹ تک جاری رہا۔ پہلے مختلف شعراء پھر اقبال، پھر جگر مراد آبادی وغیرہ کے اشعار سے دلچسپی رہی۔ اب تک یاد ہے کہ اقبال مرحوم کی وفات پر سخت صدمہ ہوا تھا۔ ۱۹۳۸ء کی بات ہے جبکہ احقر کی عمر تقریباً ۱۴ سال کی تھی۔

لڑکپن کا ایک شعر:

شاید ساتویں یا آٹھویں جماعت میں تھا جب یہ شعر کہا تھا (بتغیر لیر)

یاں ہے ظلم و ستم داں ہے لطف و کرم ہے بفضل دعائے شفیع الام

حضرت مولانا محمد مبین صاحب:

مسلم ہائی سکول کی بعض عمارات اور ایک ہال جو غالباً انجمن اسلامیہ کا تھا، ان کے متصل ایک وسیع جامع مسجد تھی جہاں اسکول کے اوقات کے دوران ظہر کی نماز اور جب شام کو طلباء کھیل کے لئے اسکول کے میدانوں میں آئے ہوئے ہوتے تھے، ان کے اس سے فارغ ہونے پر مغرب کی نماز مولانا مبین صاحب خطیب مرحوم کے والد ماجد حضرت مولانا محمد مبین صاحب پڑھاتے تھے۔ جمعہ کے روز وعظ، خطبہ جمعہ اور نماز جمعہ کی امامت بھی انہی کے ذمہ تھی۔ احقر مولف کو بچپن سے دینی سوالات پوچھنے کی عادت تھی۔ (پھر جب حضرت حکیم الامت کے مواعظ پڑھے تو ان میں ایک وعظ کا نام ”شفاء العی“ بھی تھا۔ جو اس حدیث شریف کے مضمون پر تھا ”انما شفاء العی السوال“ یہ وعظ انبالہ میں ہوا تھا۔ جو احقر کی جائے ولادت تھا۔ واللہ اعلم یہ خیال ہوتا ہے کہ شاید اس وعظ کا کوئی باطنی تگوبنی اثر ہوا ہو جس سے احقر کی فطرت میں دینی سوالات پوچھنے کی عادت ہو گئی) چنانچہ نماز ظہر یا مغرب کے بعد بکثرت حضرت مولانا مبین صاحب سے مسائل پوچھا کرتا تھا۔

فقہ کی اہمیت:

ایک روز انگریزی تعلیم کے ماحول سے متاثر ہونے کی وجہ سے شاید کچھ ایسا سوال پوچھا ہوگا کہ فلاں مسئلہ کے بارے میں قرآن شریف میں کیا حکم ہے؟ جس کے جواب میں حضرت مولانا مبین صاحب نے ایسا آسان، محققانہ، جامع اور مفید ترین جواب دیا جس سے علم دین کی ایک بہت بڑی اصل مآخذ شریعت ہی کی صحیح بنیادی تعلیم ہو گئی۔ فرمایا کہ ”قرآن کی

شرح حدیث ہے اور حدیث کی شرح فقہ ہے۔ "سبحان اللہ۔ اللہ ان کو جزائے خیر دے۔ رحمت و مغفرت سے مالا مال فرمائے۔ اور جنت الفردوس میں ان کے درجات بلند فرمائے (آمین ثم آمین) الحمد للہ بفضلہ تعالیٰ اس کا فائدہ یہ ہوا کہ لڑکپن ہی سے حدیث و فقہ پر اعتماد و لٹین ہو گیا۔ اور درحقیقت یہ اعتماد ہی ایمان کی بنیاد اور علم و دین کا دروازہ ہے۔

مزید: ایک بارتو ان سے یہ علمی و دینی استفادہ اور ان کے افادات اتنی دیر جاری رہے کہ چلتے چلتے ان کے مستقر پر پہنچ گیا، جو ایک دفتر یا کتب خانہ سا ہونا یاد ہے۔ شاید اسی روز یا کسی اور دفعہ راستے میں بعض حضرات کو حضرت مولانا نے احقر کے بارے میں ایسا جملہ فرمایا جس پر جتنا شکر کیا جائے کم ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے حسن ظن کو پورا فرما دیں، آمین ثم آمین۔ انہوں نے فرمایا کہ "ان شاء اللہ تعالیٰ یہ لڑکا اپنے سارے خاندان کو بخشوائے گا" (یہ روایت بالمعنی ہے، تقریباً ایسے ہی الفاظ فرمائے) اللہ تعالیٰ شیخ العالم حضرت مولانا محمود الحسن صاحب دیوبندی (شیخ الہند) قدس سرہ کے اس تلمیذ رشید کی زبان سے نکلے ہوئے جملہ کی لاج رکھتے ہوئے احقر مولف کے ساتھ اپنے لطف و کرم کا معاملہ فرمائیں، خطائیں معاف فرمائیں اور گناہوں کو بخش دیں۔ اپنی ستاری و غفاری اور شان کریمی کا معاملہ فرمائیں (آمین ثم آمین) اللہم اغفر لہ و ارحمہ رحمة واسعة و ادخلہ جنة الفردوس (آمین)۔ زمانہ حال میں چند ہی سال ہوئے، یعنی ۱۴۱۳ھ (۱۹۹۳ء) میں دارالعلوم کراچی جانا ہوا۔ ابھی تک حضرت ڈاکٹر محمد عبدالحی صاحب نور اللہ مرقدہ کی قبر کی زیارت نہیں کی تھی۔ اس لئے دارالعلوم کے قبرستان گیا۔ تو وہاں حضرت ڈاکٹر صاحب کی قبر کے علاوہ حضرت مولانا محمد مبین صاحب کی قبر کی زیارت بھی کی۔

حضرت مولانا مبین صاحب کی زیارت پاکستان آنے کے بعد صرف ایک مرتبہ کراچی میں حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کے دولت خانہ واقعہ برنس روڈ پر ہوئی۔ حضرت مفتی صاحب کے ادب کی وجہ سے احقر کو جرات نہ ہوئی کہاں سے اس وقت گفتگو کرتا۔ اب افسوس ہوتا ہے کہ ان سے تعارف تو کراتا کہ احقر وہی ہے جو لڑکپن میں بہت سوالات کیا کرتا تھا، اور اب اسی طرح کراچی میں قیام کے دوران حضرت مفتی صاحب سے بکثرت مسائل پوچھنے کی عادت تھی۔ یہاں تک کہ جب احقر سندھ مدرسۃ الاسلام کی جامع مسجد میں امام و خطیب تھا، اور اس مسجد میں پہلے کسی فرقہ کے مفتی صاحب امام و خطیب تھے تو حضرت مفتی محمد شفیع صاحب نے ایک بار ایسا کچھ فرمایا تھا کہ تمہیں ان شاء اللہ تعالیٰ ان (مفتی صاحب) سے مسائل معلوم ہو جائیں گے۔

اصلاح معاشرت سے متعلق ایک بات:

حضرت مولانا محمد مبین صاحب کی اصلاح معاشرت سے متعلق ایک مفید بات یاد آئی۔ بعض اوقات مثلاً نماز سے فارغ ہو کر احقر صف میں نمازیوں کے درمیان کھڑے یا بیٹھے جہاں بھی ہو سکا، مسئلہ پوچھنے لگتا تھا تو حضرت مولانا نمازیوں سے علیحدہ صف سے پیچھے ہو جاتے تھے اور وہاں احقر کو مسئلہ بتاتے تھے۔ تاکہ نمازیوں کے پاس کھڑے ہو کر مسئلہ پوچھنے اور بتانے سے نمازیوں کو نماز میں تشویش نہ ہو۔ ان کی یہ تربیت اب یاد آتی ہے تو اس کی قدر معلوم ہوتی ہے۔ خصوصاً جبکہ حرم

شریف میں بکثرت یہ دیکھا جاتا ہے کہ مختلف قومیتوں کے لوگ نماز سے فارغ ہوتے ہیں تو اپنے ملنے والوں سے سلام، دعاء اور مزاج پرسی نمازیوں کے سروں کے پاس کھڑے ہو کر بلند آواز سے کرتے ہیں۔ اور بار بار مزاج پرسی کی یہ رسم دیر تک جاری رہتی ہے۔ جس سے نمازیوں کو سخت تشویش ہوتی ہے اور نماز پوری کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ اور سلام پھیرنے کے بعد باقی نماز مجبوراً کہیں اور جگہ تلاش کر کے پوری کرنا پڑتی ہے۔ اصلاح معاشرت دین کے اہم اجزاء میں سے ہے۔ اور اس کا تعلق حقوق العباد سے ہے۔ اس کی طرف توجہ کرنا نہایت ضروری ہے۔

میٹرک:

۱۹۴۳ء میں پنجاب یونیورسٹی سے میٹرک کا امتحان دیا اور بفضلہ تعالیٰ فرسٹ ڈویژن میں کامیابی ہوئی، والحمدلہ۔ اختیاری مضامین عربی و سائنس تھے۔ ڈل کی جماعتوں میں ریاضی کے استاد ماسٹر کریم الدین صاحب باجماعت نماز کے پابند تھے۔ اللہم اغفرلہ (آمین) مولانا محمد زکریا صاحب غالباً بہار کے تھے۔ ان سے دینیات اور عربی پڑھی۔ میٹرک کی تیاری کے لئے ان کے گھر میں اور ایک طالب علم جا کر عربی کی نصاب کی کتاب پڑھتے تھے۔ جس میں آیات قرآنیہ اور احادیث شریفہ بھی تھیں۔ سورہ فرقان کے آخری رکوع کی آیات پڑھنے سے قرآن مجید کی عظمت کا احساس شروع ہوا تھا۔ اور بعض احادیث کا مضمون اب بھی یاد ہے۔ پانچویں سے آٹھویں تک تعلیم الاسلام کے چاروں حصے تھے، جو بہت مفید نصاب تھا۔ ان ہی سے پڑھا۔ اللہم اغفرلہ و ارحمہ (آمین) نویں دسویں میں سائنس ماسٹر مشتاق صاحب تھے۔ انہی سے آٹھویں اور نویں میں انگریزی پڑھی۔ میٹرک میں انگریزی خود ہیڈ ماسٹر غلام محی الدین صاحب مرحوم پڑھاتے تھے۔ اللہم اغفرلہ۔ میٹرک کرنے کے بعد انبالہ کی رہائش ترک ہو گئی اور چاند پور آ گیا۔ انبالہ مسلم ہائی سکول پاکستان بننے کے بعد سرگودھا میں قائم ہوا۔ اس میں میرے ایک خاص ہم جماعت عبدالشکور صاحب مرحوم اسکول ٹیچر اور دفتر کے انچارج رہے۔ آخری بار ان سے اور ایک اور ہم جماعت حافظ محمد اقبال صاحب سے جنوری ۱۹۷۸ء میں سرگودھا میں ملاقات ہوئی۔ اللہ تعالیٰ ان دونوں کو رحمت و مغفرت سے مالا مال فرمائے (آمین ثم آمین)

دہلی میں مسلم لیگ کا شاندار جلسہ:

اسی سال ۱۹۴۳ء میں یہ تاریخی جلسہ ہوا، جس میں قائد اعظم اور نواب زادہ لیاقت علی خان کی تقریریں ہوئیں۔ اسی جلسہ میں غالباً حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی کی بھی مختصر تقریر تھی۔ میں دہلی جا کر اس جلسہ میں شریک ہوا تھا۔

علی گڑھ مسلم یونیورسٹی:

میٹرک کر کے موسم گرما کی تعطیلات میں پٹیالہ وغیرہ کی سیر کر کے باقی اکثر اوقات چاند پور میں گزارے۔ ماسٹر مشتاق صاحب نے انبالہ سے رخصت ہوتے ہوئے مشورہ دیا تھا کہ اخبار پڑھا کروں۔ اس سے سیاست میں قدرے دلچسپی پیدا ہوئی۔ لیکن جلد ہی نتیجہ سمجھ میں آ گیا کہ دین سے دوری ہی ہر نقصان اور تباہی کا سبب ہے۔ غرضیکہ تعطیلات کے بعد

مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں داخلہ لیا۔ انٹر میں اختیاری مضامین عربی، شہریت اور منطق لئے۔ لیکن جلدی ہی بجائے عربی کے فارسی لے لی۔ عربی ڈاکٹر سید محمد یوسف صاحب مرحوم پڑھاتے تھے۔ جو بعد میں کراچی یونیورسٹی میں صدر شعبہ عربی ہوئے۔ فارسی میں کیسے سعادت میں سے کچھ انتخاب تھا، جو امام غزالیؒ کی تلقین و مواعظ سے بھر پور تھا۔ حصہ نظم میں حافظ شیرازیؒ کی غزلیں بھی تھیں۔ اسلامیات میں حضرت مولانا سید سلیمان ندویؒ کی رحمت عالم سیرت میں اور عقائد و فقہ میں مالا بد منہ مؤلفہ حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ کا اردو ترجمہ تھا۔ یہ ترجمہ کسی بنگالی صاحب کا تھا۔ کالج اور یونیورسٹی میں دینی نصاب میں جو کتاب مقرر کی جائے اس کی زبان، کتابت، طباعت سب عمدہ ہونا ضروری ہے۔ یہ بات ماہرین تعلیم خوب سمجھ سکتے ہیں۔

حکام جامعہ:

ڈاکٹر ضیاء الدین صاحب وائس چانسلر اور پروفیسر اے۔ بی۔ اے۔ حلیم پروڈائس چانسلر تھے۔ بعد میں غالباً ڈاکٹر ضیاء الدین کی وفات کے بعد وائس چانسلر نواب اسماعیل خان صاحب ہو گئے تھے۔ احقر کی بی۔ اے کی ڈگری پر انہی کے دستخط ہیں۔

دینی سرگرمیاں:

بعد عصر یونیورسٹی کی جامع مسجد میں درس تفسیر ہوتا تھا، جو حضرت مفتی عبداللطیف صاحب حیدرآبادی مرحوم دیتے تھے۔ مولانا حافظ محمد عبدالوحید صاحب سے ملاقات کی ابتداء غالباً وہیں ہوئی۔ تجوید کلاس بعد مغرب ہوتی تھی۔ وہ بھی مسجد کے بلحقہ ایک کمرے میں ہوتی تھی اور حضرت قاری ضیاء الدین صاحب استاد تھے۔ پھر ان کے بیٹے قاری اعتصام صاحب، پھر ایک اور قاری صاحب مقرر ہو گئے تھے۔ مجلس اسلامیات کا اجتماع ہفتہ میں ایک بار ہوتا تھا۔ مولانا وحید صاحب کے علاوہ مختار صاحب، میر معظم علی صاحب علوی اور پروفیسر جلیل الدین احمد خاں صاحب سے ملاقاتیں ہوتی رہتی تھیں، اسٹرنچی ہال میں ایک بار حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب کی تقریر ہوئی تھی۔ اور ایک تقریر مولانا حفظ الرحمن صاحب سیوہاروی کی یونین ہال میں ہوئی تھی۔ ایک بار کئی اکابر علماء جیسے حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب اور حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب وغیرہ حضرات بھی تشریف لائے تھے اور ان کی مجلس میں کافی دیر بیٹھا تھا۔ ایک بار یونیورسٹی کے علاقہ میں ایک جگہ جس کو غالباً سول لائنز کہتے ہیں، لب سڑک جلسہ میں سیرت پر شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کا بیان خاصا مبسوط ہوا تھا اور حضرت مولانا حفظ الرحمن صاحب سیوہاروی مرحوم کی بھی تقریر میرت پر ہوئی تھی۔ حضرت مولانا مدنیؒ کو بس یہی ایک بار دیکھا ہے، اور ان کے پاس بیٹھ کر ان کے دستخط ایک نوٹ بک میں لئے تھے، جیسا کہ مشاہیر کے دستخط لینے کا رواج ہے۔ یہ تمبر کا آج تک بجز اللہ احقر کے پاس موجود ہے۔ مولانا سیوہاروی مرحوم کے دستخط بھی لئے تھے۔

انٹر میں اساتذہ:

فارسی کے استاد ڈاکٹر سرور صاحب اور حاذق صاحب تھے۔ شہریت ڈاکٹر عزیز صاحب وغیرہ پڑھاتے تھے۔

دینیات مولانا راغب صاحب، انگریزی کے استاد جمیل صاحب، بخاری صاحب وغیرہ تھے۔ منطق اور نفسیات نامی صاحب پڑھاتے تھے۔

بی. اے میں اساتذہ:

بی. اے میں اختیاری مضامین عربی اور جغرافیہ لئے۔ دینیات کے استاد جامع مسجد کے امام صاحب تھے (نام یاد نہیں رہا)۔ عربی مولوی اسلام صاحب پڑھاتے تھے۔ انگریزی کے اساتذہ بی. اے خاں، محمود صاحب اور ایک دو اور تھے۔ محمود صاحب ہلکسپیئر پڑھاتے تھے اور ان کے لہجہ کی وجہ سے طلباء ان کو شرارتا قاری محمود صاحب کہتے تھے۔ جغرافیہ علوی صاحب اور صدر شعبہ ڈاکٹر طاہر رضوی صاحب پڑھاتے تھے۔ رضوی صاحب نے چند لیکچر صرف ایران پر دیئے (ایشیا کے جغرافیہ میں سے) اور وہی امتحان میں آیا۔

طلباء کی یونین اور ہوسٹل:

سال اول میں داخلہ ہوا تو ممتاز ہوسٹل میں ٹھہرا، لیکن پھر الاٹمنٹ ممتاز انیکسی میں ملا۔ پھر دوسرے سال اصل ممتاز ہوسٹل میں الاٹمنٹ ہو گیا۔ طلباء کی یونین کے اجتماعات رامپور حامد ہال میں ہوتے تھے۔ ایک سال یونین کے نائب صدر جناب نوابزادہ عشرت علی خان صاحب قیصر منتخب ہوئے۔ جو بعد میں ماشاء اللہ حضرت مولانا محمد مسیح اللہ خان صاحب اور حضرت تھانویؒ کے بعض دیگر خلفاء سے مجاز بیعت و تلقین ہوئے۔

یونین کی ایک قرارداد:

پاکستان بننے سے قبل تقریباً ۱۹۴۶-۴۷ء میں یونیورسٹی کی تعطیلات کے دوران از خود پروفیسر جلیل صاحب، میر معظم علی علوی اور احقر کے علاوہ دو تین طالب علم اور ہوں گے، جن میں سے میر معظم علی تو یونین کے کچھ عہدہ دار رکن وغیرہ بھی تھے۔ ہم نے مل کر ایک میٹنگ کر لی۔ اور ایک قرارداد پاس کی جس میں مطالبہ تھا کہ مشرقی اور مغربی پاکستان کے درمیان ایک گزرگاہ (corridor) ضرور ہونا چاہیے۔ یہ قرارداد پاس کر کے اس کا مضمون وائسرائے (گورنر جنرل ہندوستان) کو بذریعہ تازہ بیج دیا گیا۔

نکاح:

انٹرمیڈیٹ پڑھنے کے دوران ماموں حامد حسن صاحب کی بیٹی سعیدہ اختر سے بتاریخ ۵ شوال ۱۳۶۲ھ مطابق ۱۶ اکتوبر ۱۹۴۳ء مراد آباد میں نکاح ہوا۔ انٹر کے بعد ممتاز ہوسٹل چھوڑ دیا۔ اور بی. اے کے پہلے سال بطور شہری طالب علم (Day Scholar) رسل گنج میں مکان لے کر اہلیہ کے ساتھ رہنے لگا۔ اور دوسرے سال یونیورسٹی کے احاطہ میں ایک آبادی ”دودھ پور“ میں مکان کرایہ پر لے کر بطور ملحق مقیم دارالاقامہ رہائش اختیار کی اور ٹیوشن پڑھا کر گزارا ہوتا تھا۔ اس سے قبل جب انٹر میں تھا تو اہلیہ والدین کے یہاں چاند پور رہتی تھیں۔ پاکستان بننے کے بعد کراچی آ گیا۔ اہلیہ بھائی وارث کے ساتھ جہلم، پھر پنڈی

چلی گئیں۔ وہاں سے اپنے چھوٹے بھائی ناصر حسن صاحب کے ساتھ کراچی آ کر میرے ساتھ رہنے لگیں۔ پہلے روشن آپا کے مارن روڈ کے کوارٹر کے برآمدہ میں رہائش رہی۔ پھر مارن روڈ ہی کے ایک مکان میں بطور کرایہ دار شرکت میں رہے۔ پھر گویمار رہے۔ وہاں والدہ مرحومہ بھی آ گئیں۔ والدہ صاحبہ کبھی اوصاف بھائی کے یہاں اور بعد میں میرے گھر رہیں اور اے ۴/۴ پاک کالونی کے مکان ان کا انتقال ہوا۔ اہلیہ نے ان کی خدمت کی۔ بعد میں جب والد صاحب پاکستان آئے وہ بھی کچھ عرصہ عرفان بھائی کے گھر، کچھ عرصہ میرے اسی مکان میں رہے۔ اور اہلیہ نے ان کی بھی خدمت کی۔ گو وہ ہمیشہ میری شاکی ہی رہیں، تاہم خدمت بھی کی خیر السوانح کی تالیف کے دوران بھی بعض متفرق کام کئے۔ جیسے لفافے فائلیں بنانا، کاغذ چپکا دینا وغیرہ۔ بہر حال جزاها الله تعالى خیر الحزاء۔

یونیورسٹی میں تعلیم کے دوران دینی مطالعہ اور ذہنی تبدیلی:

یونیورسٹی میں تعلیم کے دوران امام غزالیؒ کی تالیف منہاج العابدین اردو ترجمہ سراج السالکین اور احیاء علوم الدین کے ترجمہ مذاق العارفین میں سے غالباً دو جلدوں کا مطالعہ کیا۔ نیز حضرت شاہ رفیع الدین صاحب کے فارسی رسالہ قیامت نامہ کا اردو ترجمہ علامات قیامت بھی پڑھا۔ اور بھی بعض دینی کتب کا مطالعہ کیا۔ حضرت تھانوی کے مواعظ بھی پڑھے۔ ان سب کے مطالعہ اور حالات کے مشاہدہ سے ذہنی تبدیلی پیدا ہونی شروع ہوئی۔ الحمد للہ اسباب از روٹوب سے تو لڑکپن ہی سے پرہیز کی عادت ہو گئی تھی۔ اور یہ حضرت مولانا سید مرتضیٰ حسن صاحبؒ کے وعظ کا اثر تھا جس میں انہوں نے صحیح احادیث کا حوالہ بھی دیا تھا۔ انٹر میں پڑھتا تھا۔ جب تعطیلات میں گھر آیا تو داڑھی بھی رکھ لی۔ مولانا حافظ محمد عبدالوحید صاحب شہیدؒ سے بھی ملاقاتیں ہوتی تھیں۔ ان کے صحیح دینی خیالات کا بھی اچھا اثر ہوا۔ ایک بار علی گڑھ شہر میں تبلیغی جماعت کے ساتھ گشت میں حصہ لیا تھا۔ اس سے بھی وقتی تاثر بہت ہوا تھا۔

پاکستان بن گیا:

۱۹۴۷ء میں رمضان شریف میں ہمشیرہ صغریٰ (روشن آپا) کے گھر دہلی آیا ہوا تھا۔ وہ پاکستان (کراچی) کے لئے روانہ ہو گئیں اور غالباً ۱۴ اگست کی رات واپس چاند پور جاتے ہوئے راستہ میں اسٹیشنوں پر جشن آزادی ہند کے باجے گانے نظر آئے۔ واپس چاند پور آ کر پاکستان جانے کا پروگرام بننے لگا۔

ہجرت پاکستان:

فوجیوں کی سوشل گاڑیاں پاکستان جا رہی تھیں۔ اہلیہ تو اپنے بھائی وارث صاحب کے ساتھ پہلے پاکستان روانہ ہو کر جہلم اور راولپنڈی رہیں۔ میں ہمشیرہ وسطی (آپا شا جہاں) کے ساتھ ۷ نومبر ۱۹۴۷ء کو مراد آباد سے پاکستان روانہ ہوا۔ ہم دونوں ۲۳-۲۵ نومبر کو کراچی پہنچے۔ میں روشن آپا کے پاس ۱۴ مارن روڈ ٹھہرا۔ ہمشیرہ عرفان بھائی کے یہاں ایئر پورٹ ٹھہریں۔ بڑی ہمشیرہ آپا نور جہاں بھی شملہ سے ستر کر کے کیمپوں میں ٹھہرتے ہوئے کراچی پہنچ گئیں۔ میری اہلیہ بھی کچھ روز

بعد اپنے چھوٹے بھائی ناظر حسن صاحب کے ساتھ کراچی آگئیں۔

ملازمت تاج آفس بک ڈپو:

کیونکہ تجارت خصوصاً کتب خانہ کا شوق تھا۔ اس کتب خانہ پر ملازمت کی درخواست کی۔ شیخ نذیر مرحوم (برادر تاج کمپنی والے شیخ عنایت اللہ مرحوم) مالک کتب خانہ نے ایک سو روپے ماہانہ پر ملازم رکھ لیا۔ یہ کتب خانہ جو ناماریٹ کے قریب دھیمیر روڈ پر تھا۔ پھر شیخ نذیر مرحوم نے بندر روڈ ریڈیو پاکستان کے سامنے نالہ والی سڑک پر لکشمی پریس خرید کر اس کا نام نذیر پریس رکھا۔ مجھے اس میں لگایا۔ شیخ نذیر صاحب ہوئی جہاز سے بمبئی کے لئے روانہ ہوئے، لیکن ہوائی حادثہ میں ہلاک ہو گئے۔ اللہم اغفرلہ۔ اس لئے وہاں بہت کم عرصہ کام کیا۔

کراچی پورٹ ٹرسٹ:

کیاڑی برتھ نمبر ۲ پر مکینکل سپرنٹنڈنٹ کے دفتر میں بطور کلرک اوصاف بھائی نے ملازمت دلوائی۔ وہاں تقریباً چھ

ماہ کام کیا۔

محمدی اسٹیم شپ کمپنی:

پھر اوصاف بھائی نے اس کمپنی میں بطور پرچیزر (جہاز کی ضروریات کی خریداری کے لئے) ملازمت دلوائی۔ پھر ایک ذیلی کمپنی کو خریداری کا کام دے دیا گیا اس میں تبادلہ ہو گیا۔ اس کے انچارج مسٹر چاندو تھے، کمپنی کا نام شاید ابراہیم اسماعیل کمپنی تھا۔

محمدی انجینئرنگ ورکس:

پھر اس ورکشاپ کے دفتر میں تبادلہ بطور پرچیزر ہو گیا۔ کچھ عرصہ بعد خزانچی بنایا گیا۔ لیکن اس میں حسابات لیجر میں لکھے جاتے تھے۔ جن میں سود کا حساب بھی شامل تھا۔ اس لئے روزانہ اخراجات کے سوا حساب کی کتابوں (لیجر) میں اندراج نہیں کئے۔ اس لئے مجبوراً اسٹورز میں لگایا اور پھر ٹول اسٹور کی سپر بنایا۔ وہاں کے اوقات صبح ۷ بجے سے تھے۔ اکثر لوگ ۸ بجے کے بعد آتے تھے۔ میں بھی پاک کالونی سے کئی میل کا سفر بسوں میں یا سائیکل پر طے کر کے دیر سے پہنچتا اور صبح وقت لکھتا تھا۔ (اور دیر سے پہنچنے والے سات بجے ہی کا وقت لکھتے تھے)۔ چنانچہ بالآخر نوٹس دے دیا گیا اور ملازمت ختم ہو گئی۔

رہائش:

پہلے ہمشیرہ کے ساتھ ۱۴/۳ مارٹن روڈ پر، پھر شرکت میں کرایہ پر ۱۸/۳ مارٹن روڈ۔ پھر اوصاف بھائی نے صدر میں ایک مکان الاٹ کرایا تھا، اس میں عارضی رہائش رہی، پھر ۱۶/۴ پیر آباد گولیمار) میں، پھر ۱۹۵۰ء سے پاک کالونی میں مکان خریدا۔ مکان کا نمبر ۴/۴ تھا۔ رفتہ رفتہ قریب ہی خالی جگہ میں چٹائی بچھا کر اذان دینا اور نماز پڑھنا شروع کیا۔ پھر وہاں

پرانے تختوں کی کچی مسجد بن گئی۔ پھر پختہ جامع مسجد تعمیر ہو گئی۔

داخلہ ایم۔ اے:

اردو کالج میں ایم۔ اے (سال اول) میں داخلہ لیا۔ ۵۲۔ ۱۹۵۱ء میں سال اول کا امتحان تیاری نہ ہو سکنے کی وجہ سے نہیں دیا۔ ۵۳۔ ۱۹۵۲ء میں ایم۔ اے سال اول اور ۱۹۵۴ء میں ایم۔ اے (عربی) فسط کلاس میں پاس کیا۔ اور عربی میں ایم۔ اے کرنے والوں میں یونیورسٹی میں اول پوزیشن حاصل ہوئی۔ (والحمد لله على ذلك) مولانا سید منتخب الحق صاحب مرحوم صدر شعبہ تھے۔ زیادہ تر انہی سے پڑھا۔ اور گھر پر ان سے ہدایۃ النحو، فصول اکبری، نور الایضاح بھی پڑھیں۔ دوسرے اساتذہ مولانا مظہر علی اور قمر الدین صاحب تھے۔

سندھ مدرسۃ الاسلام:

سرائے روڈ پر سندھ مدرسۃ الاسلام سیکنڈری اسکول میں بطور ان ٹرینڈ ٹیچر تقرر ہوا۔ ۵۲ء تا ۱۹۵۶ء کام کیا۔ زایدہ عرصہ عربی اور دینیات پڑھائی۔ اس کے علاوہ اردو، انگریزی، جغرافیہ وغیرہ بھی۔ اس عرصہ میں سندھ مدرسہ کی جامع مسجد میں امامت و خطابت کی وجہ سے مکان ملا اور وہاں قیام کیا۔ پھر سندھ مدرسہ کی ملازمت ختم ہونے کے بعد مکان بھی خالی کر دیا اور واپس پاک کالونی میں آ گئے۔

تولد دختر:

۱۵ محرم ۱۳۷۴ھ (۱۴ ستمبر ۱۹۵۴ء) کو سو لجر بازار کے میٹرنٹی ہوم مستشفى ولادت) میں بیچی کی ولادت ہوئی۔ جس کا نام حضرت والاکا تحریر فرمودہ ”رشیدہ بیگم“ رکھا گیا۔

اردو کالج میں بطور ٹیچر:

درمیان سال ۵۶ء میں چند روز کی تعطیلات کے بعد سے شعبہ عربی و اسلامیات میں بطور ٹیچر تقرر ہوا۔ اگلے سال رات کی کلاسیں بھی تھیں۔ دوسرے سال کے اختتام پر ملازمت ختم ہو گئی (۵۶ء تا ۵۸ء)۔

دارالعلوم کورنگی:

اردو کالج میں ملازمت کے دوران پاک کالونی سے منتقل ہو کر تقریباً دو ماہ دارالعلوم کورنگی کے مکان میں رہائش اختیار کی۔ بالآخر واپس پاک کالونی آ گئے۔

حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی:

نے دارالعلوم الاسلامیہ ٹنڈوالہار میں ایسٹ افریقی طلباء کو بواسطہ انگریزی تعلیم عربی کیلئے پیشکش کی۔ اور ساتھ ساتھ اپنی تعلیم حاصل کرنے کے لئے بھی موقع دیا۔ جس کو فوراً ہی منظور کر لیا۔ انہوں نے فوراً حضرت والاکو فون کر کے احقر سے بھی بات کرادی۔ حضرت والاکو نے اس کو پسند فرمایا۔ چنانچہ ۵۸ء کے رمضان شریف میں ٹنڈوالہار منتقل ہونے کی تیاری

شروع ہوگئی۔

دارالعلوم الاسلامیہ ٹنڈوالہار:

شوال (۱۹۵۸ء) میں افریقی طلبہ کے ساتھ ٹنڈوالہار کا سفر کر کے دارالعلوم میں قیام کیا۔ اور اہل و عیال کے ساتھ قیام کے لئے کراہیہ پر مکان لینے کے لئے کوشش کی۔

منتقلی مع اہل و عیال:

بقرعید کی تعطیلات میں جا کر سب سامان اور اہل و عیال کے ساتھ ٹنڈوالہار کا سفر کر کے ایک کچے مکان واقع شیدی پاڑا میں چندے قیام کیا۔ پھر ایک پختہ مکان حاجی خیسابلڈنگ میں مل گیا۔ اسی عمارت میں ہمارے پڑوسی حافظ اشفاق صاحب تھے جو دارالعلوم میں قرآن شریف پڑھاتے تھے اور ان کے داماد حافظ مکرم صاحب قریب کی مسجد کے کمرے میں قرآن پڑھاتے تھے۔ اس مسجد کے امام حافظ اشفاق صاحب ہی تھے۔ استاذی حضرت مولانا حافظ محمد مالک صاحب کا مکان بھی دور نہیں تھا، اور وہ بھی کبھی کبھی اس مسجد میں نماز پڑھاتے تھے۔ حافظ اشفاق صاحب مرحوم ہی کے مکان پر عزیزہ رشیدہ نے قرآن پاک حفظ کیا۔ والحمد للہ۔

سندھ مسلم آرٹس کالج:

ٹنڈوالہار میں ایک سال کالج میں بطور ٹیکچر کام کیا۔ کالج میں رات کو تعلیم ہوتی تھی۔

کراچی میں اور دارالعلوم الاسلامیہ ٹنڈوالہار میں تحصیل علم:

دارالعلوم میں چھ گھنٹے تعلیم ہوتی تھی۔ اس میں سے عموماً چار گھنٹے تدریس کے اور عموماً دو گھنٹے میری اپنی تعلیم کے ہوتے تھے۔ ٹنڈوالہار آنے سے قبل کراچی میں جب سندھ مدرسہ میں تھا تو حضرت مفتی ولی حسن صاحب کے درس جلالین میں بیٹھنے لگا تھا۔ اور حضرت مولانا فضل محمد سواتی مدظلہ کے درس دیوانِ حستی میں بھی کچھ دن بیٹھا۔ پھر ناظم دارالعلوم اور حضرت مفتی صاحب کے داماد مولانا نور محمد صاحب اکیابی مرحوم کے مشورہ سے حضرت مولانا عبدالحق صاحب (سابقاً مولانا زیارت گل صاحب) سواتی مدظلہ سے نور الانوار پڑھنی شروع کی۔ حضرت مولانا قاری محمد اخلق صاحب مدظلہ (حال امام و خطیب جامع مسجد معمور کمرشل ایریا، پی۔ ای۔ سی۔ ایچ سوسائٹی کراچی) جو اس وقت سٹی پوسٹ آفس کی مسجد میں امام تھے ان سے اول چھ پارے قرآن شریف کا ترجمہ پڑھا۔ پھر حضرت مولانا مفتی صابر علی صاحب امرہوی (خلیفہ حضرت تھانویؒ) و نائب مفتی دارالعلوم کراچی) باقی قرآن شریف کا ترجمہ قدوری وغیرہ پڑھی۔ اور نور الانوار کا بھی کچھ حصہ پڑھا۔ اور سراجی بھی ان سے پڑھی۔ ان کو فرانس سے زیادہ مناسبت تھی۔ یہ اس زمانہ کی بات ہے جب دارالعلوم کراچی ٹانک واڑہ میں تھا۔ پھر ٹنڈوالہار آ کر حضرت مولانا جمشید صاحب مدظلہ سے خارج میں نور الانوار پوری کی، زوال الطالین پڑھی اور اس میں ترکیب نحوی کی مشق کی۔ دارالعلوم کے اوقات میں مولانا قاضی عبدالسلام صاحب سے ہدایہ جلد اول کتاب الطہارت تک پڑھی۔ پھر وہ

بقرعید کی تعطیلات کے بعد واپس تشریف نہیں لائے۔ وہ غالباً سوات کی طرف ریاست دیر کے تھے۔ ہدایہ اول باقی پوری کتاب حضرت علامہ مولانا ظفر احمد صاحب عثمانیؒ سے پڑھی۔ حضرت مولانا عثمانیؒ کے درس تفسیر بیضاوی شریف اور مثنوی مولانا رومؒ کے درس میں بیٹھا ہوں۔ اور دورہ حدیث شریف کی کتب صحیح بخاری شریف و مسلم شریف بھی پڑھی ہیں۔ علاوہ بریں شامل ترمذی شریف، نعبۃ الفکر، حجة اللہ الباقیہ اور مقدمہ اعلاء السنن بھی مولانا عثمانیؒ سے پڑھیں۔ حضرت مولانا محمد مالک صاحب کاندھلویؒ سے مشکوٰۃ شریف اور ترمذی شریف پڑھیں۔ نسائی شریف، ابن ماجہ اور ابوداؤد شریف حضرت مولانا محمد وجیہ صاحب مدظلہ سے پڑھیں۔ اور حدیث مسلسل کی اجازت بھی حضرت مدظلہ ہی سے ملی۔ موطا امام مالکؒ و موطا امام محمدؒ شاید حضرت مالانا عثمانیؒ سے پڑھیں اور طحاوی شریف بھی انہیں سے پڑھی۔

مخدی استاذی حضرت مولانا محمد وجیہ صاحب مدظلہ العالی کے درس سے احقر کو سب سے زیادہ مناسبت ہوئی۔ اور خصوصاً حضرت مدظلہ کا اور حضرت مولانا عثمانیؒ کا درس بہت مفید ہوتا تھا۔

ہدایہ جلد ثانی غالباً حضرت مولانا جمشید صاحب مدظلہ سے ثالث اور رابع میں سے ایک حضرت مولانا حضرت محبوب الہی صاحبؒ سے دوسرا حضرت مولانا محمد وجیہ صاحب مدظلہ سے پڑھیں۔ مختصر معانی اور شامی بھی حجرت مولانا محبوب الہی صاحبؒ سے پڑھیں۔ ہدیہ سعید یہ حضرت مولانا جمشید صاحب سے خارج میں پڑھا۔ غرضیکہ حضرت مولانا جمشید علی صاحب مدظلہ سے خارج میں زیادہ سے زیادہ استفادہ ہوا اور کئی کتب پڑھیں۔ حضرت مولانا جمشید صاحبؒ کے میزبانی کے درس میں بھی بیٹھا ہوں۔ اور شرح عقائد للنسفیؒ ”عذاب القبر“ سے ان سے پڑھی۔ (اس کے بعد رمضان شریف میں خیر المدارس ملتان میں استاذی حضرت مولانا مفتی عبدالستار صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے شرح عقائد شروع سے عذاب القبر تک پڑھی) استاذی حضرت مولانا مفتی محمد اسحاق صاحب سے رمضان میں خیر المدارس میں مناظرہ کی کتاب رشیدیہ پڑھی۔ اس میں حضرت مولانا حافظ منظور احمد صاحب مدظلہ احقر کے ہم درس تھے۔ رمضان شریف کی تعطیلات میں ملتان خیر المدارس میں خارج میں حضرت والا سے، حضرت مولانا علامہ محمد شریف کشمیریؒ سے حضرت مولانا عتیق الرحمن صاحبؒ وغیرہم حضرات استاذہ سے جو کتب پڑھیں ان میں سے اکثر کا تذکرہ قدرے تفصیل کے ساتھ باب ششم تعلیم و تدریس میں اور بعض دوسری جگہ آچکا ہے۔

دورہ حدیث شریف کی کتابیں ایک ایک دو دو کر کے دو تین سال میں ختم کیں۔ جو ۱۹۶۳ء میں پوری ہو گئیں تھیں۔ اور ۱۹۶۴ء میں سند الفراغ بھی دارالعلوم سے مل گئی۔ اس کے علاوہ حضرت مولانا عثمانیؒ نے اپنی خاص سند عطا فرمائی۔ حضرت مولانا محمد وجیہ صاحب مدظلہ العالی نے اپنی خاص سند حدیث مسلسل کی عطا فرمائی، اور حضرت مولانا محمد مالک صاحب کاندھلویؒ نے بھی اپنی خاص سند عطا فرمائی۔ فجزاہم اللہ تعالیٰ خیر الجزاء۔

احقر نے دارالعلوم الاسلامیہ میں بارہ تعلیمی سال شوال ۱۳۷۷ھ (اپریل ۱۹۵۸ء) تا شعبان ۱۳۸۹ھ (نومبر ۱۹۶۹ء)

تدریس عربی و اسلامیات میں گزارے۔ جس میں سے تقریباً ۶۳ء میں دورہ حدیث شریف ختم کرنے تک اپنی تعلیم میں بھی مشغول رہی۔ والحمد للہ۔

دارالعلوم الاسلامیہ میں تدریس، ایسٹ افریقی و دیگر طلباء :

پہلے چند طلباء کینیا کے اور شاید ٹانگانیکا کے تھے، جن کو بذریعہ انگریزی دینیات کی تعلیم شروع کی۔ دوسرے سال جب استاذی حضرت مولانا محمد مالک صاحب "ناظم بنے تو انہوں نے مخدومی حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کی سیرت خاتم الانبیاء اور حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی کی کتاب عقائد الاسلام انگریزی میں ترجمہ کر کے افریقی طلباء کو لکھوانے کی ہدایت فرمائی، جس پر عمل کیا گیا۔ نیز تاج کہنی سے عبدالماجد صاحب دریا آبادی مرحوم کے انگریزی ترجمہ قرآن مجید کے نسخے منگوائے اور قرآن مجید کا انگریزی ترجمہ بھی پڑھانا شروع کیا۔ پھر ایک گروپ یوگنڈا کے طلباء کا آیا۔ یہ انگریزی بہت کم سمجھتے تھے۔ لیکن کچھ عربی پڑھے ہوئے تھے۔ ان کی تعلیم کے لئے عربی ہی زریعہ تعلیم بنی۔ ان کو رسالہ زاد الطالبین مؤلفہ مولانا عاشق الہی صاحب برنی پڑھایا اور حفظ کرایا۔ زیادہ تر اس میں آسان اور مختصر احادیث ہیں۔ ترجمہ قرآن مجید میں سورہ فاتحہ کی تفسیر حضرت مولانا ادریس صاحب کاندھلوی کی تفسیر معارف القرآن سے عربی میں ترجمہ اطلاق کرایا۔ اور عربی سے عربی میں ترجمہ قرآن مجید مع مختصر شرح تفسیر جلالین کو سامنے رکھ کر پڑھایا۔ ہدایہ جلد اول بھی ختم کرائی۔ ان طلباء میں حسین، رجب، سلیمان اور مرشدی یاد ہیں۔ ان کے علاوہ ایک منتہی طالب علم عبدالرزاق تھے، جو اچھی طرح عربی بول لیتے تھے۔ ان کے شاید ایک یا دو ساتھی اور تھے۔ انہوں نے تفسیر جلالین وغیرہ بعض کتب بزریعہ عربی غالباً حضرت مولانا محبوب الہی صاحب سے پڑھیں۔ پھر شیخ عبدالرزاق بخاری شریف میں میرے ہم سبق ہوئے۔ اور کچھ دن مجھ سے خیرۃ المسلمین پڑھی۔ ان کا مقصد اردو سیکھنا تھا۔ وہ یوگنڈا جا کر جامع مسجد میں خطبہ دیتے، تقریر کرتے، اور اس وقت یوگنڈا کے صدر عبدی امین ان کی تقریر سنتے اور متاثر ہوتے تھے۔ عبدی کے نبی عہد حکومت میں شیخ عبدالرزاق یوگنڈا کے چیف قاضی بھی رہے۔ افریقی طلباء کے جانے کے بعد دیگر اردو دان طلباء کو بھی تعلیم دی۔ چند بار نورالایضاح پڑھائی۔ ایک ایک سال قدوری، علم الصیفہ، شرح وقایہ، ہدایۃ النحو اور فصول اکبری بھی پڑھائیں۔ اور سات آٹھ سال نیمیہ العرب پڑھائی۔ اور ایک ایک سال مقامات حریری، تاریخ الخلفاء بھی پڑھائیں۔ یوگنڈا کے طلباء نے کچھ عرصہ اردو زبان بھی پڑھی۔ احقر کے تلامذہ میں سے ایک مولوی عمر محمد صاحب جنہوں نے مجھ سے فصول اکبری پڑھی تھی، دارالعلوم ہی میں کچھ عرصہ مدرس رہے۔ اور پھر مکہ مکرمہ مسجد الحرام میں ملے۔ پہلے وہ حرم شریف میں (مراقب نفاذتہ) تھے۔ پھر دلہ کہنی میں (اوراب بن لادن میں) کہنی کے رہائشی مکانات کی مسجد میں امامت اور درس قرآن وغیرہ کے لئے مقرر ہیں۔

سندھ مسلم آرٹس کالج ٹنڈوالہار:

تقریباً ۱۹۶۱ء سے اس کالج میں بطور لیکچرار عربی وغیرہ تقریباً ایک سال کام کیا۔

رہائش:

اس کے بعد خیرسا بلڈنگ کے مکان سے منتقل ہو کر دارالعلوم کے مکان میں رہائش کے لئے حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانیؒ نے بلا لیا۔ اور ان کے مکان کے متصل جس مکان میں استاذی حضرت مولانا محبوب الہی صاحبؒ کی رہائش تھی اس میں رہائش ہوئی۔ پھر ۶۶ء میں پہلے حج کے بعد مہتمم صاحب کے حکم سے یہ مکان خالی کرنا پڑا۔ اور کچھ دن اس کے متصل کچے مکان میں رہنے کے بعد پھر شہر میں رہائش رہی۔ ڈاکٹر عبدالجبار صاحب مرحوم نے اپنے مکان کے ایک طرف ایک کمرہ رہائش کے لئے دیا۔ (اللہم اغفر لہ) پھر حاجی پاڑہ میں عبدالکریم صاحب کا مکان کرایہ پر لیا۔ پھر اس کے سامنے ایک نیم پختہ سا مکان کرایہ پر ملا۔ پھر ایک اور اچھا مکان وکیل صاحب کا کرایہ پر مل گیا۔ ٹنڈوالہار میں سب سے اخیر میں اس مکان میں رہائش رہی۔ پھر نومبر ۱۹۶۹ء میں کراچی منتقل ہونے پر ڈیفنس سوسائٹی کی جامع مسجد، مسجد طوبی کے امام، خطیب اور منتظم ہونے کی حیثیت سے مسجد کے احاطہ میں بہت عمدہ اور وسیع مکان ملا۔ پھر وہاں سے سکونت ترک ہونے پر پاکستان (کراچی) میں اخیر تک پاک کالونی کے مکان میں رہائش رہی۔

مسجد طوبی۔ ڈیفنس سوسائٹی کی جامع مسجد میں امام، خطیب اور منتظم:

اس پوری مسجد کی چھت ایک بڑا گنبد ہے۔ جس کے نیچے تقریباً ۴-۵ ہزار آدمی بیک وقت نماز پڑھ سکتے ہیں۔ نومبر ۶۹ء تا فروری ۷۰ء وہاں ملازمت کی۔

مدرسہ عربیہ اسلامیہ نیوٹاؤن:

اسی دوران حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مدرسہ عربیہ اسلامیہ نیوٹاؤن (حال جامعہ دارالعلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن) میں انگریزی و حساب کی تعلیم کے لئے بلوایا۔ ان کی طرف سے استاذی حضرت مولانا مفتی ولی حسن صاحبؒ اور ایک اور عالم غالباً حضرت مولانا عبدالمنان صاحب دہلویؒ (شاعر نعت نبی ﷺ) نے خود تشریف لا کر احقر کو شرف ملاقات بخشا۔ چنانچہ دو سال اس مدرسہ میں کام کیا۔ دوسرے سال ایک سبق ترجمہ قرآن مجید کا بھی مل گیا تھا۔ وہ اس وقت درجہ تخصص فقہ میں تھے یا فارغ ہو چکے تھے۔ دو سال کے بعد یہ شعبہ تعلیم حساب و انگریزی کا ختم کر دیا گیا۔ اور احقر وہاں سے فارغ ہو گیا۔ اور کچھ عرصہ فارغ رہا۔

دارالتصنیف لمیٹڈ کراچی اور پندرہ روزہ ”یقین“ انٹرنیشنل:

یہاں زیادہ تر دو کام کئے۔ قرآن مجید کا انگریزی ترجمہ۔ یہ کام بہت تحقیق سے شروع ہوا۔ لیکن پھر بند ہو گیا۔ اور انگریزی پندرہ روزہ ”یقین“ کی ایڈیٹری کا کام کیا۔ پریس کے مینیجر اظہار احمد صاحب تھے۔ اور صدیقی صاحب بھی ترجمہ قرآن مجید کے کام میں شریک تھے۔ مولوی طفیل صاحب مرحوم اس ادارہ کے سربراہ تھے۔ ادارہ کا پریس شاہراہ لیاقت پر سیکرٹریٹ کے قریب تھا۔ اور ہیڈ آفس مجاہد آباد (شیر شاہ سے آگے گڈانی کے راستے میں بلوچستان جانے والی شاہراہ پر) تھا۔

۱۹۷۲-۷۳ء سے واپس آنے پر ایک ماہ کانٹنس مل کر یہ ملازمت ختم ہوگئی۔ پھر کچھ عرصہ فارغ رہا (۱۵ دسمبر ۱۹۷۱ء تا ۳۱ مئی ۱۹۷۳ء)۔
پاکستان سے حج:

پہلا حج ۱۳۸۵ھ (۳۰/ اپریل ۱۹۶۶ء) کو کیا۔ اوصاف بھائی کے ذریعہ حاجیوں کے ویلفیئر آفیسر کی حیثیت سے ”سفینہ عرب“ پر ملازمت ملی۔ جو کراچی سے چائنگام گیا۔ وہاں مشرقی پاکستان کے حاجیوں کو لے کر جہاز کولمبورا، جہاں سے حاجی لئے، عدن بھی ٹھہرا۔ واپسی میں بھی چائنگام جا کر کراچی واپسی ہوئی۔ چائنگام کے علاوہ پہاڑی علاقہ رانگامتی بھی دیکھا۔ اور کولمبورا اور عدن بھی دیکھا۔ اس سفر میں چھوٹی ہمشیرہ روشن آپالندن سے جدہ آگئی تھیں۔ وہاں سے حج اور دوبارہ زیارت مدینہ منورہ میں ان کا ساتھ رہا۔ دوسرا حج ۱۳۸۸ھ (۱۹۶۹ء) میں کیا۔ دونوں بڑی ہمشیرگان ساتھ تھیں۔ چھوٹی ہمشیرہ اس حج میں بھی مکہ مکرمہ ملیں جو پہلے پہنچ چکی تھیں۔ تیسرا حج ۱۳۹۱ھ (۱۹۷۲ء) میں کیا۔ مدینہ منورہ میں حج سے قبل جناب حاجی ڈاکٹر عبدالجید صاحب سے ملاقات ہوگئی تھی، جن کے ساتھ کئی رفقاء سفر تھے۔ جن میں جناب سید غلام اولیس صاحب مدظلہ، حاجی فضل الرحمن خان صاحب مرحوم اور حاجی مظہر قیوم صاحب مرحوم بھی تھے۔ حج کے بعد سعودی عرب میں ملازمت کی سعی کی اور مکہ مکرمہ سے جدہ کے تقریباً دس چکر لگائے۔

حضرت حاجی انوار الہی صاحب سے تعلق:

بعض لوگ اس دنیا سے چلے جاتے ہیں لیکن اپنی خوشگوار یادیں ہمیشہ کے لئے چھوڑ جاتے ہیں۔ ان ہی لوگوں میں سے ایک ہمارے عزیز حضرت حاجی انوار الہی رحمۃ اللہ علیہ بھی ہیں۔ جن سے پہلے کبھی کوئی تعلق نہیں تھا۔ لیکن احقر کے شیخ و مربی حضرت مولانا خیر محمد جالندھری نور اللہ مرقدہ کے تعلق کی نسبت سے حضرت حاجی صاحب سے تعلقات استوار ہو گئے۔ حضرت حاجی انوار الہی صاحب کو حضرت والّا سے بے پناہ عشق و محبت اور عقیدت تھی۔ حضرت حاجی صاحب فرماتے تھے کہ حضرت والّا سے میرا وہاں تعلق اس حد تک تھا کہ جب حضرت کھانتے بھی تھے تو مجھ پر ایک عجیب وجد کی کیفیت طاری ہو جاتی تھی۔ حضرت حاجی صاحب کی ہمیشہ یہ خواہش ہوتی تھی کہ حضرت والّا کا دیدار کرتا رہوں اور حضرت کو میری آمد کا علم بھی نہ ہو۔ حضرت والّا سے حاجی صاحب کی محبت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ وہ جب بھی کوئی کاروبار شروع کرتے تو اس میں ”خیر“ کا نام ضرور لاتے تھے۔ احقر نے جب ان کے کاروبار کے لئے ”خیر تجارت“ کا نام تجویز کیا تو انہوں نے بہت پسند فرمایا۔ اسی طرح اپنی ایک دوسری کمپنی کا نام ”خیر انٹرپرائزز“ رکھا۔

احقر کو کئی مرتبہ حضرت حاجی انوار الہی صاحب کے ساتھ خیر المدارس کی جامع مسجد میں اعتکاف کرنے کا موقع ملا۔ وہ بھی خصوصاً رمضان کا زیادہ تر وقت خیر المدارس میں حضرت والّا کی خدمت میں گزارتے تھے اور اعتکاف فرماتے تھے۔ وہ اکثر معتکف حضرات کی دعوت کی سعادت حاصل کرتے تھے۔ ان کی ہمیشہ یہ خواہش ہوتی تھی کہ معتکف حضرات کی زیادہ سے زیادہ ضیافت کا خاص اہتمام کیا جائے۔ احقر کا حاجی انوار الہی صاحب سے پہلا رابطہ حضرت والّا کے توسط سے

جامعہ خیر المدارس میں ہی ہوا۔

شادی عزیزہ حافظہ رشیدہ سلمہا:

حضرت حاجی انوار الہی صاحبؒ نے مجھ سے اس بات کی خواہش کا اظہار کیا کہ کیوں نہ ہمارا دینی محبت کا تعلق رشتہ داری میں تبدیل کر دیا جائے۔ چنانچہ کافی عرصہ تک بات چیت چلتی رہی۔ آخر احقر کی اکلوتی بیٹی عزیزہ حافظہ رشیدہ سلمہا کا نکاح حاجی صاحب مرحوم کے صاحبزادے عزیز حاجی ذیشان الہی سلمہ سے ہو گیا۔ اس طرح حضرت حاجی صاحبؒ سے محبت کا رشتہ مزید بڑھا۔

نوٹ: حاجی انوار الہی صاحبؒ 26 ستمبر 1998ء کو اللہ کو پیارے ہو گئے۔ حاجی صاحبؒ کی اہلیہ محترمہ اُن کی وفات سے گیارہ دن قبل 15 ستمبر 1998ء کو رحلت فرما گئیں۔ اللھم اغفر لھم مغفرة ظاهرة و باطنة و ادخلھم مدخل صدق و جنة. چونکہ میری نرینہ اولاد نہیں ہے۔ اس لئے میری نسل میری بیٹی حافظہ رشیدہ بیگم سلمہا سے چلی ہے۔ اس وقت الحمد للہ میرے چار نواسے (محمد سلمان، محمد حسان، محمد صادق، محمد رضوان) اور دونوں اسیاں حمیرا خاتون اور سمیرا خاتون ہیں۔ حمیرا خاتون کی شادی ڈاکٹر محمد طارق سے 23 جون 2000ء بروز جمعہ المبارک کو ہوئی۔ وہ اس وقت یو. کے (U.K) میں مقیم ہے۔

انجمن اشاعت قرآن عظیم:

یکم ستمبر ۱۹۷۳ء سے بطور مترجم ملازمت مل گئی۔ کوریا کے نو مسلم طلباء کو تعلیم کا کام بھی تھا۔ ۱۲ دسمبر ۱۹۷۳ء تک یہاں کام کیا، پھر سعودی عرب جانے کے لئے سعی کرنے میں دلچسپی بڑھ گئی۔ اور یہاں کی ملازمت سے فارغ ہو گیا۔
سفارت خانہ پاکستان جدہ:

یہاں ملازمت کے لئے روشن آپا نے کوشش کی۔ چنانچہ بطور مترجم ملازمت کیلئے درخواست بھیجی۔ جس کے جواب میں ملازمت کی پیشکش اس شرط پر ہوئی کہ مراسلہ کی تاریخ سے تیس یوم کے اندر حاضر ہونا ہوگا، ورنہ یہ پیشکش کالعدم ہوگی۔
سعودی عرب کا ویزا:

چنانچہ وزارت خارجہ پاکستان (کراچی) سے سعودی قونصلیٹ کے نام مراسلہ لے جا کر ویزا کے لئے سعی کی۔ روشن آپا نے بہت بھاگ دوڑ کی۔ بہت طویل کارروائی کے بعد بالآخر ویزا مل گیا۔

جدہ:

بالآخر آخری تاریخ ۲۴ اگست ۱۹۷۵ء کی صبح تک جدہ پہنچ گیا۔ ریٹائرڈ ایڈمرل لودھی صاحب کے گھر روشن آپا کے حوالہ سے ٹھہرا، اور دو تین روز میں فندق الوفار (جو پہلے ہوٹل تھا اس) کے ایک حصہ میں شرکت میں مکان کرایہ پر مل گیا۔ ۲۳ اگست ہی کو سفارتخانہ گیا لیکن اس روز آرام کرنے کو کہا گیا، اس لئے دوسرے روز ۲۵ اگست سے شعبہ عربی ترجمہ میں کام کرنا شروع کر دیا۔

رہائش:

تقریباً تین ماہ بعد اہلیہ کے پاکستان سے آئے پر فندق الوفار کے مکان سے منتقل ہو کر کیلو ۶ طریق مکہ کے ایک نیم پختہ مکان میں رہنا شروع کیا۔ تقریباً دو سال کے بعد کیلو ۶ ہی پر دوسرا مکان مل گیا۔
عزیزہ حافظہ رشیدہ و عزیزہ ذیشان سلمہما اور ہمشیرگان کے ساتھ حج:

۱۹۷۶ء میں تینوں ہمشیرگان اور رشیدہ و ذیشان مع دو گود کے بچوں کے حج کو آئے۔ اور عزیز سلمان سلمہ جو گود میں تھا۔ اس وقت سے حاجی کہلانے لگا۔ کیونکہ گود کے بچے کو احرام میں دیکھ کر بعض حاجیوں کے بچوں نے اس کو حاجی حاجی کہنا شروع کر دیا تھا۔

دوماہ کی رخصت میں سفر پاکستان، نکاح اور اہلیہ ثانیہ:

آخر ۷۷ء میں سفارت خانہ سے دو ماہ کی رخصت لی۔ اور کراچی سے ملتان جا کر لاہور اور سرگودھا کا سفر بھی کیا۔ ملتان واپسی پر حضرت مفتی عبداللہ صاحب کے برادر خورد مولوی عبدالکریم صاحب مرحوم کی بیوہ، محترمی شیخ احسان الہی صاحب مرحوم کی چھوٹی بیٹی سے سفر ۱۳۹۸ھ (جنوری ۱۹۷۸ء) کو نکاح ہوا۔ خطبہ نکاح حضرت مفتی عبداللہ صاحب نے پڑھا۔ اور ایجاب و قبول غالباً حضرت ڈاکٹر حاجی عبدالجید صاحب نے کرایا تھا۔
ختم ملازمت سفارت خانہ:

نئے سفیر شہاب الثاقب صاحب نے مصر سے اپنے سابق مترجم کو بلا لیا، اور احقر کی ملازمت اواخر فروری ۱۹۸۰ء سے ختم ہو گئی۔
تحلیۃ المیاء میں ملازمت:

تحلیۃ المیاء ایک سرکاری کارپوریشن ہے۔ جس کے ذمہ سعودی عرب کے مشرقی و مغربی ساحلوں پر پلانٹ لگا کر سمندر کے پانی کو پینے کے قابل بنانا ہے۔ جدہ میں جو اس کے محلات (پلانٹس) ہیں، ان کے مدیر عام شیخ عبدالعزیز نصیف کو بطور مترجم ملازمت کے لئے درخواست دی۔ مگر مری حافظ سلیمان لالہ صاحب ساتھ لے گئے تھے اور مدیر عام سے طوایا تھا۔ محمد بغدادی صاحب جو اس وقت مدیر تشغیل تھے انہوں نے عربی ترجمہ کا امتحان لیا اور پاس کر دیا۔ غرضیکہ تقرر ہونا طے ہو گیا، لیکن سفارت خانہ کے اقامہ پر نقل کفالت نہ ہو سکی۔ اور پاکستان جا کر تحلیۃ کا ویزا لانا پڑا۔ اسلام آباد سے ویزا مل گیا، اور ۱۰ جمادی الثانیہ ۱۴۰۰ھ (۲۵ اپریل ۱۹۸۰ء) سے تحلیۃ کی سرکاری سعودی ملازمت شروع ہو گئی۔

ریاض کو تبادلہ:

اپریل ۸۰ء تا ۸۵ء جدہ میں کام کیا۔ پھر ہیڈ آفس ریاض کا تبادلہ ہو گیا۔

نوٹس: ترجمہ کا کام کم ہونے اور مشتریات کا کام بڑھنے کی وجہ سے مشتریات کا کام بھی کرنے لگا، بلکہ مدیر اہتموین (سپلائی منیجر) اسامہ باصرین نے اپنے محکمہ میں داخلی طور پر رئیس مشتریات خارجہ بھی بنا دیا۔ لیکن رفتہ رفتہ ملازمین کو نوٹس ملتے

رہے۔ آدمی کم ہوتے اور کام بڑھتا گیا۔ مجھے بھی ساٹھ سال کی عمر ہونے پر نوٹس مل گیا۔

حافظ طیب صاحب کا مشورہ اور نوٹس کی منسوخی :

مولانا سید آفتاب احمد صاحب مدظلہ (ابن حضرت مولانا سید بدر عالم صاحب) کے داماد حافظ طیب صاحب نے مشورہ دیا کہ ریاض جا کر ڈپٹی گورنر حسین صاحب سے ملوں۔ چنانچہ ریاض گیا۔ سید خالد عمر صاحب نے ان سے طوایا۔ گفتگو ہوئی۔ ڈپٹی گورنر صاحب نے نوٹس منسوخ کر دیا۔ لیکن ریاض کا تبادلہ حتمی فیصلہ تھا۔ چنانچہ مرکز ریسی ریاض میں تبادلہ کے بعد تین سال تحلیۃ المیاء میں ملازمت کی۔ آخر کار کافی کوششوں کے بعد حکومت کی ملازمت سے پرائیویٹ ملازمت کے لئے تحلیۃ المیاء سے عزیزم فضیلۃ الشیخ مولوی عبدالوحید صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ مالک مطابع الرشید مدینہ منورہ کے نام نقل کفالت ہو گئی۔

رہائش مدینہ منورہ :

۲۳ شعبان ۱۴۰۸ھ سے ۱۴ صفر ۱۴۱۱ھ تک رہائش محترم عبدالرحمن عباسی صاحب مرحوم (ابن حضرت مولانا عبدالغفور صاحب عباسی) کے ورثہ کی عمارت (واقع میدان الاجابہ، نزد مسجد اجلیہ) میں دورا رضی (مخلی منزل) پر رہی۔ اس کے بعد وسط صفر ۱۴۱۱ھ سے موجودہ مکان میں آگئے، جو شارع مطار محطة البرج کے پاس مسجد زنجبیلی سے قریب عمارت کی دوسری منزل پر ایک شقتہ (فلٹ) ہے۔ ابھی تک اسی میں قیام ہے اور آخر سال (۱۴۱۷ھ) تک کرایہ دیا جا چکا ہے۔

مدینہ منورہ آنے کے کچھ مدت بعد مطابع الرشید میں بطور مترجم کام کرنا بھی شروع کر دیا، والحمد للہ۔

عزیزہ حافظہ رشیدہ بیگم سلمہا اور عزیزہ حاجی ذیشان الہی سلمہ کا حج اور عمرہ و زیارت مع اولاد :

۱۹۷۶ء میں تاثیرہ زیارہ پر عزیزہ حافظہ رشیدہ و ذیشان مع دو بچوں عزیزہ حمیرا سلمہا اور حاجی سلمان سلمہ کے آئے۔ اور دونوں بڑی ہمشیرگان اور لندن سے چھوٹی ہمشیرہ بھی آئی تھیں۔ ان سب کے ساتھ احقر نے حج کیا۔ اس وقت میں جدہ میں تھا اور پاکستان سفارت خانہ میں ملازم تھا۔ اور مدینہ منورہ آنے کے بعد ۱۴۰۹ھ میں عزیزہ رشیدہ و عزیزہ ذیشان سلمہا مع چاروں بیٹوں اور دونوں بچیوں کے عمرہ و زیارت کے لئے آئے۔ اور ۱۴۱۱ھ میں محترم حاجی انوار الہی صاحب مدظلہ العالی مع اپنی بعض اولاد اور اولاد کی اولاد کے حج کے لئے تشریف لائے۔ ان کے ساتھ حاجی ذیشان الہی اور ان کے دو بچے عزیزان حمیرا و حاجی سلمان سلمہا اللہ بھی تھے۔

سلوک و تصوف :

امام السلوک شیخ المشائخ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر کی قدس سرہ کے نصاب کا پہلا جملہ یہ ہے ”اول مسائل ضروری و عقائد اہل سنت و الجماعت حاصل کرے۔“ اسی طرح خطبۃ المسلمین میں بھی روح اول اسلام و ایمان کے بیان میں ہے۔ اس کے بعد روح و دم تحصیل و تعلیم دین کے بارے میں ہے۔ معلوم ہوا کہ دینی ضروریات میں سب سے اول کام تصحیح

عقائد اور بقدر ضرورت طلب علم دین ہے۔

احقر کو اس کا کچھ تھوڑا سا حصہ اسکول کے زمانہ میں تعلیم الاسلام کے چاروں حصے پڑھنے سے حاصل ہو گیا تھا۔ بعد میں بہشتی زیور حصہ اول سے بقدر ضرورت عقائد معلوم ہوئے۔ حضرت تھانویؒ کے مواعظ سے بھی بہت کچھ اصلاح خیال و صحیح عقائد کا حصہ حاصل ہوا۔ پاکستان آنے کے بعد کراچی میں مارٹن روڈ کوارٹرز میں حضرت علامہ مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کا سیرت نبویؐ پر ایک وعظ سنا۔ اس سے فائدہ ہوا۔ حضرت مولانا سید مرتضیٰ حسن صاحب چاند پوریؒ سے سوالات پوچھا کرتا تھا۔ بریلویوں کے بعض رسائل دیکھنے سے جو الجھنیں پیدا ہو گئی تھیں ان کا تشفی بخش علاج اور شرح صدران کے جوابات سے ہو جاتا تھا۔ حضرت مولانا سید سلیمان ندویؒ، حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندیؒ، حضرت مولانا مفتی صابر علی صاحبؒ سے جو سوالات کرتا تھا، ان سے تشفی ہوتی اور عقائد بھی درست ہوتے تھے۔ حضرت والاؒ نے حضرت مولانا ادریس صاحب کاندھلویؒ کی کتب علم الکلام اور عقائد الاسلام کے مطالعہ کی ہدایت فرمائی ان میں عقائد کا بیان مع الدلائل خوب بسط کے ساتھ ہے۔

جب علی گڑھ یونیورسٹی میں پڑھتا تھا تو تصوف کا لفظ نظر سے گزر چکا تھا یا کان میں پڑ چکا تھا۔ بہر حال اس کو سمجھنے کی جستجو ہوئی۔ اس موضوع پر لائبریری سے کوئی کتاب لے کر بھی پڑھ ڈالی۔ نہ کتاب کا نام یاد رہا نہ اس کی کوئی بات یاد رہی۔ کچھ اس کا خلاصہ حاصل سمجھ میں بھی نہ آیا تھا۔ اسی زمانہ میں حضرت امام غزالیؒ کی کتاب سراج السالکین کے اردو ترجمہ کا مطالعہ کیا، اور مذاق العارفین ترجمہ احیاء علوم الدین کی دو جلدیں بھی پڑھیں۔ فی الجملہ ان سے دین کی طلب پیدا ہونا تو ضروری امر ہے، مگر تصوف کی حقیقت کے بارے میں باسانی اور واضح طور پر حضرت تھانویؒ کے مواعظ و ملفوظات اور بعض رسائل مثل قصد السبیل اور تعلیم الدین وغیرہ ہی سے پتہ چلا۔ اور تربیت السالک تو عملی اصلاح کے عجیب تشخیص امراض باطن و ان کے علاج کے نسخوں کے خزانوں سے بھر پور کتاب ہے۔

حضرت والاؒ سے اصلاحی مکاتیب ۱۳۷۱ھ میں شروع ہوئی۔ جیسا کہ بجواب عریضہ احقر حضرت والاؒ کے والا نامہ کی تاریخ ۱۳۷۳ھ سے معلوم ہوا۔ اور پہلے اور آخری عریضہ اور ان کے جواب میں ہدایت ناموں کا تذکرہ باب ۱۵ (ارشاد و افاضہ باطنی) میں آچکا ہے، پہلی اور آخری بار حضرت والاؒ کی زیارت کراچی میں ہوئی اور اس کا ذکر باب ۱۲ (اسفار) اور باب ۱۵ (ارشاد و افاضہ باطنی) میں گذر چکا ہے۔ اور پہلی بار ملتان حاضری کا ذکر بھی باب ۱۵ ہی میں آیا ہے۔ یہ حاضری سندھ مدرسہ اسکول میں ملازمت کے دوران تعطیلات موسم سرما (ربیع الثانی ۱۳۷۲ھ، دسمبر ۱۹۵۲ء) میں ہوئی۔ سندھ مدرسہ اور اردو کالج کی ملازمت کے دوران تعطیلات میں ملتان حاضری ہوتی رہی۔ پھر دارالعلوم ٹنڈوالہار نے پر رمضان شریف میں حاضری ہوتی رہی۔ سوائے ایک رمضان شریف کے جبکہ حضرت والاؒ خود حیدرآباد وغیرہ تشریف لائے تھے۔ ٹنڈوالہار کے سکونت کے دوران تقریباً دس سال ملتان حاضری ہوئی۔ اور ۶ شوال ۱۳۸۳ھ کو (جنوری ۱۹۶۳ء) (جبکہ خیر المدارس کی جامع مسجد کی محراب کی جانب والے مکان میں اہلیہ اولیٰ اور بچی کے ساتھ قیام تھا) حضرت والاؒ نے احقر کو اجازت بیعت و تلقین سے نوازا دیا۔

رمضان المبارک میں قیام خیر المدارس کے دوران استاذی المحترم حضرت مولانا محمد شریف صاحب جالندھری احقر سے مدرسہ کے امتحانات کے نتائج رجسٹر میں درج کرانے کا شرف عطا فرماتے تھے۔ ایک سال رمضان المبارک ۱۳۸۲ھ میں حضرت والآنے کتب خانہ مدرسہ کی فہرست کا نیار رجسٹر خادم سے لکھوانے کا شرف بخشا۔ اس سے اگلے سال غالباً رمضان ۱۳۸۳ھ میں شرح بخاری شریف (الخیر الساری یا خیر الباری علی شرح البخاری) حضرت والآنے تحریر فرماتا شروع کی اور خادم کو اس کے نقل کرنے کا شرف بخشا۔ یہ شرح نو قلمی جلدوں میں نقل ہوئی۔ (اس کا تعارف باب ۱۷ "تصنیف و تالیف" میں گزر چکا ہے)

اس کی نقل کے دوران دو باتیں پیش آئیں۔ ایک ان ایام میں سے بعض میں مسرت کی ایسی کیفیت محسوس ہوئی جس کی مثل زندگی میں یاد نہیں۔ (گو پہلی بار مولاجہ شریف کی حاضری اور مدینہ منورہ میں قیام کے لئے داخلہ کا وقت بھی زندگی میں بے مثل اوقات اور حاصل زندگی تھے) دوسرے اس مبارک تالیف کو نقل کرنے کے دوران قریب کی نظر قدرے کمزور ہو گئی (دور کی نظر کیلئے تو عینک پہلے سے استعمال میں تھی ہی) لیکن اس سے بجائے افسوس کے بہت مسرت ہوئی کہ الحمد للہ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے کہ ان آنکھوں کو حدیث رسول پاک ﷺ کی شرح نقل کرنے میں استعمال کرنا نصیب ہوا۔ زہے قسمت۔ والحمد للہ حمداً کثیراً طیباً مبارکاً فیہ ملء السفوات والارض۔

لقائے بزرگان:

جن بزرگان کی زیارت ہوئی، بغیر کسی خاص ترتیب کے ان کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔ ان کے علاوہ بھی بزرگوں کی

زیارت ہوئی ہوگی، جن سے زیادہ اعتقاد ہوا اور یاد آئے ان کے اسمائے گرامی لکھ دیئے ہیں۔ (۱۷)

(۱) حضرت مولانا محمد امین صاحب تلمیذ شیخ العالم حضرت مولانا محمود الحسن صاحب (شیخ الہند) قدس سرہ

(۲) حضرت مولانا سید مرتضیٰ صاحب چاند پوری

(۳) حضرت مولانا سید سلیمان ندوی

(۴) حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی

(۵) حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب

(۶) حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی

(۷) حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی

(۸) حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب امرتسری

(۹) حضرت مولانا احتشام الحق صاحب تھانوی

(۱۰) حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی

(۱۱) حضرت مولانا عبد الرحمن صاحب کیمل پوری

(۱۲) حضرت مولانا سید محمد یوسف صاحب بنوری

(۱۳) حضرت مولانا مفتی اشفاق الرحمن صاحب کاندھلوی

(۱۴) حضرت مولانا مفتی اشفاق الرحمن صاحب کاندھلوی

(۱۵) سیدی و مولائی و مرشدی حضرت مولانا خیر محمد صاحب جالندھری نور اللہ مرقدہ (صاحب سوانح ہذا)

(۱۶) سیدی و مولائی و مرشدی حضرت مولانا محمد مسیح اللہ خان صاحب شروانی نور اللہ مرقدہ

- (۱۷) حضرت علامہ مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی (۱۸) حضرت مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی (شیخ الحدیث)
- (۱۹) حضرت حافظ ریاض الحق صاحب کلیانوی (۲۰) حضرت مولانا احمد علی صاحب لاہوری
- (۲۱) حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کاندھلوی (امیر جماعت تبلیغ نظام الدین دہلی)
- (۲۲) حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری (۲۳) حضرت سائیں طور شاہ صاحب جالندھری
- (۲۴) حضرت مولانا مفتی فقیر اللہ صاحب (استاذ محترم حضرت والا)
- (۲۵) حضرت ڈاکٹر محمد عبدالحی صاحب (۲۶) حضرت مولانا فقیر محمد صاحب
- (۲۷) حضرت حاجی ماسٹر محمد شریف صاحب
- (۲۸) حضرت مولانا حبیب اللہ صاحب
- (سولہ بازار کراچی میں جناب بٹ صاحب کے مکان پر حضرت مفتی محمد حسن صاحب کی مجلس میں ایک بار زیارت ہونا یاد ہے)
- (۲۹) حضرت مولانا سید ابرار الحق صاحب دامت برکاتہم (۳۰) حضرت ڈاکٹر حفیظ اللہ صاحب دامت فیوضہم
- (۳۱) حضرت مولانا شاہ عبد الغنی صاحب پھولپوری (۳۲) حضرت مولانا شمس الحق صاحب افغانی
- (۳۳) حضرت مولانا جلیل احمد صاحب شیروانی علی گڑھی (۳۴) حضرت حاجی عثمان خان صاحب (الابقاء والے)
- (۳۵) حضرت مولانا محمود الغنی صاحب سہارنپوری (حیدرآباد دکن)
- (۳۶) حضرت مولانا عبد الباری صاحب ندوی
- (ایک بار دارالعلوم ٹنڈوالہار میں حضرت علامہ مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی کے ساتھ زیارت ہونا یاد ہے)
- (۳۷) حضرت مولانا قاری فتح محمد صاحب پانی پتی (۳۸) حضرت مولانا مفتی صابر علی صاحب امرہ ہوئی
- (۳۹) حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب (میاں چنوں) (۴۰) حضرت نجم احسن صاحب
- (۴۱) حضرت حافظ عرفان احمد صاحب سہارنپوری (۴۲) حضرت شیخ محمد حسن صاحب (انوار بک ڈپو)
- (۴۳) حضرت حاجی ظفر احمد صاحب تھانوی (انجینئر) (۴۴) حضرت قریشی شفیع محمد صاحب (پروفیسر عربی)
- (۴۵) حضرت مولانا دین محمد صاحب (مولف شریعت و طریقت، حیدرآباد سندھ میں حضرت والا کی خدمت میں ان کی زیارت ہونا یاد پڑتا ہے)
- (۴۶) حضرت مولانا مفتی عبد اللہ صاحب (ملتان) (خیر المدارس و قاسم العلوم وغیرہ کئی مدارس سے تعلق رہا، ملتان میں وفات ہوئی)
- (۴۷) حضرت مولانا عبد الغفور صاحب عباسی ہزاروی ثم مدنی (۴۸) حضرت پیر عبد المالک صاحب
- (۴۹) حضرت مولانا مفتی جمیل احمد تھانوی (۵۰) حضرت ڈاکٹر عبد المجید صاحب (ریواڑی والے)
- (۵۱) استاذی حضرت مولانا سید محبوب الہی صاحب (۵۲) استاذی حضرت مولانا محمد وجیہ صاحب مدظلہ العالی
- (۵۳) حضرت مولانا عبد العزیز صاحب رائے پوری
- (۵۴) حضرت مولانا اطہر علی صاحب (ضلع میمن سنگھ سابق مشرقی پاکستان) (۵۵) حضرت مولانا شبیر علی صاحب تھانوی

حضرت والّا کے طرز تربیت کی ایک خصوصیت

حضرت مولانا محمد عبداللہ صاحب رائے پورئی کے والّا نامہ سے اقتباس:

جیسا کہ باب ۱۱۵ ارشاد و افاضہ باطنی میں گذرا، حضرت والّا کے طرز تربیت کی ایک خصوصیت ظاہری استغناء اور زیر تربیت طالب پر اپنے خاص ولی تعلق کا اظہار نہ ہونے دینا تھا، تا کہ ناز کا وقت نہ آنے پائے۔ مثلاً احقر مولف اپنے کو حضرت والّا کے ادنیٰ غلاموں میں ہی شمار کرتا تھا۔ لیکن یہ معلوم کر کے حیرت ہوتی تھی کہ بعض حضرات احقر کو اپنے حسن ظن کی بناء پر حضرت والّا کے خاص لوگوں میں ہی شمار کرتے تھے۔ مثال کے طور پر حضرت مولانا محمد عبداللہ صاحب رائے پورئی (حضرت مولانا مفتی فقیر اللہ صاحب کے فرزند اور حضرت والّا کے خاص تلمیذ رشید) نے احقر کے ایک عریضہ کے جواب میں تحریر فرمایا: ”جناب والّا کو میں اچھی طرح جانتا پہچانتا ہوں۔ آپ حضرت مولانا قدس سرہ کے خاص لوگوں میں سے ہیں۔ ماشاء اللہ بہت خوشی ہوئی کہ آپ حضرت قدس سرہ کے سوانح مرتب فرما رہے ہیں۔ فجزاک اللہ احسن الجزاء۔“

بعض خواب:

خاص مبشرات کے علاوہ ہمارے بزرگوں کے نزدیک خواب کی کوئی خاص اہمیت نہیں۔ تاہم احقر مولف کو خواب میں حضرت والّا کی کبھی کبھی زیارت ہوتی رہی ہے۔ اور دو تین خواب ذکر کرنے کو جی چاہتا ہے۔ دو خواب تو حضرت والّا کے وصال کے بعد قریب ہی زمانہ میں دیکھے۔

(۱) (شروع رمضان المبارک ۱۳۹۰ھ) عصر سے پہلے ذرا آنکھ لگ گئی۔ خواب میں حضرت والّا کی زیارت ہوئی۔ دیکھا کہ میں حاضر ہوا اور ایک شخص اور حاضر ہوا۔ اس نے کچھ درخواست کی یا پرچہ دیا۔ حضرت والّا نے اوپر کو نظر فرمائی اور کچھ تمل سا پڑھنا شروع کیا۔ ان کلمات کے معانی سمجھ میں نہیں آئے۔ معلوم ہوا کہ جنات کا عمل پڑھ رہے ہیں۔ اور حضرت والّا کا چہرہ مبارک صحت سے بھرپور اور سرخ اور بہت جلال والا نظر آیا۔ اور پھر ایسا روشن ہوا کہ یاد پڑتا ہے نظر جمانا مشکل محسوس ہوتا تھا۔

(۲) (محرم ۱۳۹۱ھ) صبح کے وقت جاگنے کے بعد دوبارہ آنکھ لگ گئی تو حضرت والّا کی زیارت ہوئی۔ دیکھا کہ ایک طالب علم کو کوئی کتاب پڑھا رہے ہیں۔ وہ فارغ ہوا تو خادم قریب آنے کے لئے اٹھا۔ دیکھا کہ دوسرے طالب علم نے شروع کر دیا تو میں بیٹھ گیا۔ حضرت والّا نے ہاتھ کے اشارہ سے بلایا۔ احقر حاضر ہو کر بیٹھ گیا۔ پھر مصافحہ کے لئے ہاتھ اٹھائے۔ حضرت والّا نے مصافحہ تو نہیں فرمایا، بلکہ یہ فرمایا کہ لاؤ دو کیا دیتے ہو۔ تم تو دیا کرتے ہو۔ خادم اس پر سرور سا ہے اور ہنس رہا ہے۔ (اس سے خادم نے سمجھا کہ ایصالِ ثواب کرنا چاہئے۔ احقر کو ہر نماز کے بعد سورہ اخلاص تین بار پڑھ کر سب کو ایصالِ ثواب کرنے کی عادت تو ہے)۔ پھر فرمایا: تم (بہت) بیٹھے ہو۔ تم کتنے بیٹھے ہو! یہ سن کر خادم شرمندگی سے چپ رہا۔

گیا۔ (اس سے واللہ اعلم یہ سمجھ میں آتا ہے کہ ان حوصلہ افزائی کے کلمات پر شرمندہ ہو کر اپنی اصلاح کی طرف توجہ کرنا چاہئے) (۳) مدینہ منورہ قیام ہی کے زمانہ میں دو چار سال قبل خواب دیکھا کہ حضرت والا نے خادم کو بہت کم ہدیہ یعنی صرف پچیس روپے میں بیان القرآن کی دو جلدیں خوشنما سبزرنگ کی جلد والی عطا فرمائیں۔ اس کے بعد سے احقر کے خیال میں چند سال سے قرآن مجید پہلے کی نسبت زیادہ سمجھ میں آنے لگا ہے۔ اور بعض اوقات اپنے بارے میں تفسیر یا بعض آیات کریمہ سے کچھ نکات سمجھنے کی مناسبت ہونے کا گمان ہوتا ہے۔ واللہ اعلم۔ (لیکن احقر کو جو معنی و مفہوم بعض آیات کا سمجھ میں آتا ہے، اس کے صحیح و درست ہونے کے بارے میں اپنی رائے سے فیصلہ کرنے کا قطعاً حق نہیں سمجھتا، جب تک کہ محقق علماء کرام اس کی تصدیق و توثیق نہ فرمادیں) (شب جمعہ ۱۵ رمضان المبارک ۱۴۱۷ھ)

مرید یا مجاز:

اب تک احقر کا کوئی مرید نہیں۔ البتہ اگر کوئی اصلاحی مشورہ لینا چاہتا ہے تو مشورہ دے دیتا ہوں۔ ایک بار جدہ سے مدینہ منورہ زیارت کے لئے آیا ہوا تھا، تو ایک صاحب امریکہ وغیرہ کسی بیرونی ملک سے آئے ہوئے تھے، انہوں نے کچھ سوالات کئے اور پھر بیعت ہونے کی درخواست کی۔ احقر نے مشورہ دیا کہ بیعت ہونے میں جلدی نہیں چاہیے۔ پہلے آپ واپس جا کر خط لکھیں۔ لیکن ان کا کوئی خط نہیں آیا۔

احقر کے ایک خاص دوست اور بزرگ حضرت ڈاکٹر سید محمد عبدالواحد صاحب دامت برکاتہم پہلے حضرت مولانا حافظ محمد عبدالوحید صاحب شہید رحمۃ اللہ علیہ سے اصلاحی مشورے وغیرہ لیتے تھے۔ ان کے بعد احقر سے اس قسم کی گفتگو ہوتی تھی۔ احقر نے مشورہ دیا کہ اس وقت بڑے حضرات (حضرت حکیم الامتؒ کے خلفاء) موجود ہیں، ان سے اصلاحی تعلق قائم کرنا چاہیے۔ وہ اصلاحی تعلق قائم کرنے کے لئے کوئی غیبی اشارہ چاہتے تھے۔ چنانچہ ایک بار جب احقر ملتان میں تھا، انہوں نے اپنا ایک خواب لکھا۔ احقر نے وہ خط حضرت حاجی محمد شریف صاحبؒ کو دکھایا، کیونکہ خواب میں ان کا بھی ذکر تھا۔ حاجی صاحبؒ نے خود براہ راست اس خط کا جواب تحریر فرمایا۔ اس کے بعد انہوں نے حضرت حاجی صاحبؒ سے اپنا اصلاحی تعلق کر لیا۔ جلد ہی انہوں نے ڈاکٹر صاحب کو اجازت بیعت بھی عطا فرمادی۔ ان کے بعد انہوں نے سیدی مرشدی حضرت مولانا شاہ محمد مسیح اللہ خان صاحبؒ سے اصلاحی تعلق کر لیا۔ ان کے وصال سے قبل ان سے بھی مجاز بیعت ہو گئے۔ جب احقر سے دینی گفتگو کرتے تھے، اس وقت احقر کو کئی بار تقاضا ہوا کہ ان کو اجازت بیعت دے دی جائے۔ لیکن یہ خیال ہوتا تھا کہ ان کے احسانات کی وجہ سے ان سے محبت ہو گئی ہے۔ اس سے اہلیت کا تو علم نہیں ہوتا۔ لیکن حضرت حاجی صاحبؒ سے اجازت ملنے پر اہلیت کا گمان قوی ہو گیا۔ اس وقت میں نے ظاہر کیا کہ مجھے جو اجازت دینے کا تقاضا ہوتا تھا وہ صحیح تھا۔ لیکن اب تو حضرت حاجی صاحبؒ سے اجازت کے بعد میری اجازت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، لیکن انہوں نے تو انصافاً کہا کہ نہیں، آپ اجازت دیدیں۔ چنانچہ یہ اجازت مفضول کی طرف سے افضل کو اجازت کے معنی میں ہے۔ اور اس کی مثال حضرت تھانویؒ

نے دی ہے، کہ مرغی اپنے انڈوں کے علاوہ کبھی بطخ کے انڈے بھی سیتی ہے۔ اس میں سے بچے نکلتے ہیں، وہ پانی میں تیرنے لگتے ہیں اور مرغی کنارے کھڑے دیکھتی رہتی ہے۔ کیونکہ وہ تو تیرنا نہیں جانتی۔ بلکہ یہ مثال بھی پوری طرح منطبق نہیں، کیونکہ مرغی تو انڈے سیتی ہے۔ یہاں تو سب کام بزرگوں کا کیا ہوا ہے۔ یا بزرگوں کی دعائیں ہیں، اور خود جو فیکہ تعالیٰ ان کا نصیب ہے کہ غیر ملکتب اخلاق محض اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ان کی دین ہے۔ بہر حال احقر نے ان کو اجازت بیعت لکھ دی، جو خود احقر کے لئے باعث شرف ہے۔ ان کے لئے ہمارے حضرت والا کا فیض برکت کا احقر زیادہ سے زیادہ واسطہ کا درجہ رکھتا ہے جیسا کہ بے جان و بے حس نلکے سے پانی پہنچتا ہے۔

(ترجمہ المؤلف ختم ہوا)

خاتمہ بالخیر

الْحَمْدُ لِلَّهِ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَىٰ عَلَيْهِ مَنْبَهُ وَكَرِيمَهُ وَاحْسَانِهِ خَيْر السَّوَانِحِ بِالْآخِرِ مَدِينَهُ مُنَوَّرَهُ فِي خَتْمِ امْتِحَانِهِ بِذِي هَوْرِي
ہے۔ اور علاوہ مقدمہ اور اس خاتمہ کے تیس (۲۳) ابواب پر مشتمل ہے۔ یہ عدد (۲۳) سید الموجودات عليه السلام کی مدنی حیات طیبہ کے عدد سنوات سے مطابقت کے لئے تیمنا و تبرکاً اختیار کیا گیا ہے۔

اب احقر کی عمر سن ہجری اسلامی کے حساب سے ۲۷ ربيع الاول ۱۴۱۷ھ کو ۷۴ سال اور سن عیسوی کے حساب سے ۱۲ کتوبر ۱۹۹۶ء کو ۷۲ سال ہو چکی ہے۔ اللہ تعالیٰ باقی عمر عافیت دارین اور اپنی مرضیات پر چلنے کی توفیق کے ساتھ گزارنے لہ توفیق عطا فرمائیں۔ خاتمہ علی الایمان اور مدینہ میں حسن خاتمہ سے نوازیں، جنت البقیع میں دفن ہونا تصیب فرمائیں، اور مغفرت و رحمت سے مالا مال فرمائیں (آمین ثم آمین)

معذرت، تمنا، درخواست و وصیت اور دعاء:

چونکہ یہ کتاب ضعیف العمری اور عوارض کی حالت میں پوری ہو رہی ہے۔ اس لئے کم از کم اغلاط باقی نہ رہ جانے کی تمنا تو شاید پوری نہ ہو سکے گی، البتہ اہل حق کی دینی تالیف میں اغلاط کتابت کی کثرت اور بعض شدید اغلاط کی مضرت کے اندیشہ سے دل بہت کڑھتا ہے۔ اگر خود احقر اس کتاب کی کما حقہ تصحیح نہ کر سکا تو ناشر حضرات کی خدمت میں درخواست ہے کہ براہ کرم ضرور اس کتاب کی تصحیح کا بہت زیادہ اہتمام فرمایا جائے، اور طباعت وغیرہ عمدہ ہونا بھی قابل مسرت امر ہے۔ دعاء ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اس تمنا کو پورا فرمائیں اور اس کتاب میں جو بزرگان دین کی باتیں نقل کرنے کی توفیق عطا ہوئی ہے، اس کو مقبول و مفید بنائیں اور اپنی طرف سے جو ہرزہ سرائی کی ہے اس کو معاف فرمائیں (آمین ثم آمین)

معافی نامہ:

احقر کو اپنا سفر آخرت بھی قریب ہی نظر آتا ہے۔ اس لئے ایک گزارش اور اعلان ہے۔ وہ یہ کہ جو صاحب بھی اسے پڑھیں، ان کی خدمت میں دست بستہ نہایت لجاجت سے درخواست ہے کہ میرے لئے دعاء مغفرت اور حسن خاتمہ کیلئے دعاء فرماویں، اور اگر کسی کا مالی حق میرے ذمہ رہ گیا ہو، جسے میں بھول گیا ہوں تو براہ کرم وہ مجھے یاد دلا دیں۔ اگر مجھے یاد آ گیا تو ان شاء اللہ تعالیٰ اس کی ادائیگی کر دوں گا۔

رہے غیر مالی حقوق۔ مثلاً کسی کو ناحق کچھ کہہ لیا ہو، کسی کی دل شکنی کی ہو، خواہ رو برو یا پس پشت، خواہ ابتداءً ایسا کیا ہو یا انتقام میں جائز حدود سے تجاوز ہو گیا ہو، یا کسی کو ناحق بدنی ایذاء پہنچائی ہو۔ (اس قسم کے حقوق کا احتمال زیادہ ہے)۔ ان سب اہل حقوق کی خدمت میں دست بستہ نہایت لجاجت سے پھر درخواست کرتا ہوں کہ ان حقوق کا خواہ مجھ سے معاوضہ لے لیں۔ بشرطیکہ مدعی کا صدق میرے دل کو لگ جائے۔ خواہ حسبہ اللہ معاف فرمادیں۔ میں دونوں حالتوں میں ان کا شکر گزار ہوں گا کہ مجھ کو آخرت کے محاسبہ سے بری فرمایا۔ اور معافی کی صورت میں دعاء کرتا رہوں گا کہ میرے ساتھ مزید احسان فرمایا۔ حق تعالیٰ جزائے خیر دیں۔

احقر آفتاب احمد (شب یکشنبہ ۲ شوال ۱۴۱۷ھ / ۹ فروری ۱۹۹۷ء)

تاریخ تکمیل خیر السوانح:

الحمد لله سبحانه وتعالى على منته و كرمه و احسانه که بالآخر آج یوم پنجشنبه ۶ شوال ۱۴۱۷ھ (مطابق ۱۳ فروری ۱۹۹۷ء) کو "خیر السوانح" مکمل ہوئی۔ اور یہ اختتامی کلمات بعد نماز فجر مسجد نبوی شریف میں لکھنے کی توفیق ہو رہی ہے۔ جیسا کہ ابتدائی کلمات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے موابہ شریف میں لکھنے کی سعادت نصیب ہوئی تھی۔ اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل و کرم سے قبول فرمائے اور نافع بنائے، (آمین ثم آمین)۔ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ۔ وَتُبْ عَلَيْنَا إِنَّكَ أَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ۔ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ أَوْلَىٰ وَأَخْرَأُ۔ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي بِنِعْمَتِهِ تَتِمُّ الصَّالِحَاتُ۔ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَىٰ رَسُولِهِ الْكَرِيمِ۔ رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ مَحْبُوبِ رَبِّ الْعَالَمِينَ سَيِّدِنَا وَ مَوْلَانَا وَ حَبِيبِنَا وَ شَفِيعِنَا مُحَمَّدٍ وَ آلِهِ وَ أَصْحَابِهِ أَجْمَعِينَ۔ بِرَحْمَتِكَ يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِينَ وَ آخِرُ دَعْوَانَا أَنْ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ۔ سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُونَ۔ وَ سَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِينَ وَ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ۔

۱۔ احقر نے اس اماں کی عبارت حضرت سید قرادین احمد صاحب دامت برکاتہم سے نقل کی ہے۔ انہوں نے یہ عبارت حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کے عہدت سے نقل کی تھی۔ اور انہوں نے ایسا اعلان حضرت تھانوی کے اتباع میں کیا تھا۔ کیونکہ یہ عمل قابل اتباع پایا اور اس کی عبارت مختصر ہونے کے ساتھ جامع نظر آئی، احقر نے بھی اسی کو اختیار کر لیا۔ (۱۲)

۲۔ احقر کو حضرت والہ سے اجازت بیعت ہونے کی تاریخ ۶ شوال ۱۳۸۳ھ ہے۔ اسی تاریخ کو چوتیس سال کے بعد "خیر السوانح" مکمل ہونے کی سعادت نصیب ہوئی، واللہ

فہرست مآخذ خیر السوانح

- (۱) قرآن مجید
- (۲) حدیث نبوی شریف: مشکوٰۃ المصابیح
- (۳) حدیث نبوی شریف: رسالہ شمیم الجیب (از نشر الطیب واز ازلۃ الوسن بالف من السنن) (انتخاب از مشکوٰۃ شریف)
- (۴) نقش حیات خیر محمد (خودنوشت قلمی سوانح حضرت وللاً)
- (۵) مسودہ خیر السوانح (ترتیب جناب ماسٹر صوفی محمد اقبال قریشی صاحب ہارون آبادی زاد مجید ہم)
- (۶) شریعت و تصوف (تالیف سیدی مسیح الامتہ حضرت مولانا محمد مسیح اللہ خان صاحب شروائی نور اللہ مرقدہ)
- (۷) ذکر خیر و یاد شریف
- (۸) آثار خیر (مجموعہ بعض تالیفات حضرت وللاً)
- (۹) بعض اکابر کی تحریرات جیسے استاذی المعظم حضرت العلامة مولانا ظفر احمد عثمانی "کامقالہ" ذکر خیر
- (۱۰) مکاتیب تعزیت بزرگان دین و دیگر حضرات
- (۱۱) ماہنامہ "الخیر" شعبان و رمضان ۱۴۰۷ھ
- (۱۲) تعارف و تاریخ وفاق المدارس العربیہ پاکستان
- (۱۳) نقول مکاتیب حضرت وللاً بنام حضرت علامہ مولانا سید قاضی زاہد الحسنی صاحب مدظلہ
بابت عقیدہ حیات النبی ﷺ مع نقول فتویٰ دارالعلوم دیوبند،
تحریر حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب اور اکابر علماء دیوبند کا متفقہ اعلان بابت عقیدہ حیات۔
- (۱۴) تسہیل المواعظ و بعض دیگر مواعظ حضرت حکیم الامت تھانوی
- (۱۵) اشرف السوانح مع خاتمۃ السوانح، حضرت خواجہ عزیز الحسن صاحب مجذوب رحمۃ اللہ علیہ
- (۱۶) سیرت اشرف جناب ششی عبدالرحمن خان صاحب مرحوم
- (۱۷) بوادر النوار۔ حضرت تھانوی
- (۱۸) حضرت حکیم الامت تھانوی اکابر اور معاصرین کی نظر میں۔ تالیف حضرت سید محمود حسن صاحب
- (۱۹) مکتوبات و ملفوظات اشرفیہ۔ تالیف حضرت حاجی محمد شریف صاحب رحمۃ اللہ علیہ
- (۲۰) تذکرۃ الظفر (سوانح حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی) تالیف حضرت مولانا مفتی سید عبدالشکور صاحب ترمذی مدظلہ
- (۲۱) مشاہدات احقر مولف
- (۲۲) مکتوبات حضرت وللاً بنام احقر مولف

حضرت مولانا خیر محمد جالندھری نور اللہ مرقدہ کا مقام اور اخلاقِ حسنہ بزرگانِ دین کی نظر میں

عظیم مفتی پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندی کی نظر میں:

حضرت مولانا خیر محمد صاحب علماء و اولیاء کی صف میں ایک بلند اور ممتاز مقام رکھتے تھے۔ ایسی جامع علم و عمل ہستیاں قرون میں کہیں پیدا ہوتی ہیں۔ پاکستان بننے کے فوراً بعد مغربی پاکستان میں علوم اسلامیہ کا سب سے بڑا مرکزی مدرسہ ملتان شہر میں آپ ہی کے دست مبارک سے بنا۔ اور ان شاء اللہ تاقیامت آپ کی یادگار اور صدقہ جاریہ بن کر جاری رہے گا۔

سید المشرفین حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی کی نظر میں:

حضرت مولانا خیر محمد صاحب جالندھری رحمۃ اللہ علیہ تو جامع کمالات تھے۔ ان کے اوصاف و کمالات کا ذکر کس انداز میں کیا جائے۔ ان کی زندگی کا ہر لمحہ علم دین کی خدمت میں گزرا ہے۔ وہ اپنی زندگی میں ایک ایسا چشمہِ عظم جاری فرما گئے ہیں جو ان کی نجات کے لئے کافی ہے۔ باقی کمالات نگی و روحانی الگ ہیں۔

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمی رحمۃ اللہ علیہ کی نظر میں:

حضرت مولانا خیر محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ ایک جید عالم دین اور شیخ العصر تھے۔ قدیم بزرگوں کی سادگی کا پیکر، تواضع و انکساری کا مجسمہ، خوش اخلاق اور اسلاف کی یادگار تھے۔ زہد و ہدایت اور دینی فیضان کا منبع و سرچشمہ تھے۔ اور حضرت حکیم الامت تھانوی کے اہل خفا میں ایک ممتاز شخصیت و حیثیت کے مالک تھے۔ اپنے حسن اخلاق اور حسن تدبیر سے آپ نے حضرت حکیم الامت قدس سرہ کی زبردستی ایک دینی مدرسہ جالندھر میں قائم کیا..... اور دراصل حضرت مولانا مرحوم کا حسن اخلاق، محنت علم اور اس پر حسن نیت و اخلاص اس مدرسہ کی اساس ہے۔

محمد ث العصر حضرت مولانا سید محمد یوسف دیوبندی کی نظر میں:

حضرت مولانا مرحوم اپنے دور کے جید اور ممتاز عالم تھے، بلکہ بڑے عاقل و متین اور مدبر و منتظم تھے، علم و وقار کا مجسمہ اور خدا ترسی و ولایت کا بہترین نمونہ تھے۔ ان کی موت محفلِ وداع، علم و وقار، تدبیر و انتظام اور مکارم اخلاق کی موت ہے، ان کے وجود سے علم اور علماء کا وقار قائم تھا، خانہ کی عظمت باقی تھی۔ ارشادِ توفیق کی شہیں روشن تھیں اور اصلاح و تربیت کی مجلسیں آباد اور بارون تھیں۔

شہس العلماء حضرت مولانا شمس الحق افغانی کی نظر میں:

حضرت مولانا جالندھری رحمۃ اللہ علیہ اپنے کمالات علمی اور روحانی کے اعتبار سے علم و عرفان کے ایک روشن چراغ تھے۔ اور علومِ ظاہرہ میں کامل و مکمل اور مقاماتِ باطنیہ میں بہت بلند مقام پر فائز تھے۔ آپ محمولات و مقولات کے اس وقت امام تھے، اور علومِ دینیہ کے خزانہ تھے۔

خطیب پاکستان حضرت مولانا احتشام الحق صاحب تھانوی کی نظر میں:

حضرت مولانا خیر محمد صاحب کی آنکھ کیا بند ہوئی، یوں محسوس ہوتا ہے کہ خیر کا ایک چشمہ تھا جو یک لخت سوک گیا۔ آپ عالم اسلام کی ان گنی جنتی شخصیات میں سے ایک تھے جو ملت اسلامیہ کے لئے سرمایہ نازکی حیثیت رکھتی ہیں۔ آپ جیسی جامع علم و عمل ہستی کی کمی آئندہ آنے والے زمانوں میں شاید صدیوں تک محسوس کی جاتی رہے۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحب کی نظر میں:

استاذ العلماء حضرت مولانا خیر محمد صاحب قدس سرہ بزمِ صفیر پاک و ہند کے چند ممتاز و جید علماء میں سے تھے۔ ان کی وفات سے علم و عرفان کا چراغ بجھ گیا ہے..... حضرت مولانا کا جس طرح اپنے اخلاقی بلندی میں بلند مقام کے مالک تھے اسی طرح علوم ظاہرہ تعمیر و حدیث، فقہ و کلام اور منطق و فلسفہ کے بھی اعلیٰ مقام پر فائز تھے۔ اور وہ جامع علم و عمل اور تصوف و سلوک کے کامل شاخ تھے۔ آپ جیسے مجلس، پاک ہذا اور اہل دل بزرگ کہیں قرون میں وقوع پذیر ہوتے ہیں۔ وہ علوم و ولایت کا بہترین نمونہ اور زبردست توفیق کا مجسمہ تھے۔

عناظیر الحدیث حضرت مولانا خیر محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی نظر میں:

حضرت مولانا خیر محمد جالندھری ایک جید عالم دین، عظیم محدث، محقق، مدبر اور شیخ کامل تھے۔ وہ علماء ملت کی زندگی کا بہترین نمونہ تھے۔ مولانا مرحوم نے اپنی زندگی میں شیخ و دین، روشن و قدرتیں اور تربیت و اصلاح میں صرف ہوئی۔ پاکستان بھر کے علماء میں بلند مقام رکھتے تھے۔ ان کی وفات سے جو علماء ہیں، ان کی زندگی میں سے بڑھ گیا۔



